تفسیر مدارک النسفی اردو

مدارک التنزیل وحقائق التاویل

جلد اوّل

پارہ ۱ تا 10

تالیف:

ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی

(ت ۷۱۰ھ)

مخرج احادیث
یوسف علی بدیوی

مراجعہ وتقدیم لہ
محی الدین دیب مستو

مترجم

استاذ تفسیر و حدیث مولانا شمس الدین مجد

فقہ حنفی کی مشہور تفسیر کا مستند اردو ترجمہ جس میں الفاظ قرآنی
کی لغوی و شرعی تشریح کی گئی ہے۔ ہر آیت کے بارے
میں قراء کرام کے اقوال عربی ضرب الامثال کا ذکر، ملحدین
کے اعتراضات کے جوابات، احکام قرآنی کا فقہی استنباط
اور متقدمین کے اقوال سے استدلال ہے۔

مکتبۃ العلم
۱۸۔ اردو بازار لاہور پاکستان
Ph:7211788-7231788

نام کتاب .... تفسیر مدارک النسفی اردو

تالیف: .... الشیخ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی ؒ

مترجم .... استاذ التفسیر والحدیث مولانا شمس الدین مد ظلہ

ناشر .... خالد مقبول

مطبع .... لعل شاد پرنٹرز

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ 7224228

مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 7221395

مکتبہ محمدیہ ۱۸۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان 7231788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت طباعت تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

عرض ناشر

قرآن مجید و فرقان حمید سراپا معجزہ ہے۔ اس کے معانی کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ اور اس کی عبارتیں بھی معجزانہ ہیں۔ قرآن مجید اللہ کی آخری اور وہ عظیم المرتبت اور عالی شان کتاب ہے جسے اللہ رب العزت نے بنی نوع انسانی کے لیے بطور ضابطہ اور اساس نازل فرمایا۔

قرآن مجید سے پہلے کی کتب سماویہ جو سابقہ امم کو عطا ہوئیں وہ سب تحریف کا شکار ہو گئیں۔ حتیٰ کہ آج ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ جبکہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے لیے خالق کائنات جل مجدہ نے فرمایا ہے۔

﴿انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون﴾

"بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔"

قرآن مجید عربی میں نازل ہوا تھا۔ اس وقت جو لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) موجود تھے عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لئے قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جہاں کہیں انہیں کوئی اشکال ہوتا تھا۔ وہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسرے بہت سے مناصب پر فائز کیا تھا وہاں ایک منصب عالی قرآن عزیز کے مفسر و ترجمان ہونے کا بھی تھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم﴾ (النحل: ۴۴)

"اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر واضح کریں۔"

چنانچہ تفسیر کا سب سے بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو مختلف کتب حدیث میں منقول ہیں۔

حفاظت قرآن کے وعدۂ خداوندی کی تکمیل یوں ہوئی کہ الفاظ کو تو حفاظ نے سینوں میں محفوظ کر لیا اور جہاں تک معانی قرآن کا تعلق ہے تو مفسر اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک مفسرین کرام نے ان کی حفاظت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر دور میں مفسرین نے اپنے ذوق اور علم کے مطابق چھوٹی بڑی تفاسیر لکھیں۔ بہت سے علوم تفسیر میں شامل ہو گئے۔ جیسے کہ نحوی علماء نے تفاسیر لکھیں۔ ان میں نحوی مسائل کو سامنے رکھا مثلاً ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط۔ علوم عقلیہ کے علماء نے جو تفاسیر

لکھیں ان میں فلسفہ کو مدنظر رکھا مثلاً امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر۔ صوفیاء نے علم تصوف پر مبنی تفاسیر لکھیں مثلاً ابن عربی کی تفسیر ابن عربی۔

زیر نظر تفسیر جناب ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی کی عظیم المرتبت تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف بہ تفسیر مدارک نسفی ہے۔ امام نسفی مسلکاً حنفی تھے۔ حدیث نبوی ﷺ اور اصول فقہ کے ماہر تھے اور کتاب اللہ کے بہترین مفسر تھے۔

مکتبۃ العلم لاہور کو جو عرصہ دراز سے علوم دینیہ کی اشاعت و ترویج میں بڑی عرق ریزی سے کوشاں ہے اس سے پہلے کتب احادیث سنن ابو داؤد (مترجم)، سنن نسائی (مترجم)، سنن ابن ماجہ (مترجم)، جامع ترمذی (مترجم)، موطا امام محمد (مترجم) اور دلیل الفالحین اردو شرح ریاض الصالحین تفسیر انوار البیان اردو پہلی بار کمپیوٹر کمپوزنگ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ اسی طرح الحمد للہ پہلی بار تفسیر مدارک جو کہ فقہ حنفی کی بہترین تفسیر ہے کو اردو قالب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس تفسیر میں درج ذیل خصوصیت ہیں

① الفاظ قرآنی کی لغوی اور شرعی تشریح

② ہر آیت کے بارے میں قراءت اقوال

③ عربی ضرب الامثال کا جا بجا ذکر۔

④ ملحدین کے اعتراضات کے مدلل جوابات۔

⑤ احکام قرآنی کا فقہی استنباط اور متقدمین کے اقوال سے استدلال۔

اس میں قرآنی عربی (کتابت شدہ) کا کرشیہ مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب ؒ کا ترجمہ دیا گیا ہے جو کہ عام فہم اور آسان ترجمہ ہے۔

آخر میں استدعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ بندہ کے والدین کو جنہوں نے مجھے قرآن و حدیث کے کام کی طرف نہ صرف رغبت دلائی بلکہ قدم قدم پر راہنمائی بھی فرمائی (جو الحمد للہ ہنوز جاری ہے) ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔ اللہ جل جلالہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں دامے درمے سخنے شامل ہونے والے تمام احباب کو اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث کے کام کی اور زیادہ توفیق و رغبت عطا فرمائے۔

طالب دعا

خادم العلم والعلماء

خالد مقبول

فہرست

پارہ ①

سورۃ الفاتحہ ① ک

سورۃ البقرۃ ②

پارہ ②

پارہ ۳

سورۃ آل عمران

پارہ ۵

پارہ نمبر ۷

سورۃ الاعراف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ سورت مکی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مدنی ہے۔ مگر صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ مکی اور مدنی ہے۔ یہ مکہ شریف میں اس وقت اتاری گئی جبکہ نماز کا فریضہ لازم ہوا۔ پھر دوبارہ نزول مدینہ میں اس وقت ہوا جب تحویل قبلہ کا معاملہ پیش آیا۔

اسمائے سورت اور انکی وجوہ:

نمبر ۱۔ ام القرآن: (ا) حدیث میں اس کا یہ نام وارد ہوا ہے۔ لا صلاۃ لمن لم یقرء بام القرآن (مسلم) اس کی نماز کامل نہیں جس نے ام القرآن نہ پڑھی۔

(ب) یہ قرآن مجید کے مقاصد پر مشتمل ہے۔

نمبر ۲۔ وافیہ، کافیہ: یہ سورت مقاصد قرآن کو اپنے اندر سمیٹنے والی ہے۔

نمبر ۳۔ الکنز: حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب کنز من کنوز عرشی (ابن راہویہ) فاتحۃ الکتاب میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

نمبر ۴ الشفاء، الشافیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء الا السام (فیض القدیر) فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج (شفاء) ہے۔

نمبر ۵ المثانی: کیونکہ یہ نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔

نمبر ۶ سورۃ الصلاۃ (ا): اس روایت کی بناء پر (لا صلاۃ لمن لم یقرء بام القرآن) کہ نماز کی تکمیل کا انحصار اسی پر ہے۔

(ب): اس لئے بھی کہ یہ نماز میں فرض ہے یا واجب (فقہاء کے اختلاف کے مطابق)

نمبر ۷ سورۃ الحمد والاساس: یہ قرآن کی اساس و بنیاد ہے۔ جیسا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ارشاد میں ذکر فرمایا اذا اعتللت او اشتکیت فعلیک بالاساس: کہ جب تو بیمار پڑ جائے تو فاتحہ کو لازم پکڑ۔"

تعداد آیات:

اس سورت میں بالاتفاق سات آیات ہیں۔ واللہ اعلم

اختلاف قراء اور انکے دلائل:

نمبر ۱: قراء مدینہ، بصرہ اور شام رحمہم اللہ کا کہنا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فاتحہ کی آیت نہیں اور نہ ہی کسی دوسری سورۃ کی ابتدائی آیت ہے (البتہ سورۃ نمل کی آیت کا حصہ ہے انہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (الآیۃ)

ابتداء میں اس کو تبرک کے طور پر اور دو سورتوں کے مابین فاصلہ ظاہر کرنے کیلئے لایا جاتا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ اسی بناء پر ان کے ہاں فاتحہ کے ساتھ اس کو جہراً نہیں پڑھا جاتا۔

نمبر ۲: دوسرا مسلک قراء مکہ اور کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔ کہ یہ نہ صرف سورت فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ بلکہ ہر سورت کی (ابتدائی) آیت ہے۔ اس قول کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے احباب نے اختیار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھتے ہیں۔

دلائل شوافع رحمہم اللہ نمبر ۱:

سلف صالحین رحمہم اللہ اس کو قرآن مجید میں لکھتے چلے آرہے ہیں حالانکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھنے کی شدت سے ممانعت تھی (پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ سورت فاتحہ کی آیت ہے)

نمبر ۲ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ جس نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا۔ اس نے گویا کتاب اللہ کی ایک سو چودہ ۱۱۴ آیات کو چھوڑ دیا۔ (اس سے ثابت ہوا کہ یہ ہر سورت کی آیت ہے)

دلائل احناف رحمہم اللہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے صلوٰۃ یعنی فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ میرے بندے کیلئے وہ ہے۔ جو اس نے سوال کیا۔

جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی۔
جب بندہ کہتا ہے الرحمان الرحیم۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔
جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔
جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرے بندے نے جو طلب کیا میں نے اس کو دے دیا۔

جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندے کیلئے خاص ہے اور میرے بندے نے جو مجھ سے سوال کیا وہ میں نے اسے دے دیا۔ (مسلم، ترمذی)

(پس اگر بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہوتا تو الحمد کی بجائے اولاً بسم اللہ ذکر ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ کا بسم اللہ جزو نہیں)۔
نیز، الحمد للہ رب العالمین سے سورت فاتحہ کی ابتداء کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔ جب فاتحہ کا جزو ثابت نہ ہوا تو دوسری سورتوں کا جزو نہ ہونا تو بالاتفاق خود ثابت ہو گیا۔ اور یہ روایت تو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

جواب روایت:

ان کی پیش کردہ روایت ہمارے مخالف نہیں کیونکہ بسم اللہ ہمارے نزدیک بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔
دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے اور سورتوں کے ابتداء میں تبرک حاصل کرنے کی غرض سے اتاری گئی۔ علامہ فخر الاسلام بزدوی نے یہ بات "المبسوط" میں ذکر کی ہے۔ ہم پر اعتراض اس روایت سے تب آتا جب ہم اس کو قرآن مجید کی آیت تسلیم نہ کرتے۔ "الکافی" میں اس کی تفصیل موجود ہے [illegible]۔ باء کا تعلق محذوف سے ہے۔ جس کی تقدیری عبارت یہ ہے۔ بسم اللہ اقرأ و اتلو۔ کیونکہ جو شخص بسم اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔ تو وہ اس کا قاری ہے۔ جیسا کہ مسافر جب کسی جگہ خیمہ زن ہو یا وہاں سے کوچ کرے تو کہتا ہے۔ بسم اللہ والبرکات یعنی (بسم اللہ احل و بسم اللہ ارتحل) کہ میں اللہ کے نام کی برکت سے اترتا اور اللہ کے نام کی برکت سے کوچ کرتا ہوں۔ اسی طرح ذبح کرنے والا (کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہوں)۔

اصول:

ہر فاعل جو بسم اللہ سے اپنے فعل کو شروع کرے گا تو وہی فعل مقدر ہوگا جس کی ابتداء بسم اللہ سے کی گئی ہے۔
البتہ: فعل محذوف آخر میں مانا جائے گا۔ کیونکہ فعل اور متعلق سے زیادہ اہم متعلق ہے (کیونکہ مقصود وہی ہوتا ہے)

عادت مشرکین:

مشرکین اپنے معبودوں کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے کہتے باسم اللات و باسم العزی۔
اسلام نے شرک کی جڑ کو اکھیڑا ہے اس لئے مؤمن موحد کیلئے ضروری ٹھہرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو ابتداء میں لائے تاکہ ہر چیز کی ابتداء کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام کا قصد ہو جو عبادت بن جائے اور یہ مقصد صرف اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ متعلق بہ کو پہلے لایا جائے اور فعل کو آخر میں ذکر کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: اقرأ باسم ربک میں فعل کو مقدم کیوں کیا گیا۔

جواب: یہ قول سے متعلق یہ سب سے پہلے اترنے والی صورت ہے۔ اس وقت قراءت کا حکم زیادہ اہمیت والا تھا۔ اسی لئے

لفظ اللہ کی تحقیق:

اَللّٰہ : اس کی اصل اِلٰہ ہے اس کی نظیر الناس کا لفظ ہے جس کی اصل اُناس ہے ہمزہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں الف لام کا اضافہ کر دیا۔ پس اِلٰہ کا لفظ اسم جنس میں سے ہے۔ برحق و باطل معبود پر بولا جاتا ہے۔ پھر معبود حقیقی کیلئے اس کا استعمال غالب آ گیا۔ جیسا کہ النجم کا لفظ ہر ستارے پر بولا جاتا ہے۔ پھر ثریا (کہکشاں) کیلئے اس کا استعمال غالب ہو گیا۔ اللہ کا لفظ حذف ہمزہ کے ساتھ فقط معبود برحق پر ہی بولا جاتا ہے۔ غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ اسم ہے صفت نہیں۔

دلیل نمبر ۱ : کیونکہ اس کو بطور موصوف لاتے ہیں خود اس کو بطور صفت استعمال نہیں کرتے۔ اس طرح یہ نہیں کہا جاتا شیٌ اِلٰہٌ۔ جس طرح کہ شیءٌ رجلٌ نہیں کہتے۔ بلکہ کہتے ہیں اِلٰہٌ واحدٌ صمدٌ۔ اللہ جو کہ لایا جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۲ : اللہ تعالیٰ کی صفت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا موصوف ہو جس پر وہ صفات بولی جائیں۔ پھر اگر تمام کو صفات قرار دیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ صفات تو ہیں مگر ان کا موصوف کوئی نہیں۔ اور یہ بات درست نہیں۔

علماء نحو کا اختلاف:

جلیل القدر علماء نحو خلیل، زجاج، محمد بن الحسن، حسین بن فضل رحمہم اللہ نے اس کو مشتق نہیں مانا بلکہ اشتقاق کا انکار کیا۔

اشتقاق کا معنی:

بعض نے کہا اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ ترکیب اور معنی میں دو یا زیادہ لفظ شریک ہو جائیں۔ یہ اسم کا لفظ اَلِہَ یا لَاہَ (حیران ہونا) ہے۔ یہ لفظ حیرانی اور دہشت کو اپنے اندر شامل کرنے والے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معبود کی پہچان میں وہم و گمان حیران ہیں۔ اور بڑے تیز عقل والے دہشت زدہ ہیں۔ اسی وجہ سے گمراہی کثرت سے ہے۔ اور باطل پھیل رہا ہے۔ اور صحیح سوچ و فکر کی کمی ہے۔

دوسرا قول:

بعض نے کہا یہ اَلَہَ یَاْلَہُ اِلَاھَۃً سے ماخوذ ہے یہ مصدر ہے جو مألوہ بمعنی معبود کے مستعمل ہے۔ جیسا کہ آیت: ﴿ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ﴾ [لقمان: ۱۱] میں خلق کا لفظ بمعنی مخلوق استعمال ہوا ہے۔

اختلاف قراءت:

جب اس کے لام سے قبل ضمہ یا فتحہ ہو تو لام کو تفخیم سے پڑھا جائے گا۔ اور اگر لام سے پہلے کسرہ ہو تو ترقیق ہوگی۔ بعض قراء نے ہر حال میں ترقیق کی ہے جبکہ دوسروں نے ہر حال میں تفخیم۔ مگر جمہور کا قول وہی ہے جو ہم نے پہلے نقل کر دیا۔

لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق:

الرحمٰن : یہ رحم سے بروزن فعلان ہے۔ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت ہر چیز پر جاری ہو۔ اس کی نظیر غضبان کا لفظ ہے جو غضب سے ہے۔ غضبان اس شخص کو کہتے ہیں جو غصے سے بھرا ہوا ہو۔ اسی طرح الرحیم: رحم سے فعیل کا وزن ہے جیسا مرض سے مریض۔ لفظ رحمٰن میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

حمد کی تشریح:

الحمد: نیکی کے انداز سے کسی خوبی پر تعریف کرنا۔ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اصل میں یہ منصوب ہے۔ فعل مضمر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔ فعل مضمر جو خبر کے معنی میں ہو اس کا منصوب مصدر بن کر آنا ہے۔ جیسے کہ عرب کا قول شكرًا و كفرًا اى شكرت شكرًا۔

مرفوع کی وجہ:

منصوب سے مرفوع کی طرف عدول کرنے کی وجہ معنی میں پختگی اثبات ظاہر کرنا ہے۔

للّٰہ: یہ مبتدا کی خبر ہے۔ لام کا تعلق محذوف واجب یا ثابت سے ہے۔

حمد و مدح و شکر میں فرق:

کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنا خواہ مقابلہ میں نعمت ہو یا نہ ہو حمد کہلاتا ہے۔ حمد و مدح دونوں ہم معنی ہیں۔ مثلاً تم کہو کہ حمدت الرجل على انعامه حمدته على شجاعته وحسبه۔ پہلی مثال میں مقابلہ میں نعمت ہے اور دوسری مثال میں نعمت وغیرہ کچھ نہیں۔ شکر تو عمومی طور پر نعمت پر کیا جاتا ہے۔ البتہ شکر دل، زبان، اعضاء تمام سے عمل کیا جاتا ہے۔ جیسا شاعر کا یہ قول افادتكم النعماء منى ثلاثة يدى ولسانى والضمير المحتجب۔

نعمتوں کا فائدہ تمہیں میری طرف سے تین طرح پہنچا۔ میرے ہاتھ، زبان اور مخفی ضمیر سے۔ (یہاں شاعر نے ہاتھ دل زبان یا ہاتھ اور ضمیر تینوں کا ذکر کیا)

حمد: صرف زبان سے ہوتی ہے۔ وہ شکر کا ایک شعبہ ہے۔ اور اسی حدیث میں یہی معنی ہے الحمد راس الشكر ما شكر الله عبد لم يحمده۔ (حمد شکر کی چوٹی ہے۔ اس بندے نے شکر ادا نہیں کیا جس نے اللہ کی تعریف نہیں کی) اس ارشاد میں حمد کو شکر کی چوٹی قرار دیا گیا۔ کیونکہ زبان سے نعمت کا تذکرہ کرنے سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ بنسبت اعتقاد اور اعمال جوارح کے۔ کیونکہ دل کا عمل مخفی ہے اور اعضاء کے عمل میں احتمال ہے۔ حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفران ہے۔

شکر و مدح کا فرق:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدح اوصاف کمال پر کسی کی تعریف کرنا مثلاً باقی رہنا، قادر ہونا، عالم، ابدی، ازلی ہونا۔

شکر: جس کی طرف سے قسما قسم کی مہربانیاں ہوں ان پر اس کی تعریف کرنا۔ اور حمد کا لفظ شکر و مدح دونوں کو شامل ہے۔

الحمد کا الف لام ہمارے نزدیک استغراق کیلئے ہے بخلاف معتزلہ کے۔ اسی لئے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملایا جو اسم ذات ہے۔ اور تمام صفات کمال کو جامع ہے۔ اور یہی بنیاد ہے مسئلہ خلق افعال کی۔ جس کی تحقیق کسی مقام پر ہم نے کر دی ہے۔

رب اور عالمین کا معنی:

رب العالمين: الرب۔ مالک۔ حضرت ابوسفیان کو صفوان نے جو بات کہی لان يربنى رجل من قريش احب الى من ان يربنى رجل من هوازن۔ اگر میرا مالک قریش کا کوئی آدمی ہو وہ بہتر ہے اس بات سے کہ ہوازن کا کوئی آدمی میرا مالک ہو۔

سوال: یہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ مثلاً رب ہونا یعنی تمام جہانوں کا مالک ہونا اور تمام انعامات دینے والا ہونا۔ اور ثواب و عذاب کے دن تمام اختیارات کا مالک ہونا وغیرہ حالانکہ الحمد للہ سے ہی ثابت ہو چکا کہ حمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات خاص ہے۔ کیا وجہ ہے؟

جواب: درحقیقت یہ بات ثابت کرنے کیلئے کہ جس ذات کی یہ صفات ہوں اس کے بغیر حمد و ثنا کا کوئی مستحق نہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ:

ایّا: خلیل اور سیبویہ رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اسم ضمیر ہے پھر سیبویہ کہتے ہیں کاف حرف خطاب ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں۔ مگر خلیل رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ کاف اسم ضمیر ہے۔ جس کی طرف "ایّا" کے لفظ کو مضاف کر دیا۔ کیونکہ فعل و فاعل سے مقدم آنے کی وجہ سے یہ اسم ظاہر کے مشابہ ہے۔

کوفی علماء: (رحمہم اللہ) ایّاک ایک مکمل اسم ہے۔

آیت میں فعل سے پہلے مفعول کو اس لئے لائے تاکہ تخصیص ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوگا۔ ہم تجھے ہی عبادت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

عبادت کا معنی:

عبادت: خضوع و عاجزی کی آخری حد کو کہتے ہیں۔ (وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) ہم امداد کی طلب میں تجھے ہی خاص کرتے ہیں۔

غائب سے خطاب:

صنعت التفات کی وجہ سے غائب سے مخاطب کی طرف رجوع کیا۔ یہ التفات کبھی غائب سے خطاب، کبھی خطاب سے غائب اور کبھی غائب سے متکلم کی طرف ہوتا ہے جیسا قرآن مجید کی اس آیت میں حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ۔ یونس: ۲۲ خطاب سے غائب کی طرف ہے اور آیت اللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ: فاطر ۹ میں غائب سے متکلم کی طرف ہے۔

اسی طرح امرؤ القیس کے ان اشعار میں تطاول لیلک بالاثمد۔ ونام الخلیُّ ولم ترقد۔ بات وباتت لہ لیلۃ کلیلۃ ذی العائر الارمد۔ وذلک من نبا جاءنی۔ وخبّرتہ عن ابی الاسود۔

ان اشعار میں لیلی۔ بِتُّ۔ جاءہ نہیں کہا بلکہ اس کی بجائے لیلک، بات، جاءنی کہا۔

کلام عرب میں صنعت التفات عام استعمال ہوتی ہے۔ اسکی وجہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ جب کلام کا اسلوب بدل جائے تو سامع کے دل کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اور یہ اسلوب مخاطب کیلئے نشاط طبع کے اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اور اسکی توجہ کو اور زیادہ مائل و مبذول کرتا ہے۔

اگرچہ بعض اوقات اس سے مزید خصوصی فوائد و لطائف بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر ایسی باتیں مخصوص ماہرین کلام اور بڑے علماء کے سامنے ذکر کرنا مناسب ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد اقل قلیل ہے۔

اسمیت کے دلائل: پہلی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ذاتی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان میں تفخیم، تعریف و تنکیر (معرفہ نکرہ ہونا) اسی طرح جمع اور تصغیر سے ان میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ نحوی حیثیت میں یہ معرب ہیں البتہ ان میں سکون زید و عمرو وغیرہ کی طرح ہے۔ کہ اعراب کا مقتضی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اعراب نہیں آسکتا۔

بعض نے ان کو حرفی کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ اصوات کی طرح ہیں۔ مثلاً غاق۔ یہ کوے کی آواز کی حکایت ہے۔

جمہور علماء کا قول:

یہ ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔

قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہیں۔

بعض کا قول: یہ ان متشابہات میں سے ہیں۔ جن کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کو تکلم ان کے ابہام و اخفاء کی وجہ سے ہی کہا جاتا ہے۔

بعض دوسروں کا قول:

یہ اسماء ہیں جن کو شروع میں بطور تحدیہ کے لایا گیا ہے۔ گویا کہ قرآن مجید نے جن کو چیلنج کیا تھا ان کو قرآن بیدار کر رہا ہے۔ اور آمادہ کر رہا ہے کہ وہ اس منزل شدہ وحی پر غور کریں جس کا مقابلہ کرنے سے وہ اول سے آخر تک عاجز آ چکے۔ جیساکہ کلام کے موتی ان کلمات سے ہی پروئے گئے ہیں جن سے ان کا اپنا کلام بنتا ہے۔ تاکہ یہ غور و فکر ان کو اس پر یقین لانے کی طرف آمادہ کرے۔ مگر اب تک انہوں نے اپنا سر اس کے سامنے سرنگوں نہیں کیا۔ اور بار بار رجوع کے باوجود ان کو اپنی عاجزی ظاہر نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ کلام کے ماہر بنے ہیں۔ (تاکہ اب بھی ہانک کر اپنی عاجزی مان لیں) کیونکہ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ خالق اور قادر مطلق کا کلام ہے۔

تعجب والوں کے لئے تو یہ بات بڑ مقام ہوگئی ہے۔ (آزاد اور اپنا نصیبا آزماؤ)

دیگر بعض کا قول:

یہ ہے کہ ان سے سورتوں کو اس لئے شروع کیا گیا۔ تاکہ سب سے پہلے جو چیز سامع کے کانوں کو کھٹکھٹائے وہ انوکھا انداز کلام ہو۔ جو دلائل اعجاز کیلئے ایک مقدمے کا کام دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف کے ذریعہ عمدہ اور نفیس کلام کرنے میں تمام عرب برابر تھے۔ خواہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا مختلف نہ تھے۔

البتہ: حروف کے اسماء کو وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ جنہوں نے خود پڑھنا لکھنا سیکھا یا اہل کتاب سے ان کا میل جول تھا۔ وہ ان سے انہوں نے سیکھ لیا تھا۔ مگر امی کا ان حروف سے کلام کرنا اسی طرح بعید تر تھا جس طرح کہ امی کا بغیر پڑھے لکھنا اور

تلاوت کرنا۔

پس آپ ﷺ کا ان اسماء کو اپنے کلام میں استعمال کرنا باوجودیکہ یہ بات مشہور و معروف تھی کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب کے کسی بھی فرد سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں کی۔ (یہ استعمال) اسی حکم میں ہے جو ان واقعات و قصص کے بیان کرنے کا تھا جن سے قریش وغیرہ پہلے سے ناواقف تھے۔ اس سے تو یہ بات خود ثابت ہوگئی کہ یہ سب آپ کو وحی الٰہی سے حاصل ہوا۔ جو آپ کی نبوت کی واضح شہادت ہے۔

دلیل اعجاز کا دوسرا انداز:

یہ بات معلوم ہے کہ ابتداء میں جو حروف وارد ہوئے ہیں۔ ان میں نصف تو حروف تہجی کے اسماء ہیں جو درج ذیل ہیں۔

الالف، اللام، المیم، الصاد، الراء، الکاف، الهاء، الیاء، العین، الطاء، السین، الحاء، القاف، النون۔

تعداد حروف:

حروف تہجی کی تعداد اٹھائیس ہے اور مذکورہ بالا حروف انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ پھر ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ ان پائے جانے والے حروف میں حروف کی تمام اقسام پائی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

نمبر۱۔ مہموسہ: میں سے الصاد، الکاف، الهاء، السین، الحاء، نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر۲ مجہورہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، العین، الطاء، القاف، الیاء، النون، نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر۳ شدیدہ میں سے: الالف، الکاف، الطاء، القاف، نصف تعداد میں موجود ہیں۔

نمبر۴ رخوہ میں سے: اللام، المیم، الراء، الصاد، الهاء، العین، السین، الحاء، الیاء، النون نصف موجود ہیں

نمبر۵ مطبقہ میں سے: الصاد، الطاء، آدھے موجود ہیں۔

نمبر۶ منفتحہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الهاء، العین، السین، الحاء، القاف، الیاء، النون، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر۷ مستعلیہ میں سے: القاف، الصاد، الطاء، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر۸ منخفضہ میں سے الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الهاء، الیاء، العین، السین، الحاء، النون، آدھے موجود ہیں۔

نمبر۹ قلقلہ میں سے القاف، الطاء، نصف تعداد موجود ہے۔

ان اجناس کی بقیہ اقسام میں ان حروف کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اکثر اس کے کل کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اہل عرب پر ان حروف کو شمار کر دیا جن پر ان کا کلام مشتمل تھا (اور ان کو مقابلے کا چیلنج دیا مگر پھر بھی وہ مقابلے میں نہ آئے بلکہ عاجز ہو گئے) اور ان کو اس طرح لاجواب و مبہوت کر دیا اور ان پر حجت قائم کر دی (فهل من مبارز)

ایک اور قول:

جنہوں نے ان کو سورتوں کے نام قرار نہیں دیا ان کے ہاں ان کا کوئی محل اعراب نہیں۔ جیسا کہ جملہ ابتدائیہ اور مفردات عددیہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

اسم اشارہ کی تذکیر:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: نمبر ا: یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ ان سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے کیا گیا۔ یا ذٰلك کا مشار الیہ الٓمّٓ ہے۔

سوال: اسم اشارہ مذکر اور مشار الیہ مؤنث ہے اور وہ سورت ہے۔

جواب: کتاب اگرچہ خبر ہے مگر یہ اسی کے معنی میں ہے۔ اور دونوں کی مراد ایک ہے۔ اس لئے مذکر ہونے میں لفظ کتاب کا حکم سورت کے لفظ پر لگا دیا اور اگر یہ صفت ہے تو پھر اس سے صراحۃً کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ کیونکہ اسم اشارہ سے اس کی جنس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس کی صفت ہے۔ محاورہ میں اس طرح کہتے ہیں۔

هند ذلك الانسان او ذلك الشخص فعل كذا

کہ ہندہ وہ انسان ہے ذلك کی صفت سے مراد انسان ہے اور ذلك کا اشارہ ہند کی طرف ہے۔ حالانکہ ہند مؤنث ہے۔

الٓمّٓ و اسم اشارہ کو ملانے کی وجہ:

وجہ نمبر ا: ذلك الكتاب کو الٓمّٓ کے ساتھ ملانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر الٓمّٓ کو سورت کا نام قرار دیں تو الٓمّٓ مبتدا ہوگا۔ اور ذلك مبتداء دوم ہوگا۔ اور الکتاب اس کی خبر بنے گی۔ پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہوگی اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہی کتاب کامل ہے۔ گویا اس کے مقابلہ میں دوسری کتابیں ناقص ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ ھو الرجل۔ یعنی رجولیت میں کامل وہی ہے۔ مردوں میں جتنی پسندیدہ خصوصیتیں ہوتی ہیں وہ سب اس میں جمع ہیں۔

نمبر ۲: الٓمّٓ مبتداء محذوف کی خبر ہو یعنی: الٓمّٓ ایک جملہ ہے اور ذلك الکتاب دوسرا جملہ ہے۔

نمبر ۳: اگر تم الٓمّٓ کو بحروف اسم سورت کے قرار دو تو پھر الٓمّٓ مبتداء اور الکتاب اس کی خبر ہوگی۔ یعنی وہ تمام حروف کتاب وہی کتاب کامل ہے۔

ریب کا مفہوم و معنی:

لَا رَیْبَ: (اس میں شک نہیں) فِیْهِ: یہ مصدر ہے رَابَ کا۔ جب کسی چیز میں شک ہو۔

ارتیاب کی حقیقت:

نفس کا قلق و اضطراب۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے۔ "دع ما یریبك الی ما لا یریبك" جو چیز تمہیں اضطراب میں ڈالے اس کو اس چیز کے لئے چھوڑ دے جو تمہیں اضطراب میں نہ ڈالے کیونکہ شک اضطراب ہے۔ سچائی

ہیں) کفر و اسلام کے درمیان فاصل نماز کا چھوڑ دینا قرار دیا گیا۔ اور زکوٰۃ کو اسلام کا پل فرمایا۔ (الزکوٰۃ قنطرۃ الاسلام) گویا ان کا مقام و مرتبہ ایسا ہے کہ تمام عبادات ان کے تابع ہیں۔ اسی لیے تو کلام کو مختصر فرمایا اور طاعات کے تذکرہ میں فقط عنوان پر اکتفا کیا اور ان کے ساتھ ساتھ ان دونوں عبادتوں کی فضیلت کو عنوان دیا۔

نمبر۵: یا یہ صفت ہے جو متقین کے ساتھ واقع ہوئی جو محض فائدہ کے لیے ہے۔ لائی گئی ہے مثلاً زید الفقیہ المتکلم الطبیب۔ اس صورت میں متقین سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو برے فعلوں سے گریزاں ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ: (تصدیق کرتے ہیں)

نحو: یہ ایمان مصدر سے باب افعال ہے۔ اور مجاز وہ ہے۔ امنتہ یعنی اس کی تصدیق کی اس کی حقیقت تکذیب و مخالفت سے امن میں کرنا ہے۔ با کے ساتھ یہ متعدی ہے۔ اس لیے کہ یہ اقرار و اعتراف کے معنی کو اپنے اندر شامل کرنے والا ہے۔

بِالْغَیْبِ: (جو ان سے پوشیدہ ہیں) ان چیزوں میں سے جن کی خبر ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

نمبر۱: مثلاً بعث و نشر اور حساب وغیرہ کے معاملات (جو کہ غائب کے مفہوم میں ہیں) یہ مصدر بمعنی اسم فاعل (ذاہب) لائے جاتے جیسا کہتے ہیں۔ غاب الشیء غیبا۔ یہ اس صورت میں ہے جب تم با کو یومنون کا صلہ بناؤ۔

نمبر۲: اور اگر تم اس کو حال قرار دو۔ تو پھر یہ پوشیدگی اور غائب ہونے کے معنی میں ہوگا۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں۔ اس حال میں کہ جس چیز پر ایمان لاتے ہیں وہ ان سے غائب ہے۔ (مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مگر ایمان لاتے ہیں) تحقیقی طور پر یہ عبارت اس طرح ہے۔ متلبسین بالغیب یعنی غیب سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں۔

صحیح ایمان یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ عمل (حقیقت) ایمان میں داخل نہیں (البتہ ایمان کی سلامتی و ثمرہ ضروری ہے)

اقامت کا مطلب:

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ: (یعنی اس کو ادا کرتے ہیں)

نمبر۱: ادائیگی کو اقامت سے تعبیر کیا۔ کیونکہ قیام اس کا ایک رکن ہے۔ جو اس میں فرض ہے جیسا کہ نماز کو قنوت سے تعبیر کیا۔ اور قنوت قیام ہی کو کہتے ہیں۔ رکوع اور سجود اور تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں نماز میں پائی جاتی ہیں۔

نمبر۲: یا اقامت صلوۃ سے مراد تعدیل ارکان ہے۔ یہ "اقام العود" سے ہے جب لکڑی کو سیدھا کر دیں۔

نمبر۳: یا نماز پر مداومت اور محافظت مراد ہے۔ جیسا کہ "قامت السوق" سے ماخوذ ہے جب بازار پر رونق ہو جائے۔ کیونکہ جب کسی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے تو پھر وہ چالو مال کی طرح بن جاتی ہے۔ جس کی طرف رغبتیں متوجہ ہوتی ہیں۔ اور جب کسی چیز کو ضائع کیا جائے تو وہ اس کھوٹی اور ردی چیز کی طرح ہے جس کی طرف طبیعت کی رغبت نہیں ہوتی۔

معنی صلوۃ:

الصَّلٰوۃَ: نحو: الصلوۃ کا لفظ فعلۃ کے وزن پر صلی سے ماخوذ ہے جیسا کہ الزکوۃ کا لفظ زکی سے۔ اور واؤ کے ساتھ اس

کی کتابت بطور تفخیم کے ہے۔ صلّی کا حقیقی معنی چوتڑوں کو حرکت دینا ہے۔ کیونکہ نمازی رکوع و سجود میں ان کو حرکت دیتا ہے۔ داعی (دعوت دینے والا) کو بھی مصلی (بلانے والا) کہا جاتا ہے۔ رکوع و سجود کرنے والے کے ساتھ خشوع میں مشابہت کی وجہ سے اس کو "مصلی" کہا جاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ: (جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے) یہاں ما بمعنی الذی ہے۔

انفاق سے مراد:

یُنْفِقُوْنَ: (وہ اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں) صدقہ کرتے ہیں۔ من تبعیضیہ داخل کر کے ممنوع فضول خرچی سے محفوظ کر دیا۔ مفعول کو اس کی اہمیت پر دلالت کرنے کیلئے مقدم کیا۔

نمبر۱: مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ یہاں صدقہ سے ملی ہوئی ہے جو کہ زکوٰۃ کی ہم مثل ہے۔

نمبر۲: یہ زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ اور اسی طرح کے خرچہ جات ہوں جو بھلائی کے راستہ میں کئے جائیں کیونکہ یہاں زکوٰۃ کا لفظ بلا کسی قید کے آیا ہے۔ اور انفق الشئی، اور انفدہ یہ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں جیسا کہ نفق الشئی، و نفد۔ چیز کا خرچ ہونا، ختم ہونے کے معنی میں آتے ہیں۔

قاعدہ:

ہر وہ لفظ جس کا فاء کلمہ نون ہو اور عین کلمہ فاء ہو وہ نکلنے اور چلے جانے کے معنی میں آتا ہے۔

نکتہ:

اس آیت سے بطور دلالت یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں وہ اس لیے کہ یہاں صلوٰۃ و زکوٰۃ کو ایمان پر عطف کر کے ذکر کیا گیا۔ اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے	اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ: یعنی انبیاء علیہم السلام پر اتاری جانے والی تمام کتابیں

وَبِالْاٰخِرَةِ: یہ آخر کی مؤنث ہے جو کہ اول کی ضد ہے۔ یہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ الدار ہے اس کی دلیل قصص آیت نمبر ۸۳ تلك الدار الآخرة ہے اور یہ صفت غالب ہے اسی طرح دنیا کا لفظ بھی (کہ اس کا موصوف محذوف ہے اور یہ صفت غالب ہے کیونکہ قریب تر ہے)

قراءت:

حضرت نافع یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمزہ کو حذف کرکے اس میں تخفیف کردی۔ اور اس کی حرکت لام کو دے دی۔

هُمْ يُوْقِنُوْنَ: ایقان اصل میں شک وشبہ دور ہو کر کسی چیز کے متعلق پختہ علم ہونے کو کہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى۔ (یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہیں) نحو: اگر اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کو مبتدا بنائیں تو جملہ محل رفع میں واقع ہے اور اگر اس کو مبتدا نہ بنائیں تو پھر اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ (اسم اشارہ کو صفات کے بعد لانا گویا موصوف کا صفات سمیت اعادہ ہے)

نمبر ۲: یہ بھی جائز ہے کہ پہلا موصول متقین پر جاری ہو اور دوسرا موصول ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہو۔ اور اولئك اس کی خبر ہو۔

تفسیر: ہدایت وفلاح کے ساتھ ان کو خاص کرنے کی وجہ اہل کتاب پر تعریض کرنا ہے۔ جن کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ہدایت پر ہونے کے دعویدار تھے۔ اور یہ طمع رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فلاح پانے والے ہیں۔

علیٰ کی حکمت:

عَلٰى هُدًى: میں استعلاء کا مفہوم یہ تمثیل ہے جو ہدایت پر ان کے پورے تمکن کو ظاہر کرنے اور اسی پر پختگی سے قائم رہنے کو ظاہر کرتا ہے اور ہدایت کو اس طرح انہوں نے تھام رکھا ہے کہ کوئی آدمی کسی چیز پر غالب اور سوار ہو۔ اس کی مثال هو على الحق وعلى الباطل ہے اور اہل عرب نے اپنے اس قول میں اس استعلاء کی وضاحت کر دی ہے۔ جعل الغواية مركبا (اس نے گمراہی کو سواری بنایا) امتطى الجهل (اس نے جہالت کو سواری بنایا) اقتعد غارب الهوى (وہ خواہشات کی کوہان پر بیٹھا)۔

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ: (یعنی ان کو ہدایت ان کے رب کی طرف سے ملی ہے) هدی کا لفظ نکرہ لائے۔ تاکہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو کہ ان کو ہدایت کی ایسی قسم حاصل ہے کہ جس کی حقیقت کو [illegible] نہیں جا سکتا۔

مقدر سوال کا جواب:

گویا کلام اس طرح تھا۔ کہ وہ کونسی ہدایت پر ہیں۔ تو جواب دیا گیا۔ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کہ وہ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں۔ اس کی مثال ہے لقد وقعت علی نعیم۔ یعنی عظیم گوشت پر واقع ہوا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: (یہی لوگ آخرت کے گھر میں من مانی مراد پائیں گے) اور جس سے وہ خوف زدہ ہیں اس سے وہ نجات پانے والے ہیں۔

فلاح کیا ہے؟

فلاح: تمنا کو پالینا المفلح تمنا کو پانے میں کامیاب۔ گویا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کے لیے کامیابی کے راستے کھل گئے ہیں۔ یہ مرکب خوشی اور فتح کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ الفاظ جن کا فا اور عین کلمہ اسی طرح ہو مثلاً فلق، فلذ، فلی (پھاڑنا، ٹکڑا کرنا) ان میں پھٹنے کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔

سوال: یہاں عطف کے ساتھ لایا گیا مگر دوسری آیت نمبر ۱۷۹ سورۃ اعراف میں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ میں بغیر عطف ذکر کیا۔ دونوں جملے مفہوم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

جواب: خبروں کا مختلف ہونا خود عطف کا متقاضی ہے اور اعراف والی آیت میں غفلت اور بہائم سے مشابہت ایک چیز ہے۔ پس دوسرا جملہ گویا پہلے کی تقریر و تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور اگر عطف لایا جاتا تو یہ مقصود پورا نہ ہوسکتا۔

هُمْ: یہ فصل کے لیے لائے ہیں اس کا فائدہ یہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد خبر ہے۔ صفت نہیں۔

نمبر ۲: ہم تاکید ہے اور اس بات کو لازم کرتی ہے کہ مسند کا فائدہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں۔

نمبر ۳: یہ مبتدا ہے اور المفلحون اس کی خبر ہے۔

نکتہ: غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے متقین کا ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہونا بار بار ظاہر کیا۔ جس کو مختلف راستوں والے نہیں پاسکتے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اسم اشارہ لائے۔ اور اسم اشارہ دوبارہ لایا گیا۔ اس میں متنبہ کر دیا کہ جس طرح انہوں نے ہدایت کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح وہ ہدایت ان کی فلاح کی ضامن ہے۔ المفلحون کو معرفہ لا کر یہ بتلایا کہ متقین وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تمہیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے کہ تمہیں اطلاع ملے کہ تیرے شہر کے کسی انسان نے توبہ کی۔ تو تم سے کسی نے پوچھا وہ توبہ کرنے والا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا "یہ زید تائب ہے" یعنی وہ وہی ہے جس کی توبہ کی تم کو خبر دی گئی ہے۔ درمیان میں فصل کیا تاکہ تم پر ان کے مراتب ظاہر کر دیئے جائیں۔ اور تمہیں اس چیز کی طلب کے لیے رغبت دلائی جائے جس چیز کی طرف انہوں نے رغبت کی۔ اور جس کی طرف انہوں نے قدم اٹھایا۔ تاکہ تو بھی پورے نشاط سے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ اے اللہ ہمیں اس تقویٰ سے زینت عنایت فرما۔ اور ان لوگوں کے گروہ میں ہمارا حشر فرما جن کے تذکرہ سے تو نے سورۃ بقرہ شروع فرمائی۔ آمین

قاعدہ:

فعل کو مبتدا بنانا درست ہے باوجود اس بات کے کہ فعل ہمیشہ خبر بنتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کلام کی جنس میں سے ہے۔ جس میں معنی کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ کا لحاظ چھوڑا گیا ہے۔ (یعنی مصدر کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبتدا بن گیا مجازاً) ہمزہ اور ام دونوں معنی استواء کو خالص کر رہے ہیں، اور استفہام کے معنی سے بالکل خالی ہیں۔

سیبویہ رحمہ اللہ کا قول:

اس حرف استفہام کو اسی طرح لایا گیا ہے (یعنی تاکید و تقریر کے لیے) جیسا کہ اس قول میں حرف نداء لایا گیا۔ اللّٰھم اغفرلنا ایتھا العصابۃ۔ یعنی یہ صورت میں استفہام ہے مگر حقیقت میں استفہام نہیں۔ جیسا کہ صورت میں تو نداء ہے مگر واقعہ میں نداء نہیں۔

الانذار: گناہوں پر ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ: نحو: نمبر۱: یہ جملہ ماقبل جملے کی تاکید ہے۔

نمبر۲: ان کی خبر ہے۔ اور اس سے قبل جملہ معترضہ ہے یا دوسری خبر ہے۔

حکمت اور انذار:

کفار کے اصرار کا علم ہونے کے باوجود انذار میں حکمت یہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور رسالت کا پیغام عام ہو اور رسول اللہ ﷺ کو ثواب ملے۔

تفسیر ختم:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ: (ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے) زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا۔ الختم۔ ڈھانپنے کو کہتے ہیں کیونکہ کسی چیز پر پختگی طلب کرنے کے لیے مہر لگا کر اس چیز کو ڈھانپا جاتا ہے۔ تاکہ اس پر کسی کو اطلاع نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر ان کو اس طرح کا بنا دیا کہ ان میں جو کفر گھسا ہوا ہے۔ وہ نکل نہیں سکتا۔ اور جو ایمان ان میں نہیں ہے وہ ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ختم و طبع کا نتیجہ:

مہر کا مقصد اہل حق کے نزدیک دل میں ظلمت اور تنگی کا پیدا کرنا ہے جب تک وہ ظلمت اس کے دل میں رہتی ہے وہ ایمان نہیں لاتا۔

معتزلہ کا مذہب:

دلوں کے متعلق فرشتوں کو اطلاع دینا ہے کہ ان سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کافر ہیں تاکہ وہ ان کے لیے خیر کی دعا نہ کریں۔

آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے جن میں ان کے خبث، منافقت جتائی اور ان کی جہالت کا پردہ چاک کیا اور مثال کے طور پر ان
کی مجنونانہ حرکات ظاہر کیں اور ان کی سرکشی اور اندھے پن پر مہر لگا دی اور ان کو بہرہ گونگا اندھا قرار دیا اور ان کی بدترین شکلیں
بیان فرمائیں منافقین کے واقعہ کو اول سے آخر تک کفروا کے واقعہ پر عطف فرمایا جیسا کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوتا ہے۔

الناس کا اصل اناس ہے ہمزہ کو بطور تخفیف کے حذف کر لیا اور ہمزہ کا حذف لام تعریف کی صورت میں لازم کی طرح
ہے۔ کیونکہ الاناس نہیں بولا جاتا اور اس کا اصل معنی انس ہے اس پر استشہاد کے لیے کافی ہے۔

انسان کی وجہ تسمیہ:

انسان کو انسان کہنے کی وجہ ان کا ظاہر ہونا اور اس لیے بھی کہ ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں۔ یعنی دیکھتے ہیں۔
جبکہ جن کو جن ان کے چھپنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ناس کا وزن فعال ہے، کیونکہ وزن کی زیادہ اصل یہ ہوتی ہے یا وہم کہ
ہے۔ لام تعریف اس میں جنس کے لیے آیا ہے۔ من موصوف ہے یقول، جس کی صفت ہے گویا عبارت اس طرح ہے ناس یقول
کذا (لوگوں میں سے بعض لوگ اس طرح کہتے ہیں)

وجہ ذکر ایمان باللہ والیوم الآخر:

یہاں ایمان باللہ اور یوم آخرت کو انہوں نے خاص طور پر ذکر کیا۔ حالانکہ وہ اپنے وقت سے جھوٹا کرتے تھے۔ اور وہ ایسا کہتے ہیں جس
میں انقطاع نہیں اور یوم آخرت اس لیے فرمایا کیونکہ وہ ختم ہونے والے اوقات سے پیچھے آنے والا ہے۔
الیوم الآخر کے معنی وہ وقت کے بعد ہے جبکہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ منافقین کو وہم پیدا ہو
کہ انہوں نے ایمان کی دونوں جانبیں اول و آخر کا احاطہ کر لیا۔ اور یہ اس لئے کہ مسائل اعتقادیہ کا مرجع مبدأ ہے اور مبدأ کی
حقیقت صانع کا علم اور اس کی صفات اور ذات کا معلوم کرنا ہے اور معاد کے اقسام ہونے کا علم، اور اس سے اخذ تاویلی مثل میزان اور
آخرت کے دیگر تمام احوال ہیں۔ بڑی عجب بات کو دوبارہ اشارہ کر دیا انہوں نے دونوں پر اپنے ایمان کے صحیح اور مستحکم ہونے کا
دعویٰ کیا اور یہ اس ارشاد الٰہی کے مقابل ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (حالانکہ وہ مومن نہیں) گویا کہ قرآن نے ان کے دعویٰ کی مکمل
تردید کردی)

تحقیق: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ میں فاعل کی حالت کو ذکر کیا نہ فعل کی اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ میں فعل کی حالت کو ذکر کیا تھا
نہ فاعل کی۔ کیونکہ مقصود ان کے دعوے کا انکار ہے اور انتہائی بلیغ و موکد انداز سے اس کی نفی ہے کہ ان کا گروہ مومنوں کی
جماعت سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی کی تائید ہے۔ یریدون ان یخرجوا من النار وما هم بخارجين منها۔
میں اسی طرح ہے۔ اور یہ انداز کلام "ما هم بخارجين منها" کہنے کی نسبت زیادہ بلیغ ہے۔

ایک نکتہ:

ایمان کو دوسری آیت میں مطلقاً ذکر کیا۔ جبکہ پہلی میں مقید۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں احتمال ہیں۔

نمبر ا: تقیید مراد لیں اور اس پر دلالت آنے کی وجہ سے تقیید کو چھوڑ دیں۔
نمبر ۲: یہ بھی احتمال ہے کہ اصل ایمان کی نفی مراد لیں اور اس کے ضمن میں وہ نفی آ جائے جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔

ردِ کرامیہ:

آیت میں فرقہ کرامیہ (کے باطل عقیدہ) کی تردید ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کو کہتے ہیں کیونکہ آیت میں منافقین کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ اقرار تو ان کا موجود تھا۔ یہ آیت اہل سنت کے قول کی تائید کرتی ہے۔ کہ ایمان اقرار زبانی اور تصدیق جنانی کا نام ہے۔ ما جو نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا اس کی خبر پر باء داخل ہے تاکہ سامع جب اول کلام سے غافل ہو تو شدت انکار پر اسی سے استدلال کر سکے۔

مَنْ۔ لفظاً واحد ہے اسی لئے یقول کا فعل واحد لائے اور معنی کا لحاظ کر کے لائے۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ:

(اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں)

نمبر ا: یعنی رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے ہیں اس مضاف کو اسی طرح حذف کر دیا جیسا فرمان خداوندی سورۃ یوسف آیت نمبر ۸۲ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (اے اہل قریہ) ابو علی وغیرہ نے اسی طرح کہا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسی چیز ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

مخادعت کا معنیٰ:

الخداع: نفس کے اندر جو کچھ ہو اس کے الٹ ظاہر کرنا۔

نکتہ نمبر ا: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے مرتبہ کو معظم و بلند کیا۔ کہ آپ کے دھوکہ دیئے جانے کو اپنی خداع قرار دیا جیسا کہ سورۃ فتح آیت نمبر ۱۰ میں اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ”حضور ﷺ کے دست اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا وہ اپنے زعم کے مطابق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ذات ان میں سے ہے۔ جن کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ جیسی اکثر دو سے زیادہ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً کہو گے۔ عاقبت اللص۔ میں نے چور کو سزا دی۔ یہ یخدعون بھی پڑھا گیا ہے۔

نحوی تحقیق:

یخٰدعون: نمبر ا: یہ یقول کا بیان ہے۔ نمبر ۲: یا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کہا گیا کہ وہ جھوٹے ایمان کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں اس میں

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ

ان کے دلوں میں جو روگ ہے سو بڑھا دیا ان کا روگ اللہ نے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ⑫

خبردار بلاشبہ یہی لوگ مفسد ہیں لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔

وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ : (اور وہ محسوس نہیں کرتے)۔

نتیجہ:

ان کے افساد کا نتیجہ دوسروں کی طرف سے ان کی طرف ہی لوٹنے والا ہے۔

معنی شعور:

الشعور : کسی چیز کا حس سے معلوم کرنا۔ یہ شعار سے لیا گیا ہے۔ شعار وہ کپڑا ہے جو جسم کے قریب ہوتا ہے (نیان وغیرہ)

مشاعر الانسان : انسانی حواس کو کہتے ہیں کیونکہ شعور کے آلات یہی ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا۔ ان کو اس کا ضرر حسی چیز کی طرح پہنچ رہا ہے۔ اور وہ اپنی طویل غفلت کی وجہ سے اس شخص کی طرح ہو گئے ہیں جس میں حس ہی نہ ہو۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ : (ان کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی شک و نفاق، شک، دو معاملوں میں تردد کو کہتے ہیں۔ اور منافق متردد ہوتا ہے۔

حدیث میں فرمایا: مثل المنافق کمثل الشاۃ العائرۃ بین الغنمین۔ (احمد، مسلم، نسائی) منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دونوں گلوں سے الگ ہو۔

مرض:

موت و زندگی کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ کیونکہ مرض صحت کی ضد ہے۔ اور صحت کے مقابل ہے۔ اسی وجہ سے مرض کا نام مرض بن گیا۔ شک اور نفاق بیماری کی طرح ہیں۔

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا : (پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھا دی) یعنی غلبہ سے کمزوری اور اقتدار سے عاجزی اور بڑھوتری پیدا کی۔ کہا گیا۔ کہ اس سے مراد نفاق کا پیدا کرنا ہے جیسا اس جیسے نفاق ان کے دلوں میں پہلے ہی تھا جیسا کہ زیادتی ایمان میں معلوم ہو چکا۔

سے ان کو بے وقوف قرار دیتے تھے۔

ایک عبرت:

اس میں اس عالم کے لیے تسلی ہے کہ جس کو جہلاء کی طرف سے اس قسم کی باتیں پہنچتی ہیں۔

ایک سوال:

سوال: قیل: کی اسناد انا تحسد وا اور اسنادونوں کی طرف درست ہے باوجودیکہ فعل کی اسناد فعل کی طرف صحیح نہیں ہوتی۔

جواب: یہاں فعل کی فعل کی طرف اسناد ہے جو کہ جائز ہے۔ اور فعل کی اسناد معنی فعل کی طرف ممنوع ہے گویا کہ اس طرح کہا گیا۔ جب ان کو یہ بات کہی گئی۔ تو اسی سے یعنی دماغ پر جھوٹا گمان سوار کرلیا۔

کَمَآ: نحو۔ کما میں ما کافہ ہے جیسا کہ ربما میں یا مصدریہ ہے جیسا کہ بِمَا رَحُبَتْ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۲۵ میں۔

الناس: نمبر ۱۔ الناس میں لام عہد خارجی کا ہے یعنی جس طرح ایمان لائے رسول اللہ اور جو ان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ معین لوگ ہیں۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ والی جماعت یعنی جس طرح ایمان لائے تمہارے ساتھی اور بھائی

الف لام:

نمبر ۲: (ا) لام جنس کا ہو یعنی جس طرح انسانیت میں کامل لوگ ایمان لائے۔

(ب): ایمان والوں کو گویا حقیقی انسان قرار دیا اور ان کے علاوہ لوگوں کو حیوان کہا۔

کَمَآ اٰمَنَ: میں کاف محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی (ایمانا مثل ایمان الناس) یعنی ایسا ایمان جو لوگوں کے ایمان کی طرح ہو۔ اور کما امن السفہاء بھی اسی طرح ہے۔ انؤمن میں استفہام انکاری ہے (یعنی ہم ایمان نہیں لائے) السفہاء میں لام سے الناس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن کو انہوں نے بے وقوف قرار دیا تھا۔ حالانکہ وہ لوگ عقل مند اور حلیم ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے جہل سے یہ اعتقاد کرلیا کہ جس راستے پر وہ ہیں۔ وہ برحق ہے اور اس کے علاوہ سب باطل ہے۔ جو آدمی باطل پرست بن جائے تو بے وقوف ہے۔

السفہ: کم عقلی، بے حوصلہ ہو۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ: (بے شک وہ ہی بے وقوف ہیں)

فرق کی وجہ:

یہاں لا یعلمون فرمایا۔ اور پہلے لا یشعرون کہا گیا۔

نمبر ۱: کیونکہ یہاں السفہ کا ذکر کیا اور وہ جہالت کو کہتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ علم کا تذکرہ بہترین مطابقت رکھتا ہے

نمبر ۲: ایمان میں غور و فکر اور دلیل کی ضرورت ہے تاکہ دیکھنے والا معرفت حاصل کرے۔ باقی فساد فی الارض ایک ایسا معاملہ ہے جس کی بنیاد عادات پر ہے پس وہ حسی معاملے کی طرح بن گیا۔ (اس لیے وہاں شعور حس کی نفی کی ہے)

نحوی تحقیق :

نحو: السفہاء یہ انّ کی خبر ہے۔ ھم ضمیر فصل ہے یا مبتداء ہے اور السفہاء اس کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ انّ کی خبر ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا: (جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے)

قراءت: ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اذا لاقوا پڑھا ہے۔ اہل عرب لقیتہ و لاقیتہ دونوں بولتے ہیں۔ جبکہ تو سامنے سے اس کا سامنا ہو۔

ربط: پہلی آیت میں منافقین کے مذہب اور ان کے نفاق کی ترجمانی کی۔ اور اس آیت میں ایمان والوں کے ساتھ جو ان کا سلوک تھا۔ یعنی استہزاء اور ٹھٹھوں کے روپ میں ملنا۔ اور ان کو وہم دلانا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔ وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ: (اور جب وہ تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں) خلوت بفلان و الیہ بولتے ہیں جب اس کے ساتھ علیحدگی اختیار کرے۔ الی کے صلہ سے استعمال زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں ابتداء انتہا کی دلالت پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ایمان والوں سے الگ ہو کر اپنے شیاطین کے ہاں خلوت میں جاتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ خلا "مضی" کے معنی میں ہو۔

شیاطین کون:

شیاطین: سے مراد وہ لوگ ہیں جو سرکشی میں شیاطین کے مماثل ہیں۔ اور وہ یہودی ہیں۔

سیبویہ کا قول:

نمبر۱: نحو: شیاطین کا نون اصلی ہے اس کی اصل شطن ہے۔

نمبر۲: یہ نون زائدہ ہے یہ شیطن سے نکلا ہے جو بُعد کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ شیطان بھلائی اور خیر سے دور ہے۔ یا شاط سے جس کا مطلب باطل و بیکار ہوا۔ شیطان کا نام باطل ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ: (تو ان کو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں) ہم تمہارے ساتھی اور دین میں موافقت کرنے والے ہیں۔ منافقین نے مسلمانوں کو جملہ فعلیہ بول کر خطاب کیا۔ اور شیاطین کو ان تحقیق والے جملہ اسمیہ سے مخاطب کیا۔ کیونکہ ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ایمان ایک نو ساختہ چیز ہے۔ اس بات کے وہ دعویدار نہ تھے کہ وہ ایمان میں منفرد ہیں۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو۔

نمبر۱: کہ ان کے اپنے نفس اس پر ان کی معاونت کرنے والے نہ تھے۔ کیونکہ ان کے عقائد اس کا باعث اور محرک نہ تھے۔

خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اگر وہ اپنی بات مبالغے اور تاکید سے کرتے تو چل نہ سکتی۔ البتہ اپنے ہم جنسوں سے خطاب رغبت سے تھا۔ اور مقبول اور مروج بھی تھا۔ اس لیے وہ تحقیق و تاکید کے موقعہ میں تھا۔ تاکہ کافروں کو ان کے کفر پر قائم رہنے کا یقین ہو جائے۔

استہزاء کا مفہوم:

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ۔ (ہم ان کے ساتھ استہزاء کرنے والے ہیں) یہ اِنَّا مَعَكُمْ کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد یہودیت پر ثابت قدمی ہے۔ اور إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ کہہ کر اسلام کی تردید کی ہے۔ اور اپنے سے اسلام کا دور کرنا مقصود ہے کیونکہ کسی چیز کا استہزاء کرنے والا اور اس کی تحقیر کرنے والا اس کا منکر ہوتا ہے۔

قاعدہ: کسی چیز کی نقیض کا دور کرنا اس کے ثبوت کی تاکید ہوتی ہے۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے پھر کلام اس طرح بنے گا۔ کہ جب منافقین نے اپنے شیاطین کو اِنَّا مَعَكُمْ کہا۔ تو جواب میں شیاطین الانس نے کہا۔ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو پھر مومنین کی موافقت کیوں کرتے ہو؟ تو منافقین نے جواب کہا۔ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ (کہ تم شک میں مت رہو ہم تو ان سے موافقت ان کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں)

الاستہزاء:

مذاق اڑانا، مسخری کرنا، حقیر قرار دینا۔ اصل باب کا معنی خفت یعنی ہلکا پن ہے۔ استہزاء یہ ھزء سے بنا ہے جس کا معنی ہے جو جلدی قتل کرتا ہے۔ اور ھزأ یھزأ کا معنی موقعہ پر ہلاک ہو کر مر جاتا ہے۔

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کرے گا) یعنی ان کو استہزاء کا بدلہ دے گا۔ جزاء استہزاء کا نام استہزاء رکھ لیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۴۰ میں وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا اور سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ۔ میں جزاء سیئہ کو سیئہ اور جزاء اعتداء کو اعتداء قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ جزاء سیئہ و اعتداء سیئہ اور اعتداء نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ استہزاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق و مناسب نہیں۔ کیونکہ عبث اور عیب ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

امام زجاج:

کہتے ہیں۔ پسندیدہ قول یہ ہے۔ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ کو بغیر عطف کے جملہ مستانفہ لانا بڑی شان عظمت رکھتا ہے۔ اس میں یہ بات بتلائی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان سے انتہائی شدید استہزاء فرمانے والے ہیں۔ جس کے مقابلے میں ان کا استہزاء کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ان پر اس کی وجہ سے ذلت، عذاب اور رسوائی اترے گی اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی سزائیں اور بلائیں لمحہ لمحہ اترتی رہیں گی۔

سوال: اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ فرمایا۔ اللہ مستھزئ بھم نہیں فرمایا گیا کیوں؟

جواب: تاکہ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ کے ساتھ لفظ مطابق ہو جائے اور تکرار سزا پر بھی دلالت ہو۔

وَيَمُدُّهُمْ: (اور انہیں مہلت دے گا) یعنی ان کو مہلت دے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

فِي طُغْيَانِهِمْ (ان کی سرکشی میں) کفر میں حد سے بڑھنا يَعْمَهُونَ (وہ حیران ہیں) یہ حال واقع ہے یعنی حیران اور متردد ہیں۔

مثال کی غرض اور حقیقت:

مخفی معانی و دقائق سے پردہ اٹھانے کے لیے مثال بیان کرنا بڑا اثر رکھتا ہے کہ شیئ آسمانی کتابوں میں کثرت سے مثالیں ذکر کی گئیں۔ انجیل کی سورتوں میں ایک سورت کا نام سورۃ الامثال ہے۔

مثل کا معنی:

کلام عرب میں مثل کو کہتے ہیں نظیر کا بھی معنی ہے کہا جاتا ہے مِثل۔ مَثَل۔ مثیل جیسے شِبہ شَبہ اور شبیہ۔ پھر مشہور قول کے لیے بولا جانے لگا۔ جس سے مورد کی مثال بیان کی جائے مثل کہنے لگے اور مثال اسی بات کی بیان کی جاتی ہے جس میں انوکھا پن ہو۔ اسی لیے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ ہر وہ بدلی نہیں۔ کبھی استعارہ کے طور پر مثل کو حال یا صفت یا قصہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ اس کی کوئی حالت اور انوکھی بات ہو۔ گویا یہاں کہا گیا۔ "حالهم العجيبة الشان" ان کی عجیب حالت اس آدمی کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی۔ اور یہی معنی مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ۔ سورۃ محمد آیت نمبر ۱۵ میں ہے۔ جو عجائب ہم نے بیان کیے۔ ان میں جنت کا عجیب حالت والا واقعہ ہے۔ پھر اس کے عجائبات بیان فرمائے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى۔ سورۃ نحل آیت نمبر ۶۰ میں یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات ہیں جن کو عظمت و جلال میں بڑا اہتمام ہے۔ یا الذی کو الذین کی جگہ لائے۔ جیسا کہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۹ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا میں ہے کیونکہ جماعت کی تشبیہ اکیلے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یا آگ جلانے والوں کی جنس بیان کرنا مقصود ہے۔ یا وہ گروہ مراد ہے جس نے آگ جلائی۔ اس طرح کہ منافقین کی ذاتوں کو آگ روشن کرنے والے سے تشبیہ نہیں دی ہے۔ کہ جس سے جماعت کی واحد سے تشبیہ والا اعتراض آئے۔ بلکہ ان کے واقعہ کو آگ جلانے والے کے واقعہ سے تشبیہ دی ہے۔ استوقد کا معنی اوقد (جلایا) ہے۔ وقود النار۔ آگ کی چمک۔ النار (آگ) ایک لطیف روشنی کرنے والا گرمی دینے والا جلانے والا جوہر ہے یہ نار ینور سے مشتق ہے جب وہ بھاگے اور کوچ کرے کیونکہ اس میں حرکت و اضطراب پایا جاتا ہے۔

نور وضوء کا معنی:

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ: (جب اس آگ نے اس کا ماحول روشن کر دیا) اضاءت۔ خوب روشن کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا مصداق سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا آیت میں اضاءت کا لفظ متعدی ہے اور ماحولہ کی طرف اس کی نسبت ہے۔ اور غیر متعدی بھی ہو سکتا ہے۔ جو مؤنث کی ضمیر کے لحاظ سے لائی گئی۔ یعنی آگ جلانے والے کے ارد گرد جگہیں اور اشیاء ہیں۔ اور فَلَمَّا أَضَاءَتْ کا جواب۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ہے۔

نحوی تحقیق:

نحو: لَمَّا ظرف زمان ہے اور اس میں اذا کی طرح جواب اذا کی طرح شرط کا معنی پایا جاتا ہے اور ماحولہ کا ما منصوب ہے اور حولہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا کہ ما موصولہ ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے۔ فلما اضاءت شیئا ثابتا حولہ جب اس

روشنی ثابت ہونے والی چیز نے اپنے ارد گرد۔

نُوْرِهِمْ میں هُمْ ضمیر کو جمع لائے۔ وہ موقد میں ضمیر واحد لائی گئی۔ کیونکہ پہلی تو اس کو لفظ پر محمول کیا اور دوسری معنی پر (دونوں کا لحاظ کر کے ضمیریں لائی گئیں)

النور: شمس کی روشنی کو کہتے ہیں۔ اور ہر روشن چیز کی روشنی کو کہتے ہیں۔

ذھب: کا معنی اذھب ہے یعنی اس کو زائل کر دیا۔ اور اس کو زائل ہونے والا بنا دیا۔ ذھب بہ۔ کا معنی ساتھ لے جانا اور لے جانا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی لے لی۔ اور اس کو روک دیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دے۔ اس کو کوئی چھوڑا سکتا نہیں۔ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ سورۃ فاطر آیت نمبر ۲ یا اذھب کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذھب اللہ بضوءھم نہیں فرمایا۔

وجہ ذکر:

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ کا لحاظ کر کے۔ اس لیے کہ نور کا تذکرہ زیادہ بلیغ ہے ضوء میں اضافہ پر دلالت موجود ہے اور مقصود یہاں روشنی کا ان سے مکمل طور پر دور کرنا ہے۔ اگر ذھب اللہ بضوءھم کہا جاتا۔ تو زائد روشنی کے چلے جانے کا اور جس کو نور کہا جاتا ہے اس کے باقی رہنے کا وہم رہتا۔ کیا تم سیاق کلام پر غور نہیں کرتے۔ کہ اس کے بعد وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لایا گیا۔

الظلمہ: وہ عرض ہے جو نور کے منافی ہے۔ اس کی جمع اور نکرہ لائے۔ اور اس کے بعد وہ چیز لائے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ اندھیرا ہے جس میں کوئی کوئی نظر نہیں آتی۔ اور وہ ارشاد الٰہی لَّا يُبْصِرُوْنَ ہے (کہ وہ اس میں کچھ نہیں دیکھتے)۔

نحوی اشارے:

ترکھم: ترک بمعنی طرح اور خلی (پھینکنا اور چھوڑنا) کے معنی میں ہوتا ہے۔ جب ایک چیز سے متعلق ہو۔ اور اگر دو چیزوں سے متعلق کریں۔ تو صیر کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ اس وقت یہ افعال قلوب کی جگہ آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔

اصل اس طرح ہے۔ هُمْ فی ظلمات۔ پھر ترک کو داخل کر کے دونوں جزوں کو منصوب کر دیا۔ لا یبصرون کے مفعول کو ساقط کیا۔ اس قسم میں سے ہے جس کو متروک مطروح کہتے ہیں۔ (جس کو پھینکنے کے لیے چھوڑا)۔ یہ تو گویا منوی مقدر کی قسم سے نہیں۔ گویا فعل اصل کے لحاظ سے غیر متعدی ہے (یعنی متروک مطروح) ان کی حالت کو آگ جلانے والے کی حالت سے مشابہت دی۔ کیونکہ آگ روشن کرنے کے نتیجہ میں وہ اندھیرے اور حیرانی میں پڑ گئے ہاں منافق تو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔

تفسیر اول:

لیکن مراد یہاں یہ ہے کہ وہ کلمہ جو ان کی زبان پر جاری ہے اس سے انہوں نے دنیوی ذرا سی روشنی حاصل کی ہو تاکہ اس

کفر کی روشنی کے پیچھے تو منافقت کا اندھیرا پایا جاتا ہے جو ان کو اندھیرے کی سرمدی سزا تک پہنچانے والا ہے۔

تفسیر دوم:

آیت کی ایک اور بھی تفسیر ہے کہ جب ان کے متعلق بتا دیا گیا۔ کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا ہے پھر یہ تمثیل ذکر کی تاکہ ان کی اس ہدایت کو جس کو انہوں نے فروخت کیا۔ اس آگ سے تشبیہ دی جس نے اپنے جلانے کے ماحول کو روشن کر رکھا ہے۔ اور اس گمراہی کو جس کو انہوں نے خرید لیا اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو دور کر دیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا ہے سے تشبیہ دی۔ تاکہ تمثیل سے آجائے استوقد نارا میں نار کو نکرہ تعظیم کے لیے لائے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ - (وہ گونگے بہرے اندھے ہیں) وہ بہرے ہیں حالانکہ ان کے حواس تو سالم تھے مگر جب انہوں نے حق کی طرف کان لگانے سے اپنے آپ کو روک دیا۔ اور زبانوں پر حق لانے سے انکار کر دیا اور آنکھوں سے طریق حق کو دیکھنے سے انکار کر دیا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا ان کے حواس آفت زدہ ہو گئے اور علماء بیان کے ہاں یہ اسی طرح ہے جیسے ھم لیوث للشجعان و بحور للاسخیاء کہ وہ ایسے بہادروں کے لیے شیر اور سخیوں کے لیے سمندر ہیں۔ مگر یہ طریق صفات میں ہے۔ اور آیت میں دو اسماء ہیں اور ان میں جاری ہے۔

تشبیہ بلیغ:

آیت میں تیسری بات یہ ہے کہ تشبیہ بلیغ ہے استعارہ نہیں کیونکہ جب مستعار لہ کا تذکرہ صیغت یا ہو جائے اور کلام کو اس سے خالی رکھا جائے۔ مذہب یہ ہے کہ اس سے منقول عنہ اور منقول لیہ مراد لیا جائے۔ اگر دلالت حال یا انداز کلام سے پایا جائے۔

لوٹنے کا مطلب:

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ: (پس وہ نہ لوٹیں گے) نمبر ۱: وہ ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اس کے بعد کہ انہوں نے ہدایت کو بیچ ڈالا۔

نمبر ۲: وہ گمراہی سے باز نہیں آئے اس کے بعد کہ انہوں نے گمراہی کو خرید لیا۔ کیونکہ کسی چیز کی طرف لوٹنا اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

نمبر ۳: مراد یہ ہے کہ وہ حیران و پریشان اپنی جگہ پر ٹھٹھکے ہیں۔ نہ وہ رستے پر اور رد ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔

ایک ایک چیز دوسری ایک ایک چیز کے ساتھ مشابہت کی مقدار سے تشبیہ دی جاتی ہے وضاحت اس کی اس طرح ہے کہ اہل عرب چیزوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں جبکہ وہ الگ الگ ہوں۔ اور آپس سے جوڑ نہ رکھتی ہوں۔ ان اشیاء کی تشبیہات ان کے لحاظ سے ہوتی ہے جیسا کہ امرؤ القیس نے کہا۔ کہ کیفیت حاصل کو ان اشیاء کے مجموعہ سے تشبیہ دی۔ جو آپس میں اس طرح ملی جلی اور متصل ہیں۔ کہ دوسری سے مل کر وہ ایک چیز بن کر نظر آتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۵ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا میں تورات کے بوجھ اٹھانے والے۔ یہودیوں کی جہالت والی حالت کو جو کہ حکمت کی کتابیں اٹھانے والے گدھے کی جہالت والی حالت سے تشبیہ دی۔ کیونکہ اس کے لیے کتابیں اٹھانا یا دیگر بھاری بوجھ لادنا دونوں برابر ہیں۔ اور اس کو اس کا کچھ شعور نہیں۔ سوائے اس تھکاوٹ اور مشقت کے جو ان دونوں بوجھوں کے نیچے آنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الکہف آیت نمبر ۴۵ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ میں دنیا کی رونق کا تھوڑی دیر باقی رہنا۔ سبزہ کے تازہ باقی رہنے کی طرح ہے۔ پس یہ کیفیت کو کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ خواہ ان سے مراد افراد کی افراد کے ساتھ تشبیہ ہو جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں۔ (ایک چیز بننے والی نہ ہو) اسی طرح جب منافقین کا گمراہی میں پڑنا بیان کیا۔ اور ان کی حیرت و دہشت جس میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارنے والے تھے اس کو بیان کیا۔ تو ان کی حیرت اور معاملے کی شدت کو اس شخص کی تکلیف سے تشبیہ دی جو رات کے اندھیرے میں اپنی آگ کے بجھ جانے سے تکلیف اٹھا رہا ہو۔ اسی طرح کہ وہ آدمی کہ جس کو بارش گھیر لے جس میں رعد و برق اور کڑک کا خوف بھی ہو۔ دوسری تمثیل پہلی کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ حیرت اور معاملے کی شدت پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بعد میں لائے۔

اَوْ لانے کی حکمت:

اہل عرب کی عادت تھی کہ دو میں سے مشکل کی طرف دھیان دیتے چلے۔ دونوں تمثیلوں کو "او" سے معطوف کیا۔ اصل کے لحاظ سے دو یا زیادہ چیزیں جن میں شک ہو۔ برابری ثابت کرنے کے لیے آتا ہے پھر یہ حرف برابری کے لیے استعارۃً استعمال کیا جانے لگا۔ جیسے کہتے ہیں۔ جالس الحسن او ابن سیرین۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے اور ارشادِ الٰہی آیت ۲۴ سورۃ الانسان وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا۔ گنہگاری اور کفر دونوں نافرمانی کے لازم ہونے میں برابر ہیں۔ اسی طرح یہاں مطلب یہ ہے کہ منافقین کے واقعہ کی کیفیت ان دو قسموں کی کیفیت کے مشابہ ہے دونوں قصے صورت تمثیل کے مستقل ہونے میں برابر ہیں۔ تم جس سے بھی تمثیل پیش کرو درست ہے اور اگر تم دونوں سے اکٹھی مثال بیان کرو۔ تب بھی تم درست روی اختیار کرنے والے ہو۔

الصیب اترنے والی بارش۔ برسنے والی بارش۔ بادل کو بھی صیب کہا جاتا ہے۔ صیب کو تنکیر کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ یہ بارش کی ایک قسم ہے جو سخت موسلا دھار ہوتی ہے جیسا کہ تمثیل اول میں نار کا لفظ نکرہ ہے۔

السماء (آسمان) نمبر ۱: حضرت حسن کہتے ہیں کہ یہ بادل ہی ہوتا ہے سماء سے مذکورہ کا فائدہ یہ ہے کہ بادل آسمان میں سے ہی ہوتا ہے السماء معرفہ لائے ہیں۔ یہ فائدہ دیں کہ وہ بادل ہے جس نے آسمان کے اطراف کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور ...

ہونے کی نفی کر دی۔ یعنی یہ کہ اس کے اطراف میں سے ایک افق کہ اس لیے آسمان کے ہر افق کو آسمان ہی کہتے ہیں۔ یہاں معرفہ لانے سے مبالغہ مقصود ہے جیسا کہ صیب کو نکرہ لانے اور اس کی ترکیب دینے میں (مبالغہ مقصود ہے) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ بادل آسمان سے اترتا اور اسی سے اپنا پانی لیتا ہے۔

نمبر۲: اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سمندر سے پانی لے کر اوپر چڑھتا ہے۔

نحو: ظلمات مرفوع ہے جار مجرور کے ساتھ کیونکہ وہ صیب کی صفت بن کر قوی ہو گیا بخلاف اس صورت کے کہ اگر تم یہ فیہ ظلمات مبتدا ہے تو اس میں اخفش و سیبویہ کا اختلاف ہے۔

رعد و برق کی حقیقت:

الرعد: بادلوں سے سنی جانے والی آواز جو بادلوں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ رعد فرشتہ ہے جو بادلوں کو ہانکتا ہے۔

البرق: بادلوں سے پیدا ہونے والی چمک۔ یہ برق اشتی برقا۔ جب وہ چمکے اس سے بنا ہے۔ اور اس کی ضمیر صیب کی طرف لوٹنے والی ہے۔ صیب کو ظلمات کا مکان قرار دیا گیا۔ اگر اس سے مراد بادل لیا جائے تو اس کے اندھیرے سے مراد اس کا تہ دار اور سیاہ ہونا ہے۔ ظلمات گویا بادل کی سیاہی اور اس کا تہ بہ تہ ہونا جس کے ساتھ رات کا اندھیرا مل جائے۔ البتہ بارش کے اندھیروں سے مراد پے در پے قطرات سے اس کے کثیف ہونے کا اندھیرا اور بارش کے بادلوں کا سایہ جس میں رات کا اندھیرا مل جائے، مراد ہے۔

رعد و برق کی جگہ الصیب کا لفظ لا کر اس کی مراد سحاب ظاہر کر دی۔ اسی طرح اگر مطر مراد ہو تب بھی کیونکہ وہ دونوں فی الجملہ آپس میں ملے جلے ہیں۔

رعد و برق کو جمع نہیں لائے۔ کیونکہ وہ دونوں اصل میں مصدر ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ رعدت السماء رعدا وبرقت برقا۔ آسمان گرجا اور چمکا۔ لیکن اصل کی رعایت کرتے ہوئے دونوں کی جمع چھوڑ دی گئی۔

ان کو نکرہ لا کر اس کی انواع و اقسام کی طرف اشارہ کر دیا۔ گویا کہ فیہ ظلمت داجیۃ۔ گویا ان میں چھا جانے والے اندھیرے ہیں۔ اور رعد قاصف ہلاک کن گرج اور اچک لینے والی بجلی ہے۔

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ ۔ (وہ اپنی انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں)

نحو: اس میں ضمیر بادل والوں کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ وہ محذوف ہے جیسا کہ سورت الاعراف آیت ۴۔ او ھم قائلون میں ہے کیونکہ محذوف کا معنی باقی ہے خواہ وہ لفظوں میں ساقط ہو چکا ہو۔ یجعلون جملہ مستانفہ ہے اس لیے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ اس لیے کہ دلیل یہ ہے کہ جب رعد و برق کا ذکر ہوا جو شدت کا اعلان کر رہے تھے۔ تو کہنے والا گویا کہہ رہا تھا کہ ایسی گرج میں ان کا کیا حال ہوگا؟ تو جواب دیا۔ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ۔ پھر کہا اس بجلی میں ان کی حالت کیا ہوگی۔ تو فرمایا یَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ سورۃ البقرہ آیت نمبر۲۰۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے — جب بھی ان کے لئے روشنی ہوتی تو اس میں چلنا شروع کر دیا — اور جب اندھیرا ہو گیا

عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے — اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے — بےشک اللہ تعالیٰ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۲۰

ہر چیز پر قادر ہے۔

صرف: اصابعہم فرمایا انامل نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ پورے ہی کانوں میں رکھے جاتے ہیں۔

نحو: مبالغہ کے لیے بطور وسعت فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۸ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا۔ میں ید بولا گیا اگرچہ مراد پہنچے تک ہے۔ اصابع فرمانے میں جو مبالغہ ہے وہ انامل کہنے میں نہیں اور درمیانی انگلیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جن سے عموماً کان بند کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ السبابہ یہ سب سے فعالہ کا وزن ہے (جس کا معنی گالی والی) تو آداب قرآن کا تقاضا ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اور مسبحہ نہیں فرمایا کیونکہ یہ نو ایجاد غیر مشہور لفظ ہے۔

مِّنَ الصَّوَاعِقِ: (کڑک کے سبب) یہ یجعلون کے متعلق ہے یعنی صواعق کی وجہ سے وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھتے ہیں۔

صاعقہ آسمانی:

الصاعقہ: گرج کا وہ حصہ جس کے ساتھ آگ کا ٹکڑا بھی ہو۔

علماء نے کہا کہ یہ بادلوں سے ٹوٹتا ہے۔ جب بادلوں کے اجسام آپس میں ٹکراتے ہیں۔ وہ لطیف تیز آگ ہے۔ جس چیز پر اس کا گزر ہو اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ مگر تیزی کے باوجود بہت جلد وہ بجھنے والی ہے حکایت ہے کہ وہ کھجور پر گری تو کھجور کا آدھا حصہ جل گیا۔ پھر وہ بجھ گئی۔ اور محاورہ میں کہا جاتا ہے صعقتہ الصاعقہ جب وہ اس کو ہلاک کر دے۔ جس سے وہ مر جائے۔ خواہ شدت آواز کی وجہ سے یا جلنے کی وجہ سے۔

حَذَرَ الْمَوْتِ: (موت کے ڈر سے) یَجْعَلُوْنَ: یہ مفعول لہ ہے۔ موت: قویٰ انسانی کا بگڑ جانا یا ایک ایسی عارض جس سے زندگی کے پیچھے پھر آنے والا کوئی احساس درست نہ ہے۔

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ: (اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں) یعنی وہ اس کے قبضہ سے نکل نہیں سکتے جس طرح احاطہ میں آیا ہوا احاطہ سے نکل نہیں سکتا۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ: (قریب ہے بجلی اچک لے ان کی آنکھوں کو)

الخطف: اچکنا۔ جلدی سے کسی چیز کو لے اڑنا۔

نحو: یکاد کا لفظ فعل کے بہت قریب ہونے کے لیے آتا ہے۔ یخطف موضع نصب میں ہے کیونکہ کاد کی خبر ہے۔

کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ: (جب بھی روشنی ہوتی ان کے لیے)

نحو: کلّ یہ ظرف ہے نکرہ موصوفہ ہے اس کا معنی وقت ہے اور ضمیر محذوف ہے یعنی جس وقت بھی ان کے لیے روشنی ہوتی ہے اس میں عامل اس کا جواب ہے اور وہ مَشَوْا فِیْهِ ہے یعنی بجلی کی ضوء اس کی روشنی میں یہ تیسرا جملہ مستانفہ ہے گویا یہ اس شخص کا جواب ہے جو کہے وہ بجلی کی چمک اور بجھنے کے دوران کیا کرتے ہیں؟ اور یہ منافقین کے معاملے کی شدت کی تمثیل بیان کی۔ بادل والوں کی شدت کو ذکر کرتے اور اس تھوڑی حیرانی اور دل کو ذکر کر کے جو تھوڑا وہ کرتے اور چھوڑتے ہیں۔ جیسا ان کا حال بجلی کی چمک سے ہوتا ہے۔ اس حالت میں کہ ان کو اپنی آنکھوں کے اچک لے جانے کا خدشہ ہوتا تو وہ اس چمک کو فرصت شمار کرتے ہیں۔ پس چند قدم چلتے ہیں اور جب وہ چمک چھپ جاتی ہے اور روشنی پڑ جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اضاء: اضاء کا لفظ متعدی ہے جب بھی راستہ اور چلنے کی جگہ روشن ہوتی ہے تو وہ اس پر چلتے ہیں اور مفعول محذوف ہے یا یہ متعدی ہے جب بھی بجلی ان کے لیے چمکتی ہے تو اس کے اجالے میں وہ چلتے ہیں۔ مشی حرکت کی ایک جنس ہے اگر وہ حرکت تیز ہو جائے تو سعی اور بڑھ جائے تو تیزی سے دوڑنا کہلاتا ہے۔

وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ: (جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے) اظلم غیر متعدی ہے

کلما اور اذا کا فرق:

سوال: اضاء کے ساتھ تو کلما لائے اور اظلم کے ساتھ اذا لایا گیا؟

جواب: جس چیز سے ان کا مقصد متعلق ہے یعنی امکان مشی۔ اس کے لیے وہ اچھلتے پھرتے ہیں۔ جب بھی فرصت پاتے ہیں۔ تو چند قدم اٹھا لیتے ہیں۔ مگر ٹھہرنا ایسا نہیں کہ اس کے خواہش مند ہوں۔ بلکہ وہ مجبوری کا ٹھہرنا ہے۔ یہی لفظ اذا سے ادا ہوا۔

قَامُوْا (وہ کھڑے ہو جاتے ہیں) کا معنی کھڑے اور اپنے مقام میں رک جاتے ہیں۔ اسی سے قام الماء کہتے ہیں جبکہ پانی جم جائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو ضائع کر دے) اگر اللہ چاہیں تو ان کے کانوں کو لے جائیں بجلی کی کڑک سے۔

وَاَبْصَارِهِمْ اور آنکھوں کو بجلی کی چمک سے۔

نحو: شاء کا مفعول محذوف ہے۔ کیونکہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں۔ ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے جانا تو لے جائیں۔

قاعدہ: شرط کے لفظ میں حذف مفعول کثرت سے آیا ہے۔ مگر کسی امر کے مقام پر مفعول کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا اس شعر

نحوی تحقیق:

رِزْقًا لَّكُمْ: (تمہارے لیے) نحو: اگر یہ معنی تمہارے لیے ہو تو یہ مفعول لہ ہے اور اگر رزق بمعنی ہو تو مفعول بہ ہے
الثمرات فرمایا الثمر اور الثمار نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ پانی سے نکالے جاتے ہیں بے شمار ہیں کیونکہ مراد پھلوں کی جماعت
ہے کیونکہ جمع بعض کی جگہ بعض بھی آتی ہے کیونکہ جمعیت میں یہ باہم ملتی جلتی ہیں۔

نحو: لکم اگر اس سے مراد تمہیں ہو تو پھر یہ جار مجرور رزق کی صفت ہے اور اگر اس کو معنی کے لحاظ سے اسم مانا جائے تو پھر یہ
مفعول بہ ہے گویا اس طرح فرمایا رزقا ایاکم رزق دیا تمہیں یا رزق خاص تمہارا۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا: (پس تم نہ بناؤ شریک اللہ کے لیے) یہ امر سے متعلق ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کا
شریک مت بناؤ کیونکہ عبادت کی جزاء اور نفع توحید ہے۔ نہ یہ کہ اس کا کوئی ہمسر و شریک بنایا جائے۔

نحو: الذی مبتداء فلا تجعلوا خبر ہے فلا تجعلوا پر فاء اس لیے لائے کہ کلام میں جزاء کا معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ
ذات جس کی بڑی بڑی نشانیاں تمہارے اردگرد ہیں اور روشن دلائل اس کی وحدانیت پر گواہ ہیں پس تم اس کے شریک مت تجویز
کرو۔

معنی ند:

ند: ایسا مثل جو مخالف و منافی ہو لبید کا یہ مشہور قول لیس للہ ند ولا ضد اصل میں یہ تھا جن کو اس کے قائم مقام بنایا جاتا
ہے یا جو اس کے مثل مانے جاتے ہیں ان سب کی نفی مراد ہے۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق و رازق ہیں یا
تعلمون کا مفعول چھوڑ دیا گیا۔ یعنی تم اہل علم ہو اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا انتہائی جہالت ہے۔

نحو: جملہ انتم تعلمون۔ فلا تجعلوا کی ضمیر سے حال ہے۔

زُبدہ: وحدانیت کے ثبوت اور بطلان شرک پر حجت قائم کر دی۔ کہ جس کو ان کے قلب و احوال پر قدرت ہے اسی نے زمین کو ان کی
رہائش گاہ اور مستقر بنایا۔ اور آسمان کو لگے ہوئے خیمے اور قبے کی طرح مضبوط بنایا اور اس طرح کر دیا کہ جیسے زمین و آسمان میں
پانی اتارنے سے مناکحت کا رشتہ ہو زمین کے پیٹ سے نسل کی طرح بنی آدم کے لیے پھل پیدا کر دیے۔ یہ سارے دلائل توحید کی
طرف رہنمائی کرتے اور شرک کو باطل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کی کوئی چیز اپنے میں سے کسی چیز کے ایجاد کرنے کی قدرت
نہیں رکھتی۔

نحوی تحقیق:

نحو: مِّن مِّثْلِهِ (اس کی مثل) سورۃ کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے۔

نمبر ۱: اور یہ ضمیر نزلنا کی طرف لوٹتی ہے یعنی بسورۃ کائنۃ مماثلۃ۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم ایک ایسی سورۃ بنا لاؤ۔ جو عجیب وغریب بیان میں اور حسن نظم کے بلند ہونے میں اس جیسی ہو۔

نمبر ۲: ضمیر عبدنا کی طرف لوٹے تو مطلب یہ ہوگا۔ تم ایسا شخص لاؤ جو اسی طرح کا امی ہو اور اس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اور نہ ہی پڑھے لکھوں سے علم حاصل کیا ہو۔ اور نہ ہی مثل کو حاصل ہونے کا قصد کیا ہو۔

نمبر ۳: ضمیر کو پہلے نازل شدہ حصہ قرآن کی طرف لوٹانا سب سے بہتر ہے۔ اس کی تائید سورۃ یونس آیت نمبر ۳۸ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ اور سورۃ ہود آیت نمبر ۱۳ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ۔ اور سورۃ اسراء آیت نمبر ۸۸ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ۔ آیات سے ہوتی ہے منزل کی طرف ضمیر لوٹانے سے کلام کی ترتیب زیادہ خوش نما ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کلام تو منزل کے متعلق ہے منزل علیہ کے متعلق نہیں اور سیاق کا تقاضا یہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ اگر تم کو شک ہے قرآن کے منزل من عند اللہ ہونے میں تو تم تھوڑا سا اس کے مماثل بنا کر لاؤ۔

اگر ضمیر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے تو مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں محمد ﷺ پر قرآن کے اتارے جانے میں شک ہے تو ان جیسا قرآن لے آؤ۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم: (اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو) یہ تفسیر وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم کے ساتھ زیادہ موافقت کرنے والی ہے

شہداء کا مطلب:

شہداء جمع شہید ہے۔ اس کا معنی حاضر ہے یا گواہی دینے والا۔ مِّن دُونِ اللَّهِ (اللہ کے سوا) یعنی غیر اللہ یہ شہداء کم کے متعلق ہے یعنی تم ان کو پکارو جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا ہے اور جن کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو یا ان کو بلاؤ جو تمہارے حق میں گواہی دیں کہ وہ قرآن کی مثل ہے۔

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ: (اگر تم سچے ہو) اگر تم سچے ہو کہ یہ من گھڑت ہے اور محمد ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔

نحو: شرط کا جواب محذوف ہے۔ قبل ازیں پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم اس کی مثل بنا لاؤ۔ اور اس پر اپنے معبودوں سے امداد طلب کرو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ

سو اگر تم نہ کرسکو اور ہرگز نہیں کرسکو گے۔ تو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا: (اگر تم نہ کرسکو اور تم ہرگز نہ کرسکو گے)

سابقہ آیات سے ربط:

ربط: جب ان کی رہنمائی اس جہت کی طرف کردی جس سے نبی اکرم ﷺ کی سچائی پہچان سکیں تو فرمایا اگر تم مقابلہ نہ کر سکو اور تمہاری عاجزی ظاہر ہو جائے تو پھر (اصولاً) اس کی تصدیق واجب ہوگی۔ پس تم ایمان لاؤ اور اس عذاب سے ڈرو جو اس کے مکذبین اور معاندین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

دو دلائل:

اس میں اثبات نبوت کی دو دلیلیں ہیں۔

نمبر ۱: جس سے چیلنج دیا جارہا ہے وہ معجزہ ہے۔

نمبر ۲: یہ خبر دے دی کہ وہ مقابلے کی تاب نہیں لاسکتے۔ یہ غیب ہے جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

کلمہ شک کی وجہ

جب ان کا عجز تامل سے قبل شیٔ مشکوک کی طرح تھا اس لیے کہ ان کو اپنی فصاحت پر بھروسہ اور بلاغت پر اعتماد تھا۔ تو کلام ان کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق کیا گیا۔ اور "اِنْ" لائے جو شک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ "اذا" نہیں لائے جو وجوب کے لیے آتا ہے اور الاتیان کو فعل سے تعبیر کیا۔ اس لیے کہ یہ جملہ افعال میں سے ایک فعل ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ یہ کنایہ کے قائم مقام ہے جس سے عبارت میں اختصار حاصل ہوتا ہے اگر الاتیان کی بجائے فعل نہ لاتے تو کلام یوں طویل ہوتا۔ فان لم تاتوا بسورۃ من مثله ولن تاتوا بسورۃ من مثله۔ (دونوں کلاموں میں جو فرق ہے وہ صاحب عقل سے مخفی نہیں)۔

نحوی تحقیق:

نحو: لن تفعلوا کا کوئی محل اعراب نہیں اس لیے کہ یہ معترضہ جملہ ہے اور جملہ معترضہ کی خوبی یہ ہے کہ ان حرف تردد تھا تو اس جملے سے لن تفعلوا کہہ کر تردد کو صاف ختم کر دیا۔

تحقیق نحوی: لن مستقبل میں لا کی مثل ہے البتہ لن میں تاکید زیادہ ہے۔

خلیل نحوی: کے ہاں اس کی اصل لا ان ہے اور فراء کے ہاں لا کے الف کو نون سے بدلا ہے۔

سیبویہ کے ہاں یہ حرف نفی مستقبل کی تاکید کیلئے اپنی اصل وضع کے ساتھ ہی ہے۔ متصل کلام: اخبار غیب سے ہے اس سارے حقیقت کے ساتھ پھر یہ معجزہ بھی بن گیا۔ کیونکہ اگر انہوں نے اس کا کچھ بھی مقابلہ کیا ہوتا تو ضرور مشہور ہوتا۔ اور کیوں نہ مشہور ہوتا جبکہ مشکرین اور طعنہ زنی کرنے والوں کی کثرت تھی۔

آیت میں آگ سے بچنے کے لیے اس جیسی سورۃ کے لانے کی نفی کرنا شرط قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ نہ لا سکے تو معارضہ سے انکی عاجزی خوب ظاہر ہو گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی سچائی ثابت ہو گئی۔ پھر انہوں نے عناد کو لازم کر کے آپ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

فائدہ ایجاز:

جس کی بناء پر انہوں نے آگ کو اپنے لیے واجب کر لیا۔ پس انہیں کہا گیا، اگر تمہاری عاجزی ظاہر ہو گئی ہے تو عناد کو ترک کر دو اس کی بجائے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ: (پس تم بچو اس آگ سے) کہہ دیا اسلئے کہ آگ سے بچنا عناد کو ترک کر دینے کے سبب ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات کنایہ میں سے ہے جو بلاغت کا حصہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایجاز حاصل ہوا جو قرآن کا زیور ہے۔

الوقود: (ایندھن) جس سے آگ بھڑکتی ہے مثلاً لکڑیاں۔ جب یہ مصدر ہو تو مضموم مفتوح دونوں طرح آتا ہے۔

ایک سوال:

سوال: الذی۔ التی کا صلہ ضروری ہے کہ مخاطب کو معلوم ہو۔

جواب: ممکن ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے سنا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ یا اس سے پہلے یہ آیت نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ انہوں نے سنی ہو۔

نکتہ: تحریم میں نارًا کو نکرہ لانے اور یہاں النار میں معرفہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آیت مکہ میں اتری پھر یہ آیت مدینہ منورہ میں اتری۔ اس سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا۔ جس کو وہ پہلے پہچان چکے تھے۔

اب آیت: الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کا معنی یہ ہے کہ وہ آگ دوسری آگوں سے ممتاز ہے۔ اسی لیے کہ وہ لوگوں اور پتھروں سے جلتی ہے اور وہ پتھر گندھک کے ہیں جن کی آگ بہت تیز جلنے والی اور دیر سے بجھنے والی ہے اور شدید بدبو والی اور بدن کو زیادہ چمٹنے والی ہے۔ نیز پوجے ہوئے بت ہیں حسرت کو بڑھانے کے لیے (ان سے آگ جلائی جائے گی) لوگوں کو پتھروں سے ملایا کیونکہ انہوں نے ان پتھروں سے دنیا میں اپنے آپ کو ملایا۔ اس طرح کہ انکی عبادت کی۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ اور اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۸ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے جاری ہوں گی

الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

نہریں جب کبھی بھی ان کو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ

پہلے دیا گیا۔ اور ان کو ہم شکل پھل دئیے جائیں گے اور ان کے لئے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی خوب پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں، اور وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہے۔ یعنی اس کی لکڑی ان کو اس کے ساتھ ملایا، جہنم میں گرم کرنے کے لیے اور ان کے دکھ میں مبالغہ کے لیے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ: (وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ آگ مخلوق ہے اس کے برخلاف فرقہ جہمیہ کہتے ہیں (یہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب تھا اس کو نصر بن سیار نے ۱۲۸ھ میں قتل کر دیا)

ماقبل آیات سے ربط:

ربط: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ترغیب کو ترہیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ جو پیش کیا جاتا ہے وہ خوش اسلوبی سے حاصل ہو اور جو چیز ہلاک کرنے والی ہے اس کے ارتکاب سے اجتناب ہو۔

جب کفار اور ان کے اعمال کا ذکر کیا۔ اور ان کو عقاب سے ڈرایا۔ تو اس کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور ان کو اپنے اس ارشاد سے خوشخبری دی۔

بشارت:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور خوشخبری دیں ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کو) بَشِّرْ کا حکم رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ یا پھر ہر ایک کو ہے زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ وہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ یہ معاملہ اپنی عظمت و بڑائی کی وجہ سے اس لائق ہے۔ کہ اس کی بشارت ہر ایک کو دی جائے جو بشارت کے قابل ہو۔

اور اعمال صالح والے ہیں۔

جواب: مطلق جنت کی بشارت کے لیے شرط یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ ملے ہوئے ہوں۔ کبیرہ گناہ والے کے لیے ہم بشارت کو مطلق قرار نہیں دیتے۔ بلکہ بشارت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید کرتے ہیں۔ خواہ وہ بخش دے خواہ گناہوں کی مقدار عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ۔ (بے شک ان کے واسطے باغ ہیں) یعنی بان لہم (اس لیے کہ ان کے لیے)۔

نحو: سیبویہ کے نزدیک بشر سے اَنّ اور اس کا معمول منصوب ہے۔ خلیل کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ قرآن مجید میں کثرت سے ہے۔

جنت کا معنی:

اَلْجَنَّةُ: کھجور اور گھنے درختوں کا باغ جن کی ترکیب میں ستر کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی سے جن، جنون، جُنّۃ، جنت، جان، جنان ہے ثواب کے مقام کو جنت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں باغات ہیں جنت پیدا کی جا چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے البقرہ آیت نمبر ۳۵ اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ بعض معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے جنت کو جمع اور نکرہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ جنت تمام ہی دار الثواب کا نام ہے۔ وہ اس میں بے شمار باغات ہیں۔ جو اعمال کرنے والے لوگوں کے مراتب کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہر طبقہ کے لیے ان باغات میں سے باغات ہوں گے۔

تفسیر تجری:

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ **نحو**: یہ جملہ جنات کی صفت ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔ اور مراد من تحت اشجارھا۔ یعنی اس کے درختوں کے نیچے جیسا کہ تم جاری رہنے والی نہروں کے کناروں پر درخت اگے ہوئے دیکھتے ہو۔ البتہ جنت کی نہریں گہری جگہوں میں بہنے والی نہ ہوں گی۔ (بلکہ سطح زمین پر چلنے والی ہوں گی) باغوں میں سب سے شاندار وہی ہوتا ہے جس کے درخت سایہ دار ہوں۔ اور اس کے درمیان پانی کی نالیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

الجری: پھیلنا، جاری ہونا۔

نہر: جو جدول سے بڑی پانی بہنے کی جگہ ہو۔ مگر سمندر سے کم ہو۔ دریائے نیل کو نہر نیل کہا جاتا ہے یہ وسعت کے لحاظ سے۔ نہر کی ترکیب وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ جری کی نسبت نہر کی طرف مجازی ہے۔

انہار کی وجہ تعریف:

الانہار: کو معرفہ لایا گیا۔

نمبر ۱: اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہار سے جنت کی نہریں مراد لی جائیں۔ اضافت کی جگہ لام تعریف لائے۔ جیسا کہ سورۃ مریم آیت نمبر ۴ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا میں الرأس میں الف لام مضاف الیہ کی جگہ دیا گیا۔

نمبر۲: الف لام لاکر ان نہروں کی طرف اشارہ مقصود ہو جو سورۂ محمد آیت نمبر ۱۵ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ میں مذکور ہے۔

ایک نکتہ:

جاری پانی بڑی نعمت اور بڑی لذیذ چیز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کے ساتھ انہار جاریہ کا ذکر فرمایا اور تمام صفات سے اس صفت کو مقدم کیا۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا: (جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ) نحو: یہ جنات کی دوسری صفت ہے۔

نمبر۲: یا جملہ مستانفہ ہے۔ اس لیے کہ جب یہ کہا گیا۔ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تو سامع کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہوں گے یا دوسری اجناس کے ہوں گے۔ جو ان کا اس سے مشابہت نہ رکھیں تو جواب دیا کہ ان کے پھل دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے۔ یعنی ان کی جنس ایک ہوگی۔ اگرچہ فرق ہوگا۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ: (یعنی جب بھی ان کو باغات سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے)۔

مِن ابتدائیہ:

مِنْ: پہلا اور دوسرا ابتداء غایت کے لیے ہے کیونکہ ابتداء رزق جنات سے ہوگی۔ اور رزق باغات کے پھلوں سے ہوگا۔ اس کی نظیر یہ ہے رزقنی فلان۔ مجھے فلاں نے رزق دیا۔ تو تمہیں کہا جائے۔ مِنْ اَیْنَ کہاں سے؟ پس تم کہو من بستانہ اس کے باغ سے پھر کہا جائے من ای ثمرۃ رزقک من بستانہ اس کے باغ کے کونسے پھل سے تو تم کہو۔ من الرمان انار سے ثمرۃ سے مراد ایک سیب نہیں یا ایک سیب مراد نہیں بلکہ مراد پھلوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

رُزِقْنَا: (جو ہمیں دیا گیا) ضمیر حذف کر دی گئی۔

مِنْ قَبْلُ: (اس سے پہلے) یعنی اس سے قبل قَبْلُ کا مضاف الیہ منوی ہونے کی وجہ سے مبنی بالضم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی مثل ہے جو ہمیں اس سے پہلے رزق دیا گیا۔ اور اس کے مشابہ ہے جیسے اس آیت میں

مشابہت تامہ:

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا: اور ان کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے (میوے) دیئے جائیں گے اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے ابو یوسف ابو حنیفہ۔ ابو یوسف تو ابو حنیفہ ہے۔ مراد مشابہت کو مضبوط کرنا ہے گویا دونوں کی ذات ایک ہے

ہ کا مرجع:

نحو: بہ میں ہ ضمیر دنیا اور آخرت میں دیے جانے والے سارے رزق کی طرف ہے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی: هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ کے ماتحت دارین میں دیا جانے والا رزق سمیٹ دیا۔

مانوس رزق:

جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے۔ ان کی جنس الگ نہ ہوگی۔ اس لیے کہ انسان دیکھی بھالی چیز سے مانوس ہوتا ہے۔ اور جانی ہوئی چیز کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے جب غیر مانوس کو دیکھتا ہے تو اس کی طبیعت نفرت کرتی اور برا سمجھتی ہے۔ اس لیے کہ جب وہ دیکھی ہوئی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس میں ظاہری مرتبہ اور واضح فرق دیکھتا ہے تو اس کو تعجب و حیرانی زیادہ ہوتی ہے۔ (جیسے اس چیز کے کہ جس سے نا واقفیت ہو)۔ جنت والے یہ بات ہر پھل دیئے جانے پر کہیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ امر کی انتہا ہے اور اس حالت کا برقرار رہنا ہر تجے کے اظہار کے لیے اور یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ عظیم فرق ہی تو ہر گھڑی ان کو تعجب سے پُر کرے گی۔

نمبر۲: یہ کی ضمیر رزق کی طرف ہے گویا اس کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو جو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جائے گا۔ وہ ذاتی لحاظ سے ان کے پاس ایک جیسا ان کو ملے گا۔

جیسا کہ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ جنتی کے پاس پیالہ لایا جائے گا اور وہ اس میں سے کھائے گا پھر دوسرا لایا جائے گا تو جنتی کہے گا۔ یہ تو ہمیں پہلے دیا گیا۔ فرشتہ کہے گا۔ کھاؤ رنگ تو ایک ہے ذائقہ مختلف ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ (الحدیث) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ جنتی جب پھل کھانے کے لیے لے گا۔ ابھی وہ اس کے منہ تک نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور بدل دے گا۔ (طبرانی فی الکبیر، البزار) جب جنتی اس کو دیکھیں گے جبکہ وہ شکل پہلے والی ہوگی تو کہیں گے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا : (اور ان کو ان کے مشابہ دیا جائے گا) یہ جملہ معترضہ ہے جو کہ ظاہر کرنے کے لیے لائے گئے ہیں۔ فلاں احسن بفلان۔ ونعم ما فعل۔ ورای من الرای کذا و کان صوابا۔ فلاں نے فلاں سے احسان کیا اور اس نے بہت خوب کیا۔ اس نے یہ رائے اختیار کی۔ اور یہ درست تھی۔ وہ ارشاد الٰہی میں

وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (سورۃ النمل آیت نمبر ۳۴) كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ یہ کیونکہ لایا گیا ہے۔

وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ (ان کیلئے اس میں بیویاں ہوں گی) نحو : ازواج مبتدا اور لہم خبر ہے فیہا ظرف مستقر ہے۔

طہارت کا مطلب:

نمبر۱: مُطَهَّرَةٌ پاک ہوں گی برے اخلاق سے۔ نہ خاوندوں سے بغض رکھنے والی ہوں گی اور نہ غیروں کی طرف دیکھنے والی ہوں گی۔ نہ ناز کرنے والی ہوں گی۔

نمبر۲: حیض و استحاضہ سے پاک ہوں گی اور بول و براز تمام گندگیاں جو ان کے ساتھ خاص ہیں ان سے پاک ہوں گی۔ موصوف جمع ہے صفت واحد ہے کیونکہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔ طاہرۃ نہیں کہا اس لیے کہ مطہرہ زیادہ بلیغ ہے اور تطہیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں یہ بتلایا کہ کسی پاک کرنے والے نے ان کو پاک کیا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے۔

وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) الخلد سے دائمی بقاء جس میں انقطاع نہ ہو۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو۔ سو جو لوگ

ءَامَنُوا۟ فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ

ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا

ٱللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِۦ كَثِيرًا وَيَهْدِى بِهِۦ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِۦٓ إِلَّا ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾

خدا نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا، اللہ گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعہ بہت سوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعہ بہت سوں کو اور نہیں گمراہ کرتا اس کے ذریعہ مگر فاسقوں کو

تردید جہمیہ :

اس میں جہمیہ فرقہ کی تردید ہے کیونکہ وہ جنت اور اہل جنت کے فناء کے قائل ہیں۔ دلیل جہمیہ۔ اللہ تعالیٰ ہی اول اور آخر ہیں اور اولیت کی حقیقت مخلوق سے پہلے ہونا تو بالاتفاق ہے پس ضروری ہے کہ آخریت کے وصف میں بھی وہ تمام سے آخر ہو اور یہ بھی درست ہے جب سب کے سب فناء ہو جائیں پس ضرورۃً انکو ماننا پڑا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہیں اور انکی صفات بھی باقی ہیں اگر جنت بھی اپنے رہنے والوں کے ساتھ باقی رہنے والی ہو تو خالق و مخلوق میں مشابہت لازم آتی ہے اور یہ محال ہے

جواب : اولیت اللہ تعالیٰ کے حق میں اس طرح کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں اور آخریت اس کے حق میں اس طرح کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور مخلوق کے حق میں اول کا مطلب فرد سابق (پہلے والا فرد) ہے اور آخر فرد لاحق (پچھلا فرد) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کا ہونا صفت کمال کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس کی ذات سے نقص و زوال کی نفی کرنے کے لیے ہے اور یہ جنت اور اہل جنت کے متعلق بقاء ماننے اور فناء ہونے کے احتمال سے ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے ہے تو وہ جو معترض کہتے ہیں۔ پھر کہاں سے تشابہ فی البقاء لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ تو ذاتی لحاظ سے باقی رہنے والے ہیں۔ اور اس کی بقاء واجب الوجود ہونا ہے اور مخلوق کا بقاء اس کے باقی رکھنے سے ہے۔ اور وہ جائز الوجود ہے (بینھما بون بعید فلیتبصر)

سابقہ آیات سے ربط :

نزول: قرآن مجید نے جب ذباب و عنکبوت کا ذکر فرمایا۔ اور ان کی مثال بیان کی تو یہود نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے یہ کلام اللہ تو نہیں لگتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتار دیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً : (تحقیق اللہ نہیں حیا کرتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی)

یعنی اللہ تعالیٰ مچھر سے مثال بیان کرنا ترک نہیں فرماتے جس طرح جو حقارت کی وجہ سے ان سے مثال بیان کرنا چھوڑ دے

حیاء کی اصل تعریف:

وہ تبدیلی اور شرمندگی جو انسان کو عیب و مذمت کے خوف سے پیش آتی ہے باقی اللہ تعالیٰ کی ذات تو قدیم ہے وہ تغیر، خوف مذمت سے پاک ہے لیکن ترک حیاء کے لوازم میں سے ہے اس لیے ترک کو حیاء سے تعبیر کیا گیا۔

دوسرا قول: یہ بھی درست ہے کہ یہ عبارت کفار کے کلام میں پائی جاتی تھی۔ کہ انہوں نے کہا ما یستحی رب محمد ان یضرب مثلا بالذباب والعنکبوت: محمد کا رب حیا نہیں کرتا کہ مکھی و مکڑی کی مثال بیان کرے۔ تو مقابلہ اور سوال کے مطابق (ترکی بہ ترکی) جواب دینے کے لیے اس طرح فرمایا اور یہ کلام بدیع کی صنعت ہے۔

اس میں دو لغات ہیں۔ متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف الجر کہا جاتا ہے استحییتہ واستحییت منہ یہاں دونوں کا احتمال ہے۔

مفہوم ضرب مثل:

یہ ضرب للطین اور ضرب الخاتم سے بنا ہے (اینٹ لگانا یا مہر لگانا) بیان کرنا۔

نحوی تحقیق:

نحوی: مَا نمبر ۱: یہ ابہامیہ ہے جب یہ نکرہ کے ساتھ آئے تو اس میں ابہام پیدا کر کے اس کے عموم میں اضافہ کرتا ہے جیسا اعطنی کتابا ما۔ مراد کوئی سی کتاب۔

نمبر ۲: یہ ما تاکید کے لیے لایا گیا۔ جیسا سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۵ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ میں ہے اب معنی اس طرح ہے کہ کسی بھی مثال کا بیان کرنا نہیں چھوڑتا۔

نحو نمبر ۱: بَعُوضَةً یہ مثلاً کا عطف بیان ہے اور اس نکرہ سے حال ہے جو اس سے مقدم ہے

نمبر ۲: یا ضرب بمعنی جعل ہے اور یہ دونوں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

لغت بعوضۃ: یہ البعض سے بنا ہے اور وہ کاٹنے کو کہتے ہیں جیسے البضع والعضب (کاٹنا) کہا جاتا ہے بعضہ البعوض۔ اس کو مچھر کہتے ہیں اور بعض اسی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کا مسکن ہوتا ہے بعوض فعول کے وزن پر قطوع (کاٹنا) کی طرح صفت ہی ہے۔ پھر اسمیت غالب آ گئی۔

فوقیت کا مطلب:

فَمَا فَوْقَهَا: (یا اس سے بڑھ کر) نمبر ۱: جو اس سے متجاوز ہے اور اس معنی میں بڑھ کر ہے جس میں وہ مثال بیان کی گئی ہے اور وہ معنی قلت و حقارت ہے۔

نمبر ۲: جو جسم میں اس سے بڑھ کر ہے گویا اس سے اس بات کی تردید کر دی کہ جس چیز کو تم نے عجیب قرار دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب اور مکھی و مکڑی کی مثال یہ کیسے ہو سکتا ہے تو جواب دیا کہ مکھی، مکڑی وغیرہ اللہ تعالیٰ تو مچھر کی مثال بیان کرنے کو نہیں چھوڑتا حالانکہ بیان سے چھوٹا ہے۔

اعتراض: مچھر سے کم کی مثال کیسے بیان کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ انتہائی چھوٹا ہے۔

جواب: مچھر کا پر اس سے کئی درجے قلیل اور چھوٹا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو دنیا کی حقارت کے لیے بطور مثال بیان فرمایا۔ (لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی منھا کافرا شربۃ ماء) (ترمذی) اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر مرتبہ رکھتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتے۔

تفسیر فَاَمَّا الَّذِیْنَ:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ (پس وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے)

نحو: ہٗ کی ضمیر مثل کی طرف ہے یا اَنْ یضرب کی طرف ہے۔

الحق: وہ ثابت شدہ چیز جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ کہا جاتا ہے حق الامر جب کہ وہ معاملہ ثابت و واجب ہو جائے۔

مِنْ رَّبِّهِمْ: (ان کے رب کی طرف سے) **نحو**: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل حق کا معنی ہے اور ذوالحال اس کی مستتر ضمیر ہے۔

تفسیر آیت:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا: (اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی کیا غرض تھی) اس پر وقف لازم ہے۔ اگر وقف نہ کریں۔ تو مابعد اس کی صفت بن جائیگا۔ اور اس طرح ہو نہیں سکتا۔ (مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا) میں استحقار ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں یا عجبا لابن عمرو هذا یہ بات ابن عمرو سے انتہائی قابل تعجب ہے (بطور تحقیر فرمایا)

نحوی لطائف:

نحو: مَثَلًا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا حال کی وجہ سے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۷۳ ھٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً میں آیت کا لفظ۔ اَمَّا۔ یہ حرف ہے جس میں شرط کا معنی ہے اسی لیے جواب میں فا لاتے ہیں۔ اور کلام میں اس کا فائدہ زائد تاکید ہے۔ مثلاً تم کہو زید ذاھب۔ جب اس کی تاکید کرنا چاہو تو کہو گے۔ اما زید فذاھب اس لیے سیبویہ نے اس کی وضاحت میں فرمایا۔ مهما یکن من شیء فزید ذاھب۔ جو کچھ بھی ہو زید جانے والا ہے یہ وضاحت اس کی تاکید ہونے کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ شرط کے معنی میں ہے دونوں جملوں کے شروع میں لائے۔ اور اس طرح نہیں کہا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَقُوْلُوْنَ بلکہ اَمَّا کے ساتھ شروع کیا۔ اس طرز میں ایمان والوں کیلئے بڑی تعریف ہے کہ ان کے علم کو برحق شمار کیا۔ اور کافروں کے بارے میں اپنے نصیب سے غفلت کی محرومی اور ان پر حماقت کا الزام لگا کر ذکر کیا۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد، اور کاٹتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں۔

نحو: ماذا اس کی دو صورتیں ہیں۔ نمبر ۱: ذا اسم موصول ہو اور الذی کے معنی میں ہو
نمبر ۲: ما استفہامیہ ہو۔ پس دونوں کو ملا کر اسم استفہام بن گئے اور ایک کلمہ ہو گئے۔

پہلی صورت میں ما مبتدا اور ذا اس کی خبر ہے۔ اپنے جملہ صلہ یعنی اراد کے ساتھ مل کر اور ضمیر محذوف ہے۔ جب اسم استفہام بن میں تو اراد کی وجہ سے محلاً منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ای شیء اراد اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا ارادہ کیا۔

الارادۃ۔ یہ مصدر ہے اَرَدْتُّ الشیء کہتے ہیں جب تیرا نفس اس کو طلب کرے اور اس کی طرف مائل ہو۔ متکلمین کے نزدیک ایک وجہ سے خاص کرتا ہے دوسری کی بجائے۔

معتزلہ کا عقیدہ:

اہل معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کے ساتھ حقیقتاً نہیں کی جا سکتی جب اراد اللہ کذا کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو ارادہ بمعنی فعل ہوگا کیونکہ وہ نہ بھولنے والا اور نہ مجبور ہے اور اگر غیر کا فعل ہے تو اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔

کثرت کا معنی:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا: وہ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے بہت سوں کو اور ہدایت دیتا ہے بہت کو۔ اما سے شروع ہونے والے دونوں جملوں کی تفسیر اور بیان کے قائم مقام ہے کہ جاننے والا فریق تو اس کو برحق کہتا ہے اور جہلاء استہزاء کرنے والے ہیں۔ اور یہ دونوں کثرت سے موصوف ہیں۔ اور اس کے حق ہونے کا علم باب ہدایت سے ہے اور اس کے انکار سے ناواقفیت باب گمراہی سے ہے اور اہل ہدایت خواہ بذات خود کثیر ہوں مگر ان کو اہل ضلال کے بالمقابل ظاہراً قلت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے بھی کہ تھوڑے سے ہدایت والے بھی حقیقت میں کثیر ہیں اگرچہ صورۃً وہ تھوڑے ہوں۔ جیسا کہ شاعر کے قول میں۔

ان الکرام کثیر فی البلاد وان ☆ قلوا کما غیرھم قل وان کثروا

شرفاء شہروں میں بہت ہیں۔ اگرچہ صورۃً وہ قلیل ہوں۔ یعنی کہ ان کے علاوہ قلیل ہیں حقیقت میں اگرچہ صورۃً قلیل میں کثیر ہیں۔

والاضلال: ہدایت سے ہٹانا۔ گمراہی کا پیدا کرنا۔

الهدایة: ہدایت پانے کے فعل کو بندے میں پیدا کرنا۔

مقصد تمثیل:

اہل سنت کے نزدیک یہ حقیقت ہے۔ آیت کا سیاق اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ جس چیز کو جاہل کفار انکار اور عیب خیال کرتے ہیں کہ حقیر چیزوں کے ساتھ مثال بیان کرنا عجیب کی بات ہے۔ حالانکہ یہ تو عجب کی بات نہیں کیونکہ تمثیل کا مقصد معنی کو واضح کرنا اور وہم والے کو مشاہدے کے قریب کرنا ہوتا ہے۔ پس اگر متمثل لہ عظیم ہو تو ممثل بہ بھی عظیم اور اگر وہ حقیر ہو تو ممثل بہ بھی حقیر ہوگا۔ ذرا غور تو کرو۔ چنانچہ حق واضح ہے تو اس کی مثال ضیاء اور نور سے دی اور باطل چونکہ واضح نہیں تو اس کو ظلمت اور اندھیرے سے تشبیہ دی۔ پس اسی طرح اس آیت میں وہ آلہہ جن کو کفار نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذلیل ترین اور حقیر ترین ہیں۔ اسی لیے مکڑی کے جالے کو ان کی کمزوری اور بودے پن کے لیے بطور تمثیل لائے۔ وہ ان کو مکھی سے کم درجہ قرار دیں۔ اور مچھر کی مثال ان کے لیے بیان کی جو مثال میں مکھی سے بھی کمتر ہے یہ تو کوئی اوپری اور نرالی بات نہیں ہے۔ ایسی تمثیل بیان کرنے والے کو کہا جائے گا کہ مچھر کے ساتھ ان کی تمثیل بیان کرنے سے باز رہو۔ اس لیے کہ وہ اپنی تمثیل میں سچا ہے اور بات میں حقیقت پر چلنے والا ہے اور تمثیل کو اس کے مقام پر فٹ کرتا ہے۔

مومن و کافر کے مزاج میں فرق:

سیاق آیات میں یہ بات بھی بیان کر دی کہ وہ مومن جن کی عادت انصاف اور امور کی صحیح عقل سے غور و فکر کرنا ہے وہ جب اس تمثیل کو سنیں گے تو جان لیں گے کہ یہ برحق ہے۔ کافر لوگ جن کی عقلوں پر جہل غالب ہے وہ ان کو بدنما سمجھیں گے اور عناد و ضد پر اتر آئیں گے۔ اور اس کے باطل قرار دینے کی سوچیں گے اور انکار کے ساتھ مقابلہ کریں گے اور یہ چیز مومنوں کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور منکروں کی گمراہی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

ان کفار (قد) پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح انکار کر دیا حالانکہ لوگ مکھی، پرندوں اور حشرات الارض کی مثالیں بیان کرتے چلے آرہے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

اجمع من ذرۃ (چیونٹیوں سے زیادہ جمع کرنے والا) اجرأ من الذباب (مکھی سے زیادہ جرأت مند) اسمع من قراد (چیچڑی سے زیادہ کانوں والا) اضعف من فراشۃ (پروانے سے زیادہ کمزور) آکل من السوس (دیمک سے زیادہ کھانے والا) اضعف من البعوضۃ (مچھر سے زیادہ کمزور) اعز من مخ البعوض۔ (مچھر کے مغز سے زیادہ عزت والا) لیکن حجت بازی اور عجمیت کے مزاج کا تقاضا ہے کہ زیادہ حسرت کی وجہ سے واضح کو مسترد کرے اور چمکتے ہوئے روشن حق کا انکار کرے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ۔ حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا۔ پھر زندہ فرمائے گا۔ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قطع کی حقیقت:

نمبر ۱: قطع رحمی کرنا اور مسلمانوں سے دوستی منقطع کرنا۔

نمبر ۲: انبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر ایمان اور بعض کا انکار کر کے ان کی اجتماعیت فی الحق کو ختم کیا۔ گویا ان یوصل سے مراد اجتماعیت فی الحق اور قطع سے مراد بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب ہے۔

تعریف امر:

الامر: کسی چیز پر استعلاء کے طور پر مخصوص قول سے فعل کا مطالبہ کرنا۔

نحو: ما نکرہ موصوفہ ہے یا الذی کے معنی میں ہے۔ ان یوصل نمبر ۱ موضع جر میں ہے ضمیر سے بدل ہے یعنی یوصلہ نمبر ۲ موضع رفع میں ہے یعنی ہو ان یوصل

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ: (وہ زمین میں فساد کرتے ہیں) کفر کی طرف بلا کر۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: (وہی نقصان اٹھانے والے ہیں) ایمان والے پر شک کر کے۔

نحو: اولئک مبتدا ہم ضمیر فصل اور الخاسرون خبر ہے۔ یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نوعیت نقصان:

اس طرح کہ انہوں نے وفا کے بدلے میں عہد کو توڑا اور وصل کو قطع سے اور اصلاح کو فساد سے ثواب کو عقاب سے بدل ڈالا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ: (تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو) ہمزہ کا وہ معنی جو کیف میں ہے اس کی مثال یہ قول ہے اتکفرون باللہ ومعکم ما یصرف عن الکفر ویدعو الی الایمان۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس وہ چیز ہے جو کفر سے پھیرنے اور ایمان کی طرف رغبت کرنے والی ہے۔

مقصود استفہام:

یہ استفہام انکار و تعجب کے لیے ہے۔ اس کی مثال اس قول میں ہے

اتطیر بغیر جناح و کیف تطیر بغیر جناح؟ کیا تو بغیر پروں کے اڑتا ہے اور تو بغیر پروں کے کیسے اڑے گا۔ یعنی تو

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سو ٹھیک طرح بنا دیے

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

بغیر پروں کے ہے اس لیے تو اڑ نہیں سکتا۔

وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا : (حالانکہ تم مردہ تھے) اور مراد یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی اصلاب میں نطفہ کی صورت میں تھے اور نطفہ مردہ ہے الاموات جمع میت ہے جیسے اقوال جمع قول۔ اس لیے جسم میں زندگی نہ ہو اس کو بھی میت کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۹ میں ہے بَلْدَةً مَّيْتًا۔

فَأَحْيَاكُمْ : (پس اس نے تمہیں زندہ کیا) پس اس نے ماں کے رحموں میں زندہ کر دیا۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ۔ (پھر وہ تمہیں موت دیں گے) اور تمہیں موت دیں گے جب تمہاری مدت زندگی پوری ہو جائے گی۔

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ : (پھر وہ تمہیں زندہ کریں گے) پھر وہ بعث کے لیے زندہ کریں گے۔

ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ : (پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) پھر تم جزا کی طرف لوٹو گے۔ یا پھر وہ تم کو قبر میں تمہیں زندہ کریں گے۔ پھر اس کی طرف نشور کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔

فاء اور ثم کا فرق:

یہاں پہلا عطف فاء کے ساتھ ہے اور باقی ثم کے ساتھ ہے کیونکہ احیاء اول بلا تاخیر موت اول کے بعد ہوا۔ باقی موت وہ تو زندگی سے مؤخر ہے اور حیات ثانیہ بھی اسی طرح موت سے متاخر ہے اگر نشور مراد ہو اور اگر قبر کی زندگی مراد ہو تو اس کی تاخیر کا بھی اسی سے علم ہوتا ہے اور جزا کی طرف لوٹنا و نشور سے متاخر ہے۔

کفر انوکھا ہے:

اس موت و حیات کے واقعہ کے ساتھ ساتھ ان کا کفر انوکھی چیز ہے کیونکہ اس واقعہ میں واضح دلائل ہیں جو کفر سے ان کو پھیر سکتے ہیں۔ اور اس لیے بھی ان کا انکار عجیب ہے کہ یہ واقعہ بڑی بڑی نعمتوں پر مشتمل ہے جن کا حق شکر یہ ہے نہ کہ ناشکری کرنا۔

لام کی حکمت:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ : (وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے سب کچھ بنایا)

نمبر ا: لکم کی لام اجلیہ ہے تمہاری خاطر۔

نمبر۲: اور تمہارے دین و دنیا میں فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کیا۔ اول تو ظاہر ہے اور دوسرے قول میں غور کرو۔ اس میں جو عجائبات ہیں وہ صانع قادر حکیم علیم کی ہستی پر دلالت کرنے والے ہیں اور اس میں آخرت کی یاد ہے۔ کیونکہ زمین کی پناہ گاہ اس کے ثواب کو یاد دلانے والی ہے اور اس کی ناپسندیدہ چیزیں اس کے عقاب کو یاد دلانے والی ہیں۔ علامہ کرخی۔ ابوبکر رازی اور معتزلہ کا استدلا ل ہے کہ خلق لکم بتلا رہا ہے کہ تمام اشیاء مجموعہ مباح الاصل ہیں۔

جَمِيْعًا (سب کچھ) نحو : یہ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ : (پھر آسمان کا قصد کیا) الاستواء۔ اعتدال و درستگی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے استوی العود یعنی قائم و اعتدال۔ سیدھی لکڑی درست کھڑی ہوئی۔ پھر کہا گیا استوی الیہ کالسھم المرسل چھوڑے ہوئے تیر کی طرح سیدھا ہوا جبکہ وہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اور کسی طرف نہ مڑے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ۔ یعنی وہ متوجہ ہوا۔ اور آسمان کو بنانے کی طرف توجہ کی زمین کی تمام اشیاء بنانے کے بعد بغیر اس کے کہ اس دوران کسی اور چیز کے پیدا کرنے کی طرف توجہ کرے۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ : (انکو سات آسمان ہموار بنا دیا) یہ مبہم ہے اس کی تفسیر سبع سموٰت ہے جیسا کہ ان کے قول ربّہ رجلاً (بہت سے آدمیوں کو میں ملا ہوں) یہ بھی کہا گیا۔ کہ ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ لفظ واحد ہے مگر معنی جمع کا ہے کیونکہ یہ جنس کے معنی میں ہے۔

مراد تسویہ

تسویتھن : پھر ان کا پیدائش میں برابر اور درستگی اور ٹیڑھا ہونے اور پھٹنے سے محفوظ ہونا

دوسرا قول: ان کی خلقت کی تکمیل۔ ثم سے یہاں آسمان کی پیدائش کی فضیلت زمین کی پیدائش پر ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ والارض بعد ذلک دحٰھا۔ سورۃ النازعات آیت نمبر ۳۰ کے مخالف نہیں کیونکہ زمین کا وجود آسمان کی پیدائش سے مقدم ہے البتہ زمین کا بچھانا وہ زمین کی پیدائش سے متاخر ہے حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے زمین کی پیدائش موضع بیت المقدس میں مہر (پتھر) کی طرح تھی اس پر چھتا ہوا دھواں تھا پھر دھواں اٹھایا اور اس سے آسمانوں کو بنا دیا۔ اور سب کو اپنی جگہ رہنے دیا۔ اس سے زمین کو پھیلا دیا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ کا یہی مطلب ہے دونوں چیزوں کو جس کو درست فرمایا۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ : (وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) پس اسی لیے ان کو ہمارا محکم طریق یا حقوق طرق کے بنایا۔ اور زمین میں جو کچھ بنایا وہ زمین والوں کی ضروریات وفوائد کے مطابق بنایا۔

قراءت : وَهُوَ اور اس کے ہم شکلوں کو ابو عمرو وورش رحمہم اللہ کے علاوہ مدنی اور دوسرے قراء نے اس طرح پڑھا ہے۔ ورش اور ابو عمرو اور علی رحمہم اللہ نے وَهْوَ پڑھا۔ گویا واؤ کو کلمہ سے قرار دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ، فرشتوں نے عرض کیا کیا آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

جو اس میں فساد کرے گا اور خون کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آپ کی حمد کے ساتھ اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں

قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

مَن یہ یُفسِدُ کی طرح ہے اور دیگر قراء کے ہاں یَعِضُّ کی طرح ہوا۔

سابقہ آیات سے ربط:

قول حسن: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اس میں جنات کو بسا دیا۔ اور آسمان میں فرشتوں کو ٹھہرایا جنات نے زمین میں فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر ان کو سمندروں کے جزائر اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھگا دیا۔ ان فرشتوں نے جنات کی جگہ سکونت اختیار کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس واقعہ کو ذکر فرمانے کا حکم دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ: (اور جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں کو) اذ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے۔ الملٰئکۃ جمع ملاک شمائل جمع شمأل کی طرح ہے اور تاء تانیث جمع کے لیے ہے۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ: (بے شک میں بنانے والا ہوں) بنانے والا ہوں یہ جعل سے ہے جس کے دو مفعول ہیں۔

خلیفہ کی تفسیر:

فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً: (زمین میں خلیفہ) خلیفہ وہ ہے جو غیر کے بعد آئے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ ھاء اس میں مبالغہ کی بنا پر لائی گئی ہے۔ اب معنی خلیفہ منکم تم میں سے نائب کیونکہ فرشتے زمین کے رہائشی تھے پس اس زمین میں ان کے بعد آدم اور ان کی اولاد کو نائب بنایا۔ خلائف اور خلفاء نہیں کہا کیونکہ خلیفہ سے آدم مراد لیے گئے۔ اور اولاد کے ذکر کی بجائے فقط آدم علیہ السلام کے ذکر پر اکتفا کیا جیسا کہ اس قول میں مضر، ہاشم میں قبیلے کے بڑے کو ذکر کر دیا۔

یا مراد وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ یا وہ مخلوق جو تمہارے بعد آئے گی اسی لیے واحد لائے۔

یا خلیفہ منی۔ میرا نائب کیونکہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے زمین میں خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہر پیغمبر علیہ السلام اللہ کا خلیفہ ہے جیسا کہ سورۃ ص آیت نمبر ۲۶ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ میں ہے۔

فرشتوں کو خبر دی کہ وہ سوال کریں اور ان کو وہ جواب دیا جائے جو دیا گیا۔ تا کہ آدم کے وجود سے پہلے وہ ان کے استحقاق کی

حکمت پہچان لیں۔
نمبر۲: تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امور میں اقدام سے پہلے مشاورت سکھائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مشاورت سے بے نیاز ہے۔

سبب قول:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا : (انہوں نے کہا کیا آپ زمین میں اس کو نائب بناتے ہیں جو فساد کرے گا) فرشتوں نے یہ تعجب سے کہا کہ اہل اطاعت کے نائب اہل معصیت کو بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور جہل سے پاک ہے یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے معلوم کی۔ یا لوح محفوظ سے معلوم کی۔ یا جنات پر قیاس کر لیا۔
وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ : (اور وہ خون بہائے گا) اور بہائے گا۔

فائدہ واو حالیہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ : (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں) و نحن نسبح میں واؤ حالیہ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔
اتحسن الی فلان وانا احق منه بالاحسان؟۔ کیا تو فلاں پر احسان کرتا ہے حالانکہ احسان کا میں اس سے زیادہ حقدار ہوں۔
بِحَمْدِكَ : (تیری حمد کے ساتھ) یہ موضع حال میں ہے یعنی ہم تیری حمد کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری حمد سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں جیسا کہ اس سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶۱ و قد دخلوا بالکفر کا معنی دخلوا کافرین ہے کہ وہ کفر ہی کی حالت میں داخل ہوئے۔

تقدیس کا معنی:

وَنُقَدِّسُ لَكَ : (اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں) ہم اپنے آپ کو آپ کے لیے پاک کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ تسبیح و تقدیس۔ اللہ کو برائی سے دور قرار دینا۔ یہ سبح فی الارض و قدس فیها سے ہے جب وہ زمین میں سفر کرے اور بہت دور جائے۔

ومعاذ رضی اللہ عنہم۔

کونسا مستثنیٰ ہے؟

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ :(پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس) یہ استثناء متصل ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اسی طرح حضرت علی و ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ اور اس لیے بھی کہ استثناء مستثنیٰ کی جنس سے ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ۔

رہا سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ کَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ یہ کان صار کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ ھود آیت نمبر ۴۳ میں فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۔ کہ وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ وہ ملائکہ سے نہ تھا۔

دلیل نمبر ۱: بلکہ نص کے مطابق وہ جنات میں سے تھا۔ اور یہی حضرت حسن وقتادہ کا قول ہے۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا۔ اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے۔

نمبر ۳: اور اس لیے بھی کہ اس نے انکار کیا اور نافرمانی اور تکبر کیا۔ اور ملائکہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

نمبر ۴: اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ۔ [الکہف: ۵۰]

کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا کارساز بناتے ہو۔ حالانکہ فرشتوں کی نسل نہیں۔

جاحظ معتزلی کہتے ہیں۔ کہ جن اور ملائکہ ایک جنس ہے جو ان میں پاکیزہ ہیں وہ فرشتے اور جو خبیث ناپاک ہیں وہ شیطان۔ اور جو بین بین ہیں وہ جن (مگر جاحظ کا یہ قول بلا ثبوت ہے)

اَبٰی :(اس نے انکار کیا) باز رہا اس سے جو اس کو حکم ملا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ :(اور اس نے بڑائی اختیار کی)

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ :(اور کافروں میں سے ہو گیا)

نمبر ۱: اپنے انکار اور تکبر اور امر الٰہی کو رد کرنے کے سبب کافروں میں سے ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ حکم پر عمل کرنا اس نے ترک کر دیا اس لیے کہ ترک سجود ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس سے اہلسنت کے ہاں کافر بنتا ہے۔

البتہ معتزلہ اور خوارج (کے ہاں ایمان سے خارج ہو جاتا ہے)

نمبر ۲: کافروں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا۔ اس طرح نہیں کہ وہ علم الٰہی میں ہمیشہ کافر تھا۔ یہ مسئلہ موافات ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

سو شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعے سے لغزش دی پھر ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ اترو تم میں سے

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور تم سب کے لئے زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے

منصوب ہے۔

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ : (اپنا نقصان کرنے والوں سے) نمبر ۱: تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

نمبر ۲: یا ان میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے کو نقصان پہنچایا۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا : (پس ان دونوں کو پھسلایا شیطان نے اس درخت کے متعلق)

لغزش کی وضاحت :

ھا ضمیر شجرہ کی طرف جا رہی ہے یعنی اس درخت کے سبب ان دونوں کو شیطان نے لغزش پر آمادہ کیا۔

نمبر ۱: اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ شیطان نے درخت کی وجہ سے ان سے لغزش صادر کروائی۔

نمبر ۲: یا ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا۔ یعنی نکلوا دیا اور دور کرا دیا۔

قراءت : حمزہ نے فازالھما پڑھا۔ تاویل میں آدم علیہ السلام کی لغزش خطاء تھی۔ خواہ نہی کو تنزیہ پر محمول کرو۔ یا لام کو عہد خارجی کا مانو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جنس آدم کا ارادہ فرمایا۔

مَسْئَلَہ : اس سے یہ ثابت ہوا کہ لغزش کے لفظ کا اطلاق انبیاء علیہم السلام کے لیے درست ہے جیسا کہ مشائخ بخاری نے کہا۔

زلہ کے لفظ کی تفسیر :

زلہ کا لفظ : اسم ہے جنالت کا قصد کرنے کے بغیر کسی حکم کے خلاف کرنا۔ جیسے زلۃ الماشی فی الطین چلنے والے کا پاؤں کیچڑ میں بلا قصد پڑتا ہے۔

سمرقند کے مشائخ نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے افعال پر زلہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ معصیت کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس طرح کہا جائے گا۔ انہوں نے فاضل کو کیا اور افضل کو چھوڑا اس لیے ان پر عتاب کیا گیا۔

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ : (پس دونوں کو نکلوا کر رہا۔ اس جنت سے جس میں وہ دونوں تھے) یعنی جن نعمتوں اور تکریموں میں وہ تھے۔ یا اگر عنھا کی ضمیر الجنۃ کی طرف ہو تو مراد جنت سے نکلوانا ہے۔

کرنے والی نہیں؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں ٹھہرایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ پھر عرض کیا اے میرے اللہ تو نے مجھے جنت سے کیوں نکالا۔ تو فرمایا تیری معصیت کی نحوست سے۔ عرض کیا اگر میں توبہ کروں تو مجھے اس کی طرف واپس کرے گا؟ فرمایا ہاں۔

فَتَابَ عَلَيْهِ: (تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی) پس اللہ تعالیٰ نے رحمت و قبولیت سے ان کی طرف رجوع فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی توبہ پر اقتصار کر لیا۔

کیونکہ حوا تو ان کے تابع تھیں۔ عموماً قرآن و سنت میں عورتوں کا تذکرہ مردوں کے تذکرہ کے ضمن میں سمو دیا گیا ہے۔

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ: (وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

الرَّحِيمُ: (نہایت مہربان ہے) اپنے بندوں پر

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا (ہم نے کہا تم سب یہاں سے اترو) جمیعاً حال ہے یعنی اکٹھے

نمبر ۱: اترنے کا حکم دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا۔

نمبر ۲: پہلا ہبوط جنت سے آسمان پر تھا اور دوسرا آسمان سے زمین پر

نمبر ۳: اس لیے اهبطوا دوبارہ لائے کیونکہ دوسرے اهبطوا کے ساتھ اِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ ملا ہوا تھا۔

اتیان کی مراد:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى: (پس جب بھی آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت)۔ اتیان ہدایت سے مراد رسول جس کو تمہاری طرف بھیجوں گا۔ یا کتاب تمہاری طرف اتاروں گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا کو فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ کے مقابلے میں لائے یعنی جو ہدایت سے مراد قبول ہدایت اور اس پر ایمان لانا ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (پس نہ خوف ہوگا ان پر) ان پر مستقبل میں خوف نہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: (وہ غمگین نہ ہوں گے) اس پر جو انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ نحو: دوسری شرط اپنے جواب سمیت اول کا جواب ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ ان جئتنی فان قدرت احسنت الیّ۔ اگر تو میرے پاس آئے پس اگر تو ایسا کر سکا تو تو نے مجھ پر احسان کیا۔

قراءت: یعقوب کہتے ہیں تمام قرآن میں خوف کا فتح کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ: (اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ)

نحو: یہ مبتدا ہے اور أَصْحَابُ النَّارِ (آگ والے) یہ خبر ہے اور اس کے بعد والا یہ جملہ موضع رفع میں مبتدا کی خبر ہے مبتدا سے مراد الذین کفروا ہے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝٤٠

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

تفسیر يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کی:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : (اے بنی اسرائیل) اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے ان کی زبان میں اس کا معنی صفوۃ اللہ یا عبداللہ ہے۔ اسرا کا معنی بندہ یا چنا ہوا ہے۔ ایل عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمہ اور علم ہے۔

انعامات کی مراد:

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ : (تم میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں) ان کو نعمتیں یاد دلائیں تا کہ وہ ان کے شکریہ سے غافل نہ رہیں۔ اور دینے والے کی اطاعت کریں۔ اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو ان کے آباؤ اجداد پر کیں۔ جن کو شمار کیا وہ یہ ہیں۔ فرعون اور اس کے عذاب سے نجات دلانا۔ فرعون کا غرق۔ بچھڑا بنانے پر معافی۔ توبہ قبول کرنا اور محمد ﷺ کے زمانہ نبوت کو پا لینے کا انعام جن کی بشارت تورات و انجیل میں دی گئی ہے۔

وَاَوْفُوْا : (اور تم میرا عہد پورا کرو) پورا پورا ادا کر دیا جاتا ہے۔ وفیت له بالعهد، فانا واف به واوفیت له بالعهد فانا موف به 'اوفیت' کو اختیار کیا اور اسی کے مطابق قرآن اترا۔

بِعَهْدِيْٓ : (میرا وعدہ) جو تم نے مجھ پر ایمان لانے کا عہد کیا اور میری اطاعت کا۔ یا تم نے نبی رحمت اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا عہد کیا۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ : (میں پورا کروں گا تمہارا وعدہ) جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے۔ کہ تمہاری نیکیوں پر اچھا بدلہ دوں گا۔

قاعدہ اضافت:

عہد کی اضافت معاہدہ کرنے والے اور جس سے معاہدہ کیا جائے ہر دو کی طرف ہوتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں عہد [illegible] سورۃ [illegible] آیت نمبر ۱۲ میں ہے۔

اہل اشارہ کا قول:

تم میرے محبت کے گھر میں عہد پورا کرو۔ میری خدمت کی قالین پر بیٹھ کر اور میری حرمت کی حفاظت کر کے۔ میں اپنی نعمتوں کے گھر میں اپنے اکرام کے قالین پر تمہیں پورا پورا دوں گا۔ اس دولت میں کمی نہ ہوگی اور ہمیشگی حاصل ہوگی۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو اور قائم کرو نماز

وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٤٣﴾

اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

ثمن قلیل کی مراد:

ثَمَنًا قَلِيلًا : (تھوڑی قیمت)

نمبر۱: حضرت حسن بصری کہتے ہیں۔ وہ اپنے سازوسامان سمیت پوری دنیا ہے۔ نمبر۲: یہ بھی کہا گیا وہ سرداری مراد ہے جو انہیں اپنی قوم میں حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے جس کے چھن جانے کا ان کو خطرہ ہوا۔

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ : (مجھ ہی سے ڈرو)

قراءت: تمام قراء کے ہاں بھی خافونی، فارھبونی، فاتقونی ہر دو حالتوں میں یاء کے ساتھ ہیں قاری یعقوب کے نزدیک بھی حکم برابر کا ہے۔ جو مصحف میں محذوف ہو۔

کتمان ولبس کا معنی:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ - (اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ) لبس الحق بالباطل کا مطلب ان کا آپس میں ملانا ہے۔

نمبر۱: اگر باء صلہ مانیں تو اس قول کی طرح ہے لبست الشیء بالشیء میں نے دونوں چیزوں کو ملا دیا اب مطلب یہ ہوا کہ تورات میں وہ چیزیں مت لکھو جو اس میں نہیں اس طرح تمہارا حق اس باطل سے مل جل جائے گا۔ جو تم نے لکھا ہے یہاں تک کہ حق اور باطل میں تمہارے لیے تمیز نہ رہے گی۔

نمبر۲: اگر یہ باء استعانت ہو تو اس قول کی طرح ہوگا۔ کتبت بالقلم۔ اب معنی یہ ہے کہ ولا تجعلوا الحق ملتبسا مشتبھا بباطلکم الذی تکتبونہ۔ حق کو ملتبس اور مشتبہ مت کرو اپنے اس باطل کی مدد سے جو تم لکھتے ہو۔

نحوی تحقیق:

نحو : **وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ** (اور نہ چھپاؤ حق کو) یہ مجزوم ہے حکم نہی کے تحت داخل ہے و لا تکتموا۔ یا اَنْ کو مضمر مان کر منصوب ہے۔ واؤ جمع کا معنی دے رہی ہے یعنی حق کو باطل کے التباس اور کتمان حق کو جمع نہ کرو۔ جیسے کہتے ہو۔ لا تاکل السمک وتشرب اللبن مچھلی کھانے کو دودھ پینے کے ساتھ جمع نہ کرو۔ یہ دونوں الگ معاملے ہیں لبس باطل یہ ہے کہ تورات میں وہ چیز لکھو جو اس میں شامل نہ تھی اور حق کا کتمان یہ تھا۔ کہ وہ کہتے ہم تورات میں محمد ﷺ کی تعریف نہیں پاتے۔ یا تورات میں یہ حکم نہیں پاتے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر جو

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: (حالانکہ تم جانتے ہو) یہ جاننے کی حالت میں کہ تم التباس کرنے والے، چھپانے والے ہو اور یہ ان کے لیے قبیح ترین چیز تھی۔ کیونکہ قبیح سے ناواقفی بسا اوقات مرتکب قبیح کے لیے عذر بن جاتی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: (اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) یعنی مسلمانوں والی نماز و زکوٰۃ

رکوع کی مراد:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ: (اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) جو ان میں سے رکوع کرنے والے ہیں کیونکہ یہودی کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ (مگر اس کے لیے ثبوت درکار ہے جبکہ حضرت مریم کو فرمایا: یٰمریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین فرمایا گیا ہے۔ تاقم) یعنی تم اسلام لا کر اہل اسلام کے اعمال کرو۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ رکوع سے خود نماز مراد ہو جیسے کہ نماز کو سجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نمازیوں کے ساتھ نماز کا حکم جماعت کے لیے ہے یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔ الگ الگ نہیں۔

بِر کا مفہوم:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ: (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو) ہمزہ تقریر یہاں توبیخ کے لیے ہے اور ان کی حالت پر اظہار تعجب مقصود ہے۔

بالبر: بھلائی و نیکی پھیلانے کا اور اسی سے البَرّ بمعنی جنگل ہے جو اس کی وسعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے البِرّ ہر خیر کو شامل ہے اور اسی سے اس کا قول صدقت و بررت ہے۔ احبار یہود اپنے اقارب کو خفیہ نصیحت کرتے کہ اتباع محمد ﷺ کی نصیحت کرتے مگر خود اتباع نہ کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ کا حکم دیتے مگر صدقہ نہ کرتے۔ جب ان کو صدقات تقسیم کے لیے دیئے جاتے وہ ان میں خیانت کرتے۔

وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ : (اور تم اپنے آپ کو بھلاتے ہو) تم اپنے نفوس سے نیکی چھوڑتے ہو جیسے کوئی بھولی بسری چیزیں ہوتی ہیں۔

وعید یا تبکیت :

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ : (حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو) نمبر ا۔ یہ ان کو بطور تبکیت کہا کہ تم تورات پڑھتے ہو حالانکہ اس میں محمد ﷺ کی تعریف موجود ہے۔

نمبر ۲: یا اس میں خیانت پر وعید موجود ہے۔ اور ترک بر اور قول وعمل کے تضاد پر وعید پائی جاتی ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) کیا تم اس کی قباحت نہیں سمجھتے جس کا تم اقدام کرتے ہو۔ تاکہ اس کی قباحت کی اپنے ہاتھوں تصدیق کرو۔ یہ بہت بڑی توبیخ ہے

وَاسْتَعِيْنُوْا : (اور تم مدد لو) تم مدد طلب کرو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ سے۔

صبر واستقامت :

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ : (صبر و نماز کے ساتھ) ان دونوں کو جمع کرکے اور نماز کی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے تم نماز پڑھو۔ اسی طرح کہ اس کی مشقتیں برداشت کرنے والے ہو۔ اور جو چیزیں اس میں ضروری ہیں۔ جیسے اخلاص قلب۔ دفع وساوس شیطانیہ و ہواجس نفسانیہ اور مراعاۃ آداب۔ خشوع اور اس بات کا استحضار کہ تم جبار السموات والارض کے سامنے کھڑے ہو۔

یا مصائب و آفات میں صبر کرکے مدد طلب کرو۔ اور ان مصائب کے وقوع کے وقت نماز کی طرف جھکو۔ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل بہت زیادہ معاملہ پیش آتا۔ تو نماز کی طرف جلدی کرتے۔ (رواہ الطبری فی تفسیرہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قثم ؓ کی موت کی خبر دوران سفر ملی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔ واستعینوا بالصبر والصلوۃ۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ الصبر روزے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ روزہ مفطرات سے اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے اور اسی طرح رمضان المبارک کو شہر الصبر فرمایا گیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الصلوۃ سے دعا مراد ہے یعنی مصائب پر صبر اور دعا کی التجا سے او اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اس کے دور کرنے میں مدد حاصل کرو۔

مرجع ضمیر :

وَاِنَّهَا : (اور بے شک وہ) نمبر ا: ضمیر نماز کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نمبر ۲: استعانت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

لَكَبِيْرَةٌ : (البتہ بھاری ہے) شاق اور بھاری ہے جیسا کہ کہتے ہیں کبر علیّ ھذا الامر۔ یہ معاملہ مجھ پر گراں گذرا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا

جہانوں پر۔ اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ ادا نہیں کر سکے گا

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ

اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔ اور نہ ان لوگوں کی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

مدد کی جائے گی۔

اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ: (مگر خاشعین پر) کیونکہ وہ توقع رکھتے ہیں اس اجر کی جو صابرین کے لیے ان کی تھکاوٹوں پر ملے گا۔ پس جنت ان پر آسان ہو جائے گی۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ نہیں ڈالتے؟

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ: (وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اپنے رب کی ملاقات کا) یعنی ثواب کو پانے کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اس چیز کے پانے کی جو اللہ کے ہاں ہوگی۔

یظنون کی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی وجہ سے یعلمون ہے یعنی وہ جانتے ہیں جزا کا ملنا یقینی ہے پس ان کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ مگر جن کو جزا کا یقین نہیں۔ اور جزا پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ثواب کے امیدوار ہیں۔ ان پر یہ خاصی مشقت ہے۔

الخشوع اخبات۔ التطامن۔ فروتنی وعاجزی۔ الخضوع نرمی۔ انقیاد۔ اطاعت

اللقاء کی تفسیر:

رؤیت و دیدار۔ یعنی وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ کہ ان کو اس کا بلا کیف دیدار ہوگا۔

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: (اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) ان کے معاملات کو آخرت میں اس کے سوا اور کوئی بھی مختار نہ ہوگا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں) دوبارہ تاکید کے لیے لائے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ

تَنْظُرُوْنَ ۝

تم دیکھ رہے تھے۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ :(اور اس میں آزمائش تھی) مشقت۔ جبکہ مشارالیہ فرعون کی حرکت ہو۔ اور مشارالیہ انجاء ہو۔ تو بلاء کا معنی نعمت ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ :(تمہارے رب کی طرف سے) یہ بلاء کی صفت اول ہے۔

عَظِيْمٌ :(بڑی) یہ صفت دوم ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا :(جب ہم نے پھاڑ دیا تمہارے لئے سمندر کو) بعض کو بعض سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ راستے بن گئے

فَرَقْنَا : یہ شد کے ساتھ پڑھا گیا۔ ہم نے جدا کیا کہا جاتا ہے اس نے دو چیزوں میں جدائی کر دی اور چیزوں میں تفریق کر دی۔ کیونکہ راستے بارہ تھے۔ جتنی قبائل بنی اسرائیل کی تعداد تھی۔

بِكُمُ الْبَحْرَ :(تم پر سمندر کو) وہ ان پر چل رہے تھے۔ اور تمہارے چلتے ہوئے پانی الگ الگ تھا۔ گویا ان کے ساتھ پھاڑ دیا یا ہم نے تمہارے سبب سے پھاڑا۔ یا ہم نے پھاڑا اس حال میں کہ وہ تمہارے ساتھ ملتبس تھا۔ اس صورت میں یہ حال بنے گا۔

روایت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ ہمارے ساتھی کہاں ہیں؟ ہم جب تک ان کو دیکھ نہ لیں۔ راضی نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ کہ اپنی لاٹھی کو اسی طرح کہو۔ آپ نے دیواروں پر مار کر یہ کہا۔ پس اس میں روشن دان بن گئے۔ پس وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور ایک دوسرے کی باتیں سنتے جا رہے تھے۔

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ :(پس ہم نے تمہیں نجات دی اور ڈبو دیا آل فرعون کو اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے) اور مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کر رہے تھے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود

بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

بنا لیا اور تم ظلم کرنے والے تھے پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دی اس امید پر کہ تم ہدایت پاؤ

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى: (جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا) کیونکہ وہ بھی وعدے کے طالب تھے۔ اور وہ طور پر آنے کا تھا۔

وٰعَدْنَا: جہاں تک میری تحقیق ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں ہلاکت فرعون کے بعد داخل ہوئے اور اس وقت ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ جس کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا۔ وہ ان پر تورات اتاریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا۔ ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے اور فرمایا۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً: کیونکہ مہینے کی ابتداء راتوں سے ہوتی ہے۔ اور چالیس راتیں۔

نحو: اَرْبَعِيْنَ۔ وٰعَدْنَا کا مفعول ثانی ہے ظرف نہیں ہے۔ اس لیے اس کا معنی چالیس راتوں میں نہیں ہے (فی اربعین لیلۃ)

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ: (پھر بنالیا تم نے بچھڑے کو) اتخذتم کا مفعول ثانی حذف کر دیا۔ اس کے باب میں مکی اور حفص کے نزدیک اظہار ہے۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) طور پر جانے کے بعد

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (اور تم ظالم تھے) اور تم ظالم تھے اس لیے کہ تم نے عبادت کا مستحق ان کے سوا دوسرے کو قرار دیا۔

نحو: یہ جملہ حالیہ ہے یعنی تم نے اس کی عبادت کی اس حال میں کہ تم ظلم کرنے والے تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ: (پھر ہم نے تم کو معاف کر دیا) ہم نے تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے۔

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: (اس کے بعد) یعنی تمہارے بچھڑا بنانے کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: (تاکہ تم نعمت کا شکریہ ادا کرو) یعنی معاف کرنے کی نعمت کا شکریہ ادا کرو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ: (اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور معجزات دیئے)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ

لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو اپنی جانوں کو قتل کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے، وہ نہایت رحم کرنے والا ہے

فرقان کا معنی:

نمبر ۱: یعنی وہ کتاب منزل اور فرقان ہونے میں جامع تھی۔ یعنی تورات حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی۔ اس کی نظیر یہ قول ہے رأیت الغیث واللیث یعنی میں نے ایسے آدمی کو دیکھا جو سخاوت و جرأت کو جامع تھا۔

نمبر ۲: تورات اور دلیل مراد ہے جو کفر و ایمان میں فرق کرنے والی تھی عصا، ید بیضاء و دیگر آیات۔

نمبر ۳ شریعت جو حلال و حرام میں فرق کرنے والی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ الفرقان سمندر پھٹنے کو وہ جس نے ان کے اور ان کے دشمنوں میں جدائی کر دی۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ: (تاکہ تم ہدایت پاؤ) یہاں لعلّ کَی کے معنی میں ہے۔

قوم سے مراد:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ: (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) قوم سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ: (اے میری قوم بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا)

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ: (بسبب تمہارے بنا لینے بچھڑے کو) معبود۔

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ: (پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو)

الباری: وہ ذات جس نے مخلوق کو فرق سے بری بنایا۔ جو ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف لے جاتے جو غباوت و بلادت میں ضرب المثل ہے۔

(فیہ لعبادۃ العابدین للعجل)

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھایا تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ نازل کیا۔ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو

مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

قتل کا مفہوم:

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (تم اپنے نفسوں کو قتل کرو)

نمبر۱: یہ کہا گیا کہ یہ ظاہر پر ہے اور وہ خود اپنے آپ کو قتل کرتے ہیں۔

نمبر۲: یہ بھی کہا گیا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہ کی تھی۔ ان کو حکم دیا کہ بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کریں۔ پس ستر ہزار قتل ہوئے۔

ذٰلِكُمْ: (یہ) یعنی توبہ اور قتل

خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ: (تمہارے رب کے ہاں بہت بہتر ہے) گناہ پر اصرار کرنے سے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ. (پس اس نے تم پر توجہ کی بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا) وہ توبہ کو بہت قبول کرنے والا ہے خواہ یہ کثرت سے بار بار ہو۔

الرَّحِيْمُ: (وہ نہایت مہربان ہے) گناہ معاف کرتا ہے خواہ کتنا بڑا ہو۔

نحوی فائدہ:

پہلا فاء سبب کے لیے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے۔

اور دوسرا تعقیب کے لیے ہے۔ اس لیے معنی یہ ہوگا۔ توبہ کا عزم کرو۔ پس اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قتل انفس مقرر فرمائی۔

اور تیسرا فا شرط محذوف سے متعلق ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ فان فعلتما گر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً : (جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تم پر یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ دیکھ لیں سامنے)

جهرة : آنکھوں سے دیکھیں۔ نمبرا۔ نَجْهَرُ : یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا قرفصا کا لفظ جلوس کے فعل سے ہی جنس قرفصا۔

نمبر۲: یا نری سے حال ہے یعنی ذوی جهرة۔ ایسا دیکھنا جو کہ ظہور والا ہو۔

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ : (پس تمہیں کڑک نے پکڑ لیا) نمبرا۔ یعنی موت

نمبر۲: یہ کہا گیا کہ آگ آسمان کی طرف سے آئی اس نے ان کو جلایا۔ روایت کیا گیا کہ جبل طور کی طرف جاتے ہوئے جن ستر افراد نے یہ مطالبہ کیا اور ان کو کہنے لگے ہم نے ان کی طرح بچھڑے کی عبادت نہیں کی پس آپ اللہ کی ذات ہمیں آنکھوں سے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے خود یہ سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ہم ہرگز تم پر اعتماد نہ کریں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر صاعقہ بھیج دیا۔ جس نے ان کو جلا دیا۔

دلیل معتزلہ:

معتزلہ نے اس آیت سے نفی رؤیت باری تعالیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی دلیل یہ دی کہ اگر یہ جائز ہوتی تو جائز الثبوت پر ان کو سزا نہ دی جاتی؟

وجوہ سزا:

جواب نمبرا: ان کو سزا تو انکار کے سبب ملی۔ اس لیے کہ ان کا قول انک رأیت اللّٰه فلن نؤمن لک حتی نری اللّٰه جهرة ان کی طرف سے کفر وانکار تھا۔

نمبر۲: اس لیے بھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ظہور معجزات کے بعد ایمان سے رک رہے تھے۔ جب تک وہ اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان ظہور معجزات کے بعد لازم ہے ان سے کوئی نشانیاں طلب کرنا جائز نہیں۔

نمبر۳: اور اس لیے بھی کہ انہوں نے رشد و ہدایت طلب کرنے کے لیے سوال نہ کیا تھا۔ بلکہ محض تعنت وعناد کی خاطر سوال کیا تھا۔ (جس پر سزا ملنی ضروری تھی)

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ : (اور تم اس صاعقہ کو دیکھ رہے تھے) جب وہ اتری۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ : (پھر ہم نے تمہیں اٹھایا) ہم نے تمہیں زندہ کیا۔ اس کا اصل الاثارۃ بعیر الناقۃ ہے (اٹھانا)

مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : (تمہاری موت کے بعد تاکہ تم احسان مانو) موت کے بعد اٹھائے جانے کے انعام کا۔

ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ـ (تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ) یعنی تم بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ۔ یا اریحا میں۔

القریہ ـ اس بات پر اتفاق ہے یہ قریہ بیت ہے اس لیے کہ بستی لوگوں کو تیہ سے نکلنے کے بعد ان کو داخلے کا حکم ملا۔

فَكُلُوا مِنْهَا : (تم اس میں سے کھاؤ) تم بستی کے طیبات اور پھل کھاؤ۔

حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ـ : (جہاں سے چاہو با فراغت)

وَادْخُلُوا الْبَابَ ـ (اور دروازے میں داخل ہو) باب قریہ الباب سے مراد بستی کا دروازہ یا باب قبہ مراد ہے جس کی طرف وہ نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے۔ البتہ بیت قبہ میں ان کی زندگی میں داخل ہوئے۔

سُجَّدًا : (سر جھکاتے) یہ حال ہے اور ساجد کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکنا شکریہ کے طور پر دروازے تک پہنچتے وقت ہوا یعنی اس کی بارگاہ میں تواضع کرتے ہوئے۔

تفسیر حِطَّةٌ

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ : (تم حطہ کہو) نحو: حطۃ فعلۃ کا وزن ہے حط سے جیسا جلسۃ۔

نمبر۱: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی مسئلتنا حطة یا امرك حطة۔ ہمارا سوال گناہ مٹانے کا ہے۔

نمبر۲: آپ کا حکم بخشش کرنا ہے۔

اصل نصب ہے اور اسی طرح بھی پڑھا گیا۔ حط عنا ذنوبنا حطة۔ ہمارے گناہ ہم سے مٹا دے مرفوع اس لیے لائے تاکہ ثبات کا معنی دے۔ یہ بھی کہا گیا۔ اس کا معنی امرنا حطة ہے۔ یعنی یہ کہ ہم اس بستی میں اتریں اور اس میں قرار اختیار کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حطہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ : (ہم تمہاری غلطیاں بخش دیں گے) خطایا جمع خطیئہ وہ گناہ کو کہتے ہیں۔ مدنی نے (یُغْفَرْ) اور شامی نے (تُغْفَرْ) پڑھا۔

اضافہ کا مطلب:

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ : (عنقریب زیادہ دیں گے نیکوں کو) یعنی جو تم میں سے مخلص ہو تو یہ کلمہ اس کے ثواب میں اضافہ کا سبب بنے گا۔ اور جو گناہگار ہو گا اس کے لیے توبہ بخشش کا ذریعہ ہو گا۔

جملے کی تشریح:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ : (پس بدل دیا ظالموں نے بات کو اور بات سے جو ان کو کہی گئی تھی) اس میں حذف ہے۔ در تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ پس بدل دیا ظالموں نے اس کہی ہوئی بات کو اور بات سے جو کہی گئی تھی ان کو۔

میں آیا یہ طور کا پتھر تھا۔ جس کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور مربع پتھر تھا۔ جس کی چار طرفیں تھیں۔ ہر طرف سے تین چشمے چلتے تھے ہر قبیلے کیلئے ایک چشمہ تھا۔ ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اور لشکرگاہ کی وسعت بارہ میل کی یا الف لام جنس کا ہے یعنی اس شئی کو مارو جس کو پتھر کہتے ہیں۔ یہ دلیل میں ظاہر اور قدرت میں واضح تر ہے۔

فَانْفَجَرَتْ : (پس پھوٹ پڑے بارہ چشمے) یہ محذوف سے متعلق ہے یعنی فضرب فانفجرت۔ یعنی کثرت سے بہنے لگا۔ یا فان ضربت فقد انفجرت۔ یعنی اگر تو مارے گا۔ پس اس سے جاری ہو جائیں گے۔ اس صورت میں فاء فصیحہ ہے جو کلام بلیغ میں ہوتی ہے۔

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا : (اس سے بارہ چشمے) قبیلوں کی تعداد کے مطابق۔ عَشْرَةَ کی شین پر کسرہ اور فتح پڑھا گیا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں۔ عیناً یہ تمیز ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ : (تحقیق جان لیا ہر قبیلے نے) اناس سے مراد قبیلہ ہے۔

مَشْرَبَهُمْ : (اپنا اپنا گھاٹ) ان کا وہ چشمہ جس سے وہ پیتے ہیں۔

كُلُوْا : (کھاؤ) اور ہم نے ان کو کہا تم من وسلویٰ کھاؤ۔

وَاشْرَبُوْا : (اور پیو) چشموں کا پانی پیو۔

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ : (اللہ تعالیٰ کے رزق سے) یعنی وہ تمام رزق جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ : (اور تم زمین میں فساد مت مچاؤ) یعنی تم اس میں فساد نہ کرو۔ العیث۔ سخت فساد۔

مُفْسِدِيْنَ : (فساد کرنے والے) یہ مؤکدہ حال ہے یعنی تم اپنے فساد میں درازی مت اختیار کرو۔ وہ اپنے فساد میں درازی اختیار کرنے والے تھے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمارے لئے ان چیزوں میں سے نکال

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ

دے جن کو زمین اگاتی ہے اس کی سبزی اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ

موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اس چیز کو جو گھٹیا ہے اس چیز کے بدلہ میں جو بہتر ہے اترو جاؤ کسی شہر میں

مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے سوال کیا۔ اور مار دی گئی ان لوگوں پر ذلت اور مسکنت اور مستحق ہو گئے غصہ کے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

طعام واحد کا مطلب:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ: (اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہیں کریں گے) تیہ میں ان لوگوں کو من وسلویٰ کا رزق دیا گیا۔ مگر انہوں نے کہا طعام واحد ایک کھانے پر حالانکہ وہ دو کھانے تھے۔ کیونکہ انہوں نے واحد سے مراد لیا کہ نہ تبدیل ہو نہ بدلے بلکہ ایک ہی رہے۔ اگر کسی آدمی کے دسترخوان پر کئی قسم کے کھانے ہوں اور ہر روز ان پر مداومت کرے۔ تو کہا جاتا ہے۔ لا یاکل فلان الا طعاما واحدا۔ فلاں تو ایک ہی کھانا کھاتا ہے۔ واحد سے مراد وحدت ہے کہ ایک جیسا کھانا مختلف اور تبدیل نہیں کرتا۔ یا مراد ایک قسم کے مالداروں کے کھانے یعنی سالن دالیں وغیرہ تھیں۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ: (تو دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے) یعنی تم اس سے سوال کرو اور کہو وہ ہمارے لیے نکال دے۔

يُخْرِجْ لَنَا: (وہ نکال دے ہمارے لیے) یعنی ہمارے لیے ظاہر کر دے اور پیدا کر دے۔

بقل کی تفسیر:

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا: (ان چیزوں سے جن کو زمین نکالتی ہے جیسے سبزیاں) وہ سبزیاں جو زمین سے اگتی ہیں۔ مراد

قسم کے گناہوں میں مبتلا تھے۔ اور ہر چیز میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے اور انبیاء کو قتل کرنے والے تھے۔

دوسرا قول: یہ بھی کہا گیا کہ مراد اس سے ہفتے کے بارے میں ان کا حد سے گذرنا تھا۔

تیسرا قول: اور یہ بھی درست ہے کہ ذٰلک کا مشار الیہ کفر و قتل انبیاء کو قرار دیا جائے۔ اس طرح کہ یہ جرأت ان میں نافرمانی اور حد سے گذرنے کی بنا پر پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ وہ ان دونوں باتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے ان میں غلو کیا یہاں تک کہ ان کے دل سخت ہو گئے جس پر انہوں نے انکار آیات اور قتل انبیاء کی جسارت کی۔

چوتھا قول: ذٰلک کا مشار الیہ کفر و قتل ہے جس کے ساتھ مسلسل نافرمانی ان میں پائی جاتی تھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : (بے شک جو لوگ ایمان لائے) یعنی دلوں کی موافقت کے بغیر صرف زبانوں سے ایمان لائے اور وہ منافقین ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا : (اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے) یعنی یہودیت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے هاد یهود و تهود هائد جب کوئی یہودیت میں داخل ہو جائے۔ هائد کی جمع هود ہے۔

نصرانی کی وجہ:

وَالنَّصٰرٰى : (اور نصرانی ہوئے) نصاریٰ جمع نصران جیسے ندمان و ندامیٰ کہا جاتا ہے رجل نصران و امرأة نصرانة نصرانی مرد، نصرانی عورت۔ نصرانی میں یاء مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے احمری میں ان کو نصاریٰ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی مدد کی۔

وَالصّٰبِئِيْنَ : (اور صابی ہوئے) جو کسی مشہور دین سے نکل کر کسی غیر معروف دین میں چلے جائیں۔ جب کوئی دین سے نکلے تو کہتے صبأ فلان۔

نمبر۱: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودیت و نصرانیت سے رخ موڑا اور فرشتوں کی عبادت شروع کر دی۔

نمبر۲: یہ کہا گیا کہ یہ زبور پڑھتے تھے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : (جو ان میں اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا) ان کفار میں سے جو خلوص سے ایمان لایا۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ : (اور اس نے نیک عمل کیا پس ان کا بدلہ) اجر کا معنی ان کا ثواب

عِنْدَ رَبِّهِمْ : (ان کے رب کے ہاں) یعنی آخرت میں

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ : (اور ان پر خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

نحوی تحقیق:

نحو: نمبر۱: مَن امن کو مبتدا اور فلهم اجرهم خبر بنائیں تو اس امن کا محل رفع میں ہوگا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنیچر کے دن میں زیادتی کی۔ سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

ذلیل۔ پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور نصیحت بنا دیا

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

ڈرنے والوں کے لئے۔

فضل ورحمت:

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ: (اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتی) نمبر ۱۔ یعنی عذاب کو مؤخر کر کے نمبر ۲: یا تمہیں توبہ کی توفیق دے کر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہوتا۔

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ: (تو تم نقصان میں پڑ جاتے) یعنی تم عذاب سے ہلاک ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ: (تحقیق تم نے جانا) یعنی تم نے پہچانا۔ علموا ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔

الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ: (ان لوگوں نے ہفتے کے سلسلہ میں حد سے زیادتی کی)

سبت کی تشریح:

السبت یہ مصدر ہے۔ سبتت الیہود کا مطلب ہفتے کی تعظیم کرنا ہے۔ یہود اس میں حد سے گزر گئے اور تجاوز کر گئے وہ اس طرح کہ ان کو عبادت کے لیے ہفتے کو فارغ رکھنے کا حکم کیا۔ اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس دن شکار میں مشغول ہو گئے حالانکہ ان کو اس دن شکار سے منع کیا گیا تھا۔ پھر ان کی آزمائش مزید اس طرح کی گئی کہ سمندر میں کوئی ایک مچھلی بھی نہ بچتی جو ہفتے کے دن پانی سے منہ نہ نکالتی ہو۔ جب ہفتہ گزر جاتا تو منتشر ہو جاتیں۔ انہوں نے سمندر کے کنارے حوض بنا لیے اور ان کی طرف نالیاں چلا دیں۔ مچھلیاں ہفتے والے دن ان میں داخل ہو جاتیں کیونکہ وہ شکار سے محفوظ تھیں۔ پس وہ سمندر سے نکلنے والی نالیوں تک بند لگا دیتے اور اتوار کو شکار کر لیتے۔ یہ حوضوں میں روکنا ہی ان کا حد سے گزرنا تھا۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ: (پس ہم نے انہیں کہا تم ذلیل بندر بن جاؤ) یعنی ہو جاؤ یعنی امر تکوینی ہے

نحو: قردة خاسئين۔ یہ کان کی خبر ہے یعنی تم بندر اور ذلت ہر دو کو جمع کرنے والے بنو۔

فَجَعَلْنٰهَا: (پس ہم نے کر دیا اس واقعہ کو عبرت) مسخ کو

نَكَالًا: (عبرت) اس کے لیے جو عبرت حاصل کرے۔ اس کو روکے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

بولے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بیان فرمادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ فرماتا ہے وہ زرد رنگ کی گائے ہو جس کی رنگت گہری ہو دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو۔ وہ بولے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ

کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے بیان فرمادے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو گیا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور

لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي

ہدایت پا جائیں گے۔ موسیٰ نے کہا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو کام میں نہ لایا گیا ہو۔ وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب

الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا

کرتا ہو۔ سالم ہو اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ وہ کہنے لگے کہ اب آپ نے ٹھیک ٹھیک بیان کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو ذبح کردیا

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

اور وہ لگتے نہ تھے کہ وہ ایسا کرنے والے تھے۔

علماء مفسرین نے فرمایا یہ قصہ کا اول حصہ تلاوت میں مؤخر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۷۲ ہے۔

حقیقت واقعہ

واقعہ اس طرح تھا کہ ایک خوش حال آدمی جس کا نام عامیل تھا۔ اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے مال کی خاطر قتل کر دیا تھا اور شہر کے دروازے پر اس کی لاش پھینک دی۔ پھر اس کے خون کا مطالبہ لیکر آگئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور میت کو گائے کے گوشت کا کوئی حصہ لگانے کا حکم دیا۔ اس سے وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دے گا۔

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے؟) یعنی کیا تو ہمیں مذاق کی جگہ بناتا ہے یا مذاق والے بناتا ہے۔ یا تو ہمیں زیادہ استہزاء کی وجہ سے عین مذاق بناتا ہے۔

قراءت: هُزْءًا ہمزہ اور زاء کے سکون کے ساتھ حمزہ کے ہاں اور دونوں ضمہ اور واؤ کے ساتھ حفص کے ہاں هُزُوًا بقیہ قراء نے تثقیل اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں نادانوں میں سے ہوں) جاہل اور استہزاء کرنے والے ہم معنی ہیں۔ ان اکون من الجاهلين۔ کیونکہ بے موقعہ مذاق یہ جہالت و حماقت ہے۔ اس میں ان پر تعریض پائی جاتی ہے کہ تم نے میری

طرف استہزاء کی نسبت کر کے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ : (انہوں نے کہا تو پوچھ ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بیان فرمادے کہ وہ کیسی ہو) اس میں گائے کی حالت اور صفت کے متعلق سوال ہے۔

ایک سوال و جواب:

سوال: ما سے سوال تو جنس کے متعلق ہوتا ہے پھر اس سے وصف کے متعلق سوال کیونکر؟

جواب: کبھی کبھی ما کیف کی جگہ آتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے مردہ گائے کے بارے میں تعجب کیا کہ جس کا بعض حصہ مردہ کو لگانے سے مردہ زندہ ہو جائے گا۔ پس انہوں نے اس عجیب حالت والی گائے کے متعلق سوال کیا۔ گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ عام گائے کا ہم جنس کوئی اور ہوگی اس لیے ماھی سے سوال کیا۔

ترکیب: ہی مبتدا ما اس کی خبر ہے۔

وجہ فارض:

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ : (حضرت موسیٰ نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی) فارض کا معنی۔ بوڑھی۔ اس کو فارض کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عمر کو کاٹا ہے۔ اور اس کی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

نحو: فارض مرفوع ہے اس لیے کہ یہ بقرہ کی صفت ہے۔

وَلَا بِكْرٌ : (اور نہ بیاہی) جوان۔ اس پر عطف ہے

عَوَانٌ : (درمیان کی)۔ نصف عمر والی۔

بَيْنَ ذٰلِكَ : (ان کے درمیان) جوان اور بوڑھی کے درمیان۔

سوال: کو فارض ولا بکر فرمایا بین ذلک نہیں فرمایا اس کے باوجود کہ بین دو یا دو سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب: کیونکہ مراد بین هذا المذکور ہے۔ اور وہ اسی عنوان سے یعنی ذلک کا مشار الیہ فارض و بکر ہے اور یہ متعدد کا تقاضا کرتے ہیں۔

قاعدہ: کبھی ضمیر اس میں اسم اشارہ کی جگہ استعمال ہوتی ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں میں نے روبہ شاعر سے اس قول کے متعلق پوچھا۔

فيها خطوط من سواد وبلق ☆ كأنه في الجلد توليع البهق

اس میں سیاہ و سفید خطوط ہیں۔ گویا کہ چمڑے پر برص کے داغ ہیں۔

ضمیر سے مراد خطوط ہو تو کانها اور اگر سواد و بلق ہو تو کانهما۔ تو اس نے کہا میں نے کانہ سے کان ذاک مراد لیا۔

فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ : (پس تم کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا) یہ اصل میں تؤمرون بہ تھا۔ مگر بمعنی مامور ہے مفعول کو مصدر کا نام دے دیا۔ جیسے ضرب الامیر ای مضروبہ

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا : (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح سمجھا دے اس کا رنگ)

استفہام ونحو:

ما مرفوع ہے کیونکہ اس کا معنی استفہام کا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ادع لنا ربک یبین لنا ای شیء لونہا تو ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح بتا دے کہ کیا حقیقت ہے اس کے رنگ کی۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا : (حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ فرماتے ہیں بے شک وہ گہرے زرد رنگ کی ہو) الفقوع یہ انتہائی زردی۔ فاقع کا لفظ صفراء کی تاکید ہے یہ لونہا کی خبر نہیں۔ مگر اس میں رنگ اتنی بلند ہوا جتنا فاقع بلند ہوا۔ یعنی خوب زرد گائے۔ البتہ اس میں تاکید والا صیغہ کا فرق نہیں۔ صفراء فاقع اور صفراء فاقع دونوں درست ہیں۔ لونہا کا لفظ لاکر تاکید کا زائد مقصود ہے کیونکہ لون ایک عارضی ہیئت کا نام ہے اور وہ زردی ہے گویا اس طرح فرمایا شدید الصفرۃ صفرتہا کہ بہت زیادہ زرد ہے اس کی زردی اور یہ اس قول کی طرح ہے۔ جدّ جدّہ اس نے خوب بھرپور کوشش کی۔

سرور کیا ہے؟

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ : (دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو) اپنے رنگ کی خوبصورتی کی وجہ سے۔ السرور۔ نفع یا اس کی توقع کے موقعہ پر دل میں حاصل ہونے والی لذت کو کہتے ہیں۔

نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من لبس نعلاً صفراء قل همّه

جس نے زرد جوتا پہنا اس کا غم کم ہو گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تسر الناظرین وہ دیکھنے والے کو خوش کر دے۔ کیونکہ یہ سرور کی علامت ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ : (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے پوچھو کہ ہمیں اچھی طرح سمجھا دے کہ وہ کس قسم کی ہے) یہ پہلے سوال کا تکرار ہے جو گائے کی حالت اور صفت کے متعلق مزید انکشاف کیلئے کیا گیا تا کہ اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر وہ کسی بھی گائے کو لے کر ذبح کر دیتے تو وہ ان کے لیے کافی ہو جاتی۔ لیکن انہوں نے سختی کی پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔ (رواہ الطبرانی وابن ابی حاتم) اور کسی چیز کے پیچھے پڑ جانا نحوست ہے۔

إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا : (بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے) یعنی ہمیں اس کی عمر اور زرد رنگ کا پتہ تو بہت ہیں پس ہمیں کس شبہ پڑ گیا ہے۔ (کہ کونسی گائے سے ہمارا مقصد پورا ہو گا)

وَإِنَّا إِن شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ : (اور اگر خدا نے چاہا تو ہم راہ پانے والے ہوں گے) اللہ نے چاہا تو ہم گائے کو ذبح کرنے کی طرف راہ پانے والے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم قاتل کے سلسلہ میں راہنمائی پائیں گے

نحو: ان شاء اللہ جملہ معترضہ ہے۔ جو ان کے اسم و خبر کے درمیان واقع ہے

ان شاء اللہ کی برکت:

حدیث میں ہے اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو ابد الآباد تک اس گائے کو نہ پاتے۔ (ابن جریر بسند معضل)

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ۔ (کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ ایک گائے ہے نہ محنت والی نہ زمین کو جوتنے والی) یہ بقرۃ کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ بقرہ غیر ذلول یعنی محنت اور زمین میں جوتنے کا اسے عادی نہ بنایا ہو۔

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ: (اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو) اور نہ وہ ان پانی کھینچنے والیوں میں سے ہو۔ جن سے کھیتوں کو پانی پلانے کا کام لیا جاتا ہے۔

نحو: پہلا لا نفی اور دوسرا پہلی کی تاکید کے لیے لایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نہ اس سے زراعت کا کام لیا جاتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی پلایا جاتا ہو۔ اس طرح دونوں فعل ذلول کی صفت ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا وہ ہل چلانے اور پانی پلانے کی عادی نہ ہو۔

مُسَلَّمَةٌ: (بے عیب ہو) وہ محنت کے اثرات اور عیوب سے پاک ہو۔

شیۃ کا مفہوم:

لَا شِيَةَ فِيْهَا: (نہ ہو داغ اس میں) دوسرے رنگ کا۔ یعنی اس کے رنگ میں زردی کے سوا دوسرے رنگ کا ایک دھبہ بھی نہ ہو وہ مکمل زرد ہو یہاں تک کہ اس کے سینگ اور کھر بھی۔

یہ اصل میں وشاہ وشیًا وشیۃ کہتے ہیں۔ جب اس کے رنگ کے ساتھ دوسرا رنگ مل جائے۔

قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ: (وہ بولے ہاں اب تو لایا ٹھیک بات) وہ کہنے لگے اب تم نے گائے کی پوری تعریف بیان کر دی۔ اور اس کے سلسلے میں کوئی اشکال نہیں رہا۔

قراءت: ابو عمرو کہتے ہیں۔ جِئْتَ ورش کا باب با ہمزہ ہے۔

فَذَبَحُوْهَا: (پس انہوں نے اس کو ذبح کیا) پھر انہوں نے ایسی گائے حاصل کر لی جو ان تمام اوصاف کی جامع تھی۔ پھر اس کو ذبح کیا۔

تفسیر و ما کادوا:

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: (اور وہ ایسا کرنے والے نہ تھے) نہ لگتے تھے کہ ایسا کریں گے۔ اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یا قاتل کے ظاہر ہونے پر رسوائی کے خوف سے۔ روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی کے ہاں ایک بچھڑی تھی۔ وہ اس کو درختوں کے جھنڈ میں لایا۔ اور چھوڑ کر کہنے لگا اے اللہ میں اس کو تیری امان میں دیتا ہوں۔ اپنے بیٹے کے بڑا ہونے تک۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔ بچھڑی گائے سلامت رہی۔ وہ سب سے بہترین موٹی گائے تھی۔ پس انہوں نے اس یتیم اور بیوہ کے ساتھ سودا کیا۔ یہاں تک کہ اس کی کھال میں سونا بھر کر دینے کے بدلے میں خریدا۔ حالانکہ اس وقت گائے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ انہوں نے ان صفات والی گائے کو چالیس سال ڈھونڈا۔

گئی۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔ اور وہ فادارأتم اور فقلنا ہے۔

اضربوہ کی ضمیر:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ : (ہم نے کہا تم مارو اس کو) اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے اور مذکر لائی گئی ہے بتاویل شخص و انسان یا مقتول کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ آیت ما کنتم تکتمون اسی پر دلالت کرتی ہے۔

بِبَعْضِهَا : (اس کے کسی حصے کے ساتھ) گائے کے ایک ٹکڑے سے اور وہ اس کی زبان تھی یا دائیں ران یا دم کی جڑ تھی اور مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے ٹکڑا لگایا تو وہ زندہ ہو گیا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى : (اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے)

تفسیر آیت ۷۳:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کی اس پر دلالت ہونے کی وجہ سے اس کو حذف کر دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اس کا ٹکڑا مردہ کو لگایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ مجھے میرے فلاں فلاں چچازاد بھائیوں نے قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر مردہ ہو کر گر پڑا۔ پس اس کے قاتل کو پکڑ لیا گیا۔ اور اس کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ (اور اس کا قاتل میراث سے محروم ہوا) اور اس کے بعد کوئی قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوا (كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ نمبر۱: خواہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہو جو منکرین زمانہ نبوت محمد ﷺ تھے۔

نمبر۲: یا ان لوگوں کو خطاب ہو جو اس مقتول کے زندہ ہونے کے وقت موجود تھے۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے قیامت کے دن۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ : (اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے) آیات سے مراد قدرت باری تعالیٰ کے دلائل ہیں۔

انداز دلیل:

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : (شاید کہ تم سمجھ جاؤ) پھر اپنی عقلوں کے مطابق عمل کرو۔ اور وہ یہ ہے جو ایک نفس کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اسی طرح تمام مردوں کو بھی زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

خصوصی نکات:

گائے کو ذبح کر کے مقتول کے جسم سے لگانے میں حکمت۔ نمبر۱: یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس سبب کے بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ مگر بتلایا کہ طلب کرنے پر عبادات کو عمدہ طریق سے پیش کرنا چاہیے۔

نمبر۲: اور بندوں کو تعلیم دی کہ معاملات میں شدت نہ اختیار کریں۔ اور

نمبر۳: جلدی سے بلا تحقیق اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کریں۔

نمبر۴: کثرت سوال سے گریز کریں وغیرہ۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ دوسرے جانوروں کی بجائے خصوصیت سے گائے کے ذبح کرنے

کا حکم ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔

نمبر ۱: اس لیے کہ وہاں کے ہاں اونچی قسم کی قربانی شمار ہوتی ہے۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے معبود ان کے ہاتھوں ہی تذلیل ہو جائے

تنبیہ عجیب:

سوال: مناسب یہ تھا کہ مقتول کا تذکرہ اور اس کو گائے کا ٹکڑا لگانے کا قصہ ذبح کے قصہ سے مقدم ہوتا اور اس طرح کہا جاتا (وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا) فقلنا اذبحوا بقرۃ واضربوہ ببعضھا۔ کہ جب تم نے ایک نفس کو قتل کر کے اس کے معاملے کو ایک دوسرے پر ڈالا۔ تو ہم نے کہا تم ایک گائے ذبح کرو، اور اس مقتول کو گائے کا کوئی ٹکڑا لگاؤ۔

جواب: پس اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو واقعات کو بیان کیا۔ اور ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو شمار کرا کر موجود لوگوں کو ان پر خبردار کیا۔ یہ دونوں واقعات اگرچہ مستقل ہیں مگر ان میں سے ہر ایک ایک قسم کی تنبیہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے پس پہلا واقعہ استہزاء پر تنبیہ کے لیے ہے اور اطاعت حکم میں فوری اطاعت نہ کرنے اور اس کے متعلقات پر تنبیہ ہے جبکہ دوسرا واقعہ حرمت والے نفس کو قتل کرنے اور اس کے پیچھے جو بڑی نشانی ظاہر ہوئی اس پر خبردار کرنے کے لیے ہے گائے کو ذبح کرنے والے واقعہ کو مقتول کے تذکرہ سے مقدم کیا کیونکہ اگر اس کا الٹ ہوتا تو پھر یہ ایک ہی واقعہ بن جاتا۔ اور بار بار تنبیہ والا مقصد فوت ہو جاتا۔

عجیب نکتہ:

میرے دل میں دوسرے پورے واقعہ کو دیکھنے اور شروع سے قصہ پڑھنے کے بعد ایک عجیب نکتہ پیدا ہوا کہ پہلے واقعہ کے ساتھ دوسرے واقعہ کو ضمیر سے ملایا۔ جو گائے کی طرف لوٹ رہی ہے گائے کا نام نہیں لیا۔ اس آیت میں فرمایا: اضربوہ ببعضھا تاکہ دونوں کا الگ واقعہ ہونا معلوم ہو کر تنبیہ کا مقصد حاصل ہو۔ اور ادھر ضمیر گائے کی طرف لوٹتی ہے۔ اس لیے ایک ہی واقعہ ہونا معلوم ہوا۔

نکتہ: اس واقعہ سے اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہو کہ وہ اپنے دل کو مشاہدات الٰہیہ سے زندہ کرے وہ اپنے نفس کو مختلف قسم کے مجاہدات سے مارے۔ پھر یہ مقصد حاصل ہوگا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے، سو وہ ایسے ہوگئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بے شبہ

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر

مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ان سے پانی نکلتا ہے۔ اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۷۴:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ (پھر سخت ہوگئے تمہارے دل) ثُمَّ یہاں استبعاد قسوت کیلئے ہے یعنی نرمی کے تمام اسباب دیکھ کر تمہاری قساوت بڑی بعید ہے۔

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: (اس کے بعد) ان مذکورہ اسباب کے بعد جو دلوں میں نرمی و رقت پیدا کرنے والے ہیں اور دلوں کی صفت قسوت سے کرنا درحقیقت عناد و سرکشی سے ان کے انکار کی تمثیل ہے

ذٰلِكَ: (اس) اس جیسے مقتول کے بعد ذٰلِكَ کا اشارہ کیا جانا منقول ہے۔ یا وہ تمام قدرت کی نشانیاں جو پہلے گزریں۔

نحوی لطائف:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ: (پس وہ پتھر کی طرح) وہ اپنی سختی میں پتھر کی طرح ہیں۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً: (یا اس سے زیادہ سخت) یا اس سے سختی میں زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اشد کا عطف کاف پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ او مثل اشد قسوۃ۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ یا وہ بذات خود اس سے زیادہ سخت ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جو ان دلوں کا حال پہچانے تو وہ ان کو پتھر سے تشبیہ دے گا اور جو پہچانے تو پتھر سے زیادہ سخت ہونا دیکھ پائے۔ پہچانے تو ان کو پتھر سے تشبیہ دے یا وہ سب کہہ کر پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔ اشد کے لفظ میں جو مبالغہ ہے وہ اقسیٰ کے لفظ میں نہیں اور مفضل علیہ یعنی حجارہ کے لیے ضمیر تمیز لائی گئی کیونکہ وہ ظاہر تھا اور اس میں کوئی التباس بھی نہ تھا جیسے زید کریم وعمرو اکرم۔

سختی کا بیان:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ : (اور بے شک بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں) یہ پتھروں سے ان کے دلوں کی سختی کے زیادہ ہونے کا بیان ہے۔

صرف تمایہ التفعی کے معنی میں ہے۔ موضع نصب میں اِنَّ کا اسم ہے اور لام تاکید کا ہے۔

التفجر : کسی چیز کا زیادہ اور کثرت سے کھلنا۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ : (اور بعض ان میں پھٹ جاتے ہیں) اس کا اصل یتشقق ہے اعمش نے اس طرح پڑھا ہے تاء کو شین سے بدل کر اس میں ادغام کر دیا۔

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ : (پس ان سے پانی نکلتا ہے) یعنی پتھروں میں ایسے پتھر بھی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں۔ جن سے کثیر پانی ٹھاٹھیں مار کر ابلتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہیں جو لمبائی یا چوڑائی میں پھٹ جاتے ہیں۔ پھر ان سے بھی پانی اُبلنے لگتا ہے۔ مگر ان کے دلوں میں تری بھی نہیں۔ (یعنی منفعت کا نام بھی نہیں)

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ : (اور بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں) پہاڑ کی بلندی سے گر جاتے ہیں۔

خشیت کی حقیقت:

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ : (اللہ کے خوف سے) نمبر ا: بعض نے کہا کہ یہ مجاز ہے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطیع ہونا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان میں ارادہ کرتے ہیں۔ اس سے باز نہیں رہتے مگر ان کفار کے دل نہ اطاعت اختیار کرتے ہیں اور نہ عمل وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا کہ خشیت کا حقیقی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان میں زندگی و تمیز پیدا کر دیتے ہیں۔ اور کسی جسم میں زندگی اور تمیز کے لیے کسی خاص صعیت کا ہونا ضروری نہیں۔ عند اھل السنۃ۔ اور قرآن مجید میں سورۃ حشر کی آیت نمبر ۲۱۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ کی تفسیر بھی اسی طرح ہے۔ یعنی ان کے دل نہیں ڈرتے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو) یہ کفار کو دھمکی ہے ابن کثیر مکی نے تعملون کو یاء سے یعملون پڑھا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ

کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر

یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

اس کو تحریف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد کہ اس کو سمجھ چکے ہوتے اور جانتے تھے۔

تفسیر آیت ۷۵:

اَفَتَطْمَعُوْنَ : (کیا تم توقع رکھتے ہو) یہ خطاب رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کو فرمایا۔

اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ : (کہ وہ تم پر اعتماد کریں) کہ تمہاری دعوت کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے۔ اور تمہاری بات قبول کر لیں گے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۶ میں فرمایا فاٰمن لہ لوط (ان کی دعوت پر لوط ایمان لائے) یعنی یہود۔

وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ : (حالانکہ ان میں ایک جماعت ایسی ہے) یعنی ان میں سے جو گزرے ایک گروہ ہے

یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ : (جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں) یعنی تورات

ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ : (پھر اس کو بدل دیتے ہیں) جس طرح انہوں نے صفات رسول اللہ ﷺ اور آیت رجم کو بدل ڈالا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ : (اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو سمجھا) اور عقلوں میں منضبط کر لیا۔ سمجھا لیا

تحریف ان کی عادت:

وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ : (اور وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے مفتری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تغیر اور تحریف ان کی پرانی عادت ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

اور جب ملاقات کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان والے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو آپس میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں

أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۷۶

کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے ہاں حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم کو عقل نہیں رکھتے ہو؟

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝۷۷

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

وَإِذَا لَقُوا: (جب وہ ملتے ہیں) یعنی منافقین یا یہود

الَّذِينَ آمَنُوا: (ایمان والوں سے) یعنی اصحاب محمد ﷺ میں سے مخلص لوگوں سے۔

قَالُوا: (کہتے ہیں) منافقین۔

آمَنَّا: (ہم ایمان لائے) کہ تم حق پر ہو اور محمد ﷺ وہی رسول ہیں جن کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ: (جب وہ ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں) وہ لوگ جو منافق نہیں ان لوگوں کے پاس جو منافق تھا۔

قَالُوا: (وہ کہتے ہیں) ان کو عتاب کرتے ہوئے۔

أَتُحَدِّثُونَهُمْ: (کیا تم کہتے ہو ان کو) یعنی کیا تم اصحاب محمد ﷺ کو اطلاع دیتے ہو۔

بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ: (جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کیا) جو اللہ تعالیٰ نے تم پر تورات میں محمد ﷺ کی علامت بیان کی ہے۔

لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ: (تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اس کے ذریعے تمہارے رب کے پاس)۔ تاکہ وہ تمہارے خلاف دلیل بنائیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمہارے اوپر اتاری ہے۔ انہوں نے اپنے خلاف تورات سے حجت کو اور ان کی اس بات کو کہ یہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قرار دیا۔ جیسے کہتے ہیں ہو فی کتاب اللہ تعالیٰ هکذا۔ وہ مضمون اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسی طرح ہے وهو عند الله هكذا۔ اور وہ اللہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔ ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مضاف مخذوف ہے یعنی عند کتاب ربکم۔ تاکہ تمہارے رب کی کتاب میں جھگڑا کریں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اس کے ذریعے بحث کریں تمہارے رب کے ہاں جو تم نے ان کو کہا۔ وہ مسلمان کہیں گے کہ تم نے اقرار کیا اس کی سچائی کا اعلان پانے کے باوجود۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ تلاوت پڑھتے تھے۔ جیسا کہ شاعر کے اس قول میں تمنی کا یہی معنی ہے۔

تمنی کتاب اللّٰہ اول لیلۃ   وآخرھا لاقی حمام المقادر

رات کے پہلے حصے اور پچھلے میں وہ اللہ کی کتاب پڑھتا۔ اور اس کی تقدیر موت اسی حالت میں آئی۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ یہود کتاب منزل کی حقیقت کو نہیں پہچانتے البتہ ایسی چیزیں پڑھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے احبار سے حاصل کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہے۔

وَإِنْ هُمْ (نہیں ہیں وہ)

إِلَّا يَظُنُّونَ: (مگر خیال ہی خیال ہے) یعنی وہ نہیں جانتے اس میں کیا ہے؟ پس آپ کی نبوت کا انکار محض گمان سے کرتے ہیں۔

سابقہ آیات سے ربط:

ربط: ان آیات میں ان علماء کا ذکر کیا۔ جنہوں نے علم کے باوجود محض عناد سے تحریف کی۔ پھر ان کے عوام کا ذکر کیا۔ جنہوں نے ان کی اندھا دھند تقلید کی۔

فَوَيْلٌ: (ہلاکت ہے) حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ (رواہ ابن المبارک فی الزہد عن ابی سعید الخدری)

لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ: (ان پر جو لکھتے ہیں کتاب) تحریف شدہ

بِأَيْدِيهِمْ: (اپنے ہاتھوں سے) اپنی طرف سے بغیر اس کے کہ ان پر اتاری گئی۔ یہاں ہاتھوں کا تذکرہ تاکید کے لیے ہے۔ اور یہ مجازی تاکید ہے۔

ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا: (پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑا سا مال لیں) ثمنا قلیلا کا معنی معمولی عوض

فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ: (پس ان پر ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ہلاکت ہے ان کی کمائی سے) یعنی رشوت

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (وہ آگ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تفسیر آیت ۸۲:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تفسیر آیت ۸۳:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : (اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا)

میثاق۔ انتہائی پختہ اور مؤکد عہد کو کہتے ہیں۔

خبر بصورت نہی:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ : (تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یہ نہی کے انداز میں خبر ہے جیسا تم کہو۔ تذھب الٰی فلان تقول لہ کذا سے مقصود حکم دینا ہے کہ فلاں کے پاس جا اور اس کو اس طرح کہہ۔ یہ صراحۃً امر ونہی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ اسی طرح ہے گویا کہ بات ماننے اور انتہا تک پہنچنے میں جلدی کی گئی اور وہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ اور اس معنی کی معاونت حضرت ابی بن کعب کی قراءت لا تعبدوا اور ان کا قول وقولوا کر رہا ہے یہاں قول مضمر ہے۔

قراءت: مکی وحمزہ وعلی نے لا یعبدون پڑھا۔ کیونکہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے۔ اور تمام اسماء ظاہرہ غیب ہیں۔ اب معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی جب اَنْ حذف ہوا تو آخر میں رفع آ گیا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا : (اور والدین کے ساتھ احسان کرنا) یعنی تم احسان کرو۔ یہ امر مقدر مانا تا کہ امر پر عطف صحیح ہو جائے۔ اور وہ وقولوا ہے۔

وَّذِي الْقُرْبٰى : (اور رشتہ داروں کے) رشتہ داری۔

یتیم کا معنی:

وَالْيَتٰمٰى : (اور یتیموں) جمع یتیم جس کا باپ بلوغت سے قبل یا بلوغت تک فوت ہو جائے اسی لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے لا یتم بعد البلوغ۔ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں (ابوداؤد)

وَالْمَسٰكِيْنِ : (اور مساکین کے ساتھ) جمع مسکین۔ وہ جس کو حاجت نے ٹھہرا دیا ہو۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا : (اور کہو لوگوں کو اچھی بات) قول حسن اچھی بات یعنی قسم خوبی والی ہو۔

قراءت: حمزہ وعلی نے حَسَنًا پڑھا ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ : (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر تم نے منہ موڑا) یعنی میثاق سے پھر گئے اور اس کا انکار کر دیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو۔ پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

اور نکالتے ہو اپنوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے۔ ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ

ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا سزا ہے اس کی جو تم میں سے یہ کام کرے سوائے اس کے کہ رسوائی ہو دنیا کی

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

زندگی میں۔ اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ: (مگر تھوڑے سے تم میں سے) کہا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لے آئے۔

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ: (اور تم اعراض کرنے والے تھے) تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت اعراض کرنا اور وعدوں سے پھرنا ہے۔

قتل و اخراج نفس کی تفسیر:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ: (جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ اور نہ نکالو ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے)

تفسیر نمبر ۱: یعنی تم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ دوسرے آدمی کو خود ہی کا نفس قرار دیا۔ کیونکہ تمام اصل کے لحاظ سے ایک ہونے کی

نحو: اساریٰ جمع اسیر ہے اسی طرح اسریٰ بھی جمع اسیر ہے یہ حال ہے۔

ھو ضمیر کی وضاحت:

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ: (حالانکہ وہ حرام ہے تم پر)

نمبر ۱: یہ ضمیر شان ہے۔

نمبر ۲: یہ ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر اخراجھم ہے۔

اِخْرَاجُهُمْ: (ان کا نکالنا)

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ: (کیا تم مانتے ہو کتاب کی بعض باتیں) بعض کتاب سے مراد قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا۔

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ: (اور نہیں مانتے بعض باتیں) قتال اور جلاوطن کر کے۔

چار قول:

سدی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار عہد لیے۔

نمبر ۱: قتل نہ کرو۔ نمبر ۲: جلاوطن نہ کرو۔ نمبر ۳: برائی میں معاونت نہ کرو۔ نمبر ۴: قیدیوں کا فدیہ دو۔

انہوں نے قیدیوں کے فدیہ والے حکم کے علاوہ باقی تمام حکم چھوڑ دیئے۔

تفسیر آیت ۸۵:

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ: (پس کچھ سزا نہیں اس کی جو تم میں سے ایسا کرے مگر رسوائی) خزی کا معنی رسوائی و ذلت ہے۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ: (دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن ان کو سخت عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا) نمبر ۱: عذاب وہ جس میں نہ آرام ہو اور نہ خوشی۔

نمبر ۲: دنیا کے عذاب سے سخت تر عذاب کی طرف ان کو لوٹایا جائے گا)

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اس سے جو تم کر رہے ہو)

قراءت: نافع ابوبکر مکی نے تعملون کو یعملون پڑھا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا، سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر آیت ۸۶:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ:

(یہی لوگ ہیں جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے) یعنی انہوں نے اس کو آخرت پر ترجیح دی۔ جیسا کہ خریدار بعض اشیاء کو چنتا ہے۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ:

(پس ان سے کم نہ کیا جائے گا عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) عذاب دور کرنے میں ان کی کوئی مدد نہ کرے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور دیے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ

کو واضح دلائل، اور ان کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ، کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾

تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا، سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

تفسیر آیت ۸۷:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ: (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی) الکتاب سے مراد تورات ہے جو اکٹھی اتاری گئی
وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ: (اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے) عرب کہتے ہیں قفاہ جب کوئی کسی کے پیچھے سے آئے۔ جیسا ذنبہ ذنب سے ہے۔ اور قفو پیچھے چلنا چل۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے پیچھے بہت سے رسول بھیجے۔ اور وہ یوشع، اشمویل، شمعون، داؤد، سلیمان، شعیا، ارمیاہ، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ وغیرہم۔
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ: (اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات دیئے) مریم کا معنی خادم ہے۔ اس کا وزن علماء نحو کے ہاں مفعل ہے کیونکہ فعیل کا وزن ثابت نہیں۔

مراد بینات:

اَلْبَيِّنٰتِ: واضح معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا مغیبات کی خبریں دینا۔
وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ: (اور قوت دی جبرائیل امین سے) القدس کا معنی طہارت ہے

القدس کا معنی:

قراءت: القُدْس ابن کثیر مکی کے نزدیک جہاں بھی آئے گا دال کے سکون سے پڑھا جائے گا۔ روح القدس کا معنی پاکیزہ روح جیسا کہتے ہیں حاتم الجود یعنی حاتم سخی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اس سے تعریف بیان کی جاتی ہے۔
نمبر۱: ان کے ساتھ خصوصیت و قرب کی وجہ سے۔
نمبر۲: جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی چیز آسمانوں سے لاتے ہیں جس میں دلوں کی زندگی ہے اور خصوصی تائید اس وقت فرمائی جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے سو جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جس کو پہچان چکے تو اس سے منکر ہو گئے۔ سو خدا کی لعنت ہے

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

کافروں پر۔ بری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا ہے کہ کفر کریں اس چیز سے جو اللہ نے اتارا

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى

حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ خدا اپنے فضل سے نازل فرمائے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔ سو وہ لوگ غضب پر غضب کے

غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

مستحق ہو گئے۔ اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

قلیل کا مفہوم:

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ: (بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں) نحو: قلیلاً یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایماناً قلیلاً یؤمنون۔ وہ تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔ ما زائدہ ہے۔

نمبر۱: اور قلیل ایمان سے مراد کتاب کے بعض حصے پر ایمان ہے۔

نمبر۲: قلیل سے ان کے ایمان کی نفی مراد ہے۔

قراءت: غُلْفٌ یہ غُلُفٌ کی تخفیف ہے اور اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جمع غلاف ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے دل علوم کے برتن ہیں۔ اس لیے ہم دوسروں کے علم سے بے نیاز ہیں۔

نمبر۲: اگر تمہارا لایا ہوا حق ہوتا تو اسے ہم قبول کر لیتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ: (جب پہنچی ان کے پاس) ھُمْ سے یہود مراد ہیں۔

كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: (کتاب اللہ کی طرف سے) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (جو تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے) معھم سے مراد ان کی کتاب جو اس کے مخالف نہیں۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ: (وہ اس سے پہلے) یعنی قرآن (سے پہلے)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے

بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ

وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے پھر تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل

مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو۔ اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو

الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾

معبود بنا لیا حالانکہ تم ظلم کرنے والے تھے۔

قراءت: یُنْزِل کی و بصری تخفیف سے پڑھتے ہیں۔

مِنْ فَضْلِهٖ: (اپنے فضل سے) فضل سے مراد وحی ہے

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) اس بندہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

پے در پے غضب:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ: (پس لوٹے وہ غضب پر غضب) یعنی وہ دوہرے غضب کے حقدار بن گئے اس لیے کہ انہوں نے ایک برحق پیغمبر کا انکار کر دیا اور اس کے خلاف سرکشی کی۔ یا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ کا انکار کیا۔ یا اس قول کے بعد عزیر اللہ کا بیٹا ہے جو سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۰ عزیر ابن اللّٰہ اور اس قول کے بعد جو آیت نمبر ۶۴ سورۃ المائدہ میں ہے ید اللّٰہ مغلولۃ کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ وغیرہ اقوال کے بعد وہ پے در پے غضب کے مستحق ہوئے۔

وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ: (اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے) مہین کا معنی ذلت آمیز۔

تفسیر آیت ۹۱:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ: (جب ان سے کہا جاتا ہے) یعنی ان یہود کو۔

اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: (تم ایمان لے آؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا) نمبر ۱: اس سے مراد قرآن مجید ہے نمبر ۲: ما انزل اللّٰہ سے مراد ہر وہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا اس طرح ہر کتاب کو شامل ہے۔

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا: (وہ کہتے ہیں ہم تو ایمان لائیں گے اسی پر جو اتارا ہم پر) یعنی تورات

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ : (اور وہ کفر کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اس کے بعد ہے) یعنی وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ تورات کے بعد اترنے والی کتاب کا انکار کرتے ہیں۔

مقولہ یہود کا رد:

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ : (حالانکہ وہ برحق ہے تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے) اس تورات کے موافق ہیں۔ اس میں ان کے اس قول (کہ ہم اس تورات پر ایمان رکھتے ہیں) کی تردید ہے اس لیے کہ جب انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا جو تورات کے موافق ہے تو گویا انہوں نے تورات کا انکار کر دیا خواہ زبان سے ایسا نہیں کہا۔

نحو: مصدقًا یہاں پر حال مؤکدہ کے بطور لایا گیا۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ : (کہہ دیں پس تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو) یعنی تم نے کیوں (ان کو) قتل کیا۔ آیت میں یہ واقعہ ماضی کا ہے اور مضارع اس کی جگہ لائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ : (اس سے پہلے اگر تم مومن ہو) یعنی۔ سے مراد حضرت محمد ﷺ سے پہلے اس میں ان پر اعتراض کیا گیا کہ تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کرتے ہو حالانکہ تورات تو قتل انبیاء علیہم السلام کی تحریم بتلا دیتی۔ کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین سو انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں قتل کیا۔

۹۱: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ : (تحقیق آچکے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام دلائل کے ساتھ) بینات سے نو آیات مراد ہیں۔

قراءت: دال کو جیم میں ہمیشہ ادغام کر دیا جاتا ہے۔ جہاں بھی آئے یہ ابو عمرو، حمزہ، علی کا قول ہے لقد جاءکم میں اسی طرح ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ : (پھر تم نے بنایا بچھڑا) یعنی معبود

مِنْۢ بَعْدِهٖ : (ان کے بعد) موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ : (اور تم ظالم تھے) نحو: یہ حال ہے یعنی تم نے بچھڑے کی عبادت کی اس حال میں کہ تم عبادت کو اس کے مقام سے ہٹانے والے تھے۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت ظلم کرنا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لئے ہے اور لوگوں کے لئے نہیں

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ

تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں سے آگے

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور یہ واقعی بات ہے کہ تم انہیں زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص

حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ

پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی عمر دے دی جائے اور حال یہ ہے

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

کہ وہ اسے عذاب سے ہٹانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں

کی اضافت بھی ان کی طرف اسی لیے ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: (اگر تم سچے مومن ہو) ان کے ایمان میں تشکیک کا اظہار اور ان کے دعویٰ کی صحت کا انکار و مذمت ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ: (کہہ دیں اگر تمہارے لیے آخرت کا گھر ہے) دار آخرت سے مراد جنت ہے۔

عِنْدَ اللّٰهِ: (اللہ تعالیٰ کے ہاں) نحو: یہ ظرف ہے اور لکم کان کی خبر ہے۔

خَالِصَةً: (خالص) یہ الدار الاخرۃ سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے ہے۔

اور تمہارے سوا اور کسی کا اس میں حق نہیں۔ یعنی اگر تمہارے قول لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۱۱ (کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا) سچ ہے۔

مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ: (لوگوں کی بجائے) الناس میں الف لام جنس کا ہے۔

مشتاقانِ موت:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: (تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) اس بات میں جو تم کہتے ہو کیونکہ جس کو یقین ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اس کے لیے مشتاق ہوگا۔ اپنے گھر سے چھٹکارا پانے کے لیے جو مصائب سے پر ہے جیسا کہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان میں سے ہر ایک موت کو پسند کرتا اور اس کا شوق مند تھا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا: (وہ ہرگز تمنا نہ کریں گے) ابدًا کو ظرفیت کی بنا پر نصب دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ ہرگز (موت کی) تمنا نہ کریں گے جب تک وہ زندہ ہیں۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ: (بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی جو انہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تحریف وغیرہ کی۔ یہ معجزات نبوت میں سے ہے کہ گذشتہ زمانے کی خبر بتلائی۔ اور جیسا آپ نے خبر دی۔ بعینہٖ اسی طرح واقع ہوا۔ جیسا کہ ولن تفعلوا البقرہ آیت نمبر ۲۴ میں (مستقبل میں ذکر کئے جانے کی پیش گوئی ہے) اگر یہود موت کی تمنا کرتے۔ تو ضرور قرآن مجید نقل کرتا جس طرح دیگر حوادث نقل کیے۔

تہدید کفار:

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ: (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جاننے والے ہیں) اس میں تہدید کی گئی (دھمکی دی گئی ہے)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ: (اور تم ضرور پاؤ گے ان کو لوگوں میں سب سے زیادہ حریص)

نحو: ھم اور احرص الناس۔ یہ دونوں وجد کے مفعول ہیں۔

عَلٰى حَيٰوةٍ: (زندگی پر) حیوۃ کی تنوین تنکیر پر دلالت کرتی ہے اور مراد مخصوص قسم کی زندگی ہے اور وہ مدت دراز والی زندگی ہے اس وجہ سے نحویوں کی قراءت زیادہ بہتر ہے۔ (علی الحیاۃ) الف لام کی قراءت سے۔ وہ حضرت ابی ؓ کی قراءت ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا: (اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جو مشرک ہیں) یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ احرص الناس کا معنی احرص من الناس۔ لوگوں میں زیادہ حریص۔

الگ تذکرہ کی وجہ:

سوال: مشرک جب الناس میں داخل ہیں تو ان کا الگ تذکرہ کیوں کیا؟

جواب: مشرکین کی حرص سب سے زیادہ ہے جیسا کہ الملائکۃ میں تو تمام فرشتے داخل ہیں۔ مگر جبرئیل و میکائیل کو خصوصاً ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ان کی خصوصیت کی وجہ سے اسی طرح یہ حرص میں نمبر اول ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ یہود مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ ما بعد کلام کی دلالت کی وجہ سے۔

"احرص" کو حذف کر دیا۔ اس میں یہود کو سخت ذلت پلائی گئی اس لیے کہ مشرکوں کو تو آخرت پر بھی ایمان نہیں اور وہ فقط دنیا ہی کی زندگی جانتے ہیں۔ اگر وہ دنیا کے بارے میں حرص کریں تو بعید نہیں۔ کیونکہ یہی ان کی جنت ہے۔ پس اگر کوئی اہل کتاب ہوتے ہوئے زیادہ حرص کرے۔ جبکہ اس کو جزا و سزا کا اقرار بھی ہے۔ تو وہ عظیم توبیخ کا مستحق ہے۔ مشرکین سے ان کی حرص بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ آگ میں جا پڑیں گے۔ کیونکہ ان کو اپنی حالت معلوم ہے (جس کی سزا جہنم ہی ہے) اور مشرکین کو اس کے متعلق کوئی بھی علم نہیں۔

شدت حرص:

یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ: (ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کاش وہ عمر دی جائے ایک ہزار برس) جملہ مستانفہ لا کر ان کی شدت حرص ذکر کی۔ دوسرا قول یہ ہے۔ اَلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا سے مجوس مراد ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ عش الف نیروز۔ اتو جیئے ہزار سال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ عجمیوں کا قول ہے۔ ہزار سال جیو۔

تیسرا قول: وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا۔ یہ ابتدائی کلام ہے یعنی ومنہم ناس یود احدھم اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک چاہتا ہے گویا موصوف محذوف ہے۔ اس صورت میں والذین اشرکوا سے مراد یہود ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے کہا عزیر ابن اللہ کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ: (حالانکہ اس قدر جینا ان کو عذاب سے نجات دینے والا نہیں)

ضمیر کا مرجع:

نحو نمبر ۱: ہو کی ضمیر احدھم کی طرف لوٹتی ہے اور ان یعمر یہ بمزحزحہ کا فاعل ہے۔

اَنْ یُّعَمَّرَ: (یہ کہ اس کو عمر دی جائے) یہ بمزحزحہ کا فاعل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو اس کی عمر آگ سے بچا لے۔

نمبر ۲: ہو ضمیر مبہم اور ان یعمر اس کی توضیح۔ مطلب یہ ہو وہ عمر دیا جانا ان میں سے کسی کو بھی آگ سے نہ بچا سکے گا۔

الزحزحۃ: دور ہونا۔ ایک جانب ہونا۔ کتاب جامع العلوم وغیرہ میں لکھا ہے کہ لو یعمر کا معنی ان یعمر ہے۔ یعنی عمر دیا جانا۔ یہاں لو۔ ان کا قائم مقام ہے۔ اور ان فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے اور یہ یود کا مفعول ہے ای یود احدھم تعمیر الف سنۃ۔ ان میں سے ہر ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں جو وہ کرتے ہیں) یعنی ان کفار کا عمل (جانتا ہے) پس وہ اس پر ان کو سزا دے گا۔

قراءت: یعقوب نے تعملون پڑھا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا سو اس نے اتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

اس سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

تفسیر آیت ۹۷:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ : (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں جو کوئی دشمن ہو جبرائیل کا)

قراءت۔ نمبر ۱: مکی نے جَبْرِیْل بغیر ہمزہ پڑھا۔

نمبر ۲: حفص کے علاوہ باقی کوفی قراء نے جبرائیل۔ اشباع ہمزہ سے پڑھا۔

نمبر ۳: بقیہ تمام قراء نے جِبْرِیْل۔ بلا ہمزہ پڑھا

نحو: جبرئیل۔ معرفہ و عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اس کا معنی عبداللہ ہے۔ کیونکہ سریانی میں جبر۔ عبد کو کہتے ہیں۔ اور ایل اللہ کا نام ہے۔

حجت باز یہودی:

روایت میں ہے کہ ابن صوریا یہودی عالم نے نبی اکرم ﷺ سے حجت بازی کی۔ اور آپ سے سوال کیا۔ کہ آپ پر کون وحی لاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جبریل۔ ابن صوریا نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ اگر اور کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آتے۔ اس نے بارہا ہم سے دشمنی کی۔ ان میں سب سے شدید تر یہ تھی۔ کہ ہمارے پیغمبر پر یہ حکم اتارا۔ عنقریب بیت المقدس کو بخت نصر تباہ کر دے گا۔ پس ہم نے اس کو قتل کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ اس نے بخت نصر کو بابل میں ایک مسکین لڑکے کی صورت میں پایا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دفاع کر کے قاتل سے بچا لیا۔ اور کہا جبرائیل علیہ السلام نے۔ اگر تمہارے رب نے اس کو تمہارے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تو تمہیں اس پر غلبہ نہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس کے ہلاک کا حکم نہیں دیا۔ تو پھر کس گناہ کی وجہ سے اسے تم قتل کرتے ہو۔ (الواحدی فی اسباب نزول)

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ : (اس نے تو اتارا ہے یہ کلام) یعنی جبرائیل علیہ السلام نے قرآن اتارا۔

اصول: ایسی ضمیر جس کا پہلے تذکرہ نہیں ہوا اس کو کثرت شہرت کی وجہ سے بطور عظمت شان کے ضمیر کی صورت میں لاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی ذات پر خود دلالت کرتا ہے۔ اور اسی لیے اس کے صریح نام کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

۱۰۱: وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ : (جب آیا ان کے پاس اللہ کا رسول) یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ : (جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے تو پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے جن کو کتاب دی گئی)۔ کتاب سے مراد تورات۔ اوتوا الکتب سے مراد یہود ہیں۔

کتاب اللہ سے مراد:

کِتٰبَ اللّٰهِ : (اللہ تعالیٰ کی کتاب کو) نمبر۱: کتاب اللہ سے مراد تورات۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے انکار کی وجہ سے جو کہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ درحقیقت تورات کا انکار کرنے والے اور اس کو چھوڑنے والے شمار ہوتے تھے۔

نمبر۲: یا کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس کو چھوڑ دیا اس کے بعد کہ اس کا قبول کرنا ان پر لازم تھا۔

اعراض کی تمثیل:

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ : (اپنی پشت ڈال دیا) یہ ان کے پھینک دینے اور اعراض کرنے کی تمثیل ہے ان کے اعراض کو اس چیز سے تمثیل دی۔ جس کو بے پروائی اور بے توجہی کی وجہ سے اور اعراض کرنے سے پیٹھ پیچھے پھینک دیا جاتا ہے۔

کَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ : (گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں) کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

۱۰۲: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ : (اور پیچھے پڑ گئے ان چیزوں کے جو پڑھتے تھے شیاطین) یعنی یہود نے کتاب اللہ کو پھینک دیا۔ اور سحر و منتر کی کتابوں کی اتباع کرنے لگے۔ جن کو وہ پڑھا کرتے تھے۔

عہد سلیمانی میں شیاطین کی حرکات:

عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ : (سلطنت سلیمان علیہ السلام میں) سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں وہ اس طرح کہ شیاطین فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن لیتے پھر اس کے ساتھ اپنی طرف سے جھوٹ جوڑ کر ملاتے۔ پھر وہ کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتے۔ کاہنوں نے ان کو کتابوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ جس کو وہ خود پڑھتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔ یہ چیزیں سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں پھیل گئیں۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے جنات غیب جانتے ہیں اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بھی اسی علم سے مکمل ہوئی۔ اور اسی کے ذریعہ انہوں نے جنات کو تابع کیا اور انسانوں اور ہواؤں کو تحت بنایا ہے۔

وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ : (اور نہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے) اس میں شیاطین کی تردید ہے اور سحر کے اعتقاد و عمل جس کا انہوں نے سلیمان علیہ السلام پر بہتان باندھا تھا اس کی تردید ہے

وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ : (لیکن شیاطین نے) کفر کیا۔

کَفَرُوْا : (کفر کیا) یعنی سحر کو استعمال کر کے اور اس کو مدون کر کے۔

قراءت: ولکن الشیطین۔ لکن تخفیف کے ساتھ ہے اور حمزہ، شامی اور علی نے شیاطین کو رفع کے ساتھ پڑھا۔

یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ : (لوگوں کو جادو سکھاتے تھے)

تحقیق: یہ جملہ حال کے مقام پر ہے یعنی انہوں نے کفر کیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کو جادو سکھانے والے تھے۔ اس حال میں کہ وہ اس سے ان کی گمراہی، اغواء کا قصد کرنے والے تھے۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ: (اس کی اتباع کی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر)

عطف کہاں ہے؟

نمبر ۱: جمہور کہتے ہیں کہ ما یہاں الذی کے معنی میں ہے۔ اور السحر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی وہ ان کو تعلیم دیتے اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

نمبر ۲: اس کا عطف ما تتلوا پر ہے یعنی انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ: (ہاروت ماروت بابل میں)۔ یہ دونوں ان کے نام ہیں۔

تحقیق: یہ ملکین کا عطف بیان ہے۔ ان فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا وہ علم سحر تھا جو انسانوں کی آزمائش کیلئے اتارا گیا تھا جس نے ان سے سیکھ کر عمل کیا وہ کافر ہو گیا اگر اس میں کوئی ایسی بات ہو جس سے ایمان کی تردید ہوتی تھی۔

اور جس شخص نے اس سے پرہیز کیا یا ان کو سیکھا تاکہ اس سے بچے اور اس کے دھوکے سے محفوظ رہ سکے۔ عمل کی خاطر نہیں سیکھا تو ایسا شخص مومن ہے۔

شیخ ماتریدی کا قول:

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سحر سے متعلق مطلقاً یہ کہنا کہ یہ کفر ہے یہ غلط ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے۔ اگر اس میں کسی شرط ایمان کی تردید ہو تو پھر یہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ وہ سحر جو کفر ہے اس کے قائل و عامل کو قتل کیا جائے گا۔

البتہ اگر عورت ہوئی تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ اور وہ قسم جو کفر نہیں مگر اس سے نفس کو ہلاک کرنا لازم آتا ہے اس کا حکم ڈاکوؤں والا ہے۔

(ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم (المائدہ: ۳۳) اس میں مؤنث و مذکر کا حکم ایک ہے اگر توبہ کر لیں تو توبہ قبول کی جائے گی۔ بعض نے توبہ کے قبول نہ کرنے کا قول کیا ہے انہوں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ ساحرین فرعون کی توبہ قبول کر لی گئی۔

نمبر ۳: انزل کا معنی القذف فی قلوبھما مع النھی عن العمل۔ ان کے دلوں میں سحر ڈالا اس پر عمل کی ممانعت سمیت۔

من گھڑت حکایت کا رد:

نمبر ۴: یہ بھی کہا گیا کہ یہ دونوں فرشتے وہ تھے جن کا ملائکہ نے انتخاب کیا کہ ان میں شہوت پیدا کی جائے جب انہوں نے بنی آدم کو عار دلائی۔ یہ دن کو زمین میں فیصلہ کرتے اور رات کو آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ دونوں نے زہرہ کی خواہش کی اس نے ان کو شراب پینے پر آمادہ کیا۔ پھر اس کے ساتھ وہ زنا میں مبتلا ہو گئے۔ ان کو ایک آدمی نے دیکھ لیا۔ ان دونوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دونوں

سے آخرت کے حق سے بخشش ہیا کے عذاب کو ترجیح دی۔ اور وہ دونوں بابل کے کنوئیں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ من گھڑت کہانی ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ معتبر مفسرین نے اس کی تردید کی ہے۔

وجہ تسمیہ: بابل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبانیں اس میں وہاں خلط ملط ہو جاتی تھیں۔

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (وہ فرشتے کسی کو نہیں سکھاتے تھے)

حَتّٰى يَقُوْلَآ (یہاں تک کہ وہ کہتے) یہاں تک کہ اس کو تنبیہ کرتے اور اس کو نصیحت کرتے اور اس کو کہتے۔

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ (بے شک ہم آزمائش ہیں) فتنہ کا معنی ابتلاء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے

فَلَا تَكْفُرْ (تو کفر نہ کر) یعنی اس کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اس انداز میں کہ جو کفر بن جائے۔

نحوی حکایت:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا: (پس وہ ان دونوں سے سیکھتے) ضمیر انفاء کا عطف یعلمون الناس السحر پر ہے۔ یعنی وہ ان کو سکھاتے پس وہ جادو اور کفر ان سے سیکھتے۔ جادو اور کفر سیکھنے پر کفروا اور یعلمون الناس السحر دلالت کرتے ہیں۔

نمبر۲ فاء کا عطف مقدر پر ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ فیاتون فیتعلمون۔ یعنی وہ ان کے پاس آتے اور ان سے سیکھتے۔ اور ضمیر اس کی طرف جاتی ہے جس پر من احد دلالت کرتا ہے۔ یعنی فیتعلم الناس من الملکین۔ پس لوگ ان دونوں فرشتوں سے سیکھتے۔

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ۔ (وہ جس سے جدائی ڈال دیں مرد و عورت کے درمیان) یعنی وہ علم سحر جو زوجین کے درمیان تفریق کا سبب بنتا۔ اللہ تعالیٰ کی ابتلاء کے طور پر عورت میں نافرمانی اور مخالفت پیدا کر دیتے

اہلسنت:

کے نزدیک سحر ایک حقیقت ہے اور معتزلہ کے ہاں یہ محض تخیل ہے اور مجازی ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ: (حالانکہ وہ اس سے نہیں نقصان پہنچا سکتے) بِهٖ سے مراد سحر ہے۔

مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: (اس سے کسی کو بغیر حکم الٰہی کے) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت کے ساتھ۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔ (اور وہ سیکھتے تھے جو ان کو نقصان دے اور نفع نہ دے) یعنی آخرت میں۔

مسئلہ: اس میں بتلا دیا کہ سحر سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ فلسفہ جو گمراہی کی طرف لے جائے۔ اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا ۔ (تحقیق وہ جان چکے) یعنی یہود۔

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ: (جس نے اس کو خریدا) کتاب اللہ کے بدلے میں اس کو یا جو شیاطین پڑھتے تھے۔

مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ: (اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) خلاق کا معنی حصہ ہے۔

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ: (بہت بری چیز کے بدلے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا) یعنی اپنے نفسوں کو بیچا۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: (کاش وہ جان لیتے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

اے ایمان والو! تم لفظ راعنا نہ کہو اور تم کہو انظرنا اور سنو! اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

دردناک عذاب ہے۔

سوال: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ سے علم کی نفی کی۔ اور ولقد علموا سے ان کے لیے علم کا اثبات تاکید قسم کے ساتھ کیا۔

جواب: کاش لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے علم سے جان لیتے جب انہوں نے اپنے علم کو نہ جانا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر آیت ۱۰۳:

۱۰۳: وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا: (اگر وہ ایمان لے آتے) آمنوا سے مراد رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا ہے۔

وَاتَّقَوْا: (اور تقویٰ اختیار کرتے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے پھینکنا اور شیاطین کی کتابوں کی اتباع چھوڑ دیتے۔

لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ: (تو ضرور ثواب ہوتا اللہ تعالیٰ کے پاس سے بہتر اگر وہ جان لیتے) بے شک اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت بہتر ہے ان غلط چیزوں سے جن میں وہ پڑے تھے۔ اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنے علم پر عمل ترک کیا تو ان کو جاہل قرار دیا گیا۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ (اگر اپنے صحیح رخ پر قائم رہتے)

کنایت ثواب:

سوال: لو کے جواب میں جملہ فعلیہ کی بجائے اسمیہ لائے؟

جواب: کیونکہ اس میں ثواب کے ثابت کرنے اور پختہ کرنے کی قوی دلالت ہے۔

سوال: لمثوبۃ اللہ خیر نہیں کہا بلکہ لمثوبۃ من عند اللہ فرمایا گیا۔

جواب: اس لیے کہ لمثوبۃ من عند اللہ خیر کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا ثواب بھی ان کے لیے کافی تھا۔ تو لو یہاں تمنی کے لیے بھی قرار دیا گیا۔ گویا یوں کہا گیا۔ کاش کہ وہ ایمان لاتے پھر نیا کلام شروع کر کے کہا لمثوبۃ من عند اللہ خیر۔

۱۰۴: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا: (اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو) جب مسلمانوں کو آپ کوئی بات فرماتے تو مسلمان کہتے راعنا یا رسول اللہ یعنی ہمارا خیال یا انتظار فرمائیے۔ یہاں تک کہ ہم اس کو محفوظ کر لیں۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اوپر تمہارے رب کی

خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ

طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے

الْعَظِیْمِ ⑩

فضل والا ہے۔

راعنا کی وجہ ممانعت:

اور خود یہود کے ہاں عبرانی یا سریانی زبان میں "راعینا" کا کلمہ تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو گالم گلوچ کرتے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں سے راعنا کا لفظ سنا تو انہوں نے فرصت کو غنیمت جانا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہی کلمہ کہنا شروع کر دیا۔ اور مراد اس سے وہ اپنی گالی والا کلمہ لیتے تھے۔ پس مسلمانوں کو اس کلمہ سے روک دیا گیا۔ اور اس کا ہم معنی کلمہ انظرنا کہنے کا حکم دیا۔ یہ انظر نظر سے انتظار کے معنی میں ہے۔

وَاسْمَعُوْا: (اور غور سے سنو) نمبر۱: غور سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فرامین کو سنو۔ کہ تمہارے کان ان کو محفوظ کرنے والے اور دماغ حاضر ہوں۔ تاکہ اعادہ اور رعایت کرنے والے کے مطالبہ کی حاجت پیش نہ آئے۔

نمبر۲: قبولیت و اطاعت کی غرض سے سنو۔ تمہارا سننا یہود کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ انہوں نے کہا۔

سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی)

وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ: (اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے) یہود کے لیے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی ہے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵: مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ (اہل کتاب میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ اتاری جائے تم پر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

قراءت: یُنَزَّلَ کو ابو عمرو اور مکی نے یُنْزَلَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اقسام مِنْ:

مِنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ: (کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے)

نمبر۱: پہلا مِنْ بیانیہ ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو لاتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ ہر چیز پر

شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

سوا نہ کوئی دوست اور نہ مددگار۔

نمبر۲۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خیر میں استغراق کا معنی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی کسی قسم کی کوئی بھلائی۔

نمبر۳۔ تیسرا یعنی ابتداء غایت کے لیے ہے۔ الخیر سے وحی اور اسی طرح رحمت مراد ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ : (اور اللہ تعالیٰ خاص کرتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں) یعنی وہ اپنے بارے میں یوں کرتے ہیں۔ کہ وہ وحی اتارے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس اے مسلمانو۔ وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی چیز وحی میں سے اتاری جائے۔ اللہ تعالیٰ تو نبوت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ : (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) اس میں تنبیہ ہے کہ نبوت کا عنایت ہونا فضل ہے۔

شانِ نزول: کفار نے نسخ کے سلسلہ میں یہ اعتراض اٹھایا کہ محمد ﷺ کو دیکھو کہ اپنے اصحاب کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر اس کو منع کر کے اس کے الٹ حکم دیتے ہیں آج ایک بات کہتا ہے اور کل اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔

۱۰۶: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا : (جو کوئی آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں)

لغوی معنی:

لغت میں نسخ تبدیل کرنے کو کہتے ہیں۔

شرعی تعریف:

کسی ایسے مطلق شرعی حکم کی انتہا کو وضاحت سے بیان کرنا کہ جس کا ہمیشہ رہنا ہمارے دماغوں میں پختہ ہو چکا ہو۔ یہ ہمارے حق میں تو بظاہر تبدیلی ہے مگر صاحب شرع کے لیے یہ بیان محض ہے۔

ہم نے ان لوگوں کا جواب یہ کہہ کر "یہ صاحب شرع کے حق میں محض بیان ہے" دے دیا جو نسخ کے منکرین ہیں اور نسخ کو بداء قرار دیتے ہیں۔ یہود کی مراد اس سے یہود ہیں۔ (یا اس طرح کے دیگر گروہ بھی)

محل نسخ:

ایسا حکم جس میں وجود وعدم کا ذاتی طور پر احتمال ہو۔ اور اس حکم کے ساتھ ایسی چیزیں جو نسخ کے خلاف ہوں وہ نہ پائی جائیں۔ مثلاً توقیت و تابید خواہ وہ توقیت وغیرہ نص سے ثابت ہو یا دلالت نص سے۔

شرط نسخ:

دل کے ارادے سے قدرت کافی ہے تمکن فعل سے قدرت ضروری نہیں۔ عندنا۔ البتہ معتزلہ فعل سے قدرت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

نسخ کی صورت:

نمبر۱: تلاوت اور حکم سے نسخ بھی جائز ہے اور
نمبر۲: یہ بھی جائز ہے کہ حکم منسوخ ہو۔ اور تلاوت منسوخ نہ ہو۔
نمبر۳: اور اس کا عکس ہو کہ تلاوت منسوخ ہو مگر حکم منسوخ نہ ہو۔
نمبر۴: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو جیسے نص پر اضافہ قید یہ ہمارے نزدیک نسخ ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

الانساء: دلوں سے اس کی یادداشت کا مٹ جانا۔

قراءت: ابو عمرو اور مکی نے نَنْسَأْهَا ہمزہ سے پڑھا ہے۔ ننسأ کا معنی موخر کرنا ہے یہ نسأت سے لیا گیا ہے جس کا معنی اخرت ہے۔ میں نے موخر کیا۔

نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ: (تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر) یعنی ہم کوئی آیت لے آتے ہیں جو بندہ کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ عمل میں ثواب کے لحاظ سے

اَوْ مِثْلِهَا: (یا اس جیسی) اس میں اس کی مثل ہوتی ہے اس سے کہ بعض آیات کو بعض پر (بحیثیت آیت کے) کوئی فضیلت نہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ: (کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) یعنی وہ قادر ہے پس خیر اور اس کی مثل پر یکساں قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیت: ۱۰۷:

۱۰۷: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: (کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی اللہ کی ہے۔) وہ تمہارے مصلحت کا مالک ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ ناسخ منسوخ میں سے کس کے ساتھ تم سے عبادت کروانی ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ: (اور تمہارے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار دوست نہیں) اپنا جو تمہارے مصالح کا انتظام کرے۔

وَّلَا نَصِيْرٍ: (اور نہ مددگار کہ اور کوئی مددگار تو تمہیں عذاب سے بچائے۔)

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ کفر کو

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾

اختیار کرے۔ سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

تفسیر آیت ۱۰۸ ...... بیجا سوالات کی ممانعت:

اَمْ تُرِیْدُوْنَ : (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ) یہ اَمْ منقطعہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اَتُرِیْدُوْنَ کیا تم ارادہ رکھتے ہو؟

اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ : (سوال کرو جس طرح سوال کیے گئے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے قبل) روایت میں آیا ہے کہ قریش نے کہا اے محمد ﷺ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونا بنا دے۔ اور مکہ کی زمین سے پہاڑ ہٹا کر اس کو کھلا میدان کر دے۔ پس اس آیت میں ان کو نشانیاں مانگنے کی ممانعت کر دی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا۔

اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۳۸

وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ : (جو بدل لے کفر کو ایمان سے) جس نے آیات منزلہ پر یقین کو چھوڑ دیا۔ اور ان میں شک کیا اور اپنی طرف سے اور کا ایجاد کیا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ : (پس وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا) سواء کا معنی سیدھا اور درمیانہ راستہ۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارٰى ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے ان کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ فرما دیجئے

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو

فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ لوگ رنجیدہ ہوں گے

دشمنی ظاہر ہو۔

حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ: (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لے آئے اپنا حکم) یعنی لڑائی والا حکم۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) وہ ان سے انتقام کی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیت ۱۱۰:

وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ: (اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ بھیج دو آگے اپنے لیے بھلائی) خیر سے مراد کوئی نیکی نماز یا ان کے علاوہ دیگر عبادات۔

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ: (وہ پاؤ گے اللہ تعالیٰ کے پاس) اس کا ثواب اس کے ہاں پالو گے۔

إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: (بے شک اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے) اس کے ہاں کسی عامل کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔

ادعاء یہود ونصاریٰ:

۱۱۱: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى: (وہ کہتے ہیں ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو یہودی یا عیسائی ہو) قالوا کی ضمیر اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہود نے کہا جنت میں فقط یہودی جائیں گے۔ نصاریٰ نے کہا جنت صرف نصاریٰ کیلئے ہے ان دونوں قولوں میں صنعت لف کا لحاظ رکھا گیا۔ کہ ہر فریق دوسرے کی تضلیل کر رہا ہے۔ اور دوسرے کو قطعی طور پر گمراہ قرار دے رہا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۱۳۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ۔ اس میں یہ بات مذکور ہے کہ وہ جمع عائد کی جس طرح عائد جمع لائے ہیں۔ من کے لفظ کا لحاظ کر کے کان کا اسم واحد لائے۔ اور معنی کی طرف نظر کر کے خبر جمع لائے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود نہیں

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

کسی چیز پر، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے ان کی سی

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

بات، سو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے

تفسیر آیت ۱۱۳:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ: (یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں) کسی ایسی چیز پر جو شمار کی جا سکے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ: (اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی راہ پر نہیں)

وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: (حالانکہ وہ سب کتاب الٰہی پڑھتے ہیں) وھم یتلون الکتب میں واؤ حالیہ ہے اور الکتاب کا الف لام جنس کا ہے۔ یعنی انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ وہ اہل علم اور کتابیں پڑھنے والے ہیں۔ اور جو تورات و انجیل کو اٹھانے والا اور ان پر ایمان لانے والا ہے اسے باقی کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی مصدق ہیں۔

كَذٰلِكَ: (اسی طرح) اس جیسی بات جو تو سن چکا۔

توبیخ اہل کتاب:

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ: (کہی ان لوگوں نے جو بے علم ہیں ان جیسی بات) یعنی وہ جاہل جن کو نہ تو علم ہے اور نہ ان کے پاس کتاب ہے۔ جیسے بت پرست۔ دہریے وہ ہر دین والے کو کہتے ہیں۔ کہ وہ کسی ایسی چیز پر نہیں جو کسی شمار و قطار میں آئے۔ اس آیت میں اہل کتاب کو سخت توبیخ کی گئی کہ انہوں نے علم کے باوجود اپنے آپ کو جاہلوں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: (پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا جس میں یہ جھگڑتے تھے) یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان ایسی سزا کا جو ہر فریق کے لیے اس کے مناسب تجویز کی جائے گی۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا : (جدھر تم اپنا منہ کرلو گے) یہ شرط ہے تولوا یہ جزم والا فعل اس کی وجہ سے مجزوم ہے۔ یعنی جس جگہ میں بھی ہو تم چہروں کا رخ قبلہ کی طرف پھیرو۔ اس مطلب کی دلیل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۴ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ کہ تم اے پیغمبر پھیر دو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ بھی تم ہو (تم (مسلمانو) پھیر دو اپنے چہروں کو اسی کی طرف۔

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : (وہاں ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے) یہ جواب شرط ہے۔ یعنی وہ جہت جس پر وہ راضی ہے اور جس کا اس نے حکم دے رکھا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں مسجد حرام یا مسجد بیت المقدس میں نماز سے روک دیا گیا۔ تو تمہارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ پس تم زمین کے جس ٹکڑے پر چاہو نماز ادا کرو۔ اور اس میں بیت اللہ کی طرف منہ کرو کیونکہ جہت کی طرف منہ تو ہر جگہ ممکن ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ : (بے شک اللہ وسعت والے علم والے ہیں) یعنی وہ وسیع رحمت والے ہیں وہ بندوں پر اپنی رحمتوں کو وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ بندوں کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہیں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ مسافر کی نماز کے سلسلہ میں یہ آیت اتری۔ کہ جب وہ اپنی سواری پر ہو تو جدھر اس کی سواری رخ کرے ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

اشتباہ قبلہ کا حکم:

یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ کچھ لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہوگیا انہوں نے مختلف اطراف کی طرف رخ کر کے (اپنے اجتہاد کے مطابق) نماز پڑھ لی۔ جب صبح ہوئی تو ان کو اپنی غلطی کا علم ہوا۔ پس ان کا عذر قبول کر لیا گیا۔ یہ روایت امام شافعی ؒ کے خلاف حجت ہے۔

امام شافعی ؒ اور جہت قبلہ:

کیونکہ وہ قبلہ کے مشتبہ ہو جانے والوں میں سے قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز درست قرار نہیں دیتے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسا تو نوافل یا ذکر و دعا کیلئے ہے۔

تفسیر آیت ۱۱۷:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (وہ آسمان و زمین کا موجد ہے) ان کا مخترع اور بغیر مثال کے ان کو بنانے والا ہے۔ عرب ہر اس آدمی کو جو ایسا کام کرے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو کہتے ہیں۔ ابدعت اسی لیے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے والوں کو مبتدع کہا جاتا ہے۔

اس لیے کہ وہ دین اسلام میں ایسی چیز رواج دے رہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے نہیں کی۔

وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا : (جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی کام کا) قضٰی کا معنی حکم دینا یا مقدر کرنا ہے۔

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ : (تو بس فرماتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے)

جلد وقوع کی تمثیل:

کن فیکون۔ یہ کان تامہ سے ہے یعنی وہ کہتا ہے پیدا ہو جا وہ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ حقیقتاً تو جلدی وقوع پذیر ہونے کو بیان تو تمثیل سے ذکر کیا گیا۔ درحقیقت وہاں قول ہے نہ حاجت قول مطلب یہ ہوا کہ جن معاملات کا وہ فیصلہ اور ارادہ کرتا ہے تو وہ بلا روک ٹوک وجود میں آ جاتے ہیں۔ جس طرح کہ فرمانبردار اطاعت کرتے ہوئے ذرا توقف نہیں کرتا۔ اور نہ اس سے انکار ممکن ہوتا ہے ولدیت کے اعتبار کو اس سے اور مؤکد طور پر ثابت کر دیا اس لیے کہ جو قدرت کی ایسی صفات کا مالک ہو۔ جس کی یہ صفات جسمیت کے منافی ہیں پھر تو اللہ کا تصور کیوں کر ممکن ہو؟

قراءت: فیکون میں رفع ہی سب سے بہتر ہے اور عام قراء کی قراءت یہی ہے۔ وہ اسے جملہ مستانفہ بناتے ہیں۔ ای فہو یکون۔

یا یقول پر عطف کی وجہ سے رفع آئے گا۔

ابن عامر رحمہ اللہ نے اس کو کن کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں امر ہے اور امر کا جواب فاء کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔ (ان مقدرہ کی وجہ سے)

قول فیصل:

کن حقیقت میں امر نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے اذا قضی امراً فانما یکون فیکون یا اس طرح کہا جائے فانما یقول لہ کن فیکون۔ تو یہ دونوں برابر ہیں۔

جب اس کا امر ہونا ثابت نہ ہوا تو نصب کا کوئی مطلب نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امر یا تو موجود سے متعلق نہیں۔ یا تو اس سے موجود کو خطاب ہوگا تو موجود کو کن سے خطاب کیا نہیں جاتا۔ یا معدوم کو خطاب کریں تو معدوم قابل خطاب ہی نہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ الْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک اللہ

اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے تو نہ ہوگا

مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾

آپ کے لئے کوئی ولی اور مددگار اللہ سے بچانے والا۔

تفسیر آیت ۱۱۹:

إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا : (بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا) یعنی مؤمنوں کو ثواب کی خوشخبری اور کفار کو عقاب سے ڈرانے والے۔

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ الْجَحِيمِ : (تم سے پوچھ نہ ہوگی دوزخ والوں کے متعلق) ہم ان کے متعلق آپ سے پوچھ گچھ نہ کریں گے کہ وہ آپ کے پیغام پہنچانے اور دعوت میں پوری کوشش صرف کرنے کے باوجود کیوں ایمان نہیں لائے۔

نحو: بالحق یہ بشیرا ونذیرا کی طرح حال ہے۔ یعنی غیر مؤول ہے یہ جملہ مستانفہ ہے

قراءت: نافع یعقوب نے لا تسئل نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

دو تفسیریں:

مطلب یہ ہے کہ کفار جس چیز میں مبتلا ہیں اس کا عذاب بہت ہی بڑا ہے اس کو کیا پوچھنا ہے جیسے کہتے ہیں۔ کیف فلان جبکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو جواباً یہی کہا جاتا ہے۔

۲۔ تو ان کے بارے میں مت پوچھ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کفار کے احوال کے بارے میں سوال سے روک دیا۔ جب کہ کسی موقع پر آپ نے کہا کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے والد کا کیا حال ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کو میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

سفارش نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر: یا اصحاب محمد ﷺ کتاب سے مراد قرآن مجید۔

یتلونہ: (وہ اس کو پڑھتے ہیں) یہ ہم سے حال مقدرہ ہے کیونکہ کتاب دیئے جانے کے وقت وہ اس کی تلاوت کرنے والے نہ تھے۔ اور

حق تلاوت کا مطلب:

حق تلاوتہ: (جیسے تلاوت کا حق ہے) مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

ای یقرؤونہ حق قراءتہ فی الترتیل۔ یعنی وہ اس کو پڑھتے تھے۔ جیسے پڑھنے کا حق ہے یعنی ترتیل اور ادائیگی حروف تدبر و تفکر کے ساتھ۔

یا اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کے مضمون پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس میں پیغمبر ﷺ کی تعریف کو نہیں بدلتے۔

اُولٰٓئِكَ: (یہی لوگ) يُؤْمِنُوْنَ: یہ مبتداء ہے۔ یؤمنون بہ۔ یہ اس کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ الذین کی خبر ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یتلونہ کو خبر مانیں۔ اور یہ جملہ دوسری خبر ہے

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: (اور جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں) اس لیے وہ خسارہ پانے والے ہیں کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں لے لیا۔

تفسیر آیت ۱۲۲:

۱۲۲: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ . (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں) یعنی نعمتها علیکم۔ تم پر میں نے انعام کیا۔

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: (اور میں نے تمہیں فضیلت دی جہان کے لوگوں پر) میں نے تمہیں تمہارے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا : (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے۔ یعنی وہ اپنے دین میں تیری اقتداء کریں گے۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ : (ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے) یعنی تو میری اولاد میں سے مقتدا بنا جس کی لوگ اقتداء کریں۔ ذریۃ از رجل۔ مذکر و مؤنث ہر دو اولاد کے لیے آتا ہے۔ یہ ذرء سے فعلیۃ کا وزن ہے۔ ذرء کا معنی پیدا کرنا۔ ہمزہ کو یاء سے بدل دیا۔

مسلمانوں کا مقتدی کافر نہیں ہو سکتا:

قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ : (کہا ہمارے اس عہد میں وہ داخل نہیں جو ظالم ہیں)

قراءت: عهدی یعنی حمزہ اور حفص کے نزدیک سکون یاء کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امامت تیری اولاد میں سے اہل ظلم کو نہ ملے گی۔ اہل ظلم سے اہل کفر مراد ہیں۔ اس سے بتلا دیا گیا۔ کہ مسلمانوں کی امامت اہل کفر کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی اولاد میں مسلمان و کافر دونوں ہوں گے۔ جیسا سورۃ الصافات آیت نمبر ۱۱۳ میں بارکنا علیہ ؔ محسن وظالم لنفسه مبین۔ محسن سے مراد مومن ہے اور ظالم سے کافر مراد ہیں۔

معتزلہ کا قول:

فاسق امامت کا حقدار نہیں۔ ظالم کو امامت کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں اس لیے کہ امام تو دفع ظلم کے لیے ہوتا ہے جب ظالم کو مقرر کر دیا جائیگا۔ تو وہ مشہور مثال کے مطابق بن جائے گا۔ من استرعی الذئب ظلم۔ جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

جواب معتزلہ: یہ ظالم سے مطلق یعنی کافر مراد ہے کیونکہ مطلق ظالم وہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ ان کا بیٹا نبی ہو۔ جس طرح ان کو نبوت ملی تو ارشاد ہوا کہ ظالم نبی نہیں ہوگا۔

۱۲۵: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ : (اور جب ٹھہرایا ہم نے گھر کو) بیت سے مراد کعبہ ہے یہ نام اس پر غالب آ گیا جیسا کہ ثریا کو نجم کہا جاتا ہے۔

ملتجی فی الحرم کی دلیل:

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ : (لوگوں کے لیے اجتماع کی جگہ) حجاج و عمار کے لیے مرجع ہے۔ کہ وہاں سے جدا ہو کر پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

وَاَمْنًا : (اور امن کا مقام) امن کی جگہ جنایت کرنے والا وہاں پناہ لے تو اس پر تعرض نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ خود نکل جائے اور یہ ہمارے لیے مسئلہ ملتجی الی الحرم کے متعلق دلیل ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم خانہ کعبہ کی بنیادیں اور اسماعیل بھی۔ اے ہمارے رب قبول فرما ہم سے

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً

بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت

مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں ہمارے حج کے احکام بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

۱۲۷۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ: (جب ابراہیم بلند کر رہے تھے) یہ ماضی کی حکایت بیان کی۔

الْقَوَاعِدَ: (خانہ کعبہ کی بنیادیں) القواعد جمع قاعدہ کی ہے اور قاعدہ کہتے ہیں جو اوپر کے لئے بنیاد و جڑ کا کام دے۔ یہ صفت غالبہ ہے ورنہ اس کا معنی قائم ہونے والی اور رفع کا معانی اس پر تعمیر کرنے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جب اس پر تعمیر کی جائے گی۔ تو وہ پستی سے بلندی میں منتقل ہو جائے گی اور تعمیر ہونے کے بعد طویل ہو جائے گی۔

مِنَ الْبَيْتِ: (بیت اللہ کی) بیت سے مراد بیت اللہ کعبہ شریف ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلُ: (اور اسماعیل) اس کا عطف ابراہیم پر ہے ابراہیم بیٹے معمار کی مدد سے تھے اور اسماعیل ان کو پتھر پکڑا رہے تھے۔

رَبَّنَا: (اے ہمارے رب) وہ دونوں دعا کہتے تھے۔ یہ فعل حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور عبداللہ نے اپنی قراءت میں اس کو ظاہر بھی کیا ہے اور اب اس کا معنی یہ ہے وہ دونوں دیواروں کو بناتے کہتے ہوئے بلند کر رہے تھے۔

تَقَبَّلْ مِنَّا: (تو ہم سے قبول کر) اس گھر کی تعمیر کے سبب ہمارا تقرب اپنی بارگاہ میں قبول کر۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ: (بے شک تو ہر بات سننے والا ہے) ہماری دعاؤں کو سننے والے۔

الْعَلِيْمُ: (اور ہر بات جاننے والا ہے) ہمارے بواطن اور نیات کو جاننے والے ہیں۔ آیت میں قواعد کو پہلے مبہم رکھا اور پھر اس ابہام کے بعد واضح کر دیا اس میں بنیادوں کی عظمت شان کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تفسیر آیت ۱۲۸:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ: (اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرمانبردار)

نمبر ۱۔ مسلمین کا معنی ہم اپنے چہروں کو تیرے لئے خالص کرنے والے ہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسا البقرہ آیت نمبر ۱۱۲ میں اسلم وجهه لله۔

دوسرا قول: ہم تیری فرمانبرداری اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہا اسلم نہ واستسلم۔ یعنی تابعداری کی اور یقین کر لیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اخلاص اور اپنے اوپر یقین میں اضافہ فرما۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا۔ اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کر لیا

فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ

دنیا میں۔ اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔ جب فرمایا ان کے رب نے کہ

اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

فرمانبردار ہو جا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ: (رسول انہی میں سے) انہی میں سے پس اللہ تعالیٰ نے ان میں محمد ﷺ کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ انا دعوۃ ابی ابراھیم و بشری عیسی و رؤیا امی۔ (رواہ احمد۔ الحاکم۔ البزار) میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں) خواب یہ تھا کہ آپ کی والدہ محترمہ نے ولادت سے قبل ایک روشنی اپنے سے نکلتی ہوئی دیکھی جس نے محلوں کو بھر دیا۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ: (جو ان پر تیری آیات پڑھے) ان پر پڑھتا ہے اور ان کو پہنچاتا ہے۔ جو اس کی طرف وحی کے ذریعہ تیری وحدانیت کے دلائل اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی صداقت کے دلائل بھیجے جاتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ: (اور ان کو تعلیم دے کتاب) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

وَالْحِكْمَةَ: (وحکمت کی) سنت اور فہم قرآن مراد ہے۔

وَيُزَكِّيْهِمْ: (اور ان کو پاک صاف بنائے) وہ ان کو شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کرتا ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ: (بے شک تو زبردست) وہ غالب جو مغلوب نہ ہو۔

الْحَكِيْمُ: (تدبیر والا ہے) اس چیز میں جس کا اس نے تمہیں مالک بنایا۔

تفسیر آیت ۱۳۰:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ: (نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے) یہ استفہام انکاری ہے اور اس بات کا شدت سے انکار کیا گیا ہے کہ واضح حق سے بے رغبتی اختیار کرنے والا عقل مند نہیں ہے اور واضح حق ملت ابراہیم ہے۔ الملۃ۔ طریقہ سنت۔ نہ بنائی جیسے نئی طرح کی ہے۔

اِلَّا مَنْ: (مگر وہ)

نحوی تراکیب:

یہ من رغب کی ضمیر سے بدل ہے اور محل رفع میں واقع ہے اور بدل علی الحق ہے۔ کیونکہ جو منہ موڑنے والا ہے وہ لازم کرنے والا نہیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ هل جاءك احدٌ الا زيد؟ تیرے پاس سوائے زید کے کوئی نہیں آیا۔ اب آیت کا معنی یہ ہے کوئی نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے مگر وہ۔

سفاہت کا مفہوم:

سَفِهَ نَفْسَهٗ : (بے وقوف ہے جس کا نفس) اتنی جس کا نفس جاہل ہے۔

نمبر۱۔ ای جهل نفسه (یعنی وہ اپنے دل میں سوچتا نہیں)۔ یہاں سفہ کو جہل کی جگہ لائے اور اس کو اسی کی طرح متعدی شمار کر لیا۔

نمبر۲۔ دوسرا قول۔ یہ ہے کہ جس کے نفس میں حماقت ہے۔ فی کو حذف کر دیا جس طرح من کو اعراف آیت نمبر ۱۵۵ سے: واختار موسٰى قومه۔ اور علی کو سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۳۵ ولا تعزموا عقدة النكاح ای على عقدة النكاح۔ یہ دو صورتیں زجاج کے نزدیک ہیں مگر فراء نے کہا کہ یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ وہ معرفہ ہے۔

ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا حکم:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ : اس میں اس آدمی کی رائے کی غلطی کی اطلاع ہے جو ملت ابراہیم سے منہ موڑنے والا ہے کیونکہ جو شخص دونوں جہاں کی عظمت کا جامع ہو تو اس کے طریقے کی طرف رغبت کرنے سے بڑھ کر کسی کا طریقہ نہیں۔

تفسیر آیت ۱۳۱:

اِذْ قَالَ : (جب کہا) نحو۔ نمبر۱۔ یہ اصطفیناہ کا ظرف ہے۔

نمبر۲۔ یا اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ اس وقت کو یاد کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے وہی منتخب و صالح ہیں۔ کہ جس کی ملت قابل اعراض نہیں۔

لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ : (ان کو ان کے رب نے کہا تم فرمانبرداری اختیار کرو) یعنی یا اطاعت کر یا اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر۔

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : (کہا میں نے اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کیا۔ میں خالص ہوا میں نے خالص کیا۔ یا میں مطیع ہوا۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ

اور اسی بات کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی، اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے منتخب فرمایا تمہارے لیے اس دین کو،

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٣٢ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

سو تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو۔ کیا تم موجود تھے جس وقت آئی یعقوب کو

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

موت، جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد، انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور

اِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝١٣٣

آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمعیل اور اسحق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

مرجع ضمائر:

وَوَصّٰى بِهَآ: (اور اس کی وصیت کی) اَوْصٰی مدنی و شامی نے اَوْصٰی پڑھا۔

ضمیر ہا سے مراد ملت ہے یا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ: (ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی) یعقوب یا ابراہیم پر معطوف ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی وصیت کی۔

يٰبَنِىَّ: (اے میرے بیٹو) قال مضمر ہے۔

چنا ہوا دین:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ: (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن کر دین دیا) یعنی تمہیں وہ دین دیا جو دینوں میں منتخب شدہ ہے۔ وہ دین اسلام ہے اس کو تھامنے کی تمہیں توفیق دی۔

ثابت قدمی کا حکم:

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: (پس تم مسلمان ہو کر ہی مرنا) تمہاری موت اسلام پر ثابت قدمی کی حالت میں ہونی چاہیے۔ حقیقت میں اس بات کی ممانعت کی گئی کہ موت کے وقت ان کی حالت اسلام کے خلاف نہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہتے ہیں۔ لاتصل الا وانت خاشع یعنی تمہیں نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ اس میں نماز کی ممانعت نہیں بلکہ نماز میں خشوع کے ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

نبوت کا بھی حقدار ہے۔

۱۴۰۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ: (کیا تم کہتے ہو) قراءت۔ یہ شامی اور کوفی نے ابوبکر کے علاوہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ کونسا ہے؟

نمبر ۱۔ اس صورت میں اَمْ ہمزہ کے معادل ہے جو اَتُحَآجُّوْنَنَا میں ہے یعنی کونسا کام تم کرو گے؟ اللہ کے حکم میں حجت بازی یا دعویٰ یہودیت اور نصرانیت انبیاء ؑ کے متعلق؟

نمبر ۲ دوسرا قول: یہ منقطعہ ہے یعنی بلکہ کیا تم کہتے ہو؟

یقولون دوسروں نے یاء سے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اَمْ منقطعہ ہی ہو سکتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: (کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے) پھر اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا۔ کہ ان کو بطور استفہام کہیں نفی کی بات کو ان پر لوٹاتے ہوئے۔

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ: (کہہ دیں کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ) یعنی بے شک اللہ نے ان کے لئے (مسلمانوں کیلئے) تو ملت اسلام کی گواہی دی ہے۔ اپنے اس قول میں۔ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۷

ملتِ حنفی کا چھپانے والا ظالم:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ: (اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جس نے اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس ہے۔ وہ شہادت ابراہیم ؑ کے متعلق حنفیت کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس گواہی کو چھپا دیا۔ حالانکہ اس کو جانتے ہیں۔ یا اگر ہم اس گواہی کو چھپاتے تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوتا۔ پس ہم تو اس کو نہیں چھپاتے۔ اس میں ان پر تعریض کی۔ کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے متعلق نبوت کی گواہی کو جو ان کی کتابوں میں موجود ہے چھپا رہے ہیں۔ مِنَ اللّٰهِ میں مِن اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں: ھذہ شہادۃ منی لفلان اذا شھدت لہ گویا یہ اس کی صفت ہے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان عملوں سے جو تم کرتے ہو) یعنی تکذیب رسل اور کتمان شہادت۔

مَا کَسَبَتْ کا مقصد:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: (یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی یعنی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم سے ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہو گی۔

نمبر ۱۔ یہ تاکید کے لئے لایا گیا۔

نمبر ۲۔ پہلی مرتبہ ذکر انبیاء ؑ مراد ہیں۔ اور دوسری مرتبہ اسلاف یہود و نصاریٰ مراد لئے گئے ہیں۔

علت امت وسط:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ (تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو) نحو: شہداء غیر منصرف ہے اس میں الف ممدودہ ہے جو تانیث کا ہے۔
عَلَى النَّاسِ: یہ شہداء کا صلہ ہے وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا اور رسول تم پر گواہ ہوں یہ لتکونوا پر عطف ہے (لام علت لا کر امت وسط کی علت بیان کر دی)

روایت میں ہے کہ امتیں قیامت کے دن انبیاء علیہم کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی پس اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم سے ان کے پیغام پہنچانے کے گواہ طلب کرے گا۔ حالانکہ وہ تو خوب جانتا ہے پس امت محمد ﷺ کو گواہی کے لئے لایا جائے گا۔ وہ گواہی دیں گے تو اس وقت امتیں کہیں گی۔ تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ انہوں نے پیغام پہنچایا۔ پس امت محمد یہ جواب دے گی۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطلاع دینے سے معلوم کیا جو کہ اس نے اپنے پیغمبر صادق کی زبان پر اتاری۔ اس وقت محمد ﷺ کو بلایا جائے گا اور امت کا حال دریافت کیا جائے گا۔ پس آپ اپنی امت کی عدالت کی گواہی دیں گے اور ان کا تزکیہ ثابت کریں گے۔ باقی شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ مشہور اشیاء کے بارے میں گواہی شہادت۔

لفظ علیٰ کا راز:

یہ حرف استعلاء ہے وہ شہادت نگرانی کی طرح ہے اور شہید نگران کی طرح ہے اسی لئے کلمہ استعلاء لائے۔ جیسا ارشاد الٰہی ہے۔
كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ مائدہ آیت نمبر ۱۱۷

ایک اور تفسیر:

یہ ہے تاکہ تم لوگوں پر دنیا میں گواہی دینے والے ہو یہ شہادت عدول اتقیاء کی معتبر ہے۔
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا : (اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں) یعنی رسول تمہارا تزکیہ کریں اور عدالت بیان کریں گے۔

قول شیخ ابو منصور رحمہ اللہ:

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی صفت عدل سے بیان کی اور عادل ہی مستحق شہادت ہے اور اسی کی شہادت قابل قبول ہے۔ پس جب امت کے لوگ کسی بات پر جمع ہو جائیں اور اس کی گواہی دے دیں۔ تو اس بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔
نکتہ: شہادت کے لفظ کا صلہ پہلی مرتبہ تو بعد میں لائے اور دوسری مرتبہ پہلے لائے۔ کیونکہ پہلی غرض میں امتوں کے خلاف ان کی شہادت کو ثابت کرنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں رسول اللہ ﷺ کا ان کی امت کے حق میں گواہی دینا مقصود ہے۔ (علیکم کی تقدیم کیا لطف دے رہی ہے)

القبلۃ کی مراد:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا : (اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے) یعنی نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو

کبیرۃ کی تفسیر:

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً: (بے شک یہ گراں گزرتی ہے) یعنی تحویل یا جعل یعنی کرنا یا قبلہ نحو۔ کانت کی ضمیر ان تینوں میں سے کسی ایک کی طرف ہے۔

الکبیرۃ بھاری اور گراں۔ یہاں اِنْ دراصل اِنَّ ہے اور لکبیرۃ کان کی خبر ہے اور یہ لام ان ثقیلہ اور مخففہ میں فرق کیلئے لایا گیا ہے۔

اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ: (مگر ان پر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کو ہدایت و اتباع رسول پر صدق و ثابت قدم فرمایا۔

ایمان سے مراد نماز ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ: (اور اللہ یہ نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان) ایمان سے مراد بیت المقدس کی طرف پڑھی جانے والی نمازیں ہیں۔ نماز کو یہاں ایمان فرمایا۔ کیونکہ نماز اہل ایمان پر واجب ہے اور وہی اس کو قبول کرنے والے ہیں اور جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی علامت ایمان ہے۔

شان نزول۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا تو صحابہ کرام نے کہا۔ ان لوگوں کا کیا بنے گا؟ جو تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت اتری۔ (بخاری و مسلم)

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ: (بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت رکھنے والے بڑے مہربان ہیں) یہ نفی کی تعلیل ہے۔
(یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی مہربانی و رحمت جو ان کے عمل کے مطابق تمہیں تلف کرے)

اختلاف قراءت: حجازی، شامی، حفص رحمہم اللہ نے لَرَءُوْفٌ کو فعول کے وزن پر ہمزہ کو خوب ظاہر کر کے پڑھا اور دیگر قراء نے فَعُلٌ کے وزن پر اختلاس حرکت کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ الرأفۃ بہت زیادہ رحمت، شفقت۔ رحیم مہربان تو ان کے اجر و ثواب کو ضائع نہ کرے گا۔

نکتہ: دونوں کو اسی طرح جمع کر دیا جیسا بسم اللہ میں الرحمٰن الرحیم کو (بہت زیادہ رحمت کو مقدم اور خصوصی کو مؤخر لایا گیا۔ نیز مقطع آیات کا بھی لحاظ ہو گیا)

توقع رسول اللہ ﷺ:

۱۴۴: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ: (ہم دیکھتے ہیں آپ کے منہ کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا) انقلاب کا معنی بار بار چہرے کا گھمانا اور نگاہ کو آسمان کی طرف پھیرنا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے توقع رکھتے تھے کہ وہ آپ کا رخ کعبہ کی طرف ابراہیم کی موافقت اور یہود کی مخالفت میں پھیر دیں کے واسطے کہ آپ اہل عرب کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور کعبہ اہل عرب کیلئے باعث فخر زیارت گاہ اور طواف کا مقام تھا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا: (پس ضرور پھیر دیں گے ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں)

فلنولینک کا معنی نمبر۱۔ ضرور ہم آپ کو اس کے استقبال پر قدرت عطا کر دیں گے۔ جس طرح عرب کہتے ہیں۔ ولیتہ کذا۔ جب تم اس کو اس چیز کا والی بنا دو۔

نمبر۲۔ ہم آپ کو بیت المقدس کی سمت کی بجائے بیت اللہ کی سمت کے قریب کر دیں گے۔

ترضھا۔ تو پسند کرتا ہے اور اس کی طرف تجھے اغراض کے پیش نظر میلان رکھتا ہے۔ مگر ان اغراض دینی میں سے جو کہ موافق اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کی موافقت کرنے والا ہے۔

قولہ: وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (تو اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف)

شطر کا معنی:

اصل میں "النصف"۔ پھر طرف کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہ ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی اجعل تولیۃ الوجہ تلقاء المسجد۔ یعنی اس کی طرف اس کی سمت میں۔

عین قبلہ کا استقبال دور والے کے لئے مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی بجائے مسجد حرام کا تذکرہ کر کے بات کر دی کہ جہت قبلہ کی رعایت ضروری ہے۔ عین کعبہ کی نہیں۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ قدوم رنجہ فرمانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

(تحویل قبلہ کی تاریخ کے مطابق ۱۵ رجب بروز پیر دوپہر بوقت زوال ہوئی جبکہ ہجرت ۸ ربیع الاول بروز سوموار اور مدینہ میں ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار تشریف آوری ہوئی۔ اس سے سولہ ماہ اور چند دن بنتے ہیں)

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ (اور تم جہاں کہیں ہو) یعنی جس زمین میں بھی ہو اور نماز کا ارادہ کرو۔

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ (تم اپنے منہ اس کی طرف کر لیا کرو اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے) یعنی تحویل قبلہ برحق ہے کیونکہ بشارات انبیاء میں موجود تھا کہ وہ رسول دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔

واحدی کا قول:

(بقول واحدی آپ نے مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھی تو اسی میں تحویل ہوئی یہ مسجد قبلتین ہے۔ بخاری میں ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف پڑھی جانے والی عصر تھی۔ اہل قبا نے دوسرے دن فجر میں تحویل کی خبر پر عمل کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ کعبہ کے اندر آپ نے دو ستونوں یا ایک کے درمیان بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی۔

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں)

اختلاف قراءت:

مکی، ابو عمرو، نافع، عاصم رحمہم اللہ نے یعملون پڑھا ہے اور دیگر قراء نے تاء کے ساتھ پہلی قراءت کے مطابق یہ کفار سے

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے۔ اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اور نہ ان میں سے بعض دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے ان کے بعد کہ آپ کے پاس

اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

علم آ چکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

لئے وعید ہے ان کے انکار پر سزا سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ضرور انہیں سزا دے گا۔

اور دوسری قراءت کے مطابق ایمان والوں سے قبول و دعا کا ثواب دینے کا وعدہ ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں وہ ضرور ثواب دیں گے۔

تفسیر آیت ۱۴۵: وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ: (اگر آپ لے آئیں تمام دلائل ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی تو وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے)

عنادی لوگ:

اوتوا الکتٰب سے وہ لوگ مراد ہیں جو حسد و عناد رکھتے ہیں۔ ایۃ سے مراد قطعی دلیل کہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ہی برحق ہے۔ ماتبعوا قبلتک وہ آپ کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے کیونکہ ان کا آپ کی اتباع نہ کرنا کسی شبہ کی وجہ سے نہیں کہ جس کو دلیل سے زائل کر دیا جائے۔ تو وہ مان لیں بلکہ ترک اتباع محض حسد و عناد اور ضد کی وجہ سے ہے اسلئے کہ وہ آپ کی صفات اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ جس سے آپ کا حق پر ہونا ان کو خوب معلوم ہے۔ ماتبعوا یہ جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے قائم مقام آیا ہے۔

تمنائے یہود کا جواب:

وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ: (اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں) اس میں اہل کتاب کی رسول اللہ ﷺ کے متعلق رجوع الی القبلہ کی تمنا کو ختم کرنا مقصود ہے۔ واضح ہو کہ اس سلسلہ میں وہ بڑے بے تاب تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ممکن ہے ہم ان کو وہی پیغمبر مان لیتے اور یہ بات صرف اس خاطر کہتے تھے کہ آپ دوبارہ ان کے قبلہ کی طرف رخ پھیر لیں اور قبلہ آپ کا دوبارہ ایک ہو جائے حالانکہ یہود و نصاریٰ کا خود ایک قبلہ نہیں۔ مگر باطل پر اور حق کے خلاف ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ (قبلتهم [illegible]) جب انکے قبلے دو ہیں تو آپ [illegible] قبلہ [illegible] کو واحد [illegible] ہے۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ (اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں)۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (اگر آپ ان کی خواہشات کا اتباع کریں اس علم کے بعد جو

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے

مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

آپ کے رب کی طرف سے۔ اور اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

مسجد حرام کی طرف پھیر دیجئے۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر دو

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے، بجز ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں سو تم ان سے نہ ڈرو

وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

اور مجھ سے ڈرو، اور تاکہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

سبقت کی تفسیر میں اقوال:

فاستبقوا الخیرات تم بھلائیوں کی طرف دوسروں سے آگے بڑھو خواہ وہ قبلہ کا معاملہ ہو یا دیگر امور۔ اینما تکونوا۔ یعنی جہاں بھی تم ہو اور تمہارے دشمن ہوں گے۔ یات بکم اللہ جمیعا۔ اللہ عزوجل تم کو لے آئے گا قیامت کے دن تاکہ حق پرست اور باطل پرست کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

دوسرا قول:

(اے امت محمد) تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک طرف ہے جنوبی یا شمالی یا شرقی یا غربی جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتا ہے تم اطراف کے قصدوں کی طرف سبقت کرو۔ وہی اطراف کعبہ کی جہت ہے اگرچہ وہ مختلف ہیں۔ این ما تکونوا تم مختلف جہات میں سے جس طرف ہو گے۔ یات بکم اللہ جمیعا۔ اللہ تعالیٰ تم کو جمع کر دیں گے اور تمہاری نماز کو اس طرح قرار دیں گے گویا وہ ایک طرف ہی پڑھی گئی اور گویا تم سب مسجد حرام میں حاضر ہو کر نماز پڑھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

تفسیر آیت ۱۴۹:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (جس جگہ سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو بے خبر نہیں) و من حیث خرجت تم سفر کے لئے نکلو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ جب نماز پڑھو۔

وانہ۔ بے شک یہ حکم تیرے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

قراءت: (ابو عمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا یعملون۔

تفسیر آیت ۱۵۰ ۔ وجہ تاکید:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ: (اور اے محمد ﷺ جہاں کہیں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اسی طرف کر لیا کرو۔ بعض حضرات نے حکم کو دوبارہ بیان کرنے کی تاکید کی اور حکم کو پختہ کر دیا کیونکہ نسخ کا حکم بڑی قوت و شدت کا باعث ہے پس مناسب ہوا کہ مسئلہ وہ دہرانے کی وجہ سے ثابت قدم ہو جائیں اور یہ ایک موقعہ ہے وہ چیزیں متعلق کیں جو دوسرے مقام میں متعلق نہ کیں۔ جس سے اس دہرانے سے فوائد مختلف ہو گئے۔ پہلی مرتبہ شرف نبوی کو اول مرتبہ ذکر کیا۔ پھر علت ذکر کی۔ کہ ہر ایک کا قبلہ الگ ہوتا ہے اس آیت میں شرف نبوی و علت دونوں کو ذکر کر دیا۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ (تاکہ لوگوں کا تم پر الزام نہ رہے) اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے سلسلہ میں حجت کا طریقہ سمجھایا جو کہ ولکل وجهة میں ذکر کیا۔ الناس سے مراد یہود ہیں۔ علیکم حجة تورات میں جو تحویل قبلہ مذکور ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ رہے۔ یہاں معاندین کی بات کو حجت کہا کیونکہ وہ اپنی بات بطور حجت ہی کرتے تھے۔

ترک بیت المقدس قوم کی رعایت سے:

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ (سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں) نمبر ۱۔ یہ الناس سے استثناء ہے یعنی تاکہ لوگوں کے پاس کوئی حجت جس سے وہ تم پر اعتراض کر سکیں نہ رہے۔ مگر ظالم کہ ان کے پاس تو سرے سے حجت ہو ہی نہیں۔ یہود اس طرح کہتے ہیں۔ کہ اس نے بیت المقدس کا قبلہ اپنی قوم کی رعایت کی خاطر ترک کیا ہے اور اپنے وطن کی محبت کی خاطر چھوڑا ہے۔ اگر یہ حق پر ہوتے تو انبیاء کے قبلہ کو لازم پکڑتے۔

ظالم سے مراد کون؟

نمبر ۲۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ عرب کے پاس تمہارے خلاف الزام اعتراض نہ رہے۔ کہ تم نے کعبہ کی طرف منہ کرنا ترک کر دیا۔ جو کہ ابراہیم و اسماعیل کا قبلہ ہے جو کہ تمام عرب کے جد امجد ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں اہل مکہ۔ جب کہ جواب میں اس طرح کہنے لگے ہیں کہ اب یہ اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ کی طرف لوٹنا شروع ہوئے ہیں۔ عنقریب اگلے دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔

طعن سے مت گھبراؤ:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔ تاکہ میں اپنا فضل تم پر پورا کروں اور تم ہدایت پاؤ) فلا تخشوهم یہ فعل متانف بطور تنبیہ لایا گیا ہے۔ کہ تم اے مسلمانو! کفار کے قبلہ کے سلسلہ میں طعن و تشنیع سے مت گھبراؤ۔ ان کے طعن تمہارا کچھ بھی نقصان نہ کر سکیں گے اور مجھ سے ڈرو اور میرے حکموں کی مخالفت نہ کرو۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم

نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید مراد ہے۔ الحکمۃ سے سنت۔ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون سے مراد وہ باتیں ہیں کہ جن کی پہچان کا سوائے وحی کے کوئی راستہ نہ تھا۔

تفسیر آیت ۱۵۲ : ذکر کی بابت چھ اقوال:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو) نمبر ا۔ فاذکرونی یعنی تم مجھے عبادت سے یاد کرو۔ اذکرکم میں تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔

دوسرا قول: تم مجھے ثناء سے یاد کرو۔ میں عطاء سے یاد کروں گا۔

تیسرا قول: تم سوال سے یاد کرو۔ میں نوال سے یاد کروں گا۔

چوتھا قول: تم توبہ سے یاد کرو۔ میں معافی سے یاد کروں گا۔

پانچواں قول: تم خلوص سے یاد کرو۔ میں چھٹکارے سے یاد کروں گا۔

چھٹا قول: تم مناجات سے یاد کرو۔ میں نجات سے یاد کروں گا۔

واشکروا لی۔ تم میرا ان نعمتوں پر شکریہ ادا کرو جو میں نے تمہیں دیں۔ ولا تکفرون۔ تم میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

تفسیر آیت ۱۵۳:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (اے ایمان والو مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) صبر سے ہر فضیلت حاصل کی جاتی ہے۔ الصلوۃ نماز ہر برائی سے روکنے والی ہے۔ مع الصابرین۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اور توفیق صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۴: شہداء کے بارے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (اور تم ان لوگوں کو جو لوگ مارے جاتے ہیں اللہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں

وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا

میں کمی کر کے اور خوشخبری سنا دیجئے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَ

کہ بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے خاص مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے اور

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔ ولا تقولوا یہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی ان کی تعداد چودہ تھی۔ اموات یہ مبتدا محذوف ھم کی خبر ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ بل احیاء یعنی وہ زندہ ہیں۔

عدم شعور کی تفسیر:

لا تشعرون۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے۔ کیونکہ شہید کی زندگی حسًا معلوم نہیں ہو سکتی۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کا رزق ان کی ارواح کو پہنچایا جاتا ہے پس ان کو راحت و خوشی پہنچتی ہے جیسا کہ آل فرعون کی ارواح پر صبح و شام پیش کی جاتی ہے۔ پس ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کو جنت کے پھلوں سے رزق ملتا ہے اور اس کی ہوائیں ان کو پہنچتی ہیں۔ مگر وہ جنت میں نہیں۔

معمولی مصائب سے آزمائش:

۱۵۵۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کسی قدر ڈر اور بھوک اور اموال و انفس و پھلوں کی کمی سے اور اے محمد ﷺ خوشخبری سنا دیں صبر کرنے والوں کو) ولنبلونکم یعنی ہم کسی قدر مصائب پہنچا کر برکات ہدایہ سے مستفید کریں گے جیسے کوئی کسی کو آزماتا ہے آیا وہ ان پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور اطاعت پر باقی رہتے ہیں یا نہیں۔ بشیء۔ یعنی تھوڑے سے ان مصائب میں سے اور معمولی سے۔ تنوین تقلیل کی ہے۔ لا کر اجمالی قلت بیان کر دی۔ تاکہ بتلا دیا جائے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے خواہ وہ کتنی بڑی ہو مگر وہ ان مصائب کے مقابلہ میں قلیل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہوا ہے۔ تاکہ ان بندوں کو بتلا دیا جائے کہ اللہ کی رحمت کسی حال میں بھی بندے سے جدا نہیں اور مصیبت کے وقوع سے پہلے یہ پیشگوئی اس لئے دی تاکہ نزول مصائب کے وقت نفس مطمئن رہے

اور وہ پریشانی کے وقت اس کو برداشت کرنے کا ثواب پالے۔ من الخوف۔ خوف سے دشمن کا خوف یا اللہ کا خوف مراد ہے۔ والجوع سے قحط یا بقول امام شافعی یعنی صوم رمضان مراد ہے۔ ونقص من الاموال والانفس۔ یعنی مویشیوں کی موت یا ہجرت سے (تو یہ ہوگی)

نحو: اس کا عطف شیء پر یا الخوف پر ہے یعنی شیء من نقص الاموال۔ تھوڑی سی اموال کی کمی سے والانفس۔ نفوس کی کمی قتل یا موت یا مرض یا بڑھاپے سے۔ والثمرات۔ ثمرات کی کمی سے۔ یعنی کہ ثمرات (فصل وغیرہ) یا اولاد کی موت (بچہ دل ثمرہ ہے) اولاد بمنزلہ ثمرہ قلب ہے۔

صبر والے لوگ:

بشر الصابرین۔ تم انکو خوشخبری دو۔ جو ان مصائب پر صبر کرنے والے ہیں۔ یا مصائب کے وقت انا للہ کہنے والے ہیں۔ کیونکہ استرجاع اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسکے حکموں پر یقین کرنا ہے حدیث میں آتا ہے جس نے مصیبت کے وقت استرجاع کیا اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت کو درست کر دیتے ہیں اور اسکا انجام اچھا کر دیتے ہیں اور اسکا اچھا پسندیدہ بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ (بیہقی۔ طبرانی)

روایت ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ کا چراغ بجھ گیا۔ تو آپ ﷺ نے انا للہ پڑھا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں! ہر وہ چیز جس سے مومن کو ایذا پہنچے۔ (ابوداؤد)

حکم کا مخاطب:

نمبر ا۔ کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا۔
نمبر ۲۔ دوسرا قول: ہر وہ شخص مراد ہے جو بشارت کے لائق ہو۔

تفسیر آیت ۱۵۶:

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)

نحوی تحقیق:

نمبر ا۔ الذین۔ صابرین کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے اس صورت میں اس پر وقف نہیں۔ بلکہ راجعون پر وقف ہے۔
نمبر ۲۔ صابرین پر وقف کریں تو الذین مبتدا ہے اور اولئک خبر ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ وجہ ہے کیونکہ الذین اور اس کا صلہ وغیرہ صبر کا بیان ہے۔ اذا اصابتھم مصیبۃ سے مراد ناپسندیدہ بات ہے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصابت کا معنی تکلیف پہنچنا ہے۔ مصیبۃ پر وقف نہیں کیونکہ قالوا یہ اذا کا جواب ہے اور یہ شرط جزاء مل کر الذین کا صلہ ہے۔ انا للہ یہ اللہ کی بادشاہت کا اقرار و اعتراف ہے اور انا الیہ راجعون اپنے نفوں کے متعلق فنا کا اقرار ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اسی حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے

وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمن ہے رحیم ہے۔

ویلعنھم اللعنون (بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں وہ کھلی نشانیاں جو ہم نے فیصلہ اور ہدایت کی اتار دیں۔ اسکے بعد کہ ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کیلئے بیان کر دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں) الذین یکتمون یہ چھپانے والے علمائے یہود ہیں۔ ما انزلنا جو اتاری یعنی تورات۔ البینٰت سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو حضرت محمد ﷺ کے متعلق شاہد عدل تھیں۔ الھدٰی۔ ہدایت سے مراد آپ ﷺ کے وصف کے سبب اسلام کی طرف راہ پانا ہے بیناہ جس کو ہم نے واضح کر دیا۔

للناس فی الکتاب۔ لوگوں کے لئے تورات میں کہ اس میں کوئی اشکال کی وجہ نہیں چھوڑی مگر انہوں نے اس واضح کا قصہ کر کے اس کو چھپا دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں اور ان پر ملائکہ اور مؤمن لعنت کرتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۶۰:

الا الذین تابوا واصلحوا و بینوا فاولئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم (مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور صاف صاف بیان کر دیا۔ پس یہ لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہوں) الا الذین تابوا مگر جن لوگوں نے کتمان حق اور ترک ایمان سے توبہ کی۔ اور اصلحوا اور اصلاح کر لی ان خرابی کی جو کر بیٹھے تھے اور جو خرابی کی تھی اس کا تدارک کر لیا۔ فاولئک اتوب علیھم۔ ان کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

مستحقین لعنت:

۱۶۱: ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین (بے شک جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مر گئے انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام آدمیوں کی پھٹکار ہے) ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار۔ یعنی ان حق چھپانے والوں میں سے جو مر گئے اور توبہ نہ کی۔

کیا الناس سے مومن و کافر دونوں مراد ہیں:

اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔ ان پر خدا ملائکہ تمام مومنوں کی زندگی اور موت کے بعد لعنت

ہوگی۔ الناس سے مؤمن مراد ہیں۔ یا مؤمن و کافر دونوں مراد ہیں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۳۸ میں فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا کہ جب ان میں سے ایک جماعت جہنم میں داخل ہو چکی ہوگی تو اپنے بعد میں آنے والی جماعت کو لعنت کرے گی۔

تفسیر آیت ۱۶۲..... ینظرون کا معنی:

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (ان سے عذاب کو ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ملے گی)

خالدین یہ علیہم کی ھُم ضمیر سے حال ہے فیہا اس لعنت میں [یا آگ میں ضمیر لائی گئی اس چیز کی بڑائی بیان کرنے اور ڈرانے کے لئے۔ جن سے عذاب کو ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ نمبرا۔ ینظرون انظار سے ہے جس کا معنی مہلت دینا ہے۔ یعنی معذرت کرنے کے لئے مہلت نہ دی جائے گی۔

یا دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ نظر سے ہے کہ ان کو نظر رحمت سے نہ دیکھا جائے گا۔ جیسا فرمایا۔ ولا ینظر الیہم یوم القیمۃ (الآیۃ)

تفسیر آیت ۱۶۳:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (تمہارا معبود وہ ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے)۔

لہٗ واحد الوھیت میں یکتا ہے۔ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ دوسرے کو اللہ کا نام دینا درست ہے۔ لا الٰہ الا ھو۔ اس میں وحدانیت کی تقریر اور غیر کی نفی اور اس کے لئے اثبات ہے۔

نحوی تحقیق:

ھو مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ موضع لا الٰہ کا بدل ہے یہاں نصب جائز نہیں۔ کیونکہ بدل دلالت کرتا ہے کہ اثبات دوسرے پر ہے اور آیت میں مقصود بھی یہی ہے۔ اگر نصب مانیں تو اس میں استثنا پر اعتماد ہوتا ہے (جو کہ درست نہیں) نحوی تحقیق: الرحمٰن الرحیم۔ مرفوع ہے یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی وہ تمام نعمتیں۔ دو اصول ہوں یا فروع ان کا والی ہے۔ کوئی چیز اس کے سوا یہ صفت نہیں رکھتی۔ جو اس کے سوا ہے وہ یا تو خود نعمت ہے بلکہ بدل ہیں کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔ اب مطلب یہ ہوا کوئی معبود نہیں مگر وہی یعنی بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ

بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور

الْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ

آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے زمین میں ہر قسم کے

دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ

چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

توحید کے دلائل عقلیہ:

۱۶۴۔ شانِ نزول: مشرکین کو ایک معبود پر تعجب ہوا تو انہوں نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو یہ آیت اتری۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور دن رات کی آمد و رفت میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں وہ چیزیں لے کر جس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا۔ اس کی موت کے بعد اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع کیے ہوئے ہیں۔ ان سب میں سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں) اختلاف الیل والنھار۔ دن و رات۔ رنگ میں۔ طول و قصر میں اور آنے جانے میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں مختلف ہیں۔ بما ینفع الناس۔ کشتی میں جو چیزیں لاد کر لائی جاتی ہیں۔ اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا کشتیاں لوگوں کے نفع کے ساتھ چلتی ہیں۔ یعنی چلنے میں فائدہ ہے۔ من السماء۔ یہ من ابتدائیہ ہے۔ سماء سے بادل مراد ہے یا یہ کہا جائے کہ آسمان سے اترنے والی بارش اور دوسری چیزیں ہیں۔ فاحیا بہ۔ اس کو انزل پر عطف کیا۔ بہ یعنی پانی کے ساتھ۔ الارض بعد موتھا۔ موت سے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

اور جو لوگ ایمان لائے انہیں اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے۔　اور اگر دیکھ لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔　اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مراد خشک ہونا ہے وہ بعد موت کو احیاء پر معطوف کیا۔ بثَّ کا معنی بکھرنا ہے فیہا یعنی زمین میں من کل دابة۔ دابة وہ ہے جو رینگ کر چلے۔

ہواؤں کے پھیرنے کا معنی:

و تصریف الریاح۔ پھیرنا۔ ہواؤں کا پھیرنا ان کا مشرق و مغرب اور جنوب و شمال سے چلنا اور گرم و ٹھنڈا اور تند، ہلکا اور فائدہ مند اور مضر ہونا ہے۔

پھیرنا۔ دوسرا قول کبھی رحمت کی اور کبھی عذاب کی۔ السحاب المسخر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطیع ہیں۔ جہاں چاہتا ہے وہاں برستے ہیں۔ بین السماء والارض آسمان و زمین کے درمیان یعنی فضا میں لقوم یعقلون۔ عقل مندوں کے لئے جو عقل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

پس ان اشیاء سے ان کے ایجاد کرنے والے کی عظیم قدرت اور نو ایجاد کرنے والے کی حکمت اور پیدا کرنے والے کی وحدانیت پر استدلال کرنے والے ہیں۔

عظیم فائدہ:

حدیث شریف میں فرمایا جس نے یہ آیت پڑھی اور اس میں سوچ و بچار کر کے اس سے عبرت حاصل نہ کی اس کے لئے ہلاکت ہے۔ (ثعلبی)

موحد و مشرک کا انداز محبت:

۱۶۵: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (بعض لوگ اللہ کے سوا اوروں کو شریک بناتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کو ان سے زیادہ اللہ کی محبت ہے اگر کبھی ان ظالموں کو دیکھے جب یہ عذاب دیکھیں گے تو پتہ چلے

خوف کا وقت ہوگا) اس لئے کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لئے ہے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے) ومن الناس۔ یعنی اس واضح دلیل کے بعد بھی لوگ من دون اللہ انداداً۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ یحبونھم۔ یعنی بتوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں یعنی بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی محبت میں برابری کرتے ہیں کیونکہ وہ ذات باری تعالیٰ کا اقرار کرتے اور اس کا قرب ان کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا قول: ان سے وہ محبت کرتے ہیں جس طرح مومن اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں والذین آمنوا اشد حبا للہ۔ اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے۔ مشرکین کی اس محبت کے مقابلے میں جو ان کو اپنے معبودوں سے ہے۔ کیونکہ مومن کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑنے والا نہیں۔ بخلاف مشرکین کے کہ وہ سخت مصائب میں اپنے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے سامنے گڑگڑاتے اور عاجزی کرتے ہیں۔

اختلاف قراءت:

ولو یری۔ کو نافع اور شامی نے ترى پڑھا ہے اس صورت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہوگا۔ یا ہر مخاطب کو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب اگر تو وہ منظر دیکھے تو بہت سخت معاملہ دیکھے گا۔ الذین ظلموا۔ سے مراد شریک بنانے والے لوگ ہیں۔ اذ یرون کو یا کے ضمہ کے ساتھ یُرون شامی نے پڑھا ہے اول صورت میں جب وہ دیکھیں گے اور دوسری صورت میں جب وہ دکھائے جائیں گے۔

ناقابل بیان حسرت:

العذاب ان القوۃ للہ جمیعا۔ جمیعاً یہ حال ہے۔ وان اللہ شدید العذاب۔ یعنی سخت ہے ان کا عذاب۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا۔ اگر یہ لوگ جو اپنے شرک کے سبب ظلم عظیم کا ارتکاب کرنے والے ہیں جان لیں کہ ہر چیز پر ثواب و عقاب کی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ان کے معبودوں کو نہیں اور وہ ظالموں کو دیئے جانے والے سخت عذاب کو بھی جان لیں۔ جبکہ قیامت کے دن اس عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ تو ان کو ناقابل بیان حسرت و افسوس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہاں لو کا جواب حذف کیا گیا ہے کیونکہ جب کسی شوق مند چیز یا خطرناک چیز پر داخل کریں۔ تو اس کا جواب بہت کم ساتھ لایا جاتا ہے۔ تاکہ دل اس میں ہر راستے پر جائے۔ جبکہ یہ ماضی پر داخل ہو اسی طرح اذ کی وضع بھی ماضی پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

سوال: مگر یہاں دونوں۔ لو اور اذ مضارع پر داخل ہوئے ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے کلام میں مستقبل بھی ماضی کی طرح قطعی اور سچا ہے۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے

بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا

ان کے آپس کے تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو دوبارہ نصیب ہو جائے تو ہم ان سے بیزار ہو جائیں جیسے کہ

تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ

وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اسی طرح دکھائے گا ان کو اللہ ان کے اعمال سراسر حسرت بنا کر۔ اور وہ

بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔

تفسیر آیت ۱۶۶:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ۔ (یاد کرو اس وقت کو جب الگ ہو جائیں گے وہ سردار جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے)

اختلافِ قراءت:

اذ تبرّا۔ عاصم کے علاوہ قرائے عراق نے سارے قرآن میں جہاں ذال اور تاء جمع ہوں تو وہاں ادغام کر کے پڑھا ہے۔

نحوی تحقیق:

یہ اذ یرون سے بدل ہے الذین اتبعوا سے مراد رؤسا ہیں جن کی پیروی کی گئی۔

من الذین اتبعوا سے مراد تابعین پیروکار۔ ورأوا العذاب۔ واو حالیہ ہے ای تبرءوا فی حال رؤیتہم العذاب۔ یعنی وہ عذاب دیکھنے کی حالت میں بیزاری کا اظہار کریں گے۔ وتقطعت۔ اس کا عطف تبرّأ پر ہے ای تبرّأ و تقطعت۔

تعریف سبب:

بہم الاسباب۔ اسباب سبب کی جمع ہے وہ تعلق مراد ہے جو ایک دین پر ہونے کی وجہ سے ان کے مابین تھا۔ اسی طرح نسب و محبت کا تعلق بھی اس میں شامل ہے اصل سبب ملانے والے ذریعہ کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۶۷: …… اعمال پر حسرتیں:

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ

دوسرا قول یہ ہے مما فی الارض سے حال ہے یعنی تم کھاؤ زمین کی چیزیں اس حال میں کہ وہ حلال ہوں۔ طیباً۔ ستھری یعنی ہر شبہ سے پاک۔ وَلَا تتبعوا خطوات الشیطان۔ خطوات سے وہ راستے مراد ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ یہ خطوۃ کی جمع ہے قدموں کی درمیانی مسافت کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں اتبع خطواتہ یعنی اس نے اقتداء کی یا اس کے طریقے پر چلا۔

اختلاف قراءت:

خطوات کو ابوعمرو نے طاء کے سکون سے خطْوات پڑھا ہے۔ عیاش، نافع، حمزہ، ابوبکر نے طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا خطُوات۔

انہ لکم عدو مبین۔ بے شک وہ تمہارا ایسا دشمن ہے جس کی عداوت ظاہر ہے اس میں ذرہ بھر اخفا نہیں۔ مبین کا لفظ ابان سے ہے یہ متعدی و لازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ظاہری تضاد کا ازالہ:

سوال: والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۷ اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب: وہ آیت اس کے خلاف نہیں کیونکہ طاغوت سے مراد شیطان ہے اور اس کی دوستی فقط ظاہر میں ہوتی ہے اس ظاہری دوستی جتانے کی وجہ سے اولیاؤھم الطاغوت فرما دیا گیا۔ ورنہ باطن میں تو وہ دشمن ہے۔ وہ دوستی انسان کو حزین کرنے کے لئے کرتا ہے ورنہ دشمن کی بات کون مانتا ہے اور اس کا اصل مقصد ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

تفسیر آیت ۱۶۹:

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بے شک وہ تمہیں بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ پر تم وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے) انما یامرکم۔ اس میں بیان کیا کہ اس کی اتباع سے بچنا ضروری ہے اور اس سے ظاہر میں عداوت رکھنی چاہیے۔ یعنی شیطان کبھی بھی بھلائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ بلاشبہ وہ تمہیں حکم دے گا۔

سوء و فحشاء کا فرق:

نمبر ۱۔ بالسوء۔ برائی کا۔ والفحشاء اور بے حیائی کا۔ فحشاء وہ کام جو قباحت میں حد سے بڑھ جائے۔

دوسرا قول: سوء جس گناہ میں حد نہیں آتی۔ الفحشاء۔ جس میں حد لازم ہو جاتی ہے۔

نحو: بالسوء پر عطف کی وجہ سے ان تقولوا محل جر میں ہے ای بان تقولوا۔ ما لا تعلمون جو تم نہیں جانتے جیسے تم کہتے ہو یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

مسئلہ: اس میں ہر بات شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنی درست نہیں مگر وہ اس کی طرف منسوب کر دی گئی ہو۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔ اور مثال ان لوگوں کی

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ

جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلاوے کے بہرے ہیں گونگے ہیں

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

تفسیر آیت ۱۷۰:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر چلو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا۔ اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں۔ تو پھر بھی ان کے راستہ پر چلیں گے)

ضمیر کا مرجع:

نمبر ۱۔ واذا قیل لهم اتبعوا۔ ضمیر جمع کی الناس کی طرف لوٹتی ہے اور التفات کے طور پر ان سے رخ پھیرا گیا گویا اس طرح کہا۔ عقل مندوں کی طرف توجہ کرکے کہ ان احمقوں کو دیکھو۔ کہ ٹھیک بات بتلائی تو کیا جواب دیا؟

نمبر ۲۔ دوسرا قول: هُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے۔

نمبر ۳۔ تیسرا قول: یہ یہود کا ایک گروہ تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایمان و قرآن کی طرف بلایا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ قالوا بل نتبع ما الفینا۔ الفینا کا معنی وجدنا ہے علیه اٰبآءنا جس پر ہم نے آباء کو پایا وہ ہم سے بہتر تھے اور زیادہ علم والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولو کان اٰباؤهم۔ سے ان کی تردید کی۔ واؤ اس میں حالیہ ہے ہمزہ تعجب اور تردید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا یہ ان کی اتباع کریں گے اگر ان کے آباء دین کی کوئی بات نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی درست راستے کی طرف راہ پانے والے ہوں۔

سابقہ آیات سے ربط:

پہلے ان کی تردید کی پھر ان کے متعلق مثال بیان فرمائی۔

تفسیر آیت ۱۷۱:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چیخ چیخ کر ایسی چیز کو پکار رہا ہو جو سوائے چلانے اور پکارنے کے کچھ نہیں سنتی۔ بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ کچھ نہیں سمجھتے) ومثل الذین کفروا۔ اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای داعی الذین کفروا کمثل الذی ینعق۔ ینعق کا معنی چیختا ہے۔ بما لا یسمع الا دعاء و نداء سے مراد بہائم ہیں۔

مفہوم آیت:

اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان کافروں کو دعوت دینے والے کی مثال جیسے کوئی حیوانات کو آواز دے جو کہ آواز میں سے محض کی مراد آواز کی گونج سنتے ہیں۔ بغیر ذہنوں میں ڈالنے اور سمجھنے کے۔ جیسا کہ بہائم کو آواز دینے والا جو پکارنے والے کی پکار و نداء ہی سنتا ہے جس سے ان کو آواز دیا۔ اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے وہ جانور اس کو نہیں سمجھتے جیسے عقل مند سمجھتے ہیں۔

نعق و نداء میں فرق:

النعیق آواز دینے کو کہتے ہیں جیسے نعق المؤذن نعق الراعی بالغنم۔ چرواہے نے بکریوں کو آواز دی۔ النداء جو سنی جائے۔

الدعاء جو آواز کبھی سنی جائے اور کبھی نہ سنی جائے۔ صُمٌّ۔ یہ ھم ضمیر کی خبر ہے ای ھم صم بکم یہ ان مبتداء کی دوسری خبر ہے عمی یہ خبر ثالث ہے یعنی وہ حق سے اندھے ہیں۔ فھم لا یعقلون۔ پس وہ نصیحت کو نہیں سمجھتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرنے کے وقت

اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ

غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

سابقہ آیات سے ربط: تفسیر آیت ۱۷۲:

اس میں بتلایا کہ جن چیزوں کو مشرکین حرام قرار دینے والے ہیں وہ حلال ہیں چنانچہ فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو رزق دیا ہے اس سے حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو) یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم۔ (۱) طیبات سے مراد لذیذ چیزیں (۲) حلال چیزیں واشکروا للہ اور تم اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ جس نے تمھیں رزق دیا۔ ان کنتم ایاہ تعبدون۔ اگر یہ واقعی سچ ہے کہ تم عبادت کے ساتھ اس کو خاص کرنے والے ہو اور اس بات کے اقراری ہو کہ تمام نعمتیں فرمانے والے وہی ہیں۔

ماقبل سے ربط... تفسیر آیت ۱۷۳:

اب حرام چیزوں کو بیان کیا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (بے شک اس نے حرام کیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر پکارا گیا اللہ تعالیٰ کے غیر کا نام پھر جو کوئی مجبور ہو جائے نہ ہو خلاف کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

میتہ کی تعریف:

انما حرم علیکم المیتۃ میتہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کی روح ذبح سے پاک کرنے کے بغیر نکل جائے۔ انما حرمت میتہ کو ثابت کرنے اور ماسوا کی نفی کے لئے ہے ای ماحرم علیکم الا المیتۃ۔ نہیں حرام کیا تم پر مگر مردار۔ والدم۔ بہنے والا خون۔ کیونکہ دوسری آیت سورۃ انعام نمبر ۱۴۵ میں او دما مسفوحا ہے۔

دو دم حلال:

اور دو میتہ اور دو دم حدیث سے ان کی حلت ثابت ہے احلت لنا میتتان ودمان السمک والجراد والکبد والطحال (احمد ابن ماجہ) ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ مچھلی۔ ٹڈی۔ جگر اور تلی۔

ولحم الخنزیر۔ یعنی خنزیر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ۔ گوشت کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ کھانے میں وہ اصل ہے۔ وما اهل به لغیر الله۔ یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے۔ الاهلال۔ آواز بلند کرنا یعنی بت کے لئے اس پر آواز بلند کی گئی ہو اور اہل جاہلیت کہتے تھے: باسم اللات والعزی۔ فمن اضطر جو مجبور ہو جائے۔

نحو و قراءت:

نون کو کسرہ دیا دو ساکن آنے کی وجہ سے یعنی نون اور ضاد یہ بصری حمزہ اور عاصم کے نزدیک ہے دیگر قراء طاء کے ضمہ کی وجہ سے نون کو ضمہ دیتے ہیں فَمَنُ اضْطُرَّ۔ غیر یہ حال ہے ای فاکل غیر اس نے کھایا اس حال میں کہ وہ بغاوت کرنے والا نہ تھا۔

باغی کا معنی:

نمبر ا۔ باغ کا مطلب یہ ہے کہ لذت و شہوت کی خاطر کھانے والا نہ ہو۔ ولا عاد ضرورت کی حد سے تجاوز کرنے والا ہو۔

دوسرا قول: کہ امام کا باغی نہ ہو اور سفر حرام کی وجہ سے تجاوز نہ کرنے والا ہو یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ سفر طاعت بغیر ضرورت مباح نہیں اور بلا سفر گھر میں رکا رہنا مباح ہے اور دوسری بات یہ بھی کہ بغاوت اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔ پس وہ محرومی کا حقدار نہیں۔

اور مجبور آدمی کو اتنا کھالینا درست ہے جس سے زندگی بچ جائے اور اس سے آگے وہ نہ کھائے [illegible] کیونکہ اضطراری باعث اتنی مقدار میں ہے جس سے ضرورت ٹل سکے۔ فلا اثم علیه۔ تو اس کو کھا لینے میں گناہ نہیں۔ ان الله غفور۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں تو پھر اضطراری حالت میں مردار کے کھانے سے کیونکر مواخذہ فرمائیں گے رحیم مہربان ہے اس لئے رخصت دے دی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت

اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

تو یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ۔ اور نہ قیامت کے دن ان سے بات کرے گا

وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ

اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو

بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ

ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر۔ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ

نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۷۶﴾

نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ۔ اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ دور کی مخالفت میں ہیں۔

۱۷۴ تا ۱۷۶: شانِ نزول: یہ آیت یہود کے ان سرداروں کے متعلق اتری جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفت تبدیل کر دی اور اس پر رشوت بھی لی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ان آیات کو جو اللہ تعالیٰ نے اتاریں کتاب میں اور اس کے بدلے لیتے ہیں قیمت یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر کر کھاتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یکتمون ما انزل اللہ وہ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا یعنی صفات محمد ﷺ ثمنا قلیلا تھوڑی قیمت یعنی بدلہ یا قیمت والی (مراد دنیا اور اغراض دنیا ہیں)۔

اکل بطن کی تشریح:

اولٰئک ما یاکلون فی بطونہم۔ وہ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے یعنی پیٹ بھر۔ عرب کہتے ہیں فلان اکل فی بطنہ واکل فی بعض بطنہ یعنی پیٹ بھر کھایا۔ الا النار مگر آگ۔ اس لئے کہ جب ایسی چیز کھائی جس کی سزا آگ ہے تو گویا آگ کھائی۔ اور عرب کہتے ہیں۔ اکل فلان الدم کہ فلاں تو خون کھاتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مال دیت کھا جائے۔ کیونکہ دیت خون کے بدلہ میں حاصل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا۔

یا کقولہ کل لیلۃ اکافا۔ اکاف سے ثمن اکاف مراد ہے

وہ ہر رات پالان یعنی پالان کی قیمت کھاتی ہیں ثمن اکاف کو اکاف بہت مناسبت کی وجہ سے کہہ دیا۔

کلام سے مراد:

ولا یکلمھم اللہ۔ ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائیں گے۔ کلام سے مسرور کن کلام مراد ہے یعنی اس طرح کا کلام اخسئوا فیہا ولا تکلمون۔ المؤمنون آیت نمبر ۱۰۸ جو دھتکارنے کے لئے ہے وہ کہا جائے گا۔ ولا یزکیھم۔ نمبر۱۔ نہ ان کو گناہوں کی میل سے پاک کریں گے۔

نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ انکی مدح و ثناء نہ کرے گا۔ ولھم عذاب الیم۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ الیم بمعنی مولم ہے۔

نحو: تینوں جملوں کا عطف انّ کی خبر پر ہے۔ گو یہ دونوں جملے انّ کی خبر ہیں۔

تفسیر آیت ۱۷۵:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ (یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب لیا پس کتنا صبر ہے ان کو آگ پر۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب اتاری اور جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ سخت ضد میں ہیں) اولٰئک یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب یعنی حضرت محمد ﷺ کی تعریف کو چھپایا۔ (تاکہ انکار کریں جو عذاب و گمراہی کا سبب ہیں)۔

استفہام توبیخی:

فما اصبرھم علی النار۔ کتنا صبر ہے ان کو آگ پر یہ استفہام توبیخی ہے یعنی کس چیز نے ان کو صابر بنا دیا اس عمل پر جو آگ کی طرف لے جانے والا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ پر بڑا صبر ہے۔

تفسیر آیت ۱۷۶:

ذلک: اس کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہ عذاب اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتب نازل فرمائی ہیں وہ برحق ہیں۔ اختلفوا جنہوں نے اختلاف کیا یعنی اہل کتاب فی الکتٰب۔ اس میں الف لام جنس کا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں مراد ہیں۔ انہوں نے بعض کتابوں کو برحق اور بعض کو باطل قرار دیا۔

شقاق بعید کا مطلب:

لفی شقاق۔ شقاق کا معنی مخالفت۔ بعید۔ دور یعنی حق سے دور۔

دوسرا قول: ان کا یہ کفر اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن برحق اتارا اور جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا وہ اسکی مخالفت میں مبتلا ہیں جو ہدایت سے بہت دور ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

نیکی اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر۔ اور دے

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

مال اس کی محبت ہوتے ہوئے قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور وہ قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو۔ اور پورا کرنے والے ہیں

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں تنگی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے

الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کو اختیار کیا اور یہی لوگ متقی ہیں۔

تفسیر آیت ۱۷۷:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق و مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیکی ان کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر اور مال کی محبت کے باوجود۔ مال دیا رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ عہد کرتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اصل بر کیا ہے؟

لیس البر ان تولوا تمہارا مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرنا نیکی نہیں اس میں خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ ان کا قبلہ بیت

المقدس کی جانب مشرق تھا اور یہود کا قبلہ بیت المقدس کی مغربی جانب تھا اور ان میں سے ہر ایک کا خیال یہی تھا کہ اصل نیکی اسی
کے قبلہ کی طرف منہ پھیرنا ہے۔ ان کی تردید فرمائی کہ جو تم کہتے ہو یہ درست نہیں بلکہ وہ تو منسوخ ہے۔

نمبر۱۔ ولکن البر۔ لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔

نمبر۲۔ دوسرا قول: نیکی والا وہ ہے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر۔ ان دونوں اقوال کے مطابق مضاف محذوف ہے مگر پہلا قول ان
میں سے عمدہ ہے۔ البر۔ کا معنی ہر نیکی اور ہر پسندیدہ فعل کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے قبلہ کے
معاملے میں بہت دلچسپی لی۔ تو ان کو یہ بات سمجھائی گئی کہ یہ کوئی بڑی نیکی نہیں۔ کہ جس میں مصروف ہو کر تم نیکی کی سب اقسام کو بھول
جاؤ۔ لیکن جو نیکی واجب الاہتمام ہے وہ اس شخص کی ہے۔ جو ایمان لایا اور ان اعمال کو انجام دیا۔

نحو: البر لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ان تولوا بتاویل مصدر اسم ہے۔

اختلاف قراءات:

البر کو نصب کے ساتھ حمزہ اور حفص نے پڑھا ہے اور نافع اور شامی نے ولکنِ البرُّ امام مبرد فرماتے تھے اگر میں قاری ہوتا
تو میں اس طرح پڑھتا۔ لکنَّ البرَّ یہ قراءت میں لکنَّ الذی پڑھا گیا ہے۔

والیوم الآخر۔ آخرت کے دن سے مراد اٹھنے کا دن ہے۔

والملائکۃ والکتاب۔ نمبر۱۔ الف لام کتاب پر جنس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام کتب اگر عہد کا ہو تو قرآن مجید مراد ہے۔ والنبیین
واتی المال علی حبہ۔

ضمیر کے مراجع:

نمبر۱۔ حبہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی مال اللہ تعالیٰ کی محبت میں خرچ کیا۔

نمبر۲۔ یا مال کی طرف یعنی مال کی محبت کے باوجود اس کو دیا۔

نمبر۳۔ الایتاء کی طرف لوٹتی ہے مراد یہ ہے۔ مال دے رہا ہو اس حالت میں کہ وہ اس کے دینے میں دل سے راضی و خوش ہو۔
ذوی القربیٰ۔ قرابت والے ان کو مقدم زیادہ حقدار ہونے کی وجہ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مسکین پر صدقہ تو ایک صدقہ
شمار ہوگا اور رشتہ دار پر صدقہ اور صلہ رحمی کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی' نسائی)

والیتامیٰ۔ یتیم سے مراد قرابت والے فقراء اور یتامیٰ ہیں اور مطلق اسکو لائے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔

مسکین کی تعریف:

والمساکین: جمع مسکین جو لوگوں کی ہمیشہ سکون پکڑنے والا ہو کیونکہ اسکے پاس کچھ نہیں جس سے چلے پھرے مثلاً بھکاری۔ جو ہمیشہ
نقل میں رہتا ہو۔ وابن السبیل اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر مراد اس سے جنس ہے مسافر ابن السبیل کہنے کی وجہ سے سفر کا لازم لیے یا
مہمان ہونے کی وجہ سے ابن السبیل کہا۔ والسائلین۔ سوال کرنے والے سے مراد کھانا طلب کرنے والے۔ وفی الرقاب۔
گردنوں میں سے مراد مکاتبین کی گردنیں آزاد کرانے میں یا قیدی چھڑوانے میں۔ واقام الصلوٰۃ۔ صلوٰۃ سے فرضی نماز مراد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ

آزاد کے بدلے اور غلام کو غلام کے بدلے، اور عورت کو عورت کے بدلے، سو جس شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو مطالبہ کرنا ہے موافق

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

اس کا مطالبہ ہو دستور کے موافق اور اس کی ادائیگی ہو ... یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي

پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔

یہاں زکوٰۃ سے مراد:

وآتی الزکوۃ۔ فرض زکوٰۃ ہے بعض نے کہا دونوں کی تاکید ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اول سے مراد نفلی صدقات اور نیکی کے اعمال ہیں۔ الموفون پورے کرنے والے اپنے عہد کو جب وہ عہد کرتے ہیں۔ اس کا عطف من آمن پر ہے اور عہد سے اللہ کا عہد یا لوگوں کا عہد مراد ہے۔ والصابرین۔ شدائد میں صبر کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے فعل مدح وتخصیص سے منصوب ہے ای امدح الصابرین۔ اسی طرح اعمال کے مقامات کی فضیلت تمام اعمال سے بڑھ ثابت کرنے کے لئے اسے منصوب ذکر کیا۔ فی البأساء۔ بأساء سے فقر وشدت مراد ہے والضراء مرض وبا پانچ ہیں۔ حین البأس۔ لڑائی کا وقت اولئک الذین صدقوا یعنی ان صفات والے ہی وہ لوگ ہیں جو دین میں سچے ہیں اور وہی متقی ہیں۔

آیت: ۱۷۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

(اے ایمان والو فرض کیا جاتا ہے تم پر بدلہ لینا مقتولوں میں۔ آزاد کے بدلے آزاد قتل کیا جائے غلام کے بدلے غلام اور

عورت کے عوض عورت ۔ پس جس شخص کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو دستور کے موافق چلنا چاہیے اور اچھے انداز سے چکانا چاہیے ۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پھر جو شخص زیادتی کرے ۔ اس کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

طرزِ جاہلیت:

روایت میں آتا ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں میں جاہلیت کے زمانے میں خون کا معاملہ تھا اور ایک کو دوسرے پر طاقت اور قوت حاصل تھی ۔ تو انہوں نے قسم اٹھائی ۔ کہ ہم دوسرے قبیلے کے آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کریں گے اور ان کے مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کریں گے اور ایک کے بدلے میں ان کے دو قتل کریں گے ۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے معاملے میں فیصل بنایا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ۔ یایھا الذین امنوا کہ اے ایمان والو ۔ کتب علیکم فرض کردیا گیا ۔

مفہوم قصاص:

علیکم القصاص ۔ قصاص اصل میں برابری کو کہتے ہیں ۔ اصل میں یہ اس محاورے سے لیا گیا ہے ۔ قص اثرہ و قصصہ ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کا پیچھا کیا جائے ۔ اس لئے قصہ کہانیاں بیان کرنے والے کو قاص کہتے ہیں ۔ کیونکہ وہ حکایات کا پیچھا کرتے ہیں ۔ القتلی جمع قتیل ۔ اب مطلب یہ ہوا ۔ کہ تم پر فرض کیا گیا کہ تم برابری اور مساوات اختیار کرو ۔ مقتولین میں الحر بالحر یعنی آزاد پکڑا جائے گا ۔ مقتول ہوگا آزاد کے بدلے العبد بالعبد امام شافعی کا قول آزاد کو غلام کے بدلے میں اس آیت کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا اور ہمارے نزدیک قصاص آزاد اور غلام کے درمیان بھی جاری ہوگا ۔ جیسا اس بیت میں ہے جو سورۃ المائدہ آیت نمبر ۴۵ میں ان النفس بالنفس ۔ کہ جان کے بدلے جان ۔ جیسا کہ مذکر و مؤنث کے درمیان آپ کے اس ارشاد سے المسلمون تتکافؤ دماءھم ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) مسلمانوں کے خون برابر ہیں ۔

نفوس میں تفاضل معتبر نہیں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک جماعت ایک آدمی کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کیا جائے ۔ اس لیے کہ حکم کا کسی نوع سے مخصوص ہونا دوسری نوع کی نفی نہیں کرتا ۔ بلکہ حکم اس میں دلیل کے آنے تک موقوف رہے گا اور یہاں تو دلیل موجود ہے ۔ جیسا ہم واضح کر چکے ۔

عفو کی تحقیق:

فمن عفی لہ ۔ عفو یہ عقوبت کی ضد ہے ۔ کہا جاتا ہے ۔ عفوت عن فلان جب کہ اس سے درگزر کیا جائے اور اس کی سزا سے اعراض کیا جائے ۔ یہ جانی یا جنایت کی طرف متعدی عن کے ساتھ ہوتا ہے ۔ جیسے کہ البقرہ ۵۲ ثم عفونا عنکم پھر ہم نے تمہارا گناہ معاف کردیا اور الشوریٰ کی آیت نمبر ۲۵ و یعفوا عن السیئات ۔ وہ بہت کی برائیاں معاف کرتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو پہلے کی طرف لام سے متعدی ہوگا ۔ جیسے عفوت لہ عن ذنبہ میں نے اسے اس کا گناہ معاف کردیا ۔ اور حدیث میں ہے عفوت لکم عن صدقۃ الخیل والرقیق ۔ (ابوداؤد) میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ تمہیں معاف کردی ۔ یعنی

معافی کے معنے میں ذکر کیا گیا۔ ذلک اس سے مراد خونبہا ہے۔ یعنی کہ جو تم پیچھے ذکر ہوا تخفیف من ربکم ورحمۃ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ اس لئے کہ تورات میں قتل کے علاوہ دوسرا حکم نہیں تھا اور انجیل میں معافی ہی ہوتی تھی۔ دیت کا حکم نہ تھا۔ ہمارے لئے قصاص دونوں اور صلح کے طریقے سے لینا۔ معافی اور دیت کو خاص جائز کیا گیا۔

دلالت آیت:

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا مومن ہے کیونکہ قتل کے پائے جانے کے باوجود ایمان کے ساتھ اس کی تعریف ذکر کی گئی اور ایمان کے ساتھ قائم ہونے والا بھائی چارہ باقی رہا اور وہ تخفیف اور رحمت کا حقدار بن گیا۔

تعدی کی تفسیر:

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ (جو شخص حد سے بڑھا اس کے بعد) یعنی تخفیف کے بعد اور اس نے تجاوز کیا۔ جو اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ جیسے غیر قاتل کو قتل کرنا یا دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو قتل کرنا۔ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ پس اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ الیم سے مراد یہاں آخرت میں سخت دردناک قسم کا عذاب ہے۔

تفسیر آیت ۱۷۹:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو) یہ کلام انتہائی فصیح ہے کیونکہ اس میں غرابت پائی جاتی ہے۔

قصاص جزوی زندگی ہے:

نمبر ۱۔ قصاص میں انسان قتل ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو حیوۃ کے لئے بطور ظرف کے ذکر کیا گیا اور قصاص کو ظرف لایا گیا۔ اور حیوۃ کے نکرہ لانے کو خوب بلاغت ظاہر کر رہی ہے۔ کیونکہ مطلب یہ بنا کہ تمہارے لئے عظیم زندگی اس قسم میں سے جو کہ قصاص ہے۔ بہت بڑی زندگی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کی روک تھام کی کہ جو ان میں ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کو قتل کر دینے کا رواج تھا۔ تو گویا سب کی زندگی بچ گئی۔

نمبر ۲۔ یعنی فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ یعنی خاص قسم کی زندگی ہے۔ یا ایک قسم کی زندگی ہے اور وہ ہے زندگی جو قتل سے رک جانے کی بنا پر حاصل ہوتی۔ کیونکہ اس کو بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ بھی قتل کرے گا۔ تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس لئے جب وہ قتل کا ارادہ کرے گا۔ تو یہ بات یاد آتے ہی وہ قتل سے باز رہے گا۔ پس اس کا ساتھی اس کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جائے گا۔ اور وہ قصاص سے بچ جائے گا۔ پس قصاص کا حکم انسانوں کی زندگی کا سبب بن گیا۔ یاولی الالباب اے عقل والو۔ لعلکم تتقون۔ تاکہ تم قتل سے بچ جاؤ قصاص سے ڈرتے رہو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا

داروں کے لئے وصیت کرے بہتر طریق پر یہ لازم ہے پرہیز گاروں پر۔ پھر جو شخص بدل ڈالے اس کو بعد اس کے

سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ

کہ سن چکا ہے تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ سو جو شخص

خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے جا طرف داری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر آیت ۱۸۰:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ: کتب۔ فرض کیا گیا۔ اذا حضر احدکم الموت۔ جب موت آ موجود ہو موت آ موجود ہونے کا مطلب اسباب موت کا ظاہر ہونا ہے۔

مال کو خیر فرمایا:

خیر۔ کا معنی کثیر مال۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے آزاد کردہ غلام نے وصیت کا ارادہ کیا اور ان کے پاس سات سو درہم تھے۔ تو علی نے اس کو منع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وصیت کے بارے میں فرمایا ان ترک خیرا۔ اگر بہت مال چھوڑے اور تیرے پاس مال نہیں۔ (ابن ابی شیبہ)

الوصیۃ۔ یہ کُتِبَ کا نائب فاعل ہے۔

وصیت وارث:

نمبر ۱۔ ابتدائے اسلام میں وصیت وارث کے حق میں ثابت تھی۔ پھر سورۃ نساء کی آیت میراث سے منسوخ کر دی گئی جیسا کہ ہم شرح المنار میں ذکر کر چکے ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے واضح بیانات ہیں

الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ

اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ سو جو شخص تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے اور جو شخص

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا

مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور دشواری کا ارادہ

يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَ

نہیں فرماتا۔ اور تاکہ تم گنتی پوری کر لیا کرو۔ اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو ہدایت دی

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور تاکہ تم شکر کرو۔

انہیں روزہ و فدیہ کی رخصت دی گئی پھر اختیار آیت فمن شهد منكم الشهر (الآیۃ) اس سے منسوخ ہو گیا۔ اسی وجہ سے فمن كان منكم مريضا (الآیۃ) کو ناسخ و منسوخ دونوں میں ذکر کر دیا تاکہ وہ حکم کی بقاء پر دلالت کرے۔

دوسرا قول: یہ بھی ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔ لا مضمر ہے۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس طرح منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔ فمن تطوع خیرا۔ جو مقدار فدیہ سے زائد ثواب کی خاطر دے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ یعنی تطوع یا خیر اس کے لئے بہتر ہے۔

اختلاف قراءت:

حمزہ و علی رحمہما اللہ نے یطوع بمعنی تطوع پڑھا ہے۔

تفسیر: وَاَنْ تَصُوْمُوْا:

یعنی طاقت والو تمہارا روزہ رکھنا اس تمہارے حق میں فدیہ اور تطوع سے بہت بہتر ہے یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ تمہارا سفر و مرض میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ کیونکہ اس پر زیادہ ثواب ہے اگر تم روزے کی فضیلت کو جانتے ہو گویا ان شرطیہ کا جواب محذوف ہے۔

۱۸۵: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ: (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور معجزہ (حق و باطل میں) فرق کرنے والی بات ہے پس جو شخص موجود ہو تم میں سے اس مہینے میں تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس پر دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتے کہ تم پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے راہنمائی فرمائی ہے تاکہ تم احسان مانو)

نحو: شہر رمضان۔ یہ مبتداء ہے اور الذی اپنے صلہ کے ساتھ اس کی خبر ہے۔

نمبر ۲۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ھو شہر تو حاصل یوں ہوا کہ شہر رمضان کی صفت ہے۔

نمبر ۳۔ کتب علیکم الصیام میں الصیام سے بدل ہے۔

انزل فیہ القرآن: نمبر ۱۔ اس میں قرآن اتارا گیا۔ یعنی جس سے نزول کی ابتداء ہوئی اور لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔

دوسرا قول: انزل فی شانہ۔ کہ اس کی شان میں قرآن مجید اتارا گیا۔ وہ یہ آیت ہے۔

کتب علیکم الصیام۔ رمضان۔ یہ رمض سے مصدر ہے۔ جس کا معنی گرمی سے جلنا ہے۔ پھر شہر کی اضافت اس کی طرف کر کے ایک نام اس مہینے کا مقرر کر دیا۔ یہ غیر منصرف ہے۔ الف، نون، اور تعریف کی وجہ سے۔

رمضان کی وجہ تسمیہ:

اور اس کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں بھوک سے جلتے اور تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ اور انہوں نے مہینوں کے نام انہی اوقات سے رکھے تھے۔ جن میں وہ واقع ہوئے۔ یہ مہینہ گرمی کی شدت میں واقع ہوا اس لئے یہ نام رکھ دیا گیا۔

سوال: حدیث میں آیا ہے من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔ اس میں مضاف اور مضاف الیہ آپس کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

جواب: التباس کا خطرہ نہیں۔ یہ حذف مضاف کی قسم میں سے ہے گویا یہ من صام شہر رمضان ہوا۔

قراءت: القرآن کا لفظ

القرآن یہ پورے قرآن میں غیر مہموز ہے۔ مکی کے ہاں۔

ھُدًی۔ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وہ قرآن اتارا گیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کے لئے حق کا راہنما ہے اور حق کی طرف راہنمائی کے لئے اس میں محکم نصوص ہیں اور قرآن حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی بڑی صفت ہدایت بیان کی۔ پھر فرمایا یہ من جملہ ان واضح دلائل سے ہے جن سے ہدایت ملتی ہے۔ جو فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کتب سماویہ کے ذریعہ حق و باطل میں واضح تفریق کر دی۔

فمن شہد: پس جو شاہد ہو یعنی موجود ہو مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ پس وہ اس میں روزہ رکھے اور افطار جائز نہ کرے۔

نحو: الشهر کا لفظ منصوب ہے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح فلیصمہ کی ہ ضمیر بھی منصوب ہے مفعول فیہ ہے۔ چونکہ مقیم و مسافر بیت میں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

افطار مرض و سفر میں مباح ہے:

ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر عدة مبتدا اور خبر محذوف ہے یعنی فعلیہ عدة ای صوم عدة۔ پس اس پر گنتی کے روزے ہیں۔ یرید اللہ بکم الیسر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اسی لئے سفر و مرض میں افطار کو مباح کر دیا۔ ولا یرید بکم العسر اور تم پر تنگی نہیں چاہتے۔

مسئلہ: جن حضرات نے مریض و مسافر پر افطار کو فرض قرار دیا۔ انہوں نے اس آیت کے مفہوم سے اعراض کیا۔ ولتکملوا العدة۔ تاکہ تم گنتی پوری کرو۔ قضا کے ساتھ جو تم نے افطار کیے۔ جب مرض و سفر زائل ہو جائیں۔ فعل معلل محذوف ہے اور ماسبق اس پر دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لتعلموا ولتکملوا العدة تاکہ تم جان لو اور تاکہ تم اس گنتی کو قضا سے پورا کر لو۔ جو تم نے افطار کیا ہے۔

حکم شکر:

ولتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون۔ (اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور تاکہ تم شکر ادا کرو) شرط محذوف ہے۔ یعنی ان تمام باتوں پر جو مذکور ہوئیں۔ حاضر کو جیسے روزہ کا حکم۔ فوت ہونے ایام کو دوسرے دنوں میں گنتی کو پورا کرنے کا حکم اور رخصت کے وقت افطار کی اباحت پر شکر ادا کرو۔ ولتکملوا گنتی کی رعایت کا حکم جو پایا اس کی علت ہے۔ ولتکبروا اللہ۔ یہ قضا اور افطار کی مہارت سے نکلنے کی جو کیفیت معلوم ہوئی۔ اس کی یہ علت ہے۔ اور لعلکم تشکرون۔ یہ رخصت ملنے کی علت ہے۔

عجیب ترتیب:

یہ عجیب شاندار قسم کی ترتیب ہے۔ تکبیر کو علی سے متعدی کیا گیا اس لیے کہ اس میں حمد کا معنی پایا جاتا ہے۔ گویا یوں فرمایا تاکہ تم اس کی تعظیم کرو اس حالت میں کہ تم اس کی اس بات پر حمد کرنے والے ہو۔ کہ اس نے اپنی طرف سے تمہیں ہدایت دی۔

قراءت: ابوبکر نے ولتکملوا تشدید میم سے پڑھا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک راہ پر رہیں

تفسیر: آیت ۱۸۶:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہیں۔ میں قریب ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرے۔ میں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تا کہ وہ سیدھا راستہ پائیں)

شانِ نزول: ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم چپکے چپکے دعا کریں۔ یا دور ہے کہ زور سے پکاریں۔ تو یہ آیت اتری۔ (تفسیر طبری)

مرادِ قرب:

قرب سے مراد قرب مکانی نہیں۔ کیونکہ اس سے ذات باری تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ قرب علم و اجابت مراد ہے۔ (بلکہ قرب واقعی مراد ہے جس کا ادراک وحی سے ہو سکتا ہے)

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تا کہ وہ سیدھا راستہ پائیں۔

اختلافِ قراءت:

سہل یعقوب ابو عمرو نافع رحمہم اللہ نے سوائے قالون کے حالت وصل میں الداعِ دعانِ کو الداعی دعانی پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے دونوں حالتوں میں بغیر یاء پڑھا ہے۔

اجابت کے درجے:

اجیب اجابت دعا کو توسچا وعدہ ہے وعدہ خلافی نہ ہوگی ہے۔ البتہ جو بات دعا میں حاجت کے پورے ہونے میں توقف ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اجابت دعوت یہ ہے کہ بندہ کہے یا رب پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لبیک عبدی۔ تو یہ بات ہر بندہ مومن کے لئے موجود ہے اور رہی قضائے حاجت یعنی مراد دینا۔ نمبر ا۔ تو اس میں کبھی تو فوراً مل جاتی ہے۔ نمبر ۲۔ کبھی کچھ مدت بعد۔ نمبر ۳۔ اور کبھی آخرت میں ملتی ہے۔ نمبر ۴۔ اور کبھی اس مطلوب چیز کے فساد میں اس کے لئے خیر ہوتی ہے۔ وہ اس سے روک دی جاتی ہے۔ فلیستجیبوا لی۔ پس ان کو میرا حکم ماننا چاہیے۔ جیسے میں ان کو ایمان و اطاعت کی طرف

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف

لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ ع

تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔

وانتم یہ جملہ موضع حال میں ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہو سکتا ہے کسی بھی مسجد میں ہو سکتا ہے کوئی مسجد مخصوص نہیں۔

تلک۔ اس سے ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو ذکر ہو چکے۔ حدود اللّٰہ۔ اللہ کی حدود سے مراد مقررہ احکام ہیں۔ فلا تقربوھا۔ ان کے قریب مت جاؤ۔ یعنی ان کی مخالفت اور تبدیلی کے قریب بھی مت گزرو۔ کذلک یبین اللّٰہ ءایٰتہٖ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر اپنی آیات بیان کرتے ہیں۔ آیات سے مراد احکامات ہیں لعلہم یتقون۔ تاکہ وہ تقویٰ والے بن جائیں۔ یعنی حرام سے بچیں۔

۱۸۸۔ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (اور نہ کھاؤ آپس میں اپنے مال ناحق اور نہ ذریعہ بناؤ ان مالوں کو حاکموں تک رسائی کا کہ کھاؤ تم تھوڑا مال لوگوں کا گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو) ولا تاکلوا۔ تم نہ کھاؤ اپنے اموال اپنے درمیان یعنی تم ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ بالباطل۔ ناحق کے ساتھ یعنی اس طریق سے جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح نہیں کیا اور نہ مشروع قرار دیا ہے۔

ناحق فیصلے کی مذمت:

وتدلوا بہا الی الحکام اور نہ حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے اموال میں سے کچھ کھاؤ یہ مجزوم ہے نہی کے تحت داخل ہے۔ یعنی نہ ڈالو اموال کا معاملہ اور ان کی فیصلہ حکام کے پاس۔ لتاکلوا تاکہ تم کھاؤ۔ یعنی فیصلے کے ذریعے۔ فریقا۔ کچھ۔ من اموال الناس بالاثم لوگوں کے اموال میں سے گناہوں کے ساتھ۔ اثم۔ سے مراد جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم یا صلح کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے وہ ظالم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریق کو فرمایا۔ انما انا بشر وانتم تختصمون الیّ ولعلّ بعضکم الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشیٔ من حق اخیہ فلا یاخذن منہ شیئًا فانما اقضی لہ قطعۃ من نار۔ اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے فیصلے کرانے کے لئے لاتے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض تم میں سے اپنی دلیل اور اپنے بیان میں دوسرے سے زیادہ زبان آور اور فصیح ہو پھر اس کے بیان پر میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں تم کو چاہیے کہ جس کے لیے میں اس کے بھائی مسلمان کے حق میں سے کچھ دلاؤں۔ اس کو نہ لو کیونکہ یہ لینے والے کے لئے میں نے گویا آگ کا ایک انگارہ دے دیا۔ (بخاری و مسلم)

طریق انصار:

بعض انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے تو وہ کسی دروازے کی طرف سے اصلاً گھر اور نہ کسی خیمہ میں داخل ہوتے۔ اگر وہ کچے مکانات والے ہوتے تو گھر کے پچھلی طرف سوراخ کر کے داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے۔ اور اگر خیمے والا ہوتا تو خیمے کی پچھلی جانب سے نکلا جاتا (اس رسم بد کے ازالہ کے لئے) یہ آیت نازل ہوئی۔ ولیس البر کہ نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں پچھلی جانب سے داخل ہو۔ یعنی نیکی نہیں دروازہ سے داخل ہونے میں تکلف اپنے آپ کو تنگی میں ڈالو۔

نحوی تحقیق:

البر کے رفع میں یہاں سب کا اتفاق ہے کیونکہ آیت اس جگہ دونوں احتمال رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے واضح کیا تھا۔ یعنی رفع نصب اس جگہ درست ہے مگر اس آیت میں ایک ہی احتمال ہے اور وہ رفع ہے اس لئے کہ لیس کی خبر پر باء ہی داخل ہوتی ہے ولکن البر لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

اختلاف قراءت:

البیوت کو کسرہ باء کے ساتھ (ابن کثیر) ابن عامر کسائی نے پڑھا اسی طرح اس کے باب العیون۔ الشیوخ وغیرہ میں کسرہ پڑھی۔ بصری حفص رحمہم اللہ نے البیوت کو ضمہ کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے۔ جیسے کعب کعوب۔

کسرہ کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کے بعد یاء آرہی ہے مگر اس سے لازم آتا ہے کہ کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلنا لازم ہے۔ اس کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ جب چاندوں کے بارے میں انہوں نے سوال کیا اور اس کے نقصان کی حکمت دریافت کی۔ تو ان کو کہا گیا کہ تم یقین جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہ عین حکمت ہے پس یہ سوال ترک کردو اور غور کرو۔ اس ایک خصلت کے متعلق کہ یہ نیکی میں سے کسی درجہ کی بھی نہیں۔ حالانکہ تم اس کو نیکی خیال کرتے ہو۔ نقل سے اس آیت کے تعلق کی یہ وجہ ہے۔

دوسرا قول: یہ بھی ممکن ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہو یعنی مواقیت حج ان کے لئے بطور استطراد (کلام کو اس انداز سے ذکر کرنا کہ دوسرا کلام خود لازم آجائے) لایا گیا ہو۔ چونکہ یہ ان کے کئی بعض افعال حج میں سے تھا۔

تیسرا احتمال: ممکن ہے کہ یہ تمثیل ہو کیونکہ انہوں نے سوال الٹ کیا تو ان کو کہا گیا تمہاری مثال اس شخص کی ہے جیسے کوئی گھر کا دروازہ چھوڑ کر گھر کی پشت سے داخل ہو اب مطلب یہ ہوا کہ کوئی نیکی نہیں اور نہ تمہیں اس پر قائم رہنا مناسب ہے کہ الٹ سوال کرو۔ لیکن اصل نیکی تو اس کی ہے جو ان چیزوں سے بچا ہو جس نے پرہیز کیا اور اس قسم کی جسارت ترک کی۔

افعال الٰہی میں حکمت:

واتوا البیوت من ابوابھا۔ آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے یعنی معاملات کو اس طرح اختیار کرو۔ جیسے لازم ہوتے ہیں الٹ مت کرو۔

دوسرا قول: مراد یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں حکمت ہے اور درست ہیں ان کے متعلق دل میں

سے لڑائی کرتے ہیں نہ ان سے جو کہ باز رہنے والے ہیں اس صورت میں یہ آیت سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۶ قاتلوا المشرکین کافۃ سے منسوخ مانی جائے گی۔

دوسرا قول: یہ آیت سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں اتری۔ پس رسول اللہ ﷺ اس سے لڑتے جو آپ سے لڑتا اور اس سے ہاتھ روکے جو لڑائی سے باز رہتا۔

تیسرا قول: جو تم سے لڑائی قائم کرنے والے ہیں یعنی نوجوان نہ وہ جو لڑائی کے قابل نہیں مثلاً بوڑھے بچے رہبان عورتیں۔

چوتھا قول: تمام کفار مراد ہیں کیونکہ وہ تمام ہی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے والے ہیں اور قاصدین مقاتلین کے حکم میں ہیں۔

حد سے نہ بڑھنے کا مطلب:

ولا تعتدوا۔ حد سے نہ بڑھو۔ یعنی قتال میں ابتداء کر کے۔

دوسرا قول: حد سے نہ بڑھو ان سے لڑائی کر کے جن سے لڑائی منع کی گئی مثلاً بوڑھے عورتیں وغیرہ

تیسرا قول: مثلہ کر کے حد سے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر آیت ۱۹۱:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ) الثقف کسی چیز کو جلدی پالینا اور اس پر غلبہ حاصل کر لینا۔ یعنی جس جگہ ان کے قتل پر قادر ہو۔

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ (اور ان کو وہاں سے نکالو۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا) یعنی مکہ سے

وعدۂ الٰہی:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اسلام نہ لانے والوں کے ساتھ ایسا سلوک فرمایا۔

فتنہ سے مراد:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ نمبرا۔ فتنہ سے مراد یہاں شرک ہے جو قتل سے عظیم تر ہے یہ قتل ایک وقت میں مسلمانوں کے لئے مباح کر دیئے۔

دوسرا قول: فتنہ سے عذاب آخرت مراد ہے۔

تیسرا قول: وہ مشقت و مصیبت جو انسان پر اترتی ہے اور قتل سے بڑھ کر اس سے سزا پاتا ہے۔

نکتہ: ایک عقل مند سے کسی نے پوچھا۔ ما اشد من الموت موت سے زیادہ سخت کونسی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا وہ مصیبت جس میں موت کی تمنا کی جائے۔ تو گویا اخراج عن الوطن کو ان فتن سے قرار دیا جن میں ابتداء کے وقت موت کی تمنا کی جاتی ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ :(ان سے مسجد حرام کے پاس مت لڑو) یعنی حرم میں ان کے ساتھ جنگ کی ابتداء نہ کرو۔ (یہاں تک کہ وہ ابتداء کریں)۔ عند المسجد سے مراد سارا حرم ہے۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ :(اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو) حرم میں۔ ہمارے نزدیک اشخاص حرم میں بھی قتل نہ کریں گے۔ مگر جب کہ وہ تمہارے ساتھ قتل میں ابتداء کریں۔ تو پھر اس وقت تم ان کو قتل کریں گے۔ اگرچہ فاقتلوهم حيث ثقفتموهم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قتل ہر جگہ جائز ہے لیکن یہ۔ لاتقاتلوهم عند المسجد الحرام سے حرم کی تخصیص ہو گئی۔ سوائے اس صورت کے جس میں وہ ابتداء کریں۔

(تفسیر شرح التاویلات میں اسی طرح مذکور ہے) كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (کافروں کی سزا اسی طرح ہے) مبتدا و خبر ہے۔

اختلاف قراءت:

حمزہ و علی رحمہما اللہ نے اس طرح پڑھا۔ ولا تقتلوهم حتى يقتلوكم فان قتلوكم

تفسیر آیت ۱۹۲:

فَاِنِ انْتَهَوْا :(اگر وہ باز آجائیں) یعنی شرک سے اور قتال سے

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ :(بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) ان تمام لغزشوں کو جو پہلے کی جا چکیں۔

رَّحِيْمٌ :(مہربان ہے) ان کے ایمان و توبہ کو قبول فرمانے کا۔

۱۹۳۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے) یعنی شرک

نحوی تحقیق:

یکون تامہ ہے اور حتی کی کے معنی میں ہے یا الی ان کے معنی میں

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ :(اور دین ہو جائے خالص) اس طرح کہ شیطان کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ یعنی اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کی جائے۔

ظالم سے مراد:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ :(اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے) یعنی اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے مت لڑو۔ اس لئے کہ زیادتی صرف ظالمین پر کی جاتی ہے اور یہ اب اس کی وجہ سے ظالم نہیں رہے)

دوسرا قول: ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہ کرو۔ جو ظالم باز نہ آنے والے ہوں۔

بلاغت: آیت میں مشاکلہ ہے کہ جزائے ظلم کو ظلم کہہ دیا جس طرح سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ میں فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه میں بدلہ اعتداء کو اعتداء کہہ دیا گیا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ فسق ہے

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔ

اور نہ کسی قسم کا جھگڑا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور زاد راہ ساتھ لے لیا کرو، کیونکہ بہترین زاد راہ پرہیزگاری ہے، اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھر تم کو چاہئے کہ واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آتے ہیں۔ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

غفور ہے رحیم ہے۔

الا مواقیت پھر وہ جو ان کے علاوہ ہیں کہ نکلے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور تم اللہ سے ڈرو) ان احکام میں جن کا اس نے تمہیں حکم دیا اور جن سے حج وغیرہ کے سلسلہ میں روک دیا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت بدلہ لینے والے ہیں ان سے جو اس سے نہ ڈرے)

آیت ۱۹۷: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

اختلافِ قراءت:

ابو عمرو اور مکی نے پہلے دو فلا رفث ولا فسوق پڑھا اور دونوں کو نفی پر محمول کیا۔ گویا یوں کہا فلا یکونن رفث ولا فسوق۔ کہ ہرگز جماع و فسوق نہ کرو۔ اور تیسرے ولا جدال کو نصب سے پڑھا۔ خبر کے معنی میں۔ جدال کی نفی کی گویا اس طرح کہا لاشک ولا خلاف فی الحج۔ یعنی حج میں شک اور نزاع نہیں کہ حج ذوالحجہ میں قرار دے دیا۔ (جیسا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے) (حج میں اختلاف مت کرو) برائیوں سے روک کر پھر خیر پر ابھارا کہ وہ برائی کی جگہ اچھا کام کریں۔ اور بجائے فسق کی جگہ بر و تقویٰ اختیار کریں اور جدال کی جگہ موافقت و اخلاقِ جمیلہ کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ فرمایا وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو اللہ تعالیٰ وہ جانتے ہیں اور تم یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان افعال کو جاننے والے ہیں۔ وہ ان پر جزا عنایت فرمائیں گے۔

مسئلہ: اس آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو جزئیات کا (نعوذ باللہ) علم نہیں۔

شانِ نزول: اہل یمن جب حج و عمرے کے لئے جاتے تو زادِ راہ ساتھ نہ لیتے۔ بلکہ کہتے ہم تو متوکل ہیں۔ پس وہ لوگوں پر بوجھ بنتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ وَتَزَوَّدُوْا پس زادِ راہ لے لیا کرو۔ لوگوں سے کھانا مانگنے اور تنگ کرنے سے بچو اور ان پر بوجھ نہ ہو۔

بہترین زادِ راہ:

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى پس بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ یعنی لوگوں کو تنگ کرنے اور ان پر بوجھ بننے سے بچنا۔

دوسرا قول: آخرت کے لئے زادِ راہ لو جس کو محظوراتِ احرام و حج سے بچاؤ اس لئے کہ بہترین آخرت کا زاد ممنوعات سے بچنا ہے۔ وَاتَّقُوْنِ اور میری سزا سے بچو۔ یا میری مخالفت سے۔

قراءت: ابو عمرو نے وصل کی حالت میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور بقیہ قراء نے وصل و وقف میں حذف یاء سے پڑھا ہے۔ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ (اے عقل والو) عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور جو شخص عقل والا ہو کر اس سے نہیں ڈرتا گویا وہ عقل سے خالی ہے۔

شانِ نزول: ان لوگوں کے متعلق اتری جن کا خیال یہ تھا کہ اونٹ والے اور تاجر پر حج نہیں۔ اور وہ کہا کرتے ھٰؤلاء الداج ولیسوا بالحاج۔ کہ یہ معاون ہیں حاجی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

حج میں تجارت ممنوع نہیں:

۱۹۸: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا) یعنی حج کے ایام میں روزی جو فضل و عطیہ خداوندی ہے اس کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ فضل سے مراد نفع یا تجارت ہے۔

فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ: (جب تم عرفات سے لوٹو) یہ افاضۃ الماء سے ہے۔
پانی کا زور سے بہنا۔ اور اصل اس طرح ہے افضتم انفسکم۔ مفعول کو ترک کر دیا گیا یعنی جب تم کثرت سے چلاؤ اپنے آپ کو اور لوٹو۔

عرفات جمع ہے:

عرفات۔ یہ موقف حج کا نام ہے یہ نام جمع ہی ہے جیسے اذرعات۔ اور یہ منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں تو تانیث کی نہیں۔ بلکہ الف کے ساتھ یہ جمع مؤنث کی علامت ہے (واحد اس کا عرفۃ ہے)
وجہ تسمیہ: اس کا نام عرفات اس لئے رکھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی نشان دہی کی گئی تو انہوں نے اس جگہ کو جونہی دیکھا تو نظر میں پہچان لیا۔
دوسرا قول: اسی میں آدم علیہ السلام و حوا علیہا کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

دلیل فرضیت عرفات:

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ وقوف عرفات فرض ہے کیونکہ افاضہ ٹھہرنے کے بعد ہوتا ہے۔
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی تلبیہ اور لا الہ الا اللہ اور حمد و ثنا اور دعا کے ساتھ۔ یا نماز مغرب و عشاء پڑھ کر۔

مشعر حرام کو جمع کہنے کی وجہ:

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ: (مشعر حرام کے پاس) اور یہ قزح ہے یعنی وہ پہاڑ جس پر امام وقوف کرتا ہے اور اس پر میقدہ بطور علامت ہے۔ المشعر۔ علامت اور نشان کیونکہ وہ عبادت کے مقامات میں سے ہے۔ الحرام۔ اس کو حرام حرمت (بمعنی روکنا) حرم میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ اس میں بھی ممنوع ہیں۔ یا عظمت کی وجہ سے کہہ دیا۔ یا مشعر حرام مزدلفہ ہے اس کو جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام حوا علیہا کے ساتھ یہاں جمع ہوئے اور ان کے قریب ہوئے۔ یا یہاں دو نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ یا یہاں وقوف کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔
وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ: (اور اس کو یاد کرو جیسا اس نے تمہاری راہنمائی کی) ما مصدریہ ہے یا کافہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح یاد کرو۔ جیسا اس نے تمہیں سکھایا کہ جیسے تم نے اس کو یاد کرنا ہے اور اس سے عدول نہ کرو۔
وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ (اگرچہ تم اس ہدایت سے پہلے)

ان مخففہ:

لَمِنَ الضَّالِّينَ: (البتہ جاہلوں میں سے تھے) اور تم نہیں جانتے تھے کہ کس طرح اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان یہ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور لام اس کے بعد فارقہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو

مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ

اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے سو اس کے لئے جہنم کافی ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

مراد ذکر:

اور وَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے مراد نمازوں کے بعد کہی جانے والی تکبیرات اور رمی جمار کے وقت کی تکبیر ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ۔ جو جلدی کرے کوچ میں۔ یا کوچ میں سبقت کر جائے تعجل اور استعجل یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون یا لازم کے معنی میں آتے ہیں۔ اور یہ متعدی بھی آتے ہیں۔ مگر مطاوعت زیادہ مناسب ہے کہ اس نے استعجال کا حکم پایا اس نے جلدی کر لی۔

فِيْ يَوْمَيْنِ۔ دو دنوں میں یعنی ان تین دنوں میں دو دن گیارہ بارہ کی رمی پر اکتفاء کیا اور تیسرے دن کے لئے نہ رکا۔

نفی گناہ کی وجہ:

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ اس پر گناہ نہیں۔ یعنی اس ایک دن کی رمی ترک کرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى۔ اس کے لئے جو بچا گناہ کرنے یا جائز اور شوق سے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو جلدی کا اختیار ہے۔ اگرچہ تاخیر افضل ہے۔ کبھی فاضل و افضل میں تخییر واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسافر روزے اور افطار کی اختیار ہے اگرچہ روزہ افضل ہے۔

دوسرا قول: اہل جاہلیت دو قسم کے تھے بعض جلدی رمی کرنے والے کو گنہگار قرار دیتے اور بعض تاخیر کرنے والے کو گنہگار سمجھتے۔ پس قرآن مجید نے ان دونوں کی نفی کر دی۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور تم اللہ تعالیٰ سے تمام امور میں ڈرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ اور یقین جانو کہ تم اسی کی بارگاہ میں جمع ہو گے۔ جب وہ تمہیں قبور سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔

۲۰۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَاِذَا

تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ: (بعض لوگ ایسے ہیں جن کی بات آپ کو پسند آتی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ کھیتی اور نسل کو تباہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے اور جب اس سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ یہ آیات اخنس بن شریق کے متعلق اتریں۔ جو رسول اللہ ﷺ سے میٹھی باتیں کرتا اور دعویٰ کرتا کہ وہ مسلمان ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اپنی اس محبت میں پکا ہے تو اللہ نے وَمِنَ النَّاسِ نازل فرمائی۔

دعویٰ محبت سے مقصود دنیا:

يُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ آپ کو پسند آتی ہے اور تمہارے دل میں بڑی معلوم ہوتی ہے اسی سے اعجبنی الشیء ہے یعنی وہ شئ جو نفس میں معظم معلوم ہو۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی یہ قول کے متعلق ہے۔ ای یعجبک ما یقوله فی معنی الدنیا۔ آپ کو پسند آتی ہے وہ بات جو وہ کہتا ہے دنیا کے سلسلہ میں کیونکہ دعویٰ محبت سے اس کا مقصود دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

دوسرا قول: آپ کو پسند آتا ہے یعنی اس کا شیریں کلام دنیا کے سلسلہ میں آپ کو پسند آتا ہے نہ کہ آخرت کے متعلق بھی۔ کیونکہ اس موقعہ پر اس کی زبان میں لکنت پیدا ہوتی ہے۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے یعنی وہ قسم اٹھا کر کہتا ہے۔ الله شاهد على ما في قلبي من محبتك۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں۔ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ حالانکہ وہ شخص جھگڑالو ہے۔

نحوی لطائف:

اَلَدُّ: یہ اضافت فی کے معنی میں ہے کیونکہ افعل کا وزن اپنی طرف مضاف ہوتا ہے جو کہ اس کا بعض ہوتا ہے جیسے تم کہو۔ زید افضل القوم اور آدمی جھگڑنے میں سخت ہے۔ یعنی تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ الد فی الخصومة۔ وہ جھگڑے میں سخت ہے یا الخصام جمع خصم ہے جیسے صَعْبٌ و صِعَابٌ اب تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ خصومت کے اعتبار سے سخت جھگڑالو ہے۔

۲۰۵۔ وَاِذَا تَوَلّٰى (جب وہ تم سے منہ پھیر کر جاتا ہے) اور جاتے ہوئے نرم میٹھی بات کہہ گیا۔

فسادی منافق:

سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا (اور وہ دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ فساد برپا کرے) جیسا اس نے ثقیف کے ساتھ کیا۔ کہ ان کے اور اس کے درمیان مخالفت تھی ان پر شب خون مارا اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کیا۔ اور کھیتیوں کو آگ لگا دی۔

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ: (اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل) کھیتی اور جانور۔ جب یہ ظلم کے ساتھ وابستہ ہو تو پھر اس سے مراد وہ حرکت ہے جس کو یہ لے کر زمین میں فساد پھیلانے کیلئے کرتے ہیں۔ کھیتیوں کی ہلاکت اور نسل کشی کی صورت میں ایک اور

یَشْرِیْ نَفْسَہٗ ۔ کا معنی اپنے آپ کو بیچنا۔

ابْتِغَآءَ : (واسطے طلب کرنے) کا معنی چاہنے کے لئے ۔ مَرْضَاتِ اللّٰہِ ۔ اللہ کی رضامندی۔ یہاں تک کہ حاصل ہو سکے۔

وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ : (اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نرمی کرنے والے ہیں)

۲۰۸۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔ (اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم پھسل گئے اس کے بعد کہ واضح دلائل تمہارے پاس آ چکے تو یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں)

قراءت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ ۔ علی اور حجازی نے سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے ۔ مسلم کا معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور مطیع بن جاؤ۔ یا اس کا معنی اسلام ہے اور خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ وہ اپنے پیغمبر اور کتاب پر ایمان لائے تھے۔ یا منافقین کو خطاب ہے۔ کیونکہ وہ صرف زبانوں سے اسلام کے دعوے دار تھے۔ كَآفَّةً ۔ پورے پورے یعنی کوئی ایک بھی تم میں سے اپنا ہاتھ اسلام کی فرمانبرداری سے نہ نکالے۔ یہ ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا معنی ہے تمام

دوسرا قول: یا یہ سلم کے لفظ سے حال ہے کیونکہ وہ بھی لفظاً مؤنث ہے اب مطلب یہ ہوگا گویا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام طاعات میں داخل ہو جائیں۔ یعنی ان کا اہتمام کریں۔

تیسرا قول: وہ اسلام کے شعبوں اور اس کے تمام احکام میں داخل ہو جائیں۔ یہ کافۃ کا لفظ کلف سے ہے گویا ان کو روک دیا گیا۔ کہ کوئی ایک ان میں سے اپنی اجتماعیت سے نہ نکلے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۔ شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ خطوات ۔ سے مراد وساوس ہیں۔ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی اس کی عداوت ظاہر ہے۔

۲۰۹۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ ۔ پس اگر تم پھسل گئے یعنی اسلام میں داخل ہونے سے تمہارے قدموں نے لغزش کھائی۔ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ ۔ تمہارے پاس دلائل آنے کے بعد بینات سے مراد واضح ثبوت اور روشن شواہد ہیں۔ جس چیز میں داخل ہونے کے لئے تمہیں دعوت دی گئی ہے وہ برحق ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔ پس تم یقین کر لو اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔ عزیز ایسے غلبے والے کو کہتے ہیں۔ جس کو کوئی چیز بھی مانع نہ بن سکے۔ حکیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی حکمت والا ہے کہ وہ حق پر انتقام لیتا ہے۔

نکتہ: ایک قاری نے اس آیت میں عزیز حکیم کی بجائے غفور رحیم پڑھ دیا ایک بدو نے اس آیت کو اس کی زبان سے جب سنا۔ حالانکہ وہ قرآن پڑھا ہوا نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں۔ کیونکہ حکیم لغزش اور معصیت کے وقت مغفرت کا تذکرہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح تو معصیت پر خود آمادہ کرنا لازم آتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

آجائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

٢١٠۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ۔
(نہیں وہ انتظار کر رہے مگر اس بات کا کہ آئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادل کے سائبانوں میں اور فرشتے اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے۔) هَلْ يَنْظُرُونَ هَلْ۔ یہاں ما نافیہ کے معنی میں ہے۔ نہیں وہ انتظار کر رہے اور یاتیہم اللہ کا مطلب اللہ کا حکم اور اس کی پکڑ کا آنا ہے جیسا کہ سورۃ النحل آیت نمبر ۳۳ میں فرمایا او یاتی امر ربک اور سورۃ اعراف آیت نمبر ۴ میں فرمایا فجاءھا بأسنا۔

دوسرا قول: جس چیز کو لایا جاتا ہے وہ محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ لائے اس پر پچھلی آیت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم۔ دلالت کر رہی ہے۔ فی ظلل۔ ظلل جمع ظلۃ کی۔ ظلۃ اس چیز کو کہتے ہیں جو سایہ کرے۔ الغمام کا معنی بادل اس میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بادل سے بارش کا ہی گمان ہے جب اس سے عذاب اترے تو معاملہ زیادہ خوفناک اور ہولناک ہو جاتا ہے۔ والملائکۃ یعنی وہ فرشتے آجائیں جن کو عذاب پر مقرر کیا گیا ہے یا اس سے مراد قیامت کے دن ان کا حاضر ہونا ہے۔ وقضی الامر اور معاملہ طے کر دیا جائے یعنی ان کی ہلاکت کا معاملہ پورا ہو جائے اور اس سے فراغت حاصل ہو جائے۔ والی اللہ ترجع الامور۔ اور اللہ کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بعض امور کا اختیار دیا ہے۔ پس سارے معاملات حشر کے دن اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اختلافِ قراءت:

قرآن مجید میں جہاں کہیں تُرْجَعُ الْأُمُورُ ہے شامی، حمزہ اور علی رحمہم اللہ کے نزدیک تَرْجِعُ الْأُمُورُ پڑھا جائے گا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

سب لوگ ایک امت تھے پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری سنانے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان

فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ

اس بات میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی اس کے بعد

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

اس کے بعد کہ آچکیں ان کے پاس کھلی نشانیاں آپس کی ضد سے پھر اللہ نے اپنے حکم سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

راستہ

تفسیر: آیت ۲۱۳:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری۔ تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور نہیں اختلاف کیا اس کتاب میں مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آگئیں۔ آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ راہ دکھا دی جس میں اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔)

اُمت سے مراد دین ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ امت واحدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک ایک دین پر متفق تھے۔ یا نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو کشتی میں تھے۔ پس انہوں نے اختلاف کیا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ۔ پس پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ فاختلفوا کے حذف پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی کان الناس امۃ واحدۃ فاختلفوا اور سورۂ یونس آیت نمبر ۱۹۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا بھی دلالت کرتی ہے۔ یا

دوسرا قول:

لوگ ایک ہی جماعت کفر کی حالت میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا پس انہوں نے ان پر اختلاف کیا۔ (پہلی توجیہ راجح ہے) مبشرین خوش خبری سنانے والے مومنین کو ثواب ملنے کی۔ و منذرین۔ اور ڈرانے والے عذاب سے ساتھ کفر کے۔

نحو: مبشرین اور منذرین دونوں حال ہیں۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔ اور اس نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک کتاب اتاری۔ بِالْحَقِّ یعنی جو حق کی وضاحت کرنے والی تھی۔ لِيَحْكُمَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ یا کتاب یا نبی ﷺ فیصلہ کریں جو ترا۔ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ دین اسلام کے سلسلہ میں۔ کیونکہ انہوں نے اتفاق کے بعد اختلاف کیا۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اس میں اختلاف نہیں کیا۔ یعنی حق میں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی حالانکہ کتاب تو ازالہ اختلاف کے لئے اتاری گئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اختلاف میں اور بڑھ گئے جب ان پر کتاب اتاری گئی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل اس کی سچائی کے آ چکے۔ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ۔ اپنے درمیان حسد اور ظلم کی بناء پر کیونکہ ان میں دنیا کی حرص اور قلت انصاف پائی جاتی تھی۔

نحو: بغیا یہ مفعول لہٗ ہے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ پس ہدایت دی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی طرف وہ حق کہ جس میں اختلاف کیا جن لوگوں نے بھی کیا۔ مِنَ الْحَقِّ یہ اختلفوا کا بیان ہے۔ بِاِذْنِهٖ اپنے حکم کے ساتھ یعنی اپنے علم کے ساتھ۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ

يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ وہ آگ والے ہیں اور وہ اس آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

استدلال امام شافعی رحمہ اللہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے اعمال حبط تب ہوں گے جب کہ موت ارتداد پر آئے۔ گویا اگر توبہ کر لی تو سابقہ اعمال بحال ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ آیت نمبر ۵ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ میں حبط کو فقط ارتداد سے متعلق فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صرف ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ اصل اس اختلاف کی بنیاد وہ کلیہ ہے کہ مطلق کو مقید پر ہمارے ہاں محمول نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے اپنے مقام پر رہیں گے اور ان کے ہاں مطلق کو مقید پر محمول کر کے اس میں بھی وہ قید معتبر مانی گئی ہے۔

والدلائل فی اصول الفقہ۔

شانِ نزول: مجاہدین سریہ نے عرض کیا کہ کیا ہمیں اس جہاد کا اجر ملے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیت ۲۱۸:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا ۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی یعنی انہوں نے گھر بار اپنے خاندانوں کو چھوڑا۔

وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا) مشرکین کے خلاف۔

قراءت: یہاں وقف نہیں۔ کیونکہ اولئک یرجون یہاں کی خبر ہے۔

أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں کہا جاتا ہے من وجد طلب ومن خاف هرب۔

نکتہ: (امید کرنے کے لئے اس وجہ سے ثابت کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ عمل نہ موجب ثواب ہے اور نہ ثبوت ثواب کا یقین دلانے والا۔ خاص کر اس وقت جبکہ اعتبار خاتمہ کا ہے)

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ

اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔ اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں۔ آپ فرما دیجئے کہ مصلحت کرنا ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر ان کا خرچ شامل رکھو

فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں خرابی کرنے والا کون ہے مصلح کون ہے۔ اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

۲۱۹۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ (آپ سے اے محمد (ﷺ)۔ لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں۔ اور ان کے فائدے سے ان کا گناہ بڑا ہے اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دو۔ جو ضرورت سے زیادہ ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم غور کرو)۔ شراب کے متعلق چار آیات اتریں۔ مکہ شریف میں نمبر ا۔ سورۃ نحل میں ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا۔ مسلمان شراب کو استعمال کرتے تھے اور اس وقت حلال بھی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیں۔ یہ عقل کو دور کرنے والی اور مال سلب کرنے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

واقعہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

نمبر ۲۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ پھر کچھ لوگوں نے تو شراب پینی چھوڑ دی۔ جبکہ دوسرے استعمال کرتے رہے

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک دن دوستوں کی جماعت کو دعوت دی انہوں نے شراب پی اور نشہ چڑھ گیا۔ نماز کا وقت آ گیا۔ تو ان میں سے کسی نے امامت کروائی۔ تو قل یٰایھا الکٰفرون لا اعبد کو اعبد ما تعبدون پڑھ دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

واقعہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ:

نمبر ۳۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ النساء آیت نمبر ۴۳ اب اس کے بعد پینے والوں کی تعداد کم ہو گئی۔ پھر حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے دوستوں کی ایک جماعت کو بلایا۔ جب انہوں نے شراب پی اور اس کا نشہ چڑھا تو ایک دوسرے سے جھگڑے اور باہمی مار پٹائی ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا۔ پس نازل ہوئی یہ آیت۔

نمبر ۴۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ۔ تا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ آخر تک۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۰۔ ۹۱ اس آیت کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا۔ انتھینا انتھینا یا رب اے ہمارے رب ہم باز آ گئے۔

ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر ایک قطرہ شراب کنویں میں گر جائے پھر اس کی جگہ منارہ بنایا جائے۔ میں تو اس پر اذان نہ دوں گا۔ اور اگر دریا میں قطرہ گر جائے پھر دریا خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اگ آئے تو میں اس کو اپنے جانوروں کو نہ چراؤں گا۔ خمر۔ انگور کا شیرہ جب کہ جوش مار جائے اور جھاگ پھینکے۔ اصل میں خمر، خمر مصدر پر اسمیت کا معنی غالب آ گیا۔ اس سے ڈھانپنا مراد تھا۔ شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

میسر کا مأخذ:

المیسر۔ کا معنی ہے جوا۔ یہ یسر سے مصدر ہے جیسے موعد اپنے فعل سے۔

کہا جاتا ہے یسرتہ۔ جبکہ اس سے جوا کھیلے۔ اور الیسر سے مشتق ہے۔ کیونکہ دوسرے کا مال اس میں سہولت و آسانی بغیر محنت و تکان کے حاصل کر لیتا ہے یا ایسار سے مشتق ہے گویا اس کے بائیں ہاتھ نے یہ مال چھین لیا ہے۔ جوئے کی صورت حال اس طرح تھی ان کے ہاں دس تیر تھے۔ جن پر خطوط تھے۔ اور وہ ازلام تھے۔

جوئے کے تیر:

نمبر ۱۔ الفذ اس کا ایک حصہ تھا۔ نمبر ۲۔ التوام اس کے دو حصے تھے۔ نمبر ۳۔ الرقیب اس کے تین حصے تھے۔ نمبر ۴۔ الحلس اس کے چار حصے تھے۔ نمبر ۵۔ النافس اس کے پانچ حصے تھے۔ نمبر ۶۔ المسبل اس کے چھ حصے تھے۔ نمبر ۷۔ المعلّٰی اس کے سات حصے تھے۔ تین تیر بلا علامت تھے ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ نمبر ۱۔ المنیح نمبر ۲۔ السفیح۔ نمبر ۳۔ الوغد۔ ان تمام تیروں کو ایک تھیلے میں ڈالتے۔ اور ایک عادل آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ پھر وہ ان تیروں کو حرکت دیتا۔ اور اپنا ہاتھ تھیلے میں داخل کر کے ہر آدمی کے نام پر باری باری ایک ایک تیر نکالتا جاتا۔ جس کا تیر ان تیروں میں سے نکلا جن کے حصے مقرر تھے۔ اس مقررہ حصے کو لے لیتا۔ اور جس کا ایسا تیر نکلتا جن کے حصے مقرر نہ تھے وہ کچھ وصول نہ کرتا۔ بلکہ سارے اونٹ کی قیمت بطور تاوان دیتا۔ وہ حصے وصول

کرنے والے اپنے حصے فقراء میں بانٹ دیتے۔ اس میں سے خود کوئی بھی استعمال نہ کرتے اور اس پر فخر کرتے اور جو اس میں داخل نہ ہوتا اس کی مذمت کرتے۔ قمار کی تمام اقسام۔ نرد۔ شطرنج وغیرہ اسی کے حکم میں ہیں۔

لین دین کے متعلق سوال:

وہ آپ سے ان کے لین دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں۔ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (کہ ان میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں)۔ باہمی جھگڑے اور کلام گالی کی وجہ سے اور فحش گوئی اور جھوٹ کی وجہ سے۔

قراءت: حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے کبیر کی جگہ کثیر پڑھا ہے۔

ومنافع للناس سے مراد تجارت خمر کے نفع اور پینے کی لذت اور جوئے میں فقراء کا نفع یا مال بلا محنت کے میسر آ جانا۔ وَإِثْمُهُمَآ۔ ان کے لین دین کے گناہ کی سزا۔ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ وہ ان دونوں کے فائدے سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ شرابی اور جواری طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو فرما دیں جو بچ رہے۔ عفو زائد کو کہتے ہیں۔ یعنی تم وہ خرچ کرو۔ جو ضرورت سے بچا ہوا ہو۔ ابتدائے اسلام میں تمام زائد مال کا خرچ کرنا فرض تھا یعنی کمانے والے کو یہ سال کا خرچ رکھ کر بیچنے کے بعد زائد کے خرچ کر ڈالنے کا حکم تھا۔

جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نحو و قراءت: ابو عمرو نے اس کو ضمہ کے ساتھ الْعَفْوُ پڑھا ہے۔ جنہوں نے اس کو نصب دیا تو انہوں نے "مَاذَا" کو ایک اسم قرار دے کر ینفقون سے منصوب بنایا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے قل ینفقون العفو۔ نحوی: اور جنہوں نے رفع پڑھا انہوں نے ما کو مبتدا اور ذا کو صلہ سمیت اس کی خبر بنایا ہے ذا یہاں الذی کے معنی میں ہے ینفقون یہ ذا کا صلہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ ما الذی ینفقون؟ تو اس کے جواب میں العفو لایا گیا۔ یعنی ھو العفو۔ تو جو سوال والا اعراب دے دیا۔ تاکہ سوال و جواب میں مطابقت ہو۔

كَذٰلِكَ۔ کاف یہ موضع نصب میں مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی تبیینا مثل ھذا التبیین۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔

تفسیر آیت ۲۲۰:

فِي الدُّنْيَا۔ (دنیا میں) یعنی دنیا کے معاملے میں۔

وَالْاٰخِرَةِ (اور آخرت میں) فی یہ یتفکرون سے متعلق ہے۔ یعنی تم دونوں جہانوں کے متعلق غور و فکر کرو۔ اور ایسے اعمال کرو۔ جو تمہارے لئے نہایت درست ہوں۔ یا دونوں جہانوں کے متعلق سوچ و بچار کرو اور ان میں جو باقی رہنے والا ہے اور کثرت منافع والا ہے اس کو ترجیح دو۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یبین کے متعلق بھی ہو سکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

یبین لکم الآیات فی امر الدارین وفیما یتعلق بھما اور وہ تمہارے لئے اپنی آیات دونوں جہانوں کے متعلق میں اور جو چیزیں ان سے متعلق ہیں واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ لعلکم تتفکرون۔ تاکہ تم سوچ بچار کرو۔ جب یہ آیت نمبر۱۰ سورۃ نساء ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما اتری تو کئی صحابہ ؓ نے یتامیٰ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ان سے میل جول چھوڑ دیا۔ اور ان کے مالوں کی نگرانی ترک کر دی۔ اور اس بات کا تذکرہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ تو یہ آیت اتری۔

مداخلت برائے اصلاح:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ (وہ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے) یعنی ان کے معاملات میں اور اموال میں اصلاح کی خاطر مداخلت الگ تھلگ ہو جانے سے بہتر ہے۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ (تم ان سے میل جول کرو) اور علیحدگی اختیار مت کرو۔

فَاِخْوَانُكُمْ۔ (پس وہ تمہارے دینی بھائی ہیں) اور بھائی کا حق ہے کہ دوسرے بھائی کے ساتھ میل جول کرے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ان کے اموال میں بگاڑ پیدا کرنے والے کا ان کی اصلاح کرنے والے سے) پس مداخلت کے مطابق بدلہ دے گا۔ پس احتیاط کرو اور اصلاح کے علاوہ اور کوئی چیز مت تلاش کرو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تنگی منظور ہوتی)

لَاَعْنَتَكُمْ۔ (تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا) تمہیں مشقت اٹھوا کر اور تنگی میں مبتلا کرتا۔ اور شرکت کو مطلقاً مباح نہ کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ زبردست) یعنی غالب ہے وہ اپنے بندوں پر مشقت ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے اور تنگی میں مبتلا کرنے کی۔

حَكِيْمٌ۔ (حکمت والا ہے) جو وسعت کے مطابق اور طاقت کے لحاظ سے حکم دیتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

وہ تمہیں اچھی لگے۔ اور نہ نکاح کرو اپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ

مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف۔ اور اللہ

يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے۔ اور اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت

يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

حاصل کریں۔

۲۲۱۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں۔ ان سے نکاح نہ کرو۔ اور ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی معلوم ہو۔ اور نہ نکاح کرو مشرک مردوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے بہت بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند آئے۔ یہ دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں۔ اپنے حکم سے اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں)۔

شانِ نزول: جب مرثد بن ابی مرثد نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ وہ عناق مشرکہ سے نکاح کرے۔ تو یہ آیت اتری۔

تفسیر آیت ۲۲۱:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ تم مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔ جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ نکح کا معنی خود نکاح کرنا اور انکح نکاح کروانا۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۔ مومنہ لونڈی بہت بہتر ہے مشرکہ سے خواہ وہ تمہیں زیادہ بھلی لگے یعنی اگرچہ حالت یہ ہو کہ مشرکہ تمہیں پسند ہو اور تم اس سے محبت کرتے ہو۔

تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۔ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے۔ سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

شان نزول: اہل عرب حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش رکھتے جیسے کہ یہود و مجوس کرتے۔ حضرت ابوالدحداح نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعلق سوال کیا۔ یا رسول اللہ! حیض کی حالت میں عورتوں سے کس طرح معاملہ کریں؟ تب یہ آیت اتری۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (وہ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں) المحیض۔ یہ مصدر میمی ہے کہا جاتا ہے۔ حاضت حیضا۔ اس کی مثل آیا مجیئا جیسے جاء مجیئا۔

قُلْ هُوَ أَذًى ۔ (فرما دیجئے وہ ناپاکی ہے) یعنی حیض گندگی ہے اور مجامعت کرنے والے کو ایذا دیتی ہے۔

اعتزال عورت کا دائرہ:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (تم عورتوں سے حیض میں الگ رہو) یعنی ان سے پرہیز کرو۔ یعنی مجامعت نہ کرو۔ یہ کہا گیا کہ نصاریٰ ان سے مجامعت میں حیض کی پرواہ نہ کرتے۔ اور یہود ان سے بالکل علیحدگی اختیار کرتے پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان میں میانہ روی کا حکم دیا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ازار کے نیچے والے حصے سے پرہیز کرے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک فقط شرمگاہ سے پرہیز واجب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خون کے نشان والی جگہ سے بچے اور اس کے علاوہ تمام جسم کا اختیار ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ ۔ (اور ان کے قریب نہ جاؤ) یعنی مجامعت مت کرو۔ یا ان کی مجامعت کے قریب نہ جاؤ۔

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۔ (یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں)

اختلاف قراءت: حفص کے علاوہ کوفی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وہ غسل کر لیں۔ اور یہ اصل میں یتطھرن ہے۔ تاء۔ طاء کو قرب مخرج کی وجہ سے ادغام کر لیا۔ دیگر قراء نے یَطْهُرْنَ۔ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی خون کا منقطع ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: دونوں قراءتیں دو آیات کی طرح ہیں ہم نے دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ کہ دم حیض کے اکثر دن گزر جانے پر اگر خون منقطع ہو گیا ہے اور عورت نے غسل نہیں بھی کیا۔ تو مرد اس کے قریب جا سکتا ہے قراءت تخفیف کا یہ تقاضا ہے۔ اور اگر خون قلیل دنوں میں منقطع ہو گیا۔ تو جب تک عورت غسل نہ کرے اس کے قریب نہ جائے۔ یا اس پر ایک وقت نماز کا نہ گزر جائے۔ تاکہ انقطاع یقینی ثابت ہو جائے۔ اس طرح قراءت تشدید پر عمل ہو گیا۔ دونوں پر محمول کرنا آیت کو یا اس کے عکس پر محمول کرنے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ عکس کی صورت میں ایک پر عمل کا ترک لازم ہو گا۔ جمع نہ کیا جا سکے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مرد اس وقت تک قریب نہیں جا سکتا۔ جب تک خوب طہارت حاصل نہ کرے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو، اور اپنی جانوں کے لئے آگے بھیج دو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مومنین کو خوشخبری سنا دو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں صورتِ جمع:

آنے کا مطلب ان سے ہم بستری کرنا ہے۔ پس اس طرح انہوں نے دونوں آیات کو جمع کیا۔

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۔ (جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا) یعنی ان مقامات سے جہاں سے اس نے تمہیں آنے کا حکم دیا۔ اور اس کو حلال کیا اور وہ شرمگاہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ۔ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) توبہ سے مراد ممنوعات کے ارتکاب سے رجوع کرنے والے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے خواہ وہ غلطی پر غلطی کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ اس کی عظیم معافی کے سبب ان کی مدد ہو۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔ (اور خوب پاکیزگی والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی پانی سے پاکیزگی اختیار کرنے والے یا عورتوں کے ساتھ دورانِ حیض وطی سے بچنے والے ہیں یا حیض میں جماع سے بچنے والے یا فواحش سے بچنے والے ہیں۔

شانِ نزول: یہود کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنے اہل کے ساتھ پیچھے کی طرف سے کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا تو یہ آیت اتری۔

مقصودِ جماع بقائے نسل ہے:

۲۲۳۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۔ (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں) یعنی کھیتی کے مقامات ہیں۔ اور یہ مجاز ہے عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی۔ اس لئے کہ ان کے رحموں میں نطفے ڈالے جاتے ہیں جو نسل کے لئے بمنزلہ بیج ہے اور لڑکا لڑکی بمنزلہ نباتات کے ہے اور اصل میں نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یہ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ کا بیان اور توضیح بن گئی۔ یعنی وہ مقام جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا وہ مقام کھیتی ہے مقامِ گندگی نہیں۔ اس سے درحقیقت متنبہ کر دیا کہ مجامعت کا مقصد تقاضائے شہوت نہیں بلکہ طلبِ نسل ہے پس ایسے مقامات سے آؤ جس سے یہ مقصد متعلق ہے۔

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (اپنی کھیتی میں آؤ جیسے تم چاہو) یعنی ان سے جماع کرو جب چاہو۔ یا جس طرح چاہو بیٹھ کر۔ یا چت لیٹ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر مگر آنے کا مقام ایک ہی ہے وہ مقام حرث ہے۔

یہ درحقیقت تمثیل ہے یعنی تم ان کے پاس آؤ جیسا تم اپنی اراضی جن میں تم کاشت کرنا چاہتے ہو جس طرف سے آتے ہو کوئی ایک طرف مخصوص نہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لئے اللہ کو آڑ نہ بناؤ

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بلاغت:

ان آیات میں لطیف کنایات اور خوبصورت تعریضات ہیں۔

تعلیم آداب:

ھو اذی فاعتزلوا النساء۔ من حیث امرکم اللّٰہ۔ فأتوا حرثکم انّٰی شئتم۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان آداب کو اختیار کرے۔ اپنے محاورات اور مکاتبات میں یہ شگفتہ پیرایہ اختیار کرے۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۔ (اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو) یعنی جن اعمال صالحہ کا مقدم کرنا ضروری ہے اور ممنوعات کی مخالفت سے بچو یا اولاد طلب کرو یا اس سے مراد وطی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی ممنوعات پر جرأت مت کرو۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ (اور یقین کر لو بے شک تم اس کو ملنے والے ہو) یعنی تم اس کی طرف جانے والے ہو پس اس کی ملاقات کی تیاری کرو۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو) ثواب کے ساتھ اے محمد ﷺ۔

عجیب نکتہ:

تین مرتبہ یَسْئَلُوْنَكَ بغیر واؤ کے آیا۔ پھر تین مرتبہ واؤ کے ساتھ لایا گیا۔ کیونکہ پہلے تین حوادث سے متعلق سوال گویا متفرق اوقات میں پیش آیا اس لئے حرف عطف نہیں لایا گیا کیونکہ ہر سوال ابتدائی سوال تھا اور پچھلے حوادث کے متعلق سوال ایک ہی وقت میں پیش آئے اس لئے واؤ جمع کا ان کے درمیان لایا گیا۔

۲۲۴۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (اور مت بناؤ اللہ تعالیٰ کو روکنے والا اپنی قسموں کا کہ تم نیکی کرو گے۔ اور تقویٰ اختیار کرو گے اور اصلاح کرو گے لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں)۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۸

اس کا تعلق یہ ہے کہ مرد رجوع کر سکیں مدت کے گزرنے کے بعد یا بعض مدت کے گزرنے کے بعد ہے کیونکہ فاء تعقیب مع الوصل کے لئے ہے۔

شاندار جواب:

جواب: قرآن کا جواب یہ ہے فان فاءو وان عزموا حقیقت میں للذین یؤلون من نساءھم کی تفصیل ہے۔ اور تفصیل مفصل کے بعد آتی ہے۔ جیسا کہ تم کہو۔

انا نزیلکم ھذا الشھر فان احمدتکم اقمت عندکم الی آخرہ والا لم اقم الا ریثما اتحول۔ میں اس مہینہ تمہارا مہمان ہوں پس اگر میں تمہاری تعریف کروں تو پورے مہینہ کے لئے تم میں قیام کروں گا۔ ورنہ قیام نہ کروں گا اور تھوڑی دیر میں کوچ کر جاؤں گا۔

تفسیر: آیت ۲۲۸: وَالْمُطَلَّقٰتُ۔ (اور طلاق شدہ عورتیں) اس سے مراد مدخول بہا حیض والی عورتیں۔

امر بصورت خبر:

یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔ (وہ اپنے آپ کو روکیں) یہ خبر ہے جو امر کا معنی دیتی ہے اصل کلام اس طرح ہوگا۔ ولتتربص المطلقات چاہیے کہ مطلقہ عورتیں انتظار کریں امر کو بصورت خبر لانا تاکید امر مقصود ہے اور اس بات کی طرف نشان دہی کی گئی کہ یہ ان کاموں میں سے ہے جن کو فی الفور پورا کرنا مناسب ہے گویا ان عورتوں نے اس حکم کا انتظار سے تسلیم کر لیا ہے پس اس کے

پائے جانے کی خبر دی جا رہی ہے۔ اہل عرب دعا میں اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ یرحمك اللّٰہ یہ کلمہ دعائیہ بھی خبری صورت میں اسی لئے لایا جاتا ہے۔ کہ قبولیت پر یقین و اعتماد ہوتا ہے گویا رحمت ابھی موجود ہے اور یہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ پھر یہاں مبتداء پر اس کی بنیاد رکھ کر تاکید میں اضافہ کر دیا۔ کیونکہ جملہ اسمیہ دوام و ثبات پر دلالت کرتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے نیز انفسهن کا ذکر کر کے ان کو انتظار پر مزید ابھارا گیا ہے اور مزید اس پر ابھارا کیونکہ عورتوں کے نفس مردوں کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔ پس ان کی ذوات کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو بند رکھیں۔ اور طبع پر غالب کریں اور انتظار پر مجبور کریں۔

قرء بمعنی حیض کی اشارۃ النص سے دلیل:

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ (تین حیض) قروء جمع قرء یا قروء کی اور اس کا معنی حیض ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دعی الصلوة ایام اقرائك (دارقطنی)

تو نماز اپنے حیض کے ایام کی مقدار چھوڑ دو۔ اسی طرح یہ ارشاد طلاق الامة تطلیقتان و عدتها حیضتان۔ (ابوداؤد، ترمذی) آپ ﷺ نے طہران نہیں فرمایا اور سورۃ الطلاق آیت نمبر ۴ واللائی یئسن من المحیض من نساءکم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر۔ میں اشھر کو حیض کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ اطہار کو قائم مقام قرار نہیں دیا گیا۔ (پس گویا اشارۃ النص سے اس معنی کی تائید ہوگئی) ان نصوص کے علاوہ دو دلائل عقلیہ۔

اس معنی کے تین دلائل عقلیہ:

دلیل عقلی نمبر ۱: عدت کا مقصود استبراء رحم ہے حیض سے رحم کا استبراء حاصل ہوتا ہے نہ کہ طہر سے اسی بناء پر بالاتفاق لونڈی کے لئے استبراء ایک حیض سے حاصل ہوتا ہے۔

نمبر ۲۔ اگر طہر مراد لیا جائے جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے تو عدت دو قرء اور تیسرے کے کسی قدر حصے سے ختم ہو جائے گی تین کی صورت حاصل نہ ہوئی کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طہر کے آخر میں طلاق دے تو وہ حیض امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں عدت میں پورا شمار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اگر اس کو حیض کے آخر میں طلاق دے تو ہمارے ہاں وہ حیض گنتی میں نہ آئے گا اور یہ ظاہر بات ہے کہ تین ایک خاص عدد ہے جو تین سے کم پر بولا نہیں جاتا۔

نمبر ۳۔ محاورۂ عرب ہے اقرأت المرأة جب اس کو حیض آئے اور امرأة مقرئ حائضہ عورت

نحوی تحقیق:

نحو: ثلثة منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یعنی یتربصن ثلثة قروء نمبر ۱۔ یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی یتربصن مدة ثلثة قروء نمبر ۲۔ یعنی وہ روکیں اپنے کو مدت تین حیض کے گزرنے تک۔ تمیز جمع کثرت ہے نہ کہ جمع قلت جو کہ اقراء ہے کیونکہ اسماء جمعیت میں مشترک ہیں۔ شاید قروء کو لفظ قرء کی جمع کے طور پر اقراء سے زیادہ استعمال ہوتا ہے پس اس کو قلیل الاستعمال پر ترجیح دے کر ذکر کیا گیا۔ کیونکہ قلیل الاستعمال بمنزلہ مہمل کے ہے۔

کتمان کی مراد:

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ۔ (اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے) یعنی حمل یا دم حیض یا دونوں میں سے کوئی ایک۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عورت اپنے خاوند سے جدائی کا ارادہ رکھتی ہو پس وہ حمل کو چھپائے تاکہ وہ خاوند اس کی طلاق میں وضع حمل تک انتظار نہ کریں۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکے کے بارے میں شفقت کرتے ہوئے اس کو رخصت سے گریز کرے۔ یا وہ عورت اپنا حیض چھپائے اور کہے کہ وہ حائضہ ہے حالانکہ وہ طہر میں ہو تاکہ جلدی طلاق حاصل کرلے۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں) یہاں ان کی اس حرکت کو بڑا کر کے پیش کیا گیا۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کی سزا پر ایمان ہو وہ اس کے گناہ پر جرأت نہیں کرتا۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ۔ (اور ان کے خاوند) البعول جمع بعل ہے۔ تاء جمع مؤنث کے لئے لائی گئی ہے۔

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ (ان کے لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں) یعنی ان کے خاوند رجعت کے زیادہ حقدار ہیں۔

لفظ زوج کی حکمت:

مَسْئَلَه: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو طلاق کے بعد بھی زوجیت کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

فِيْ ذٰلِكَ۔ (اس میں) یعنی مدت انتظار میں۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی رجوع کا ارادہ کرلے اور عورت انکار کرے تو مرد کی بات کو عورت کی بات پر ترجیح دی جائے گی۔ اور مرد اس بات کا زیادہ حقدار ہے اس بنا پر کہ اس کو رجوع کا حق ہے۔

اِنْ اَرَادُوْٓا۔ (اگر وہ ارادہ کریں) یعنی رجوع کا۔

اِصْلَاحًا۔ (درستگی کا) اپنے اور ان کے درمیان اور ان پر احسان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔

طرفین کے حقوق و فرائض:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ (اور ان عورتوں کا حق ہے اسی مثل جیسا عورتوں پر ہے) یعنی ان عورتوں کا مردوں پر حق لازم ہے جیسے مہر و نفقہ اور حسن معاشرت اور ترک مضرت وغیرہ اسی کی مثل جو حق اللہ کا ان عورتوں پر لازم ہے جیسے ناپسندیدہ باتوں سے رکنا اور اچھی باتوں کا حکم دینا۔

بالمعروف سے مماثلت فی الاصلاح مراد ہے:

بِالْمَعْرُوْفِ۔ (دستور کے موافق) یعنی اس انداز سے جو شریعت و عادات میں مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں مماثلت سے جنس فعل میں مماثلت مراد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور احسان اور حق اچھی طرح ادا کرنے میں مماثلت مراد ہے۔

پس مرد پر لازم نہیں کہ جب عورت اس کے کپڑے دھوئے یا اس کے لئے کھانا تیار کرے تو وہ مرد بھی اسی طرح اس کے لئے کرے۔ بلکہ ان کے بالمقابل وہ کام کرے جو مردوں کے لائق ہیں۔

شرعی عادت ایک طلاق کے بعد طلاق متفرق طور پر دینا ہے۔ نہ کہ اکٹھی اور نہ ایک ہی لفظ سے مرتین سے مراد تثنیہ نہیں بلکہ دفعہ (مرتبہ) مراد ہے۔ جیسے سورۃ ملک آیت نمبر ۳ میں ثم ارجع البصر کرتین میں کرتین یعنی کرۃ بعد کرۃ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہے نہ کہ دو مرتبہ۔

طلاق بدعت:

مسئلہ: اس آیت میں ہماری دلیل ہے۔ دو طلاقوں اور تین کو اکٹھا ایک ہی طہر میں دینا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر میں اگرچہ خبر ہے مگر یہ امر ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں تخلف لازم آتا ہے اس لئے کہ طلاق اکٹھی بسا اوقات پائی جاتی ہے۔

ایک قول: یہ بھی ہے کہ ایک انصاریہ نے عرض کیا۔ میرے خاوند نے کہا ہے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر رجوع کرتا رہوں گا۔ پس یہ آیت اتری۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔ کہ طلاق رجعی تو دو بار ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں۔

بِمَعْرُوْفٍ۔ پھر دستور کے موافق رکھنا ہے یعنی رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم پر دستور کے موافق روکے رکھنا لازم ہے۔

اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (یا حسن سلوک سے رخصت کر دے) یعنی اس سے رجوع نہ کرے۔ یہاں تک کہ عدت سے بائنہ ہو جائے۔

تیسری طلاق اور خلع

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کو تیسری طلاق تیسرے طہر میں دے دے۔ یہ آیت جمیلہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں اتری۔ جمیلہ ان کو ناپسند کرتی تھی۔ جبکہ ثابت اس سے محبت کرتے تھے۔ ثابت نے ان کو مہر میں ایک باغ دے رکھا تھا۔ پس جمیلہ نے وہ باغ واپس کر کے ان سے خلع کر لیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا خلع تھا (تفسیر طبری صفحہ ۴۶۱ جلد ۲)

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ۔ (اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے) اے خاوند یا اے حکام کیونکہ فیصلے کے وقت وہی لینے دینے کا حکم کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے انہی کو خود لینے دینے والے کہہ دیا گیا۔

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا۔ (کہ تم لو اس میں سے کچھ جو کہ تم انہیں دے چکے ہو) یعنی اس مہر سے جو مہر تم ان کو دے چکے ہو۔

اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ (مگر جب دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے) یعنی مگر یہ کہ میاں بیوی جان لیں کہ ازدواجی زندگی برقرار رکھنے میں حقوق زوجیت میں حدود اللہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اس لئے کہ بیوی کی بد اخلاقی اور بدخوئی ظاہر ہو چکی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ۔ (پس اگر تمہیں ڈر ہو) یعنی اے حکام۔ یہ بھی جائز ہے کہ اول خطاب ازواج کو ہو اور دوسرا حکام کو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ

ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ۔ اور نہ روکو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو۔ اور جو

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫

شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنا ہی برا کیا۔ اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی کی بات

وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

جس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

کے ارتکاب سے باز رہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا پس اگر اس نے اس عورت کو طلاق دے دی یعنی زوج ثانی نے وطی کے بعد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ (ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں) یعنی پہلے خاوند اور اس عورت پر اَنْ يَّتَرَاجَعَآ (کہ پھر رجوع کر لیں) اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (اگر ان کو یقین ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے)۔

تعبیری حکمت:

سوال: (ان علما انهما يقيمان) نہیں فرمایا بلکہ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا کہا گیا۔

جواب: کیونکہ یقین ان سے غائب ہے۔ اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا (یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں) قاری المفضل نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی نُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں) یعنی اس کو سمجھتے ہیں جو ان کیلئے بیان کیا گیا۔

تفسیر آیت ۲۳۱:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں) یعنی جب ان کی عدت انتہا کو پہنچ جائے اور اسکے انتہا کے قریب ہو جائیں۔

لفظ اجل کا معنی:

الاجل کا لفظ تمام مدت پر بھی بولا جاتا ہے اور آخر مدت پر بھی انسان کی عمر کو بھی الاجل کہا جاتا ہے۔ اور موت کو بھی الاجل کہتے ہیں جس سے عمر ختم ہوتی ہے۔

حسن معاشرت کا حکم:

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔ انہیں حسن معاشرت سے روک لو یا سلوک کے ساتھ انہیں رخصت کر دو۔ یعنی یا تو ان سے رجوع کر لے مگر اس سے ان کو دکھ دینا مقصود نہ ہو۔ یا پھر اس کا راستہ چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور بلا ایذاء کے جدا ہو جائے۔

خاتمہ رواج:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا (اور ان کو تنگ کرنے کیلئے مت روکو) ضِرَارًا۔ مفعول لہٗ (ترجمہ اسکے مطابق ہے) یا حال ہے۔ مت ان کو روکو اس حال میں کہ ان کو تنگی دینے والے ہو۔ عرب میں رواج یہ تھا کہ عورت کو طلاق دے کر چھوڑ دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت کا زمانہ قریب الختم ہوتا۔ تو پھر اس سے رجوع کر لیتے۔ مگر یہ رجوع ضرورت کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ عدت کو لمبا کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس کو قرآن مجید میں الامساک ضرارا فرمایا گیا۔ لِتَعْتَدُوا تاکہ تم ان پر زیادتی کرو۔ یعنی ان پر ظلم کرو یا ان کو فدیہ دینے پر مجبور کرو۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ۔ (جو اس طرح کرے گا) یعنی دکھ دینے کیلئے روکے گا۔

تاکید عمل:

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ (پس یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا)۔ اس جان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا کر۔ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا (اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ)۔ یعنی تم ان آیات کو اپنانے اور ان کے فرامین پر عمل کی کوشش کرو۔ اور ان کی پوری پوری نگہبانی کرو۔ ورنہ تو تم ان کا مذاق بنانے والے ہو۔ عرب اس آدمی کو جو کسی معاملے میں کوشش نہ کرے کہتے ہیں۔ انما انت لاعب وهازئ۔ تو تو کھیل تماشا اور مذاق اڑانے والا ہے۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی ہیں)۔ یعنی اسلام دے کر اور نبوت محمد ﷺ دے کر۔

وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ (اور جو کتاب اس نے نازل کی اور حکمت)۔ حکمت سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ ذکر نعمت۔ یہ ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اس نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

يَعِظُكُمْ بِهِ (وہ اس کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتے ہیں) یعنی وہ کی ضمیر ما انزل کی طرف جاری ہے اور یہ حال واقع ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اس چیز میں جس میں اس نے تمہارا امتحان لیا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (اور یقین کر لو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) خواہ وہ ذکر ہو یا قول نصیحت حاصل کرنا وغیر ذلک یہ اجمالی تیز انداز میں وعدہ وعید ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو تم ان کو مت روکو اس سے کہ وہ نکاح کر لیں اپنے شوہروں سے

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ

نکاح کر لیں بشرطیکہ آپس میں قاعدہ کے مطابق رضامند ہو جائیں۔ اس سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے

كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر آیت ٢٣٢:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ (اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں) یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے۔

بلوغ کا معنی:

نکتہ: دونوں کلاموں کا سیاق ظاہر کر رہا ہے۔ کہ بلوغ کا دونوں جگہ معنی الگ الگ ہے۔ یہاں تو نکاح کے بعد بلوغ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ عدت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پس یہاں معنی ختم ہونا اور پہلی آیت میں رجعت کے بعد ذکر کیا اور رجعت عدت کے دوران ہوتی ہے۔ اور پہلے میں معنی قریب اختتام ہوتا ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ۔ (پس تم مت ان کو روکو) ۔ یعنی مت ان کو منع کرو۔

العضل ۔ روکنا اور تنگی دینا۔

أَنْ يَنْكِحْنَ ۔ (یہ کہ وہ نکاح کریں) ۔ یعنی اس بات سے کہ وہ نکاح کریں۔

أَزْوَاجَهُنَّ ۔ (اپنے خاوندوں سے) ۔ یعنی وہ خاوند جن کی طرف یہ عورتیں رغبت رکھتی ہیں اور وہ ان کے لئے مناسب بھی ہیں۔

عجیب استنباط:

مسئلہ: اس سے یہ بھی اشارہ نکلا کہ عورتوں کی تعبیر سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

نکتہ: آیت میں خطاب ان ازواج کو ہے۔ جو اپنی عورتوں کو ظلم کے طور پر عدت کے ختم ہونے کے بعد روکتے ہیں اور اس وقت ان
ان کو چھوٹ نہیں دیتے کہ وہ جن خاوندوں سے پسند کریں نکاح کر لیں۔ ان کو ازواج ما یؤول کے اعتبار سے کہا گیا۔ یا خطاب
اولیائے عورت کو ہے۔ جو ان عورتوں کو اپنے سابقہ خاوندوں کی طرف لوٹنے سے روکنے والے ہیں۔ ان کو ازواج ماضی کے اعتبار
سے کہا۔

واقعہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ:

یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری جب انہوں نے اپنی بہن جملاء بنت یسار کو پہلے سابقہ خاوند بداح بن
عاصم کے ساتھ دوبارہ نکاح سے روکا۔ یا عام لوگوں کو خطاب ہے کہ تمہارے درمیان عضل یعنی روکنا نہیں پایا جانا چاہیے۔ کیونکہ
جب وہ پیغام دے اور عورت اس سے راضی ہو تو وہ تمام منع کرنے والے کے حکم میں ہوتے ہیں۔

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ (جب وہ باہم رضا مند ہو جائیں) یعنی جب نکاح کا پیغام دینے والا اور عورت رضا مند ہوں۔ بِالْمَعْرُوْفِ
(دستور کے مطابق) جو دین و مروت کے مطابق ہو اور کسی شرعی مہر مثل کے ساتھ ہو اور گواہوں کیونکہ جب دونوں میں سے ایک عدم
ہو تو اولیاء کو تعرض کرنا درست ہے۔ اور ذٰلِكَ میں خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ یا ہر ایک مخاطب کو۔ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتا ہو) اس لئے کہ نصیحت انہی میں کامیاب ہوتی ہے۔ ذٰلِكُمْ یہ (اے لوگو) یعنی منع کرنا۔

اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ (یہ تمہارے حق میں نفع دینے والی اور زیادہ پاک کرنے والی ہے) یعنی تمہارے لئے گناہوں کی گندگی سے
زیادہ پاک کرنے والی ہے۔ یا افضل اور اطیب ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) اس چیز کو جس میں پاکیزگی اور طہارت ہے۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور تم نہیں جانتے ہو) اس کو

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ہے ان کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ

نہ تکلیف دی جائے والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث کے ذمہ اسی طرح

ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

سے لازم ہے۔ سو اگر دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۳:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ (اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو) یہ صورۃً خبر ہے مگر امر مؤکد کے معنی میں ہے جیسا کہ یتربصن مگر یہ امر بطور استحباب ہے یا بطور وجوب جبکہ بچہ ماں کا دودھ ہی قبول کرتا ہو یا اس کے لئے کوئی دایہ نہ ملتی ہو یا والد اجرت سے عاجز ہو۔ یا مطلقہ والدات مراد ہوں۔ اور نفقہ اور کپڑے بطور رضاعت واجب کئے گئے ہوں۔

حَوْلَيْنِ (دو سال) یہ ظرف ہے كَامِلَيْنِ (پورے دو) یہ حولین کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس میں تسامح ہو سکتا ہے جس طرح تم کہتے ہو۔ انک اقمت عند فلان حولین ولم تستکملھما تم نے فلاں کے ہاں دو سال قیام کیا۔ اور ان کو پورا نہ کیا ہو۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (اس شخص کے لئے جو رضاعت کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو) لام میں اس شخص کا بیان ہے جس کی طرف حکم متوجہ ہو۔ یعنی یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتا ہو۔

باپ کی ذمہ داری:

حاصل کلام: یہ ہے کہ باپ کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلائے ماں کے ذمہ نہیں۔ اور باپ کے ذمہ ہے یا لازم ہے کہ اس کے لئے ایک دایہ کا انتظام کرے۔ مگر یہ کہ ماں دودھ پلانے پر خوش دلی سے راضی ہو۔ اور وہ خود رضامندی ظاہر کرنے والی ہو۔ اس پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور ماں کو مزدوری طلب کرنی جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ بیوی ہے یا معتدہ ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ (اور والد پر) لہٗ ضمیر لام کی طرف لوٹتی ہے اور لام الذی کے معنی میں ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے علی الذی یولدله وهو الوالد

نحو: لہٗ علیہ کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسا کہ علیہم غیر المغضوب علیہم۔ الفاتحۃ آیت نمبر ۷ میں ہے۔

مولود لہٗ کی تعبیر میں حکمت:

نکتہ: یہاں مولود لہٗ فرمایا گیا والد نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو جائے کہ ماؤں نے ان بچوں کو ان کے لئے جنا ہے۔ اس لئے کہ اولاد باپوں کی ہے نسب کی نسبت باپوں کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماؤں کی طرف۔ پس ان باپوں پر لازم ہے کہ وہ ان (والدات) کو کھانا اور کپڑا دیں۔ جبکہ وہ ان کی اولاد کو دودھ پلائیں۔ جیسا کہ دایہ کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہے جو دودھ پلانے کا کام کرے۔ جہاں ایسا موقعہ نہ تھا۔ وہاں والد کا نام لے کر ذکر کیا سورۃ لقمان: ۳۳ .. وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اور تم ڈرو اس دن سے کہ والد اپنی اولاد کی طرف سے کام نہ آئے گا اور نہ مولود اپنے والد کے کچھ کام آ سکے گا۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (ان کے خرچے اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے) یعنی بغیر فضول خرچی اور بغیر کمی کے۔ اس کی تفسیر لا تکلف نفس الا وسعها ہے۔ کہ ان میں سے کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ جو اس کی وسعت میں نہیں۔ اور نہ وہ دھوکہ دیے جائیں گے۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا (نہ تکلیف دی جائے گی کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق) یعنی جو پائی جائے یا امکان کی حد تک۔ التکلیف۔ اس چیز کو لازم کرنا جس کو تکلف میں ترجیح دی جاتی ہے۔

نحو و قراءت:

نحو: وسعها۔ یہ لاتکلف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ استثناء کی وجہ سے نہیں اور الاَّ دو مفعولوں کے درمیان آیا ہے لا تضآر۔ قراءت: قراء مکہ و بصرہ ابن کثیر و یعقوب نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ لا تکلف سے بدل ہے یعنی خبر بمعنی نہی ہے۔ باقی قراء نے لا تضآرَّ نصب سے پڑھا ہے نہی بنا کر۔

ان دونوں صورتوں میں معروف و مجہول ہونے کا احتمال ہے اور اس کی اصل تُضَارِرُ و تُضَارَرُ ہے باقی قراء نے لا تضآر پڑھا اور اصل تُضَارِرْ تھی راء کو ساکن کر دیا اور دوسری میں ادغام کر دیا۔ اب دو ساکن جمع ہو گئے تو دوسری راء کو فتحہ دیا ہے۔

ضرر کی صورتیں:

وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (والدہ اپنے بیٹے کی وجہ سے اور نہ والد تکلیف دیا جائے بیٹے کی وجہ سے) نہ ماں اپنے خاوند کو تکلیف دے اپنے بیٹے کے سبب سے۔ وہ یہ کہ نخرے کرے اور اس سے رزق اور کپڑے ایسے مانگے جو خلاف انصاف ہوں۔ اور اس کے دل کو پریشان کرے۔ لڑکے کی دیکھ بھال میں کوتاہی برتے۔ اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد کہے کہ کوئی دودھ والی دایا اس کے لئے تلاش کر لو۔ بس اسی طرح کی دیگر باتیں۔ یعنی نہ والد اپنی بیوی کو بیٹے کی وجہ سے تکلیف دے کہ اس سے ایسی چیز روک لے جو اس پر لازم ہے کپڑے اور رزق میں سے۔ یا اس سے بیٹا چھین لے حالانکہ وہ اس کو دودھ پلانا چاہتی ہو۔ جب یہ مجہول ہو پھر یہ ممانعت اس بات کی بنے گی۔ کہ عورت کو تکلیف پہنچے خاوند کی طرف سے اور تکلیف خاوند کو پہنچے وارث کی طرف سے لڑکے کی وجہ سے۔

دوسرا قول: لا تضار بمعنی لا تضر ہے اور باء اس کے صلہ میں آئی ہے۔ یعنی نہ نقصان پہنچائے والدہ اپنے بیٹے کو نہ اس کی غذا کا خیال رکھے اور نگہبانی اور نہ اپنے سے مانوس کرنے کے بعد والد کے سپرد کرے۔ اور والد نقصان دے بیوی کو اپنے بیٹے کے سبب۔ وہ اس طرح کہ عورت سے بچہ چھین لے یا اس کے حق میں کوتاہی کرے۔ جس کے نتیجہ میں وہ لڑکے کے حقوق میں کوتاہی کرے۔

نسبت میں حکمت:

نکتہ: والد اور والدہ دونوں کی طرف لڑکے کی نسبت کی تاکہ ان کی شفقت اور محبت میں جوش آئے۔ وہ دونوں اس پر خصوصی شفقت کریں۔ (اپنے اختلاف کو بھول جائیں)

نحو: وَعَلَى الْوَارِثِ۔ یہ علی المولود له رزقهن و کسوتهن پر معطوف ہے اور ان کے درمیان میں معروف کی تفسیر ہے جو بطور جملہ معترضہ معطوف اور معطوف علیہ میں حائل ہے۔

تقدیر عبارت یہ ہے۔ وعلی الوارث الصبی عند عدم الاب مثل ذلك۔ کہ بچے کے وارث پر والد نہ ہونے کی صورت میں اسی کی مثل ہے۔

مِثْلُ ذٰلِكَ۔ اسی کی مثل سے مراد یعنی کپڑے اور رزق جو والد کی زندگی میں اس کے ذمہ تھا وارث پر بھی اسی کا لازم ہے۔

وارث کی تفسیر:

وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ نمبر ۱۔ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ جو اس کا وارث بنے۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔

نمبر ۲۔ احناف کے نزدیک۔ ذی رحم محرم مراد ہے۔ کیونکہ قراءت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلك ہے۔

نمبر ۳۔ عند الشافعی رحمہ اللہ۔ والد کی جائیداد سے خرچہ ادا کیا جائے گا۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا (اگر دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں) یعنی دونوں ماں باپ دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں اور وہ ارادہ

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ (رضامندی اور باہمی مشورہ سے صادر ہونے والا ہو)

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (تو ان دونوں پر اس سلسلہ میں کوئی گناہ نہیں) ان الفاظ سے تحدید کے بعد توسیع فرمادی گئی۔ کہ دو سال سے بڑھائیں یا کم کریں۔

التَّشَاوُرُ۔ (ایک دوسرے سے رائے لینا) یہ شرت العسل سے لیا گیا۔ جب کہ تم شہد کو چھتے سے نکالو۔ اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ باہمی رضامندی سوچ بچار کے ساتھ ہو۔ جس سے بچے کو تکلیف و ضرر نہ پہنچے۔

مصنف کا ذوقِ سلیم:

سبحان الذي ادب الكبير ولم يهمل الصغير واعتبر اتفاقهما لان للاب النسبة والولاية وللام الشفقة والعناية۔

مصنف کے یہ الفاظ بعینہٖ نقل کئے گئے تاکہ پڑھنے والا ان کے ذوقِ سلیم کی داد دیئے بغیر نہ رہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے بڑے کو ادب سکھایا اور چھوٹے کو ضائع و بیکار ہونے دیا۔ اور والدین کے اتفاق کا اعتبار کیا۔ کیونکہ باپ کو نسبت اور ولایت حاصل ہے۔ اور ماں کو ممتا اور محبت وہاب حقیقی سے ملی ہے۔

اضافت عدی کا فائدہ:

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ۔ اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہتے ہو۔ یعنی اولادکم کی اضافت لام کے معنی میں ہے۔ لاولادکم۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا استرضع یہ ارضع سے منقول ہے۔ عرب کہتے ہیں ارضعت المرأة الصبي واسترضعتها الصبي عورت نے بچے کو دودھ پلایا۔ میں نے بچے کے لئے اس کا دودھ طلب کیا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ یعنی تم دودھ پلانے والیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلواؤ۔ تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ یعنی ماں کے علاوہ اور کسی عورت سے تم دودھ پلواتے ہو۔ جبکہ ماں انکاری ہے۔ یا دودھ پلانے سے عاجز ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ (تو کوئی گناہ نہیں جبکہ تم سپرد کردو) دودھ پلانے والیوں کو۔ مَّآ اٰتَيْتُمْ (جو تم نے دینا ہو) یعنی جو تم مزدوری دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔

قراءت: مکی نے اَتَيْتُمْ پڑھا ہے۔ یہ اتی الیہ احساناً سے لیا گیا ہے۔ جبکہ وہ احسان کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سورۂ مریم۔ ۶۱ کان وعدہ ماتیا میں یہی معنی ہے۔ پورا کیا ہو۔ التسلیم یہ حوالے کرنا مستحب ہے۔ جواز کی شرط نہیں۔

بِالْمَعْرُوْفِ یہ سلمتم سے متعلق ہے۔ یعنی اجرت مرضعہ کے سپرد کرو وہ طیب نفس اور سرور نفس سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یقین کر لو بیشک اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والے ہیں۔ یعنی اس پر تمہارے اعمال مخفی نہیں۔ پس وہ ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو یہ بیبیاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

اور دس دن۔ پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں طریقے کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کوئی فیصلہ کر لیں۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی خبر رکھنے والا ہے۔

۲۳۴: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ۔ (وہ جو تم میں سے مر جائیں) کہ توفیت و استوفیت اس وقت بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا پورا لے لیا جائے۔ یعنی ان کے ازواج کو پورا پورا لے لیا جائے۔ وَيَذَرُوْنَ (اور وہ چھوڑ جائیں)۔

انتظار کا مطلب:

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ (وہ بیویاں وہ روکیں اپنے کو) یعنی ان کی بیویاں اپنے آپ کو روکیں جو تم میں سے فوت ہو جائیں۔ یعنی عدت گزاریں یا مطلب یہ ہے۔ ان کے بعد اپنے آپ کو روکیں اور انتظار کریں۔ بَعْدَهُمْ کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ جو جملہ خبر ہے اس میں ایک ضمیر ہونی چاہیے۔ جو مبتدا کی طرف لوٹنے والی ہو۔ تقدیری عبارت یہ ہے کہ ازواج الذین يُتَوَفَّوْنَ يَتَرَبَّصْنَ بَعْدَهُمْ۔

قراءت: مفضل نے يَتَوَفَّوْنَ معروف یاء کے فتحہ سے پڑھا اور اس کا معنی اپنی عمریں پوری کر لیں۔

مذکرہ میں لیالی کا لحاظ:

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ چار ماہ دس دن یعنی دس راتوں کے ساتھ دن بھی داخل ہوں گے۔ لفظ عشر کو مؤنث لانا لیالی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اہل عرب جب عدد کو لیالی و ایام میں مبہم ذکر کرتے ہیں۔ تو لیالی کا لحاظ کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں صمت عشرًا۔ جبکہ قرآن مجید میں فرمایا: ان لبثتم الا عشرًا۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں)۔ یعنی جب کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں) اے ائمہ اور حکام

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ (جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں دستور کے مطابق کریں)۔ یعنی منگنی کرنے والوں کا پیغام وصول کرنا۔ بِالْمَعْرُوْفِ دستور کے مطابق یعنی اس طریق سے جس کو شریعت درست قرار دیتی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے)۔ یعنی تمہارے باطن سے واقف ہے۔ (ان کے مطابق جزا دے گا)

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم عنقریب ان کا تذکرہ کرو گے) یعنی ہر صورت ان کا تذکرہ کرو گے ان کی طرف رغبت کو زبان سے ظاہر کرنے سے نہیں رکو گے۔

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا (لیکن ان سے خفیہ جماع کا وعدہ مت کرو)۔ کیونکہ یہ پوشیدہ کیے جانے والے افعال میں سے ہے۔ یعنی عدت میں اس طرح مت کہو کہ میں جماع پر قدرت رکھتا ہوں۔

اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (مگر یہ کہ ان سے دستور کی بات کہو)۔ تعریض و کنایہ سے۔ الّا کا تعلق لا تواعدوھن سے ہے۔ یعنی لا تواعدوھن مواعدة قط

الا مواعدة معروفة غیر منکرة ان سے وعدہ بالکل نہ کرو مگر دستور کا وعدہ جو تعریض سے ہو۔

عزم مثل سابق کی طرح ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (اور عقد نکاح کا قصد مت کرو) یہ عزم کا معنی عزم علیہ پختہ ارادہ کرنا عقد نکاح کی نہی میں مبالغہ کیلئے عزم عقد سے منع فرمایا۔ کیونکہ کسی فعل کا پختہ ارادہ اس پر اقدام کرنے والا ہوتا ہے۔ جب عزم سے منع فرمایا تو فعل کی ممانعت اور زیادہ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ نکاح کی گرہ کو باندھنے کا عزم مت کرو۔ یا دوسرا قول: نکاح کی گرہ کو قطعی مت کرو۔ کیونکہ عزم کی حقیقت قطع ہے۔ اور اس حدیث کا یہی معنی ہے۔

لا صیام لمن لم یعزم الصیام من اللیل۔ جو رات کو روزے کی قطعی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں۔ اور دوسری روایت میں لم یبیت الصیام (نسائی) بھی وارد ہوئے ہیں۔ قطعی فیصلہ مراد ہو گیا مطلب آیت کا یہ ہے۔ عقد نکاح کو پختہ ارادہ مت کرو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ جب تک کہ تمہارا اپنے وقت کو نہ پہنچ جائے۔ یعنی یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔ عدت کو کتاب کہا کیونکہ اس کی فرضیت کتاب سے ثابت ہوئی مطلب یہ ہوا کہ یہاں تک لکھا ہوا اپنے وقت مقررہ یعنی انتہا کو پہنچ جائے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ تم یقین کر لو۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یعنی وہ پختہ ارادہ جو جائز نہیں۔

فَاحْذَرُوْهُ پس اس سے ڈرو۔ یعنی اس کا پختہ ارادہ مت کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے حلم والے ہیں۔ اسی لئے تمہیں جلدی سزا نہیں دیتے (بلکہ مہلت دیتے ہیں)

شانِ نزول: یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اور نہ ہی اس کا مہر مقرر کیا تھا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور نہ مقرر

فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا

کیا ہو اور ان کو کچھ دے دو وہ گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے مقدار ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے موافق ہے فائدہ پہنچانا

بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ

دستور طریقہ پر یہ واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو کہ

تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ

ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں

أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا

یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

بھولو آپس میں احسان کرنے کو۔ بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۶:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ تم پر کچھ گناہ نہیں یعنی تم پر وجوب مہر کا تاوان نہیں۔

اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ یہ شرط ہے۔ اور اس کے جواب پر لا جناح علیکم دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں)۔

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ (جب تک کہ تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو)۔ یعنی ان سے مجامعت نہ کی ہو۔ ما شرطیہ ہے۔ یعنی ان لم تجامعوهن۔ اگر تم نے ان سے مجامعت نہ کی ہو۔

اختلاف قراءت:

حمزہ و علی رحمہما اللہ نے قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا اس کو تُمَاسُّوْهُنَّ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ فعل دو کے درمیان ہونے والا ہے۔

اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے مہر۔ یعنی مگر یہ کہ مقرر کیا ہو تم نے ان کے لئے مہر، یہاں تک کہ تم مقرر کرو۔ فرض الفریضة مہر مقرر کیا۔

غیر موطوءہ کا مہر:

مَسْئَلَة: اگر مطلقہ غیر موطوءہ ہے۔ تو مقررہ مہر کا نصف اس کو دیا جائے گا اور اگر مہر مقرر ہی نہ ہو تو مہر مثل کا نصف نہ دیا جائے گا بلکہ جوڑا دیا جائے گا۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ اور تم انہیں متعہ دو۔ یہ فعل محذوف کا معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ فَطَلِّقُوْهُنَّ وَ مَتِّعُوْهُنَّ طلاق دے دو اور انہیں فائدہ پہنچاؤ اور متعہ۔ تین کپڑے جوڑا دار (قمیص) کرتہ ہے۔ عَلَى الْمُوْسِعِ (وسعت والے پر) یعنی وہ جس کو وسعت حاصل ہے۔ قَدَرُهٗ اس مقدار کے مطابق جس کی وہ طاقت رکھتا ہو۔

قراءت: ابوبکر کے علاوہ باقی کوفی قراء نے قَدَرُهٗ دال کے جزم سے پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔

وَعَلَى الْمُقْتِرِ تنگدست پر۔ تنگ حال والا۔ اور اس بات کی دلیل کہ مہر کا تاوان کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ تا فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ہے۔ پس نصف فرضتم سے اس کا اثبات جس کی اس جگہ نفی فرمائی۔ قَدَرُهٗ اس کی حیثیت سے اور یہ متعہ مستحب ہے۔ مَتَاعًا یہ مَتِّعُوْهُنَّ کی تاکید ہے۔ یعنی متعوھن تمتیعًا تم ان کو متعہ دو متعہ دینا۔

بِالْمَعْرُوْفِ (دستور کے موافق) یعنی اس اندازے سے جو شرع میں مستحسن ہے۔ اور مروت کے اعتبار سے درست ہے۔ حَقًّا یہ حق ہے یہ متاعًا کی صفت ہے۔ یعنی ایسا متعہ جو ان پر واجب ہے۔

یا دوسرا قول: حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا یہ ثابت ہوا ثابت ہونا۔

مستقبل کا محسن:

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ (نیکی کرنے والوں پر) مسلمانوں پر یا ان لوگوں پر جو مطلقات پر متعہ دے کر احسان کرتے ہیں۔

سوال: ان کے فعل کرنے سے قبل ہی ان کو محسنین کیوں فرمایا۔ حالانکہ ابھی انہوں نے احسان تو نہیں کیا؟

جواب: یہ اسی طرح ہے جیسا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: من قتل قتیلا فله سلبه (بخاری و مسلم) کو قتیل مآل کے اعتبار سے کہا۔ اور یہ احسان و تبرع نہیں جو اس کے ذمہ نہ ہو بلکہ یہ متعہ تو واجب ہے۔

پھر اس عورت کا حکم بتلایا کہ طلاق دیتے وقت اس کا مہر مقرر تھا مگر طلاق قبل المس واقع ہوگی۔ پس فرمایا۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ (اگر تم ان کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو) اَنْ یہاں فعل پر داخل ہوا بتاویل مصدر فعل موضع جر میں ہے یعنی اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو۔

وَقَدْ فَرَضْتُمْ (اور تم تعیین کر چکے ہو) یہ موضع حال میں ہے یعنی اس حال میں کہ تم نے تعیین کر دیا۔

لَهُنَّ فَرِيْضَةً (ان کے لئے مہر)

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ (پس نصف ہے اس کا جو تم نے مقرر کیا مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں) مراد اس

سے متعلقات ہیں۔ ان فعل کے ساتھ۔ تکرار کی وجہ سے موضع نصب میں واقع ہے گویا اس طرح کہا گیا۔ پس تم پر نصف ہے جو تم نے مقرر کیا تمام اوقات میں مگر اس وقت میں کہ وہ تم سے نصف مہر معاف کر دیں۔

صیغوں میں فرق:

سوال: مردوں کے لئے یعفوا اور عورتوں کے لئے یعفون کا صیغہ لایا گیا۔ حالانکہ صیغہ و تذکیر کا فرق ہوتا ہے۔

جواب: یعفوا۔ اس میں واؤ ضمیر ہے اور نون علامت رفع تھی ان کی وجہ سے گر گئی اور یعفون میں واؤ لام کلمہ ہے اور نون ضمیر جمع مؤنث ہے اس لئے عامل کا اس میں چنداں اثر نہیں۔ او یعفوا۔ یہ یعفون کے محل پر معطوف ہے۔

نکاح کی گرہ والا:

الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی خاوند جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تفسیر فرمائی۔ اور یہی سعید بن جبیر اور شریح اور مجاہد۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ پس عقد کو باقی رکھنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شرعی واجب تو نصف مہر ہی ہے مگر عورت کل کو ساقط کر دے تو اس کی مرضی۔ یا مرد اپنی عظمت کا خیال کرتے ہوئے تمام ادا کر دے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا پرانا قول یہ ہے کہ بیدہ عقدۃ النکاح سے ولی مراد ہے۔

ایک اہم سوال:

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق ولی چھوٹی بچی کے حق میں تبرع کا مالک نہیں تو یہاں بڑی عورت کے سلسلے میں عقدۃ النکاح کیسے بن گیا۔

نحو: وان تعفوا۔ یہ تاویل میں مبتدا ہے اور اقرب للتقوٰی یہ خبر ہے اس میں خطاب ازواج اور زوجات کا بطور تغلیب ہے۔

اہتمام عفو:

زجاج رحمہ اللہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خاوند کا عفو یہ ہے کہ وہ کل مہر دے دے۔ یہ عفو اس کے حق میں بہت بہتر ہے اور عورت کا عفو تمام کا وصول نہ کرنا بلکہ تمام سے دستبردار ہو جانا یہ عورت کے لئے بہت بہتر ہے۔

یا دوسرا قول: خاوندوں کے لئے عفو بہت بہتر ہے۔

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ (اور تم فضل کو نہ بھولو) یہاں فضل التفضیل کے معنی میں ہے۔

بَیْنَکُمْ (اپنے درمیان) یعنی اس بات کو مت بھولو کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے جیسے دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے) پس وہ تمہاری الفضیلت پر تمہیں بدلہ دیگا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیانی والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۸:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ (تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو) یعنی ان کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کا التزام کرو۔ اور ان کے ارکان اور شرائط کو پورا کرنے کا اہتمام کرو۔

نمازِ عصر کی عظمت:

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (اور درمیانی نماز) یعنی جو نمازوں کے درمیان میں ہو۔ یعنی فضیلت والی۔ عرب کے لوگ فضیلت والی چیز کے لئے وسطیٰ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

صلوٰۃ وسطیٰ کو منفرد ذکر صلوات پر عطف کیا کیونکہ یہ نماز فضیلت میں منفرد مقام رکھتی ہے اور وہ صلوٰۃ عصر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

دلیل نمبر ۱: اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا۔ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے مشغول کیا یعنی صلوٰۃ عصر سے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری، مسلم، احمد)

نمبر ۲۔ رسول اللہ نے فرمایا یہی وہ نماز ہے کہ جس سے سلیمان مشغول ہوئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا۔ (ابن ابی شیبہ)

نمبر ۳۔ مصحف حفصہ رضی اللہ عنہا میں الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر کے الفاظ ہیں۔

نمبر ۴۔ یہ نماز دو دن اور دو رات کی نمازوں کے درمیان میں واقع ہے۔

نمبر ۵۔ اور اس کی فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی تجارت اور معیشت کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔

تفسیری اقوال:

دوسرا قول: یہ نماز ظہر ہے کیونکہ یہ دن کے درمیان میں ہے۔

تیسرا قول: نماز فجر ہے۔ کیونکہ یہ دن کی دو اور رات کی دو نمازوں کے درمیان ہے۔

چوتھا قول: نماز مغرب ہے کیونکہ یہ دو اور چار رکعات کے مابین تین رکعات والی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ سری نمازوں اور دو جہری نمازوں کے درمیان ہے۔

پانچواں قول: نماز عشاء ہے کیونکہ وہ دو عاقب نمازوں کے درمیان ہے یعنی مغرب اور فجر کے۔

چھٹا قول: یہ لیلۃ القدر کی طرح غیر معین ہے تاکہ تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

قنوت قیام ہے:

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو) یعنی نماز میں

قَانِتِينَ القانتین۔ یہ حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم اطاعت کرنے والے اور خشوع کرنے والے ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کو قیام میں یاد کرنے والے ہو۔

القنوت۔ کا معنی قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

دوسرا قول: اس میں کہ وہ قیام کو لمبا کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۳۹:

فَإِنْ خِفْتُمْ (پس اگر تم کو خوف ہو) یعنی دشمن کا خوف ہو یا اور کوئی۔

فَرِجَالًا (پس پیدل) یہ حال ہے یعنی تم پیدل نماز پڑھو۔ رجالا جمع راجل ہے جیسے قائم اور قیام۔

أَوْ رُكْبَانًا (یا سواری پر) یعنی ایک سمت اشارہ کے ساتھ۔ اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہ ہوگا۔

فَإِذَا أَمِنتُمْ (جب تم امن میں ہو جاؤ) یعنی خوف نکل جائے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ (پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی پس امن والی نماز پڑھو۔

كَمَا عَلَّمَكُم (جیسا اس نے تمہیں سکھایا) یعنی یاد کرنا اس طرح جیسا اس نے تمہیں سکھایا۔

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (وہ باتیں جو تم نہ جانتے تھے) یعنی صلوٰۃ امن۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے مستفید ہونے کی

اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ

ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی

اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

جانوں کے لئے قاعدے کے مطابق اختیار کریں۔ اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۰:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا (اور وہ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کرنا ہے اپنی بیویوں کے لئے)

نحو و اختلاف قراءت:

شامی، ابو عمرو اور حمزہ و حفص نے وصیۃ کو نصب سے پڑھا ہے فلیوصوا وصیۃ۔ وہ وصیت کریں وصیت کرنا۔ یہ زوجین سے مروی ہے اور دیگر قراء نے رفع سے پڑھا ہے یعنی فعلیهم الوصیۃ ان پر وصیت لازم ہے۔

نمبر ۲۔ متاعا یہ وصیت کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر فلیوصوا وصیۃ متاعا وہ وصیت کریں وصیت فائدہ دینے کی۔

منسوخ و ناسخ کا ذکر:

دوسرا قول: متعوھن متاعا۔ تم ان کو سامان کا فائدہ دو۔

اِلَى الْحَوْلِ (ایک سال تک) یہ متاعا کی صفت ہے۔

غَيْرَ اِخْرَاجٍ (بلا نکالے) یہ مصدر مؤکد ہے جیسا تمہارا قول ہذا القول غیر ما تقول۔ میں غیر ما تقول قول کی تاکید ہے۔

دوسرا قول: متاعا سے بدل ہے مطلب آیت کا یہ ہوا کہ ان لوگوں پر حق بنتا ہے کہ جو فوت ہو رہے ہوں کہ وہ قریب المرگ ہونے سے پہلے بیویوں کے متعلق وصیت کریں کہ ان کی بیویاں ان کے بعد ایک سال مکمل تک نان و نفقہ لیتی رہیں گی۔ یعنی یہ خرچ ان پر کہ وصیت متروکہ میں سے کیا جائے گا اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔

ابتدائے اسلام میں یہ مقرر کیا گیا پھر اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا الی قولہ اربعۃ اشھر و عشرا۔ یہ ناسخ والی آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سیقول السفہاء من الناس سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۲ میں ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞ كَذٰلِكَ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر۔ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

فرماتا ہے اپنی آیات تاکہ تم سمجھو۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء البقرہ آیت نمبر ۱۴۴ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے اور قد نری تلاوت میں متاخر اور نزول میں مقدم ہے۔

فَاِنْ خَرَجْنَ (پس اگر وہ نکل جائیں) یعنی ایک سال کے بعد۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں کریں) یعنی زینت، پیغام منگنی کا وصول کرنا۔

مِنْ مَّعْرُوْفٍ (دستور کے مطابق) یعنی شرعاً غلط نہ ہو۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ زبردست حکمت والا ہے) ان احکام میں جو وہ مقرر کرتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۴۱:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ (مطلقہ عورتوں کو فائدہ دینا ہے) یعنی متعہ کا نفقہ۔

بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (دستور کے موافق یہ حق ہے متقین پر) حقاً یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۲:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر آیات بیان کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو) اگر اس سے مراد متعہ ہو تو مراد مطلقہ مذکورہ کے علاوہ ہے اور یہ متعہ مستحب ہے۔

تَعْقِلُوْنَ یہ محل رفع میں لعل کی خبر ہے۔

موت عادۃً موت سے مختلف ہے۔

اس میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا کہ جب موت کے علاج چارہ کار نہیں۔ اور اس سے بھاگنے کا چارہ نہیں تو پاؤ اجر۔ جبکہ وہ موت اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔

ثُمَّ أَحْيَاهُمْ (پھر ان کو زندہ کیا) تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور جان لیں اللہ کے حکم و فیصلے سے بھاگنا ممکن نہیں۔ اس کا عطف فعل محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ پس وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کر دیا۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فقال لهم اللّٰه موتوا کا معنی یہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ وہ معنوی اعتبار سے اس پر عطف تھا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کرنے والے ہیں) اس طرح کہ ان کو ایسے اتفاقات دکھلاتے ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کریں۔ جیسے کہ ان کو دکھایا اور جیسے ان کا واقعہ بیان کر کے تمہیں دکھایا۔

یا دوسرا قول: لوگوں پر فضل فرمانے والے ہیں کہ ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔ تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور کامیاب ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ان کو مردہ چھوڑ دیتے۔ قیامت کے دن تک

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ہیں)

۲۴۴: اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے لایا گیا۔ یہ بعد والا واقعہ لائے اور اس میں قتال کا حکم دیا۔ اور وہ یہ ارشاد ہے۔

آمادگی بر جہاد:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو) اس میں جہاد پر آمادہ کیا گیا۔ یہ بتلانے کے بعد کہ موت سے فرار کچھ مفید نہیں۔

یہ خطاب امت محمد ﷺ کو فرمایا ہے۔

دوسرا قول: ان کو خطاب ہے جن کو زندہ کیا گیا۔

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں) جو باتیں پیچھے رہنے والے اور سبقت کرنے والے کرتے ہیں۔

عَلِيْمٌ (جاننے والے ہیں) ان چیزوں کو جو انسان کو نقصان دینے والی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد تھی۔ جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا

ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ

کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے فرمایا کیا تم ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

کیا جائے تو تم قتال نہ کرو۔ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ

حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے پاس سے۔ پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

تو پھر گئے بجز ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۶:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ (کیا تم نے اس جماعت کو نہیں دیکھا) یعنی شرفاء ان کو ملاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ دلوں کو احترام سے بھر دیتے ہیں اور آنکھوں کو رعب سے۔

مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (بنی اسرائیل میں سے) یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

واقعہ بنی اسرائیل:

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) یعنی ان کی وفات کے بعد یہاں مِنْ ابتدائے غایت کیلئے ہے۔

اِذْ قَالُوْا (جب انہوں نے کہا)

لِنَبِیٍّ لَّھُمُ (اپنے پیغمبر کو) اور وہ شمعون یا یوشع یا شمویل علیہم السلام تھے۔

ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا (تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر) یعنی تو ہمارے ساتھ قتال کے لئے اٹھا بطور امیر کے ایک شخص۔ تاکہ اس کی رائے سے ہم لڑائی کی تدبیریں کریں۔ اور اس کے حکم پر لڑیں۔

نُّقَاتِلْ (ہم قتال کریں) یہ جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور نون کے ساتھ ہے۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) یہ نقاتل کا صلہ ہے۔

قَالَ (ان کو نبی علیہ السلام نے کہا)۔

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (کیا قریب ہے کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے)

قراءت: عَسِيْتُمْ، کو عَسَيْتُمْ جہاں بھی آئے نافع نے پڑھا ہے۔

عَسٰی کی خبر اور اسم میں فاصل شرط ان کتب علیکم القتال ہے۔ اور عسٰی کی خبر اَلَّا تُقَاتِلُوْا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ تم قریب ہو اس بات کے کہ نہ قتال کرو تم۔ یعنی کیا بات اس طرح ہے جیسے میں توقع کرتا ہوں۔ کہ تم نہ قتال کرو گے۔ بلکہ بزدلی کرو گے۔ ھل استفہامیہ داخل ہے۔ کہ ان سے وہ پوچھا جائے جس کی ان کو ان سے توقع تھی۔ اور مقصد استفہام سے تقریر ہے اور ثابت کرنا ہے کہ جس کی توقع ہے وہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی توقع میں درست ہے۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انہوں نے کہا ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں گے) یعنی ترک قتال کی طرف کوئی چیز ہمیں دعوت دینے والی ہے اور ترک قتال میں ہمارا کیا مقصد پورا ہوتا ہے۔

قصۂ خروج بنی اسرائیل:

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا (حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالا گیا)

وقد میں واؤ حالیہ ہے اور اس کا قصہ یہ ہے کہ قوم جالوت مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ انہوں نے ان کے ۴۴۰ شہزادے قید کر لیے تھے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ جب معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے تو جہاد ضروری ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ (جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا) یعنی جس چیز کی تم نے التماس کی ہے۔ تو اس کو قبول کرو۔

تَوَلَّوْا (انہوں نے منہ موڑا) یعنی اس سے اعراض کیا۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جتنی کہ اہل بدر کی تھی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں) اس میں انہوں نے ترک جہاد کی جو زیادتی کی تھی۔ اس پر یہ وعید ہے۔

دُنیا پرستوں کا مزاج:

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (اس کو مالی وسعت میسر نہیں) یعنی وہ ہم پر سربراہ کیسے بنے گا جبکہ حالت یہ ہے کہ وہ سربراہی کے لائق ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ مستحق موجود ہیں۔ اور شان یہ ہے کہ وہ فقیر ہے اور بادشاہ کے لئے مال ہونا چاہیے جس سے وہ مضبوطی حاصل کر سکے۔ بنی اسرائیل نے یہ بات کی کیونکہ نبوت تو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھی۔ اور بادشاہت یہودا بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں اور طالوت بنیامین کی اولاد سے تھا اور یہ پانی پلانے والا آدمی تھا۔ یا رنگنے والا محتاج آدمی تھا۔

روایات میں ہے کہ ان کے پیغمبر علیہ السلام نے اس وقت دعا کی جب انہوں نے اس سے سپہ سالاری کا مطالبہ کیا۔ پس ان کو ایک لاٹھی دی گئی۔ جس سے قد کی پیمائش کی گئی۔ ان لوگوں کی جو بادشاہ بننے والے تھے اس کے مطابق کوئی بھی پورا نہ اترا سوائے طالوت کے۔

حکم پر اعتراض کی گنجائش نہیں:

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ (اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اصطفٰی میں طاء یہ تاء کا بدل ہے صاد ساکنہ کی جگہ۔ معنی اس کا پسند کرنا اور چننا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو چنا ہے وہ مصالح کو تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اور ان کے حکموں پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پھر دو مصلحتوں کا تذکرہ بھی فرما دیا جو ان مصالح سے زیادہ نفع بخش تھیں جو انہوں نے ذکر کی تھیں۔ یعنی نسب اور مال اور وہ مصلحتیں علم بسوط اور جسامت۔

پیغمبر علیہ السلام نے کہا۔ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا اس کو علم و جسم کی وسعت میں) بسطۃ یہ مفعول دوم ہے۔

بڑا ماہر:

کہتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں بنی اسرائیل کی لڑائی کے فنون اور علوم دیانات میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اور ہر انسان سے اپنے سر اور کندھے کے لحاظ سے لمبا چوڑا تھا۔

البسطہ وسعت و درازی کو کہتے ہیں۔ اور بادشاہ کے لیے علم والا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جاہل ذلیل و حقیر ہے اور اس سے مخلوق کو فائدہ نہ ہوگا۔ اور وہ جسامت والا ہو کیونکہ اس سے دلوں میں اس کی شان اور رعب بیٹھتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں اس کا کوئی منازع نہیں۔ وہ جس کو چاہتا عنایت کر دیتا ہے اس کا وراثت سے تعلق نہیں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل و عطا والے ہیں اس پر وسعت فرماتے ہیں جن کے پاس

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵۰﴾

۲۴۹: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ (جب طالوت لشکر لے کر جدا ہوئے) الفصل کا معنی ہٹنا ہے یعنی جب کہ اپنے اس شہر سے دشمن کے خلاف جہاد کے لئے۔

تعداد لشکر:

بالجنود کا لفظ موضع حال میں ہے یعنی لشکریوں کو ساتھ لینے والے تھے۔ جن کی تعداد اسی ہزار تھی۔ یہ وقت گرمی کا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے پانی کی نہر جاری کر دے۔

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم (انہوں نے کہا بے شک اللہ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں) یعنی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرنے والے ہیں جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے۔

دریائے فلسطین:

بِنَهَرٍ (ایک دریا کے ساتھ) یہ دریائے فلسطین ہے۔ یہ ابتلاء اس لئے تھا تاکہ سچے مجاہد اور کچے چن لیے جائیں۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ (پس جس نے اس میں سے پیا) یعنی منہ لگا کر

فَلَيْسَ مِنِّيْ (پس وہ مجھ سے نہیں) یعنی وہ میرا حامی و مددگار نہیں اور میرا ایمانی بھائی نہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ (جس نے نہ چکھا) یہ طعم الشیٔ سے ہے جب کہ اس کو چکھا جائے۔

فَإِنَّهٗ مِنِّيْ (پس وہ مجھ سے ہے)

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے مِنِّيَ یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے

إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ (یہ استثناء ہے۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ سے۔ اور دوسرا جملہ استثناء سے جملہ معترضہ کے حکم میں ہے۔ صرف عنایت کی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔

غُرْفَةً بِيَدِهٖ (ایک چلو ہاتھ سے)

قراءت: حجازی اور ابو عمرو نے غَرْفَةً غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی مصدر والا ہے۔ اور غُرْفَةً غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی مغروف یعنی چلو۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کے ایک چلو کی رخصت ہے۔ منہ لگا کر پینے کی اجازت نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ (پس انہوں نے اس سے پیا) یعنی منہ لگا کر پیا۔

إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) اور ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ (پس جب وہ اس کو عبور کر گئے) یعنی نہر کو۔

هُوَ (وہ) اس سے مراد طالوت ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ یقین کرنے والے تھے) یعنی قلیل تعداد میں۔

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ (وہ کہنے لگے ہمیں آج طاقت نہیں) یعنی کوئی قوت نہیں۔

جابر جالوت:

بِجَالُوْتَ (جالوت کے ساتھ) یہ عمالقہ کا ایک جابر بادشاہ ہے جو عملیق بن عاد کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے خود میں تین سو رطل لوہا تھا۔

وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ (اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کیا۔ تو ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں) یعنی شہادت پر یقین کرنے والے ہیں۔

بعض نے کہا۔ قالوا کی ضمیر ان میں بہت سے لوگوں کی طرف لوٹتی ہے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے۔

اور والذین یظنون میں ضمیر ان قلیل کی طرف ہے۔ جو ثابت قدم رہنے والے تھے۔

فیصلہ قضاء وقدر:

بِإِذْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے اذن سے) یعنی اس کے فیصلہ قضاء وقدر سے

تذکرہ داؤد علیہ السلام:

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ (اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا) داؤد علیہ السلام کے والد ایشی بھی طالوت کے لشکر میں اپنے چھ بیٹوں سمیت شامل تھے۔ داؤد ان میں ساتویں تھے۔ اور وہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اور بکریاں چراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ داؤد ہی جالوت کو قتل کرے گا۔

انہوں نے ان کے والد سے داؤد کو طلب کیا وہ آ گئے۔ راستے ہی میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے داؤد کو کہا۔ ہمیں اٹھالو۔ اور اس سے جالوت کو قتل کرو گے۔ ہمارے ساتھ جالوت کو قتل کرو گے۔

داؤد نے ان پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور وہ پتھر جالوت کی طرف پھینکے پس اس کو قتل کر دیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح داؤد علیہ السلام سے کر دیا۔ پھر ان کو حسد پیدا ہوا اور ان کو قتل کرنا چاہا (مگر قدرت نہ پا سکا) پھر تب ہی موت آ گئی۔

ملک سے مراد:

وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہی دے دی) یعنی مقدس کے مشرقی و مغربی علاقوں میں داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی بادشاہ پر متفق نہ ہوئے تھے۔

وَالْحِكْمَةَ (اور حکمت) یعنی نبوت۔

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ (اور اس کو جو چاہا علم دیا) یعنی صنعت زرہ اور کلام طیور وغیرہ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو دور نہ کرتے)

بَعْضَهُمْ: الناس پر منصوب ہے۔

بِبَعْضٍ بیان الناس کا بدل ہے یعنی بعض لوگوں کو۔

قراءت: دفع کو مدنی و یعقوب نے دفاع پڑھا ہے۔ یہ دافع دفع کا مصدر ہے۔ یا اس کا معنی واقع دفاع کرنے والا ہے۔

فساد کا مطلب:

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (بعض لوگوں کے ساتھ تو بگڑ جاتی زمین) یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے اور ان کے ذریعے ان کا فساد نہ روکے تو مفسد غالب آ جائیں اور زمین بگڑ جائے اور اس کے منافع بھی نسل و فصل ہو جائیں۔

دوسرا قول: اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی کافروں کے خلاف مدد نہ کرتا۔ تو غلبہ کفار سے زمین بگڑ جاتی اور نیک قتل کر دیے جاتے۔ اور شہر برباد ہو جاتے اور عبادت گاہیں منہدم ہو جاتے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل فرمانے والے ہیں) یعنی ان سے فساد کا ازالہ کر کے۔

یہ آیت معتزلہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اصلح کو اختیار فرماتے ہیں۔

آیات کا مفہوم:

۲۵۲: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

نحو: تلک مبتدا اور آیات اللہ خبر ہے۔

مطلب یہ ہوا یہ ہزاروں کے واقعات جو بیان کیے گئے اور ان کی موت کا تذکرہ ہوا اور پھر زندگی بخشنے کا اور طالوت کی بادشاہت۔ جابروں پر ایک بچے کے ذریعہ ان کا غلبہ وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

نَتْلُوْهَا (ہم ان کو پڑھ کر سناتے ہیں)

نحو: یہ اٰيٰتُ اللّٰهِ سے حال ہے اور اس کا عامل تلک کا معنی ہے۔ یا اٰيٰتُ اللّٰهِ یہ تلک سے بدل ہے اور نتلوھا اس کی خبر ہے۔

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (آپ پر حق کے ساتھ) یعنی اس یقین کے ساتھ کہ جس میں اہل کتاب کو شک کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ واقعات ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہیں۔

دلیل رسالت:

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اور بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں) اس لئے کہ آپ ان کو کسی کتاب کی قراءت کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں۔ یا آپ ان کو کسی اہل کتاب سے سننے کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں جو رسالت کی کھلی نشانی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر۔ ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ

درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا۔ اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات، اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو ان کے بعد تھے اس کے بعد کہ آ گئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ

لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو آپس میں جنگ نہ کرتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۳:

تِلْكَ الرُّسُلُ (یہ رسل) تِلْكَ کا اشارہ رسولوں کی جماعت کی طرف ہے۔

جن کے واقعات اس سورت میں مذکور ہو چکے۔ آدم علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک۔

یا دوسرا قول: جن رسل کی جماعت کا علم رسول اللہ ﷺ کو ان آیات کے نزول سے قبل ہو چکا۔

طاعات میں تفاوت:

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی) یعنی رسالت کے علاوہ خصوصیات کے ساتھ فضیلت دی۔ کیونکہ رسالت و نبوت میں تو تمام برابر ہیں۔ جیسا کہ مؤمن صفت ایمان میں تمام برابر ہیں اور ایمان کے بعد طاعات میں متفاوت ہیں۔ پھر اس ارشاد

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (ان میں سے بعض وہ تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا) مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے اس کی وضاحت کی۔ یعنی ان سے کلام کیا اللہ تعالیٰ نے۔ ضمیر عائد کو صلہ سے حذف کر دیا۔ یعنی منهم من فضله الله بان کلمه من غیر سفیر۔ ان میں بعض کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت اس طرح دی۔ کہ بغیر سفیر کے ان کو شرف کلام بخشا اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

بلند درجات سے مراد:

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (اور بعض کے درجات بلند کیے)

نحو: بعضھم یہ مفعول اور درجٰت دوسرا مفعول ہے۔ یعنی بلند درجات یا الی درجات۔

مطلب یہ ہوا کہ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو تمام انبیاء علیہم السلام پر رفعت عنایت فرمائی جن کی فضیلت میں تفاوت کے بعد وہ ان میں درجات کثیرہ کے ذریعہ افضل ہو گئے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ آپ ہی ان میں تمام کائنات کی طرف بھیجے جانے کی وجہ سے افضل ہو گئے اور اس لیے بھی کہ آپ کو وہ نشانات و معجزات دیے گئے جو کثرت تعداد میں ایک ہزار یا اس سے بھی بڑھنے والے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ کے چہرہ پر باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اس ابہام میں تفخیم اور وضاحت ہے کیونکہ وہ ایک ایسی علامت ہے۔ جو کسی پر مخفی نہیں اور ایسا امتیاز ہے جس میں کسی کو التباس نہیں۔

دوسرا قول: اس سے مراد حضرت محمد و ابراہیم علیہما السلام وغیرہ انبیاء کے اولوالعزم مراد ہیں۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانات دیے) جیسے مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ وغیرذلک

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اور ہم نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ان کی مدد کی) یعنی ہم نے ان کو قوت دی۔ یا انجیل کے ساتھ مدد دی۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ لوگ نہ لڑتے) یعنی باہمی اختلاف نہ کرتے۔ جس کی وجہ سے نوبت قتال آئی۔

الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے) یعنی ان رسل علیہم کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ (اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے دلائل آ گئے) یعنی ظاہر معجزات

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا (لیکن انہوں نے اختلاف کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ۔ پھر اختلاف کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (پس کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے کفر کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے رسولوں کے معاملات کو اس طرح جاری کیا۔ یعنی کسی پیغمبر کی تمام امت اس کی زندگی میں اس پر متفق نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ان کی زندگی کے بعد بلکہ انہوں نے ان سے اختلاف کیا۔ فمنھم من اٰمن و منھم من کفر۔ پس ان میں سے کچھ تو ایمان لائے اور ان میں سے کچھ نے کفر کیا۔ یعنی اختلاف کا رویہ اختیار کیا۔

کفر کا مطلب:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ قتال نہ کرتے) اس جملہ کو تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا۔ یعنی اگر میری مشیت میں ہوتا کہ وہ آپس میں قتال نہ کریں تو وہ کبھی بھی قتال نہ کرتے۔ اس لئے کہ میری ہی حکمت میں میری مشیت چھپی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

اے ایمان والو اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے پہلے اس کے کہ آ جائے

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ

وہ دن جس میں نہ بیع ہو گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ظلم کرنے والے ہیں۔

تردید معتزلہ:

اس آیت سے معتزلہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر اللہ چاہے کہ وہ قتل باہمی نہ کریں۔ تو وہ نہ کرتے۔ حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ وہ آپس میں نہ لڑیں تو بھی وہ لڑ پڑتے۔

ثبوت ارادہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (اور لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ارادہ کو ثابت کیا۔ جیسا کہ مذہب اہل السنت ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۴:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (اے ایمان والو! تم خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا) یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرو۔

یا دوسرا قول: (اس سے مراد ہر صدقہ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ہے)

عدم تدارک کا دن:

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ (اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی) یعنی اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں تم اس انفاق کا تدارک نہ کر سکو گے جو رہ جائے کیونکہ اس دن میں نہ خرید و فروخت ہوگی کہ اس میں تم خرید لو جو تم نے خرچ کرنا ہے۔

وَلَا خُلَّةٌ (اور نہ دوستی ہوگی) کہ وہ دوست دوستی کا خیال کر کے چشم پوشی کر سکیں۔

وَلَا شَفَاعَةٌ (اور نہ سفارش) یعنی کافروں کے لئے سفارش نہ ہوگی۔ باقی مسلمانوں کے لئے ہوگی۔ یا شفاعت ہوگی مگر اس کی اجازت سے۔

نیند وہ شئے کہ اعصاب میں استرخائی کیفیت کر دیتی ہیں۔

مفضل ضبی: کہتے ہیں کہ السنۃ سر کا بوجھل ہونا۔ النعاس آنکھ کا بوجھل اور النوم دل کے بوجھ کو کہتے ہیں۔

نحو: لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یہ القیوم کی تاکید ہے کیونکہ جس کو نیند و اونگھ آ جائے وہ قیوم نہیں بن سکتا۔

سب کو تھامنے والا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی۔ ان کو کہہ دو کہ میں آسمان و زمین کو اپنی قدرت سے تھامنے والا ہوں۔ اگر مجھے اونگھ یا نیند آ جائے تو یہ دونوں فنا ہو جائیں (ابو یعلیٰ)

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے) یعنی ملک و ملک کے لحاظ سے یعنی بادشاہ بھی وہی اور مالک بھی وہی۔

کبریائی باری تعالیٰ عزوجل:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے؟) یعنی کسی کی ہمت و جرأت نہیں۔ کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان ہے اور کوئی شخص قیامت کے دن کلام کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔ مگر جب وہ خود اس کو کلام کی اجازت دے۔ اس میں کفار کے اس زعم کی تردید ہے۔ کہ بت ان کے لئے شفاعت کریں گے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہ ان کے سامنے اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے) یعنی جو ان سے پہلے تھا۔ اور جو آئندہ ہوگا۔

نحو: ھم ضمیر عقلاء کو لحاظ کرتے لائی گئی۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ (اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے) یعنی اس کی معلومات میں سے۔ دعا کا کلمہ اللھم اغفر علمک فینا۔ میں علم بمعنی معلوم ہے۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ (مگر وہ جو چاہے) یعنی جو وہ سکھائے۔

کرسی کے متعلق اقوال:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اس کی کرسی آسمان و زمین کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے) یعنی اس کا علم اور علماء کو الکراسۃ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں علم ہوتا ہے۔ اس الکرسی کا معنی ہے۔ وہ علم جو کرسی پر ہوتا ہے۔ اس کے مرتبہ علم کا لحاظ کرتے ہوئے جو علماء کی کرسی ہے اور یہ اس طرح ہے جیسا کہ سورۃ غافر کی آیت ربنا وسعت کل شئ رحمۃ وعلما۔

دوسرا قول: ملک کو کرسی کہا۔ اس کے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہ وہ بادشاہت کی کرسی ہے۔

تیسرا قول: اس سے مراد عرش۔ حسن بصری کا یہی قول ہے۔

چوتھا قول: عرش کے علاوہ تخت ہے حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک چھلے کی مانند ہیں۔ جو وسیع بیابان میں پڑا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسا کہ وسیع بیابان کو اس چھلے پر۔ (ابن مردویہ)

پانچواں قول: اس کی قدرت اس کی دلیل یہ ارشاد ہے وَلَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا۔

وَلَا یَؤُدُهٗ (اس کو تھکاتی نہیں) یعنی اس کو بوجھل نہیں کرتی اور نہ اس پر گراں گزرتی ہے۔

حِفْظُهُمَا (ان دونوں کی حفاظت) یعنی زمین و آسمان کی حفاظت۔

بلند اور عزت و جلال والا:

وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (وہ بلند و بالا عظمت والا ہے) یعنی اپنی ملک و سلطنت میں بلند اور عزت و جلال میں بڑائی والا ہے۔

دوسرا قول: العلی۔ ان صفات سے اعلیٰ جو اس کے لائق نہیں۔ العظیم۔ ایسی صفات سے موصوف جو اس کے لائق ہیں۔ یہ دونوں صفات کمال توحید کو جامع ہیں۔

نکتہ: آیت کرسی میں جملوں کو بغیر حرف عطف کے لایا گیا۔ کیونکہ وہ جملے بطور بیان کے ہیں۔

یعنی پہلا جملہ اس بات کو بیان کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تدبیر خلق کرنے والے ہیں اور وہ مخلوق کے نگہبان ہیں۔ اس میں غفلت برتنے والے نہیں۔

دوسرے: تشبیہ فرمایا۔ یہ تمام اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مخلوق کے خود مالک ہیں۔

تیسرے: اس لئے کہ اس کی شان کبریائی وہی ہے۔

اور چوتھے: اس لئے کہ وہ مخلوق کے حالات کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

پانچویں: اس لئے کہ اس کا علم وسیع ہے اور اس کا علم تمام معلومات سے متعلق ہے۔ یا اس کے جلال اور عظیم قدرت کی وجہ سے۔

فضیلت آیت الکرسی:

یہ آیت فضیلت والی ہے یہاں تک کہ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت ان میں سے وہ ہے جس کو حضرت علیؓ نے بیان کیا۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے آیت الکرسی پڑھی۔ ہر فرض نماز کے بعد۔ اسکو دخول جنت سے صرف موت کی رکاوٹ ہے اور اس پر ہمیشگی صدیق یا عابد ہی کرتا ہے۔ جس نے اسکو بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفس اور اسکے پڑوس اور پڑوس کے پڑوس اور اس کے ارد گرد گھروں کو امان میں رکھتے ہیں۔ (بیہقی)

دوسری روایت: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سید البشر آدم (یعنی سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام) اور عرب کے سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا۔

(اس روایت میں نکارت ہے کیونکہ صحیح مرفوع روایت انا سید ولد آدم ولا فخر کے الفاظ مروی ہیں) فارسیوں کے سردار سلمان رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے سردار صہیب رضی اللہ عنہ اور حبشیوں کے سردار بلال رضی اللہ عنہ اور پہاڑوں کا سردار طور اور دنوں کا سردار جمعہ اور کلاموں کا سردار قرآن ہے قرآن کا سردار سورۃ بقرہ اور بقرہ کی آیات کی سردار آیت الکرسی۔ (دیلمی فی مسند الفردوس)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۗ وَالَّذِيْنَ

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیریوں سے نور کی طرف۔ اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

کفر اختیار کیا ان کے دوست شیاطین ہیں وہ ان کو نکالتے ہیں نور سے اندھیریوں کی طرف، یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

دوزخ والے ہیں وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

بیوں مجھے کہ تم مسلمان ہو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ انصاری نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے سامنے دیکھتے ہوئے میرا بعض حصہ آگ میں چلا جائے؟ پس یہ آیت اتری۔ اس انصاری نے ان کا رستہ چھوڑ دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا۔ کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر آیات قتال سے یہ منسوخ ہو گیا۔

(مگر نسخ تو تب ہو جب ان میں تعارض ہو اور یہاں تو تعارض بھی نہیں)

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (تحقیق واضح ہو گئی رشد گمراہی سے) یعنی ایمان کفر سے دلائل واضحہ کے ذریعہ نکھر چکا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے) طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ یا اصنام

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (اور وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر پس واقعی اس نے مضبوط تھام لیا مضبوط رسی کو) استمساک کا معنی تھامنا ہے۔ العروۃ جس کو پکڑا جائے جس سے چمٹا جائے۔ الوثقی۔ یہ اوثق کی مؤنث ہے یعنی تھامی مضبوط رسی۔ چیز محفوظ۔

شاہد محسوس سے مثال:

لَا انْفِصَامَ لَهَا (اس کے لئے ٹوٹنا نہیں) یعنی اس رسی کے لئے ٹوٹنا نہیں۔

یہ معقول و معروف چیز کی نظر و استدلال سے تمثیل بیان کی گئی ہے اور شاہد محسوس سے مثال بتلائی گئی ہے تاکہ سامع اس کو تصور کرے۔ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پس اس کا اعتقاد پختہ ہو جائے مطلب یہ ہے۔ اس نے اپنے نفس کو دین سے مضبوط باندھ دیا ہے جس کو کوئی اشتباہ کھول نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ (اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں) یعنی اس کے اقرار کو۔ عَلِيْمٌ (جاننے والے ہیں) اس کے اعتقاد کو۔

تفسیر آیت ۲۵۷:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے) آمنوا سے مراد جو ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ولی کا معنی

ناصر اور ان کے امور کا ذمہ دار۔

نور کو واحد اور ظلمات جمع لانے کی حکمت:

یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ (ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے) یعنی کفر وضلالت کے اندھیروں سے۔ کفریات وضلالات بہت اقسام کی ہیں اس لئے جمع کا لفظ لایا گیا۔

اِلَى النُّوْرِ (روشنی کی طرف) یعنی ایمان وہدایت کی طرف۔ نور کا لفظ واحد لایا گیا کیونکہ ایمان ایک ہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (اور کافر)

اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ (ان کے دوست شیطان ہیں)

نحو: والذین کفروا مبتداء ہے اور اولیاء هم الطاغوت خبر ہے۔

شبہات کی دلدل:

يُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (وہ ان کو نور سے نکالتے ہیں ظلمات کی طرف) یہاں ظلمات کو جمع لایا گیا۔ کیونکہ طاغوت معناً جمع ہے۔

مطلب یہ ہے وہ لوگ جو کفر پر پختہ رہے تھے ان کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

یا دوسرا قول: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ولی ہیں وہ ان کو شبہات دینیہ سے نکالتے ہیں اگر کسی راہ ہدایت میں ان کو شبہ واقع ہو جائے تو ان کو اس شبہ کے ازالہ کی توفیق دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شبہ سے نکل کر نور یقین میں پہنچ جاتے ہیں اور کافروں کے دوست شیطین ہیں۔ وہ ان کو واضح دلائل کی روشنی سے جو ان کے سامنے ظاہر ہو رہی ہیں نکال کر شکوک وشبہات کی گمراہیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

استفہام تعجب:

پھر تعجبی انداز میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کا مجادلہ سنایا اور تسلی دی۔ نمرود ربوبیت کا دعویدار تھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے بحث و تکرار کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت

الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا

دی تھی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اس نے کہا میں

اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ

زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے سورج کو

الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی

مشرق سے تو اس کو لے آ مغرب سے، پس حیرت میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر کرنے والا تھا اور اللہ قوم ظالمین

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیت ۲۵۸:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ (کیا تمہیں اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا) یعنی اپنے اس جھگڑے میں جو رب ابراہیم کی ربوبیت کے سلسلہ میں اس نے کیا۔

نحو: ربہ۔ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یا اسی کی طرف جس نے جھگڑا کیا۔ اسلئے کہ وہ دونوں کا رب ہے۔

اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت عنایت کی تھی) اصل اس طرح ہے لان اٰتاہ اللّٰہ۔ یعنی حکومت کے مل جانے نے اسے غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا۔ پس وہ اسی وجہ سے جھگڑنے لگا۔

ردِ معتزلہ:

یہ آیت بھی معتزلہ کے خلاف اصلح کے مسئلہ میں دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کافر کو اللہ حکومت نہیں دیتے۔ یہاں دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(معتزلہ کا قول ہے کہ اصلح اللہ تعالیٰ پر واجب ہے جبکہ اہلسنت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جو کچھ دیتا ہے یہ اس کا فضل و احسان ہے)

دوسرا قول: وہ اس وقت جھگڑا کرنے لگا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک عنایت کیا۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے)

یا اَرَءَیْتَ مِثْلَ الَّذِیْ۔ کیا تمہیں معلوم ہے اس کا مثل جس کا گزر ہوا پس اس کو حذف کر دیا کیونکہ الم تر اس پر دلالت کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ یہ دونوں تعجب کے کلمات ہیں۔

دوسرا قول:

یہ معنی پر محمول ہے الفاظ پر نہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اَرَءَیْتَ کَالَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰهِیْمَ اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ۔
علامہ زمخشری نے معتزلی [illegible] کشاف میں کہا کہ اس میں وقف مذکورہ ہے۔ والذی کا عطف الی الذی حاج پر ہے۔

قول حسن بصری رحمہ اللہ:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ گزرنے والا کافر تھا۔ اور بعث کا منکر تھا اس نے اس کو نمرود کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پرو کر ذکر کیا۔
دوسری دلیل: یہ ہے کہ اَنّٰی یُحْیٖ کلمہ استبعاد کا استعمال کیا گیا۔ جو بعث بعد الموت کو بعید جاننے کی طرف مشیر ہے۔

جمہور مفسرین رحمہم اللہ کی رائے:

مگر اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ انہوں نے احیائے موتیٰ کا معائنہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ بصیرت تامہ حاصل ہو جائے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا اور اَنّٰی یُحْیٖ تو زندہ کرنے کا طریقہ اور زندہ کرنے والے کی عظیم قدرت کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف ہے۔

بیت المقدس کا اُجڑنا:

عَلٰی قَرْیَةٍ (بستی پر) یہ بیت المقدس شہر تھا۔ جبکہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ یا وہ بستی ہے جس سے وہ ہزاروں لوگ نکلے تھے۔

وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا (وہ گرنے والی تھی اپنی چھتوں پر) یعنی چھتوں سمیت گر چکی تھی۔

یا دوسرا قول: چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں بھی گر پڑیں۔ عروش ہر بلند چیز کو عرش کہتے ہیں۔

قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (اس نے کہا کیسے زندہ کرے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اس کے ویران ہونے کے بعد۔ پس اس کو موت دی اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو اٹھا کھڑا کیا) اَنّٰی یہ کیف کے معنی میں ہے۔ هٰذه سے مراد اهل هٰذه اس کے رہنے والے بعث سے مراد زندہ کرنا ہے۔

قَالَ (اس نے کہا) یعنی اس کو فرشتے نے کہا۔

کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (تو کتنا عرصہ ٹھہرا۔ اس نے کہا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا) یعنی یہ گمان کی بنا پر۔

جواز اجتہاد:

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔

روایت میں ہے کہ ان کو موت چاشت کے وقت آئی اور سو سال بعد ان کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے اٹھایا۔ پس انہوں نے سورج کی طرف نگاہ ڈالنے سے پہلے کہا۔ یوماً ایک دن۔ پھر وہ متوجہ ہوئے۔ تو انہوں نے ابھی سورج کو باقی پایا۔ تو کہنے لگے۔ اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ یا دن کا کچھ حصہ۔

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ (اس نے کہا بلکہ تو سو سال ٹھہرا ہے پس تو دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے مشروب کو)

مشروب کی جنس:

روایت میں ہے کہ ان کا کھانا انجیر اور انگور تھے اور مشروب جوس اور دودھ تھا۔ پس انہوں نے انگور اور انجیر کو اس طرح پایا گویا ابھی تازے چنے گئے ہیں اور مشروب بھی اپنی اصلی حالت میں ہے۔

لَمْ يَتَسَنَّهْ (وہ باسی نہیں ہوا) یعنی اس کا ذائقہ نہیں بدلا۔ اس کی ہاء اصلی ہے یا ہائے سکت ہے؟

اور السنة سے اس کے اشتقاق کے دو طریق ہیں۔

دو طریق اشتقاق:

نمبر ۱۔ کیونکہ اس کا لام کلمہ ہاء ہے۔ تو اصل سُنَيْهَةٌ اور فعل سانہتُ فلاناً یعنی میں نے اس سے ایک سال معاملہ کیا۔

نمبر ۲: اصل سنوۃ تھا اور فعل سانیت بنا۔ اس کا معنی ہے اس کو سالوں نے تبدیل نہیں کیا۔ اور لم يتسن میں ہاء کو وصل میں حذف کر دیا۔ اور وقف میں ہاء قائم رکھی۔ حمزہ وعلی رحمہما اللہ کے ہاں۔

گدھے کی سواری کا جواز:

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ (اور تم اپنے گدھے کو دیکھو) یعنی کس طرح اس کی ہڈیاں تک بکھر چکی اور کھوکھلی ہو چکی ہیں) ان کی سواری گدھا تھا۔ جس کو باندھا ہوا تھا۔ کہ موت آگئی۔ اس کی ہڈیاں باقی رہ گئیں۔

دوسرا قول: تو دیکھ اس کو کہ وہ صحیح سالم ہے جیسے تم نے باندھا۔ اور یہ عظیم نشانات قدرت میں سے ہے۔ اس کو سو سال بغیر چارے اور پانی کے زندہ رکھنا۔ جیسا اس کے کھانے اور مشروب کی تبدیلی سے حفاظت فرمائی۔

نشانی کا مطلب:

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (اور تاکہ تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں) یعنی نمبر ۱۔ ہم نے یہ کیا ہے مراد اس سے ان کا موت کے بعد زندہ کرنا تھا اور ان تمام چیزوں کی حفاظت کرنا جو ان کے ساتھ تھیں۔ نمبر ۲۔ یہ بھی کہا گیا کہ واؤ محذوف پر عطف ہے یعنی لتعتبر ولنجعلك۔ تاکہ تو عبرت حاصل کرے اور تاکہ ہم تجھے بنائیں لوگوں کے لئے نشانی۔

نمبر۳۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس گدھے پر سوار تشریف لائے اور کہا کہ میں عزیر علیہ السلام ہوں۔ تو انہوں نے جھٹلایا۔ تو ان سے تورات کو لانے کا تقاضا کیا۔ پس یہ زبانی پڑھنے لگے۔

حضرت عزیر علیہ السلام سے پہلے کسی نے تورات کو زبانی نہ پڑھا تھا۔ پس یہی ان کا نشانی ہونا ہے۔

نمبر۴۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ گھر لوٹ کر آئے تو اپنی اولاد کو دیکھا۔ تو وہ بوڑھے ہو چکے اور یہ نوجوان تھے۔

ہڈیاں کس کی؟

وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ (اور تم ہڈیوں کو دیکھو) نمبر۱۔ یعنی گدھے کی ہڈیوں کو۔ یا

دوسرا قول: ان مردوں کی ہڈیاں جن کے زندہ ہونے پر تعجب کیا تھا۔

کَیْفَ نُنْشِزُھَا (کس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر جوڑتے ہیں) یعنی ان کو حرکت دیتے اور بعض کو بعض کے ساتھ جوڑنے کے لئے اٹھاتے اور بلند کرتے ہیں۔

قراءت: اہل حجاز و بصری قراء نے نُنْشِرُھَا راء کے ساتھ پڑھا یعنی زندہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا (پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں) ھاء سے مراد ہڈیاں۔ لحماً۔ گوشت۔ تو گوشت کو لباس قرار دیا مجازی محاورہ ہے

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ (پس جب ان کے سامنے واضح ہو گیا) اس کا فاعل مضمر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے فلما تبین لہ ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہونا خوب واضح ہو گیا۔

دلالت کی وجہ سے حذف:

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اس نے کہا میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) پہلے ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ کو حذف کر دیا۔ کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا تھا۔ جیسا محاورہ عرب ہے ضربنی و ضربت زیدًا۔ یعنی مجھے زید نے مارا اور میں نے زید کو مارا۔ تو اول زید کو حذف کر دیا۔

دوسرا قول: یہ درست ہے کہ فلما تبین لہ سے مراد جو ان پر مشکل ہو۔ یعنی احیائے موتی کا معاملہ۔ قراءت: حمزہ و علی بیہی نے کہا اِعْلَمْ۔ اِعْلَمْ صیغہ امر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا اِعْلَمْ تو جان۔ یا انہوں نے خود اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا اے نفس تو جان لے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں۔ فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

یقین ہے لیکن یہ سوال اس غرض سے ہے تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔ فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے ہلا لو

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۰:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا)

كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے)

نحو: کیف یہ تحیی کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو یقین نہیں رکھتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں؟ مگر میرے دل کو اطمینان ہو جائے)

فائدہ سوال:

سوال: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا اولم تؤمن۔ کیا تمہیں یقین نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ وہ ایمان میں تمام لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔

جواب: یہ سوال اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا۔ تاکہ وہ وہی جواب دیں جو انہوں نے دیا۔ اس لئے کہ اس میں سامعین کے لئے عظیم الشان فائدہ ہے۔

علم ضروری اور استدلالی کا فرق:

نحو: بلٰی۔ نفی کے بعد ایجاب کے لئے آتا ہے۔ اس کا معنی ہے کیوں نہیں۔

آمنتُ یعنی میں ایمان لایا۔ لیکن تاکہ میرا سکون و طمانیت بڑھ جائے۔ علم ضروری کو علم استدلال کے ساتھ ملا کر بہ دلائل کا

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

نہیں دھرتے اور نہ ہی ستاتے ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ

رنجیدہ ہوں گے اچھی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے

وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اور اللہ غنی ہے حلیم ہے اے ایمان والو مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم

الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

آخرت پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر مٹی ہو پھر اس پر زور دار بارش پڑ گئی سو اس کو

صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

زور دار بارش سو اس کو بالکل صاف کر دیا یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا

احوال پر فیصلہ:

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے کئی گنا بڑھا دیتے ہیں) یعنی جس کے لئے ثواب بڑھانا چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔ ہر خرچ کرنے والے کے لئے بڑھانا نہیں۔ کیونکہ خرچ کرنے والوں کے احوال مختلف ہیں۔

دوسرا قول: سات سو سے زیادہ جن کے لئے چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔

قراءت: شامی، مکی نے یُضَعِّفُ پڑھا اور یزید نے یُضَعِّفُ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل و جود والے ہیں۔ عَلِيْمٌ (جاننے والے ہیں) یعنی خرچ کرنے والوں کی نیات کو۔

تفسیر آیت ۲۶۲:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا (وہ لوگ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے

۲۶۴: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ (اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح) كَالَّذِيْ کا کاف مصدر محذوف کی صفت کے طور پر منصوب ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ابطالا مثل ابطال الذی۔ باطل کرنا اس کے باطل کرنے کی طرح۔

احسان جتلانے کا نقصان:

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) یعنی نہ باطل کرو اپنے صدقات کا ثواب احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس منافق کے باطل کرنے کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اس انفاق سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ ہی ثواب آخرت کو طلب ہے۔

نحو: رئاء یہ مفعول لہ ہے۔

شاندار مثال:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ (اس کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر مٹی ہو) اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے اس خرچ کی مثال جس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا ایک ملائم پتھر سے دی جس پر مٹی ہو۔

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ (پس اس کو موسلا دھار بارش پہنچی) وابل موٹے قطرے والی بارش کو کہتے ہیں۔

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا (پس اس کو صاف کر کے چھوڑا) یعنی مٹی سے بالکل صاف وہ مٹی جو اس پر پڑی تھی۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (وہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا) یعنی وہ اس چیز کا کچھ بھی ثواب نہ پائیں گے۔ جو انہوں نے خرچ کیا۔

دوسرا قول: کاف محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے یعنی تم اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ اس حال میں کہ تم اس کو مماثل ہونے والے ہو۔ اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے (من وایذاء کے ساتھ) آیت میں لا یقدرون کو لایا گیا۔ کالذی ینفق کے بعد۔ کیونکہ مراد انفاق سے جنس انفاق ہے۔ یا وہ فریق جو خرچ کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرنے والا کافر قوم کی) یعنی جب تک وہ کفر کو اختیار کرنے والے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور اپنے نفسوں کو پختہ

أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن

کرنے کے لئے ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دوگنا پھل لاوے سو اگر

لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اس پر بارش نہ پہنچے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۵ ..... مومن کے انفاق کی مثال:

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (ان لوگوں کی حالت جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہنے اور اپنے نفسوں کو ثواب پہنچانے کیلئے خرچ کرتے ہیں یعنی اسلام کی تصدیق اور اپنے دلوں میں جزاء پر یقین کے لئے۔ اس لئے کہ جب مسلمان اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق اور ثواب پر اس کا ایمان دل کی گہرائی سے ہے اور اس کے اخلاص سے ہے۔

نحو: یعنی ابتغاء غایت کے لئے ہے یہ مفعول لہ پر معطوف ہے یعنی ابتغاء اور تثبیت کی خاطر۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے خرچ کی مثال اللہ کے ہاں پاکیزگی میں۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍ (باغ کی سی ہے)

بِرَبْوَةٍ (ٹیلے پر) یعنی بلند جگہ پر۔ بلند جگہ کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہ میں درخت زیادہ پاکیزہ اور عمدہ پھل والے ہوتے ہیں۔

قراءت: عاصم و شامی رحمہما اللہ نے رَبْوَةٍ راء کے فتح کے ساتھ اور بقیہ قراء نے راء کے ضمہ سے پڑھا ہے۔

أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا (اس کو بارش پہنچے پس وہ اپنا پھل لاتا ہے)۔ اُکل کا معنی پھل۔

قراءت: نافع، مکی اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے اُکْلَهَا ضمہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

ضِعْفَيْنِ (دوگنا) وہ بارش کے سبب دوگنا پھل لائے۔ اس سے پہلے جتنا پھل لاتا تھا۔

مثال کے دو رخ:

فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (اگر اس کو موسلادھار بارش نہ پہنچے تو ہلکی بارش بھی کافی ہے)۔ طل چھوٹے قطرات والی بارش کافی ہے کیونکہ وہاں کی زمین زرخیز ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں

الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

نہریں اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے آیات

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

تاکہ تم فکر کرو۔

دوسرا قول: ان کی حالت کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں اس باغ سے ہے جو اونچی جگہ پر ہو اور ان کے تھوڑے اور زیادہ انفاقات کی مثال موسلا دھار بارش اور پھوار سے ہے۔ جس طرح ان میں سے ہر بارش باغ کے پھل کو کئی گنا کرتی ہے اسی طرح ان کے تھوڑے یا زیادہ خرچ جات جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ اور اپنے مرتبے میں بلند ہے اور ان کا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں خوب بڑھے گا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے) وہ تمہارے اعمال کثیر ہوں یا قلیل ان کو دیکھتے ہیں۔ تمہاری نیات کو جانتے ہیں۔ کہ ریاء و اخلاص میں سے کیا ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۶:

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ (کیا چاہتا ہے تم میں سے کوئی ایک) ہمزہ انکار کے لئے ہے۔

اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ (کہ اس کے پاس باغ ہو) جنت کا معنی باغ ہے۔

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ (کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس) لہٗ میں ہ ضمیر باغ والے کی طرف لوٹتی ہے۔

فِيْهَا (اس میں) ھا ضمیر جنت کی طرف لوٹتی ہے یعنی باغ میں۔

ثمرات کی مراد:

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (ہر قسم کے پھل ہوں) مراد ثمرات سے وہ منافع ہیں۔ جو باغ سے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

دوسرا قول: کھجور اور انگور جب درختوں میں عمدہ اور منافع میں برتر ہیں۔ اسی لئے تمام پھلوں میں ان کا تذکرہ فرمایا اور باغ کی ان کو قرار دیا۔ اگرچہ وہ دوسرے درختوں پر بھی مشتمل تھا۔ گویا ان کو تمام درختوں پر غلبہ دیا۔ پھر ان کے پیچھے تمام پھلوں کا تذکرہ کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے

مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ

زمین میں سے۔ اور مت ارادہ کرو ردی چیز کا کہ اس میں سے خرچ کرو، اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔

ریاکار کی مثال:

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ (اور اس کو بڑھاپا آ لے) یہ حال کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس باغ ہو اور ادھر اس کو بڑھاپا آ لے۔ (گویا بڑھاپا کے رزق کا ایک ہی سہارا ہو)

وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ (اور اس کی اولاد ہو کمزور) ضعفاء سے مراد چھوٹے بچے۔ مُّجْتَمِعٌ: یہ بھی جملہ حالیہ ہے اور اصابہ کی ضمیر ھاء سے حال ہے۔

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ (پھر اس کو ایک آندھی پہنچے) اعصار وہ تیز بگولا ہے جو زمین میں کھول ستون کی شکل میں بھاگتا نظر آتا ہے۔

فِيْهِ (اس میں) یعنی اس بگولے میں آگ ہو اور وہ آگ بلند ہو۔

نَارٌ (آگ) ظرف کے ساتھ اور ظرف اعصار کا وصف ہے یعنی ایسا بگولا کہ جس میں آگ ہو۔

فَاحْتَرَقَتْ (پس وہ باغ جل جائے)

یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اعمال ریاکاری کی خاطر کرتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ ان اعمال کو ضبط شدہ پائے گا۔ پس اس وقت وہ اسی طرح حسرت و افسوس کرے گا۔ جس طرح یہ باغ والا جس کا باغ تمام اقسام و انواع کے پھلوں پر مشتمل تھا اور یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔ اور اس کی اولاد کم عمر ہو۔ حالانکہ باغ پر اس کی معیشت کا دارومدار ہو پس ادھر وہ باغ بگولے سے جل اٹھا۔

كَذٰلِكَ (اس بیان کی طرح) جو ابھی ہو چکا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے نشانات توحید و دین بیان کرتے ہیں)

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (تاکہ تم سوچ و بچار کرکے اور متنبہ ہو جاؤ)

تفسیر آیت ۲۶۷:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ۔ (اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو) طیبات

سے مراد معدنی۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ:

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ لازم ہے۔

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (اور اس میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین میں سے نکالیں) یعنی غلہ جات، پھل، معدنیات وغیرہ۔

تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ من طیبات ما اخرجنا لکم۔ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالیں۔ طیبات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ (اور قصد مت کرو ردی مال کا) یعنی ردی مال کا قصد بھی نہ کرو۔

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (کہ اس میں سے تم خرچ کرو) یعنی اس کو انفاق کے ساتھ خاص کرلو۔ یہ جملہ حال واقع ہے کہ تم قصد کرو خبیث مال کا اس حال میں کہ تم خرچ کرنے والے ہو یعنی تم خرچ کو خاص کرنے والے ہو۔

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ (حالانکہ تم اس کو لینے والے نہیں ہو) یعنی تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم اپنے حقوق میں اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہو۔

غمض کا مطلب:

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں) یعنی مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں تسامح سے کام لو اور رخصت پر عمل پیرا ہو جیسے عرب کہتے ہیں۔ اغمض فلان عن بعض حقہ۔ کہ فلاں نے اپنے بعض حق سے چشم پوشی کی۔ اور بائع کو کہا جاتا ہے۔ اغمض ای لا تستقص کانک لا تبصر۔

روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لوگ ردی کھجور اور سوکھی کھجوریں صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ان کو اس سے روک دیا گیا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ (کہ تم یقین کرلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں) یعنی تمہارے صدقات سے۔

حَمِيْدٌ (تعریف والے ہیں) یعنی حمد کے حقدار یا محمود ہیں۔

الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا۔ اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا۔ اور اللہ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور جس کو حکمت دی گئی اسے خوب زیادہ خیر عطا کی گئی۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر وہی لوگ

نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۸:

الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ (شیطان تم سے وعدہ کرتا ہے) یعنی انفاق کے متعلق

الْفَقْرَ (تنگ دستی کا) یعنی تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے انفاق کا انجام یہ ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے۔ الوعد۔

وعد کا لفظ خیر و شر میں استعمال ہوتا ہے۔

وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے) یعنی تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ وہ تمہیں بخل پر آمادہ کرتا ہے اور صدقات سے روکتا ہے۔ اغراء کسی امر کو حکم دینا۔ الفاحش۔ عرب بخیل کو کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ (اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے ہیں) یعنی انفاق میں۔

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ (مغفرت کا اپنی طرف سے) یعنی تمہارے گناہوں کی مغفرت کا اور گناہوں کے کفارے کا (وعدہ دیتے ہیں)

وَفَضْلًا (اور فضل کا) یعنی اس بات کا کہ وہ تم پر نائب بنا دیں گے اس سے زیادہ افضل جو تم نے خرچ کیا ہے۔ یا آخرت میں ثواب دیں گے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اور اللہ وسعت والا ہے) وہ وسعت کرتا ہے جس پر چاہتا ہے۔

عَلِيْمٌ (علم والے ہیں) یعنی تمہارے افعال و نیات کو پہچانتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۹:

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ (وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) حکمت سے مراد علم قرآن و سنت ہے یا علم نافع جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی تک پہنچانے والا ہے اور اس پر عمل کرنے تک پہنچانے والا ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ

جو کچھ بھی تم کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں۔

حکیم۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو علم پر عامل ہو۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ (جس کو حکمت ملی) اسے یعقوب نے مَنْ يُّؤْتِ پڑھا ہے۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے۔

فائدہ تنوین:

فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (اس کو بہت ہی بھلائی دی گئی) خَيْرًا كَثِيْرًا میں تنوین تکثیر تعظیم کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی اس کو بہت ہی بھلائی دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے) یعنی اللہ تعالیٰ کی ان مواعظ سے سلیم العقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یا خاص عاملین۔ مقصد آیت کا یہ ہے کہ اقوال پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۰:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ (جو تم خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں۔

اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ (یا تم نذر مانتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر یا معصیت کی خاطر۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ (پس اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں) یعنی اس پر کچھ بھی مخفی نہیں اور وہ اس پر تمہیں بدلہ دے گا۔

ظالم سے مراد کون؟

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ (اور ظالموں کو نہیں) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات سے باز رہتے ہیں۔ یا اپنے مال گناہوں کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ گناہوں کی نذر مانتے ہیں۔ یا نذر مان کر پوری نہیں کرتے۔

مِنْ اَنْصَارٍ (کوئی مددگار) یعنی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے۔ اور ان کے عذاب سے محفوظ کر سکے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے۔ اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا

آپ کے ذمہ نہیں ہے ان کی ہدایت لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور جو بھی کچھ اچھا مال

مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا

تم خرچ کرتے ہو تو وہ تمہاری جانوں کے لئے ہے۔ اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لئے۔ اور جو کچھ

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا۔ اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر آیت ۲۷۱:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ (اور اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بہت خوب ہے) یعنی اس کا اظہار بہت خوب ہے۔

نعمّا کما کرہ ہے لیکن نہ موصول اور نہ موصوف اور مخصوص بالمدح ہی ہے

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے نعِمّا کو نون کے کسرہ اور سکون عین کے ساتھ نعْمّا۔ مگر ورش نے نعِمّا پڑھا ہے۔

دوسرے قراء نے نِعِمَّا عین کے کسرہ اور میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا۔

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ (اگر تم اس کو چھپاؤ اور فقراء کو دو) یعنی تم ان اموال کو اخفاء کے ساتھ مصارف تک پہنچانے والے ہو۔

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (پس وہ بہت بہتر ہے تمہارے لئے) یعنی اخفا تمہارے لئے بہتر ہے۔

ارشاد مفسرین رحمہم اللہ:

مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا۔ مراد اس سے صدقات نفلیہ ہیں اور فرائض میں ظاہر کر کے دینا افضل ہے تاکہ اس پر الزام نہ لگے۔ کہ یہ فرائض ادا نہیں کرتا۔ بلکہ اگر زکوٰۃ دینے والا ایسے لوگوں میں سے ہو جو خوش حال مشہور نہیں ہیں تو اس کا اخفاء افضل ہے اور نفلی صدقہ کرنے والا اگر یہ ارادہ کرے کہ لوگ اس کی اتباع کریں تو اس کا اظہار افضل ہے۔

وَيُكَفِّرُ (وہ مٹاتا ہے)

اختلافِ قراءت:

(نُكَفِّرُ مدنی، حمزہ اور علی رحمہم اللہ اور يُكَفِّرُ راء کا رفع دے کر شامی، حفص نے پڑھا اور دیگر قراء نے نُكَفِّرْ نون اور راء کے ساتھ پڑھا۔

جنہوں نے جزم دی انہوں نے محل فاء اور اس کے مابعد پر عطف کیا ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط ہے۔ جنہوں نے رفع دیا تو انہوں نے جملہ مستانفہ بنایا ہے اور یاء کی صورت میں معنی یکفر اللہ یعنی اللہ مٹا دیں گے۔

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ (تم سے تمہاری برائیاں) یعنی تم سے تمہاری برائیاں۔ اور نون کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ ہم مٹا دیں گے تمہاری برائیاں تم سے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال خواہ وہ اظہار کی صورت میں ہوں یا اخفاء کی شکل میں)

خَبِيْرٌ (خبر رکھنے والے ہیں) یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۲ ...... ہدایت ذمہ نہ ہونے کا مطلب:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ (تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں) یعنی تمہارے ذمہ لازم نہیں کہ تم ان کو انجام تک پہنچانے والے ہو ان چیزوں میں جن سے ان کو منع کیا گیا۔ یعنی من، ایذاء اور انفاق مال خبیث وغیرہ۔ آپ کے ذمہ صرف ممنوعات کی ممانعت بتا دینا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں راہنمائی فرماتے ہیں)

دوسرا قول: آپ کے ذمہ توفیق ہدایت نہیں یا ہدایت کا پیدا کرنا نہیں۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو)

فَلِاَنْفُسِكُمْ (پس وہ تمہارے اپنے نفسوں کے لئے ہے) یعنی اس کا فائدہ تمہارے علاوہ اور کسی کو نہ پہنچے گا پس تم ان کو احسان لوگوں پر مت جتلاؤ اور نہ ہی ظلم سے ان کو ایذا دو۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (اور تم خرچ نہیں کرتے مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے کے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحم کھانے کے سبب اس کو چاہتے ہوئے تم خرچ کرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم احسان جتلاتے ہو۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو گے۔ وہ تمہیں پورا دیا جائے گا) یعنی اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر۔ پس تمہارے پاس اس کے خرچ کرنے سے اعراض کرنے کا کوئی عذر نہیں۔ اور وہ مال بہترین و خوب تر انداز سے ہونا چاہیے۔

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (اور تم پر ظلم نہ کیا جائیگا) یعنی تمہارے حق میں کمی نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ سورۃ کہف آیت نمبر ۳۳ ولم تظلم منه شیئا۔ اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ ہوگی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي

صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں

الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

کر سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے تو انہیں پہچانتا ہے ان کا

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

وہ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ اور جو بھی تم مال خرچ کرو گے، سو بلاشبہ اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۳: لِلْفُقَرَآءِ ..... اصحاب صفہ کی جماعت:

لِلْفُقَرَآءِ (صدقات فقراء کیلئے ہیں) نحو: للفقراء میں لام جار محذوف کے متعلق ہے ای اعمدوا للفقراء یا تو تقدیر

تسو کرو یا مبتدا محذوف یعنی الصدقات کی یہ خبر ہے۔ مطلب یہ ہوا یہ صدقات ان فقراء کے لئے ہیں۔

الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (جو روک دیئے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو جہاد نے روک

دیا اور یہ کہ وہ کام کاج نہیں کر سکتے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (وہ طاقت نہیں رکھتے) یعنی اس میں مشغولیت کی وجہ سے

ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (زمین میں آمد و رفت نہیں کر سکتے) یعنی کمائی کے لئے۔

دوسرا قول: یہ اصحاب صفہ ہیں۔ یہ مہاجرین قریش میں سے چار سو آدمی تھے۔ مدینہ میں ان کے مکانات نہ تھے۔ اور نہ ان کا قبیلہ

و خاندان۔ یہ مسجد کے چبوترے میں قیام پذیر تھے۔ یہ وہی چبوترہ ہے جس کے نیچے وہ رات کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے۔ اور

دن کو کھجور کی گٹھلیاں کوٹتے اور ہر سریہ میں نکلتے جس کو کسی طرف رسول اللہ ﷺ روانہ فرماتے۔ پس جن کے پاس زائد ہوتا وہ ان کو

ان کو پیش کرتے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ (گمان کرتے ان کو جاہل) یعنی ان کی حالت کی وجہ سے

قراءت: شامی، یزید، حمزہ، عاصم۔ نے یحسَب سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

باقی قراء نے یحسِب کسرہ سین کے ساتھ پڑھا۔

اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (یعنی سوال سے بچنے کی وجہ سے) یعنی ظاہری نمائش کرنے والے ہیں یا نرمی سے وہ سوال سے بچنے والے ہیں۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (تم تو پہچانو گے ان کی نشانیوں سے) یعنی بھوک کی وجہ سے چہرے کی زردی اور حالت کی پراگندگی سے۔

اصرار سوال کی مذمت:

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے) الحاف کا معنی اصرار کرنا۔ لئے بغیر نہ چھوڑنا کہا گیا ہے

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر سو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۗ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ ۖ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے چھونے سے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آگیا تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ اور جو شخص پھر لوٹ کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کہ اس میں سوال اور اصرار، سوال دونوں کی ممانعت ہے۔ جیسے شاعر کا قول۔ علی لاحب لا یہتدی بمنارہ۔ اس میں منار اور اہتداء دونوں کی نفی ہے۔ الحاف کا معنی ہے لازم پکڑنا۔ اس وقت تک جدا نہ ہونا جب تک کوئی چیز دی نہ جائے۔ حدیث میں وارد ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ حیادار، حوصلہ مند، سوال سے بچنے والے کو پسند کرتے ہیں اور بے حیا، جھگڑالو، چمٹ جانے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔

دوسرا قول: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگر سوال کریں تو نرمی سے سوال کرتے ہیں اور اس کے لئے اصرار نہیں کرتے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ (اور جو تم خرچ کرو۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی اس کو اپنے ہاں ضائع نہیں فرمائیں گے۔

تفسیر آیت ۲۷۴...... راہِ الٰہی میں خرچ کے حریص:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً (وہ لوگ جو اپنا مال رات دن پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں)

نحو: سراً وعلانیۃً۔ یہ دونوں حال ہیں۔ ای مسرّین ومعلنین۔ مطلب یہ ہوا بھلائی میں بہت زیادہ حرص کی بناء پر صدقہ ہر حال و اوقات میں کرتے ہیں۔ جونہی ان کو کسی محتاج کی حاجت معلوم ہوئی تو اس کے پورا کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اس کو موقوف نہیں ہونے دیتے کسی وقت وحالت کا بہانہ نہیں بناتے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت اتری۔ جب انہوں نے چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ دس رات کو دس دن کو دس پوشیدہ اور دس علانیہ۔

ایک قول کے مطابق یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ جبکہ وہ کل چار درہم کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک درہم رات کو ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک درہم علانیہ دیا۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (ان کی مزدوری ان کے رب کے ہاں ہے نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

۲۷۵: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا (وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں) ربوا۔ وہ اضافہ جو عوض سے خالی ہو۔ جبکہ مال کا مال سے تبادلہ کیا جائے۔

الربوا الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی طرح واؤ کے ساتھ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق لکھا جاتا ہے جو اس کو تفخیم سے پڑھتے ہیں اور الربوا میں واؤ کی زیادت میں واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ واؤ جمع کے مشابہ ہے۔

لَا يَقُومُونَ (وہ کھڑے نہ ہوں گے) یعنی جب وہ قبور سے اٹھائے جائیں گے۔

مجنون ومخبطی کی مثال:

إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ (مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو چھو کر شیطان نے دیوانہ بنا دیا ہو) یعنی جنون زدہ کیونکہ وہ سود خور معاملے میں بے تکی اڑانیں مارتا ہے اس لئے اس کو سزا کے طور پر یہی دی گئی۔ الخبط۔ بلا ارادہ مارنا۔ جیسے اندھی اونٹنی کا ٹیڑھا چلنا۔

مِنَ الْمَسِّ (چھو کر) یعنی جنون کی وجہ سے

نحوی نکات:

نحو: من المس یہ لا یقومون سے متعلق ہے ای لا یقومون من المس الذی بهم الا کما یقوم المصروع یعنی وہ اس چھونے سے کھڑے نہ ہوں گے جس کا ان پر اثر ہے مگر اس طرح جیسے مجنون کھڑا ہوتا ہے۔

یا دوسرا قول: یہ یقوم سے متعلق ہے جیسا کہ مجنون اپنے جنون سے کھڑا ہوتا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہوا کہ وہ قیامت کے دن مجنونوں کی طرح مجبوراً اٹھ کھڑے ہوں گے یہ موقف حساب میں قیامت کے دن ان کی علامت ہے۔

نمبر۲ دوسرا قول: جو قبروں سے سیدھے نکل کر محشر کی طرف چلیں گے سوائے سود خوروں کے کہ وہ گرتے پڑتے چلیں گے۔ جیسے

مجنون ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے سود کھایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے پیٹوں میں بڑھا کر بوجھل کر دیا۔ جس سے وہ سیدھے اٹھ کر چلنے کی قدرت سے محروم کر دیئے گئے

ذٰلِكَ (یہ) یعنی سزا۔ بِاَنَّهُمْ (اس سبب سے)

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (کہ انہوں نے کہا بے شک بیع سود کی طرح ہے)

رباء سے محبت کا حال:

ن: اس طرح نہیں کہا کہ ربا بیع کی طرح ہے۔ باوجودیکہ گفتگو ربا کے سلسلہ میں ہے بیع کے متعلق نہیں۔

ن: یہ کلام مبالغہ کے انداز سے لایا گیا اور وہ اس طرح کہ ربا کے حلال ہونے میں ان کا اعتقاد اس حد تک پہنچ چکا۔ کہ انہوں نے ربا کو اصل اور حلال ہونے میں بطور قانونی چیز کے پیش کیا۔ حتیٰ کہ بیع سے اس کو تشبیہ دے کر پیش کیا۔

باطل قیاس کا رد:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور ربوا کو حرام کیا) اس میں ان کے برابر قرار دینے کی تردید کی گئی۔ کہ حلت و حرمت دو مخالف ضدیں ہیں یہ ایک دوسرے کے مماثل کیسے ہو سکتے ہیں؟

مسئلہ: نص سے قیاس منہدم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قیاس کو باطل کرنے کے لئے بیع کا حلال کرنا اور سود کا حرام کرنا بطور دلیل ذکر کیا۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (پس جس شخص کے پاس نصیحت اس کے رب کی طرف سے آ جائے) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور ربا کی ممانعت والی تنبیہ پہنچ گئی۔

فَانْتَهٰى (پس وہ باز آ گیا) اور ممانعت کو مان لیا اور سود چھوڑ دیا۔

فَلَهٗ مَا سَلَفَ (پس اس کیلئے ہے جو وہ لے چکا) یعنی اس سے گزشتہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے نزول حرمت سے پہلے لیا۔

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے تمہارا اس کے معاملے سے اب کچھ تعلق نہیں۔ تم اس سے مت مطالبہ کرو۔

وَمَنْ عَادَ (جو سود خوری کی طرف واپس لوٹا) یعنی سود کو حلال قرار دینے کی طرف یہ زجاج کا قول ہے۔ یا ربا کی طرف لوٹا اس حال میں کہ اس کو حلال قرار دینے والا ہے۔

حرام کو حلال ماننا کفر ہے:

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس لئے کہ سود کو مثل بیع قرار دینے کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنے والا کافر ہے اسی وجہ سے جہنم میں ہمیشگی کا حق دار بن گیا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔

مسئلہ: اس تفسیر سے ثابت ہوا کہ فاسق کے خلود فی النار والے مسئلے سے آیت کا کوئی تعلق نہیں وہ معتزلہ کی اپنی اختراع ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۶:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) یعنی اس کی برکت کو دور کردیتے ہیں۔ اور اس مال کو تلف کردیتے ہیں جس میں سود شامل ہو جائے۔

وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (اور صدقات کو بڑھاتے ہیں) یعنی اضافہ کرتے اور بڑھاتے ہیں اس مال میں اضافہ کرتے ہیں جس سے صدقہ نکالا جائے اور اس میں برکت دیتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے زکوٰۃ مال میں کمی نہیں کرتی۔ (مسلم)

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ (اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پسند نہیں کرتے) کفار بڑا کافر اس لئے کہ اس نے ربا کو حلال قرار دیا۔

اَثِیْمٍ (گنہگار) یعنی سود کھا کر گناہ پر اصرار کرنے والا)

تفسیر آیت ۲۷۷:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰٓا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

پھر اگر تم نے نہ کیا تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾

اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ایک قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ربا کی حرمت پر ایمان لائے۔

۲۷۸: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ربوا میں سے جو باقی ہے اس کو چھوڑ دو)۔

انہوں نے لوگوں پر جو ربا کی شرط لگائی تھی وہ لے لیا۔ اور ابھی ان کے بقایا جات لوگوں کے ذمہ باقی تھے۔ پس ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کو چھوڑ دیں اور اس کا مطالبہ نہ کریں۔

روایت میں ہے کہ یہ بنو ثقیف کے متعلق اتری۔ ان کے بعض قبائل کا قریش کے ذمہ سود تھا۔ انہوں نے وقت آنے پر مال کے ساتھ سود کا مطالبہ کیا۔ (تو ان کو حکم دیا گیا کہ سود کو چھوڑ دیا جائے)

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اگر تم کامل الایمان ہو) ایمان کے کمال کی دلیل حکم کو پورے طور پر مان لینا ہے۔

۲۷۹: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے) یعنی تم آگاہ ہو جاؤ۔ فاذنوا۔ یہ اذن بالشیٔ سے لیا گیا۔ جب کہ آپ کو جان لے۔

قراءت: حسن بصریؒ کی قراءت اس معنی کی تائید کرتی ہے انہوں نے فَاَیْقِنُوْا پڑھا ہے۔

حمزہ، ابوبکر رحمہما اللہ نے فَاٰذِنُوْا بروزن اٰمِنُوْا پڑھا ہے۔

بقیہ قراء نے فَاْذَنُوْا پڑھا ہے۔

ایک سوال:

س: یہاں فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ فرمایا۔ بحرب اللہ ورسولہ کیوں نہ فرمایا۔

ج: کیونکہ یہ انداز کلام زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے پس تم تیار ہو جاؤ اس قسم کی لڑائی کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے بہت بڑی ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ثقیف والے کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کی

لا یحل دین رجل مسلم فیؤخرہ الا کان لہ بکل یوم صدقۃ۔ (ابن ماجہ)

کسی مسلمان کو قرض کا مؤخر کرنا درست نہیں۔ مگر یہ کہ ہر دن کے بدلے میں (اتنے مال کے) صدقہ کا ثواب ملے گا۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (اگر تم جانتے ہو) کہ وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ پس تم اس پر عمل کرو گویا بے عمل کو علم کے باوجود بے علم قرار دیا۔

تفسیر آیت ۲۸۱:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۔ (اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے)۔

قراءت: ابو عمرو نے تَرْجِعُوْنَ پڑھا ہے۔ رجع لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

آخری آیت:

کہا گیا کہ یہ آخری آیت ہے۔ جس کو جبرائیل علیہ السلام لائے اور کہا اس کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد رکھو اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس دن تک بقید حیات رہے۔ یا اکاسی ایام یا سات ایام یا تین ساعات:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (پھر پورا پورا دیا جائے گا۔ ہر شخص کو جو اس نے کمایا) یعنی کمائے ہوئے کا بدلہ۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ان کی نیکیاں کم کر کے اور گناہوں میں اضافہ کر کے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ

اے ایمان والو جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو

وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور چاہئے کہ کوئی شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے۔ اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا

ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ

ہے سو چاہئے کہ لکھ دیا کرے۔ اور جس کے ذمہ حق ہے وہ چاہئے کہ لکھواتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ کمی

مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ

نہ کرے۔ سو اگر وہ شخص کہ جس کے ذمہ حق ہے بے عقل ہو یا ضعیف ہو یا املا کرانے پر قدرت

أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن

نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو گواہ

رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ

بنا لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے جنہیں تم

مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ

پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے

وَلَا يَأْبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا۟ ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوٓا۟ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

اور گواہ انکار نہ کریں جب ان کو بلایا جائے۔ اور قرضہ کے معاملہ کی لکھت سے سستی نہ کرو چھوٹا ہو

كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدْنَىٰٓ

یا بڑا اس کی میعاد تک۔ یہ بات زیادہ انصاف کی ہے اللہ کے نزدیک اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے

أَلَّا تَرْتَابُوٓا۟ ۖ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ

کہ تم شک میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو نقد جس کا لین دین دست بدست کرتے ہو تم آپس میں معاملہ کرتے ہو

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ

سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو۔ اور گواہ بنا لیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو

وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ

اور نہ ضرر دیا جائے کاتب کو اور نہ گواہ کو۔ اور اگر تم ایسا کرو تو بلاشبہ اس میں گناہ کی شان ہے

بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۸۲

تمہارے لئے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت و نکات:

۲۸۲: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ (اے ایمان والو جب تم باہمی قرض کا معاملہ کرو)۔ یعنی جب ایک دوسرے کو قرض لو دو۔ عرب کہتے ہیں۔ داینت الرجل۔ جب کسی کو قرض دیا جائے۔ یا لیا جائے۔

اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ایک مقرر وقت تک) مقرر مدت تک۔ مثلاً کٹائی یا گہائی یا حاجی کے لوٹنے تک۔

نکتہ: دَین کا لفظ واضح ذکر کیا۔ اذا تداینتم الی اجل مسمی فاکتبوہ نہیں کہا تاکہ فاکتبوہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹ سکے۔ اگر دَین کا لفظ واضح نہ ہوتا تو لازماً اتحاد کرنا پڑتا فاکتبوا الدین اور اس طرح سے کلام میں وہ خوبصورتی نہ ہوتی۔ جواب ہے۔

دو وجوہ:

وجہ اول: یہ انداز کلام قرض کی اقسام معجل اور دین حال کو بیان کرنے میں زیادہ واضح ہے۔

وجہ دوم: قرض کے تحریر کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ یہ دو ٹوک بات ہے اور بھول چوک سے محفوظ اور انکار سے دور ہے۔

مطلب آیت: مطلب آیت کا یہ ہوا کہ جب تم باہمی مؤجل قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

استنباطی مسائل:

مسئلہ: یہ حکم استحبابی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس سے مراد بیع سلم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا تو بیع سلم کو جائز کر دیا۔ جو کہ کتاب اللہ میں مدت معلوم کے ساتھ متعلق ہوئی ہے اور اس میں طویل ترین آیت نازل فرمائی۔ اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے۔ کہ بیع سلم میں مدت شرط ہے۔

وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ (اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھے) یعنی قرضدار اور قرض دینے والے کے درمیان۔

امین کاتب کی تعریف:

کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (کاتب انصاف کے ساتھ) بالعدل یہ کاتب کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ایسا کاتب جو

احتیاط سے لکھے۔ اور یہ کہ کاتب ایسی بات نہ لکھے جس چیز کا لکھنا ضروری ہے اس میں اضافہ اور کمی نہ کرے۔

مسئلہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کاتب سمجھدار اور شرائط کو جاننے والا ہو۔ تاکہ اس کا لکھنا شرع کے مطابق ہو۔

مسئلہ: کاتب کے چناؤ کا حکم قرض دینے والے لینے والے دونوں کو ہے اور وہ ایسے آدمی سے کتابت کروائیں جس پر فریقین کو اتفاق ہو۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ (اور کاتب انکار نہ کرے) یعنی کوئی کاتب تحریر سے انکار نہ کرے۔

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ (لکھنے سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے تو اس میں تبدیلی نہ کرے اور نحو میں كَمَا کا تعلق یکتب کے متعلق ہے۔

فَلْيَكْتُبْ (پس چاہیے کہ وہ لکھے) یعنی وہ وثیقہ لکھے اس سے عدول نہ کرے۔

مدیون کی املاء، اقرار ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (اور چاہیے کہ وہ شخص املا کروائے جس کے ذمہ حق ہے) یعنی مدیون لکھوائے یہ اس کا اقرار ہے یعنی اقرار یہ ہے کہ قرض اس کے ذمہ ہے اور یہ لکھوانا اپنے متعلق اقرار اپنی زبان سے ہے۔

املال اور املاء یہ دونوں لغت ہیں۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے) یعنی مدیون اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور حق سے انکار نہ کرے کیونکہ اس طرح تو اس کے تمام حق کا انکار ہوگا۔

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا (اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے) یعنی املا کروانے میں حق واجب سے کوئی چیز کم نہ کرے۔ اس میں مدیون کے لئے حق کا تکرار آرہا ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا (پس اگر مدیون سفیہ ہو) یعنی مجنون ہو یا خفیف العقل جس کو ناقص العقل کہا جاتا ہے۔ یہ فضول خرچی اور تصرف سے بیان ہونے کی بناء پر محجور التصرف ہو۔

اَوْ ضَعِيْفًا (یا کمزور ہو) یعنی نادان بچہ ہو۔

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ (یا املا کروانے کی طاقت نہ رکھتا ہو) یعنی گونگا یا جہالت یا زبان سے ناواقفیت کی بنا پر۔

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ (پس اس کا ولی املا کروائے) یعنی وہ شخص جو اس کا سرپرست اور وکیل ترجمان ہے۔

بِالْعَدْلِ (انصاف کے ساتھ) یعنی سچائی اور حق کے ساتھ

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ (اور تم دو گواہ بناؤ) تاکہ وہ قرض پر گواہی دینے والے بن جائیں۔

شروط گواہی:

مِنْ رِّجَالِكُمْ (اپنے مردوں میں سے) یعنی مسلمانوں میں سے اسلام کے ساتھ آزادی و بلوغ بھی شرط ہے۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک کفار کی گواہی کفار کے متعلق درست ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) یعنی اگر دو گواہ مرد نہ ملیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

حدود و قصاص کے علاوہ بقیہ معاملات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (جن کو تم بطور گواہ پسند کرو) یعنی جن کی عدالت سے تم واقف ہو۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ ناپسندیدہ بھی شاہد بن سکتا ہے۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے) یعنی اس بناء پر کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

اختلافِ قراءت:

حمزہ کی قراءت میں اِنْ تَضِلَّ میں اِن شرطیہ ہے اور فَتُذَكِّرُ مرفوع ہے اور پورا جملہ جزاء ہے۔

تَضِلَّ پر شرط کی وجہ سے جزم آنی چاہیے مگر تشدید کی وجہ سے جزم نہیں آئی۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں آیت نمبر ۹۵ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ، تو فَيَنْتَقِمُ میں باوجود جزاء کے رفع ہے۔

مکی اور بصری قراء نے فَتُذْكِرَ نصب کے ساتھ پڑھا۔ اور اصل اس کی الذکر سے بتلائی نہ کہ الذُّکر سے۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے) یعنی ادائیگی شہادت کے لئے یا گواہ بنانے کے لئے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

نکات:

یہاں ان کو گواہ بننے سے پہلے ہی ان کو شہداء کہا گیا۔ کیونکہ آئندہ چل کر وہ گواہ بننے والے ہیں۔ پہلی صورت میں تو فرض ہے اور دوسری صورت میں مستحب ہے۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا (نہ اکتاؤ) جیسا شاعر نے کہا۔

سئمت تکالیف الحیاۃ ومن یعش ☆ ثمانین حولا لا ابالک یسأم (اکتا جاتا)

کسل استعمال ہوتا ہے۔

نحو: اَنْ تَكْتُبُوْهُ کی ضمیر دَین کی طرف لوٹ رہی ہے یا الحق کی طرف۔

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا (تھوڑا ہو یا زیادہ) یعنی جس حالت میں بھی قرض تھوڑا حق ہو یا زیادہ۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ بیع سلم کپڑے میں بھی جائز ہے کیونکہ جو کیل وزن میں آ سکے اس کے لئے صغیر و کبیر کا لفظ نہیں بولتے۔ البتہ تھوڑی چیز کے لئے قلیل استعمال کرتے ہیں۔

نحو: یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر کتاب کی طرف لوٹے۔ مطلب یہ ہو کہ وہ تحریر کو مختصر مت لکھیں۔

اِلٰٓى اَجَلِهٖ (وقت مقررہ تک) یعنی وہ وقت جس پر دونوں دائن و مدیون متفق ہوئے ہیں۔

ذٰلِکُمْ (یہ) یعنی لکھنا۔ اس کا مشار الیہ ان تکتبوہ ہے۔

اَقْسَطُ (زیادہ انصاف والی بات ہے) یہ قسط سے ہے جس کا معنی عدل ہے۔

عِنْدَ اللّٰہِ (اللہ کے ہاں یہ اقسط کا ظرف ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔

وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ (یہ ادائے شہادت کو بہت درست کرنے والا ہے) یعنی اقامت شہادت میں زیادہ معاون ہے۔

نحو: اقسط اقوم یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک افعل کے صیغے ہیں۔

وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا (اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو) یعنی گواہ اور حاکم اور صاحب حق کے لئے شک کو زیادہ دور کرنے والی چیز ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات مقدار و صفات میں شک پڑ جاتا ہے جب دستاویز کی طرف رجوع کریں گے تو شک زائل ہو جائے گا۔

صرف: اَدْنٰی کی الف محل میں واو تھی۔ کیونکہ یہ دنوّ سے ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً (ہاں اگر دست بدست تجارت ہو)

قراءت و نحو:

عاصم نے اس طرح پڑھا۔ الا ان تکون التجارۃ تجارۃً یا الا ان تکون المعاملۃ تجارۃ حاضرۃ نصب کے ساتھ۔ اسم کو محذوف مان کر تجارۃ حاضرۃ کو خبر بنایا۔

دیگر قراء نے تجارۃ حاضرۃ پڑھا اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہے۔

تقدیر عبارت یہ ہے۔ الا ان تقع تجارۃ حاضرۃ۔ کہ تجارت حاضرہ پیش آئے۔

یا کان ناقصہ ہے۔ اور تجارۃ حاضرۃ مرفوع اس کا اسم اور تدیرونہا اس کی خبر ہو۔

تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ۔ (تم اس کو اپنے درمیان لوٹانے والے ہو) بینکم، تدیرون کا ظرف ہے۔ اس کا معنی ہے درمیان پھیرنا۔ فوری لین دین کرنا۔

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْھَا۔ تمہیں نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔ جب تم دست بدست فوری لین دین کرو۔ اگر اس کو نہ لکھو تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں وہ وہم نہیں جو قرض میں ہوتا ہے۔

نقد میں گواہی:

وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ۔ (اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لو) خرید و فروخت نقد قیمت پر ہو یا ادھار گواہ بنا لیا کرو۔ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔ اور یہ گواہ اختلاف میں پڑنے سے بچانے والا ہے۔

دوسرا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ تجارت حاضرہ کی بیع کرو۔ تو اس میں گواہ کافی ہیں کتابت کی ضرورت نہیں۔ اور امر استحباب کے لئے ہے۔

عَلٰی سَفَرٍ۔ (سفر پر) یعنی سفر کی حالت میں

وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا۔ (اور تم نہ پاؤ کاتب)

فَرِهٰنٌ۔ (تو رہن ہو سکتا ہے)

قراءت: ابو عمرو و مکی نے فَرُهُنٌ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے فَرِهٰنٌ پڑھا ہے۔
دونوں رہن کی جمع ہیں۔ جیسے سَقْفٌ و سُقُفٌ اور بَغْلٌ و بِغَالٌ اسی طرح رِهَانٌ جمع ہے رہن اصل میں مصدر ہے اب تو نام بن گیا۔ پھر اسماء کی طرح اس کی جمع توڑ پھوڑ کی گئی۔

ارشادی حکم:

سفر میں چونکہ عموماً گواہوں کے اور کاتبوں کے نہ ملنے کا گمان غالب ہے تو بطور ارشاد و راہنمائی کے حفاظت مال کی خاطر رہن کا حکم دیا گیا تاکہ رہن کے ذریعہ امکانی حد تک اعتماد حاصل کر لیا جائے۔ اس بناء پر نہیں کہ رہن رکھنے کیلئے سفر ضروری ہے۔

مَقْبُوْضَةٌ (قبضہ کیا ہوا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ شرط نہیں۔ صرف ایجاب و قبول سے پورا ہو جاتا ہے۔

اظہار اعتماد:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (اگر تم میں ایک دوسرے پر اعتماد ہو) یعنی اگر بعض قرضداروں اور قرض خواہوں کو ایک دوسرے پر حسن ظن ہو تو پھر قرض دار کو چاہیے۔ کہ وہ اپنے ذمہ لازم ہونے والی رقم کو ادا کر دے کیونکہ اس نے رہن نہ لے کر اس پر اعتماد کا اظہار کیا۔ تو یہ اعتماد پر پورا اترے۔

یہاں دَین کو امانت کہا گیا۔ کیونکہ وہ اس کا ضامن بن گیا۔ کیونکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے رہن نہیں لیا۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ جو اس کا رب ہے) اور اس کے حق کا انکار نہ کرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (اور تم گواہی مت چھپاؤ) یہ گواہوں کو خطاب کیا گیا۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (جو اس کو چھپاتا ہے بلاشبہ اس کا دل گنہگار ہے)

نحو: قَلْبُهٗ کا مرفوع ہونا ہے کیونکہ یہ آثم کا فاعل ہے تقدیری عبارت یہ ہے۔

فانہ آثم قلبہ یا قلبہ مبتدا اور آثم خبر مقدم ہے اور یہ جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔

ایک سوال:

سوال: اثم کی نسبت قلب کی طرف ہے حالانکہ وہ سارا ہی گنہگار ہے نہ کہ صرف دل

نسبت کی تین وجوہ:

جواب: کیونکہ گواہی دل ہی میں چھپائی جاتی ہے اور اس کو منہ سے نہیں بولتا۔ جب گناہ کمانے میں دل ساتھی بنا۔ تو اس کی طرف نسبت کردی گئی۔ کیونکہ فعل کی نسبت آلۂ عمل کی طرف بلیغ تر ہے۔ جیسا تم کہو۔ ھذا مما ابصرتہ عینی۔ یہ وہ چیز ہے جس کو میری آنکھ نے دیکھا ہے۔ اور مما سمعتہ اذنی و مما عرفہ قلبی۔ اور کان نے سنا اور دل نے پہچانا۔

۲ دوسری وجہ: یہ ہے کہ دل رئیس الاعضاء ہے اور جسم کا وہ ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا گیا کہ گناہ اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا ہے اور اس کے سب سے اعلیٰ مقام پر قابض ہو چکا۔

۳ تیسری وجہ: یہ ہے اعمال قلوب، اعمال جوارح سے عظیم تر ہیں۔

ذرا غور تو کرو۔ کہ تمام حسنات و سیئات کی جڑ ایمان و کفر ہے۔ اور یہ دونوں دل کے فعل ہیں۔ چنانچہ جب کتمانِ شہادت کو آثام قلب سے قرار دیا۔ تو گویا اس کے لئے گواہی دے دی۔ کہ یہ عظیم گناہوں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اکبر الکبائر یہ ہیں۔

نمبر ا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ گواہی چھپانا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے) یعنی کتمان شہادت اور اظہار شہادت سے

عَلِیْمٌ (واقف ہیں) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

[illegible]

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

[illegible]

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ

[illegible]

الْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ

[illegible]

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا

[illegible]

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ

[illegible]

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا

[illegible]

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا

[illegible]

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪

[illegible]

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

[illegible]

تفسیر آیت ۲۸۴:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی اسی کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی ملک ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ (اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ) یعنی برائی میں سے۔

مؤاخذہ کی حقیقت:

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (وہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کریں گے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیں گے۔ اس سے مراد تعبیہ اور حدیث نفس جس کو انسان چھپاتا ہے وہ داخل نہیں۔ لیکن جس کو دل میں پختہ کرلے وہ قابل مؤاخذہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عزم کفر بھی کفر ہے۔ اور گناہوں کا خیال آنا بغیر پختہ ارادہ کے معاف ہے اور گناہ کا ارادہ کرے اگر شرمندہ ہو اور اس سے رجوع کرے اور استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اگر وہ کسی برائی کا پختہ ارادہ کرے اور وہ اس پر ثابت و قائم بھی ہو تو گناہ ہے مگر یہ کہ وہ اس سے باز آ گیا۔ کسی رکاوٹ کی وجہ سے (یعنی مجبوراً) اپنے اختیار سے نہیں۔ تو اس پر کرنے کا گناہ تو نہ ملے گا۔ یعنی زنا کا ارادہ کرنے سے زنا کی سزا تو نہ ملے گی۔

عزم کا حکم:

اب اس کو عزم زنا کی سزا ملے گی یا نہیں۔

قول اوّل: سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ان اللّٰہ عفا عن امتی ما حدثت بہ انفسھا مالم تعمل۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کر دیا۔ جو ان کے خیال میں آئے اور اس پر عمل نہ کیا ہو (بخاری)

دوسرا قول: جمہور کہتے ہیں کہ حدیث نفس سے مراد خطرۃ القلب، خیال آنا ہے۔ عزم گناہ مراد نہیں۔ اور عزم پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔

شیخ ابو منصور علامہ طوانی رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ ۔ الایۃ سورۃ النور آیت نمبر ۱۹ یہ لوگ فاحشہ خود کرنے والے نہیں۔ صرف اس کی اشاعت میں شریک ہیں۔ ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جس گناہ کا بندہ ارادہ کرتا ہے مگر عمل نہیں کرتا۔ اس کو اس پر دنیا کے غم و حزن کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔

شانِ نزول: کئی تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور کہنے لگے کیا ہمارا ہر اس بات پر مؤاخذہ ہوگا۔ جو ہمارے دلوں میں حدیث نفس کی صورت میں پیدا ہوتی ہے تو یہ آیت اتری۔

آمن الرسول سے لا یکلف اللہ تا ما اکتسبت۔ پس یہ کسب سے متعلق ہے عزم سے نہیں۔ بقول بعض یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوگئی۔

قولِ محققین:

مگر محققین کا فرمان یہ ہے کہ نسخ تو احکام میں ہے اور یہ تو خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ پس وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔

قراءت: شامی، عاصم رحمہما اللہ نے یغفرُ اور یعذبُ کو رفع سے پڑھا ہے۔

یعنی فھو یغفرُ و یعذبُ مگر دیگر قراء رحمہم اللہ نے جواب شرط پر عطف کی وجہ سے جزم پڑھی ہے۔

ابوعمرو بصری نے ادغام سے پڑھا۔ (کذا فی الاشارۃ و البشارۃ)

صاحب کشاف کا قول:

صاحب کشاف نے کہا: راء کو لام میں ادغام کرنے والا لاحق ہے اور غلطی پر ہے کیونکہ راء حرف مکرر ہے۔ پس وہ مضاعف کی طرح ہو گیا۔ اور مضاعف میں ادغام درست نہیں ہے۔ اس لئے ابوعمرو سے اس کی روایت کرنا دوہری غلطی ہے۔

کیونکہ ایک تو وہ خود لحن کا مرتکب ہے اور دوسرا ایسے شخص کی طرف غلط نسبت کر رہا ہے۔ جو عربیت کا اپنے زمانہ میں سب سے بڑا ماہر تھا۔ پس یہ بات عظیم جہل کی نشان دہی کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) خواہ مغفرت ہو یا عذاب ہو وغیرہما

قَدِيْرٌ (قدرت رکھتے ہیں)۔

۲۸۵: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (ایمان لائے رسول اس پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر اتارا گیا۔ اور مومن ایمان لائے)۔

نحو: اگر المؤمنون کا عطف الرسول پر کیا جائے تو ضمیر کا نائب کلٌّ کی تنوین کو مانا جائے گا۔ اور ضمیر رسول اور مومنون دونوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی کلھم۔

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر)۔

نحو و قراءت:

نمبر ۱: یہ وقف ہے اور اگر یہ مبتدا ہو تو پھر کلٌّ مبتدا ثانی ہے۔

اور تقدیر یہ ہے کلٌّ منھم اور اٰمن یہ مبتدائے ثانی کی خبر بنے گی۔ اور یہ تمام جملہ مبتدائے اول کی خبر بن جائے گی۔ اور ضمیر مومنین کی طرف راجع ہوگی۔ اور اٰمن میں ضمیر کلٌّ کی طرف واحد لائی گئی۔ گویا کلٌّ واحد منھم اٰمن فرمایا۔ حمزہ و علی رحمہما اللہ نے وکتابہ

فرقان کی مراد:

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فرقان سے مراد جنس کتب ہے۔ کیونکہ تمام کتابیں حق و باطل میں فرق کرتی ہیں یا زبور مراد ہے۔ یا قرآن مجید کا تذکرہ دوبارہ اس صفت کے ذریعے اس کی عظمت شان کی خاطر کر دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے کتب منزلہ مراد ہیں۔ یعنی کسی بھی آسمانی کتاب کو نہ ماننے کی وجہ سے عذاب میں ہوں گے۔

ذُو انْتِقَامٍ کا معنی سخت سزا دینے والے ہیں کہ کوئی منتقم اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حالت سے واقف ہے:

۵: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں) آسمان و زمین سے مراد سارے جہانوں میں ہے جس کی تعبیر فہم انسانی کے قریب کرنے کے لیے آسمان و زمین سے کر دی۔

مطلب یہ ہوا کہ وہ کافر کے کفر اور مومن کے ایمان سے واقف ہے اور وہی ہر دو کو اس کا بدلہ دے گا۔

۶: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے) یُصَوِّرُكُمْ یعنی مختلف شکلیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور اپنی سلطنت پر غالب اور تدبیر میں حکمت والا ہے۔

وفد نجران کی آمد:

روایت میں وارد ہے کہ جب نجرانیوں کا وفد آیا۔ جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کا امیر عاقب اور میر سفر ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ ان کا پادری اور عالم تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ اگر عیسیٰ اللہ کا بیٹا نہیں تھا تو پھر اس کا باپ کون تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہیں ان پر موت آ سکتی ہے نہ آئے گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو جائیں گے اور ہمارا رب تعالیٰ تو زندوں کا نگران اور محافظ ہے۔ اور ان کو رزق دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر قدرت حاصل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر تو کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تو وہی جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کی تصویر رحم مادر میں بنائی جس طرح چاہی۔ پھر ان کی ماں حاملہ ہوئیں اور ان کو جنا اور دودھ پلایا۔ اور وہ کھانا کھاتے اور بول و براز کرتے تھے اور ہمارا رب تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور پاک ہے۔ مگر یہ سن کر وہ تمام لاجواب ہو گئے ان کے متعلق یہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۸۰ سے کچھ اوپر آیات نازل ہوئیں۔ (رواہ ابن جریر و ابن ابی حاتم)

لیس کمثلہ شیء ۔ (شوریٰ آیت نمبر ۱۱)

دوسرا قول: محکم وہ ہے جس کا حکم ہر تنزیل کتاب میں دیا گیا ہو۔ جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۵۱: قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ۔ الآیۃ۔ میں فرمایا سورۃ الاسراء آیت نمبر ۲۳ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ ۔ اور متشابہ وہ ہے جو اس کے علاوہ آیات ہیں۔ یا محکم کی ایک قسم وہ ہے جس میں ایک ہی جواب کا احتمال ہو۔ دوسری قسم یا جس میں کئی طرح کا احتمال ہو یا ایک قسم متشابہ کی وہ ہے جس کی تاویل معلوم ہو سکے یا ناسخ مراد ہے جس پر عمل ہوتا ہو اور منسوخ جس پر عمل نہ ہوتا ہو۔

تمام قرآن کی آیات محکم نہیں لائی گئیں بلکہ متشابہ بھی لائی گئیں کیونکہ اس میں ان لوگوں کیلئے ابتلاء و امتحان ہے جو حق پرست اور متزلزل ہیں۔

متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے لیے علماء کا باہمی ردو قدح اور طبیعتوں کا اس میں تھکنا اور پھر فکر کی طرف ان کا لوٹنا اس میں بہت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہوتے ہیں اور بہت سا علم میسر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات قرب حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: قرآن مجید کی تمام آیات کے محکم ہونے کا مطلب فساد معنی سے پاک ہونا ہے اور اسی طرح متشابہ ہونے کا مطلب حسن و کمال میں ایک جیسا ہونا ہے اور بعض آیات کے محکم ہونے کا مطلب ان کے معانی کا واضح ہونا ہے اور متشابہ کا مطلب ان کے معانی کا مخفی ہونا ہے۔

اہل بدعت کا طرز عمل:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ ۔ زیغ سے مطلب حق سے مائل ہونا ہے اور ان کا مصداق اہل بدعت ہیں۔ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ یعنی وہ متشابہ کا وہ معنی اختیار کرتے ہیں جس میں احتمال ہے اور اہل بدعت کے طرز عمل کے ساتھ موافقت رکھتا ہو محکم سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اہل حق کے قول سے موافقت کرنے والا ہے۔ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وہ متشابہات کے پیچھے اس لئے لگتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں دین کے معاملہ میں فتنہ پیدا کریں اور ان کو گمراہ کریں۔ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وہ متشابہات کے پیچھے اس لیے پڑتے ہیں تاکہ اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تاویل کریں۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ متشابہات کی اصل مراد منشاء کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں اور ان کا پورا قابو ہے ان کو اس پر شبہ ہوتا ہی نہیں بلکہ مضبوط دانتوں سے اس کو پکڑنے والے ہیں۔

نحوی تحقیق:

یستنبطون: جمہور کے ہاں یہ جملہ مستانفہ ہے اور وقف اِلَّا اللّٰهُ پر لازم ہے کیونکہ متشابہ اسی کو کہتے ہیں جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جمہور کے ہاں وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتدا ہے اور یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ یہ خبر ہے اور اس میں راسخین کے ایمان قلبی پر مدح و ثنا کی گئی ہے اور کیفیت کا سوال کرنے کے بغیر اس کی حقانیت کے اعتقاد کو سراہا گیا۔

وجہ تخصیص:

متقین کو جنت کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنات سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

نحو: جنات کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مبتدا ھو محذوف ہے۔ جنہوں نے جنات کو کسرہ سے پڑھا۔ وہ اس کا مؤید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خیر سے بدل ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ (وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی) رضوان کا معنی رضائے الٰہی ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والے ہیں) ان کے اعمال سے واقف ہیں۔ پس انہیں بدلہ عنایت فرمائیں گے۔ یا متقین کو اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اسی لئے ان کے لئے باغات تیار کیے۔

۱۶: اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ: (وہ لوگ جو کہتے ہیں)

نحو: یہ مدح کی وجہ سے منصوب ہے یا محذوف مبتدا کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا متقین کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ عباد کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے) تیری دعوت کو قبول کرتے ہوئے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (تو ہمارے گناہ ہمیں بخش دے) اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) اپنے فضل وکرم سے

صفات صالحین:

۱۷: اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ اَلصّٰبِرِیْنَ (وہ صبر کرنے والے ہیں۔

طاعات پر اور مصائب پر

نحو: یہ بھی امدح فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَالصّٰدِقِیْنَ (وہ سچ بولنے والے) حق بات کہہ کر زبانی سچ اور احکام پر عمل کر کے عملی سچ اور پختہ ارادہ پورا کر کے نیت سے سچائی اختیار کرنے والے ہیں۔ وَالْقٰنِتِیْنَ (اور عاجزی کرنے والے ہیں) عبادت کرنے والے ہوں یا اطاعت اختیار کرنے والے ہوں۔ وَالْمُنْفِقِیْنَ (اور خرچ کرنے والے ہیں) وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (وہ سحری کے وقت استغفار کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے، مغفرت طلب کرنے والے۔

تخصیص سحر کی وجہ:

سحری کے وقت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے اور طاعت کا وقت بھی ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمایا اے بیٹے مرغ تم سے زیادہ عقلمند ثابت نہ ہو کہ وہ تو سحری کے وقت اذان دے اور تم سویا رہے۔

نحوی تحقیق:

نمبر۱۔ اللہ کے لفظ سے حال ہے یعنی انصاف کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام و انصرام کرنے کی حالت میں وہ شاہد ہے عدل کے ساتھ

نمبر۲: ھو ضمیر سے حال ہے اس کو مفرد لانا عامل کے نصب کی وجہ سے جائز ہے البتہ اس کے دونوں معطوفوں کو مفرد لانا صحیح نہیں۔ اگر تم کہو جاء زید و عمرو راکبا' یہ کہنا درست نہیں کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں البتہ اس طرح کہا جاء نی زید و ھند راکبا تو یہ درست ہے کیونکہ تمیز مذکر لائی گئی ہے اور مؤنث مذکر کے تابع ہے۔

نمبر۳: فعل مدح محذوف ہے اس کا یہ منصوب ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی) کو دوبارہ تاکید مزید کے لیے لایا گیا (دلائل کے بعد توحید کی طرف مزید توجہ کے لئے لائے) الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: (وہ زبردست حکمت والا ہے) وہ اپنی حکومت میں غالب اور صنعت میں حکیم ہے۔

نحوی تحقیق:

یہ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی ھو العزیز الحکیم یہ ھُوَ کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر نہ صفت بنتی ہے نہ موصوف۔ نحو معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسا زبردست کہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے حکیم کہ حق سے ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔

۱۹: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے (یہ جمہور کی قراءت کے مطابق ہے)

قراءت: کسائی نے اَنَّ الدِّيْنَ پڑھا۔ اس صورت میں اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے بدل ہے یعنی شھد اللّٰہ اَنَّ الدین الآیۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔

آیت کی فضیلت:

ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد نمبر۶۔ اور طبرانی نے ضعیف سند سے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ جس نے اس آیت کو سوتے وقت پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار مخلوق پیدا کر دیتے ہیں۔ جو اس کے لیے قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے۔ اور جس نے اس آیت کو پڑھنے کے بعد یہ کہا میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت رکھتا ہوں۔ یہ اسلام کی شہادت اللہ تعالیٰ کے پاس میری امانت ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ ہے میرے بندے کا عہد ہے اور میں سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔ میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ (خرجہ فی الدر جلد نمبر۲)

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی) اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ

کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سو ان کو آپ دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ یہ وہ لوگ

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ (اور جو میرے پیروکار تھے انھوں نے بھی) اسلمت کی تا پر اس کا عطف ہے۔ یعنی میں نے اور میرے پیروکاروں نے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ واؤ قاصر کے لیے لائی گئی ہے اور اگر واؤ کو مع کے معنی میں مان لیں تو یہ مفعول معہ بن جائیگا۔ ومن تبعنی یہ دونوں حالتوں میں آتا ہے۔ سہل و یعقوب نے وصل میں ابو عمرو کی موافقت کی ہے۔ وَقُلْ لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی کہہ دیں) مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ وَالْأُمِّيِّينَ (اور ان پڑھوں کو) یعنی جن کے پاس کوئی کتاب نہیں جیسے مشرکین عرب۔

استفہام توبیخی:

ءَأَسْلَمْتُمْ (کیا تم بھی اسلام لاتے ہو) کوفی کے نزدیک دونوں ہمزوں کے ساتھ ہے

نمبر ۱: اسلام کے دلائل واضح ہو چکے کیا اب تم اسلام کو قبول کرتے ہو یا اس کے بعد بھی کفر پر قائم رہتے ہو۔

نمبر ۲: یہ بظاہر تو صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کا ہے کہ تم اسلام لاؤ۔ جس طرح کا صیغہ فھل انتم منتھون (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۱) کی طرح بن گیا۔ یعنی انتھوا گویا استفہام توبیخی ہے۔

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا (پس اگر وہ اسلام لائیں تو وہ ہدایت پا گئے) یعنی انہوں نے ہدایت کو پا لیا اس لیے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف نکل آئے۔ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (اور اگر وہ اسلام سے روگردانی اختیار کریں پس تمہارے ذمہ پہنچا دینا ہے) یعنی وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ آپ خبردار کرنے والے رسول ہیں۔ آپ کے ذمہ پیغام کو پہنچانا اور ہدایت کے راستے سے متنبہ کرنا ہے۔ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے) یعنی مومن و کافر میں سے ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔

۲۱: إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں) سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جو اپنے آباؤ واجداد کے قتل انبیاء پر راضی تھے۔ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ (اللہ کی آیات کے ساتھ اور انبیاء کو قتل کرتے) بِغَيْرِ حَقٍّ (ناجائز) یقتلون کا حال مؤکدہ ہے کیونکہ کسی بھی نبی کا قتل تو بہرحال ناحق ہی ہے۔

یہود کے تعجب کا جواب:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (تو ملک میں سے جس کو چاہتا تو نے اس کے لیے طے کیا ہے دیتا ہے) وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (یعنی تو جس سے چاہے چھین لیتا ہے) پہلا لفظ ملک عام ہے اور دوسرا اور تیسرا کل میں سے خاص ہیں روایت میں وارد ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے فارس و روم کی سلطنتوں کا وعدہ فرمایا اس پر یہود و منافقین نے کہا بہت بعید بات ہے۔ کہاں محمد (ﷺ) اور کہاں مملکت فارس و روم۔ وہ تو بڑے غلبہ اور لاؤ لشکر والے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (اسباب النزول للواحدی)

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ۔ (جس کو چاہتے ہیں بادشاہی سے عزت دیتے ہیں) وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (اور جس کو چاہتے ہیں بادشاہی چھین کر ذلیل کر دیتے ہیں) بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ (تیرے ہاتھ میں خیر و شر ہے) یہاں ضدین میں سے ایک کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا (جبکہ دوسرا خود سمجھ آ جاتا ہے) یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ خیر کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ رفتار کلام کا تقاضا یہی تھا۔ کیونکہ ایمان والوں کی طرف خیر کو کھینچ کر لایا جا رہا تھا اور کفار کو یہی بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ پس کہا تیرے ہاتھ میں بھلائیاں ہیں جو تو اپنے دوستوں کو عنایت فرمائے گا۔ باوجود اس کے کہ تیرے دشمن اس کو پسند نہیں کرتے۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (تو ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے) جبکہ دوسروں کی تھوڑی یا بہت قدرت بھی تیری ہی قدرت کا مرہون منت ہے۔

لطیفہ تفسیر:

ایک اور تفسیر یہ ہے کہ ملک سے مراد سلطنت عافیت یا سلطنت قناعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے بادشاہ میری امت کے وہ لوگ ہوں گے جو ایک یوم کی خوراک پر قناعت کرنے والے ہوں گے یا صرف قیام لیل کا اختیار ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے تھے کائنات کے بنانے والے پر استغناء اختیار کرنا کونین سے بے پروائی اختیار کرنا ملک ہے اور عزت سے معرفت کی عزت یا استغناء یا سکون یا قناعت کی عزت مراد ہے۔ اور ذلت سے ان کی اضداد مراد ہیں

نکتہ: پھر اپنی عظیم قدرت کو دن و رات کے تقلب سے بیان کیا۔ اور زندہ اور مردہ کو ایک دوسرے سے نکالنے کا حال بیان کیا۔ اور اس پر بطور عطف بلاحساب رزق دینا لائے۔

دلائل قدرت:

۲۷: تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے) تُوْلِجُ کا معنی ایک چیز دوسری میں داخل کرنے کے آتے ہیں اور یہاں دو وجوہ سے مطلب یہ ہے کہ رات کے اوقات کو کم کر کے دن میں بڑھاتا ہے اور دن کے اوقات کم کر کے رات میں اضافہ کرتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (اور زندہ سے مردہ) جیسے حیوان سے نطفہ اور مرغی سے انڈہ یا مومن سے کافر۔ (وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو شخص ایسا کام کرے

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ

گا تو اللہ سے دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر اس حالت میں کہ تم ان سے کچھ بچاؤ کرنا چاہو اور اللہ تم کو اپنے

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

جتنا اپنے (تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے) یعنی اس رزق کی مقدار و کیفیت نہیں پاتی اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے جو کہ بے انتہا ہے جو ذات ان مختلف و حیرت زدہ کرنے والے افعال کی قدرت رکھتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے بغیر حساب کے رزق دیتی ہے وہ ذات اس بات پر قادر ہے کہ عجم سے روم تک جن کے عوام کو ذلیل کردے اور عربوں کو ذلیل کر کے عزت دے دے۔

بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ شہنشاہ ہوں۔ اور بادشاہوں کی پیشانیاں اور قلوب میرے قبضہ قدرت میں ہیں اگر بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو لوگوں پر مہربان کر دیتا ہوں اور اگر میرے نافرمانی کریں تو میں ان کو لوگوں پر عذاب بنا دیتا ہوں۔ پس تم بادشاہوں کو گالی دینے میں مشغول نہ ہو بلکہ میری بارگاہ میں توبہ کرو تا کہ میں ان کو تم پر مہربان بنا دوں اور ارشاد نبوی کما تکونوا یولی علیکم (تخریج فی مسند الشہاب) کا یہی مطلب ہے۔

قراءت: الحی من المیت و المیت من الحی قرآن مجید میں مدنی کوفی قراء کے نزدیک شد سے پڑھے جائیں گے البتہ قاری ابوبکر اس طرح نہیں پڑھتے۔

۲۸: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں کو چھوڑ کر جو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ تعلق نہیں مگر یہ کہ (کافروں کی طرف سے تم کو کچھ خطرہ کا اندیشہ ہو تو) تم ان سے بچاؤ کرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے)

موالات کفار کی ممانعت:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مسلمانوں کو قرابت کی بناء پر کفار کے ساتھ گہری دوستی سے روکا گیا یا اسلام سے قبل پائی جانے والی دوستی کی بنیاد پر ہو یا کسی اور بناء پر اور قرآن مجید میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان میں ایک عظیم دروازہ اور محور ہے۔ یعنی مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کی دوستی کفار سے نہ ہونی چاہیے۔ پس کفر والوں کو ایمان والوں پر ترجیح نہ دو۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا

آپ فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو گے تو خدا اس کو جان لے گا۔ اور خدا جانتا ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر شخص

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور ان کاموں کو بھی پائے گا جو برے تھے۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ

اس میں اور ان کے درمیان بہت دوری کی مسافت ہوتی۔ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر

بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

مہربان ہے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ یعنی جو کفار کی موالات اختیار کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دوست کی دوستی اور دشمن کی دوستی ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مگر یہ کہ ان کی طرف سے تمہیں ایسا معاملہ پیش آئے جس سے بچنا ضروری ہو۔ (یعنی کافر کو مسلمان پر غلبہ حاصل ہو اور مسلمان کو اس کی طرف سے اپنے مال و جان کا خطرہ ہو اس صورت میں ان سے موالات کرنا اور دشمنی نہ رکھنا جائز ہے۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں) یعنی کفار کی موالات اختیار کر کے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا نشانہ نہ بناؤ۔ یہ سخت وعید ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (تم نے اسی کی بارگاہ میں پہنچنا ہے) اور عذاب اس کے ہاں تیار ہے۔ یہ دوسری وعید ہے۔

۲۹: قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو ہر حال اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور وہ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یعنی کفار کی ولایت وغیرہ اور جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں يَعْلَمْهُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ پر کوئی مخفی نہیں) یہ اجمالی وعید ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یہ جملہ مستانفہ ہے یہ جواب شرط کا معطوف نہیں (یعنی وہ ہر اس چیز سے جو آسمان و زمین کی ہر چیز سے واقف ہے) اس پر ظاہر اور پوشیدہ مخفی نہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ تمہاری سزا پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے)

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت اتری جب یہود نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ۔ بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے۔

محبت کی حقیقت:

اور اللہ تعالیٰ کے بندے سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر راضی ہو۔ اور اس کے فعل کی تعریف فرمائے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گمان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں پس رسول اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے اس قول کی عمل سے تصدیق مقرر کر دیں۔

اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے اور کتاب اللہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی دائمی خشیت اور دل کا ہمیشہ اس کی ذات اور یاد میں مصروف رہنا اور ہمیشہ اس سے موانست کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی محبت درحقیقت نبوت کی اس کے اقوال، افعال، احوال میں اتباع کا نام ہے۔ البتہ احوال مخصوص بالذات اس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ ایک اور قول یہ ہے محبت کی علامت ہمیشہ سوچ و بچار، کثرت خلوت دائمی خاموشی اختیار کرنا ہے۔ جس کی حالت یہ ہو کہ جب نگاہ اٹھائے تو کچھ نہ دیکھے، جب آوازیں تو کچھ نہ سنے اور جب دکھ پہنچے تو غم زدہ نہ ہو اور جب کوئی چیز پالے تو اترائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ کسی سے امید لگائے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں)

۳۲: قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ (اے محمد ﷺ کہہ دیں تم اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی۔ پس اگر منہ موڑ لیں یعنی اطاعت قبول کرنے سے اعراض کریں) تَوَلَّوْا میں مضارع کے صیغے کا احتمال بھی ہے یعنی اِن تتولوا۔ (اگر تم منہ موڑ لو)۔ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ (پس اللہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتے) یعنی ان سے محبت نہیں کرتے)۔

آل عمران کی مراد:

آل عمران سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام جو دونوں عمران بن یصہر کے بیٹے تھے اور دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم بنت عمران بن ماثان مراد ہیں۔ ان دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ علی العالمین سے ان کے زمانوں کے لوگ مراد ہیں۔

۳۴: ذُرِّیَّۃً بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۔ (یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سننے جاننے والے ہیں) ذُرِّیَّۃً یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے بدل ہے۔ بعضہا من بعض۔ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر موضع نصب میں واقع ہو کر ذریت کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ان الآلین ذریۃ واحدۃ متسلسلۃ بعضہا متشعب من بعض۔ یعنی دونوں آل ایک مسلسل لڑی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے شاخ در شاخ چلنے والے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون عمران سے اور عمران یصہر سے اور وہ قاہث سے اور قاہث لاوی سے اور لاوی یعقوب سے اور یعقوب اسحاق سے اور اسی طرح عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ماثان اور یہ سلسلہ یہوذا بن یعقوب بن اسحاق سے جا ملتا ہے۔ اور آل ابراہیم میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں۔

دوسرا قول: یہ ایک دوسرے سے دین میں متعلق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر بات سننے جاننے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون چنے جانے کے لائق ہے یا عمران کی زوجہ کا قول سننے والے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں۔

نذر کا تذکرہ:

۳۵: اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ (جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے) اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ (بے شک آپ سننے والے جاننے والے ہیں)۔

اِذۡ قَالَتِ : نحو: اِذ عَلِیۡمٌ کا ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا اذکر محذوف کا ظرف ہے۔ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ یہ عمران بن ماثان کی بیوی ہے جو حضرت مریم کی والدہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہے۔ اس کا نام حنہ بنت فاقوذا ہے۔ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا (اے میرے رب میں نے اپنے اوپر واجب کر لیا)

نحو: یہ ما بمعنی الذی۔ ذوالحال ہے اور محررا اس کا حال ہے۔ یعنی بیت المقدس کی خدمت کیلئے اسکو آزاد چھوڑ دوں گی۔ جس پر مجھے کوئی بھی اختیار نہ ہوگا اور نہ ہی میں اس سے خدمت لوں گی۔ یہ نذر ان کی شریعت میں درست تھی۔ یا عبادت کیلئے اسکو فارغ کر دوں گی۔ دنیا کے جھمیلوں سے اس کو سروکار نہ ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے طین حر یعنی خالص مٹی۔ فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ۔

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے مِنِّیَ پڑھا ہے۔ التقبل کسی چیز کو رضامندی سے لینا۔

اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ (بیشک آپ ہر بات کو سننے اور جاننے والے ہیں)

۳۶: فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی (پھر جب لڑکی جنی کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے تو وہ لڑکی جنی) وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ

الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا : ھا ضمیر ما فی بطنی یعنی حمل کی طرف راجع ہے، مؤنث حاملہ یا نفس یا نسمہ کے اعتبار سے لائی گئی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی یہ وَضَعَتْهَا کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی حاملہ، نفس یا نسمہ لڑکی جنی۔ حنہ نے یہ بات بطور معذرت کہی کیونکہ لڑکیوں کی نذر کا رواج نہ تھا۔ اس نے غمزدہ ہو کر حسرت و رنج سے یہ بات کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حسرت پر تسلی:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا) اس کلام سے پیدا شدہ بچی کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو بچی اس نے جنی ہے۔ اور جو عظیم معاملات اس سے متعلق ہیں۔

قراءت: وَضَعْتُ شامی و ابوبکر نے اس طرح پڑھا کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو میں نے بچی جنی ہے شاید اس کی اس میں کوئی حکمت اور کوئی راز ہے۔ اس قراءت کے مطابق یہ سابقہ قول حنہ سے متعلق ہوگا اور پہلی قراءت کے مطابق اُنثٰی پر وقف کیا جائے گا۔ اور واللہ اعلم یہ جملہ ابتدائیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئی ہے۔

لَیْسَ الذَّكَرُ : (نہیں ہے وہ مذکر) جو تم نے طلب کیا۔ كَالْاُنْثٰی (اس عورت کی طرح) جو اس کو دی گئی ان دونوں میں الف لام عہد کا ہے۔ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ (اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا) اس کا عطف انی وضعتھا انثٰی پر ہے۔ درمیان میں دونوں جملے معترضہ ہیں۔ حنہ نے اس کا نام مریم رکھا۔ کیونکہ انکی زبان میں مریم عابدہ کو کہتے تھے۔ یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ مانگا کہ وہ اس کی حفاظت فرما کر اسے اسم بامسمّٰی بنا دے۔

اور اسکے متعلق اس کا گمان سچا کر دے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اس نے اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی پناہ شیطان سے اسکے لئے اور اسکے لڑکے کیلئے ان الفاظ سے طلب کی وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (کہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان ملعون سے تیری پناہ میں دیتی ہوں) حدیث میں وارد ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ولادت کے وقت شیطان اس کو چوک لگاتا ہے۔ جس سے وہ چیختا ہے۔ سوائے مریم اور اسکے بیٹے کے۔ (بخاری، مسلم، احمد)

قراءت: مدنی نے اِنِّیْ کو اِنِّیَ پڑھا ہے۔

۳۷: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا جب بھی زکریا ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے تو یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں)۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا (اللہ تعالیٰ نے مریم کو قبول کر لیا) اور مذکر کی جگہ اس کی نذر پر راضی ہو گیا۔

اعلیٰ قبولیت کا راز:

قبول حسن اچھی طرح قبول کرنا۔ قبول اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس سے کسی چیز کو قبول کرتے ہیں (کشادہ روئی و مسرت) جیسے

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کا مرتبہ اور انکی کرامت دیکھی تو اس بات کی طرف رغبت پیدا ہوئی کہ ان کی بیوی ایشاع سے اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمادے جس طرح حنہ کو مریم علیہا السلام عنایت کی ہے۔ جو بارگاہ الٰہی میں شان والی ہے۔ اگرچہ ایشاع بوڑھی بانجھ ہو چکی ہے کیونکہ مریم علیہا السلام کی والدہ بھی عمر کے اسی اسٹیج پر تھیں۔

دوسروں نے یہ کہا جب بے وقت پھل مریم سلام اللہ علیہا کے پاس دیکھے تو انہیں بیٹے کے تولد پر اہتمام ہوا۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً ، ذُرِّيَّةً کا لفظ واحد و جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ مراد اس سے لڑکا ہے۔ طَيِّبَةً مبارک۔ طیبہ کا لفظ تانیث کی صورت میں ذریت کے لفظ کا لحاظ کر کے لایا گیا ہے۔

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (تو دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے)

۳۹: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہونگے اور مقتدا ہونگے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہونگے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے)

قول اول: جبرئیل علیہ السلام نے ان کو آواز دی۔ الْمَلٰٓئِكَةُ کا لفظ لایا گیا کیونکہ معنی یہ ہے کہ ان کو اسی جنس کی آواز سنائی دی۔ جیسا کہتے ہیں۔ فلان یرکب الخیل فلاں گھوڑے پر سواری کرتا ہے۔ فَنَادَاهُ امالہ اور یاء سے پڑھا گیا علی و حمزہ نے اسی طرح پڑھا وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جبکہ وہ کھڑے حجرے میں نماز ادا کر رہے تھے۔

مَسْئَلَة: اس میں دلیل ہے کہ مرادیں نمازوں کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔ اور نمازوں میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔

ابن عطاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر جو معاملات کھولی ہے وہ امر الٰہی کی اتباع اور طاعات میں اخلاص سے میسر آئی ہے۔ اور حضوری ذکر ہی سے ملی ہے۔ انَّ اللّٰهَ شامی اور حمزہ نے قال کو مضمر مان کر انَّ پڑھا ہے یا اس وجہ سے کہ ندا قول ہے۔ باقی قراء نے فتحہ سے پڑھا یا با کو محذوف مان کر (بانّ اللّٰه) يُبَشِّرُكَ قراءت حمزہ اور علی نے يَبْشُرُكَ پڑھا تشدید اور تخفیف دونوں لغتیں ہیں۔ بِيَحْيٰى میں یحییٰ غیر منصرف ہے جبکہ اس کو عجمی مانیں تو اس میں دو سبب عجمہ و علم پائے جاتے ہیں جیسا موسیٰ عیسیٰ (ان میں الف مقصورہ بھی دو سبب کے قائم مقام موجود ہے) اور اگر یہ عربی ہیں تو تعریف و وزن فعل جیسا کہ یعمر میں ہے۔

مصداق کلمۃ اللہ:

مُصَدِّقًا یہ یحییٰ سے حال ہے بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یعنی وہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا اور ان پر پہلا ایمان لانے والا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کا خطاب دیئے جانے کی وجہ ان کی کلمہ کُنْ سے بن باپ ولادت ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کے ساتھ تصدیق کرنے والے اور اس کی طرف سے ملنے والی کتاب پر ایمان لانے والے ہونگے۔ وَسَيِّدًا وہ اپنی قوم کی سیادت و سرداری کرنے والے ہونگے اور شرافت میں ان سے فوقیت لے جانے والے ہونگے۔ حضرت یحییٰ اپنی قوم

میں جنت لے جانے والے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا ان کی قیادت کتنی شاندار تھی۔ حضرت جنید ؒ فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جس نے دونوں جہاں کے عوض خالق کو لے لیا ہو۔ وَحَصُورًا وہ شخص جو عورتوں کے قریب نہ جائے۔ قدرت کے باوجود اپنے نفس کو روکے یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے والا ہو۔ وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِينَ نیکوں سے پیدا ہونے والے ہوں گے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی صلب سے تھے۔ یا یہ جملہ صالحین میں سے ہوں گے۔

۴۰: قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لئے لڑکا) یہ عادت کے اعتبار سے استبعاد کا اظہار ہے اور قدرت کو عظیم قرار دینا ہے۔ شک ظاہر کرنا نہیں۔ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ (بلاشبہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا) جیسا کہتے ہیں ادرکتہ السن العالیۃ یعنی وہ بڑی عمر کا ہو گیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مجھ میں بڑھاپے کا اثر ہو گیا اور اس نے مجھے ضعیف کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹۹ سال تھی۔ اور بیوی کی عمر ۹۸ سال تھی وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ (اور میری بیوی بانجھ ہو گئی) یعنی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں افعال عجیبہ ظاہر کرتے ہیں)۔

۴۱: قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۗ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۔ (انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرنا اور تسبیح کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ ابو عمرو اور مدنی نے لِیَ پڑھا۔ اٰيَةً آیت سے مراد ایسی نشانی ہے جس سے میں حمل کو پہچان لوں اور نعمت کا استقبال شکر سے کروں۔

انسانی گفتگو میں زبان کا اللہ کی قدرت سے رکنا:

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ یعنی لوگوں سے کلام پر قدرت نہ ہوگی۔ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا مگر ہاتھ سے اشارہ یا سر سے یا آنکھ سے یا ابرو سے اشارہ۔ رمز کا اصل معنی حرکت دینا ہے کہا جاتا ہے ارتمز اس نے حرکت دی۔ رمز کو استثناء کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنس کلام سے نہیں البتہ اگر اپنا ارادہ اس حد تک پہنچ جائے اور اس سے وہی سمجھا جائے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو کلام کہتے ہیں۔ یا یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ لوگوں سے گفتگو کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو پر ان کی زبان کو قدرت نہ ہوگی مگر ذکر اللہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اسی لئے فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ یعنی لوگوں کے ساتھ گفتگو سے عاجزی کے زمانہ میں تم خوب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔ یہ کھلی نشانیوں اور واضح دلائل میں سے ہے کہ ان کی زبان کو لوگوں کے ساتھ گفتگو سے روک دیا گیا۔ تا کہ اس زمانے کو وہ ذکر کیلئے خاص کر دیں۔ اور اپنی زبان کو اور کسی چیز میں مشغول نہ کریں۔ گویا کہ جب شکر کیلئے انہوں نے نشانی طلب کی تو ان کو بتلا دیا گیا کہ تمہاری زبان شکریہ کے علاوہ ہر چیز سے رک جائے گی۔ بہترین جواب وہی ہوتا ہے جو سوال سے ہی اخذ کیا جائے۔ الْعَشِيِّ زوال سے غروب تک کا وقت۔ الْاِبْكَارِ طلوع فجر سے چاشت تک کا وقت۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن لیا۔ اے مریم تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

۴۲: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (اور جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ اس کا عطف اذ قالت امراة عمران پر ہے یا اذکر محذوف کا یہ ظرف ہے۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (روایت میں ہے کہ انہوں نے روبرو کہا) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ (بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا) پہلی مرتبہ اس وقت جب تمہاری ماں سے تمہیں قبول کر لیا اور تیری تربیت کی اور شاندار کرامات سے تجھے نوازا۔ وَطَهَّرَكِ (اور تجھے پاک رکھا) ناپاک افعال سے۔

منفرد فضیلت:

وَاصْطَفٰكِ (اور دوبارہ تجھے چن) عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (تمام جہان کی عورتوں پر) اور اس طرح کہ تجھے بلا باپ عیسیٰ بیٹا عنایت کر دیا اور یہ فضیلت کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔

۴۳: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ (اے مریم تو عاجزی کر اپنے رب کیلئے) یعنی ہمیشہ اطاعت گزاری اختیار کر۔ یا نماز میں طویل قیام کر۔ وَاسْجُدِىْ (اور تو سجدہ کر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو قیام و سجود کا حکم ہونے کہ نماز ہی کا حکم دینا مقصود ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں پھر انہیں فرما دیا۔

مرتبہ جماعت:

وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (پھر رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر) یعنی تمہیں نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے یعنی جماعت کے ساتھ یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم جملہ نمازیوں کے ساتھ تو بھی اپنے کو منظم کر اور ان میں اپنے کو گن اور شمار کر۔ اور ان کے علاوہ اور لوگوں میں اپنے آپ کو شمار نہ کر۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب

یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ

کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جس وقت

یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

۴۴: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ۔ ذٰلِكَ کا مشار الیہ حنہ مریم اور زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (یہ غیب کی اطلاعات ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیج رہے ہیں) جو ان غیوبات میں سے ہیں جن کو وحی کے سوا آپ نہ جانتے تھے۔

اقلام کی مراد:

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے) اقلام سے ازلام یعنی تیر مراد ہیں۔ جن کو قرعہ اندازی کیلئے انہوں نے دریا میں ڈالا۔ یا وہ قلم تھے جن سے تورات کو لکھتے تھے۔ ان قلموں کو بطور تبرک قرعہ اندازی کیلئے استعمال کیا۔ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ (کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل بنے گا) اَیُّهُمْ کا متعلق ینظرون محذوف ہے یلقون اس پر دلالت کر رہا ہے۔ گویا عبارت اس طرح تھی یلقونها ینظرون ایهم یکفل مریم یا لیعلموا محذوف ہے یا یقولون محذوف ہے وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ جھگڑا کر رہے تھے) یعنی مریم کے بارے میں پرورش کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ ق اسْمُہُ

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا جس کا نام

الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ

مسیح ہوگا وہ عیسیٰ ابن مریم ہوں گے وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہوں گے اور

الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾

مقربین میں سے ہوں گے اور وہ لوگوں سے بات کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور وہ صالحین میں سے ہوں گے

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ط قَالَ کَذٰلِکِ

وہ کہنے لگیں کہ اے رب میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ فرمایا اللہ اسی طرح

اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۴۷﴾

پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

۴۵: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ (جب فرشتوں نے کہا) یہ اذکر فعل کا ظرف ہے۔ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک ایسے کلمہ کی خوشخبری دے رہے ہیں جس کا نام مسیح ہوگا) کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں مِنْہُ یہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے اسْمُہٗ یہ مبتدا ہے۔ کلمہ کیلئے ضمیر مذکر کی لائی گئی کیونکہ مراد مذکر ہے۔

مسیح ایک عظیم لقب:

اَلْمَسِیْحُ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ یہ جملہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے۔ مسیح یہ عظیم الشان لقب ہے جیسے صدیق و فاروق عبرانی زبان میں اصل یہ مشیحا ہے اس کا معنی مبارک ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ و جعلنی مبارکا این ما کنت (مریم۔ ۳۱) میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جس کسی بیمار کو ہاتھ لگاتے وہ صحیح ہو جاتا۔ (ان دونوں صورتوں میں مادہ مسح ہوگا) تیسرا قول یہ ہے کہ سیاحت کرتے اور کسی جگہ مستقل قیام اختیار نہ کرتے (اس صورت میں سیاحت مادہ ہے) عیسیٰ یہ مسیح سے بطور بدل لایا گیا۔ ابْنُ مَرْیَمَ یہ مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے۔ یہ عیسیٰ کی صفت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان کا نام عیسیٰ ہی کافی ہے۔ ان کا نام عیسیٰ ابن مریم نہ تھا۔ ابن مریم اس لئے لائے کیونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہونے ہیں ان کی نسبت ماں ہی کی طرف ہوگی۔ وَجِیْھًا (وہ عزت والا وجاہت ہوں گے) فِی الدُّنْیَا (دنیا میں) نبوت اور اطاعت کے ساتھ وَالْاٰخِرَۃِ (اور

آخرت میں) بلند درجات اور شفاعت کے ساتھ۔ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (وہ مقربین میں سے ہو گئے) ان کو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اٹھائیں گے۔

نحو: وَجِيْهًا یہ کلمہ سے حال ہے۔ کیونکہ کلمہ نکرہ موصوفہ ہے اسی طرح مقربین بھی ثابتاً کے متعلق ہو کر حال ہو رہے ہیں اور ویکلم الناس بھی مکلما کے معنی میں حال ثالث ہے اور فی المھد یکلم کی ضمیر سے حال ہے۔ ای کائنا فی المھد۔ اور ومن الصالحین بھی ثابتاً سے متعلق ہو کر حال ہے۔

کلام مہد و کہولت:

۴۶: وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ (وہ لوگوں سے گہوارے میں کلام کرے گا اور کہولت میں) الْمَهْدِ، گہوارہ جو بچے کو لٹانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مصدر ہے مگر بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ وَكَهْلًا اس کا عطف محل پر ہے یعنی یکلم الناس طفلا و کہلا یعنی دونوں حالتوں میں یکساں کلام کرے گا۔ جیسا انبیاء کلام کرتے ہیں طفولیت و کہولت کے کلام میں فرق نہ ہوگا کہولت وہ زمانہ ہے جس میں عقل پختہ ہوتی اور نبوت ملتی ہے۔ وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور شائستہ لوگوں میں سے ہوگا) یہ بھی حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا۔

۴۷: قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لیے بچہ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے) یعنی جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو بغیر تاخیر کے بنا ڈالتا ہے۔ لیکن اس کی تعبیر لفظ کُنْ سے فرما کر اشیاء کے بنانے میں سرعت و تیزی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى

اور اللہ سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل، اور بنائے گا اس کو رسول بنی

بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ

اسرائیل کی طرف (وہ بنی اسرائیل سے یوں کہیں گے) یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں

لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز پھر اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ بن جاتی ہے اللہ کے حکم سے،

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ

اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں

بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ

اگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو، اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توراۃ ہے اور تاکہ میں حلال کروں

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا

تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، لہٰذا تم خدا

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

۴۸، ۴۹: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (اور وہ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک صورت بناتا ہوں پرندہ کی شکل جیسی پھر اس

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں،

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا تو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔

وَاَطِيْعُوْنِ۔ اور میں تمہارے پاس ایسی حالت میں آیا ہوں کہ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں ان کو حلال کروں۔ اور میں تمہارے پاس ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ یعنی میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں اور تمہارے پاس مصدق بن کر آیا ہوں۔

بعض حلال کردہ اشیاء:

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یہ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ یعنی میں تمہارے پاس یہ نشانی لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں تاکہ میں تمہارے لئے حلال کروں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی میں حرام قرار دی ہیں۔ مثلاً چربیاں اونٹ کا گوشت مچھلی اور ہر ناخن والا جانور۔ ان میں سے بعض کو عیسیٰ علیہ السلام نے حلال کر دیا۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ یہ دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ تم میری تکذیب و مخالفت میں خدا سے ڈرو۔ وَاَطِيْعُوْنِ اور میرے حکموں کی اطاعت کرو۔

۵۱: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ (بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے) یہ اقرار عبودیت ہے اور اپنے سے ربوبیت کی نفی ہے بر خلاف اس کے جو نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔

فَاعْبُدُوْهُ تم اسی کی عبادت کرو نہ کہ میری ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (یہ سیدھا رستہ ہے) جو چلنے والے کو جنت کی دائمی رہنے والی نعمتوں تک پہنچا دے گا۔

تکذیب کے وقت معاونت کی اپیل:

۵۲: فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے تکذیب اور کفریہ کلمات سنے تو کہا کون میری مدد کرنے

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ

اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ

میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا اور جن

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہوگا۔

فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

والا ہے۔ اللہ کی راہ میں۔ حواریین نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تم گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ علم کی جگہ اَحَسَّ لائے تا کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ان کو اس طرح علم ہو گیا تھا جیسا کہ کسی محسوس چیز کا علم ہوتا ہے۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ قراءت مدنی نے انصاری پڑھا ہے یا انصار جمع ہے ناصر کی جمع ہے یا نصیر ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔ اِلَى اللّٰهِ یہ محذوف فعل کے متعلق ہے یا انصاری کی یا سے حال ہے۔ یعنی مَنْ اَنْصَارِيْ ذاهبا الی الله یا ملتجئا الیه۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ جمع حواری پسندیدہ دوست آدمی نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں)۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (اے عیسیٰ تو گواہ ہو جا کہ ہم فرمانبردار ہیں)۔ انہوں نے اپنے ایمان کیلئے آپ کو گواہ بنایا تا کہ ان کے ایمان کی تاکید ہو جائے۔ کیونکہ انبیاء اپنی قوموں کے حق میں یا خلاف اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔ اس میں دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے۔

۵۳: رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو آپ نے اتارا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے) رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ الرَّسُوْلَ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ الشّٰهِدِيْنَ سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی امتوں کی گواہی دیں گے۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں۔ یا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ وہ لوگوں پر گواہ ہوں گے۔

۵۴: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں)

مکر کا معنی اور اس کی اضافت کا حکم:

وَمَكَرُوْا: یعنی کفار بنی اسرائیل جن سے عیسیٰ علیہ السلام نے کفر محسوس کیا جبکہ انہوں نے آپ کے قتل و صلیب کی خفیہ تدبیر کی۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے انکی تدبیر کا اس طرح بدلہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ اور جس نے دھوکا سے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر شبیہ ڈال دی یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا۔

فَائِدَہ: مکر کے لفظ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں مگر صرف جزائے مکر کے مفہوم میں کیونکہ یہ لفظ لوگوں کے ہاں مذمت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہی حکم خداع، استہزاء کے الفاظ کا ہے۔ (کذافی شرح الفاوبلات)

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (اللہ تعالیٰ سب بدلہ دینے والوں سے زیادہ طاقتور اور سزا دینے پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔) اس طرح کہ سزا پانے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا اور سزا مل جاتی ہے۔

متوفیک کی تفسیر:

۵۵: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں تیری اجل مقررہ پوری کرنے والا ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تجھے کفار کے قتل سے بچانے والا اور طبعی موت دونگا کفار کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دونگا۔ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (اور تمہیں اپنے آسمان کی طرف جو ملائکہ کا مستقر ہے اٹھانے والا ہوں) وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور تجھے کفار کے برے پڑوس سے پاک کرنے والا اور انکی صحبت کی نجاست سے محفوظ کرنے والا ہوں)

دوسری تفسیر۔ میں تمہیں زمین سے اپنے قبضہ میں لینے والا ہوں۔ یہ توفیت مالی علی فلاں سے ماخوذ ہے جب کہ اس سے پورا پورا لے لے۔ یا تمہارے آسمان سے اترنے کے بعد موت دینے والا ہوں اور اب تمہیں اٹھانے والا ہوں۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ واؤ ترتیب کا معنی ہر جگہ نہیں دیتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ میری امت پر بطور خلیفہ اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور خنازیر کو قتل کر ڈالیں گے اور چالیس سال زندہ رہیں گے اور نکاح کریں گے اور انکی اولاد ہوگی پھر وفات پائیں گے اور وہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے۔ جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ہے اور مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ اس کے درمیان میں ہوگا (روایت کے الفاظ میں نکارت ہے فلیتدبر)۔ (ابن جریر ج ۳) (الدر المنثور ج ۲)

یا نیند طاری کر کے تجھے حالت نوم میں آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ تاکہ کسی قسم کا خوف تجھے پیش نہ آئے اور جب تو بیدار ہوگا تو آسمان میں امن سے پہنچ چکا ہوگا۔ اور قرب پا چکا ہوگا۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال۔ پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر ان سے فرمایا

کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ

ہو جا سو وہ ہو گیا۔ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے۔ سو جو

حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا

شخص اس کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آ جاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو

وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ قف ثُمَّ نَبْتَہِلْ

اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم خوب عاجزی سے دعا کریں

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیجیں جھوٹوں پر۔ بلاشبہ یہ سچی بات ہے۔ اور کوئی

مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

معبود نہیں اللہ کے سوا اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک

اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۳﴾

اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

تحقیق: یہ مبتداء ہے اور نَتْلُوْہُ عَلَیْکَ اس کی خبر ہے۔ دوسری خبر مِنَ الْاٰیٰتِ ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ۔ (حکمت والا ذکر) اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ حکیم بمعنی محکم و مضبوط یا پُر حکمت

عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ:

۵۹: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم کی سی ہے ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا وہ ہو گیا) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بنی نجران کے وفد نے کہا کیا تم نے بغیر باپ کے بیٹا دیکھا ہے۔ تو فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اور عجیب حالت آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ مٹی سے ان کا جسم بنایا یہ جملہ آدم علیہ السلام سے مشابہت والی حالت کی تفسیر ہے۔ اور اعراب کے لحاظ سے اس کا ماقبل سے تعلق نہیں یعنی خلق آدم من تراب وہ ایسا تھا کہ کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ یہی اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے۔ بلکہ بغیر ماں و باپ کے پیدا ہونا زیادہ تعجب انگیز ہے۔ صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدائش سے۔ اور یہ عادت کے زیادہ خلاف

اور اپنی ذات کو مباہلہ کیلئے بلائے۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ (پھر ہم گڑگڑا کر مباہلہ کریں) بَهْلَةُ اللّٰهِ علی الکاذب منا و منکم اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ہم تم میں سے جھوٹے پر۔ البَهْلَةُ۔ یہ باء کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ آتا ہے اس کا معنی لعنت ہے۔ بهله اللّٰه کا معنی اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اس کو رحمت سے دور کر دیا۔ یہ تو ابتہال کا اصل معنی ہے۔ پھر یہ خوب گڑگڑا کر دعا کیلئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ اس میں لعنت شامل نہ ہو۔ روایت میں ہے کہ جب ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا ہم غور و فکر کر لیں۔ چنانچہ عاقب جو صاحب رائے تھا اس نے کہا اے عیسائیو! تم خوب جان چکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اور جب کسی قوم نے کسی پیغمبر سے مباہلہ کیا تو ان کا بڑا بچا اور نہ چھوٹا۔ اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم ضرور ہلاک ہو جاؤ گے۔ پس اگر تم اپنے دین کی محبت میں انکار کرتے ہو تو ان سے معاہدۂ صلح کر کے اپنے علاقے کی طرف لوٹ چلو۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ آپ نے حسین کو گود میں اٹھایا ہوا تھا اور حسن کا ہاتھ پکڑنے والے تھے فاطمہ آپ کے پیچھے چلنے والی تھی جبکہ علی ان کے پیچھے تھے۔ اور آپ کہہ رہے تھے۔ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ اس پر نجران کے پادری نے کہا اے وفد نجران! میں اپنے سامنے ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ان کی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے گا۔ پس تم ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور سطح زمین پر کوئی ایک عیسائی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس پر عیسائیوں نے کہا اے ابو القاسم! ہم نے رائے قائم کی ہے کہ مباہلہ نہ کریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار حلے ہر سال ادا کرنے پر ان سے صلح کر لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اہل نجران پر ہلاکت قریب تھی۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر و سور بن جاتے۔ (ابو نعیم بالرواۃ المتروکین و المتھمین بالکذب)

اہم سوالات کے جوابات:

سوال: مباہلہ تو آپ اور آپ کے جھٹلانے والوں کے درمیان تھا پھر ابنا و نساء کو کیوں شامل کیا۔

جواب: ابنا و نساء کو اس لئے ملایا تاکہ آپ کی اپنے دعویٰ کے متعلق سچائی اور پختگی خوب واضح ہو جائے۔ کہ آپ نے اپنے جگر پارے اور عزیزوں کو بھی پیش کرنے سے دریغ نہ کیا اور فقط اپنے آپ کو ہی پیش نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو اپنے مخالف کے بمعہ اعزہ و اقارب ہلاک ہونے کا یقین تھا۔ اگر مباہلہ پیش آتا۔

سوال: اعزہ میں سے ابنا و نساء کو خاص کیوں کیا؟

جواب: کیونکہ وہ اہل میں سب سے زیادہ پیارے اور دلوں میں محبوب ہوتے ہیں۔

سوال: انفس سے ابنا اور نساء کو پہلے کیوں لائے؟

جواب: ان کے مرتبہ و مقام پر متنبہ کرنے کیلئے

اس میں آپ کی نبوت کی سچائی کی واضح دلیل ہے کیونکہ مخالف و موافق کسی سے بھی یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اس کو قبول کیا ہو۔

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (پھر ہم اپنے اور تم میں سے جو حق کے معاملہ میں جھوٹے ہوں ان پر لعنت بھیجیں)

ارباب کا معنی :

بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ (ہمارے اور تمہارے درمیان) جس میں قرآن مجید اور تورات وانجیل مختلف نہیں ہیں۔ کلمہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر)۔ یعنی اس بات کی طرف آؤ۔ تا کہ ہم عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ نہ کہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم اپنے پادریوں کی ان چیزوں میں اتباع نہ کریں جو انہوں نے اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کے سلسلہ میں بنا رکھی ہیں اور ان میں شریعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہم انکی عبادت تو نہیں کرتے تھے آپ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ وہ تمہارے لئے چیزوں کو حلال و حرام کرتے ہیں اور تم انکی بات اختیار کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا یہی تو رب بنانا ہے۔ (ترمذی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا (اگر وہ توحید سے منہ موڑ لیں) فَقُوْلُوا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (تو تم انہیں کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم تو فرماں بردار ہیں) یعنی میں نے تم پر حجت تمام کر دی پس اب تم پر واجب ہو گیا کہ تم یہ اعتراف کرو اور یقین لو کہ ہم تمہارے سوا فرماں برداری اختیار کرنے والے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ جدال و مصارعت میں غالب مغلوب کو کہتا ہے۔ اعترف بانی انا الغالب تو مان لے کہ میں غالب ہوں اور تو غلبہ میرے سپرد کر دے۔

٦٦: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا۔ (اس چیز میں جس کا تمہیں علم ہے) یعنی تورات و انجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔ پھر کیوں جھگڑتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

نحوی تحقیق:

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ (خبردار تم وہ لوگ ہو) حٰٓجَجْتُمْ: ھا یہاں تنبیہ کیلئے ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا اور هٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر ہے۔

حاججتم: یہ جملہ مستانفہ ہے جس کی بناء پہلے جملے پر ہے کہ تم ایسے احمق لوگ ہو۔ تمہاری حماقت اور قلت عقل اس انداز کی ہے کہ تم مسلمانوں سے مجادلے پر اترے ہوئے ہو۔ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (اس چیز میں جس کو تمہیں علم ہے) یعنی تورات و انجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (ان چیزوں کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کی تمہیں خبر نہیں) اور نہ ہی ان کا تذکرہ تمہاری کتاب میں موجود ہے جیسے دین ابراہیم علیہ السلام۔

حاججتم: یہ بھی کہا گیا کہ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ کے معنی میں ہے۔ اور حَاجَجْتُمْ یہ اس کا صلہ ہے۔ قراءت ابو عمرو و مدنی نے هَانتم کو پورے قرآن میں مد کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ بات جس میں تم کج بحثی کر رہے ہو اور تم اس سے ناواقف ہو) اگلی آیات میں ان کے دعوے سے براءت کا اسی طرح اظہار کیا گیا۔

٦٧: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (نہ ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے) گویا یہاں مشرکین سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ کیونکہ وہ عزیر و مسیح کو الوہیت میں شریک کرتے تھے۔ یہ معنی یہ ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں سے نہ تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر لوگ:

٦٨: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر اور ان کے ساتھ خاص البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتباع کی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی اور یہ پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔ اَوْلٰى یہ الوَلْيُ سے ہے۔ جس کا معنی قرب ہے۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اتباع کی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی)۔

وَهٰذَا النَّبِيُّ (اور یہ پیغمبر) خاص طور پر آپ کا خاص طور پر تذکرہ فضیلت میں خاص ہونے کی وجہ سے ہے۔ مراد محمد ﷺ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ لوگ جو ایمان لائے) آپ کی امت میں سے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۗ وَمَا يُضِلُّوْنَ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ نہیں سمجھتے۔ اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی

اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

آیات کے ساتھ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو۔ اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط کرتے ہو

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

یہود کے طرزِ عمل کی مذمت:

۶۹: وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر دیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں) طائفہ سے مراد یہود ہیں جنہوں نے عمار، حذیفہ، معاذ رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی طرف بلایا۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں) یعنی ان کی گمراہی کا وبال ان پر پڑے گا۔ کیونکہ ان کے اضلال اور ضلال کی وجہ سے عذاب دوگنا کر دیا جائے گا۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں)۔

منکرینِ نبوت کو خطاب:

۷۰: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو اور تم گواہی دیتے ہو) آیات سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ اور ان کے ساتھ کفر سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کی ان باتوں کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سچا ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (حالانکہ تم گواہی دیتے ہو) یعنی یہ اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ یا تم قرآن کا انکار کرتے ہو۔ اور نبوت محمد کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ آپ کی تعریف دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ برحق ہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس ڈھیر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور ان میں

مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ

ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے تو تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر جب تک کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

نصیحت زیادہ امید ہے، اور اَنْ يُّؤْتٰٓى کا معنی لان یوتی احد مثل ما اوتیتم، تم اس لئے جلتے ہو کہ دوسروں کو بھی ویسی کتاب دی گئی جیسی تمہیں دی گئی، تم نے یہی بات کی اور اسی خاطر تدبیر کرتے ہو اور کوئی غرض نہیں۔ بس حسد و بغض ہے جو تمہارے اندر ہے اس بناء پر کہ کسی کو اس جیسی کتاب اور علم میسر ہو جو تمہیں ملا ہے۔ اور اسی بات نے تمہیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کیا۔ جو تم نے کہی۔ ابن کثیر کی قراءت مد اور استفہام کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی الا ان یوتی احد مثل ما اوتیتم من الکتاب تحسدونہم۔ کیا اب کسی کو اس جیسی کتاب دی گئی جیسی کتاب تمہیں ملی۔ کہ تم ان پر حسد کرتے ہو۔ (یعنی اس جیسی کتاب کسی کو کب مل سکتی ہے) اس صورت میں اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے ساری تدبیر اسی خاطر کی ہے کہ کسی کو تم جیسی کتاب دے دی گئی۔ یا ابھی تک تمہارے انکار کی وجہ سے تمہارے رب کے ہاں ان کی حجت بازی تمہارے ساتھ متعلق نہیں ہوئی۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اللہ تعالیٰ وسیع رحمت والے ہیں) عَلِيْمٌ (مستحقوں کو جاننے والے ہیں)

شاہی اعلان:

۷۴۔ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں) کہ نبوت سے اور دین، نبوت و اسلام سے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والے ہیں)۔

یہودیوں کا امین اور خائن طبقہ:

۷۵۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (اہل کتاب میں ایسے لوگ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک ڈھیر مال امانت رکھیں وہ اس کو تمہیں ادا کر دیں) اور وہ عبداللہ بن سلام ہیں کہ

انہوں نے قریش کے ایک آدمی سے بارہ سو اوقیہ سونا لیا۔ انہوں نے واپس ادا کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ (ان میں بعض وہ ہیں کہ اگر تم ان کو ایک دینار بطور امانت دو تو بھی تمہیں ادا نہ کریں) اسکا مصداق فنحاص بن عازوراء تھا کہ جس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار بطور امانت رکھا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور کھا لیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہود میں غلبہ خیانت کی وجہ سے امین قلیل اور نصاریٰ میں غلبہ امانت کی وجہ سے خائن کم ہیں۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا (مگر اتنی مدت کہ تم اس پر مسلط رہو) یا صاحب حق اسکے سر پر مسلط رہے اور اس کو لازم پکڑ لے۔

قراءت: يُؤَدِّهٖٓ اور لَا يُؤَدِّهٖٓ۔ ھا کے کسرہ کو اشباع کے ساتھ مکی، شامی، نافع، علی اور حفص نے پڑھا ہے۔ جبکہ ابو عمرو کی ایک روایت میں اختلاس اور دوسروں نے سکون ھاء سے پڑھا ہے۔ ذٰلِكَ کا مشار الیہ ترک اداء ہے۔ جس پر لَا يُؤَدِّهٖٓ دلالت کر رہا ہے۔ بِاَنَّهُمْ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یعنی انہوں نے ادائیگی حقوق اس وجہ سے ترک کی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (کہ ان پڑھوں کا مال کھانے میں ہمیں کچھ گناہ نہیں) مقصد انکا یہ تھا کہ جو اہل کتاب نہیں ہم ان کا مال کھائیں۔ ان کو نقصان پہنچائیں ہمیں کچھ گناہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہمارے دین پر نہیں وہ اپنے مخالفین پر ظلم کو حلال قرار دیتے اور کہا کرتے تھے۔ ہماری کتاب میں اس کو حرام قرار دیا ہی نہیں گیا۔ (بقول کسے۔ مال امام جہاں پڑا پایا مال اپنا پایا انکا مذہب تھا) یہ بھی کہا گیا کہ بعض یہود نے کسی قریشی سے سودا کیا۔ جب وہ قریشی مسلمان ہوگئے تو انہوں نے مال کا تقاضا کیا تو یہود نے کہا تمہارا ہمارے ذمہ کوئی حق نہیں اس لئے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ یہ ہماری کتاب کا مسئلہ ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) یہ دعویٰ کر کے کہ یہ بات انکی کتاب میں موجود ہے۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (حالانکہ وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے ہیں۔

دعویٰ بے گناہی کی تردید:

۷۶: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ بَلٰى (کیوں نہیں) ان پڑھوں کا مال کھانے میں بے گناہی کے دعویٰ کی تردید ہے۔ کہ ان پر ضرور گناہ ہوگا۔ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ اس جملہ کیلئے دوبارہ لایا گیا۔ جس کے قائم مقام بَلٰى ہے۔ بِعَهْدِهٖ کی ضمیر مَنْ اَوْفٰى کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو پورا کیا اور اس سے ڈرا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو متقی لوگ پسند ہیں۔

نکتہ: یہاں ضمیر ھم کی بجائے الْمُتَّقِيْنَ۔ اسم ظاہر لائے کیونکہ ضمیر کا مرجع نہیں مَنْ تھا۔ انکی بجائے متقین کو عام کر دیا تاکہ اس میں ایمان اور دیگر تمام صفات داخل ہو جائیں۔ اور کفر وغیرہ اور دیگر برے اعمال جن سے بچنا ضروری ہے۔ ان سے پرہیز کو بھی تقویٰ میں شامل کر دیا۔

تارکین خیانت اللہ کو پسند ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ جیسے اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے اس سے مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ضمیر مَنْ اَوْفٰى کی طرف لوٹانی ہو تو اس سے مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شخص جس نے اس معاہدہ کو پورا کیا جو اللہ تعالیٰ سے کر رکھا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو تھوڑا سا عوض لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا

کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک

يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

فرمائے گا اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔ اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کو موڑ کر کتاب پڑھتے ہیں تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ

وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

وہ لوگ خیانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند کرتے ہیں۔

۷۷: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

شانِ نزول: یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے تورات کی تحریف کی۔ اور جن یہود نے آپ کی صفات تورات میں بدل ڈالیں۔ اور اس پر رشوت وصول کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ (بے شک وہ لوگ جو تبدیل کرتے ہیں) بِعَهْدِ اللّٰهِ (عہد کے اقرار کو) جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رسول مصدق پر ایمان لانے کے سلسلہ میں کر رکھا ہے۔ وَاَيْمَانِهِمْ (اور اپنی قسموں کو) اور اس پر ایمان لانے کے سلسلہ میں جو حلف دے رکھا ہے کہ قسم بخدا ہم اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور اس کی نصرت کریں گے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا (تھوڑی قیمت) یعنی دنیا کا سامان، سرداری، رشوت وغیرہ اور اسی طرح کی دیگر چیزیں۔

نحو: بِعَهْدِ اللّٰهِ سے یہ بات مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ بِعَهْدِهٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کریں گے) جس سے ان کو خوشی ہو۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن توجہ فرمائیں گے) نظر سے مراد نظرِ رحمت ہے۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ (اور نہ ان کی تعریف فرمائیں گے) وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (ان کیلئے دردناک عذاب ہے)۔

کتاب دے اور اس آیت میں عبادت غیر اللہ کا جو دعویٰ انہوں نے کیا تھا اس کی تکذیب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے سجدہ مناسب نہیں۔ لیکن اپنے پیغمبر کا احترام کرو اور ان کے اہل کا حق پہچانو!

(واحدی فی سبب النزول)

وَالْحُكْمَ (اور حکمت) اور مراد اس سے حقیقی معاملات کے فیصلے۔ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ اور نبوت دے پھر وہ کہنے لگے۔ یقول کا عطف یؤتیہ پر ہے۔ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ (لوگوں کو کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وہ کہتا ہے تم ربانیین بن جاؤ)۔

ربانی کون ہیں؟

الربانی یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ الف نون اس میں زائد ہے۔ ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو محمد بن حنفیہ نے کہا مات ربانی هذه الامة کہ اس امت کا ربانی مر گیا۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ ربانیین علماء و فقہائے امت کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے علمائے معلمین مراد ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ ربانی عالم باعمل کو کہتے ہیں۔ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ۔

قراءت: کوفی اور شامی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے تخفیف سے پڑھا۔ تعلّمون کا معنی دوسروں کو پڑھانے والے ہو۔

علم والے ہو تو عمل والے بنو:

(وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ) اور اس سبب سے کہ تم پڑھتے ہو مطلب یہ ہے اس وجہ سے کہ تم علم والے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود پڑھنے والے ہو یہ بات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے کی قوت تعلیم و تعلم ہی کی وجہ سے تھی۔ اور اس انسان کی بدنصیبی کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور اپنی روح کو تکلیف دی تاکہ اپنے اندر علم کو جمع کرے پھر اس علم کو ذریعہ عمل نہیں بنایا۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے پر رونق خوبصورت درخت لگایا مگر اس کے پھل سے فائدہ نہ اٹھایا۔

دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا کہ تدرسونہ علی الناس یعنی تم وہ لوگوں کو پڑھاتے ہو۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ (الاسراء، آیت: ۱۰۶) یعنی تدرسون کا معنی پڑھانا ہے۔ جیسا ابن جبیر کی قراءت میں ہے۔

۸۰: وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ۔

ما کان کی نفی میں تاکید کے لئے لائے:

نحو: وَلَا يَأْمُرَكُمْ (اور نہ یہ بات بتلا دیا کرتا) یہ نصب کے ساتھ ثم یقول پر عطف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لا کو ما کان لبشر کی نفی میں تاکید پیدا کرنے کیلئے لا یامرکم پر بڑھا دیا ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے انسان کو مناسب نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نبوت پر فائز کرے اور عبادت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور شرک کو ترک کرنے کی توفیق دیں۔ پھر وہ لوگوں کو

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ

پھر آجائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا

کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کر لیا فرمایا تو تم گواہ رہو

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ

اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا سو یہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

نافرمان ہیں۔

حکم دینے لگے کہ وہ اسکے بندے اور عابد بن جائیں اور وہ یہ حکم دینے لگے کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو رب بنالو) یہ اسی طرح ہے جیسا محاورہ میں کہتے ہیں۔ ما کان لزید ان اکرمہ ثم یھیننی ولا یستخف بی۔ زید کو مناسب نہیں کہ میں اسکا اکرام کروں اسکے باوجود پھر وہ میری توہین و تخفیف کرے۔ یعنی اکرام کے ہوتے ہوئے توہین و تخفیف روا نہیں۔

قراءت رفع کا معنی:

اگر رفع والی قراءت ہو وَلَا یَاْمُرُکُمْ جیسا کہ حجازی، ابو عمرو، علی نے پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ ابتدائی کلام ہے اور اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ (کیا وہ تم کو کفر کی بات بتا دیگا) کی ہمزہ استفہام انکاری کیلئے ہوگی اور لَا یَاْمُرُکُمْ اور اَیَاْمُرُکُمْ کی ضمائر علیہ السلام کی طرف لوٹیں گی یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گی۔

مطلب یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ وہ تم کو کفر کا حکم دے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو) یہ آیت کا حصہ دلالت کر رہا ہے کہ مخاطبین مسلمان تھے اور وہی لوگ تھے جنہوں نے سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

تذکرہ میثاق النبیین اور دو تفسیریں:

۸۱: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

(جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں) یہ آیت انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کے سلسلہ میں اپنے ظاہر پر ہے۔

پہلی تفسیر: اور دلالۃً میثاق کے بعد محذوف ہے کہ اولاد انبیاء یعنی بنی اسرائیل مراد ہیں اس صورت میں لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ میں لام تمہید قسم کیلئے ہے۔ کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ کی لام جواب قسم کے لئے ہے۔ ما شرطیہ اور لَتُؤْمِنُنَّ شرط و قسم دونوں کا جواب ٹھہرا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے قسم لے لی کہ اگر میں تم کو کتاب عطاء کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے ہوتے ہوئے آ جائے تو تم اس کی تصدیق کرنا۔

نمبر۲۔ ما موصولہ ہو اور مِنْ کِتٰبٍ اس کا صلہ اور لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ آخر تک خبر ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تمہیں دی ہے اس پر تم ضرور ایمان لانا۔ ثُمَّ جَآءَکُمْ اس کا عطف صلہ پر ہے اور اس کی ضمیر ما محذوف کی طرف لوٹتی ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ثم جاءکم بہ (پھر لایا تمہارے پاس وہ کتاب) رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ ایک ایسا رسول جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ (تو تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا) وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (اور تم ضرور اس رسول کی امداد کرنا) رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ حمزہ کی قراءت میں لِمَا کی لام جارہ مکسورہ ہے۔ اور ما، اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے۔ یا ما مصدریہ ہے مطلب یہ ہوا اس لئے کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی پھر اس رسول کے آنے کی وجہ سے جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔

دوسری تفسیر: لام تعلیلیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ عہد لیا کہ تم رسول پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا اس لئے کہ میں نے تمہیں حکمت دی ہے اور وہ رسول جس پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ رسول جن پر ایمان کیلئے میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ وہ تمہارے موافق ہیں مخالف نہیں۔

قراءت: اٰتَیْتُکُمْ کو مدنی نے اٰتَیْنٰکُمْ پڑھا ہے۔ قَالَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ (کیا تم نے عہد قبول کر لیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا) عہد کو اصر کہا کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا (انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تم ایک دوسرے پر اقرار میں گواہ ہو جاؤ)۔

تاکید برائے احتیاط مزید:

وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں در حقیقت یہ تاکید کیلئے فرمایا تاکہ عہد کی مخالفت روگردانی سے زیادہ محتاط رہیں جبکہ وہ یہ جانیں کہ یہ بات کہ اس پر تو ہم میں سے ہر ایک دوسرے پر گواہ ہے۔ اور خود ذات باری تعالیٰ بھی گواہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ۔

۸۲: فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (جو اس تاکید اور پختہ عہد کے بعد اس سے منہ موڑے گا) اور قبول کر لینے کے بعد اس عہد کو توڑ دے اور آنے والے پیغمبر پر ایمان سے اعراض کرے۔ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (وہی فاسق ہیں)

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ جو سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا

خوشی سے اور مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف سب واپس ہوں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل کیا گیا ہے

وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ

اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر

وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ

اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے

مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ

اور ہم اس کے لئے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز

يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

یعنی سرکش کفار ہیں۔

دین اسلام کے ہوتے اور دین کی طلب نہیں ہو سکتی:

۸۳: أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ۔ یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا فا عاطفہ پر داخل ہوا۔ جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ وہ فاسق ہیں پھر بھی تو اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ اور دین کے متلاشی ہیں۔ پھر ہمزہ کو درمیان میں فا عاطفہ پر داخل کر دیا۔ تقدیر عبارت یہ ہے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ (کیا پس اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں)

دوسری تفسیر: یہ کہ محذوف پر عطف ہو اور عبارت اس طرح ہو أيتولون فغير دين الله يبغون (کیا وہ منہ موڑتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور (دین کے) متلاشی ہیں) غیر دین اللہ مفعول ہے۔ اس کو اپنے فعل سے مقدم کیا کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے اس طرح کہ ہمزہ میں جو انکار ہے وہ معبود باطل کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔ (گویا یہ اشارہ کر دیا کہ دین اللہ کے ساتھ دوسرے دین کی طلب نہیں ہو سکتی) وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ (حالانکہ اسی کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں) یعنی فرشتے

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ

اللہ کیونکر ہدایت دے ایسی قوم کو جنھوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا، حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے

حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ

ہیں اور ان کے پاس واضح دلائل آ گئے۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ لوگ ہیں

جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾

جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ سوائے

الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

ان لوگوں کے جنھوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے

رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ

رحیم ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ پکے گمراہ ہیں بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا

وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ

اور وہ اسی حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا قبول

ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ

نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنی جان کے بدلے میں دینا چاہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے

مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اسی حکم میں ایمان کا تذکرہ آچکا تھا اسلئے ایک مرتبہ ہی ذکر کیا۔ مِنْ رَّبِّهِمْ (اپنے رب کے ہاں سے) لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (ہم ان میں سے کسی کے مابین ایمان کے سلسلہ میں تفریق نہیں کرتے) جس طرح یہود و نصاریٰ نے کر رکھی ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور ہم اس کو یکتا ماننے والے ہیں) اور اپنے نفوس کو خالص کرنے والے ہیں کہ اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

مرتدین کا حکم:

۸۵: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے) کہ دین اسلام سے مراد توحید اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ دِيْنًا یہ يَّبْتَغِ سے تمیز ہے۔ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (پس وہ ہرگز اس سے قبول نہ کی جائے گی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا) یعنی ان لوگوں میں سے ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو مکہ میں اسلام لائے پھر اسلام سے ارتداد اختیار کر کے اہل مکہ سے جا ملے۔

بے ڈھنگے ہدایت سے محروم رہتے ہیں:

۸۶: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے) وَشَهِدُوْٓا میں واؤ حال کیلئے ہے اور قد مضمر و محذوف ہے۔ ای کفروا وقد شہدوا انہوں نے کفر کیا حالانکہ وہ گواہی دے چکے کہ رسول برحق ہیں۔ الرسول سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یا واؤ عاطفہ ہے اور ایمان مصدر ہونے کے باوجود اپنے اندر فعل کا معنی رکھتا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے اس کے بعد کہ وہ ایمان لا چکے۔ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ بینات سے مراد روشن دلائل جیسے قرآن اور تمام معجزات۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو کفر پر رہتے ہوئے جنت کی راہ پر نہ لے جائیگا۔ یا ان کو جنت کا راستہ نہ دکھائے گا۔ اگر ان کی موت کفر پر واقع ہوئی۔

۸۷: اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی سب کی)

نحوی تحقیق:

نحو: اُولٰٓئِكَ یہ مبتدائے اول ہے جزاؤھم مبتدائے ثانی۔ اسکی خبر ان علیھم لعنۃ اللہ ہے اور یہ دونوں مل کر اولٰٓئک کی خبر بن گئی۔

دوسری ترکیب: جَزَآؤُهُمْ یہ اُولٰٓئِكَ کا بدل الاشتمال ہے یہ دونوں مل کر مبتدا اور ثانی خبر ہے اور ہُم کی ضمیر سے خالدین حال ہے۔ فیھا میں ھا سے مراد لعنت ہے۔

توبہ کا فائدہ:

۸۸، ۸۹: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (ان سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ مہلت دی جائے گی مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اس کفر کے بعد) ذٰلِكَ کا اشارہ الیہ کفر و ارتداد ہے۔ وَاَصْلَحُوْا (اور اصلاح نفس کر لی) یعنی جو بگاڑ پیدا کیا تھا اپنی ایمان کے بعد درستگی کر لی۔ یا بھلائی میں داخل ہو گئے (یعنی ایمان قبول کر لیا) فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں) ان کے کفر کو رَّحِیْمٌ (ان پر رحم کرنے والے ہیں) یہ آیت یہود کے متعلق اتری۔

۹۰: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۔ (بلاشبہ جنہوں نے انکار کیا) یعنی یہود اور انجیل کا۔ بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ اس کے بعد کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان تھا)۔

کفر پر اصرار کرنے والے کی بوقت موت توبہ قابل قبول نہیں:

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (پھر کفر میں مزید ترقی کر گئے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن کا انکار کر کے۔ یا رسول اللہ ﷺ کا انکار کر دیا۔ اس کے بعد کہ آپ کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر کفر پر اصرار کر کے اس میں ترقی کی اور ہر وقت ان پر طعن و تشنیع کر کے کفر میں اضافہ کیا۔

نمبر ۲۔ یا ان لوگوں کے متعلق اتری جو مرتد ہو کر مکہ بیٹھ گئے اور پھر اپنے کفر میں اس طرح کہہ کر مزید اضافہ کیا کہ ہم نے ان کو جلا وطن کر دیا ہے۔ ہم حوادث زمانہ کے ان پر لوٹنے کے منتظر ہیں۔ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ (ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی) یعنی نزع کے وقت اگر وہ ایمان لائیں گے تو توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ موت کے وقت رجوع کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا [غافر: ۸۵] (ان کو ان کا ایمان اس وقت جب وہ ہماری پکڑ کو دیکھیں ہرگز کوئی نفع نہ ہوگا)۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۔ (اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں)

کفر پر موت قبولیت فدیہ سے مانع ہے:

۹۱: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۔ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں ان کی موت واقع ہو گئی پس ہرگز ان میں سے کسی سے بھی زمین بھر سونا قبول نہ کیا جائے گا) فَلَنْ یُّقْبَلَ کی فا اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ یہ کلام شرط و جزا والا ہے۔ اور

قبولیت فدیہ کے ممنوع ہونے کا سبب کفر پر موت کا آنا ہے اور شروع کلام میں فا کو چھوڑ دیا۔ یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ کلام مبتدا و خبر ہے اور شرط و جزاء ہونے کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

ذھبا یہ تمیز ہے۔ وَلَوِ افْتَدٰی بِہٖ (خواہ وہ فدیہ میں دے ڈالے) یعنی ہر گز ان میں سے کسی ایک سے فدیہ قبول نہ کیا جائیگا۔ اگرچہ وہ زمین بھر سونا دے ڈالے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کافر کو کہا جائیگا اگر زمین بھر کر سونا دے دیا جائے۔ کیا تو عذاب سے بچنے کیلئے اس کو قربان کر دے گا؟ تو وہ کہے گا ہاں تو اسے کہا جائیگا تم سے تو اس سے آسان تر سوال کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ واؤ تاکید نفی کیلئے ہے۔ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ان ہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہوگا) وَّ مَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ (اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا) جو ان سے عذاب کو دفع کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ چینی کے تودے خرید کر خیرات کرتے تھے۔ ان سے کسی نے کہا آپ اس کی قیمت کیوں صرف نہیں کرتے؟ تو فرمایا کیونکہ چینی مجھے پسند ہے اس لئے میں نے پسندیدہ چیز راہ خدا میں دی ہے پسند کی۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔ (جو چیز تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے جس کو تم خرچ کرتے ہو پس وہ اسکا بدلہ اسکے مطابق دے گا۔

نحو: پہلا مِنْ تبعیضیہ ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت اس کی تصدیق کرتی ہے حَتّٰی تُنْفِقُوْا بَعْضَ مَا تُحِبُّوْنَ۔ دوسرا مِنْ تبیین کیلئے ہے جس چیز میں سے انفاق ہو خواہ وہ پاکیزہ چیز ہو کہ جو تمہیں پسند ہو یا خبیث چیز ہو کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔

شانِ نزول: جب یہود نے یہ اعتراض کیا کہ محمد ﷺ ملت ابراہیم کے دعوے دار ہیں حالانکہ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ملت ابراہیم میں اونٹ کا گوشت اور دودھ دونوں حرام تھے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ ملت ابراہیمی میں حلال تھا اس لئے ہم اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ اس پر یہود نے کہا کہ یہ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آج تک حرام چلا آرہا ہے۔ تو یہ آیت انکی تکذیب میں اتاری گئیں۔

۹۳: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

یہود کے اعتراض کا جواب:

كُلُّ الطَّعَامِ (تمام کھانے) یہاں طعام سے مطعوم یعنی غذا کے معنی میں ہے۔ جن میں نزاع چل رہا تھا۔ بعض تو ان میں سے وہ تھیں جو پہلے سے حرام چلی آرہی ہیں مثلاً مردار، خون۔ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے) حِلًّا مصدر ہے اور صفت کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ یعنی حلال جیسے عرب کہتے ہیں حل الشیء حِلًّا مصدر ہونے کی وجہ سے اس میں تذکیر و تانیث، واحد جمع کا فرق نہیں جیسے ارشاد الٰہی ہے۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ (الممتحنہ: ۱۰) وہ عورتیں ان مردوں کے لیے حلال نہیں۔ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ (مگر جو حرام کی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے) عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ (اپنے اوپر اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو)۔

قراءت: مکی و بصری قراء نے تُنْزَلَ کو تُنَزَّلَ پڑھا ہے۔ مراد اس سے اونٹ کا گوشت اور دودھ ہے یہ دونوں چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت محبوب تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمام کھانے بنی اسرائیل کیلئے تورات اترنے سے پہلے تک حلال رہے۔ سوائے ان کھانوں کے جنکو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ پھر جب تورات نازل ہوئی تو بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر دیا گیا اس لئے کہ ان کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (کہہ دیں اے محمد ﷺ! تم تورات لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو) اس آیت میں حکم دیا گیا کہ آپ ان سے انکی کتاب کے ذریعہ گفتگو کریں۔ پس وہ جواب کریں۔ وہ کتاب خود بول دیگی کہ ان چیزوں کی تحریم ان پر ان کے ظلم اور انکی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے نازل کی گئی تھی۔ قدیم تحریم نہ تھی۔ جس کے وہ مدعی ہیں۔ (اس چیلنج کے بعد) وہ تورات لانے کی جرات نہ کر سکے پس لاجواب ہو گئے۔ اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ محمد ﷺ سچے پیغمبر ہیں اور جس نسخ کا وہ انکار کرتے ہیں۔ وہ بھی جائز و درست ہے۔

اگرچہ یہ جملہ ابتدائیہ یا شرطیہ ہے معنوی لحاظ سے کیونکہ یہ حرم میں داخل ہونے والے کے مامون ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح نشانیاں ہیں یعنی مقام ابراہیم اور داخل ہونے والے کا مامون ہونا۔ یہ تثنیہ ہی معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان دونوں نشانات کا ذکر کر دیا جائے اور بقیہ نشانات کا تذکرہ حسب دیا جائے کیونکہ ان دونوں میں ان نشانات پر کافی دلالت پائی جاتی ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح آیات مقام ابراہیم اور اس میں داخل ہونے والے کا مامون ہونا ہے اور ان دونوں کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ہیں جیسے۔ پرندے اس کے اوپر سے نہیں اڑتے وغیر ذلک تو یا ان دونوں نشانیوں میں سارے تذکرہ کو اس طرح لپیٹ دیا گیا جیسا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں حبب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اس ارشاد مبارک میں تیسری چیز کو چھوڑ دیا گیا اور آگے ہونے جملہ ابتدائیہ کے طور پر وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ فرمادیا جو دنیا سے متعلق نہیں گویا آپ نے تیسری چیز کا تذکرہ اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے چھوڑ دیا کہ میرے مرتبے کا تقاضہ نہیں کہ میں دنیا کی کسی چیز کا ذکر کروں اس لئے دین کی ایک چیز کو ذکر کر دیا۔

نشان قدم مبارک:

پتھر پر قدم کے اس نشان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ جب بیت اللہ کی دیوار بلند ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کیلئے پتھر اٹھانے ممکن نہ رہے تو آپ اس پتھر پر کھڑے ہوگئے اس میں آپ کے قدم گڑ گئے۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ شام سے واپس لوٹے۔ تاکہ اپنے بیٹے سے ملاقات کریں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا آپ اتریں آپ سر مبارک دھولیں۔ آپ سواری سے نہ اترے۔ تو وہ یہ پتھر اٹھا لائیں اور دائیں طرف اس پتھر کو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم نے اپنا قدم اس پتھر پر رکھا یہاں تک کہ اپنے سر کی دائیں جانب دھولی۔ پھر وہ اس پتھر کو بائیں جانب لے گئیں یہاں تک کہ انہوں نے سر کی بائیں جانب بھی سواری کی حالت میں دھولی۔ پس آپ کے قدمین کا اثر اس پتھر پر باقی رہ گیا۔

حرم امن کی مراد:

اور حرم میں داخل ہونے والے کیلئے امن کا میسر آنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے تھا رب اجعل ھذا البلد امنا (ابراہیم۔ ۳۵) اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے۔ عرب جاہلیت میں جب کوئی آدمی جرم کرکے حرم میں پناہ گزین ہو جاتا تو اس کو تلاش نہ کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ اگر میں خطاب کے قاتل کو اسکے اندر پانے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اس کو وہاں سے نکلنے تک ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔

مسئلہ: جس آدمی پر حل میں قصاص لازم ہوا یا ارتداد کے باعث یا زنا کی وجہ سے قتل کے قابل ہوا۔ پھر وہ حرم میں گھس گیا تو اس کو وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ مگر اس کو ٹھکانہ لینے اور کھانا پانی لینے کی اجازت نہ دی جائیگی۔ اور نہ خرید و فروخت کی اجازت دی جائیگی۔ تاکہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ امن سے مراد دوزخ سے امن ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جو حرمین میں سے کسی میں فوت ہوا قیامت کے دن اس کو آگ سے مامون اٹھایا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ حجون اور بقیع کو ان کی اطراف سے پکڑ کر جنت میں

پھیلا دیا جائے گا۔ یہ دونوں مدینہ و مکہ کے قبرستان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس نے مکہ کی گرمی پر دن کا تھوڑا سا حصہ صبر کیا اس سے جہنم دو سو سال کے فاصلے پر دور ہو جاتی ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض حج لازم ہوا)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ دیگر کوفی قراء نے حِجُّ الْبَيْتِ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حج البیت۔ فتح کی صورت میں یہ مصدر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حج مصدر میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مَنِ یہ موضع جر میں بدل البعض ہے۔ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اس کی طرف راستے کی طاقت رکھتا ہو) نبی اکرم ﷺ نے اس کی تفسیر زاد و راحلہ سے کی ہے۔ اور الیہ کی ضمیر کا مرجع البیت یا حج ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کی طرف جانے کا ذریعہ ہو وہ سبیل ہے۔ جب مذکورہ ارشاد نازل ہوا۔

ملت مسلمہ کا اقرار:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ تو رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل ادیان کو جمع کیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کو فرض کیا پس تم حج کرو۔ پس آپ پر ایک ملت والوں نے یقین کیا اور وہ مسلمان تھے۔ اور پانچ ملتوں والوں نے انکار کیا۔ اور کہنے لگے ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے اور نہ ہی اس کا حج کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (جس نے انکار کیا پس بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے مستغنی ہیں) اور ان کی اطاعت سے بھی بے نیاز ہیں۔

لطیف نکتہ:

اس آیت میں کئی تاکیدات ہیں۔ مثلاً لام علی کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لازمی حق ہے۔ جو لوگوں کی گردنوں پر پڑا ہوا ہے۔ نیز اس میں ابدال ہے اس کو دو مرتبہ تکرار سے لایا گیا۔ کیونکہ ابہام کے بعد وضاحت اور اجمال کے بعد تفصیل کرنا۔ دو الگ صورتوں میں اس حکم کو لانے اور ذکر کرنے کی طرح ہے۔

تارک حج پر اللہ غضبناک ہے:

اور اسی قسم میں سے یہ حصہ ارشاد الٰہی کا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ فرمایا۔ مَن لم یحج نہیں فرمایا۔ تارک حج پر سختی کرتے ہوئے اس کو کافروں کا عمل قرار دیا۔ اور اسی میں سے یہ کہ جہان والوں سے بے نیازی کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ ناراضگی اور غصے کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تارک حج سے اللہ غضبناک ہے۔ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ میں لفظ اللہ کو دوبارہ لائے ضمیر ذکر نہیں کی تاکہ تارک حج کی طرف اللہ تعالیٰ کا استغناء بصورت تعمیم مکمل طور پر ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب معلوم ہو جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی

يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ

تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنا دیں گے۔ اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی

عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ

تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑے سو اس کو

هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ

سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی گئی۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے

تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو

جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً

مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں متفرق نہ ہو۔ اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے۔

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا

سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی لہٰذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم دوزخ کے گڑھے کے

حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

۱۰۰: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ۔ (اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی ایک جماعت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے)

اور اولاد و والد کے تعلقات کیوں نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرتا ہے۔ اس کی زبان حکمت کا خزینہ ہوگی۔
صرف: التقاۃ یہ اتقی سے ہے جس طرح تؤدۃ۔ اتأد سے ہے۔
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ جب تمہیں موت کا ادراک ہو جائے تو تمہاری حالت اسلام کے سوا دوسری ہرگز نہ ہونی چاہیے۔

اعتصام بحبل اللہ کا حکم:

۱۰۳: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو) یعنی قرآن کو مضبوطی سے تھام لو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ اسکے عجائبات کی انتہا نہیں۔ اور بار بار لوٹانے سے پرانا نہیں ہوتا۔ جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ رشد و ہدایت پا گیا۔ اور جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت پالی۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا (اور باہم نااتفاقی مت کرو)

اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو:

نحو: وَلَا تَفَرَّقُوْا یہ وَاعْتَصِمُوْا کی ضمیر مخاطب سے حال ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو۔ اسکی دلیل وَلَا تَفَرَّقُوْا ہے یعنی ایسا فعل نہ کرو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ اور اس سے اجماع امت زائل ہو جائے۔ دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ اپنے درمیان اختلاف نہ ڈالو کہ حق سے علیحدگی مت اختیار کرو۔ جیسے یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ جس طرح تم زمانہ جاہلیت میں متفرق تھے ایک دوسرے سے لڑائی کرتے تھے۔ اس طرح مت کرو۔
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ جب کہ تم دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اسکی مہربانی سے بھائی بن گئے) زمانہ جاہلیت میں ان کے مابین دشمنی اور لڑائیاں تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کے ذریعہ الفت ڈال دی اور ان کے قلوب میں محبت پیدا کر دی پس وہ آپس میں محبت کرنے لگے اور بھائی بھائی بن گئے۔

گرنے والے گڑھے کا کنارہ جہنم:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے) یعنی تم کنارے پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور تم اس میں جا گرنے کے بالکل قریب تھے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (پس اس نے تمہیں اس سے نجات دی) اسلام نصیب کر کے۔ اس میں فرقہ معتزلہ کی تردید ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں وہ خود اپنے آپ کو نکالنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکالنے والے نہیں۔ مِنْهَا کی ضمیر حفرۃ ، نار یا شفا ، کی طرف راجع ہے۔ اور حفرۃ کی طرف اضافت کی وجہ سے مؤنث لائے۔ شَفَا حُفْرَةٍ گڑھے کا کنارا۔ اس کا لام محذ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ؕ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

واقع ہے اسی لئے اس کی مثل شفوان آئی ہے۔ کَذٰلِكَ (اسی طرح) ایسے شاندار بیان سے يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ (اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تمہارے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں) یعنی قرآن جس میں امر و نہی اور وعدہ وعید ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (تا کہ تم راہ پاؤ) یعنی تا کہ تم ہدایت کے امیدوار رہو۔ یا تا کہ تم اسکے ذریعہ درست راستہ اور جس سے ثواب حاصل ہوتا ہے وہ راہ پاؤ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

۱۰۴: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دینے والی ہو) المعروف سے مراد جس کو شرع اور صحیح عقل درست قرار دے۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائی سے روکنے والی ہو) المنکر جس کو شریعت اور صحیح عقل برا سمجھیں یا معروف وہ جو کتاب و سنت کے موافق اور منکر وہ ہے جو کتاب و سنت کے مخالف یا معروف طاعت کو کہتے ہیں جبکہ منکر معاصی کو کہتے ہیں۔ خیر کی طرف دعوت تمام اعمال تکلیفیہ اور ممنوعات میں عام ہے۔ اور جو اس پر عطف کیا گیا وہ خاص ہے۔

مِنْكُمْ میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور یہ اسی کے لئے مناسب ہے جو معروف و منکر کی خبر رکھتا ہو۔ اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اسکے قائم کرنے کیلئے ترتیب کیا ہوگی۔ وہ آسان سے شروع کرے اگر فائدہ نہ ہو تو پھر اس سے مشکل کی طرف ترقی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاصلحوا بینهما کہ ان کے مابین درستی کرو پھر فرمایا: فقاتلوا (الحجرات ۹) پھر اس سے لڑو۔

نمبر۲۔ دوسری تفسیر مِنْ بیانیہ ہے تم ایسی امت بن جاؤ جو حکم کرنے والی ہو بھلائی کا جیسا کہ اس ارشاد الٰہی میں ہے: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو تم حکم کرتے ہو معروف کا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (وہ وہی لوگ کامیاب ہیں) یعنی کامل فلاح کے ساتھ خاص ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امر بالمعروف کیا اور برائی سے روکا وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے اور اسکے رسول کا خلیفہ اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ افضل الجهاد الامر بالمعروف والنهي عن المنكر افضل ترین جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

تفرقہ تو یہود و نصاریٰ کی خصلت ہے:

۱۰۵: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے (عداوت سے) تفرقہ ڈالا) وَاخْتَلَفُوْا (اور اختلاف پیدا کیا) دین میں وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے اختلاف کیا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیا۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ (اسکے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے) جو کلمہ حق پر سب کے اتفاق لازم کرنے والے تھے۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (ان لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے)

۱۰۶: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ جس روز بعض چہرے سفید ہو جائیں گے۔ یوم اذکروا محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا۔ یا عظیم یا لھم کی وجہ سے اور وجوہ سے مراد وجوہ اہل سنت یعنی ایمان والوں کے چہرے مراد ہیں۔ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (اور کافروں کے چہرے سیاہ ہو گئے) یہ سفیدی نور کے باعث ہوگی جبکہ سیاہی ظلمت کی وجہ سے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ (پھر وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوئے) پس ان کو کہا جائے گا۔ اَكَفَرْتُمْ (کیا تم نے کفر کیا) یہاں قول اور فا کو حذف کر دیا کیونکہ وہ معلوم ہے اور ہمزہ توبیخ کیلئے اور ان کی اس حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

ایمان کے بعد کفر کرنے والے مرتد، منافق و اہل کتاب:

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اپنے ایمان کے بعد۔ یعنی ایمان سے مراد میثاق کے دن والا اقرار ہے۔ پس مراد اس سے تمام کفار ہونگے۔ یہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ظاہر قول بھی یہی ہے۔

دوسرا قول: مرتد یا منافق مراد ہیں۔ پھر مطلب یہ ہوگا۔ کیا تم نے باطن میں انکار کیا بظاہر اسلام کا اقرار کر لینے کے بعد۔

تیسرا قول: اہل کتاب مراد ہیں ایمان کے بعد ان کے کفر کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل آپ کا اعتراف کیا مگر آمد کے بعد انکار کر دیا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (پس تم اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو)

۱۰۷: وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (اور پھر وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہونگے) رحمت سے یہاں مراد جنت اور ہمیشہ کا ثواب ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کہ نہ وہ جنت سے کوچ کریں گے اور نہ ہی ان پر موت واقع ہوگی۔

۱۰۸: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں) جو وعدہ وعید وغیرہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (ہم ان کو تم پر پڑھ رہے ہیں اس حال میں کہ وہ حق سے ملی ہوئی ہیں) اور عدل کے ساتھ یعنی محسن کا بدلہ اور مجرم کو سزا۔

اللہ جل شانہ بلا جرم گرفتار نہیں کرتے:

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ جہان والوں کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے) یعنی وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں چاہتے کہ کسی کو بغیر جرم کے گرفتار کریں یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دیں یا نیکی کرنے والے کا ثواب کم کر دیں۔

۱۰۹: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے) پس وہ محسن کو اسکے احسان اور مجرم کو اسکی برائی پر سزا دیگا۔

قراءت: شامی اور حمزہ اور علی نے تَرْجِعُ۔ تا کے فتحہ اور جیم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

اہم نکتہ:

كَانَ سے زمانہ ماضی میں ابہام کے طور پر کسی شے کے وجود کی تعبیر کی جاتی ہے۔ اس میں عدم سابق اور انقطاع مستقبل کی کوئی دلیل نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ كَانَ کو زمانہ ماضی کیلئے لائیں تو کسی چیز کے ثبوت پر تو دلالت کرتا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ثبوت ماضی منقطع ہوئی یا آئندہ منقطع ہو جائیگا۔ یہ تعیین تو خارجی قرائن کی محتاج ہے۔ اس لئے جب انقطاع کا قرینہ نہ ہوگا تو استمرار کی بات ہوگی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو ظاہر کی گئی لوگوں کے لئے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا

سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے

لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں سے فرمانبرداری سے باہر ہیں۔

بہترین امت کا لقب:

۱۱۰: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (تم بہترین امت ہو) (اور تھے اور ہو گے) گویا اس آیت میں كُنْتُمْ کہہ کر یہ کہا گیا تم بہترین امت پائے گئے یا تم اللہ تعالیٰ کے علم میں بہترین امت تھے۔ یا لوح محفوظ میں بہترین امت تھے۔ یا تم بہترین امت ہو ان امتوں میں جو تم سے قبل ہو گزریں اس لئے کہ تم خیر امت کی صفت سے موصوف ہو۔ اُخْرِجَتْ تم ظاہر کی گئی ہو۔ لِلنَّاسِ (لوگوں کیلئے) لام اُخْرِجَتْ کے متعلق ہے تَاْمُرُوْنَ (تم حکم دیتے ہو) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ جملہ لا کر خیر امت ہونا مزید واضح کیا جیسے تم کہو۔ زید کریم یطعم الناس ویکسوھم ویقوم بما یصلحھم۔ یہ جملہ لا کر زید کی سخاوت کا اظہار اور الباس سے خوب واضح کیا۔ بِالْمَعْرُوْفِ بھلائی کا۔ بھلائی سے ایمان اور اطاعت رسول ﷺ مراد ہے۔ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور تم برائی سے روکتے ہو) منکر سے یہاں کفر مراد ہے اور ہر ممنوع بھی اسکے تحت داخل ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) اور اس پر ایمان میں مداومت اختیار کرنے والے ہو۔ (تو گویا پہلے ایمان کا سبب مذکور فرمایا اور یہاں ایمان پر مداومت کے لحاظ سے ذکر فرمایا) یا واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے امر بالمعروف کے بعد ایمان کے ذکر میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ (بلکہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ امر بالمعروف دکھاوے کیلئے نہیں کرتے بلکہ دل کی تصدیق کرتے ہوئے کرتے ہیں)۔

اہل کتاب کا ریاست کو ترجیح دینا قابل افسوس ہے:

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ (اگر اہل کتاب (حضرت محمد ﷺ) پر ایمان لے آتے) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کیلئے بہتر ہوتا) تو ان کے لئے ایمان بہت بہتر ہوتا اس سے جس میں وہ مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو تو اسلام پر ریاست کی محبت میں ترجیح دی اور تاکہ عوام ان کے پیرو رہیں۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کو وہ سرداری بھی مل جاتی اور اتباع بھی میسر آجاتی دنیا سے نفع اندوزی بھی ہو جاتی جس کی خاطر انہوں نے دین باطل کو ترجیح دی۔ بلکہ ایمان پر جس کامیابی کا وعدہ کیا گیا اور دوسرا جو اجر دیا جاتا یا تو وہ بھی ان کو حاصل ہو جاتا۔

لَيْسُوا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے رات کے اوقات میں

اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ

اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی ناقدری نہ کی جائے گی

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔

اہل کتاب کی عدل والی جماعت:

۱۱۳: لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۔ (تمام اہل کتاب برابر نہیں) مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (اہل کتاب میں)

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے یہ لَيْسُوْا سَوَآءً کا بیان ہے جیسا کہ تامرون بالمعروف۔ کنتم خیر امۃ کا بیان ہے۔ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ (ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہے) ایک مضبوط عادل جماعت ہے یہ قائمہ کا لفظ اقمت العود فقام سے ہے کہ میں نے لکڑی کو سیدھا کیا پس وہ سیدھی ہوگئی۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو ان میں سے اسلام لائے۔ يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے ہیں) آیات اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اٰنَآءَ الَّيْلِ (رات کے اوقات میں) اٰنَآءَ جمع ہے اس کا واحد اَنًی جیسے معًی یا اِنْوٌ جیسے قِنْوٌ یا اِنْیٌ جیسے نِحْیٌ۔ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے ہیں) يسجدون سے مراد نماز پڑھتے ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد نماز عشاء ہے کیونکہ اہل کتاب اس کو نہ پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا تہجد کی نماز کو تلاوت قرآن سے تعبیر کیا گیا جو سجدات میں ہوتی ہے۔

مزید اعلیٰ خصائل کا تذکرہ:

۱۱۴: يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت کے دن پر اور امر بالمعروف کرنے والے ہیں) یعنی ایمان اور اعمال خیر کے ساتھ معروف کا حکم دینے والے ہیں۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائیوں سے روکنے والے ہیں) منکر سے یہاں کفر اور شریعت کی دیگر ممنوعات مراد ہیں۔ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ (وہ بھلائیوں میں جلدی کرنیوالے ہیں) یعنی ان کے فوت ہونے کے خطرہ سے ان کو جلد ادا کرنے والے ہیں۔

نحو: يتلون اور يؤمنون محل رفع میں امۃ کی صفات ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے امة قائمة، تالون، مؤمنون۔

مخصوص صفات کی وجہ:

ان مخصوص صفات ان خصوصیات سے فرمائی۔ جو یہود میں نہیں تھیں جیسے تلاوت آیات اور عبادات کا بجا لانا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہود کے ایمان باللہ میں کمزوری یہ تھی کہ وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مان کر شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح رسولوں اور کتابوں اور یوم آخرت کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود بعض کتابوں اور رسولوں کو نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح آخرت کے ایمان کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود آخرت کی تعبیر اور انداز سے کرتے تھے۔ وہ آپ کی تعریف بھی غلط انداز سے کرتے تھے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا کیونکہ یہود اس میں بھی مداہنت برتنے والے تھے۔ اور مومنوں کی مسارعت الی الخیرات کو ذکر کیا کیونکہ یہود بھلائی کے کاموں میں سستی برتنے والے اور رغبت نہ رکھنے والے تھے۔

مسارعت فی الخیرات کا مطلب بھلائی میں شدید رغبت اور لگن ہے کیونکہ جو کسی چیز میں رغبت رکھتا ہو وہ اس کی ادائیگی میں جلدی کرتا ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ (وہ) جو کہ ان صفات سے موصوف ہیں۔ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (نیکوں میں سے ہیں) یعنی مسلمانوں میں سے ہیں۔ یا ان نیکوں میں سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درست ہیں اور پسندیدہ ہیں۔

خیر کے بدلے سے کبھی محرومی نہیں:

۱۱۵ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔ (جو بھی وہ بھلائی کریں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی)

نحو و قراءت: يَفْعَلُوْا اور يُّكْفَرُوْهُ دونوں میں یاء کی کوئی نے سوائے ابوبکر کے ابو عمرو نے پڑھا اور تاء میں اختیار دیا۔ باقی تمام قراء نے تاء سے پڑھا ہے۔ يُّكْفَرُوْهُ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور اگر شکر اور کفر ایک دوسرے کے مقابل آجائیں تو پھر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ مثلاً کہیں گے شکر النعمة و کفرھا کیونکہ اس صورت میں یہ محرومی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا لن تحرموہ یعنی تم اس کے بدلے سے ہرگز محروم نہ کیے جاؤ گے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ (اللہ تعالیٰ کو تقویٰ والے خوب معلوم ہیں) اس ارشاد میں متقین کو بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں

اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا

کچھ بھی اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اس کی مثال جو کچھ

يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ

وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ

قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو پھر اس کو برباد کر دیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کفار کو مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے:

۱۱۶: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ (یقیناً جو لوگ کافر ہوئے ہرگز ان کو ان کے مال اور انکی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے ذرہ بھر کام نہ دیں گے اور) وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (وہ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

دنیوی زندگی میں کفار کے خرچ کرنے کی مثال:

۱۱۷: مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَکَتْہُ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ (اس دنیا کی زندگی میں انکے خرچ کی مثال) یعنی جو وہ فخر، کارنامہ، تعریف کروانے، لوگوں میں اچھا تذکرہ کروانے کیلئے خرچ کرتے ہیں یا وہ مال جو کفر کے باوجود تقرب الی اللہ کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ کَمَثَلِ رِیْحٍ (ہوا کی طرح ہے) یعنی ضائع کردہ مال۔ ہوا سے ہلاک شدہ کھیتی کی طرح ہے۔ یا ان کے مال کے ہلاک کرنے کی مثال ہوا کے ہلاک کرنے کی طرح ہے۔ فِیْھَا صِرٌّ (جس میں سخت سردی ہو) یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔

نحو: صِرٌّ مبتداء ہے اور خبر ہے موضع جر میں جملہ ریح کی صفت ہے۔ جیسے اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (جیسے ہوا پہنچی ایسی قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو) کفر و گناہ کر کے۔ فَاَھْلَکَتْہُ (پس وہ ہوا اس کھیتی کو تباہ کر دے) ان کے کفر کی سزا کے طور پر۔ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا) کہ کھیتی کو تباہ کر کے وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں) ایسے کاموں کا ارتکاب کر کے جو سزا کے مستحق ٹھہرانے والے ہیں۔ یا اس میں ضمیر کا مرجع منفقین یعنی خرچ کرنے والے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے خرچ کو قبول نہ کر کے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس طرح کہ قبولیت کے یقینی واحد راستے کو اختیار نہیں کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو نہ بناؤ راز دار، وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی

خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا

نہیں کرتے۔ ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو۔ بغض ظاہر ہو چکا ہے ان کے مونہوں سے اور جو کچھ

تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑱

ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ تحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لئے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو۔

منافق کی دوستی سے ممانعت:

۱۱۸: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

شانِ نزول: مسلمانوں کو منافقین کی مخلصانہ دوستی سے منع فرمانے کیلئے نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً (اے ایمان والو تم ان کو اپنا راز دار نہ بناؤ) بطانۃ الرجل سے مراد آدمی کے خصوصی راز دار قابلِ اعتماد۔ ان کو بطانۃ الثوب سے تشبیہ دی۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ فلاں شعاری فلاں میرا بہت قریبی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے الانصار شعار والناس دثار (بخاری ۴۳۳۰۔ مسلم ۱۰۶۱) کہ لوگ میرے لئے بمنزلہ اوڑھنے کے ہیں اور انصار بمنزلہ شعار کے ہیں۔ مِّنْ دُوْنِكُمْ (اپنوں کو چھوڑ کر) یعنی اپنے ہم جنس مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

نحو: یہ بطانۃ کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے کہ بطانۃ کائنۃ من دونکم مجاوزۃ لکم یعنی ایسی راز داری جو دوسروں سے ہونے والی ہو اپنوں سے تجاوز کر کے۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (وہ تمہارے بگاڑ میں کمی نہ کریں گے)

نحو: یہ موضع نصب میں بطانۃ کی صفت ہے۔ یعنی تمہارے دین کے بگاڑنے میں وہ کمی نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے۔ الا فی الامر یالو وہ معاملے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ وہ معاملے میں کوتاہی کرے۔

الخبال:

لغت میں فساد کو کہتے ہیں۔ تمیز کی وجہ سے خبالاً منصوب ہے یا فی حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای فی خبالکم۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مشقت میں پڑو) یعنی جو تمہیں رکھے وہ تمنا کرتے۔ ما مصدریہ ہے۔

العنت لغت میں شدید ضرر اور مشقت کو کہتے ہیں یعنی وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین میں نقصان پہنچائیں اور ضرر میں

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

تم وہی ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹے لیتے ہیں

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

آپ فرما دیجئے کہ تم مر جاؤ اپنے غصہ میں۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے۔ ان سب چیزوں کو جو سینوں میں چھپی ہیں۔ اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ

تم کو کوئی اچھی حالت پیش آ جاتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پیش آ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی عداوت تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو

مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

انتہائی سخت قسم کا۔

تخفیف: یہ جملہ مستانفہ ہے اس لئے کہ اس میں ان کو راز دار بنانے کی ممانعت کی علت ذکر کی گئی۔ یہ اسی کی طرح ہے۔

منافقین کے بغض کی شدت:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہ بغض تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے) کیونکہ وہ اس کو روکنے کا اب اختیار نہیں رکھتے۔ باوجود اپنے نفسوں پر کنٹرول کرنے کے کہ ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔ جس سے ان کا بغض مسلمانوں کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ (اور جو ان کے سینے چھپانے والے ہیں) یعنی مسلمانوں کے خلاف بغض اَکْبَرُ (وہ بہت بڑا ہے) اس سے جو ان سے ظاہر ہوا۔ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ (تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیات کو کھول کر بیان کیا) جو دین میں اخلاص کو لازم کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے موالات اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (اگر تم عقل رکھتے ہو)

توبیخ مؤمنین:

۱۱۹: هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ (ترجمہ آگے ہوگا)

منافقین سے موالات کی غلطی:

تحقیق: ھا حرف تنبیہ ہے۔ انتم مبتدا، اور اولاء خبر یعنی تم منافقین اہل کتاب کی موالات میں غلطی کھانے والے ہو۔ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے) اس میں منافقین کے ساتھ موالات کی غلطی ظاہر کی گئی کہ تم اپنی محبت فی بغض کیلئے صرف کرتے ہو یا اولاء موصول ہے اور اس کا صلہ تُحِبُّوْنَهُمْ ہے اور وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) كُلِّهٖ جملہ حالیہ ہے۔ اور اس پر عامل: لَا يُحِبُّوْنَكُمْ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لَا يُحِبُّوْنَكُمْ والحال انكم تؤمنون بكتابهم كله وهم مع ذلك يبغضونكم فما بالكم تحبونهم وهم لا يؤمنون بشيء من كتابكم۔ یعنی وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور حال یہ ہے کہ تم انکی ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اسکے باوجود تم سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں کیا ہو کہ تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہاری کتاب میں سے کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے اس میں سخت توبیخ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو ان سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکتاب کا الف لام جنسی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا تم تمام سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ پہلی صورت میں الف لام عہدی ہے۔ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا (جب وہ تم سے ملتے ہیں تو زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے) یعنی کلمہ توحید کا اظہار کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا (جب وہ تم سے جدا ہوتے ہیں) یا ایک دوسرے کے ساتھ خلوت میں جاتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (وہ غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں) غصہ اور شکست والے آدمی کیلئے عض انامل، بنان، ابہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی تمہاری سلطنت دیکھ کر شدت غضب سے انگلیاں چباتے ہیں۔

کلمہ بددعا:

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (کہہ دو اے محمد کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ) یہ ان کے خلاف بددعا ہے کہ اللہ کرے انکا غصہ بڑھے کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ مراد زیادتی غیظ سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو مزید قوت دے جس سے انکا غصہ بڑھے۔ اور اس میں ان کی تنگی کی ذلت و رسوائی ہے۔

اللہ جل شانہ منافقین کے تمام افعال واقوال سے واقف ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو جانتے ہیں) وہ جانتے ہیں جو منافقین اپنے دلوں میں بغض و عداوت چھپائے ہوئے ہیں اور جو افعال وہ ایک دوسرے کو ملتے وقت کرتے ہیں وہ ان کے مجملہ اقوال میں داخل ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا ان کو اس غصے کی اطلاع دو جس کی حالت یہ ہو وہ علیحدگی میں افسوس سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اور انہیں کہیں کہ اللہ

تعالیٰ تو اس سے بھی مطلع ہیں جو چھپائی جانے والی چیزوں میں بہت ہی مخفی ہے اور وہ دل کے اسرار و رموز ہیں۔ پس مت گمان کرو کہ تمہاری کوئی مخفی چیز اس پر پوشیدہ رہ سکتی یا کہنے سے خارج ہے۔ یعنی اے محمد ﷺ ان سے کہہ دیں اور میری اس اطلاع پر تمہارے ان کے رازداروں کے سلسلہ میں دی ہے۔ تعجب نہ کریں کیونکہ میں تو اس سے بھی مخفی تر چیز کو جانتا ہوں اور وہ ان کے دلوں کے راز ہیں۔

۱۲۰ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۖ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ (اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے) حسنہ سے مراد خوشحالی سرسبزی اور نعمت و نصرت تَسُؤْهُمْ (وہ ان کو بری لگتی ہے) یعنی اس کا ملنا ان کو غم زدہ کر دیتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ (اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے) یعنی بدحالی، تنگ دستی، دشمن کا غلبہ۔ آیت میں المس کے الفاظ کو اصابہ کی جگہ بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے کیا تم اس ارشاد الٰہی کی طرف نظر نہیں کرتے اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ (التوبہ: ۵۰) يَّفْرَحُوْا بِهَا (وہ اس پر خوش ہوتے ہیں) وہ اس کے پہنچنے پر خوشیاں مناتے ہیں۔

دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کا دامن تھام لو:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا (اور اگر تم صبر کرو) اگر تم انکی عداوت پر صبر کرو وَتَتَّقُوْا (اور تقویٰ کے ساتھ رہو) اور انکی موالات سے بچتے رہو۔

دوسری تفسیر: یا تم حکم الٰہی کی تعمیل میں حاصل ہونے والی مشقتوں پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے ممنوع کردہ امور سے پرہیز کرو۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا (انکی مکاری تمہارا کچھ نقصان نہ کر سکے گی) اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہو۔

مسئلہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کو تعلیم و ارشاد ہے کہ دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

قول حکماء ہے کہ اگر تم اپنے حاسدین کو ذلیل کرنا چاہتے ہو تو اپنے آپ میں فضیلت کا اضافہ کرلو۔

قراءت: مکی، بصری، نافع نے لَا يَضِرْكُمْ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضارہ یضیرہ بمعنی ضرہ ہوگا۔ یہ واضح ہے ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں اشکال ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط بنتا ہے۔ جواب شرط مجزوم ہونا چاہیے۔ پس مناسب تو تھا کہ راء پر فتحہ پڑھا جاتا جیسا کہ مفضل نے عاصم سے نقل کیا ہے۔ البتہ راء پر ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا۔ جیسا کہ مُدُّ یا بالضمہ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا) ۔

قراءت: یعملون یاء کے ساتھ سہل نے پڑھا ہے یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال جو صبر و تقویٰ کی قسم سے ہیں۔ مُحِيْطٌ (احاطہ کرنے والے ہیں) پس تمہارے ساتھ وہ سلوک فرمائیں گے۔ جس کے تم اہل ہو۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں تمہاری دشمنی کے سلسلہ میں پس وہ ان کو اس پر سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لئے مقامات پر ٹھکانے دے رہے تھے۔ اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں۔ اور اللہ ان دونوں کا مددگار تھا

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں ایمان والے۔

۱۲۱: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (اور جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو اس وقت کو جب تم مدینہ میں اپنے اہل سے صبح کے وقت نکلے۔ یہاں مراد آپ کا حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے احد کی طرف روانہ ہونا ہے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ (تم مؤمنوں کو ٹھہرا رہے تھے) یہ حال ہے۔ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے مواقع پر مواطن یعنی میمنہ، میسرہ، قلب، جناحین، ساقہ پر ایمان والوں کو ٹھیک بٹھا رہے تھے۔ لِلْقِتَالِ یہ تُبَوِّئُ سے متعلق ہے۔ ای تُبَوِّئُ لِلْقِتَالِ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو خوب سننے والا) اور عَلِيْمٌ تمہاری نیات اور دلوں کے اسرار کو جاننے والا ہے۔

غزوۂ احد کو روانگی جمعہ کے روز:

روایت میں وارد ہے کہ مشرکین احد میں بدھ کو ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور مشورہ کیلئے عبداللہ بن ابی کو بھی بلایا۔ اس سے مشورہ طلب کیا تو اس نے کہا آپ مدینہ میں ہی ٹھہرے رہیں۔ ہم جب بھی دشمن کی طرف نکل کر گئے ہیں تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑا اور جب دشمن ہم پر داخل ہوا تو اس نے شکست کھائی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے خواب میں اپنے گرد ذبح شدہ گائے دیکھی ہے۔ جس کی میں نے اس کی تاویل بھلائی سے کی ہے۔ اور میں نے اپنی تلوار کی دھار میں دندانے دیکھے۔ اس کی تعبیر میں نے شکست سے کی ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کر دیا۔ اس زرہ کی تعبیر میں نے مدینہ سے کی ہے۔ لیکن کچھ لوگ آپ کے سامنے شہادت کا شوق ظاہر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے زرہ خود پہن لیا۔ پھر وہ شرمسار ہو کر کہنے لگے۔ آپ کو اختیار ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پیغمبر کیلئے مناسب نہیں کہ اپنی خود پہن کر اتارے یہاں تک کہ لڑائی سے قبل اس کو اتار دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد روانہ ہوئے۔ اور ہفتہ کی صبح احد کی گھاٹی میں پہنچے جبکہ پندرہ شوال ۳ھ تھی۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کے ساتھ اللہ کی ولایت:

۱۲۲: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اِذْ هَمَّتْ (جب ارادہ کیا) یہ اذ غدوت سے بدل ہے۔ یا علیم کے متعلق ہے اس نے اس میں عمل کیا ہے۔ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ (دو گروہوں نے تم میں سے) ان سے مراد انصار کے دو قبیلے بنو سلمہ جو خزرج کی شاخ تھی اور بنو حارثہ جو اوس کی شاخ تھی مراد ہیں۔ آپ ﷺ احد کی طرف ایک ہزار لڑنے والوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جبکہ مشرکین مکہ کی تعداد تین ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اور آپ ﷺ نے ان سے جمے رہنے کی صورت میں فتح کا وعدہ فرمایا۔ راستے میں عبداللہ بن ابی لشکر کا تیسرا حصہ اپنے ساتھ لیکر واپس لوٹ گیا اور کہا ہم اپنی جانوں اور اولادوں کو کیوں قتل کریں؟ بنو حارثہ و بنو سلمہ نے بھی انکے پیچھے جانے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات سے محفوظ کر لیا۔ پس وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ اَنْ تَفْشَلَا (کہ ہمت ہار دیں) اور ضعف کی وجہ سے بزدلی اختیار کریں۔ الفشل نامردی اور بزدلی کو کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (اور اللہ تعالیٰ ان کا محب و ناصر تھا) یا ان کے معاملے کا مالک تھا۔ پھر وہ کیوں بزدلی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کیوں کر بھروسہ نہیں کرتے؟ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے) یعنی ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اسی ہی پر بھروسہ کریں اور اپنے تمام معاملات کو اسی ہی کے سپرد کر دیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ہم نے ارادہ نہ کیا ہوتا جو ہم نے کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ وہ ہمارا کارساز ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے سو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ

جب آپ مومنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

مدد فرمائے جو اتارے گئے ہوں۔ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

آ پہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ جو نشان لگے ہوئے ہوں گے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد نہیں ہے مگر صرف

عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل کر دے

فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تو وہ ناکام ہو جائیں بے مراد ہو کر۔

ربط ۱۲۳: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ آپ نے بدر کا واقعہ یاد دلایا جو سراپا توکل تھا۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی جب کہ وہ کمزور بھی تھے اور تعداد میں بھی کم تھے۔

بدر کی یاد دہانی:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (البتہ تحقیق تمہاری اللہ بدر میں مدد فرما چکا) بدر۔ یہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک کنواں ہے۔ جس کو بدر نامی آدمی نے کھدوایا تھا۔ یاد دہانی کے بعد بدر کا ذکر کیا تاکہ صبر و شکر جمع ہو جائیں۔

قلت کی کیفیت:

وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (اور تم تعداد میں کم تھے) مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) سے تین سو انیس (۳۱۹) کے درمیان تھی جبکہ

دشمن ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ اور سامان کی کمزوری کا حال یہ تھا کہ پانی بردار اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ انکی تعداد کل ستر تھی اور ایک گھوڑا تھا۔ حالانکہ دشمنوں کے پاس سو گھوڑے بمع اسلحہ اور شان و شوکت تھی۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اَذِلَّۃٌ بوزن اَفْعِلَۃٌ جمع قلت ذکر کیا تاکہ سواریوں اور ہتھیاروں کی کمی کے اظہار کے ساتھ مسلمانوں کی قلت تعداد کا بھی اظہار ہو۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ (تم اللہ سے ڈرو) تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدمی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (تاکہ تم شکر ادا کرو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح عنایت فرمائی ہے۔ شکریہ کا طریق ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس میں بتلا دیا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف رغبت شکریہ کی غرض سے ہونی چاہیے۔

دوسرا بدل:

۱۲۴: اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ۔ (جب تم ایمان والوں کو کہہ رہے تھے)

نحو: یہ نصرکم کا ظرف ہے۔ اس طور پر کہ بدر کے دن ان کو فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ نے تمہاری مدد کی جبکہ تم یہ کہہ رہے تھے۔ یا اذ غدوت سے دوسرا بدل ہے۔ اس طور پر کہ احد کے دن ان کو فرمایا۔ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ (کیا کافی نہیں کہ تمہاری امداد کرے اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کو اتار کر)

استفہام انکاری:

قراءت: شامی نے مُنَزَّلِیْنَ پڑھا۔ ابو حیوہ نے مُنْزِلِیْنَ پڑھا اور مراد منزلین النصرۃ لکھا ہے۔

مطلب آیت کا یہ ہے اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ استفہام انکاری ہے کیا تمہیں تین ہزار فرشتوں کی امداد کافی نہیں یعنی کافی ہے۔

نکتہ: لَنْ نفی تاکید کا لا کر اشارہ کر دیا کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت تعداد اور دشمن کی کثرت و قوت دیکھ کر فتح سے گویا ناامید تھے۔ (ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی مدد آئی)

۱۲۵: بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِہِمْ ہٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ۔

فوری و کافی مدد:

بَلٰی (کیوں نہیں) لَنْ تاکید نفی کے بعد بلٰی کو ایجاب کے لیے لائے کہ اتنے فرشتوں سے امداد تمہارے لیے کافی ہے۔ جس کفایت کو لازم کر دیا۔ پھر فرمایا اِنْ تَصْبِرُوْا (اگر تم صبر کرو) اگر تم قتال پر صبر کرو۔ وَتَتَّقُوْا (اور تقویٰ اختیار کرو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچو۔ وَیَاْتُوْکُمْ (اور وہ لوگ تم پر آ پہنچیں) اور تمہارے پر مشرکین مِّنْ فَوْرِہِمْ ہٰذَا (اسی دم آ پہنچیں)۔ یہ فور کا لفظ فارا لقدر سے لایا گیا جبکہ وہ جوش مارے۔ تیزی کیلئے بطور استعارہ مستعمل کیا گیا۔ پھر اس سے اس حالت کی تعبیر کی جاتی ہے جس میں دیر نہ ہو۔ اور کسی دوسری طرف توجہ نہ کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ خرج من فورہ وہ فوراً نکل گیا۔ جیسا کہ تم اسی طرح کہتے ہو۔ خرج من ساعتہ ولم یلبث۔ وہ اسی گھڑی بلا رکے نکل گیا۔ کرخی بیہیہ کے قول میں یہی معنی ہے۔ الا مر

المطلق علی الفور لا علی التراخی۔ کہ امر مطلق کی تعمیل اسی گھڑی لازم ہے تاخیر کرنا جائز نہیں۔ اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری اسی گھڑی میں آ گئے۔ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ (تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائے گا) یعنی ان کی آمد کی صورت میں فرشتوں کی آمد ان کے آنے سے متاخر نہ ہوگی حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جلد جلد مدد کرے گا۔ اور تمہیں فتح میسر فرمائے گا اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہو گے۔

نشان دار گھوڑے:

مُسَوِّمِیْنَ (نشاندار)

قراءت: مُسَوِّمِیْنَ واؤ کے کسرہ کے ساتھ مکی، ابوعمرو، عاصم، سہل نے معلمین انفسھم اپنے نفوس کو ظاہر کرنے والے یا اپنے گھوڑوں کو کسی علامت سے ظاہر کرنے والے ہوں گے جس سے وہ لڑائی میں پہچانے جائیں گے۔ السومۃ علامت کو کہا جاتا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ وہ سفید اون کا نشان اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر لگانے والے ہوں گے۔

دوسرے قراء نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نشان زدہ ہوں گے۔ کلبی کا قول یہ ہے وہ زرد رنگ کے عمامے پہنے ہوں گے ان کے پلے اپنے کندھوں پر لٹکانے والے ہوں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا عمامہ بدر کے دن زرد رنگ کا تھا۔ فرشتے بھی زرد عماموں میں نازل ہوئے۔ قتادہ کا قول یہ ہے کہ تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے اترے۔

فرشتوں کی مدد صرف بشارت فتح ہے:

۱۲۶: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ (اور اللہ تعالیٰ نے اس مدد کو بنایا) اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو خوشخبری بنایا۔ ہ کی ضمیر اس امداد کی طرف راجع ہے جو ان بعد کے سے ثابت ہوئی ہے۔ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ (خوشخبری تمہارے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو فرشتوں سے مدد صرف اس لئے دی تاکہ تمہیں فتح کی بشارت ہو۔ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ (تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں) جس طرح سکینہ بنی اسرائیل کے لئے بشارت نصرت تھی اور دلوں کے اطمینان کا باعث تھی۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور درحقیقت فتح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) نہ لڑنے والوں کی طرف سے اور نہ ملائکہ کی طرف سے۔ لیکن یہ اچھی چیز ہے۔ جس سے مدد کی امید اور رحمت کی طمع مضبوط تر ہوتی ہے۔ الْعَزِیْزِ (زبردست) وہ ذات جس کے فیصلوں میں اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ الْحَکِیْمِ (حکمت والا) جو کہ اپنے اولیاء کو مدد دیتا ہے اور دشمن کے ساتھ جہاد سے انکی آزمائش کرتا ہے۔

قتل کفار کی بشارت:

۱۲۷: لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْ یَکْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ (تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے) قتل و قید کے ذریعے چنانچہ بدر میں ستر کا فر قتل ہوئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ لِیَقْطَعَ کی لام۔ نمبر ۱۔ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ سے متعلق ہے یا نمبر ۲۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے متعلق ہے یا نمبر ۳۔ یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ سے متعلق ہے۔

اَوْ یَکْبِتَهُمْ یا ان کو رسوا کرے اور شکست سے غصہ دلا کر رلا دے۔ الکبت۔ دراصل شدید بزدلی جو دل میں رچ جائے اور اس کی

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾

آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، خواہ وہ ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾

جس کو چاہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔

جیسے تیر دل کے تل کو جا لگے۔ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ پس وہ اپنے شہروں کو اس حالت میں لوٹیں کہ اپنے مقصد میں ناکام ہوں۔

تمام اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے:

۱۲۸: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ۔ (آپ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں)

تحقیق: لَيْسَ کا اسم شَيْءٌ ہے اور لَكَ اس کی خبر ہے اور مِنَ الْأَمْرِ یہ شَيْءٌ کا حال ہے کیونکہ وہ صفت ہے جس کو پہلے لایا گیا ہے۔

أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ (یا ان کی توبہ قبول کرے) تحقیق: اس کا عطف لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ پر ہے۔ اور لَيْسَ لَكَ جملہ معترضہ ہے۔ جو معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے معاملے کا مالک ہے خواہ ان کو ہلاک کر دے یا شکست سے دوچار کرے یا ان کی توبہ قبول کرے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ (یا ان کو عذاب دے) اگر وہ کفر پر مصر رہیں اور آپ کو ان کے معاملے کا کچھ اختیار نہیں۔ آپ تو مبعوث بندے ہیں تا کہ ان کو ڈرائیں اور ان سے جہاد کریں۔

تحقیق: فراء نحوی کے ہاں او۔ حتّٰی کے معنی میں ہے۔ اور ابن عیسیٰ کے نزدیک الّا ان کے معنی میں ہے۔ جیسا تم کہو: لالزمنك او تعطيني حقي۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوگا۔ آپ کو ان کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے پس آپ ان کی حالت پر خوش ہوں۔ یا پھر ان کو سزا دے تا کہ ان سے پیچھا چھوٹ جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے متعلق بددعا کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان لائیں گے۔

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (پس بے شک وہ ظالم ہیں) یعنی مستحق سزا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت عامہ:

۱۲۹: وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ

سے دواڑ کو قائم رکھ کر ماقبل پر عطف کیا ہے۔ المسارعة الى المغفرة و الجنة کا مطلب اپنے اعمال کی طرف متوجہ ہونا جو ان دونوں تک لے جانے والے ہوں۔ پھر ان اعمال میں کئی اقوال ہیں۔ نمبر۱۔ پانچوں نمازیں نمبر۲۔ تکبیر اولیٰ۔ نمبر۳۔ اطاعت۔ نمبر۴۔ اخلاص۔ نمبر۵۔ توبہ نمبر۶۔ جمعہ۔ نمبر۷۔ جماعات۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید۔۲۱) اصل مقصود اس کی وسعت و پھیلاؤ کو بیان کرنا ہے۔ اس لئے لوگوں کے علم میں جو سب سے بڑی وسیع چیز ہے اسکے ساتھ تشبیہ دی۔ اور عرض کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ طول سے عموماً چھوٹا ہوتا ہے تاکہ مبالغہ ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں تو جنت کا عرض بنے گا۔

روایاتِ جنت کی عمدہ تطبیق:

اور یہ جو روایات میں وارد ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔ یا چوتھے آسمان میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت اس جہت میں واقع ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ چوتھے یا ساتویں آسمان میں ہے۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ فی الدار بستان جبکہ وہ اس سے جدا ہو کیونکہ اس کا مقصد باغ کے دروازہ کا مکان کی طرف ہونا مراد ہے۔

اُعِدَّتْ (تیار کی گئی) یہ جنت کی صفت ہونے کی بناء پر موضع جر میں واقع ہے۔ یعنی وسیع تیار شدہ جنت لِلْمُتَّقِيْنَ (وہ متقین کیلئے) ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ دونوں مخلوق ہیں۔ المتقی سے مراد۔ نمبر۱: شرک سے بچنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (الحدید:۲۱) اور جنت جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کی طرح ہے وہ ان لوگوں کیلئے بنائی گئی جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے۔
نمبر۲۔ دوسرا قول گناہوں سے بچنے والا متقی ہے۔ پس اگر دوسرا قول مراد ہو تو پھر بغیر عقوبت جنت میں جانا مراد ہوگا۔ اور اگر اول مراد لی جائے تو وہ بھی انجام کار ہوگی۔ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (جو خرچ کرتے ہیں فراخت میں اور تنگی میں)۔

قراءت و نحو:

اگر وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً پر عطف ڈال کر الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ کو مبتداء قرار دیا جائے اور اُولٰٓئِكَ کو خبر بنایا جائے۔ تو یہاں وقف ہوگا۔ اور سراء اور ضراء میں خرچ سے مراد تنگدستی و خوشحالی میں خرچ کرنا ہوگا۔
نمبر۲۔ اگر الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ کو متقین کی صفت قرار دیا جائے اور وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا کا عطف اس پر ڈالا جائے۔ پھر وقف نہ ہوگا اور مطلب آیت کا یہ بنے گا وہ جنت متقین اور تائبین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت تو متقین اور تائبین کیلئے بنائی گئی ہے اصرار کرنے والوں کیلئے نہیں۔

مسئلہ: یہ درست ہے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہو پھر بعض تبعاً و طفیلی سے دوسرے بھی داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اُعِدَّتْ ھٰذِہِ الْمَائِدَۃُ لِلْاَمِیْرِ کہ یہ دسترخوان امیر کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ پھر بعض اوقات اسکے ہمراہ کار بھی اس کو کھا لیتے ہیں۔ کیا اس ارشاد خداوندی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران: ۱۳۱) کہ تم اس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ پھر بالاتفاق ثابت ہے کہ کافروں کے علاوہ عصاۃ مومنین بھی اس میں داخل ہونگے۔

نکتہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے انفاق کا تذکرہ پہلے فرمایا۔ کیونکہ نفس پر یہ انتہائی گراں چیز ہے۔ اور اسکے اخلاص کی نشاندہی کرنے والا ہے۔ اور اس زمانہ میں دشمن سے جہاد کے سلسلہ میں عظیم ترین اعمال میں سے تھا۔ اور مسلمان فقراء کی ہمدردی کے پیش نظر بھی اس کی شدید ضرورت تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے ہر قسم کے حالات میں انفاق مراد ہے۔ کیونکہ اب انفاق تنگدستی و خوشحالی ہر دو مواقع کو شامل ہوگا۔

غصہ پینے والے کا مرتبہ:

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (اور غصے کو پی جانے والے) یعنی پورا کرنے کی بجائے غصے کو روکنے والے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کَظَمَ الْقِرْبَۃَ۔ جبکہ وہ مشک کو بھر لے اور اسکے منہ کو مضبوطی سے باندھ دے۔ اور اسی سے کَظْمُ الْغَیْظِ بنا ہے۔ غصے کو صبر کی وجہ سے تھام لے اور اس کا اثر بالکل ظاہر نہ ہو۔ الغیظ: دل کی حرارت کا غصہ سے بھڑکنا۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ جس نے اپنے غصے کو روک لیا ایسی حالت میں کہ وہ اس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتے ہیں۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

معافی کی فضیلت:

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (اور وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) یعنی جب ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس سے مؤاخذہ نہیں کرتے۔ روایت میں آیا ہے جس کو بیہقی نے نقل کیا کہ قیامت کے دن ایک منادی آواز دے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس معاف کرنے والوں کے سوا اور کوئی نہ اٹھے گا۔ (بیہقی فی الشعب) ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے رشید کیلئے روایت بیان کرنی شروع کی۔ اس دن دیکھا کہ وہ ایک آدمی پر غضبناک ہے۔ پس اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے پسند ہیں)

نحو: اَلْمُحْسِنِیْنَ میں الف لام جنسی ہے۔ جن مذکورہ بالا اور تمام محسنین کو شامل ہے۔ یا الف لام عہد کا ہے۔ جس سے انہی مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ برائی کرنے والے سے بھلائی کرنا احسان ہے۔ اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا تو تجارت ہے۔

توبہ پر شیطان کا نالہ:

۱۳۵: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ: (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں۔ پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر گزرتے ہیں)

نحو: نعت کا وزن قباحت کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وَالَّذِيْنَ یہ مبتدا ہے اور اولٰئک خبر ہے۔

اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ (یا وہ اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں) قول نمبر ۱: الفاحشۃ سے مراد کبیرہ گناہ اور ظلم نفس سے مراد صغیرہ۔ قول نمبر ۲: فاحشہ سے زنا اور ظلم نفس بوس و کنار، لمس وغیرہ۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ (وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں) یعنی زبان سے یا ان کے دل ان کو توبہ پر آمادہ کرتے ہیں۔

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو شیطان رونے لگا وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخشے گا۔

نحو: مَنْ مبتداء، يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اس کی خبر ہے۔ یغفر کی ضمیر من کی طرف راجع ہے اور اِلَّا اللّٰهُ یغفر کی ضمیر سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وَلَا اَحَدٌ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔ یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اس میں بندوں کو توبہ کی طرف متوجہ کیا اور ترغیب دلائی گئی اور ناامیدی و مایوسی کی ممانعت کی گئی اور توبہ کرنے والے کیلئے وسعت رحمت اور قرب مغفرت کو بیان کیا اور بتلایا کہ خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی معافی اس سے عظیم تر اور اس کا کرم عظیم ترین ہے۔

عدم اصرار کا فائدہ:

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا (وہ اپنے فتیح افعال پر قائم نہیں رہے) الاصرار: قائم ہونے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ وہی کرے (ابوداؤد، ترمذی) دوسری روایت میں ہے استغفار کرنے سے کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کی موجودگی میں صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (یعنی کبیرہ بن جاتا ہے) مسند فردوس للدیلمی وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں)

نحو: نمبر ۱: یہ وَلَمْ يُصِرُّوْا کی ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ غلطی ہے اس پر اصرار نہیں کیا۔

نمبر ۲: یہ مستقل جملہ ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے مطلب اس طرح ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے گناہوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہ بخشے گا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

یہ سب لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا۔ تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے

سُنَنٌ ۙ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿١٣٧﴾

ہیں پس چلو پھرو تم زمین میں پھر دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿١٣٨﴾

یہ بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

بخشش کے مستحقین:

۱۳۶: اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔ (جن کی مذکورہ بالا صفات ہیں)۔ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے) ان کی توبہ کے سبب وَجَنّٰتٌ (اور باغات) اس کی رحمت کے باعث۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کام کرنے والوں کا بدلہ بہت خوب ہے)

نحو: مخصوص بالمدح محذوف ہے اور وہ ذلک ہے یعنی مغفرت اور جنت۔

شان نزول: نمبر۱۔ یہ آیت ایک کھجور فروش کے متعلق اتری جس کے پاس ایک عورت کھجور لینے کیلئے آئی اس نے کہا میرے گھر میں اس سے زیادہ عمدہ کھجوریں ہیں۔ اس کو اپنے گھر میں داخل کیا اور پھر اپنے جسم سے اس کو چمٹایا اور بوسہ لیا۔ پھر شرمندہ ہوا۔

نمبر۲۔ ایک انصاری کو ایک ثقفی نے اپنے گھر والوں کا نگران بنایا۔ (اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے مابین بھائی چارہ کروا دیا تھا) جب وہ ثقفی جہاد میں چلا گیا۔ وہ انصاری اسکے گھر آیا اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کو بوسہ دیا۔ پھر اس پر شرمسار ہوا اور جنگل کی طرف بھاگ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا۔

سنن کی مراد وقائع:

۱۳۷: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ۔ قَدْ خَلَتْ (تحقیق

شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وَلَا تَحْزَنُوْا (اور غم کرو) اس شکست پر جو تم سے فوت ہوگئی یا اپنے میں سے شہید ہونے والوں پر یا آنے والے زخموں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور ایمان والوں کیلئے تسلی ہے۔ ان تکالیف پر جو جنگ احد کے موقع پر پیش آئیں اور ان کے دلوں کو تقویت دی جا رہی ہے۔

علو کی تفسیر:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (حالانکہ تم ان سے اعلیٰ اور اغلب ہو) کیونکہ تم نے بدر میں ان کے زیادہ آدمی قتل کیے اس کی نسبت جتنے احد میں تمہارے قتل ہوئے۔

دوسری تفسیر: اور تم ہی بلند رہو گے مدد اور کامیابی کے ساتھ جو آخر میں تمہیں میسر آئی۔ وہ ان کے لئے بلندی اور غلبے کی بشارت تھی۔ جیسا الصافات کی آیت نمبر ۱۷۳ میں فرمایا وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

نمبر ۳۔ تم شان کے اعتبار سے بلند ہو کیونکہ تمہارا قتال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے اور اس کی بات بلند کرنے کیلئے ہے اور ان کی لڑائی شیطان کیلئے اور کفر کی بات کو اونچا کرنے کیلئے تھی۔

نمبر ۴۔ تم شان کے لحاظ سے بلند ہو کیونکہ تمہارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو۔

تفسیر اول: یہ لَا تَهِنُوْا کی نہی سے متعلق ہے۔ مت سستی کرو اگر تمہارا ایمان صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کی صحت تو قوت قلب کو لازم کرتی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کو مضبوط کرتی ہے اور دشمنوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرنے پر ابھارتی ہے۔

تفسیر دوم: یہ اعلون سے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم بلند ہو اگر تم تصدیق کرنے والے ہو ان باتوں پر جن کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جس غلبے کی وہ بشارت دے چکا۔

تسلی مومنین:

۱۴۰: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ (اگر تم کو زخم لگا)

قراءت: قُرْحٌ تمام مقامات پر پڑھا جائے گا۔ حفص کے علاوہ دیگر تمام کوفی قراء کے ہاں۔ قَرْحٌ حفص اور دیگر تمام قراء نے پڑھا ہے یہ دو لغتیں ہیں جیسا کہ ضَعف اور ضُعف۔

بعض نے کہا۔ قَرح ہو تو معنی زخم اور قُرح ہو تو معنی زخم کی تکلیف۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (پس تحقیق قوم کو اسی طرح کا زخم پہنچا) یعنی اگر انہوں نے تمہارے کچھ آدمی قتل کیے تو تم ان سے پہلے بدر کے دن ان کے زیادہ آدمی قتل کر چکے۔ پھر بھی اس بات نے ان کے دلوں کو کمزور نہ کیا اور تمہارے ساتھ دوبارہ لڑائی کرنے سے نہ روکا۔ پس تمہیں تو بدرجہ اولیٰ کمزوری نہ دکھانی چاہیے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (یہ ایام جن کو ہم لوگوں کے درمیان باری باری گھماتے رہتے ہیں)

نحو : وَتِلْكَ الْاَيَّامُ مبتدا نُدَاوِلُهَا اس کی خبر ہے۔

نُدَاوِلُهَا کا معنی پھیرنا ہے۔ بین الناس یعنی نعمتیں اور سزائیں کبھی ایک قوم کو اور کبھی دوسری قوم کو۔ جیسا شاعر (نمر بن تولب) کے اس شعر میں ہے ۔

فیوماً علینا ویوماً لنا ☆ ویوماً نساء ویوماً نسر

ایک دن ہمارے خلاف اور ایک دن ہمارے حق میں۔ اور ایک دن تکلیف دیئے جاتے ہیں جبکہ دوسرے دن خوش کیے جاتے ہیں۔

مداولہ کی حکمت اوّل:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے ایمان والوں کو) یعنی یہ مداولہ کئی قسم کی حکمتوں کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ جو مؤمن صبر اور ثبات ایمان کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ممتاز ہو چکے ہوں ان کو ہم جان لیں۔ جس طرح کہ ان کا وجود سے قبل جانتا ہے۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (اور تا کہ تم کو لوگوں کو شہادت سے بہرہ ور کر دے) پھر اوراس سے احد کے طالبین شہادت تھے یا تم میں سے ایسے شہداء کا انتخاب کرلے جو قیامت کے دن امتوں پر گواہی کے لائق ہوں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ ۱۴۳ میں فرمایا۔

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۱۴۳) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو تعلیل والے جملے کے درمیان لایا گیا۔

تفسیر آیت کی یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو ان لوگوں میں سے نہیں جو ایمان پر ثابت قدمی اختیار کرنے والے ہیں اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اور منافقین وکفار ایسے ہو سکتے ہیں۔

مداولہ کی حکمت دوم:

۱۴۱: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (تا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو گناہوں سے پاک کر دے) التمحیص تطہیر و تصفیہ کو کہتے ہیں۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں کو مٹادیں) اور ان کو ہلاک کر دیں۔ یعنی اگر کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کے امتیاز کرنے اور شہید بنانے اور گناہوں سے ان کو پاک کرنے کیلئے ہوتا ہے اور مسلمانوں کو کفار پر غلبہ کافروں کو مٹانے اور ان کا نام ونشان مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

جنت میں داخلہ بلا جہاد ومجاہدہ نہیں:

۱۴۲: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (کیا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے) یہ استفہام انکاری ہے اور اَمْ منقطعہ ہے۔ یعنی مت ایسا خیال کرو۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

مِنْكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مجاہدوں کا ابھی تک امتیاز نہیں کیا) یعنی ابھی تک تم نے جہاد نہیں کیا کہ تمہیں امتیاز حاصل ہو۔ معلوم ہو کیونکہ علم کا تعلق تو معلوم سے ہے۔ تو نفی صرف نفی متعلق علم کی مراد لی گئی ہے۔ کیونکہ جس چیز کی نفی ہے متعلق علم کی نفی خود ہو جاتی جیسے کہ کہا جائے ماعلم الله في فلان خيرا یعنی اس میں کوئی خیر ہے ہی نہیں جو معلوم ہو اور یہاں لما۔ لم کے معنی میں ہے البتہ اس میں کچھ توقع کا پہلو پایا جاتا ہے۔ پس گزشتہ میں جہاد کی نفی کر دی ہے۔ اور مستقبل میں اس کے ہونے کی توقع ظاہر کر دی ہے۔

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (اور معلوم کرے صبر کرنے والوں کو)

نحو: یعلم اللّٰہ اَن مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور واؤ جمع کیلئے ہے جیسے کہتے ہیں لا تاکل السمک و تشرب اللبن۔ یعنی دونوں کو اکٹھا ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ یا یعلم پر جزم ہو یعلم اللّٰہ پر عطف کی وجہ سے۔ میم کو حرکت التقائے ساکنین کی وجہ سے دی گئی ہے اور فتحہ کا انتخاب معطوف علیہ پر فتحہ کی وجہ سے ہے۔

تمنائے موت پر توبیخ:

۱۴۳: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (البتہ تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کو دیکھنے سے پہلے۔ اس میں ان لوگوں کو مخاطب کیا جو بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے اور ان کے دل میں تڑپ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی معرکہ میں حاضر ہوں تاکہ شہادت کی سعادت پا سکیں اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اصرار کیا کہ ان کو لیکر مشرکین کی طرف نکلیں۔ حالانکہ آپ کی رائے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ تم موت کی تمنا اس کے مشاہدہ سے پہلے کرتے تھے اور اس کی شدت کو پہچاننے سے پہلے تمنا کرتے تھے۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (پس تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا) یعنی تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اس حال میں کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائی مارے گئے۔ اور تم نے خود اس کو جھانک لیا۔

دراصل موت کی تمنا پر ان کو توبیخ کی گئی ہے اور اس بات پر کہ تم اپنے اصرار سے رسول اللہ ﷺ کے نکلنے کا باعث بنے پھر آپ ﷺ سے پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے شہادت کی تمنا کی تاکہ شہداء والی منزلت پا لیں۔ انکی اس تمنا کا مقصد ہرگز نہ تھا کہ کفار کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ کوئی عیسائی ڈاکٹر سے دوائی لے اس کا مقصد تو حصول شفاء ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ اس میں دشمن کو نفع پہنچایا جا رہا ہے۔ اور اس کے فن کو رواج دیا جا رہا ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور ہوئے اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

محبت فرماتا ہے۔ اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے

ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

ہماری مدد فرما۔ سو اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دے دیا اور آخرت کا عمدہ

الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

بدلہ، اور اللہ پسند فرماتا ہے نیکی کا کام کرنے والوں کو۔

(ہم اس کو اسی سے دیتے ہیں اور عنقریب شکر گزاروں کو ہم بدلہ دیں گے) یعنی ہم عنقریب ان کو جزائے مبہم سے بدلہ دیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور جہاد سے ان کو کسی چیز نے مشغول نہ کیا (جزاء کو مبہم لا کر بتلا دیا کہ جزاء غیر معروف ہے جو عقل انسان میں نہیں آ سکتی)۔

جہاد میں دشمن کے سامنے عجز و ذلت ظاہر نہ ہونے دو اور نہ ہی سستی کرو۔

۱۴۶: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر کثرت آدمیوں نے کفار سے جنگ کی) کَاَیِّنْ کا اصل اَیٌّ ہے کاف تشبیہ کا اس پر داخل ہوا تو اس میں کم کے معنی پیدا ہو گئے جو کثرت کیلئے آتا ہے۔

قراءت: مکی کی قراءت میں کائن بروزن کاعٍ ہوگا۔ پڑھیں گے۔ قٰتَلَ کو قُتِلَ مکی بصری و نافع نے پڑھا ہے۔

نحو: مَعَهٗ یہ قتل کی ضمیر سے حال ہے۔ ای قُتِلَ کائنًا معه۔ یعنی اس نے قتال کیا اس حال میں کہ وہ ان کے ساتھ رہنے والا تھا۔

رِبِّيُّوْنَ۔ رب والے۔ حسن نے را کے ضمہ سے اور بعض نے فتحہ سے پڑھا ہے۔ قاعدہ کے مطابق فتحہ ہے کیونکہ یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ اور ضمہ اور کسرہ اسم منسوب میں تبدیلیوں کی بنا پر ہے۔

فَمَا وَهَنُوْا (وہ سست نہ ہوئے) اپنے پیغمبروں کے قتل کے وقت لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا۔ (ان تکالیف پر جو ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئیں اور نہ وہ ان کے بعد جہاد سے پست ہمت ہوئے)۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا (اور نہ وہ دشمن کے سامنے ذلیل و عاجز ہوئے)۔ اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض کی جو قتل رسول ﷺ کی افواہ پر پست ہمت ہو بیٹھے اور بعض نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن ابی کے ذریعہ ابوسفیان سے امان طلب کریں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ کو صبر والے لوگ پسند ہیں) جو کفار سے جہاد کرنے پر ڈٹے رہنے والے ہیں۔

میدانِ جنگ میں دُعا مستقل ہتھیار ہے:

۱۴۷: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (اور ان کی بات یہی تھی کہ اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے) یعنی انہوں نے یہی بات کی۔

ربانیین ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے نفوس کی طرف گناہوں کی اضافت کی تاکہ نفس کی بڑائی مٹ جائے۔ وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا (اور ہمارا اپنے معاملے میں حد سے تجاوز کرنا) اسراف حد عبودیت سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (ہمارے قدموں کو (لڑائی میں) مضبوط کر دے۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (اور ہماری کافر قوم کے خلاف مدد فرما) غلبہ عنایت کرکے۔

نکتہ: گناہوں سے استغفار کے ساتھ دعا کو میدان جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں پر فتح سے مقدم کیا۔ کیونکہ استغفار کے ساتھ یہ طریق دعا قبولیت دعا کے لئے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ اس میں عجز و نیاز خوب ہے۔

طالبینِ آخرت محسنین ہیں:

۱۴۸: فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب دیا) یعنی نصرت و کامیابی اور غنیمت میسر کر دی۔ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (اور ثواب آخرت کا حسن) یعنی مغفرت و جنت دے دی۔ آخرت کے بدلے کو حسن سے تعبیر کر کے بتلا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل و مقدم اور واجب القصد ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی وہ محسن ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں

أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ

پھیر دیں گے جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے

النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا

والوں سے بہتر ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا

بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ ظلم کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

کفار کی عدم موافقت تمام مسلمانوں پر لازم ہے:

۱۴۹: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ۔ (اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کرو تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے) یعنی وہ تمہیں شرک کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ (تم لوٹ کر گھاٹے میں پڑ جاؤ گے)

کہا گیا ہے یہ تمام کفار کے متعلق عام ہے۔ مومنوں پر لازم ہے کہ وہ ان سے پہلوتہی اختیار کریں۔ اور کسی چیز میں ان کی اطاعت نہ کریں تاکہ وہ ان کو اپنی موافقت کی طرف نہ کھینچ لیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اگر تم ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کے سامنے عاجزی کرو گے اور ان سے امن کے طالب ہو گے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ آیت ان منافقین کے متعلق اتری جنہوں نے شکست کے موقع پر ایمان والوں کو کہا تم اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

۱۵۰: بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے) پس غیروں کی نصرت سے بے نیازی اختیار کرو۔ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ (اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے)

القائے رعب سے مکہ والے قوت کے باوجود بھاگ گئے:

۱۵۱: سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ وَبِئْسَ

مثوی الظٰلمین۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (ہم عنقریب کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے)

قراءت: الرُّعُبَ کو شامی اور علی نے الرُّعْبَ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دل میں احد کے دن رعب ڈال دیا وہ باوجود قوت و غلبہ کے بلا وجہ مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ (اس سبب سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں) یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈالے جانے کا باعث ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا (جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری) یعنی آلہہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ انکی معبودیت کی کوئی دلیل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ نہ کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اتاری گئی جیسا کہ شاعر کے اس قول میں۔

ولا تری الضب بها ینجحر ای لیس بها ضب ینجحر و لم یعن ان بها ضبا ولا ینجحر

اس کا معنی یہ ہے کہ وہاں گوہ نہیں کہ بل جائے یہ مطلب نہیں کہ گوہ تو ہے مگر بل نہیں جاتی۔

وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ (ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت برا ہے) (ضمیر کی بجائے ظالمین کو صراحتاً ذکر کر کے اس پر سخت نارافگی اور درشتی کو ظاہر کر دیا اور دوزخی ہونے کی علت بھی واضح ہوگئی)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے پورا کر دکھایا تم سے اپنا وعدہ جبکہ تم ان کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ اللہ نے دکھا دی تم کو وہ چیز جسے تم محبوب

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

پھر اللہ نے تم کو ان کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا، اور اللہ مومنین پر بڑا

عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

فضل والا ہے۔ جب تم اوپر چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي

تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے، سو اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

جو تم سے فوت ہو گئی اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ گئی، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ۔

شانِ نزول: جب رسول اللہ ﷺ احد سے مدینہ منورہ اپنے صحابہ کے ساتھ لوٹے تو بعض اصحاب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم سے وعدۂ فتح و نصرت کیا تھا پھر یہ تکلیف کہاں سے آگئی۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۵۲: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ (اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم سے پورا کر دیا) اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ (جب کہ تم ان کافروں کو بے دریغ قتل کر رہے تھے) ابن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حس کا معنی قتل کر کے حس کو باطل کرنا۔ بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم اور علم سے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ

اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا یعنی اونگھ کی صورت میں جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی۔ اور ایک جماعت

قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ

ایسی تھی جن کو اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی، یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے۔ یوں کہہ رہے تھے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ

کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔ یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپاتے

مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ

ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

آپ فرما دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل کر چلے جاتے،

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور یہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ جاننے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ إِنَّمَا

باتوں کو جو سینوں والی ہیں۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں، اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ إِنَّ اللّٰهَ

کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے۔ اور اللہ نے تحقیق ان کو معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۵۵

بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔

مومنوں پر اونگھ کا نزول:

۱۵۴: ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر غم کے بعد چین اتارا اور ان سے اس خوف کو دور کیا جو ان پر طاری تھا یہاں تک کہ ان کو اونگھ آ گئی اور نیند کا ان پر غلبہ ہوا)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان میں ہمیں اونگھ نے ڈھانپ لیا۔ ہمارے ہاتھوں سے تلواریں گر گر جاتی تھیں پھر ان کو اٹھاتے تھے۔ امنۃ کا معنی امن۔

نحو: نعاساً یہ امنۃ سے بدل ہے۔ وہ مفعول ہے اور امنۃً نعاس سے حال ہے جو نکرہ ہونے کی وجہ سے پہلے لایا گیا جیسا رأیت راکباً رجلاً۔ یا امنۃ مفعول لہ یا کم ضمیر سے حال ہے جس کا معنی ذوی امنۃ ہے۔ یہ آمن کی جمع ہے جس طرح بار کی جمع بررۃ۔

یَغْشٰی (جو گروہ پر چھا گئی) یعنی اونگھ یعنی الامنۃ

قراءت: حمزہ و علی نے تغشٰی کو تا کے ساتھ امالہ سے پڑھا۔

مومن و منافق کے طرز عمل میں فرق:

طَآئِفَةً مِّنْكُمْ تم میں سے ایک جماعت وہ یہ گروہ اہل صدق و یقین کا تھا۔ وَطَآئِفَةٌ (اور ایک گروہ) یہ منافقین کا گروہ تھا۔ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (جن کے نفوس ان کو اہم تر معلوم ہوئے) یعنی جن کو سوائے اپنی جانوں اور ان کے چھٹکارے کے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ انکا مقصد نہ تو دین تھا اور نہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور نہ مسلمان جن پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں تھیں۔ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ (وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط گمان رکھتے تھے) یظنون مصدر کے حکم میں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچے گمان کے علاوہ اور گمان کرتے تھے حالانکہ ان کو یہ گمان کرنا چاہیے تھا وہ تھا کہ ان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی مدد کرے گا۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (جاہلیت والا گمان) مراد اس سے ملت جاہلیت کا گمان۔ وہ گمان جو ملت جاہلیت کے ساتھ خاص ہے مقصد یہ ہے کہ ایسا گمان مشرک ہی دل میں رکھ سکتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ (وہ کہتے ہیں کیا ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے) اے مسلمانو! کیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے امر یعنی نصرت اور دشمن پر غلبہ سے کچھ حصہ ملے گا۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ (کہہ دیجئے بیشک امر) یعنی مدد و غلبہ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (تمام اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) اور اس کے مومن اولیاء کیلئے جیسا کہ اس آیت وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔ (صافات ۱۷۳)

نحو: کلّہ یہ امر کی تاکید ہے اور للہ یہ اِنّ کی خبر ہے کلہ مبتدا اور للہ خبر اور جملہ اِنّ کی خبر ہے۔

قراءت: بصری قراء نے کلُّہ پڑھا جبکہ بقیہ نے کلَّہ پڑھا ہے۔

یُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ (وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا

اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا جب

ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا

وہ زمین میں سفر کرنے نکلیں یا غزوہ میں جائیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت کا سبب بنا دے اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ

اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ لوگ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے تو

لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۞

ضرور اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

نسبت شیطان کی طرف کرنے کے لطف و قرب میں اضافہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ تھا کسبوا (اپنا کیا) قرار دے کر نصیحت و تادیب کر دی۔

احد کے دن حضرت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تیرہ کے سوا سب منتشر ہو گئے۔ ثابت قدم رہنے والوں میں سے پانچ مہاجرین ابوبکر، علی، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص تھے اور باقی انصار میں سے تھے۔ (دیگر مفسرین نے اور نام بھی ذکر کیے ہیں) وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر چکا) اور ان سے درگزر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (بیشک اللہ گناہوں کو بخشنے والے) حَلِيْمٌ (صاحب حلم ہیں) کہ سزا میں جلدی نہیں کرتے۔

حسرتناک قول کی ممانعت:

۱۵۶: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (اے ایمان والو تم کافروں کی طرح نہ ہو) جیسے عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں نے کہا۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ (اور

اپنے بھائیوں کو کہنے لگے (یعنی اپنے نسبی بھائیوں کے حق میں کہنے لگے یا نفاق میں جو ان کے ہم پیالہ ہیں۔ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ (جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں) یعنی تجارت وغیرہ کیلئے سفر پر جاتے ہیں۔ اَوْ کَانُوْا غُزًّی (یا وہ غزوہ میں جاتے ہیں) غزّی جمع غاز جیسے کہ عاف کی جمع عفّی آتی ہے۔ یعنی وہ کسی غزوہ میں قتل ہو جاتے ہیں یا سفر کے دوران ان کو موت آ جاتی ہے۔ لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ (اگر یہ ہمارے ہاں رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے تاکہ کردے اللہ تعالیٰ اس بات کو حسرت کا باعث ان کے دلوں میں)۔

لام کا تعلق لا تکونوا یا قالوا سے:

تفسیر اول لام کا تعلق لَا تَکُوْنُوْا سے ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لَا تَکُوْنُوْا کَهٰؤُلَاءِ فی النطق بذلك القول و اعتقادہ لیجعل اللّٰه ذلك حسرة فی قلوبهم خاصة و یصون منها قلوبکم۔ تم یہ بات کہنے اور اس پر اعتقاد رکھنے میں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ یہ بات اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں خاص طور پر حسرت کا باعث بنا دے اور تمہارے دلوں کو محفوظ کرے۔

دوسری تفسیر: لام کا تعلق قالوا سے ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ قالوا ذلك واعتقدوہ لیکون ذلك حسرة فی قلوبهم یعنی انہوں نے یہ کہا اور دلوں میں اس کا اعتقاد کیا تاکہ نتیجۃً یہ بات ان کے دل میں حسرت کا باعث ہو۔ الحسرة کسی پسندیدہ چیز کے فوت ہونے پر شرمندگی کو کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے) اس میں انکی اس بات کا رد کیا گیا کہ جنگ وقت مقررہ کو کاٹ دیتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ امر تمام اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہے۔ کبھی وہ مسافر و مقاتل کو زندہ رکھتا ہے اور بیٹھنے والے مقیم کو موت دے دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں) پس وہ تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دیں گے۔

قراءت: مکی حمزہ و علی قراء نے یَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے۔ مراد وہ کافر جو کرتے ہیں ان کو دیکھتے ہیں۔

یہ مغفرت و رحمت لاکھوں زندگیوں سے بہتر ہے:

۱۵۷: وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔ (اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مر جاؤ)۔

قراءت: کوفی قراء نافع حمزہ و کسائی نے مِتُّمْ بیشتر باب سمع سے پڑھا ہے مگر عاصم نے اس طرح نہیں پڑھا: حفص نے اس سورت کے علاوہ دیگر مقامات پر کسرہ سے پڑھا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو فعلتم کے ساتھ ملایا ہے۔ باقی تمام قراء نے میم کے ضمہ سے مُتُّمْ باب نصر سے تمام قرآن مجید میں پڑھا ہے اس کی نظیر مات یموت اور دام یدوم ہے۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت بہت بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں) مَا یہاں الذی کے معنی میں ہے اور ضمیر محذوف ہے۔ حفص نے یَجْمَعُوْنَ پڑھا نافع، ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم، حمزہ، کسائی نے تَجْمَعُوْنَ پڑھا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا

منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ کیجئے پھر جب

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے۔ بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔

جس کو مقصود ملا اُس کو زاد کی ضرورت نہیں:

۱۵۸: وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا حشر ہوگا) یعنی وسیع رحمت، عظیم ثواب دینے والی ذات کی طرف تمہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

لطیف نکتہ:

یہاں: اسم باری تعالیٰ لایا گیا اور اس سے قبل آنے والے حرف پر لام تاکید کو داخل کر کے ایک عجیب شان کلام میں پیدا کر دی جو دلیل سے بے نیاز ہے۔ یعنی خواہ موت کسی طریق سے ہو اللہ کی طرف تمہارا حشر ضرور ہونا ہے کسی دوسرے کے پاس جانا نہ ہوگا۔ اس لئے تا بحد امکان اس کا قرب حاصل کرلو تا کہ کل قید فرقت سے چھوٹ کر اس محبوب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ۔

جس طرح لمغفرۃ اوپر والی آیت میں قسم کے جواب کے طور پر واقع ہے۔ اور جواب شرط کی جگہ استعمال ہوا ہے اسی طرح لا الی اللہ تحشرون۔ جواب شرط کے قائم مقام ہے اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اولاً کفار کے اس گمان کا جواب دیا کہ جو شخص سفر کرے یا غزوہ میں ہمارے بھائیوں میں سے شریک ہو اگر وہ مدینہ میں رہا کش پذیر رہتا تو اس کو موت نہ آتی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے گمان سے منع کیا کیونکہ یہ چیز جہاد میں شرکت سے رکاوٹ ہے۔ پھر فرمایا اگر ہلاکت یا موت اسی طرح واقع ہو جائے یا تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ تو اس سے ایسی مغفرت و رحمت میسر ہوگی جو اس دنیا سے لاکھ درجہ بہتر ہے جو تم جمع کر رہے ہو۔ کیونکہ دنیا تو آخرت کیلئے زاد راہ لینے کی جگہ ہے۔ جب بندے نے مقصود پا لیا تو زادِ راہ کی ضرورت نہ رہی۔

رحمت و شفقت دونوں جمع کر دیں:

۱۵۹: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت کی وجہ سے آپ مومنوں پر نرم دل ہوئے)۔ فَبِمَا تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔ یہ زائدہ ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مومنوں پر آپ کی

نرمی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہے۔ اور رحمت کا یہاں مطلب آپ کے جوش پر کنٹرول اور نرمی کی توفیق دینا اور ان کے ساتھ مہربانی والا سلوک کرنا ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ (اگر تم تند خو سخت دل ہوتے) لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (تو وہ منتشر ہو جاتے آپ کے گرد سے) اور ایک بھی باقی نہ رہتا فَاعْفُ عَنْهُمْ (آپ ان کو معاف کر دیں) جو آپ کی طرف سے آپ کے حق میں احد کے دن ہوا۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (اور ان کے لئے استغفار کریں) اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ خاص ہے۔ انکے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں تاکہ تکمیل شفقت ہو جائے۔

اہمیت مشورہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور لڑائی وغیرہ معاملات جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو ان سے مشورہ لیں) تاکہ ان کے دل خوش ہو جائیں اور نفوس کو راحت میسر ہو۔ اور ان کی قدر و عظمت بڑھ جائے اور امت کیلئے مشورہ کا ایک دستور مقرر ہو۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: ما تشاور قوم قط الا هُدُوا لأرشد أمرهم جن لوگوں نے مشورہ کیا انہوں نے اپنے معاملہ میں ٹھیک راہ پائی۔
(تفسیر طبری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشورہ کرنے والے لوگ کہیں نہیں دیکھے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصل میں یہ روایت اس طرح ہے کہ میں نے کسی کو اتنا مشورہ کرنے والا نہ دیکھا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے کرتے تھے۔

شاورت فلانا کا مطلب یہ ہے۔ میں نے پیش کیا اور اسکے پاس جو رائے تھی وہ ظاہر کروائی شرت الدابۃ میں نے جانور کو دوڑایا۔ شرت العسل میں نے شہد کو چھتے سے حاصل کیا۔

جوازِ اجتہاد:

مسئلہ: اس آیت میں اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا اور قیاس کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ (جب تم پختہ ارادہ کر لو) یعنی مشورے کے بعد قطعی رائے قائم کر لو۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے) اس سے مزید وہ واضح بات پر عمل کرنے میں جو طے ہو جائے نہ کہ مشورہ پر۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ذات پر توکل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ التوکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا اور معاملے کو اس کے سپرد کرنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے تھے۔ توکل ارباب نے علم کی اور اسباب سے قطع تعلقی کو کہا جاتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کھلی گمراہی میں تھے۔

ثواب وعذاب میں تفاوت ہے:

۱۶۳۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ (ان کے درجات ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں) ان میں تفاوت وفرق ہے جیسے درجات میں ہوتا ہے۔ یہ درجات والے ہیں مطلب یہ ہے کہ ثواب پانے والوں اور سزا پانے والوں کے درجات میں فرق ہے یعنی ثواب وعذاب میں تفاوت وفرق ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ان کو دیکھنے والے ہیں) ان کے احوال ودرجات سے واقف ہے پس انکی اعمال کے حساب سے بدلہ دے گا۔

تصدیق کے لئے آسانی کردی:

۱۶۴۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا) یعنی ان مومنوں پر جو آپ کی قوم میں سے آپ پر ایمان لائے ان میں سے ایمان والوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کی بعثت سے فائدہ انہی کو پہنچا۔ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (جب کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا)۔ یعنی انکی جنس میں سے ہیں انکی طرح عربی ہیں یا ان کا دادا عرب میں سے یہ تخصیص کر دی جیسا کہ وہ اولاد اسماعیل میں سے ہیں اور اس میں احسان یہ ہے کہ جب وہ ان میں سے ہیں تو زبان ایک ہوگی۔ پس جو چیزیں ان پر لازم ہیں ان کا سمجھنا آسان ہوجائے گا اور وہ سچائی و امانت کے حالات میں آپ کی ذات سے بخوبی واقف تھے یہ بات ان کو تصدیق کے سلسلہ میں نزدیک تر کردے گی اور ان کے لئے ان میں سے ہونا باعث شرف بن جائے گا۔

ایک قراءت میں مِنْ اَنْفَسِهِمْ یعنی من اشرفهم ان میں سب سے زیادہ شرف والے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھتا ہے) یعنی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اس کے بعد کہ وہ جاہل لوگ تھے ان کے کانوں میں کبھی کوئی بات نہ پڑی تھی۔ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (کتاب وحکمت سے مراد قرآن وسنت ہے) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ (بیشک وہ اس سے پہلے) یعنی بعثت رسول ﷺ سے پہلے لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (کھلی گمراہی میں تھے)

لڑائی ہوتا سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ (گویا یہ تمسخر تھا) مقصد یہ ہے کہ وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جس کام میں تم ہو وہ غلطی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں اس کو جنگ کہنا ہم سے نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ (وہ منافق جتنے ایمان کے قریب تھے اس دن اس سے زیادہ کفر کے قریب تھے) یعنی اس سے پہلے جو وہ ایمان کو ظاہر کر رہے تھے اور جو علامات ان سے ظاہر ہوتی تھیں وہ کفر کا اعلان کر رہی تھیں۔ جب منافقین نے مسلمانوں کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی اور جو عذر پیش کیا تو اس طرح وہ اس ایمان سے بھی دور ہو گئے جو بقول ان کے ایمان تھا۔ اور کفر سے قریب تر ہو گئے۔ یا بنسبت اہل ایمان کے کافروں کی مدد زیادہ قریب ہے کیونکہ مسلمانوں سے ان کا علیحدگی اختیار کرنا اور مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنا یہ اہل شرک کی کھلی تقویت ہے۔

قول و فعل میں تضاد:

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں) یعنی منہ سے اسلام کو ظاہر کرتے اور دلوں میں کفر چھپائے ہوئے ہیں۔ اس آیت میں افواہ کی قید تاکید کیلئے ہے کیونکہ قول تو پہلے ہی منہ سے ہی ہوتا ہے۔ اور مجاز کی نفی کر دی۔ کہ ان کا قول باطن سے واقف نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ (اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں) یعنی منافقت۔

ابن ابی کا مقولہ:

۱۶۸: اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
(وہ جنہوں نے کہا) مراد عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ہے۔ لِاِخْوَانِهِمْ (اپنے نسبی بھائیوں کے متعلق) مراد احد کے دن قبائل انصار میں قتل ہو جانے والے وَقَعَدُوْا (اور وہ بیٹھ رہے) یعنی یہ کہہ کر اور خود قتال سے بیٹھ رہے۔ لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (اگر وہ ہماری بات مانتے تو یہ قتل نہ ہوتے) یعنی اگر ہمارے یہ بھائی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر لوٹنے میں ہماری بات مان لیتے اور گھر میں بیٹھے رہتے تو وہ اسی طرح قتل سے بچ جاتے جیسے ہم۔

تین تراکیب نحویہ:

نحو: نمبر۱۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یا یکتمون کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ نمبر۲۔ ذمّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے اَلَّذِيْنَ نَافَقُوْا کا بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے نمبر۳۔ افواھھم کی ضمیر سے بدل یا قلوبھم کی ضمیر سے بدل کی بناء پر مجرور ہے۔

اپنے کو موت سے بچا کر دکھاؤ:

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (کہہ دیں اپنے نفسوں سے موت کو دور کرو اگر تم سچے ہو) اگر تقدیر سے بچنا فائدہ دے سکتا ہے تو موت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور ہرگز گمان مت کرو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

رزق دیے جاتے ہیں وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور وہ خوش ہو رہے ہیں

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں ان پر اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا

رنجیدہ ہوں گے وہ خوش ہو رہے ہیں وجہ نعمت اللہ اور فضل کے اور اس بات سے کہ اللہ

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

ضائع نہیں فرماتا اہل ایمان کے اجر کو۔

دوسری تفسیر یہ ہے اگر تم اس بارے میں سچے ہو کہ قتل سے بچنے کی تدبیر تمہارے پاس موجود ہے اور وہ قتال سے بچ کر گھر میں بیٹھنا ہے تو پھر موت کو دور کرنے کی راہ بھی ڈھونڈو۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس دن منافقین نے یہ افواہ اڑائی اس دن ان میں سے ستر آدمی مر گئے۔

شہداء کا پہلا انعام (بدلہ):

۱۶۹: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ (ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں)

شانِ نزول: احد کے مقتولین کے بارے میں یہ آیات اتریں۔

قراءت: لَا تَحْسَبَنَّ سین کے فتحہ سے شامی، حمزہ اور عاصم نے پڑھا۔ دوسرے قراء نے لَا تَحْسِبَنَّ کسرۂ سین سے پڑھا ہے۔ قُتِلُوا کو شامی نے قُتِّلُوا پڑھا ہے۔

شہدائے اُحد کا تذکرہ:

لَا تَحْسَبَنَّ کا خطاب خاص رسول اللہ ﷺ کو یا ہر مسلمان کو ہے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ یعنی بل هم احياء بلکہ وہ زندہ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے ہاں مقرب ہیں اور مرتبہ والے ہیں۔ يُرْزَقُونَ (ان کو رزق دیا جاتا ہے) جس طرح تمام زندہ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ان میں سے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا۔ آخرت میں بہت بڑا اجر ہے)

نحو: مِنْهُمْ میں مِنْ تبیین کیلئے ہے۔ جیسا اس ارشاد میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (الفتح ۲۹) مِنْ کے بیانیہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی بات پر لبیک کہی۔ وہ تمام ہی تقویٰ اختیار کرنے والے تھے نہ کہ بعض۔

غزوۂ السویق کا تذکرہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانثاری:

۱۷۳: الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (وہ جنہیں لوگوں نے کہا) یہ الذین سے پہلے والے سے بدل ہے۔ جبکہ ان کا شان نزول ایک ہی قرار دیا جائے۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ (بیشک لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں) روایات میں ہے کہ ابوسفیان نے احد سے واپسی پر پکارا اے محمد (ﷺ) آئندہ تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ جب اگلے سال ابوسفیان اہل مکہ کے ساتھ نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس نے واپس لوٹنا مناسب خیال کیا چنانچہ اسی دوران نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو عمرہ سے واپس لوٹ رہا تھا۔ اس نے کہا اے نعیم میں نے محمد ﷺ سے مقام بدر میں ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا میرا ارادہ بن رہا ہے کہ میں اس سے بچوں۔ پس تم مدینہ جا کر ان کو روکو۔ اور اس پر دس اونٹ تمہیں دیے جائیں گے۔ نعیم وہاں سے ہٹ کر مدینہ اس وقت پہنچا جب مسلمان بدر جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس نے کہا تم نکل کر جانا چاہتے ہو جبکہ وہاں لوگوں کا بڑا مجمع تمہارے لئے اکٹھا ہے اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بچ کر نہ آسکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ضرور بضرور نکل کر جاؤں گا۔ خواہ میرے ساتھ کوئی بھی نکل کر نہ جائے۔ آپ ستر مجاہدین کے دستے کے ساتھ نکل کر روانہ ہوئے ان کا قول یہ تھا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے) بدر میں پہنچ کر آٹھ راتیں قیام کیا۔ وہاں تجارتی قافلہ پایا۔ جس کے ساتھ خرید و فروخت کی اور اللہ تعالیٰ نے نفع عنایت فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف سلامتی اور غنیمت کے ساتھ لوٹے۔ اہل مکہ نے اپنے اس لشکر کو جیش السویق کا لقب دیا اور کہا تم تو ستو کھانے نکلے تھے۔

النَّاسُ جو پہلی مرتبہ واقع ہوا اس سے مراد نعیم ہے جمع بول کر واحد مراد لی گئی۔ یا اس کے ساتھ اور لوگ بھی تھے جو افواہ پھیلانے میں اس کے شریک حال تھے۔ اس لیے جمع لائے۔ دوسرا النَّاسُ اس سے مراد ابوسفیان اور اسکے ساتھی ہیں۔ فَاخْشَوْهُمْ (تم ان سے ڈرو) فَزَادَهُمْ (پس اس بات نے بڑھا دیا) وہ بات اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ تھی۔

یا نعیم نے بڑھا دیا اِيْمَانًا یعنی ان کی بصیرت کو بڑھا دیا۔ اور یقین زیادہ کر دیا۔ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ (اور انہوں نے کہا اے اللہ تو ہمارے لئے کافی ہے) یعنی جو ہمارے لئے کافی ہے وہ اللہ ہی ہے کہتے ہیں احسبه الشيء جب اسکے لئے کافی ہو

جائے۔ یہ محسب کے معنی میں ہے جیسا کہتے ہیں ھذا رجل حسبک اب حسبک کو رجل نکرہ کی صفت بنایا گیا ہے۔ اور اس کی اضافت ضمیر کی طرف غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (اور وہ خوب کارساز ہے) وکیل بمعنی موکول الیہ ہے۔

بدر سے بسلامت واپسی:

۱۷۴: فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَّاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ۔ (پس وہ اللہ تعالیٰ کے انعام کے ساتھ لوٹے) یعنی سلامتی اور دشمن پر رعب کے ساتھ لوٹے وَفَضْلٍ (اور فضل کے ساتھ)۔ فضل سے مراد تجارت سے مال جو ان کو نفع ہوا۔ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ (ان کو کوئی تکلیف دشمن کی مکاریوں سے نہ پہنچی)۔

نحو: یہ انقلبوا کی ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح بنعمة بھی ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے فرجعوا من بدر منعمين بريئين من سوء۔ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی اتباع کی)۔ جرأت کے ساتھ اور افواہوں کے باوجود دشمن کے سامنے نکل کر۔ اس کا انقلبوا پر عطف ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) کہ اپنے فضل سے توفیق ان کے شامل حال کر دی۔

منافقین شیطان کے دوست ہیں:

۱۷۵: اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (بےشک یہ شیطان ہے)

نحو: ذٰلِكُمْ مبتدا اور الشَّيْطٰنُ اس کی خبر ہے۔ الشَّيْطٰنُ سے مراد نعیم ہے۔ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ (وہ اپنے دوستوں کو ڈرا رہا ہے) مراد منافقین ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور انما کا بیان ہے۔ یا الشَّيْطٰنُ اسم اشارہ کی صفت ہے۔ اور يُخَوِّفُ اس کی خبر ہے۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ (تم ان سے مت ڈرو) یعنی اس کے دوستوں سے وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مومن ہو) کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ خوف الٰہی کو ہر خوف پر ترجیح دے۔

قراءت: سہل و یعقوب نے وصل و وقف دونوں میں وَخَافُوْنِيْ پڑھا اور ابو عمرو نے صرف وصل میں اس طرح پڑھا۔

ارادۂ کفر پر ثواب سے محرومی:

یہ آیت ارادۂ کفر و معاصی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ ان کو آخرت میں ثواب نہ ملے اور یہ ان کے کفر و معاصی کے ارادہ کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۷۷: اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلے میں خرید کیا) اشْتَرَوُا کا معنی کسی بدلے میں لینا ہے۔ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا (وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے)

نحو: شَیْئًا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی شیئًا من الضرر۔ پہلی آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو پیچھے رہنے والوں میں سے منافق تھے یا اسلام سے مرتد ہو گئے اور دوسری آیت تمام کفار کے متعلق یا اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی کفار کے متعلق اور دوسری منافقین کے متعلق ہو۔ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

۱۷۸: وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَہُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِہِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَہُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ (اور ہرگز گمان نہ کریں)

اختلافِ نحو:

قراءت: یہ لَا یَحْسَبَنَّ اور جو اس کے بعد والے ہیں ان میں یا مضموم ہے اور یحسبن یا کے ساتھ پڑھا مکی اور ابوعمرو نے اور تمام مقامات پر حمزہ نے تا سے پڑھا۔ اور مدنی اور شامی نے تمام مقامات پر یا کے ساتھ سوائے آل عمران کی آیت ۱۸۸ میں فلا تحسبنّہم یہ تا کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے پہلے دو یا کے ساتھ اور آخری دو تا کے ساتھ پڑھے ہیں۔

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کو فر جنہوں نے یا سے پڑھا انہوں نے اس کو مرفوع قرار دیا ای لا یحسبن الکافرون اور اپنے اسم و خبر کے ساتھ یحسبن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ولا یحسبن الذین کفروا املاءنا خیراً لانفسہم۔ کافر ہرگز گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے اَنَّمَا کا ما مصدریہ ہے۔ اصول خط کے مطابق اس کو الگ اَنَّ ما لکھا جانا چاہیے تھا لیکن مصحف عثمانی میں متصل لکھا گیا اسی لئے اس کی اتباع میں متصل لکھا جاتا ہے۔

جنہوں نے تا سے پڑھا لا تحسبن انہوں نے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کو منصوب قرار دیا۔ ای لا تحسبن الکافرین اور اَنَّمَا نُمْلِیْ یہ کافرین سے بدل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ولا تحسبن انما نملی للکافرین خیر لہم اور یہ مع ما کے ساتھ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ الاملاء کا معنی امہال اور عمر کو طویل کر دینا ہے۔

جملہ مستانفہ ماقبل کی علت ہے:

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَہُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (یقیناً ہمارا مہلت دینا اس لئے ہے تاکہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں) یہ ما اس بات کا حقدار ہے کہ متصل لکھا جائے کیونکہ یہ ما کافہ ہے۔ نہ کہ اول اور یہ جملہ مستانفہ پہلے جملے کی علت ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ ما بالہم لا یحسبون الاملاء خیراً لہم ان کو کیا ہو گیا کہ وہ مہلت کو بہتر خیال نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ ہم ان کو مہلت اس

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

اللہ مومنین کو اس حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے

مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ

جدا نہ فرما دے۔ اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرما لیتا ہے

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان پر قائم رہو اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ثواب عظیم ہے۔

لئے رہے ہیں تاکہ گناہوں میں وہ ترقی کریں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (اور ان کے لئے ذلت والا عذاب ہے)

۱۷۹: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

لِيَذَرَ کی لام تاکید کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز مومنوں کو اس حالت پر جس میں تم اس وقت ہو کہ مخلص و منافق ملے جلے ہیں چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے) یعنی یہاں تک کہ منافق مخلص سے الگ ہو جائے۔

نحو و قراءت:

يُمَيِّزَ حمزہ اور علی نے پڑھا۔ انتم کا خطاب تصدیق کرنے والے مخلص و منافق ہر دو کو ہے۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہے۔ ما كان الله ليذر المخلصين منكم على الحال التي انتم عليها من اختلاط بعضكم ببعض حتى يميزهم منكم بالوحي الى نبيه و اخباره باحوالكم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو اس حالت پر چھوڑنے والے نہیں کہ جس میں تم اب ہو کہ ملے جلے رہتے ہو۔ یہاں تک کہ وہ منافقین کو تم سے اپنے پیغمبر کو بذریعہ وحی اطلاع کر کے ایسے واقعات رونما کر کے جس سے مخلص و غیر مخلص جدا ہو جائیں۔ (وحی کی مثال يحذر المنافقون ان تنزل عليهم سورة اور واقعات کی مثال غزوۂ احد ہے۔)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا) یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی ایک کو غیب کا علم دینے والے نہیں ہیں کہ تمہیں دلوں کی خبروں سے واقف کر دیں جن سے تمہیں علم ہونا چاہیے جو خبریں وہ بعض لوگوں کے اخلاص اور دوسروں کے نفاق کے متعلق رکھتے ہیں۔ وہ دلوں کی ان باتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے سے رکھتے ہیں یعنی وہ دلوں کا کفر و ایمان اس طریق سے بتلاتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو خدا نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا

خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

ان کے لئے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لئے برا ہے۔ جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق

الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

پہنایا جائے گا۔ اور خدا کے لئے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے۔ اور خدا ان کاموں کی خبر رکھتا ہے جو

خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

تم کرتے ہو

رسولوں کو کسی کے دل کے نفاق و اخلاص کی خبر وحی سے ہوتی ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتے ہیں چن لیتے ہیں) یعنی لیکن اللہ تعالیٰ رسول بھیج کر ان کی طرف وحی کر کے خبر دیتے ہیں کہ غیب میں یہ بات اس طرح ہے اور فلاں کے دل میں نفاق اور فلاں کے دل میں اخلاص ہے پس وہ اس خبر کو اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے جان لیتا ہے نہ کہ اپنے ذرائع سے۔

تردید فرقہ باطنیہ:

اس آیت میں باطنی فرقہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ اپنے امام کے بارے میں علم غیب ثابت کرتے ہیں اگرچہ اپنے امام کے بارے میں نبوت کو تو ثابت نہیں کیا مگر نص صریح کی مخالفت کی کہ غیر رسول کیلئے غیب کی باتوں کی اطلاع ثابت کردی اور اگر وہ اپنے امام کیلئے نبوت کے قائل ہوں تو پھر دوسری نص اور خاتم النبیین (الاحزاب۔۴۰) کے مخالف ٹھہرتے ہیں۔

(مگر افسوس کہ فرقہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ اور بہت سے قبر پرست اہل بدعت نے ائمہ اطہار اور اپنے پیروں تک کیلئے علم غیب کو ثابت کیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا مترجم) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ) وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا (اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو) یعنی نفاق سے بچو فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے) قیامت کے دن۔

منکرین زکوٰۃ کا انجام:

۱۸۰: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ

بلاشبہ اللہ نے سن لی ان لوگوں کی بات جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ

ہم لکھ لیں گے اس بات کو جو انہوں نے کہی اور ان کے قتل کرنے کو انبیاء کو ناحق اور ہم کہیں گے

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

کہ چکھو جلنے کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ

لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا

بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم

نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ

کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے آپ فرما دیجئے کہ تحقیق آ چکے ہیں تمہارے پاس

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ

رسول مجھ سے پہلے کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ چیز لے کر بھی جو تم نے کہی سو تم نے کیوں قتل کیا ان کو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ

تم سچے ہو۔ سو اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات لے کر آئے

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾

اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لے کر۔

یہود کا بدترین جارحانہ قول:

۱۸۱: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں) یہ بات یہود نے کہی جبکہ یہ ارشاد ربانی ان کے کان میں پڑا۔ من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا (البقرہ: ۲۴۵) کہ کون اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے۔ یہود کہنے لگے محمد ﷺ کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے پس ہم تو غنی اور وہ فقیر ہے۔

لقد سمع کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انکی یہ بات مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے انکے لئے پوری سزا تیار کر رکھی ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا (عنقریب انکی بات ہم لکھ لیں گے) یعنی کراما کاتبین کو ان کے اس قول کے متعلق حکم دیں گے کہ وہ صحائف اعمال میں درج کر لیں یا ہم اس کو محفوظ کر لیں کیونکہ مخلوق کی طرف سے کتابت تحفظ کیلئے ہوتی ہے تو مجازاً سنکتب تعبیر کیا گیا۔ ما مصدریہ یا بمعنی الذی ہے۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (اور انکا انبیاء کو قتل ناحق کرنا) اس کا ما پر عطف ہے۔ انبیاء ہٰؤلاء کے قتل کو اس کا قرینہ قرار دیا۔ یہ بتلانے کیلئے کہ یہ دونوں گناہ برائی میں ہم پلہ ہیں۔ اور جو شخص قتل انبیاء کی جرأت کرسکتا ہے۔ اس سے اس قسم کی باتیں بعید نہیں وَنَقُوْلُ اور ہم ان کو کہیں گے قیامت کے دن۔ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (تم جلنے کا عذاب چکھو) یعنی آگ کا عذاب جیسا تم نے مسلمانوں کو تکالیف پہنچائیں۔ ضحاک کہتے ہیں جہنم کے فرشتے ان کو یہ بات کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی گئی کہ یہ انکے حکم سے ہے۔

قراءت: حمزہ نے وقتلُهم لام کے ضمہ اور سنکتب کو سَيُكْتَبُ پڑھا ہے۔

ید کی اضافت آلہ عمل کی وجہ سے:

۱۸۲: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ (یہ ان اعمال کے سبب سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے) ذٰلِكَ اس سے انکی وہ سزا جو ذکر ہوچکی اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ عذاب ان اعمال کفریہ اور معاصی کے بدلے میں ہے جو تم نے آگے بھیجے ہیں۔ اور ید کی طرف اضافت اعمال کی اس لئے کی کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں اور تعجب کے طور پر تمام اعمال کو واقع شدہ کر کے ید کی طرف نسبت کر دی اور اس لئے بھی کہ کسی چیز کے حکم دینے والے کو فاعل کہا جاتا ہے پس ہاتھوں کو تذکرہ وجہ ثبوت کیلئے ہے یعنی اس نے یہ کام بذات خود کیا کسی نے کرنے کا اس کو حکم نہ دیا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ (اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والے نہیں) بلا جرم کے ان کو سزا نہیں دیتے۔

۱۸۳: اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا (وہ لوگ جنہوں نے کہا)

نحو: یہ پہلے اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا سے بدل ہو کر مجرور ہے یا اعنی فعل سے منصوب بھی ہوسکتا ہے اور ھم کو مضمر مان کر مرفوع ہوگا۔

یہود کا باطل دعویٰ:

اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ (اللہ تعالیٰ نے تورات میں ہمیں حکم دیا) اور وصیت کی۔ اَلَّا نُؤْمِنَ کہ ہم ایمان نہ لائیں لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ (کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ پیش کرے ایسی قربانی جس کو آگ کھا جائے) یعنی وہ قربانی پیش کرے اور آسمان سے آگ اتر کر اس کو جلا ڈالے۔ پس اے محمد ﷺ اگر تم یہ معجزہ پیش کر دو تو ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے۔

یہود کا یہ دعویٰ باطل اور اللہ تعالیٰ پر افترا ہے کیونکہ آگ کا قربانی کو جلا ڈالنا اس پیغمبر کا معجزہ ہے اور اس پر ایمان کا سبب ہے جس کو یہ معجزہ دیا گیا ہو۔ پس اس لحاظ سے اس قسم کی قربانی اور دیگر معجزات برابر ہوگئے۔

پر زور معجزات کے باوجود تم نے انبیاء (علیہم السلام) کو کیوں قتل کیا؟

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ (کہہ دیں تحقیق تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول معجزات لے کر آئے) جو قربانی کے علاوہ تھے وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ (اور وہ بھی لائے جو تم نے کہا) یعنی تمہارے اسلاف کے پاس جن کا اپنے کو تم پیروکار سمجھتے ہو۔ وہ معجزات بھی لائے اور ان کے علاوہ وہ بھی جو وہ پسند بھی کرتے تھے۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ (تم نے ان کو کیوں قتل کیا) اگر ان پیغمبروں پر ایمان سے تمہارے سامنے یہی رکاوٹ ہے۔ تو تم ان پر ایمان کیوں نہ لائے۔ ان کو کیوں قتل کیا۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم سچے ہو) اپنی اس بات میں اور ایمان اسی لئے موقوف رکھتے ہو۔

تسلیۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

۱۸۴: فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (پس اگر یہ آپ کو جھٹلا دیں پس جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے) اگر یہ یہود آپ کو جھٹلا دیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی۔ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ (جو کھلے اور بڑے معجزات لائے تھے) وَالزُّبُرِ (کتابیں) یہ زبور کی جمع ہے اور یہ الزَّبْر سے نکلا جس کا معنی لکھنا ہے۔

قراءت: شامی نے وبالزبر پڑھا۔ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (اور روشن کتابیں) اول قول یہ ہے کہ اصل کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں صرف اوصاف میں اختلاف کی وجہ سے الگ ذکر کیا۔

زبور: یعنی کتاب جس میں زجر ہو بلا احکام ہوں۔ اور کتاب منیر یعنی کتاب جو مکمل راہنمائی کا کام دے۔

شیطان اصل میں دھوکہ میں پھانسنے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حکم اس کیلئے ہے جس نے دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ وہ آدمی جس نے دنیا کے ذریعہ آخرت کو طلب کیا، وہ اس کے لئے مقصود تک پہنچانے والا سامان ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا نباتات کی سبزی اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کچھ حاصل نہیں۔

شدائد سہنے کے عادی بنو:

۱۸۶: لَتُبْلَوُنَّ فِىٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ لَتُبْلَوُنَّ (ضرور اللہ کی قسم تمہاری آزمائش ہوگی) فِىٓ اَمْوَالِكُمْ (تمہارے اموال میں) ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کا حکم دے کر اور ان پر آفات کے ذریعہ وَاَنْفُسِكُمْ (اور تمہارے نفسوں میں) قتل، قید، زخم اور نفوس پر ہر قسم کے جو مصائب و مواقع خوف آتے رہتے ہیں۔

نفس جو آنکھوں سے نظر آئے:

آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نفس آنکھوں سے نظر آنے والا جسم ہے نہ وہ جس میں باطن کا معنی پایا جائے۔ جیسا کہ بعض اہل کلام اور فلاسفہ نے کہا (تحقیق شرح عقائد میں ہے) وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (اور ضرور تم سنو گے ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی) اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا (اور مشرکوں سے بہت سی دکھ کی باتیں) جیسا کہ دین میں طعن و تشنیع، ایمان قبول کرنے سے لوگوں کو رکاوٹ ڈالنا۔ اہل ایمان کو غلط قرار دینا وغیرہ۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا (اگر تم صبر کرو گے) انکی ایذاء پر اور وَتَتَّقُوْا (اور تقویٰ اختیار کرو گے) اللہ کے خوف سے۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ پس یہ صبر و تقویٰ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (عزیمت کے کاموں میں سے ہیں) یعنی یہ ایسے معاملات میں سے ہیں جن پر عزم و پختگی لازم ہے۔ ایمان والوں کو اس سے مخاطب کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے نفوس کو ان شدائد کے سہنے کا عادی بنائیں جو عنقریب پیش آئیں گے۔ اور ان پر صبر کریں۔ جب ایسے مواقع پیش آئیں تو پہلے سے وہ نفوس کو عادی بنانے والے ہوں تاکہ ان کو ایسی حالت نہ سامنے آئے جو اس آدمی کو آتی ہے جس پر اچانک مصیبت آئے اور اس کو دل سے نفرت کرے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے معاہدہ لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

اور اس کو نہ چھپاؤ گے۔ سو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت لے لی

قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا

سو برا ہے وہ جو خرید رہے ہیں۔ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں

وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ

اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف ایسی چیزوں پر کی جائے جو انہوں نے نہیں کیں سو آپ ہرگز ان کو خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے

الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

محفوظ ہوں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کتمانِ حق اور حق فروشی کی مذمت:

۱۸۷: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ وعدہ لیا جن کو کتاب دی گئی) یعنی اس وقت کو یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا۔ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (اس کو ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور مت چھپاؤ گے لوگوں سے) وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ تا کے ساتھ ان کے خطاب کی حکایت کے طور پر پڑھا۔ جیسا اس ارشاد میں: وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ [الاسراء: ۴] میں لَتُفْسِدُنَّ تا کے ساتھ ہے۔

قراءت: مکی نے یا کے ساتھ پڑھا اور ابو عمرو اور ابو بکر نے انکی موافقت کی۔ کیونکہ وہ غیب کا صیغہ ہے اور ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے اور اس سے تاکید ہے کہ کتاب کو بیان کرنا واجب اور اسکے کتمان سے بچنا لازم ہے۔ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (پس انہوں نے اس میثاق اور اس تاکید کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا) یعنی اس کی رعایت نہ کی اور نہ ہی اس کی طرف التفات کی۔ النبذ وراء الظهر پھینکنے اور تیاری کو چھوڑنے کی ایک مثال ہے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری:

اس میں دلیل ہے کہ علماء کے ذمہ ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ حق کو کھول کر بیان کریں، جس کو وہ جانتے ہیں۔ اور اس میں سے کوئی چیز نہ چھپائیں کسی فاسد غرض کی خاطر مثلاً ظالموں کیلئے آسانی پیدا کرنے یا ان کو خوش کرنے یا ان سے کوئی نفع اٹھانے یا کسی ایذاء کے دور کرنے کیلئے یا بخل پر عمل کرتے ہوئے حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوات والسلام۔ جس نے لوگوں سے علم چھپایا اللہ تعالیٰ اس کو آگ کی لگام پہنائیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (اور اسکے بدلے انہوں نے حقیر معاوضہ لیا) یعنی معمولی سامان دنیا۔ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (کیا بری ہے وہ چیز جو معاوضہ میں وہ لے رہے ہیں)

یہود مدلسین اور ریاکاروں کو تنبیہ:

۱۸۸: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ہرگز نہ خیال کریں آپ ان لوگوں کا جو اتراتے ہیں)

نحو: لَا تَحْسَبَنَّ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ ایک مفعول الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ کا جملہ ہے۔ اور دوسرا مفعول بِمَفَازَةٍ ہے۔ اور فلا تحسبنهم یہ اس کی تاکید ہے تقدیر عبارت یہ ہے لا تحسبنهم فائزین۔

بِمَآ اَتَوْا (اس پر جو انہوں نے کیا) یہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے اور جاء اور اتی بمعنی فعل آیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا (مریم: ۶۱)۔ لقد جئت شيئا فريا (مریم: ۲۷)۔ نحو: بیضاوی کی قراءت میں بما اتوا یعنی اعطوا ہے۔ وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ (اور وہ پسند کرتے ہیں کہ انکی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے پس ہرگز ان کو عذاب سے بچنے والے مت خیال کرو) مفازۃ کا معنی نجات پانے والے ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یہاں الیم بمعنی مولم ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے کسی ایسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا جو تورات میں مذکور تھی۔ انہوں نے حق کو چھپا کر آپ کو غلط خبر دی۔ اور ظاہر یہ کیا کہ انہوں نے سچ بولا ہے۔ اور آپ سے تعریف کے طالب ہوئے۔ اور اپنی تدلیس پر بڑے خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ اور ان کے لئے وعید ذکر کر کے آپ کو تسلی دی۔ مطلب یہ ہوا تم ہرگز یہود کو عذاب سے چھوٹنے والا مت خیال کرو۔ انکی اس تدلیس پر جو آپ سے انہوں نے کی اور پھر تعریف کے طالب ہوئے اس پر جو انہوں نے نہیں کیا تھا یعنی آپ کے سوال کا درست جواب دینا۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وہ منافقین تھے جو اس پر خوش تھے کہ انکو مسلمانوں کے سامنے صرف اظہار ایمان کی تکلیف کرنے والا ہے اور اس سے انکی اغراض بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے وہ سچے ایمان کی تعریف کروانا چاہتے ہیں جو حقیقت میں ان میں مفقود ہے۔

مسئلہ: اس میں ایسے لوگوں کیلئے وعید ہے جو کوئی نیکی کر کے پھر اتراتے پھرتے ہیں اور انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ انکی ایسے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝١٩٠ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى

نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے

جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا

ہوئے اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ اے ہمارے رب

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٩١ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ

آپ نے اس کو بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے رب بلاشبہ آپ جس کسی کو

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝١٩٢ رَبَّنَا إِنَّنَا

دوزخ میں داخل فرما دیں تو واقعی آپ نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے

سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کے لئے پکار رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝١٩٣

سو آپ مغفرت فرما دیجئے ہمارے گناہوں کی اور دور فرما دیجئے ہمارے گناہوں کو اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجئے۔

افعال سے تعریف کریں جو انہوں نے نہیں کیے۔

ملکیتِ عامہ سے یہود کی مذمت:

۱۸۹: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (آسمان و زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں) وہ ان کے معاملات کا اختیار رکھتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی۔ جو إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ (آل عمران: ۱۸۱) کا نعرہ لگانے والے تھے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) وہ ان کو عذاب دینے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔

دلائلِ عقلیہ سے قدرت و عظمتِ باری کا اثبات:

۱۹۰: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (بیشک آسمان و زمین کی

پیدائش اور دن رات کے آنے جانے میں بہت نشانیاں ہیں) کیونکہ خالق کی ہستی میں کمال علم کی وجہ سے قدرت اور ارادہ و حکمت کے ثبوت کی کھلی دلیلیں موجود ہیں۔ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (ان لوگوں کیلئے جن کو دانش و فہم حاصل ہے) اور وہ عقل خواہشات سے اس طرح خالی ہو جس طرح مغز چھلکے سے۔ پس اس کی رائے یہ ہے کہ جواہر میں پیدا شدہ عرض جواہر کے حدوث کی علامت ہے۔ کیونکہ کوئی جوہر عرض حادث سے جدا نہیں ہو سکتا اور جو کسی حین میں حادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے پھر اس کا حدوث کسی محدث کے وجود کی دلیل ہے۔ اور وہ ذات قدیمہ ہے۔ ورنہ یہ سلسلہ غیر متناہی محدثوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جو کہ باطل ہے پس وجود قدیم ثابت ہو گیا۔

اسی طرح اس کی حسن صنعت اس کے علم کی دلیل ہے۔ اور صنعت کی پختگی اس کی حکمت کی دلیل ہے۔ اور اس کا باقی رہنا اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ رسول مقبول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی پر افسوس ہے کہ جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس کی عبارت میں غور و فکر نہ کیا (ثعلبی واحمد، الطبرانی) بنی اسرائیل کی حکایات میں ہے کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تیس سال عبادت کرتا تو اس پر بادل سایہ کرتا۔ ایک نوجوان نے تیس سال عبادت کی مگر اس پر بادل نے سایہ نہ کیا۔ اس کی والدہ نے کہا اس زمانہ میں شاید تم سے کوئی لغزش صادر ہوئی ہو۔ اس نے کہا مجھے تو یاد نہیں۔ اس نے کہا شاید تم نے کبھی آسمان کو دیکھ کر عبرت نہ حاصل کی ہو۔ اس نے کہا شاید یہی ہو۔ پس وہ انعام تمہیں اسی سے ملے گا۔

۱۹۱: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

نَحْوٌ: اَلَّذِیْنَ (جو لوگ) یہ مجرور مانیں تو اُولِی کی صفت ہے یا اعنی کو مقدر مانیں تو منصوب ہے۔ ہم کو مبتدا محذوف مانیں تو خبر مرفوع ہے۔ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ (اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں) یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ قِیٰمًا (کھڑے ہونے کی حالت میں) جبکہ ان کو قیام پر قدرت ہو۔ وَّقُعُوْدًا (بیٹھنے کی حالت میں) وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (اپنے پہلوؤں پر) یعنی جب قیام و قعود سے عاجز ہوتے ہیں۔

نَحْوٌ: قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا۔ یَذْکُرُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہیں اور عَلٰی جُنُوْبِهِمْ بھی حال ہے۔

دوسری تفسیر: ان حالات کا ذکر کر کے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بیان فرمایا کیونکہ ان حالات سے انسان کم ہی خالی ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی جنت کے باغات میں چرنا اور کھانا چاہتا ہے وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

مخلوق میں غور و فکر عبادت ہے:

وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں) اور جس چیز پر ان بڑے اجسام کی ایجاد اور ان کی شاندار صنعت دلالت کرتی ہے اور وہ اشیاء جن کے بعض عجائب کے ادراک سے انسانی فہم عاجز و درماندہ ہیں جیسے صانع کی عظیم الشان سلطنت اور اس کی بڑائی۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اوپر کو سر تھا اچانک اس کی نگاہ آسمان اور ستاروں پر پڑی تو

بڑے منادی کی نداء:

۱۹۳: رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی ندا دے رہا تھا)

محاورہ ہے: سمعت رجلاً یقول کذا اس میں فعل کو رجل پر ڈالا اور جو چیز سنی اس کو حذف کر دیا کیونکہ تم نے اس چیز سے اس کا وصف بیان کیا جو وہ سنتا ہے۔ اس لئے سنی ہوئی چیز کے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔ اگر فعل سے اس کی صفت نہ کی جاتی تو اس طرح کہتے: سمعت کلام فلان۔ المنادی سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ یا قرآن مجید ہے۔ یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ: وہ ایمان کی ندا دے رہا تھا۔ یعنی لام الیٰ ہے وہ ایمان باللہ کیلئے منادی دے رہا تھا اس میں منادی کی شان کو خوب بڑھا کر ذکر کیا۔ گویا اس طرح کہا کوئی منادی اس سے زیادہ بڑا نہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کی دعوت دے رہا ہو۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ اَنْ مصدریہ اور با مقدر یا اَنْ تفسیریہ منادی ایمان آمنوا کے لفظ سے تھی۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا (تم ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لے آئے)

شیخ ماتریدی کا قول:

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایمان میں استثناء کے باطل ہونے کی اس میں دلیل ہے۔ (یعنی اس طرح کہنا غلط ہے کہ میں ان شاء اللہ مومن ہوں بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ میں یقیناً مومن ہوں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (اے ہمارے رب تو پھر ہمارے گناہوں کو بخش دے) ہمارے کبائر کو بخش دے۔ (فاغفر کی فاء سببیہ ہے پہلا کلام بعد والے کلام کا سبب ہے۔

وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا (اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو ہم سے مٹا دے) وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے) یعنی انکی دوستی کے ساتھ خاص فرما اور ان میں ہمارا شمار فرما۔ الابرار یہ جمع بر یا بار کی ہے۔ اس سے مراد سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے لوگ۔ اسی طرح کی جمع رب ارباب اور صاحب اصحاب ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ

اے ہمارے رب اور ہمیں وہ عطا فرمائیے جو آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے۔ بلاشبہ آپ وعدہ خلافی

الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

نہیں فرماتے۔ سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو۔ سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے

دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ

گئے اور میری راہ میں ان کو ایذائیں دی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور قتل کئے گئے ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

وعدہ والوں میں شمولیت کی دعا:

۱۹۴: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (اے ہمارے رب ہمیں وہ چیز دے جس کا آپ نے وعدہ فرمایا اپنے پیغمبروں کی زبانی) یعنی رسولوں کی تصدیق کے بدلے میں جو وعدہ کیا یا پیغمبروں پر جو وعدہ تو نے نازل کیا تھا یا اپنے پیغمبروں کی زبانی کئے ہوئے وعدے۔

نحو: علیٰ یہ وعدتنا سے متعلق ہے۔ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ثواب ہے یا دشمنوں پر نصرت۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدے کی تکمیل طلب کی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے۔ کیونکہ اس دعا کا مطلب یہ ہے۔ اے اللہ ہم آپ سے اس بات کی توفیق طلب کرتے ہیں کہ جو اسباب اس وعدہ کی تکمیل کرنے والے ہیں ہمارے حق میں ان کی حفاظت فرما۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے کہ جن کے حق میں تیرا وعدہ ہے۔ کیونکہ وعدہ میں اس بات کو ظاہر نہیں کیا گیا کہ یہ کن کے لئے ہے۔ یا مراد یہ ہے ہمیں اس راستہ پر ثابت قدمی عنایت فرما جو ہمیں تیرے وعدے تک پہنچانے والا ہے اور اس کی تائید آیت کا اگلا حصہ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کر رہا ہے۔ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور تو ہمیں قیامت میں رسوا نہ فرما) اس میں

مزید خشوع وخضوع کو ذکر کیا۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (بلاشبہ آپ وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے) یہ میعاد مصدر میمی ہے وعدے کے معنی میں آیا ہے۔

۱۹۵: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی) یہاں استجاب اجاب کے معنی میں ہے۔

اَنِّيْ یہاں با اس سے قبل محذوف ہے۔ یعنی بانّی لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل ضائع نہیں کروں گا)

نحو: منکم یہ عامل کی صفت ہے۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى یہ عامل کا بیان ہے۔ خواہ وہ کرنے والا مرد ہو یا عورت۔

کاملین کے ساتھ شرکت کا وعدہ:

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (تم ایک دوسرے سے ہو) مرد عورتوں میں سے اور عورتیں مردوں میں سے تم سب اولاد آدم ہو یا تم دین اور نصرت میں ایک دوسرے کی معاونت کرنے والے ہو۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس سے عورتوں کی مردوں کے ساتھ ان وعدہ ہائے ربانی میں شرکت بتلائی جو اس نے اپنے کامل فرمانبردار بندوں سے مقرر کیے ہیں۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ کہ جس شخص کو کوئی معاملہ پیش آئے وہ پانچ مرتبہ ربنا اتنا ما وعدتنا پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خوف سے نجات دیتے ہیں اور اس کا مقصود پورا فرما دیتے ہیں۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا (پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی)

نحو: اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مبتدا ہے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ یہ خبر ہے۔ فَالَّذِيْنَ سے عاملین کے عمل کی تفصیل ذکر فرمائی۔ اس سے عامل کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے گویا اس طرح فرمایا جنہوں نے یہ شاندار عمل انجام دیئے جیسے ہجرت من الوطن وہ اپنے دین میں اس طرح کامیاب ہیں کہ وہ بارگاہ الٰہی میں مامون ہو گئے۔ ہجرت خواہ کسی زمانہ میں واقع ہو وہ اسی طرح ہے جیسا ابتدائے اسلام میں تھی۔ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے) جہاں وہ پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ (وہ ان کو میری راہ میں تکلیف دی گئی) خواہ وہ تکلیف ضرب و شتم کی قسم سے تھی یا ضیاع اموال کی صورت میں تھی۔ سبیلی سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ہے۔ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا (انہوں نے قتال کیا اور شہید کر دیئے گئے)

قراءت: مکی وشامی نے قُتِّلُوْا پڑھا ہے۔ اور حمزہ وعلی نے وَقُتِلُوْا وَقٰتَلُوْا تقدیم و تاخیر سے پڑھا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (میں ضرور ان سے ان کی خطائیں مٹا دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ ثَوَابًا یہ محذوف فعل کا مفعول مطلق تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی لَاُثِيْبَنَّهُمْ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ثواب ہے یعنی ثوابًا من عند اللہ یہ اثابہ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ

اور بلاشبہ بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

ان کی طرف جو عاجزی کرتے رہتے ہیں اللہ کے لئے وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلہ تھوڑی سی قیمت، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

دنیا کی چند لذات لے لیں۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے جو ثواب تیار کر رکھا ہے۔ اسکے مقابلہ میں یہ کمتر ہے۔ نمبر۳۔ دنیا کے ختم ہونے کی وجہ سے یہ ذاتی طور پر حقیر ہے جو زائل ہونے والی چیز قلیل کہلاتی ہے۔ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے) گویا انہوں نے اپنے لئے بہت بری چیز تیار کی ہے۔

متقین کو خلود والی نعمتیں ملیں گی:

۱۹۸: لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔

(لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا) یعنی شرک سے بچ گئے۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا (ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بطور مہمان) النُّزْلُ والنُّزُلُ کا معنی مہمان کو پیش کیا جانے والا کھانا۔

تین تراکیب:

نُزُلًا یہ حال ہے جَنّٰتٌ سے۔ اس میں عامل لَهُمْ کا لام ہے۔

نمبر۲۔ یہ مصدر مؤکد ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا رزقًا یعنی جعل ذلك رزقًا۔

نمبر۳۔ عطاء۔ جعل ذلك عطاءً

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اللہ کے ہاں) یہ نُزُلًا کی صفت ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ (اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے) یہ مبتدا اور اس کی خبر لِّلْاَبْرَارِ (وہ ابرار کیلئے بہت بہتر ہے) اس کی یہ نسبت جس کیلئے کفار و فجار مزے لوٹ رہے ہیں کیونکہ وہ قلیل و زائل ہے۔

اہل نحو کے ہاں لٰكِنْ استدراک کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ دنیا میں فقر اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن ان کے تقلب اٹھانے میں جو نقص ہے یہ بقاء متقین کیلئے ہوگی۔ یہ تشدید کے ساتھ لٰكِنَّ بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۹۹: وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں جم کر رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

کامیاب ہو جاؤ۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

شانِ نزول: نمبر ۱۔ یہ آیات حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اہل کتاب میں سے اسلام قبول کیا۔

نمبر ۲۔ اہل نجران میں سے چالیس آدمی جو اسلام لائے۔

نمبر ۳۔ اور اہل حبشہ میں سے ۳۲ بتیس آدمی اور آٹھ روم سے آئے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے وہ اسلام لے آئے۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ (بیشک اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں)

نحوی تحقیق:

نمبر ۱: اِنَّ کے اسم پر لام ابتداء داخل ہے کیونکہ ظرف کی وجہ سے فاصلہ ہو گیا۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور جو اتارا گیا تمہاری طرف یعنی قرآن مجید۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ (اور وہ جو اتارا گیا انکی طرف) یعنی تورات و انجیل۔ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ (اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں)

نمبر ۲: یہ یؤمن کے فاعل سے حال ہے کیونکہ من یؤمن لفظاً اگرچہ مفرد ہے مگر معناً جمع ہے۔ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت لینے والے نہیں ہیں) جیسا کہ غیر مسلم احبار اور ان کے بڑے کیا کرتے تھے۔

نمبر ۳: یہ حال کے بعد حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ خریدنے والے نہیں ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ایسے لوگوں کیلئے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے) مراد اس سے وہ مخصوص اجر ہے۔ جو ان کو ملے گا۔ اور وہی اجر ہے جس کا وعدہ اس ارشاد ربانی میں فرمایا گیا ہے اولئک یؤتون اجرھم مرتین کہ ان لوگوں کو اجر دو مرتبہ ملے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں) کیونکہ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

صبر و تقویٰ کامیابی کا راز ہے:

۲۰۰: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (اے ایمان والو! تم صبر کرو) دین کے سلسلہ میں اور اس کی خاطر آنے والی تکالیف پر حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا۔ صبر۔ نفس کو ناپسند چیز پر روکنا اور گھبراہٹ کا اظہار

نہ کرنا۔ وَصَابِرُوْا (اور دشمن کے مقابلہ میں جہاد کے شدائد پر صبر کرو) یعنی لڑائی کی تکالیف برداشت کرنے میں ان پر غالب آجاؤ۔ اور صبر و ثبات میں ان سے پیچھے نہ ہو۔ وَرَابِطُوْا (اور مقابلہ کیلئے تیار رہو) یعنی سرحدات پر پہرے کے ساتھ قائم رہو۔ اور گھوڑے باندھو۔ غزوہ کیلئے ہر وقت تیار اور دشمن کی گھات میں رہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) الفلاح ناپسند چیز سے چھٹکارا پالینے کے بعد پسندیدہ چیز کے ساتھ باقی رہنا۔ لعلّ کا استعمال اس لئے کیا کیونکہ نتائج تو معلوم نہیں۔ کہیں اعمال کرنے سے پہلے فقط امیدوں پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم میری محبت میں صبر کرو اور میری نعمتوں میں دوسروں سے بڑھ کر صبر کرو۔ اور میری اطاعت میں اپنے آپ کو باندھ کر رکھو۔ تا کہ تمہیں میری قربت میسر ہو۔

فضیلت سورت:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم الزہراوین کو پڑھا کرو۔ یعنی البقرہ اور آل عمران۔ یہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے سائبان ہوتے ہیں یا بادل ہوتے ہیں۔ یا پرندوں کے جھنڈ ہوتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کی سفارش کریں گی۔ (رواہ مسلم)

واللّٰہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب بحمد اللّٰہ۔

تمت ترجمہ سورۃ آل عمران یوم الجمعہ ۱۲ صفر ۱۴۲۳ھ ۔ ۲۶ اپریل ۲۰۰۲ء

اللّٰھم صل علی محمد بعدد قدرتک الی یوم الدین

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یہ محذوف پر عطف ہے گویا اس طرح فرمایا۔ من نفس واحدۃ انشأھا وخلق منھا زوجھا۔ مطلب یہ ہے ایک ذات سے تمہیں نکالا جس کی صورت یہ تھی کہ اس نفس کو مٹی سے بنایا اور ان کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے (مادہ لے کر) ان کی بیوی حواء کو بنا دیا۔ وَبَثَّ مِنْهُمَا (اور ان دونوں یعنی آدم و حواء سے پھیلایا)۔ رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً (بہت سے مردوں اور بہت سی عورتوں کو)۔ یعنی جنس انسانی کی دونوں انواع یعنی مرد و عورت کو۔ نفس انسانی کی ایسی صفت بیان کی جو انسانوں کی خلقت کی وضاحت و تفصیل کر رہی ہے۔

یہ خلقکم سے متعلق ہے اور یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کا خطاب ان لوگوں سے ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں نفس آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ اور اسی نفس سے تمہاری ماں حواء کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں تمہارے علاوہ ہلاک ہو جانے والی امتوں کی پیدا فرمائیں اور یہ حصر کے لئے ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: نظم کا انداز تو اس بات کا متقاضی ہے کہ تقویٰ کا حکم دینے کے بعد ایسی چیز لائی جاتی جو تقویٰ کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ پھر کس طرح ان کا ایک جان سے پیدا کرنا تقویٰ کی طرف ترغیب دینے والا بنتا ہے۔

جواب: تخلیق آدم و اولاد، عظیم قدرت پر دلالت کرتا ہے اور جس ذات کی ایسی قدرت ہو تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کفار و فجار کو سزا دینا بھی اس کے مقدورات میں سے ہے۔ پس اس میں غور و فکر اس بات کا داعی ہے۔ کہ ایسے قادر مطلق سے ڈرا جائے۔ اور اس کے عقاب کا خطرہ محسوس کیا جائے۔

کامل نعمت کا شکریہ:

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ ایک عظیم الشان کامل نعمت ہے۔ پس انسانوں پر لازم ہے کہ اس نعمت کی ناشکری سے گریز کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے وقت فرمایا۔ عورت کو مرد سے پیدا کیا گیا۔ پس اس کا مقصد مرد میں ہے اور مرد کو مٹی سے پیدا کیا گیا پس اس کا مقصد مٹی میں ہے (المحلی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو)۔

تَسَآءَلُوْنَ: اصل میں تتساءلون تھا۔ تاء کو سین میں ادغام کر دیا گیا کیونکہ یہ دونوں قریب المخرج ہیں۔

قراءت: کوفیوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ تاء ثانیہ کو حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہو۔ جیسا اس طرح کہتے ہیں اسئلک باللّٰہ وبالرحم افعل کذا۔ مقصد اس سے شفقت حاصل کرنا ہوتا ہے۔

نحوی تحقیق:

وَالْاَرْحَامَ (اور رحموں کا) یہ لفظ اللہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی قطع رحمی سے ڈرو۔ یا جار مجرور کے مقام پر ہے جیسا کہتے ہیں مررت بزید و عمروًا۔ یا ضمیر پر عطف کرتے ہوئے مجرور ہے۔ حمزہ کے نزدیک مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ضمیر متصل اس اسم متصل کی طرح ہے۔

اور جار مجرور ایک شئی کی طرح ہے۔ تو یہ بعض کلمہ پر عطف کے مشابہ ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے) یا تمہیں جاننے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲:

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَھُمْ (اور یتیموں کو ان کے اموال دو) یتامیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے والد فوت ہو جائیں اور وہ اکیلے رہ جائیں۔

یتیم کا معنی:

الیُتْم: انفراد کو کہتے ہیں۔ اسی سے کہتے ہیں الدّرۃ الیتیمۃ۔ یکتا موتی۔ ایک قول یہ ہے کہ یتیم انسانوں میں وہ ہے جس کا باپ مر جائے اور بہائم میں یتیم وہ ہے جس کی ماں مر جائے۔ اس نام کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے پر بولا جائے کیونکہ باپ سے منفرد ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ مگر استعمال میں بلوغ سے قبل تک ہی بولا جاتا ہے جب وہ کسی کفیل و نگران سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ تو یہ نام ختم ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لا یتم بعد الحلم۔ (ابو داؤد)

شریعت کے حکم کے طور پر نہ کہ لغت کے لحاظ سے۔ یعنی جب وہ بالغ ہو گیا تو اس پر بچوں کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

آیت کا مطلب:

اب آیت کا مطلب یہ ہے۔ اور تم یتیموں کو ان کے اموال بالغ ہونے کے بعد دے دو۔ یہاں ان کو یتامیٰ یتیمی کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے فرمایا گیا جو بچپن تھا۔ (اب تو وہ بالغ ہو چکے) اس میں اشارہ فرمایا کہ اگر ان سے سمجھ بوجھ پائی جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کرنے میں حد بلوغ سے تاخیر نہ کی جائے۔ اور یتیمی اور بچپن کا نام زائل ہونے سے پہلے ہی ان کو وہ اموال سپرد کر دیے جائیں۔

خبیث کی مراد:

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ (نہ تبدیل کرو خبیث کو بدلے طیب کے) نمبر۱۔ حرام مال کو لینے کے طلبگار نہ ہو (یعنی یتامیٰ کا مال) حلال مال کے بدلے میں جو کہ تمہارا اپنا مال ہے۔ نمبر۲۔ خبیث بات کو بدلے میں نہ لاؤ اور وہ یتیموں کا مال کھا کر انہیں چھوڑنا ہے۔ بہتر بات کے بدلے میں اور وہ ان کی حفاظت کرنا ہے اور اس سے بچنا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرلو جو عورتیں تم کو

النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا

پسند ہوں دو دو تین تین چار چار۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو یا جو

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ③

لونڈیاں ہیں بس کرو جو تمہاری ملکیت ہیں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو۔

نحو و صرف:

یہاں باب تفعل بمعنی استفعال ہے اور یہ آتا رہتا ہے۔ اس کی نظیر تعجّل بمعنی استعجال ہے۔ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (اور ان کے مال نہ کھاؤ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر) بتضمین: الی کا متعلق محذوف ہے۔ اور یہ حال کے موقع پر ہے۔ یعنی اموالکم کی طرف مضاف ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ ان کے اموال کو اپنے مالوں کے ساتھ اس طرح نہ ملاؤ۔ کہ تمہارے اور ان کے اموال میں تفریق نہ ہے۔ اس چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو تمہارے حق میں حلال نہیں اور برابری کرنے لگو اس میں اور حلال میں۔ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔ بیشک (وہ بہت بڑا گناہ ہے) اُ سے مراد اس کا کھانا اور حوبا کبیرا کا معنی بڑا گناہ ہے۔

تفسیر آیت ۳:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى (اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے یتیموں کے معاملہ میں) اقسط۔ باب افعال بمعنی عدل کرنا۔ لا تقسطوا کا معنی عدل نہ کرنا۔ الیتامیٰ کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ جمع یتیمۃ و یتیم ہے۔ باقی ایتام جمع یتیم ہے فقط۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پھر تم نکاح کرو دوسری عورتوں میں سے جو تم پسند کرو)

طاب کا معنی حلال:

طاب کا معنی حلال ہونا ہے۔ یعنی جو تمہارے لئے حلال ہوں۔ کیونکہ ان میں بعض عورتیں وہ ہیں جو حرام ہیں۔ ان کا تذکرہ آیت تحریم میں ہے۔ ما کا استعمال ذوی العقول کی صفات کیلئے آتا ہے۔ گویا یہاں اس طرح کہا گیا۔ الطیبات من النساء۔ یعنی تم نکاح کرو عورتوں میں سے پاکیزہ عورتوں سے۔ کیونکہ عقلاء میں طبقہ اناث بمنزلہ غیر عقلاء کے شمار ہوتا ہے۔ اور ارشاد الٰہی او ما ملکت ایمانکم میں اسی کی مثل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زنا میں حرج نہ سمجھتے تھے۔ ولایت یتامیٰ میں حرج سمجھتے تھے۔ پس انہیں کہا گیا۔ اگر تمہیں یتیم بچیوں کے متعلق ظلم و زیادتی کا خطرہ ہو اور زنا کا خدشہ ہو تو جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ

اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔ سو اگر وہ تمہارے لئے اس میں سے کسی کی خوشی سے

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④

کچھ چھوڑ دیں تو اس کو مبارک طور پر خوشگواری کے ساتھ کھاؤ۔

عال یعول بھی اسی معنی میں آتا ہے جبکہ عیال پر خرچ کیا جائے۔ کیونکہ جس کے عیال زیادہ ہو جائیں گے وہاں پر لامحالہ خرچ کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں اس پر تقویٰ اور کسب حلال کی حدود کا لحاظ مشکل ہو جائے گا۔ اور اسی جیسا کلام علم کے ان ماہرین سے درست رخ پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بدگمانی نہ کی جائے گی کہ انہوں نے تعیلوا کو تعولوا بنا دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کنایات کا راستہ اختیار کیا۔

تفسیر آیت ۴:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو) نحلہ کا لفظ نحلہ کذا سے ماخوذ ہے جبکہ وہ اس کو دے اور مہر کرے اپنے دل کی گہرائی سے نحلۃً و نحلاً دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہاں لفظ نحلہ اور ایتاء، اعطاء کے معنی میں ہیں۔ گویا کلام اس طرح ہے:

حسن ادائیگی مہر:

وانحلوا النسآء صدقاتھن نحلۃ۔ یعنی ان کو ان کے مہر خوشدلی سے دے دو یا مخاطب سے حال ہے یا انکے مہر اپنے دلوں کی خوشی محسوس کرنے والے ہو کر دے دو یا الصدقات سے حال ہے یعنی وہ مہر ادا کیے ہوئے ہوں نفسوں کی خوشدلی سے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مہر عطیہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور عنایت ہے ان عورتوں پر۔ ایک اور قول یہ ہے کہ نحلہ بمعنی دیانت کے ہے۔ جیسے کہتے ہیں فلاں ینتحل کذا ای یدین بہ۔ مطلب یہ ہوا ان کے مہر ان کو دیانۃً دے دو۔ اس صورت میں یہ مفعول لہٗ بنے گا۔ اور اٰتوا کا خطاب خاوندوں کو ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اولیاء کو ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیٹیوں کا مہر وصول کرتے تھے۔

طیب نفس لازم:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ (اگر وہ تمہیں خوش دلی کے ساتھ تم کو مہر کا کچھ حصہ دیں) یہ لکم کا خطاب ازواج کو ہے۔ عن شیءٍ منہ۔ یعنی مہر میں سے۔ صداق اور صدقات ہم معنی ہیں۔ نفسًا یہ مفرد لائے کیونکہ مقصود بیان جنس ہے اور واحد جنسیت پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا اگر وہ مہر میں سے کچھ عطا کریں اور ان کے نفوس اسے قربان یا اسے چھوڑ دینے پر بے دلی سے کہ جس کے لئے تمہاری بداخلاقی ان کو مجبور کرے اور بد تہذیبی جس کی طرف مجبور کرے۔

مسئلہ: اس آیت میں راستے کی تنگی کی طرف اشارہ کر دیا اور احتیاط کو لازم قرار دیا۔ اس لئے کہ شرط کی بنیاد خوبیٔ نفس پر رکھی چنانچہ فرمایا: ان طبن لکم عن شیء منہ نفسا۔ یہ نہیں فرمایا فان وھبن لکم۔ اس بات کو بتلانے کے لئے کہ مہر کے کسی حصہ سے علیحدگی میں خوبیٔ نفس کا ہونا بہر حال ضروری ہے۔ فَكُلُوْهُ (پس تم اس کو کھاؤ) اس میں ہ ضمیر شیء کی طرف لوٹتی ہے۔ هَنِيْٓـًٔا (مزے سے) یعنی جس میں گناہ نہ ہو۔

اباحت میں مبالغہ:

مَّرِيْٓـًٔا۔ (خوشگواری سے) جس میں کوئی بیماری نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی اسی طرح تفسیر فرمائی۔ یا دنیا میں مزیدار کہ بلا مطالبہ ہو۔ مریئا فی العقبیٰ۔ آخرت میں خوشگوار کہ اس پر احسان نہ جتلائے۔ یہ دونوں کھانے کی صفات ہیں۔ ھنؤ الطعام و مرؤ کہتے ہیں۔ جب کھانا ایسا خوش گوار ہو کہ اس میں کوئی گدلا پن نہ ہو۔ یہ دراصل مصدر کی صفتیں ہیں۔ یعنی اکلا هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا یعنی ایسے کھانا جو رچتا پچتا ہو۔ یا ضمیر سے حال ہے۔ تم اس کو اس حال میں کھاؤ کہ وہ مزیدار و خوشگوار ہو۔ یہ درحقیقت اباحت میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اور یہ بتلانے کے لئے کہ اس کے دینے کے بعد پیچھا بھی نہ کیا جائے۔

قراءت: هنيا مريا۔ یزید کے نزدیک بلا ہمزہ ہے۔ اسی طرح وقف کے وقت حمزہ کے نزدیک بھی اسی طرح پڑھیں گے۔ بقیہ تمام قراء نے ہمزہ سے پڑھا ہے۔

ایک لطیف نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی بیمار ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے مہر کے تین درہم لے کر پھر اس سے شہد خرید لے اور بارش کے پانی سے اس شہد کو ملا کر مریض کو پلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوشگواری' شفا و برکت عنایت فرمائیں گے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان میں سے ان کو کھانے پینے کے لئے

فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٥ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی

دے دو اور ان کو کپڑے پہنا دو، اور ان سے بھلی بات کہہ دو ۔ اور آزما لو تم یتیموں کو

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ

یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں ۔ سو اگر تم ان کی طرف سے سمجھداری محسوس کرو تو ان کے مال

اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ

ان کو دے دو ۔ اور مت کھاؤ ان کو فضول خرچی کرتے ہوئے اور ان کے بڑے ہو جانے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے ۔ اور جو شخص

كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

صاحب مال ہو سو وہ پرہیز کرے ۔ اور جو شخص تنگدست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھا لے۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ

سو جب تم دے دو ان کو ان کے مال تو اس پر گواہ بنا لو ۔ اور اللہ کافی ہے

حَسِیْبًا ۝٦

حساب لینے والا۔

تفسیر آیت ۵:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ (نہ دو اپنے اموال بیوقوفوں کو) السفہاء سے مراد وہ فضول خرچ ہیں۔ جو اپنے اموال کو نامناسب مقام پر لگانے والے ہیں۔ اور ان کو ان کی درستی اور بڑھانے اور ان میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ اس میں اولیاء کو خطاب ہے اور کم عقلوں کے اموال کی نسبت اولیاء کی طرف اموالکم کہہ کر کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ اس مال کو تھامنے والے اور قریب والے ہیں۔

اموال کی حفاظت کرو:

الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا (جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگانی بنایا ہے) یعنی تمہارے بدنوں کا قوام اور

تمہارے مال و اولاد کیلئے ذریعۂ معاش بنایا ہے۔

قِیٰمًا بمعنی قِیَامًا ہے۔ نافع و شامی کے نزدیک جیسا کہ عوذ ابمعنی عیاذاً ہے اور اصل قِوَامًا بمعنی قِوَام ہے۔ ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ کو یا کر دیا۔ سلف رحمہم اللہ کا مقولہ ہے۔ المال سلاح المؤمن۔ مال مومن کا ہتھیار ہے۔ اگر میں مال چھوڑ جاؤں کہ جس پر اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ میں لوگوں کا محتاج ہوں۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ اپنے سامان کو پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اے مال اگر تو نہ ہوتا تو عباسی مجھے رومال کی طرح بنا لیتے کہ جیسا اس سے جو چیز چاہتے ہیں پونچھتے ہیں۔ وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا (اس سے ان کو کھلاؤ) یعنی اس کو ان کے رزق کی جگہ بناؤ۔ کہ اس سے تجارت کرو۔ اور نفع اٹھاؤ۔ کہ خرچہ نفع میں سے نکلا رہے اصل مال سے نہ ہو۔ کہ خرچہ میں نہ سارا کھا لیا جائے۔

معروف و منکر کا فرق:

وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور ان کو پہناؤ اور ان کو طریقے کی بات کہو) ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ قول معروف سے مراد اچھا وعدہ۔ اس طرح کہ تم سمجھ بوجھ پالو تو تمہارا مال تمہارے سپرد کر دیں گے۔

ہر ایسی بات یا عمل جس کے عقلی یا شرعی حسن کی وجہ سے نفس کو سکون پہنچے وہ معروف ہے۔ اور جس کی قباحت کی وجہ سے نفس اس کو ناپسند قرار دے وہ منکر ہے۔

تفسیر آیت ۶:

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی (تم یتیموں کو آزماؤ) ان کی عقلوں کا امتحان لو۔ ان کے احوال کی جانچ کرو۔ اور بلوغ سے پہلے تصرف کے ذریعہ پہچان کا اندازہ کر لو۔ اگر ہوشیار ہوتے تو حالت ان کی ظاہر ہو جائے گی۔

عاقل بچہ کو تجارت ہے:

مسئلہ: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عاقل بچے کو تجارت کی اجازت ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (یہاں تک کہ وہ نکاح کو پہنچ جائیں) یعنی بالغ ہو جائیں۔ کیونکہ بلوغت کی عمر ہی میں نکاح کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور توالد کا سلسلہ بھی اسی عمر میں قائم ہوتا ہے۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (اگر بلوغت کے بعد ان سے لین دین میں ہوشیاری دیکھو) معاملات میں درستی نظر آئے اور تصرفات میں درستگی ہو۔ فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (تو ان کو ان کے مال سپرد کر دو) بعد بلوغ مدت تاخیر کی چنداں ضرورت نہیں۔

نحو: فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ یہ ابتلا کی غایت ہے۔ اذا بلغوا ظرف ہے لیکن اس میں شرط کا معنی ہے اور ظرف کا تعلق فادفعوا سے ہے۔ حتّٰی ابتدائیہ ہے اور حتّٰی کا مابعد ماقبل کے لئے سبب ہے۔ یہ حتّٰی جارہ نہیں کیونکہ اذا میں ظرف کا معنی ہے اور حتّٰی جارہ ظرف پر داخل نہیں ہوتا۔ اذا بلغوا شرط اول ہے اور اس کا جواب فان آنستم منھم ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا

جو ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ

مَّفْرُوضًا ⑦

مقرر کیا ہوا ہے۔

تفسیر آیت ۷:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (مردوں کا حصہ ہے اس میں جو انکے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں اور عورتوں کا حصہ ہے اس مال میں جو انکے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں)۔

اقربون سے مراد ذوی القربیٰ میں وراثت کے حصہ والے مراد ہیں۔ دوسرے نہیں۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ (خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ) یہ مما ترک کا بدل ہے۔ اور اس پر ما کو بھی دوبارہ لایا گیا ہے۔ اور منہ کی ضمیر ماترک کی طرف راجع ہے۔ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (طے شدہ حصہ) نحو: تاکید کی وجہ سے نصیبا منصوب ہے۔ مفروضا کا معنی طے شدہ ہے۔ اس کو الگ کرنا ضروری ہے۔

واقعہ ام کجہ:

شانِ نزول: روایات میں ہے کہ اوس بن ثابت نے وفات پائی اور اپنے پیچھے بیوی ام کجہ اور تین بیٹیاں وارث چھوڑیں۔ (ابن حبان نے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ذکر کیا) اوس کے چچازاد بھائی خالد اور عرفجہ نے ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ اہل جاہلیت عورتوں کو وراثت کا حصہ دار قرار نہ دیتے تھے۔ اسی طرح بچوں کو بھی اور کہتے تھے وارث وہ ہوگا جو تیروں سے دفاع کر سکے گا اور غنیمت جمع کر سکے گا۔ ام کجہ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو واپس جا میں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پس یہ آیت اتری۔ تو آپ نے ان دونوں کو پیغام دیا کہ مال میں سے کچھ بھی الگ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حصہ مقرر کر دیا۔ اور جب تک وضاحت نہ کی گئی اس وقت تک وضاحت نہ فرمائی۔ پھر یہ آیت اتری یوصیکم اللہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کجہ کو آٹھواں حصہ دیا اور بیٹیوں کو دو ثلث اور باقی دونوں چچازاد بھائیوں کو (مگر ابن حبان کی روایت کے مطابق آٹھواں بیوی کو اور بقیہ بیٹے اور دو بیٹیوں کو)۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم

اور جب تقسیم کرنے کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں

مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ

تو ان کو اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے اچھے طریقہ پر بات کرو۔ اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو

لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

اگر اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے تو ان پر خوف ہوتا سو چاہیے کہ اللہ سے

اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ

ڈریں اور ٹھیک بات کریں۔ بیشک جو لوگ ظلم کے طریقے پر یتیموں کا مال کھاتے

ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

ہیں بات یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر آیت ۸:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ (جب تقسیم میراث کے وقت موجود ہوں) اُولُوا الْقُرْبٰی (قرابتدار) جو غیر وارث ہیں۔ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ (یتیم و مساکین) اجنبی۔ فَارْزُقُوْھُمْ (پس ان کو بطور خیرات دے دو) مِّنْہُ (اس میں سے) جو قرابتداروں یا اقرباء نے چھوڑا ہے۔ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ یہ حکم باقی ہے۔ منسوخ نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداء میں یہ لازم تھا پھر آیت میراث سے منسوخ ہوا۔

دستور کی بات:

وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور ان کو تم دستور کی بات کہو) یعنی مناسب انداز سے معذرت اور مناسب وعدہ کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قول معروف یہ ہے خذوا بارک اللہ لکم یہ لے لو اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔ اور یہ جو کچھ دیا گیا ہے یہ بہت تھوڑا ہے۔ اور ہم نے دے کر احسان نہیں کیا۔

تفسیر آیت ۹:

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّیَّۃً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْھِمْ فَلْیَتَّقُوا اللّٰہَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (اور ڈریں وہ لوگ اگر وہ چھوڑ جائیں اپنے پیچھے چھوٹے بچے جن کے بارے میں ڈر ہو (تباہ ہو جانے کا) پس ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

چاہیے اور ان کو ٹھیک بات (مراد اس سے وصی ہیں)۔

اوصیاء کو نصیحت:

ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان یتیموں کے متعلق خوف کریں اسی طرح کا جیسا وہ اپنی اولاد کے متعلق رکھتے ہیں کہ اگر ان کو چھوٹی عمر میں چھوڑ جائیں۔ وہ اپنے نفوس میں اس حسرت کا اندازہ کریں اور اس کو تصور کریں تاکہ خلاف شفقت و مہربانی کسی بات کی جسارت نہ کریں۔

نحو: لو ما سمیت الذین کا صلہ ہے۔ یعنی ولیخش الذین صفتهم وحالهم انهم لو شارفوا ان یترکوا خلفهم ذریة ضعافاً و ذلك عند احتضارهم خافوا علیهم الضیاع بعدهم لذهاب کافلهم اور لو کا جواب خافوا ہے۔ قول سدیدا کا مطلب اوصیاء کی طرف سے یہ ہے کہ وہ ان یتیموں سے اسی نرمی سے بات کریں جیسے کہ وہ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔ بیٹا بیٹی اور پیار و لاڈ کے القاب سے آواز دیں۔

آیت ۱۰: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا (یقیناً جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں) نمبر ۱۔ ظلماً مصدر ہے موضع حال میں واقع ہے۔ نمبر ۲۔ اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (یقیناً وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں)

آگ کھانے کا مطلب:

یعنی وہ ایسا مال کھا رہے ہیں جو قبر سے دوزخ میں کھینچ کر لے جائے گا۔ پس گویا وہ آگ ہے۔ روایات میں ہے کہ یتیموں کا مال کھانے والا قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ دھواں اس کی قبر سے، اور اس کے منہ، ناک اور دونوں کانوں سے بھی نکل رہا ہو گا اس سے لوگ پہچان جائیں گے کہ یہ دنیا میں یتیم کا مال کھاتا رہا ہے۔ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے)۔

قراءت: شامی اور ابوبکر نے سَیُصْلَوْنَ پڑھا ہے۔ یعنی عنقریب وہ داخل ہوں گے۔ سعیر آگ کو کہتے ہیں جس کا وصف مبہم کر دیا۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ ۗ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ کُنَّ

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، لڑکے کے لئے اتنا حصہ جتنا دو لڑکیوں کا ہے۔ سو اگر لڑکیاں

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے اس مال کا دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا، اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے

النِّصْفُ ۗ وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ

آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ کے لئے یعنی ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو اس نے چھوڑا اگر میت کی اولاد ہو۔

فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ

پھر اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے۔ سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ

تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو مرنے والا کر جائے یا قرض کے بعد۔ تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے

اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ⑪

ان میں سے کون تم کو نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت ۱۱:

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے) اور تاکید کرتا ہے۔ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ (تمہاری اولاد کے متعلق) ان کی میراث کے سلسلہ میں۔ یہ تو اجمالاً فرمایا تفصیل آگے ہے۔ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (ان میں سے مذکر کے لئے حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا) یعنی تمہاری اولاد میں سے ضمیر راجع کو حذف کر دیا کیونکہ وہ خود سمجھ آرہا ہے۔ یہ اس طرح ہے: السمن منوان بدرھم۔

لڑکے لڑکی کا حصہ:

مذکر کے حصہ سے شروع فرمایا مگر اس طرح نہیں فرمایا۔ للانثیین مثل حظ الذکر یا للانثی نصف حظ الذکر۔ کیونکہ مرد کو فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ فضیلت کی وجہ سے اس کا حصہ دوگنا کر دیا گیا۔ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ مذکر کو وارث قرار دیتے عورتوں کو نہیں۔ اور آیت کا شان نزول بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مذکر کے لئے یہی فضیلت کافی ہے۔ کہ عورتوں سے ان کے حصہ کو دوگنا کیا گیا ہے۔ لیکن رشتہ میں چونکہ دونوں اطراف برابر ہیں اس لئے محروم کسی کو نہ کیا جائے گا اور

فائدہ جلیلہ:

یہ ہے کہ اگر کہا جاتا۔ لابویہ السدس (دونوں میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے) تو بظاہر مطلب یہ بنتا کہ دونوں چھٹے حصہ میں شریک ہیں اور اگر عبارت لابویہ السدسان ہوتی تو دو سدس ان کے بیچ برابری کی تقسیم اور الٹ تقسیم کا وہم ہوتا۔ اور اگر عبارت لکل واحد من ابویہ السدس ہوتی تو پھر تاکید کا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے۔

نحو: السدس مبتدا ولابویہ اس کی خبر اور ان کے مابین بدل وضاحت کیلئے ہے۔

قراءت: حسن نے السُّدْس والرُّبْع الثُّمْن الثُّلْث تمام کو تخفیف کے ساتھ پڑھا۔

بطور فرض حصہ:

مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ (اس ترکہ میں سے اگر اس کی اولاد ہو) یہ ولد کا لفظ مذکر، مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔ اگر مذکر اولاد ہو۔ بیٹی ہو تو باپ کو بطور فرض چھٹا ملتا ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام بطور عصبہ اس کو مل جائے گا۔

ماں باپ کا حصہ:

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (اگر میت کی کوئی صلبی اولاد نہ ہو (نہ پوتا ہو) اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا) یہ حصہ متروکہ میں سے ملے گا۔ مطلب ورثہ ابواہ کا یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں۔ کیونکہ جب ماں باپ زوجین میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے وارث بنیں تو اس صورت میں ماں کو ثلث۔ فرضی حصہ زوج نکالنے کے بعد ملے گا۔ کل متروکہ کا ثلث نہ ملے گا۔ کیونکہ باپ وراثت کے حصہ کے لحاظ سے قوی تر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب فقط ماں باپ وارث ہوں تو باپ کو دو ثلث ملتے ہیں۔ اگر ماں کا حصہ کل میں سے ثلث مقرر کیا جائے۔ تو اس کا حصہ باپ کے حصے تک پہنچ جائے گا۔

ایک صورت:

ایک عورت فوت ہوئی اس نے خاوند اور ماں باپ وارث چھوڑے تو زوج کو نصف اور ماں کو ثلث۔ باقی تمام باپ کو ملے گا۔ ماں نے دو حصے جمع کر لئے اور باپ کو ایک حصہ ملا۔ پس حکم پلٹ گیا کہ مؤنث کو دو مذکر کے برابر حصہ ملا۔

قراءت: فلامہ۔ ہمزہ مکسورہ۔ کسرہ کے جوار کی وجہ سے حمزہ و علی رحمہما اللہ نے پڑھا۔

ایک اور صورت:

فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ (اگر میت کے لئے ہوں) اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ (بھائی تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا) جب میت کے دو بھائی اور کئی بہنیں ہوں تو ماں کو چھٹا ملے گا۔ اور ایک بھائی وہ ماں کے حصہ کو کم نہ کرے گا۔ (اور نہ ہی ایک بہن بلکہ ماں کا حصہ تہائی ہوگا) عینی، علاتی، اخیافی بھائی جب دو یا زیادہ ہوں تو ماں کا حصہ گھٹا کر چھٹا کر دیں گے۔

قرض و وصیت مقدم:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ (وصیت کے بعد) یہ میراث کی تمام تقسیم جو گزری اس سے متعلق ہے۔ کہ یہ ورثاء میں تقسیم مال وصیت کے نکالنے کے بعد ہوگی۔ گویا اس طرح فرمایا۔ قسمۃ ہذہ الانصباء۔ کہ یہ تقسیم حصص وصیت کے بعد ہوگی۔ یُّوْصِیْ بِھَآ (جو میت وصیت کر جائے)

قراءت: یُّوْصِیْ بِھَآ کو یُوْصٰی بِھَا کی 'شامی' اور حماد نے پڑھا۔ اور یحییٰ و اعمش نے یہاں یوصی پڑھا۔ اور حفص نے دوسرے میں یوصی پڑھا کیونکہ یُوْرَثُ کے قریب ہے اور یہاں یُوْصِیْ پڑھا کیونکہ یوصیکم اللّٰہ کے جوار میں ہے۔ باقی تمام قراء نے دونوں صاد کسرہ کے ساتھ پڑھے ہیں۔ مراد میت کا وصیت کرنا ہے۔

اَوْ دَیْنٍ (یا قرض)

تقدیم دین کی حکمت:

سوال: شرع میں دین وصیت پر مقدم ہے۔ مگر یہاں وصیت کو تلاوۃً دین پر مقدم کیا گیا۔

جواب: نمبرا۔ اَوْ کا لفظ ترتیب کے لئے نہیں۔ جیسا کہا جائے جاء نی زید او عمرو۔ تو مطلب یہ ہے۔ جاء نی احد الرجلین پس آیت کی تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین ای من بعد احد ھذین الشیئین الوصیۃ او الدین۔ جب اَوْ کا لفظ آئے تو ترتیب معلوم نہیں ہوتی بلکہ مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہونا جائز ہے۔ باقی قرض کی وصیت پر تقدیم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے۔ الا ان الدین قبل الوصیۃ اور نمبر۲: اس وجہ سے کہ یہ میراث کے مشابہ ہے۔ اور بلا عوض دی جاتی ہے۔ پس اس کا دینا ورثاء پر گراں گزرے گا۔ اور اس کی ادائیگی میں تفریط کا خطرہ ہے کیونکہ اس کا مطالب کوئی نہیں۔ بخلاف قرض کے۔ اس کو قرض سے مقدم کیا گیا تاکہ اس کی ادائیگی میں عجلت کی جائے اور قرض ساتھ ادا کر دیا جائے۔ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا (تمہارے باپ اور بیٹوں میں سے تمہیں معلوم نہیں کہ کون ان میں تمہارے لئے نفع میں قریب تر ہے)

نحو: اٰباء کم مبتداء۔ ابناؤکم اس کا معطوف۔ لَا تَدْرُوْنَ خبر ہے۔ ایہم مبتداء۔ اقرب لکم خبر ہے۔ اور دونوں موضع نصب میں ہیں۔ عامل تَدْرُوْنَ ہے۔ نفعاً تمیز ہے۔

آیت کا مطلب:

مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض کو اپنی حکمت کے مطابق لازم کیا۔ اگر یہ تمہارے سپرد ہوتا۔ تو تمہیں معلوم نہ ہوتا کہ کون تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ پس تم اموال کو بغیر حکمت کے تقسیم کرتے۔ حصص میں فرق منافع کے فرق کے سبب ہے اور تم ان کا تفاوت نہیں جانتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی ذمہ داری لی۔ اور تمہارے اجتہاد پر تمہیں چھوڑا کیونکہ تم مقداروں کو پہچاننے سے عاجز تھے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ

اور تمہارے لئے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو۔ سو اگر

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے اس مال کا چوتھائی ہے جو کچھ انہوں نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

یا اس قرضے کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہے۔ اور ان کے لئے اس مال کا چوتھائی ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو۔ سو اگر

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ

تمہارے اولاد ہو تو ان کے لئے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت کر گئے

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔

جملہ معترضہ:

یہ جملہ معترضہ مؤکدہ ہے اس کی اعرابی حیثیت کوئی نہیں۔ فَرِيْضَةً یہ فعل محذوف کا مصدر مؤکد ہے۔ ای فرض ذلک فرضًا۔ مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (یہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا۔ بیشک اللہ علم والے حکمت والے ہیں) اشیاء کو پیدا کرنے سے پہلے جانتے ہیں۔ اور جو فرائض مقرر کیے اور میراث کی تقسیم کی اس میں حکمت برتنے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۲:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ (تمہارے لئے نصف ہے جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے) اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ (اگر ان کی اولاد مذکر یا مؤنث نہ ہو) فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ (اگر ان بیویوں کے ہاں اولاد ہو تو) خواہ ان کی تم میں سے اولاد ہو یا اور کسی خاوند سے ہو۔

میاں بیوی کی وراثت:

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ۔ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (اور ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی ہے۔ ان کی وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد اور ان تمام عورتوں کے لئے چوتھائی ہے جو تم نے ترکہ چھوڑا۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اگر

السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ (پس ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ ثلث میں شریک ہونگے) حصہ میں مرد و عورت برابر ہونگے۔ کیونکہ ان کو استحقاق ام کی وجہ سے حصہ ملا ہے اور ماں ایک ثلث سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتی۔ اسی لئے مذکر و مؤنث پر فضیلت حصہ میں حاصل نہ ہوگی۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (وصیت کے پورا کرنے کے بعد جو میت کی طرف سے کی جائے یا قرض کی ادائیگی کے بعد) یہ وصیت اور دین کو دوبارہ لایا گیا۔ کیونکہ موصی مختلف ہیں۔ اول تو اولاد و والدین ہیں۔ اور ثانی زوج اور ثالث زوجہ اور چوتھا کلالہ۔ غَيْرَ مُضَآرٍّ (وہ نقصان نہ پہنچانے والا ہو) اپنے ورثاء کو۔ یعنی وصیت کرنے والا زیادتی کرنے والا نہ ہو۔ اس طرح کہ ثلث سے زائد کی وصیت کر جائے۔ یا وارث کے لئے وصیت کر بیٹھے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہے)

نحو: یہ مصدر مؤکد ہے۔ یعنی وہ تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہے وصیت کرنا۔ غیر مضار۔ یہ حال ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ جاننے والے ہیں) اس شخص کو جو ظلم کرنے والا ہے یا وصیت میں انصاف کرنے والا ہے۔ حَلِيْمٌ (وہ حلم والا ہے) ظالم کو جلد سزا نہیں دیتا۔ یہ وعید ہے۔

سوال: جنہوں نے یوصی بہا پڑھا تو ذوالحال کہاں ہے؟

جواب: اس کا فاعل مضمر ہوگا۔ کیونکہ جب یوصی بہا کہا تو اس سے خود معلوم ہو گیا کہ وہاں کوئی موصی ہے۔ جس طرح رجال۔ یسبح کا فاعل ہے۔ کیونکہ جب کہا گیا یسبح لہ۔ النور ۳۶۔ تو خود معلوم ہو گیا کہ وہاں مسبح ہے جو یسبح میں مضمر ہے۔

ورثاء کی اقسام

نمبر ۱۔ اصحاب فرائض:

یہ وہ ہیں جن کے حصے مقرر ہیں۔ مثلاً بیٹی۔ اس کا نصف ہے اور جب ایک سے زیادہ ہوں تو دو ثلث۔ اور پوتی نیچے تک یہ لڑکا نہ ہونے کی حالت میں بیٹی کے حکم میں ہے اس کا صلبی بیٹی کے ساتھ چھٹا حصہ۔ جبکہ دو صلبی بیٹیاں اور بیٹے کی موجودگی میں یہ ساقط ہو جاتی ہیں مگر جبکہ اس کے ساتھ لڑکا ہوگا تو وہ اس کو عصبہ بنا دے گا۔ ماں اور باپ کی بہنیں یہ اولاد و لد الابوین کی عدم موجودگی میں بنات کی طرح ہوں گی۔ اور باپ کی بہنیں تو یہ ماں باپ کی بہنوں کی طرح شمار ہوں گی۔ جبکہ وہ موجود نہ ہوں۔ یہ بنت کے ساتھ مل کر یا بنت الابن کے ساتھ مل کر یہ دونوں قسمیں عصبہ بن جائیں گی۔ اور بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں تو وہ نیچے جا کر وہ یہ ساقط ہو جائیں گے۔ بلکہ والد اور دادا کی موجودگی میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط ہو جائیں گی۔

ماں کے بیٹے:

ان میں سے ایک کے لئے چھٹا ہوگا اور ایک سے زیادہ کے لئے ثلث ہوگا۔ مذکر و مؤنث کا حصہ برابر ہوگا۔ یہ بیٹے اور پوتے کے ہوتے ہوئے نیچے تک ساقط ہو جائیں گے اسی طرح والد اور دادا کی موجودگی میں بھی ساقط ہوں گے۔

باپ: بیٹے کی موجودگی میں اس کو چھٹا حصہ ہوگا۔ اسی طرح پوتے اور نیچے تک بنت کے ساتھ یا بیٹے کی بیٹی نیچے تک ہو تو چھٹا حصہ

اس کو ملے گا۔ اور باقی بھی ملے گا۔

دادا:

باپ کی عدم موجودگی میں باپ کی طرح ہے۔ مگر ماں کے ثلث کی طرف لوٹنے میں جب تک کہ باقی رہے۔

ماں:

لڑکے کے ہوتے ہوئے اس کا حصہ چھٹا ہے۔ یا پوتے کے ہوتے ہوئے۔ خواہ نیچے تک ہوں اس کا چھٹا ہے۔ یا دو بہنیں اور کئی بہنوں کی موجودگی خواہ وہ کسی جہت سے ہوں اس کا حصہ چھٹا ہوگا۔ اور جب یہ نہ ہوں تو اس کو ثلث ملے گا اور باقی کا ثلث ملے گا جب کہ وارث زوج والدین ہوں اور زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ فرض ہو۔ یا زوجہ اور ابوین ہوں۔

دادی:

اس کا چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ ایک سے زیادہ ہو خواہ ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے۔

قاعدہ:

قرابت والے ہوں تو دور والوں کے لئے حصہ سے روک بن جائیں گے اور ماں کے ہوتے ہوئے تمام اور باپ کے ہوتے ہوئے ابویات کا حصہ نہ ہوگا۔

زوج:

ولد کی موجودگی میں اسکا چوتھائی اور اسی طرح پوتا نیچے تک ہوں تب بھی چوتھائی ہوگا اور جب ولد وغیرہ نہ ہوں تو زوج کو نصف ملے گا۔

زوجہ:

ولد کے ساتھ اس کا آٹھواں اسی طرح پوتا نیچے تک کے ساتھ بھی آٹھواں ہوگا۔ اور جب یہ نہ ہوں تو چوتھائی ہوگا۔

العصبات

یہ وہ لوگ ہیں جو اہل فرائض کے بقیہ کے وارث ہوتے ہیں۔ ان عصبات کی اولاد میں ترتیب اس طرح ہوگی۔ نمبر ۱۔ بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا پھر نیچے تک اسی ترتیب سے۔ نمبر ۲۔ پھر باپ پھر دادا پھر اس سے اوپر تک اسی طرح۔ نمبر ۳۔ بھائی ماں باپ کی طرف سے۔ پھر باپ سے بھائی۔ نمبر ۴۔ پھر حقیقی بھتیجے پھر باپ جائے بھائی کا بیٹا۔ نمبر ۵۔ پھر چچا پھر باپ کے چچا پھر دادا کے چچا۔ نمبر ۶۔ آزاد کردہ غلام۔ پھر اس کے عصبات پہلی والی ترتیب کے مطابق۔

وہ عورتیں جن کا فرضی حصہ نصف اور دو ثلث ہے وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جائیں گی۔ ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ نہیں بنیں گی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ

جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص نافرمانی کرے اللہ کی

وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭ ع

اور اس کے رسول کی اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے اللہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

ذوی الارحام

یہ ایسے اقرب ہیں۔ جو عصبات سے نہیں۔ نہ اہل فرائض سے ہیں۔ ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے۔

(نکتہ نادرہ: اس آیت میں وصیت و قرض کو عدم ضرر کی قید سے مشروط کیا۔ جبکہ اس سے قبل یہ قید نہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرابت تو الد اور تعلق زوجیت کا تقاضا ہے کہ وصیت و اقرار دین پایا جائے۔ مگر اخیافی بھائی قرابت کا رشتہ نہیں رکھتے یہاں ضرر کا اندیشہ قوی ہے۔ اس لئے اس سے بچنے کی خاطر قید لگا دی۔ مترجم)

تفسیر آیت نمبر ۱۳:

تِلْكَ (یہ) اس کا مشار الیہ وہ احکام ہیں جن کا تذکرہ باب الیتامی والوصایا والمواریث میں ہو چکا۔ حُدُوْدُ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں) ان کو حدود کہا۔ کیونکہ احکام شریعت حدود کی طرح ہیں۔ جو مکلفین کے لئے لگائی گئیں۔ ان سے تجاوز ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (جو اللہ اور اس کے رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)

تفسیر آیت ۱۴:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل فرمائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا)

لفظ و معنی کا لحاظ:

نحو: خٰلِدِیْنَ اور خَالِدًا کو نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اوپر والی آیت میں جمع لائے اور اس آیت میں مفرد لایا گیا۔

مراد مومن ہیں۔ فَإِنْ شَهِدُوا (پس اگر وہ زنا کی گواہی دیں) فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ (تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کردو) حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ (یہاں تک کہ ان کو موت آ جائے) الموت سے قبل مضاف محذوف ملائكة الموت جیسا کہ دوسری آیت الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (النحل: ۲۸) یا دوسرا معنی موت ان کو پکڑ لے۔ اور ان کی ارواح کو پورا اٹھا لے۔

سبیل کی وضاحت:

أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے راستہ مقرر کر دے) جو اس کے علاوہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کنواری کے لئے دو راہ سو کوڑے اور جلاوطنی ہے اور ثیبہ کے لئے سنگسار کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللّٰه لهن سبيلا۔ البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والثيب بالثيب جلد مائة ورجم بالحجارة۔ (مسلم۔۱۶۹۰۔ابوداؤد۔۴۴۱۵ ترمذی ۱۴۳۴)

مجھ سے احکام اچھی طرح سمجھ لو۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ متعین کر دیا۔ کہ کنواری لڑکی و لڑکا ان کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کیا جائے گا اور شادی شدہ جوڑے کو سو کوڑے اور سنگسار کیا جائے۔

تفسیر آیت ۱۶:

وَالَّذٰنِ (اور جو نسے دو شخص بھی) مراد زانی و زانیہ ہے۔ قراءت: وَالَّذٰنِّ نون کی تشدید کے ساتھ مکی نے پڑھا ہے۔ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ (بے حیائی کا کام کریں تم میں سے) اس کا معنی فاحشہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں۔ فَاٰذُوْهُمَا (پس ان کو دکھ پہنچاؤ) ڈانٹ ڈپٹ کرو اور عار دلاؤ۔ اور ان کو کہو تمہیں شرم نہیں آتی تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ فَإِنْ تَابَا (پس اگر وہ توبہ کر لیں) بے حیائی سے۔ وَأَصْلَحَا (اور اصلاح کر لیں) اور حالت کو بدل لیں۔ فَأَعْرِضُوْا عَنْهُمَا (تو تم ان دونوں سے اعراض کرو) اور توبیخ و مذمت کو منقطع کر دو۔ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں) وہ تائب کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور اس پر رحم بھی فرماتے ہیں۔

اولی حدیث:

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا۔ زنا کی حد میں سے جو پہلی چیز نازل ہوئی وہ ایذا اور پہنچانا تھی۔ پھر دوسرے نمبر پر قید کرنا۔ پھر تیسرے نمبر پر کوڑے لگانا اور سنگسار کرنا۔ پس نزول کی ترتیب تلاوت کی ترتیب کے خلاف ہے۔

تین اقسام حد:

علماء کا کہنا یہ ہے۔ کہ اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو ان کی حد فقط رجم ہے اور جب کنوارے ہوں تو ان کی حد فقط کوڑے ہیں اور اگر ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا کنوارہ ہو تو شادی شدہ پر رجم اور کنوارے پر سو کوڑے۔

ناواقفی و نادانی کرنے والے ہیں۔ کیونکہ فعل قبیح کے ارتکاب کی طرف حماقت آمادہ کرتی ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وہ جاہل ہے جب تک کہ وہ جہالت سے باز نہ آجائے۔

ترغیبِ توبہ:

دوسرا قول: اس کی جہالت یہ ہے کہ اس نے فانی لذت کو باقی لذات کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے وہ ناواقف نہیں کہ اس نے گناہ کیا۔ لیکن وہ اس کی سزا سے ناواقف ہے۔ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ (پھر قریب وقت میں وہ توبہ کر لیتے ہیں) احتضارِ موت سے پہلے پہلے دوسری آیت میں فرمایا حتیٰ اذا حضر احدھم الموت کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آنے لگتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ احتضار کا وقت ایسا ہے کہ اس میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ موت سے پہلے کی ہونے والی ہر توبہ قریب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موت کا فرشتہ دیکھنے سے پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ان اللّٰہ تعالٰی یقبل توبة العبد مالم یغرغر۔

(احمد ۲/۱۳۲ ترمذی ۳۵۳۷ ابن ماجہ ۴۲۵۳)

بیشک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتے ہیں جب تک غرغرہ میں مبتلا نہ ہو۔ مِن تبعیض کے لئے ہے۔ یعنی کسی قریب زمانہ میں توبہ کر لیتے ہیں۔

گویا کہ (ترغیبِ توبہ کے لئے) معصیت اور حضورِ موت کے درمیانی زمانے کو بہت قریبی زمانہ قرار دیا۔ (کہ وہ تھوڑا ہے اس وقت سے پہلے توبہ کر لینی چاہیے)

فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ رجوع فرمائیں گے) یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو پورا فرمائیں گے۔ اور بتلا دیا کہ مغفرت بہر صورت ہونے والی ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا (اور اللہ تعالیٰ ان کے توبہ کے ارادہ کو جاننے والے ہیں) حَكِيمًا (حکمت والے ہیں) کہ شرمندہ ہونے کو توبہ قرار دیا۔

تفسیر آیت ۱۸:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ (اور توبہ مقبول نہیں ان لوگوں کی جو برے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہنے لگتا ہے اب میں توبہ کرتا ہوں) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی کوئی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی توبہ کو ٹالتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان سے تکلیف دور ہو جائے اسباب موت جمع ہو کر اور ملک الموت کو سامنے دیکھ کر ایسے لوگوں کی توبہ غیر مقبول ہے کیونکہ یہ اضطراری حالت ہے۔ اختیاری نہیں۔ قبولیت توبہ تو ثواب و رجوع ہے اور کوئی کسی سے وعدہ نہیں کہ جس کے بدلے میں [illegible] کی طرف سے پسند کیا جائے۔ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (اور نہ ان کی توبہ قبول ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں)

نحو و قراءت:

کَرْھًا فتحہ کے ساتھ یہ کراہت سے ہے۔ اور ضمہ کے ساتھ اکراہ سے ہے اور مصدر ہے۔ حمزہ، علی رحمہما اللہ نے ضمہ سے پڑھا ہے۔ یہ مفعول سے حال ہے۔

فائدہ مہمہ:

کرہ کی قید لگانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب کراہت نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی شئی کو ذکر کرکے تخصیص کرنا سوا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا اس آیت میں ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق۔ کہ تم اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کر ڈالو (الاسراء: ۳۱) اب بھوک کا خطرہ نہ ہو بلکہ وسعت مالی میسر ہو تو ایسی حالت میں بھی اولاد کا قتل جائز نہیں۔

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ (اور تم ان کو نہ روکو) جاہلیت میں رواج تھا کہ جب آدمی کسی عورت سے نکاح کرتا حالانکہ اس کو اس کی ضرورت نہ ہوتی تو اس کو روک لیتے۔ خود اچھا سلوک نہ کرتے۔ یہ سلوک اس لئے کرتے تاکہ وہ اس کا مال حاصل کریں اور وہ مال سے خود علیحدگی اختیار کرلے۔

نحو: نمبر۱۔ ان ترثوا پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور لا تاکیدِ نفی کے لئے ہے۔ اب مطلب یہ ہوا۔ نہ ان کا مال میراث کی طرح مالک بننا حلال ہے اور نہ ان کو روکے رکھنا حلال ہے۔ نمبر۲۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور لا نہی کا ہے۔ اب کرھا پر وقف ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا۔ تم مت ان کو روکو۔

العضل روکنے اور تنگ کرنے کو کہتے ہیں۔

لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ تاکہ جو مہر تمہارے مرد باپ یا عزیز نے ان کو دیا ہے۔ تم ان سے اس کا کچھ حصہ واپس لے لو۔

نحو: یہ لتذھبوا بتاویل مصدر لام کا مجرور ہو کر لا تعضلوا کے متعلق ہے۔

بدسلوکی میں اجازتِ خلع:

إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں) الفاحشہ سے مراد خاوند کی نافرمانی اور خاوند اور اس کے اہل و عیال کو بدکلامی سے ایذا دینا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر بدسلوکی ان عورتوں کی طرف سے ہو تو پھر تم خلع کے مطالبہ میں معذور ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ الفاحشة سے مراد زنا ہے۔ پس اگر عورت نے ایسا کیا تو اس کے خاوند کے لئے خلع کا مطالبہ درست ہے۔

قراءت: مُبَيَّنَةٍ کو مکی اور ابو بکر نے یاء کے فتحہ سے پڑھا۔ استثناء عام ظرف سے ہے یا استثناء مفعول لہ سے ہے۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہوئی ان کو تمام اوقات میں مت روکو مگر اس وقت جبکہ وہ فحش کا ارتکاب کریں۔ دوسرا معنی۔ ان کو تم کسی علت و غرض سے نہ روکو مگر روکنے کی علت ارتکاب فاحشہ ہو۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا

اور اگر تم ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو

فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَ

تو اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اس کو واپس لو گے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے۔ اور

كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور انہوں نے تم سے خوب پختہ عہد

غَلِيْظًا ㉑

لے لیا ہے۔

وہ عورتوں سے بدسلوکی کرتے تھے پس انہیں حکم دیا گیا۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (ان سے حسنِ معاشرت اختیار کرو) کا مطلب نفقہ اور بیت میں انصاف کرنا ہے۔ اور بات مجمل و مناسب کہنا۔ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ (پس اگر تم ان سے نفرت کرتے ہو) ان کی بدصورتی یا بداخلاقی کی وجہ سے فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (پس ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی بھلائی رکھی ہو) فِيْهِ کی ضمیر اس شے کی طرف یا مکروہ ناپسندیدگی کی طرف راجع ہے۔
خَيْرًا كَثِيْرًا سے مراد ثواب جزیل ہے یا پھر اولاد صالح۔

مفہوم و مطلب :

آیت کا یہ ہے۔ پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ان سے جدائی صرف نفس کی کراہت کی وجہ سے اختیار نہ کرو۔ بسا اوقات نفس ایسی چیز کو ناپسند کرتا ہے۔ جو دینی اعتبار سے اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اور بھلائی سے قریب تر ہوتا ہے۔ اور ایسی چیز کو نفس پسند کرتا ہے۔ جو دینی اعتبار سے انتہائی نقصان دہ ہے بلکہ عورتوں سے جدائی اسباب صلاح پر نظر کرتے ہوئے ہونی چاہیے۔

نَحْو : فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا۔ جزاء ہے۔ اور اس کو فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ شرط ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ فان کرہتموهن فاصبروا علیهن مع الکراهة فلعل لکم فیما تکرهونه خیرا کثیرا لیس فیما تحبونه۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو کوئی بات نہیں صبر کرو باوجود کراہت کے ان کو اپنے ہاں روک کر رکھو۔ شاید کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو اس میں بہت سی بھلائی ہو جو اس چیز میں نہ ہو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۲۰: ایک جاہلانہ دستور:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی کسی عورت کو دیکھتا اور وہ اس کو پسند آجاتی۔ تو اپنی سابقہ بیوی پر بہتان لگاتا اور زنا کی

طرف اس کی نسبت کرتے۔ تاکہ مجبور ہو کر وہ اپنے مہر سے دست بردار ہوتی یا اس کو واپس کرتی۔ اس آیت میں فرمایا گیا۔ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ (اگر تم ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری کو اس کی جگہ بدلنا چاہتے ہو) وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ (اور تم نے ایک بیوی کو دے رکھا ہے) احداہن سے احدی الزوجات مراد ہے۔ اور زوج سے مراد جنس ہے۔ کیونکہ آتیتم میں ضمیر خطاب جماعت رجال کو ہے۔ قِنطَارًا (خزانہ) بہت زیادہ مال جیسا کہ آل عمران میں گزرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا۔ لا تغالوا بصدقات النساء۔ عورتوں کے مہروں کے سلسلہ میں گرانی نہ کرو۔ تو ایک عورت نے کہا۔ کیا ہم تمہاری بات مانیں یا اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ وآتیتم احداہن قنطارا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہر شخص ہی مجھ میں عمر سے زیادہ ہے۔ تم جتنے مہر پر مرضی ہو نکاح کرو۔ (بکر بن عبداللہ المزنی کی روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا میں تمہیں کثرت مہر سے منع کرنے لگا۔ تو میرے سامنے یہ آیت: وآتیتم احداہن قنطارا آ گئی پس میں اس سے رک گیا)

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ (پس تم اس دیے ہوئے مال میں سے نہ لو) ہٗ کی ضمیر قنطار کی طرف راجع ہے۔ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (کیا تم اس مال کو باطل طور پر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے لو گے) مبینا بمعنی واضح۔

تعریف بہتان:

البہتان کسی آدمی کے متعلق کوئی ایسی بری بات یا فعل کی نسبت کرنا جو اس نے نہ کیا ہو۔ کیونکہ وہ اس فعل یا بات کو سن کر مبہوت یعنی حیران ہوگا۔ اس لئے اس کو بہتان کہتے ہیں۔ یہاں فعل ہی مراد ہے۔

نحو: بہتانا یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم بہتان لگانے والے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہو گے۔

تفسیر آیت ۲۱:

پھر اس آیت میں جماع کے بعد مہر لینے کو اور زیادہ برا قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ (تم کس طرح اس کو لو گے۔ جبکہ تم جماع کر چکے) افضاء ایسی خلوت جس میں رکاوٹ نہ ہو۔ اسی سے لفظاً معنی مقرر ہے۔

احناف کی دلیل:

مسئلہ: یہ آیت ہم احناف کے لئے خلوت صحیحہ کے بعد لزوم مہر کی دلیل ہے۔

آیت میں مہر واپس لینے کو ناپسند قرار دیا گیا۔ اور اس کی علت اگلی آیت میں بیان فرمائی۔

پختہ وعدہ کی مراد:

وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (اور وہ عورتیں تم سے پختہ وعدہ بھی لے چکی ہیں) اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان (البقرہ۔ ۲۲۹) کہ یا تو ان عورتوں کو دستور کے موافق روک رکھو یا احسان سے رخصت کر دو)

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے گزر چکا۔ بے شک یہ بے حیائی کا

وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا (۲۲)

اور غضب کا کام ہے اور بُرا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اپنے بندوں سے ان عورتوں کی خاطر لیا۔ تو گویا ایسے ہی ہو گیا جیسے ان عورتوں نے اپنے خاوندوں سے براہ راست لیا۔

دوسری تفسیر: میثاقاً غلیظاً سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: استوصوا بالنساء خیرًا تم عورتوں سے بھلا سلوک کرو فانہن عوان فی ایدیکم اخذتموھن بامانة اللہ۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں ریوڑ کی طرح ہیں۔ واستحللتم فروجھن بکلمة اللہ (ترمذی ۱۱۶۳۔ ابن ماجہ ۱۸۵۱۔ مسلم ۱۲۱۸) تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان سے لیا اور ان کی شرمگاہوں کو حکم خدا سے اپنے لئے حلال بنایا۔

آیت ۲۲: جب یہ آیت لا یحل لکم ان ترثوا اتری۔ تو لوگوں نے کہا ہم نے سابقہ رواج کو ترک کر دیا۔ ہم ان کی ناپسندیدگی سے ان کے وارث نہ بنیں گے۔ لیکن ہم ان کو پیغام نکاح دیں گے اور ان کی رضا و رغبت سے ان سے نکاح کر لیں گے۔ تو اس پر یہ آیت اتری۔

باپ کی موطوءہ حرام ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے) ایک قول یہ ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہے۔ یعنی ان عورتوں سے وطی نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے وطی کی ہو۔

مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ باپ کی موطوءہ سے نکاح حرام ہے خواہ موطوءہ نکاح سے ہو یا ملک یمین یا زنا سے جیسا کہ ہمارا مسلک احناف ہے۔ اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم ایسا کریں گے تو اس کی ممانعت کر دی گئی تو اگر باپ کی طرف سے یہ کریں گے تو اس کا معاملہ خوبصورتی میں کیا ہوگا فرمایا۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (لیکن جو پہلے ہو چکا) اس پر تم سے مواخذہ نہ کیا جائے گا۔

نحو: سیبویہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔

اللہ کی ناراضگی و ناپسندیدگی:

آیت کے اگلے حصے میں اللہ کی حیثیت بتلا دی۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (کہ یہ بے حیائی ہے اور قباحت میں انتہاء کو پہنچنے والی ہے) وَّمَقْتًا (اور ناراضگی میں) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض اور ایمان والوں کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ بعض لوگ عورتوں کی

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور بھائی

الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

کی بیٹیاں، اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں،

وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ

اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں سے دخول کر چکے ہو جو تمہاری گود

بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ

میں ہیں۔ سو اگر تم نے ان بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لو، اور حرام ہیں تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں

الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

جو تمہاری پشت سے ہیں، اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرو مگر جو گزر چکا۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

ناراضگی کے باوجود اپنے وقار کے لئے ایسا کرتے تھے اور اس کو نکاح مقت کہتے تھے۔ اور اس سے جو اولاد پیدا ہوتی اس کا لقب المقتی مشہور ہوتا۔ وَمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا (اور یہ بہت برا راستہ ہے)

تفسیر آیت ۲۳ ...... بیانِ محرمات:

جب شروع سورت میں ان عورتوں کا ذکر کیا جن سے نکاح حلال تھا۔ اور اس سے قبل بعض محرمات کا ذکر دیا گیا۔ اور وہ باپوں کی موطوءہ ہیں۔ تو اب باقی محرمات کا ذکر فرمایا۔ وہ سات نسب سے ہیں۔ سات سبب سے ہیں۔ ابتداءً نسب والی عورتوں سے کی۔ فرمایا۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ (تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئیں) مراد ان سے نکاح کا حرام ہونا ہے عند البعض۔ ہم نے شرح المنار میں مختار قول ذکر کر دیا ہے۔ نانی و دادی وہ بھی امہات میں شامل ہیں۔

وَبَنٰتُكُمْ (اور تمہاری بیٹیاں) پوتیاں نواسیاں وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔

قاعدہ: جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو پھر تقسیم فردی احاد پر ہوتی ہے۔

پس ہر ایک پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہوگی۔ وَأَخَوٰتُكُمْ (اور تمہاری بہنیں) خواہ ماں باپ یا ماں یا صرف باپ کی طرف

سے یا صرف ماں کی طرف سے ہوں۔ یعنی حقیقی، علاتی، اخیافی۔

عمات سے مراد:

وَعَمّٰتُكُمْ (تمہاری پھوپھیاں) حقیقی علاتی، اخیافی۔ وَخٰلٰتُكُمْ (اور تمہاری خالائیں) تینوں قسم حقیقی، علاتی، اخیافی۔ وَبَنٰتُ الْاَخِ (بھتیجیاں) تینوں قسم حقیقی، علاتی، اخیافی۔ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ (بھانجیاں) تینوں قسم ان دونوں قسم میں پوتیاں اور نواسیاں بھی شامل ہونگی۔

حرمت رضاعت:

آگے سبب سے جو محرمات ہیں ان کو بیان کیا۔ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (تمہاری رضاعی مائیں اور بہنیں) اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو نسب کے قائم مقام کیا ہے۔ اسی لئے مرضعہ کو دودھ پینے والے بچے کی ماں سے تعبیر فرمایا۔ اور اس کی بیٹیوں کو بہن سے تعبیر فرمایا۔ اسی طرح مرضعہ کے زوج کو رضیع کا باپ اور اس کے ماں باپ کو دادا دادی اور باپ کی بہن کو اس کی پھوپھی ہر بچہ جو اس خاوند سے اس عورت کا پیدا ہو وہ اس رضیع کے بھائی بہن حقیقی ہیں۔ اور اس عورت کا جو بچہ دوسرے خاوند سے پیدا ہو وہ اس کے ماں جائے بہن بھائی ہیں۔ اور اس کی اصل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب۔ بخاری۔ ۵۲۳۹۔ مسلم۔ ۱۴۴۴۔ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

عقد کی محرمات:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (اور تمہاری بیویوں کی مائیں) یہ محرمات نظر عقد سے ہیں۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ (وہ ربیبہ جو تمہاری پرورش میں ہوں) عورت کی وہ اولاد جو موجودہ کے علاوہ خاوند سے ہو اس کو ربیب اور ربیبہ کہا۔ کیونکہ یہ خاوند ان کو پالتا ہے۔ جیسا کہ عموماً والد اپنی اولاد کو پالتا ہے۔ پھر مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی اور تربیت نہ کرنے کی صورت میں بھی نام یہی رکھا گیا۔ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ (جو تمہاری گودوں میں ہیں) داؤد ظاہری نے کہا اگر وہ اس کے زیر نگرانی نہ ہوں تو حلال ہیں۔

حجور کی قید کا مطلب:

حجورکم کا تذکرہ غالب حالت کے پیش نظر ہے۔ یہ شرط نہیں۔ بلکہ اس انداز سے لانے کا مقصد حرمت کی علت بیان کرنا ہے۔ ان کی حرمت تمہارے ان کو گود میں لے لینے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے کہ وہ تمہارے گودوں میں پلنے کے میدان میں ہیں۔ گویا کہ تم ان کی بیٹیوں سے عقد کرنے میں اس طرح ہو گے جیسے اپنی بیٹیوں سے عقد کرنے والے ہو۔

مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے قربت کی ہو) یہ ربائبکم سے متعلق ہے یعنی کہ اس ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔ جو مدخول بہا ہو۔ اگر اس عورت سے دخول نہ ہوا ہو تو پھر وہ ربیبہ حلال ہے۔ اور دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں بنی علیھا و ضرب علیھا الحجاب یعنی تم نے ان کو ستر میں داخل کیا ہو۔ با

تعدیہ کی ہے۔ نسی وغیرہ والی جماع و قائم مقام دخول ہیں۔

بعض علماء نے اللاتی دخلتم بهن کو نساء مقدمہ اور متاخرہ کی صفت بنایا ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں۔ کیونکہ ایک وصف دو ایسے موصوف کا وصف نہیں بن سکتا جن کو عامل مختلف ہو۔ اور یہاں نساء مقدمہ مجرور بالاضافت ہیں اور نساء متاخرہ من کی وجہ سے مجرور ہیں۔ اور اس طرح کہنا درست نہیں مررت بنسائك و هربت من نساء زيد الظريفات اس طور پر کہ پہلی نساء اور دوسرا لفظ نساء کی صفت بنے۔ زجاج نے اس طرح کہا۔ یہ قول صاحب کشاف کے قول سے زیادہ بہتر ہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (اگر تم نے ان سے قربت نہ کی ہو تم پر کوئی گناہ نہیں) کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرلو۔ جبکہ پہلے ان کو طلاق دے کر فارغ کر دو۔ یا وہ نکاح کے بعد مر جائیں۔ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ (اور تمہاری بہوئیں) حلائل جمع حلیلہ ہے۔ زوجہ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے حلال ہے۔ یا ایک دوسرے کا بستر اس کے لئے حلال کیا گیا۔ یہ حل سے ہے یا حلول سے ہے۔

اصلاب کی قید سے متبنّٰی کو خارج کیا:

الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (وہ بیٹے جو تمہاری صلب سے ہیں) وہ نہیں جن کو تم نے متبنّٰی بنایا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ جب ان کو زید متبنّٰی رسول اللہ ﷺ نے جدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ (الاحزاب: ۳۷) تاکہ ایمان والوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کے سلسلہ میں کوئی تنگی نہ رہے۔ یہ آیت رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کے لئے نہیں ہے۔

رضاعی بیٹے کی بیوی بھی محرمات سے ہے:

(اس کی حرمت حدیث: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے) وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (اور یہ کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو) یعنی نکاح میں جمع کرنا۔ نحو: اس کا عطف محرمات پر ہے۔ اور یہ موضع رفع میں ہے۔ یعنی تم پر جمع بین الاختین حرام کیا گیا۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (مگر جو ہو چکا) اب تک جو ہوا وہ معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان ہیں)

امام محمد رحمہ اللہ کا قول:

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت ان تمام محرمات کو حرام جانتے تھے مگر باپ کی بیوی اور نکاح اختین مروج تھا اسی لئے ان کے متعلق الا ما قد سلف فرمایا۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اور حرام ہیں وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں، سوائے ان عورتوں کے جن کے تم مالک ہو جاؤ۔ اللہ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ

اور تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں کہ تم اپنے مالوں کے ذریعہ طلب کرو اس حال میں کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو

مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ

پانی بہانے والے نہ ہو۔ سو ان میں سے جن عورتوں سے تم نفع حاصل کرو تو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مقرر مہر کے بعد آپس کی رضامندی سے کوئی بات طے کر لو۔ بلاشبہ اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

علیم ہے حکیم ہے۔

تفسیر آیت ۲۴:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (اور خاوندوں والی عورتیں) کیونکہ انہوں نے اپنی شرمگاہوں کو نکاح کے ذریعہ محفوظ کر لیا۔

قراءت: یہاں کسائی نے محصنات۔ صاد کے فتحہ سے پڑھا اور باقی تمام قرآن مجید میں کسرۂ صاد سے پڑھا۔

لونڈیوں کی حلت:

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (مگر جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں) قید ہو جانے کی وجہ سے جبکہ ان کا خاوند دارالحرب میں ہو۔ مطلب یہ ہوا تم پر منکوحہ عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ یعنی وہ عورتیں جن کے خاوند ہوں مگر وہ عورتیں کہ جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ بنے ان کے قید ہو جانے کی وجہ سے اور ان کے باخاوند نکلنے کی وجہ سے دارین کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان میں فرقت واقع ہوئی۔ قید کی وجہ سے نہیں۔ دارین سے مراد دارالکفر اور دارالاسلام ہے۔ اسی لئے غانم کے لئے ملک یمین (لونڈی) ٹھہرانے رحم کے بعد حلال ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (یہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے تم پر) کتاب یہ مصدر مؤکد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا اور فرض کیا فرض کرنا۔ اور فرض کا مطلب جو حرام کی گئی چیزیں ہیں ان کا حرام قرار دینا ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ (اور حلال کر دی گئیں تمہارے لئے)

نَحْو: بعض مفسرین نے کتاب اللہ کو نصب دی اس بنا پر اس کا عطف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دی تم پر ان کی تحریم اور اس کو حلال کر دیا تمہارے لئے۔ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (ان مذکورہ محرمات کے علاوہ عورتیں)۔

قراءت: کوفی قراء نے سوائے ابوبکر کے حرمت پر عطف کرتے ہوئے وَاُحِلَّ ضمہ سے پڑھا ہے۔

نَحْو: اَنْ تَبْتَغُوْا (یہ کہ طلب کرو تم) یہ مفعول لہٗ ہے۔ یعنی اس چیز کو جو حلال ہے اس چیز سے جدا کرکے جو حرام ہے اس نے بیان کر دیا تاکہ تم طلب کرو ان کو اپنے مالوں کے ساتھ۔ یا یہ ما وراء ذلکم سے بدل ہے۔ اور تبتغوا کا مفعول اس صورت میں مقدر ہے اور وہ النساء ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مقدر نہ مانا جائے۔

بِاَمْوَالِكُمْ (اپنے اموال کے ساتھ) مال سے مراد یہاں مہر ہے۔

لطیف استدلال:

مَسْئَلَۃ: اس میں اس بات کی مضبوط دلیل ہے۔ کہ نکاح بلا مہر درست نہیں اور مہر لازم ہو جاتا ہے۔ خواہ مقرر نہ کیا جائے۔ اور غیر مال مہر نہیں بن سکتا۔ اور معمولی مقدار بھی مہر نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ ایک دانہ عادۃً مال شمار نہیں ہوتا۔

مُّحْصِنِيْنَ (اس حال میں کہ تم پاکدامنی اختیار کرنے والے ہو) غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (نہ کہ ناجائز تعلق رکھنے والے) تاکہ تم اپنے اموال کو ضائع کرنے والے نہ بنو اور اپنے آپ کو محتاج کر لو ایسی چیز سے کہ جس میں تمہارے دین و دنیا کا نقصان ہو۔ وہ ان دونوں خساروں میں جتلا آدمی بہت بڑے بگاڑ کا شکار ہو گیا۔

الاحصان پاکدامنی۔ حرام میں جتلا ہونے سے نفس کو بچانا۔ المسافح زانی یہ سفح سے ہے اس کا معنی شئ بہانا ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ (پس جس طریق سے تم عورتوں سے لذت اندوز ہو چکے ہو) تو ان کے مہر ان کو دو۔ یعنی عورتوں سے تم نکاح کر چکے ہو۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (تو ان کے مہر ان کو دے دو) کیونکہ مہر بضع کی طرف لوٹنے والا ہے۔ نَحْو: مَا اس موقعہ پر نساء کے معنی میں ہے۔ اور من تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔ بہٖ کی ضمیر لفظ کے لحاظ سے ما کی طرف راجع ہے اور معنی کے لحاظ سے فاتوھن کی طرف لوٹتی ہے۔

فَرِيْضَةً (جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں) نَحْو: یہ اجورھن سے حال ہے۔ ای مفروضۃ مقرر کیے ہوئے۔ یا یہ ایتاء کی جگہ ہے۔ کیونکہ دینا فرض ہے۔ یا یہ مصدر مؤکد ہے اور فعل محذوف ہے فرض ذلک فریضۃ۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ (کوئی حرج نہیں اس مقدار میں جس پر تم باہمی رضامند ہو جاؤ مقرر ہو جانے کے بعد) یعنی مہر میں سے جو کم کرے یا تمام ہبہ کرے یا اس مقدار میں اضافہ کر دے۔ یا جس پر دونوں باہمی ٹھہرانے پر رضامند ہو یا فراق پر۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا (بیشک اللہ تعالیٰ اشیاء کو ان کی پیدائش سے قبل جاننے والے) حَكِيْمًا (اور حکمت والے ہیں) اس میں جو اس نے عقد نکاح کو لازم کیا جس سے انساب کا تحفظ ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ فما استمتعتم آیت متعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ جو اس وقت تین دن کے لئے مباح ہوا جب اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا

مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ ؕ بَعْضُکُمْ

مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ

بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِکَ

لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ

رَّحِیْمٌ ﴿۲۵﴾

تفسیر آیت ۲۵:

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا (اور تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو) طول کا معنی زائد کیا جاتا ہے۔ لفلان علی فلان طول یعنی فلاں کو مجھ پر فضل واضافہ حاصل ہے۔ یہ یستطع کا مفعول ہے۔ اَنْ یَّنْکِحَ (کہ وہ نکاح کرے) نحوی تحقیق: یہ طول کا مفعول ہے یہ مصدر ہے۔ اور اپنے فعل کا عمل کرتا ہے۔ یا طولًا سے بدل ہے۔

الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (پاکدامن مومنہ عورتوں سے) مراد آزاد مسلمان۔ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (پس جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں تمہاری مومنہ لونڈیوں میں سے) یعنی اس کو مسلمان لونڈی سے نکاح کر لینا چاہیے۔ من فتیاتکم سے مراد مسلمانوں کی لونڈیاں ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جو اس قدر مالی وسعت نہیں رکھتا جس سے وہ آزاد

عورت سے نکاح کرے تو اسے لونڈی سے نکاح کر لینا چاہیے۔ اور کتابی لونڈی سے نکاح ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور یہ قید استحبابی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایمان تو باتفاق آزاد عورتوں میں بھی شرط نہیں حالانکہ اس کے ساتھ قید موجود ہے۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جو وسعتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ لونڈی سے نکاح۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح اگرچہ وہ خوشحال ہو۔ یہ روایت مسئلہ طول میں ہم احناف کی دلیل ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو جانتے ہیں) اس میں متنبہ کر دیا کہ ان کے ظاہری ایمان کو قبول کر لیا جائے گا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے زبان کا عمل نہیں۔ کیونکہ ایمان مسموع کا علم تو مختلف فیہ نہیں ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (تم ایک دوسرے سے ہو) لونڈیوں کے نکاح سے نفرت نہ کرو۔ کیونکہ تم سب اولاد آدم میں سے ہو۔ اس میں بتلایا گیا کہ انساب پر عیب جوئی اور احساب پر فخر نہ کرنا چاہیے۔ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ (ان سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو) اس میں ہماری دلیل ہے کہ عورتوں کو حق ہے کہ وہ عقد براہ راست کریں۔ لیکن موالی کی اجازت کا اعتبار کیا گیا کہ ان کے عقد کا۔ اور غلام اور لونڈی کے لئے جائز نہیں کہ نکاح اپنے موالی کی اجازت کے بغیر کریں۔

بلا ٹال مٹول مہر ادا کرو:

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اور تم ان کے مہر دستور کے موافق دے دو) یعنی ان کے مہر بغیر ٹال مٹول اور تکلیف پہنچانے کے دے دو۔ اور ان کے مہروں کے مالک ان کے موالی ہیں۔ ان کو ادا کرنا موالی کو ادا کرنا ہی ہے۔ کیونکہ وہ اور جو ان کے قبضہ میں ہے وہ ان کے موالی کا ہے۔ یا تقدیر عبارت یہ ہے۔ واتوا موالیهن۔ وہ مہر ان کے موالی کو دو۔ اس صورت میں مضاف حذف کیا گیا ہے۔

مُحْصَنٰتٍ (وہ پاکدامنی اختیار کرنے والیاں ہوں)

نحو: یہ آتوهن کے مفعول سے حال ہے۔

غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ (نہ کہ اعلانیہ زنا کرنے والیاں) وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (اور نہ خفیہ یارانہ کرنے والیاں ہوں) یعنی خفیہ زنا کرنے والیاں۔ یعنی اخدان۔ پوشیدہ یار۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ (جب پاکدامن ہو جائیں) نکاح کے ذریعہ۔

قراءت: اَحْصَنَّ حفص کے علاوہ دوسرے قراء نے پڑھا۔

یہاں محصنات سے غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں:

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ (پس اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں) الفاحشہ سے مراد زنا ہے۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان فرمائے تمہارے لئے اور تم کو بتلائے طریقے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور یہ کہ وہ تمہاری

عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ

توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور جو لوگ

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۞ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ

خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کا

عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۞

ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

الْمُحْصَنٰتِ (یعنی ان پر نصف سزا ہے اس کی جو آزاد پاکدامن عورتوں پر ہے) مِنَ الْعَذَابِ سزا سے مراد حد ہے۔ پچاس کوڑے ہیں اور نصف ما علی المحصنات دلالت کرتا ہے کہ ان کی سزا کوڑے ہیں سنگساری نہیں۔ کیونکہ رجم نصف نہیں اور محصنات سے یہاں آزاد عورتیں مراد ہیں جو غیر شادی شدہ ہوں۔

العنت کا معنی:

ذٰلِکَ (یہ اس شخص کے لئے ہے) اس سے لونڈی کے نکاح کی طرف اشارہ کیا۔ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ (جس کو تم میں سے گناہ کا خطرہ ہو) ایسا گناہ جو غلبہ شہوت تک پہنچنے والا ہو۔ العنت کا اصل معنی جڑنے کے بعد ہڈی کا ٹوٹنا۔ پھر استعارۃً ہر نقصان و مشقت کے لئے استعمال کیا گیا۔ اور گناہوں میں انتہاء سے بڑھ کر کوئی نقصان دہ چیز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ العنت کا معنی زنا ہے کیونکہ وہ ہلاکت کا سبب ہے۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا (اور تمہارا صبر کرنا) یعنی لونڈی کے نکاح سے۔ خَیْرٌ لَّکُمْ (تمہارے لئے بہت بہتر ہے) کیونکہ اس سے اولاد غلام ہوگی۔ اور وہ لونڈی ہر وقت باہر نکلنے والی داخل ہونے والی۔ محنت و مشقت کرنے والی ہے۔ یہ تمام چیزیں نکاح کرنے والے کے لئے نقصان اور توہین کا باعث ہیں۔

اور عزت ایمان والوں کی صفات سے ہے حدیث میں فرمایا۔ آزاد عورتیں گھر کی درستی ہیں اور لونڈیاں گھر کی ہلاکت ہیں۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ (اور اللہ بخشش کرنے والے) گناہ چھپانے والے ہیں۔ رَّحِیْمٌ (مہربان ہیں) رکاوٹ کا ازالہ فرمانے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶:

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے لئے کھول کر بیان کرے) اصل اس طرح ہے یرید اللّٰہ ان یبین لکم اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ارادہ تبیین کو پختہ کرنے کے لئے لام کو بڑھا دیا۔ جیسا کہ لا ابالک میں اب کی طرف اضافت میں تاکید بڑھادی گئی۔ مطلب آیت کا یہ ہوا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ کہ وہ کھول کر بیان کردیں وہ مصالح جو تم پر مخفی ہیں اور وہ اعمال حسن جو معلوم نہیں۔ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (اور تمہاری راہنمائی کردے ان لوگوں کے راستے کی طرف جو تم سے پہلے ہو گئے) یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے راستے اور وہ طریقے جن پر وہ اپنے دین کے سلسلہ میں چلے۔ تاکہ تم ان کی اقتداء کرو۔ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ (اور تمہاری توبہ قبول کرے) اور تمہیں ان باتوں میں جن میں تم مخالفت ہو چکے توبہ کی توفیق دے۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصالح سے واقف ہیں۔ حَكِيمٌ (اور حکمت والے ہیں) ان باتوں میں جو ان کے لئے مشروع کی ہیں۔

تفسیر آیت ۲۷:

وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ (اللہ تعالیٰ تم پر رجوع فرمانا چاہتے ہیں) تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا۔ پہلی اور تقابل کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ وَيُرِيدُ (اور چاہتے ہیں)۔ یعنی فجار

شہوت پرستوں کا مقصد:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا (وہ لوگ جو شہوات کے پیروکار ہیں کہ تم مائل ہو جاؤ بالکل مائل ہونا) مَيْلًا عَظِيمًا۔ حق اور میانہ روی سے مائل ہونا۔ وہ یہ سب سے بڑا میلان ہے۔ کہ اتباع شہوات خواہشات میں موافقت کی جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد یہود ہیں کیونکہ انہوں نے باپ کی بہنوں بھتیجیوں اور بھانجیوں کو حلال قرار دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام کیا۔ تو وہ کہنے لگے تم خالہ کی بیٹیوں اور پھوپھی زاد کو حلال قرار دیتے ہو حالانکہ خالہ اور پھوپھی تو تم پر حرام ہیں بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کرلو۔ جب یہ آیت اتری۔ کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ تم ان کی طرح زانی بن جاؤ۔

آیت ۲۸: يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف چاہتے ہیں) لونڈیوں کے نکاح کی رخصت دے کر۔ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (اور انسان کمزور پیدا کیا گیا) کہ شہوات سے صبر نہیں کرتا۔ اور طاعات کی مشقتیں برداشت نہیں کرتا۔

سورۂ نساء کی آٹھ آیات ساری دنیا سے بہتر:

قراءت: مدنی قراء نے مَدخلًا پڑھا۔ دونوں مکان کے معنی میں ہیں اور مصدر ہیں۔ کریمًا کے معنی عمدہ اچھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کی آٹھ آیات اس امت کے لئے اس ساری دنیا سے بہتر ہیں جس پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے۔ نمبر۱۔ یرید اللّٰہ لیبین لکم۔ نمبر۲۔ واللّٰہ یرید ان یتوب علیکم۔ نمبر۳۔ یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم۔ نمبر۴۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم۔ نمبر۵۔ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ نمبر۶۔ ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرۃ۔ نمبر۷۔ ما یعمل سوء ا او یظلم نفسہ۔ نمبر۸۔ من یفعل اللّٰہ بعذابکم۔

معتزلہ کا استدلال:

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا کہ صغائر کی بخشش لازمی ہے۔ جبکہ کبائر سے پرہیز کیا جائے اور کبائر کی بخشش نہیں۔

شرک کی معافی اللہ کی مشیت میں ہے:

جواب: یہ استدلال باطل ہے۔ کیونکہ تمام کبائر و صغائر مشیت الٰہی میں برابر ہیں۔ ان دونوں پر چاہے تو عذاب دے سکتا ہے۔ دونوں کو معاف کر سکتا ہے۔ جیسا اس ارشاد میں ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء [النساء: ۴۸] کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشیں گے۔ اور اس کے سوا جو ہیں گے جس کو چاہیں گے معاف فرما دیں گے۔ شرک کے علاوہ گناہ پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور پھر دونوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ان الحسنات یذھبن السیئات۔ کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ صغائر و کبائر تمام کا حسنات سے معاف ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ السیئات دونوں پر بولا جاتا ہے۔

کی تعبیر مردوں اور عورتوں کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مرد ان عورتوں پر غلبہ رکھتے ہیں عقل' عزم' حزم' تیر اندازی' قوت' غزوہ وحرب' کمال صوم وصلوٰۃ اور نبوت وخلافت وامامت واذان اور خطبہ وجماعت وجمعہ کی وجہ سے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرات تشریق کی وجہ سے بھی فضیلت والے ہیں۔ جبکہ شہادت فی الحدود والقصاص' دوگنا حصہ وراثت اور میراث میں عصبہ بننے کی وجہ سے افضل ہیں۔ اسی طرح نکاح وطلاق کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رکھی ہے اور اولاد کی نسبت نسبی بھی انہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرد ہی داڑھیوں اور پگڑیوں سے مزین کیے گئے ہیں۔

وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنا مال ان عورتوں پر صرف کرتے ہیں) یعنی عورتوں کے نفقہ و نان کی ذمہ داری ان مردوں پر ہے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ عورتوں کا نفقہ مردوں پر لازم ہے۔ پھر ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

عورتوں کی تقسیم:

قسم اوّل: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (پس نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والیاں ہیں) قانتات کا معنی اطاعت گزار اور خاوندوں کے حقوق کو پورا کرنے والیاں۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ (وہ خاوندوں کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی ہیں) للغیب کا مطلب جو غیر موجودگی میں ان پر لازم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے خاوند موجود نہ ہوں تو اپنی شرمگاہوں' اموال' بیوت کی پوری حفاظت کرنے والی ہوں۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ للغیب کا مطلب ان کے پوشیدہ راز نہ ظاہر کرنے والی ہیں۔ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (اس حفاظت کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی) کہ خاوندوں کو ان کے متعلق نصیحت فرمائی: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹) کہ عورتوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

بِمَا کو مصدریہ مانیں تو مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حفاظت غیب کا حکم دیا اور اس کی توفیق بخشی۔ مَا موصولہ ہو یعنی عورتوں کو اس طرح بنا دیا کہ مردوں کو ان کے حقوق کا نگران بنایا۔ اور اس کے بدلے ان پر عصمت اور مردوں کے اموال و اولاد کی حفاظت ان کے ذمہ کی۔

قسم ثانی: وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ (اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں خطرہ ہو) اور خاوند کی اطاعت سے نکل جانے کا۔ النشوز بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ نشوز یہ ہے کہ خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں تحقیق کا مطالبہ کرے اور خاوند کی بات نہ مانے۔

فَعِظُوْهُنَّ (ان کو (زبانی) نصیحت کرو) یعنی اللہ تعالیٰ کی سزا سے ان کو ڈراؤ۔ الموعظہ وعظ اس نرم کلام کو کہتے ہیں۔ جو سخت دلوں کو نرم کر دے اور نفرت والی طبائع کو جھکا دے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ

اور اگر تم کو شوہر اور بیوی کے باہمی کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی فیصلہ کرنے والا عورت کے

اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

خاندان سے بھیجو۔ اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا

خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

خبر رکھنے والا ہے۔

کنایۂ ترکِ جماع:

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (تم ان کی خوابگاہوں میں علیحدگی اختیار کرو) یعنی اپنے لحاف میں مت داخل کرو۔ یہ ترک جماع سے کنایہ ہے۔ یا بستر میں ان کی طرف سے پشت پھیر لے۔ کیونکہ فی المضاجع فرمایا عن المضاجع نہیں فرمایا۔ وَاضْرِبُوْهُنَّ (اور ان کو مارو) جس کا نشان نہ پڑے اللہ تعالیٰ نے اول نصیحت کا حکم فرمایا پھر خوابگاہوں میں ان سے علیحدگی اختیار کر لینے اور آخر میں ضرب کا حکم فرمایا۔ گویا پہلی دونوں صورتیں مفید نہ پڑیں تو تب تیسری اختیار کی جائے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو تم خواہ مخواہ ان پر اعتراض کا راستہ مت تلاش کرو) یعنی ایذاء سے تعرض مت کرو۔

اللہ کی عظمت کا خیال کرو:

نحو: سبیلا یہ تبغوا کا مفعول ہے۔ یہ بغیت الامر بمعنی طلبت الامر ہے۔ مت ڈھونڈو ان پر بات اعتراض والی۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (بے شک اللہ تعالیٰ بڑی عظمت و کبریائی والے ہیں) اگر تمہارے غلبے والے ہو تم ان پر ہیں تو یقین کر لو کہ اس کی قدرت اس سے بہت بڑھ کر ہے جتنی تم کو ان پر حاصل ہے۔ اس لئے ان پر ظلم سے گریز کرو۔ دوسری تفسیر یہ ہے اللہ تعالیٰ تو بڑی عظمت و کبریائی والے ہیں۔ پھر تم اس کی عالیشان کے باوجود اس کی نافرمانی کرتے ہو۔ بڑی بادشاہت کے باوجود نافرمانی کر رہے ہو۔ پھر تم توبہ کرتے ہو تو وہ قبول فرماتا ہے۔ پس تمہارے حق میں جو زیادتی کرے اس کو معاف کرنے کے زیادہ حقدار ہو۔ پس معاف کر دو۔

تفسیر آیت ۳۵:

اس آیت میں خاندان کی برادری والوں کو فرمایا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ

اور مسافر کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے مملوک ہیں اچھا سلوک کرو۔ بے شک

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ

اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے شیخی کی باتیں کرے جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو

النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا

کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا

ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

ایمان لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور شیطان جس کا ساتھی ہو

فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا

سو وہ برا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان ہے ان کا اگر وہ ایمان لے آتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور خرچ کرتے

مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ بے شک اللہ ظلم نہیں فرمائے گا

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْھَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا

ذرہ برابر بھی اور اگر نیکی ہو گی تو اس کو چند در چند کر دے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب

عَظِيْمًا ۝

خلاصۂ عبودیت اور احکام شرعیہ:

آیت ۳۶: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ (اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) کہا گیا ہے کہ عبودیت چار باتوں کا مجموعہ ہے نمبر ۱۔ وفاء بالعہد۔ نمبر ۲۔ رضا بالموجود۔ نمبر ۳۔ حدود کی حفاظت۔ نمبر ۴۔ ہاتھوں سے کھوئے جانے والی چیز پر صبر۔ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (اور اس کے ساتھ کسی چیز (صنم وغیرہ) کو شریک نہ ٹھہراؤ) شیئًا مفعول بہ ہے۔ یا مفعول مطلق۔ شرکی کی صفت ہے۔ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (اور والدین کے ساتھ احسان کرو) یعنی قول فعل سے اور بوقت ضرورت انفاق کے ذریعہ ان کے ساتھ احسان کرو۔ وَّبِذِي الْقُرْبٰى (اور قرابت داروں کے ساتھ) خواہ بھائی ہو یا چچا وغیرہ۔ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى (اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی کے) یعنی پڑوس میں رہنے والا قرابت دار۔ وَالْجَارِ الْجُنُبِ دور کا پڑوسی۔ یا جو قریب النسب اور پڑوسی اجنبی۔

ہم مجلس کی مراد:

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ (ہم مجلس کے ساتھ) نمبر ۱۔ پہلو کا ساتھی یعنی زوجہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے۔ نمبر ۲۔ وہ شخص جو تیرے پہلو میں رہے خواہ رفیق سفر بن کر یا شریک فی التعلیم ہو کر یا شاگرد بن کر۔ نمبر ۳۔ یا تیرے پہلو میں بیٹھنے والا کسی مجلس یا مسجد میں۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ (مسافر یا مہمان) وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (اور جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں) یعنی غلام۔ لونڈیاں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا خیال کرنے والا شیخی کی باتیں کرنے والا ہو) مختال اس شخص کو کہتے ہیں جو تکبر اور قرابت داروں اور پڑوسیوں سے نفرت کرتا ہو اور ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرتا ہو۔ فخور وہ شخص جو تکبر سے اپنی تعریف کرے۔ شکور اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی اچھائی بطور اعتراف اور تحدیث نعمت کے ذکر کرے۔

تفسیر آیت ۳۷:

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں)

نحو و قراءت:

نحو: نمبر ۱۔ الذین یبخلون من کان مختالا فخورًا کا بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَن کے معنی کا لحاظ کر کے جمع لائے یا بطور مذمت جمع لائے۔ نمبر ۲۔ ھم مبتدا محذوف اور الذین یبخلون اس کی خبر۔

قراءت: حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے البَخَل پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے الرُّشد اور الرَّشَد۔

مفہوم آیت:

آیت کا معنی یہ ہے وہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اس میں بخل کرتے ہیں اور جو لوگوں کے پاس ہیں اس میں بھی بخل کرتے ہیں کہ ان کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں صرف عداوت کی وجہ سے ایسا کرتے ہوئے۔

الفاظ کا باہمی فرق:

البخل : خود تو کھائے مگر دوسرے کو نہ کھلائے۔

الشح : نہ خود کھائے نہ دوسرے کو کھلائے۔

السخاء : خود کھائے اور دوسرے کو کھلائے۔

الجود : دوسروں کو کھلائے خود نہ کھائے۔

اظہارِ نعمت:

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اور وہ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطاء کی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مال اور خوشحالی دی ہے اس کو چھپاتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ بندے پر اپنی نعمتیں دیکھیں۔ (ترمذی ۲۸۱۹)

واقعہ عجیبہ:

ہارون الرشید کے ایک عامل نے ایک محل جس کے محل کے سامنے بنوایا۔ کسی نے ہارون رشید سے اس کی چغلی کر دی۔ اس عامل نے کہا۔ اے امیر المؤمنین! مجھ کو یہ بات پسند آئی ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر دیکھے میں نے چاہا کہ آپ کو میں آپ کے احسان پر نگاہ ڈلوا کر خوش کروں ہارون الرشید کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔

شانِ نزول: ایک قول یہ بھی ہے کہ ان یہود کے متعلق اتری جنہوں نے محمد ﷺ کی تعریف تورات میں چھپائی تھی۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے) جس کے ساتھ ان کی تذلیل کی جائے گی۔

آیت ۳۸: وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ (اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھلاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں)

نحو: یہ یبخلون پر عطف ہے یا کافرین پر۔ رِئَآءَ النَّاسِ اس کا مفعول لہٗ ہے۔ ریاء کا مطلب فخر کے لئے تاکہ ان کو بڑا سخی کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہیں۔ اس سے مراد منافقین و مشرکین مکہ ہیں۔

وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا (وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا شیطان دوست ہو پس وہ بہت برا دوست ہے) اس لئے کہ وہ ان کو بخل اور ریاکاری اور دیگر بداعمالیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ وعید ہے۔ پھر مطلب یہ ہے کہ شیطان کو آگ میں ان کا قرین بنایا جائے گا۔

تفسیر آیت ۳۹:

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ (ان کا کیا نقصان ہوتا اگر یہ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لے آتے اور اس میں سے خرچ کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے) ان کے ایمان پر کیا وبال پڑتا۔ اور انفاق فی سبیل اللہ پر کیا بوجھ پڑتا۔ درحقیقت اس انداز سے ان کی مذمت وتوبیخ کی گئی ہے۔ ورنہ تو ہر منفعت اور مصلحت اس میں ہی منحصر رکھی ہے۔ یہ اسی طرح بات ہے جیسے نافرمان بیٹے کو کہا جائے، اگر تو نیک ہوتا تو تیرا کیا نقصان تھا؟ اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ نیکی میں تو کوئی مضرت نہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ توبیخ و مذمت ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا (اللہ تعالیٰ ان کو خوب جاننے والے ہیں) اس جملہ میں کافروں کو دھمکی ہے۔

آیت ۴۰: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (بیشک اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر ظلم کرنے والے نہیں)

ذرہ کی تحقیق:

ذَرَّةٍ۔ اصل میں چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے اپنا ہاتھ مٹی میں داخل کیا۔ پھر اس کو اوپر اٹھایا پھر اس میں پھونک ماری پھر فرمایا۔ کہ ان میں سے ہر ایک ذرہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دھوپ میں اڑنے والے غبار کا ہر جز ذرہ ہے۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً (اور اگر ذرہ بھر نیکی ہوگی) مثقال کی ضمیر مؤنث لائی گئی۔ کیونکہ اس کی نسبت حسنہ مؤنث کی طرف ہے۔

نحو وقراءت:

تَكُ: حجازی تکان کو تامہ قرار دیتے ہیں۔ تکن کی نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا۔ يُّضٰعِفْهَا (وہ اس کا ثواب کئی گنا کر دے گا)۔

قراءت: مکی وشامی قراء نے يُضَعِّفْهَا پڑھا ہے۔ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (اسے اجر عظیم عنایت فرمائیں گے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس نیکی کرنے والے کو بہت بڑا اجر عنایت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جس اجر کو خود عظیم فرمایا اس کی مقدار کون جانتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دنیا کے سامان کو متاع قلیل کہا۔

ردّ معتزلہ:

اس میں معتزلہ فرقہ کی تردید ہے کہ جنہوں نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار دیا خواہ اس کی کتنی ہی نیکیاں کیوں نہ ہوں۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾

سو کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ

جس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾

اور یہ لوگ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

آیت ۴۱: فَكَيْفَ (ان کفار کا کیا حال ہوگا) خواہ وہ یہود ہوں یا دیگر۔ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ (جبکہ ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ حاضر کریں گے) جو ان پر ان کی کارکردگی کی گواہی دے گا اور وہ ان کا نگران ہوگا۔

قیامت کی گواہی:

وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (اور آپ کو اے محمد ﷺ ان پر بطور گواہ لایا جائے گا) هٰؤُلَآءِ کا مشار الیہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے۔

شَهِيْدًا یہ حال ہے۔ یعنی شاہد کے طور پر لایا جائے گا۔ کہ آپ ایمان لانے والے اور کفر اختیار کرنے والے اور منافقت اختیار کرنے والوں پر گواہ ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سورۃ نساء تلاوت کی جب میں وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ پر گریہ طاری ہوا۔ اور زبان مبارک سے فرمایا حسبنا الآن۔ (بخاری ۴۵۸۲)

آیت ۴۲: يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ (اس دن کافر چاہیں گے اور وہ جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی کاش! وہ پیوند زمین ہو چکے ہیں)

قراءت و نحو:

یومئذ ظرف ہے یود الذین کا۔ تسوّی تا کو فتحہ اور تخفیف سین اور امالہ کے ساتھ اصل میں تتسوی ہے یہ حمزہ و علی رحمہما اللہ نے پڑھا۔ تَسَّوّٰی تا کا سین میں ادغام کر کے مدنی و شامی رحمہما اللہ نے پڑھا ہے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (اور اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات نہ چھپا سکیں گے) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے چھپانے کی قدرت نہ پائیں گے۔ کیونکہ ان کے جوارح خود ان پر گواہ ہوں گے۔

شانِ نزول: ابو داؤد، ترمذی و حاکم میں ہے۔ کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں کے لئے کھانا تیار کرایا۔ یہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے ایمان والو! اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ

جو کچھ کہتے ہو۔ اور نہ اس حالت میں نماز کے پاس جاؤ جبکہ تم پر غسل فرض ہو مگر یہ کہ راستہ گزرنے والے ہو یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم مریض

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ

ہو یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ

پھر پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا سو مسح کر لو اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

ان دنوں کی بات ہے جب شراب مباح تھی۔ انہوں نے کھانا پیا۔ پھر ایک کو اپنے میں سے نماز کے لئے آگے کر دیا۔ تاکہ مغرب کی نماز پڑھائے۔ اس نے قل یاایہا الکافرون کو لا اعبد کی بجائے اعبد اور انتم عابدون کو بھی لا کے بغیر پڑھا۔

آیت ۴۳: پس یہ آیت اتری: یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ جان لو۔ جو کچھ تم کہتے ہو) یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ تقولون کا مطلب تقرءون ہے۔

نشہ میں کلمہ کفر کا حکم:

مَسْئَلَہ: اس میں دلیل ہے کہ نشے والے کا ارتداد ارتداد شمار نہ ہوگا کیونکہ قطعاً لا کو گرا کر سورۃ کافرون کا پڑھنا کفر ہے۔ حالانکہ ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا گیا۔ بلکہ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے اور ان کی ازواج کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ تجدید ایمان کا حکم دیا۔ کیونکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ جس کی زبان پر کفر غلطی سے جاری ہوا۔ اس پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے گا۔

وَلَا جُنُبًا (اور نہ اس حال میں کہ تم جنابت سے ہو) نَحْو: اس کا عطف انتم سکاری پر ہے۔ جملہ کا منصوب بے حال ہونے کی وجہ سے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لا تقربوا الصلٰوۃ سکاری ولا جنبا یعنی جنابت کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔

جنب کی تفصیل:

الجُنُبُ۔ کا لفظ واحد جمع کے لئے اور مذکر و مؤنث کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ اسم ہے جو مصدر (یعنی اجناب) کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

مسجد اور جنابت:

اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ (مگر یہ کہ تم (مسافر ہو) راستہ عبور کرنے والے ہو) یہ جنباً کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے لا تقربوا الصلوۃ جنباً غیر عابری سبیل یعنی جنبا مقیمین غیر مسافرین۔ یہاں جنب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حاجت غسل کے باوجود غسل نہ کیا ہو۔

حاصل کلام: یہ ہوا لاتقربوا الصلاۃ غیر مغتسلین۔ تم نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم غسل نہ کرنے والے ہو۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا (یہاں تک کہ تم غسل کرلو) یعنی مگر یہ کہ تم مسافر اور پانی نہ پانے والے ہو تیمم کرنے والے ہو۔ آیت میں تیمم کرنے والے کو مسافر کہا۔ کیونکہ مسافر کی عام حالت بغیر پانی کے ہوتی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ لا تقربوا الصلوۃ تم نماز کے مقامات کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی مساجد ولا جنباً کا مطلب تم مسجد کے قریب جنابت کی حالت میں مت جاؤ۔ الا عابری سبیل مگر راستہ عبور کرنے کی غرض سے۔ جنابت والے کے لئے مجبوری کی حالت میں مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے ہو کر آیا ہو)

الغائط۔ نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ وہ قضائے حاجت کے لئے نشیبی جگہوں میں جاتے تھے۔ پس وہاں کر حدث سے فراغت کا کنایہ کر دیا۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو) یعنی ان سے قربت کی ہو۔ حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر مروی ہے۔

پانی نہ پانے کی حدود:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (پس تم پانی نہ پاؤ) یعنی اس کے نہ ہونے یا دور ہونے کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ رکھتے ہو۔ اسی طرح عدم قدرت میں پانی تک پہنچنے کے لئے کنواں ڈول نہ ہونا اور سانپ درندہ دشمن وغیرہ کا پانی کے پاس ہونے کی وجہ سے پانی تک نہ پہنچ سکنا شامل ہے۔

شرط میں چار اشیاء:

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (پس تم پاکیزہ مٹی سے تیمم کرو) چار چیزیں شرط کے تحت داخل ہیں نمبر ا مریض۔ نمبر ۲۔ مسافر۔ نمبر ۳۔ بے وضو۔ نمبر ۴۔ بے غسل۔ فا جزا کی لا کر تیمم کا امر فرمایا جو کہ تمام سے متعلق ہے۔

مسئلہ: جب مریض پانی نہ پائے خواہ حرکت نہ کر سکتے اور پانی تک نہ پہنچنے میں عاجزی کی وجہ سے اور مسافروں سے پانی دور ہونے کی بنا پر ان کی دسترس سے باہر ہو۔ اور بے وضو اور جنابت والے جب پانی نہ پائیں تو ان کو تیمم درست ہے۔

معنیٔ صعید:

زجاج نحوی کہتے ہیں صعید سطح زمین کو کہتے ہیں۔ خواہ مٹی ہو یا اور کچھ اگر سخت چٹان ہو جس پر مٹی کا نشان بھی نہ ہو اس پر تیمم کے لئے ضرب مار کر ہاتھ اور چہرے پر پھیر لیا تو تیمم سبب طہارت بن گیا۔ اور مِن کا حرف سورۂ مائدہ میں تبعیض کے لئے نہیں بلکہ ابتدائے غایت کے لئے ہے۔ طیب کا معنی طاہر ہے۔

قراءت: تیمم پڑھا حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے۔ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ (تم مل لو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر) بوجوھکم کی با بعض نے زائد قرار دی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا (بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے) رخصت و آسانی عنایت فرما کر۔ غَفُورًا (بخشنے والے ہیں) خطاؤں اور تقصیرات کو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ

اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم راہ سے بھٹک جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا

اور اللہ کافی ہے ولی ہونے کے اعتبار سے اور اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔ جو لوگ یہودی ہیں

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانیں گے

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ

اور کہتے ہیں کہ سن اس حال میں کہ تو نہ سنایا جائے اور راعنا اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہوئے کہتے ہیں

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ سن لیجئے اور ہم پر نظر فرمائیے تو ان کے لئے بہتر

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

اور زیادہ درست ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے آدمی۔

اَلَمْ تَرَ کے معنی کی وضاحت:

آیت ۴۴: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ (کیا تم نے ان لوگوں کی حالت کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا) الم تر میں نمبرا۔ رؤیت قلب مراد ہے۔ اور رؤیت پر الیٰ لگا۔ الم ینتہ علمک الیہم کے معنی میں کر دیا گیا۔ کیا تمہارا علم ان تک نہیں پہنچا۔ نمبر۲۔ الم تر بمعنی الم تنظر ہے کیا تم نے غور نہیں کیا ان کی طرف۔ نصیبا کا معنی تورات کا تھوڑا سا علم مراد ان سے احبار یہود ہیں۔

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ (وہ گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں لیتے ہیں) مراد اس سے ان کا نبوت رسول اللہ ﷺ پر واضح دلائل قائم ہو جانے کے بعد بھی یہودیت پر اصرار کرنا ہے۔ حالانکہ وہ جان چکے ہیں کہ آپ وہ النبی العربی ہیں جن کی خوشخبری تورات

وانجیل میں وارد ہو چکی ہے اور وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ (وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم راستہ سے گمراہ ہو جاؤ) تضلوا کی ضمیر کا مرجع مؤمن ہیں اور السبیل سے مراد اسلام کا حق والا راستہ ہے۔ یعنی وہ تمہیں بھی گمراہ دیکھنا چاہتے ہیں جیسے وہ خود گمراہ ہوئے۔

تفسیر آیت ۴۵:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں) اسی نے تمہیں ان کی دشمنی کی اطلاع دی ہے اپنے معاملات میں ان سے کوئی مشورہ مت طلب کرو۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا (اللہ تعالیٰ تمہارا پورا کارساز ہے) وہ کارسازی کرتے تمہیں نفع پہنچائے گا۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا (وہ اللہ پورا پورا مددگار ہے) ان کے ضرر کو دفع کرے گا پس اس کی مدد و نصرت پر یقین کرو ان کی مکاریوں سے بچانے کیلئے۔

یا ان کی کچھ بھی پرواہ مت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ان کے خلاف نصرت کرے گا اور ان کی مکاریوں کیلئے کافی ہو جائے گا۔

نحو: ولیا اور نصیرا یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہیں یا پھر حال ہیں۔

آیت ۴۶: مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (کچھ یہود تبدیل کرتے ہیں کلمات (تورات) کو ان کے مقامات سے)۔

ایک نحوی تحقیق:

نحو: نمبر۱۔ یہ الذین اوتوا الکتاب کا بیان ہے۔ یا نمبر۲۔ اعدائکم کا بیان ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ یا نمبر۳۔ نصیرا کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ینصرکم من الذین ھادوا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَنَصَرْنٰہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا [الانبیاء:۷۷]

نمبر۴۔ محذوف سے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ من الذین ھادوا قوم یحرفون الکلم۔ پس قوم مبتداء اور یحرفون اس کی صفت اور من الذین ھادوا اس کی خبر مقدم۔ اس صورت میں موصوف قوم کو حذف کر کے اس کی صفت موقع یحرفون الکلم کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

تحریف مواضع کی مثال:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (وہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے) یحرفون کا معنی پھیرنا اور زائل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ ان کو ہٹا کر ان کی جگہ دیگر کلمات رکھ دیتے تو گویا ان کے سچے مقامات سے پھیر دیتے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا تھا۔ اور ان سے زائل کر دیتے۔ اس تحریف کی مثال آپ کی تعریف میں یہ کلمہ تھا۔ اسمر ربعۃ صاحب قد میانہ سفیدی مائل ان بدبختوں نے بدل کر گندم گوں طویل القامت کر دیا۔

اس آیت میں عن مواضعہ کے الفاظ ہیں۔ اور مائدہ ۴۱ میں من بعد مواضعہ ہے۔ دونوں میں فرق۔ عن مواضعہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کو ان مقامات سے ہٹاتے جہاں حکمت الٰہیہ کے مطابق ان کو رکھا گیا تھا۔ اس کا مقصد اپنی خواہشات کی

اختیار کیا ہے۔ اور من بعد مواضعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمہ ایسے مقام پر رکھتا جب رکھنا زیادہ مناسب تھا۔ جب انہوں نے اس کی تحریف کی تو اس لفظ کو چھوڑ دیا تو وہ اس مسافر کی طرح بن گیا۔ جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اپنے ان مخصوص مقامات کے بعد۔ دونوں معانی قریب قریب ہیں۔

وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (اور وہ کہتے ہیں ہم نے سنا آپ کا قول اور نافرمانی کی آپ کے حکم کی) اور دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وعصینا آہستہ کہتے۔ وَاسْمَعْ (اور تو سن ہماری بات)۔

کلمہ مدح و قدح:

غَيْرَ مُسْمَعٍ (نہ سنائے جاؤ) یہ مخاطب سے حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ اسمع و انت غیر مسمع۔ یہ کلمہ دو طرفیں رکھتا ہے۔ مذمت و مدح۔ مذمت اس طرح۔ نمبر۱۔ تو ہم سے سن ہم تمہیں بددعا دے رہے ہیں لا سمعت کیونکہ اگر ان کی بددعا قبول ہو تو بہرہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اصم غیر مسمع ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بات اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہی کہ ان کا قول لا سمعت مقبول ہوتا ہے۔ نمبر۲۔ تو سن تمہیں ایسا جواب نہ دیا جائے جس کی طرف تم بلاتے ہو مطلب یہ ہے کہ کوئی موافق جواب نہ سننے پڑے گویا کہ تم نے کچھ سنا ہی نہیں۔ نمبر۳۔ تم سنو پسندیدہ بات نہ سنائے جاؤ۔ کیونکہ تمہارے کان اس کو سننا پسند نہیں کریں گے۔

مدح کا احتمال بھی ہے۔ کہ تم سنو اور ناپسندیدہ بات نہ سنائے جاؤ یہ کہاوت ہے۔ اسمع فلان فلانا جب فلاں نے فلاں کو خوب گالی دی یا سنائیں۔

مراد و برا اعتقاد:

وَرَاعِنَا (تو ہماری رعایت کر) نمبر۱۔ راعنا میں یہ احتمال بھی ہے کہ تو ہمارا انتظار کر کہ ہم تجھ سے بات کر لیں۔ اور نمبر۲۔ عبرانی سریانی کلمے کے مشابہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس سے وہ گالی دیتے تھے وہ ''راعینا'' ہے۔ وہ دین سے دین کا مذاق اڑاتے اور رسول اللہ ﷺ سے تمسخر کرتے یہ ذو معنیین (دونوں معنوں کا احتمال رکھنے والا) کلام کر کے گالی اور توہین مراد لیتے اور ظاہر کرتے کہ وہ توقیر و اکرام کر رہے ہیں۔

حق کو باطل کی طرف موڑنا:

لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ (اپنی زبانوں کو موڑ کر) لی بل دے کر اور تحریف کر کے۔ نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی زبانوں کے ساتھ حق کو باطل کی طرف موڑتے۔ اس طرح کہ انظرنا کی بجائے راعنا کہتے اور لا سمعت مکروہا کی بجائے غیر مسمع کہتے۔ نمبر۲۔ اپنی زبانوں کو بل دے کر بطور منافقت اس طرف موڑتے جو کہ ان کے باطن میں چھپی تھی۔ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ (اور دین میں طعنہ زنی کی خاطر) اس سے مراد ان کا وہ قول ہے کہ اگر یہ نبی ہوتے تو ضرور یہ اطلاع دیتے اس اعتقاد کی جو ہم رکھتے ہیں۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (کاش وہ سمعنا اور اطعنا کے لفظ کہتے) اور عصینا نہ کہتے اور واسمع کہتے اور اس کے ساتھ غیر مسمع نہ ملاتے اور انظرنا کہتے راعنا نہ کہتے۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کا یہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ

اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے

مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر ان کو ان کی پشت کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کر دیں جیسا

لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ

کہ ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ

اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس نے بہت

إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔

ان کے حق میں بہتر ہوتا) یعنی ان کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوتی۔ وَاَقْوَمَ (اور زیادہ معتدل و انصاف والی ہوتی) وَلٰکِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ (اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باعث ان پر لعنت کی) اور ان کے کفر اختیار کر لینے کی وجہ سے رحمت سے دور پھینک دیا۔ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (پس بہت تھوڑے سے ان میں سے ایمان لائیں گے) ان میں سے بعض حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے حضرات مسلمان ہوئے۔ نمبر۲۔ یہ اتنا کمزور ایمان رکھتے ہیں جو ناقابل اعتبار ہے اور یہ کہ بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور دوسری کتابوں سے انکار کرتے ہیں۔

آیت ۴۷: جب وہ ایمان نہ لائے تو یہ آیت اتری: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا (اے اہل کتاب تم ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اتارا) نزلنا سے مراد قرآن ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ (وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے) مراد تورات ہے۔

طمس وجوہ کا معنی:

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا (اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں) یعنی آنکھیں، ابرو، ناک، منہ کے نشانات کو مٹا ڈالیں۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ (اور ہم ان کو گدی کی طرح کر دیں) کہ ان کے مٹ جانے کے بعد وہ بھی گدی کی طرح سپاٹ ہو جائیں فا اس میں سببیہ اور فا تعقیب کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ان کو دو سزاؤں سے ڈرایا گیا ان میں ایک دوسرے کے بعد آنے والی ہیں

چہروں کا پشت کی طرف پھیرنا مٹانے کے بعد ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں اور چہروں کو پشت کی طرف پھیر دیں۔ اور گدی کو آگلی طرف۔ یہ بھی کہا گیا کہ طمس سے مراد تبدیل کرنا اور بدلنا ہے۔ جس طرح قبطیوں کے اصول کو پھیر بنا دیا اور وجوہ سے ان کی وجاہت اور سرداری مراد ہو یعنی اس سے قبل کہ ان کے باوجاہت لوگوں کے حالات بدل ڈالیں اور ان کی ترقی چھین کر ذلت اور وجاہت کو پستی سے بدل دیں۔

دو میں سے ایک عذاب:

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ (یا ان پر ہم لعنت کریں جیسا ہم نے ہفتہ والوں پر لعنت کی) یعنی ان کو مسخ کر کے رسوا کریں جیسے ہفتے والوں کو مسخ کیا۔ ھم ضمیر وُجُوہ کی طرف راجع ہے اگر اس سے مراد صاحب وجاہت ہوں۔ یا ضمیر الذین اوتوا الکتاب کی طرف لوٹتی ہے۔ طریق التفات۔ اور یہ وعید اس وقت ان سے متعلق ہوتی جب کہ کوئی بھی ان میں سے ایمان نہ لاتا۔ حالانکہ بعض ایمان لا چکے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے اس وقت آیت سنی جبکہ وہ شام سے لوٹ رہے تھے۔ وہ گھر جانے سے قبل ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں اپنے گھر بھی پہنچ سکوں گا۔ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ میرے چہرے کو مسخ کر دے۔

نمبر۲: دوسری تفسیر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں میں سے ایک سے ڈرایا۔ نمبر۱۔ طمس وجوہ۔ نمبر۲۔ لعنت۔ پس اگر طمس نے ان کے سرداروں کے حالات کو بدل دیا پھر دو میں سے ایک بات تو ہو گئی۔ اور اگر ان دونوں کو نہیں بدلا تو لعنت ان کو پہنچ گئی۔ وہ ہر زبان سے ملعون ہیں۔

نمبر۳: یہود کے متعلق اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا قیامت سے قبل انتظار ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (اور اللہ تعالیٰ کا حکم ضرور پورا ہو کر رہتا ہے) امر اللہ سے جس کا حکم دیا گیا۔ اور وہ عذاب ہے۔ جس سے ان کو ڈرایا گیا۔ مَفْعُوْلًا یعنی ہر صورت پورا ہوگا۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو دو میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔

آیت ۴۸: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (بیشک اللہ نہ بخشے گا یہ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ کو) نہ بخشنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر موت شرک پر آگئی۔ ذلك کا مشار الیہ ما دون الشرک ہے۔ خواہ کبیرہ ہو دونوں ہی ہے۔

شرک مغفور بالتوبہ:

الحاصل: شرک مغفور بالتوبہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کرے مگر گناہ شرک کے علاوہ ہوں تو اس سے بخشش کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا اس کو جو شرک کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مشرک ہے۔ اور گنہگار کو گناہ ہونے کے باوجود بخش دے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس کی خطیئات اس کو نقصان نہ دیں گی۔ (احمد ص ۱۳۰ جلد۳)

محبوب ترین آیت:

لِمَنْ يَّشَآءُ (جس کے لئے وہ چاہے گا) یہ مشیت کی قید آیت کو اس کے عموم سے نہیں نکالتی۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ (الشوریٰ ۱۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ محبوب آیت میرے لئے یہ ہے۔ (اس لئے کہ اس میں مغفرت ہی کی بہت بڑی امید دلائی گئی ہے)۔

معتزلہ کا قول اور اس کا جواب:

یہ مَا دُوْنَ کی مغفرت کا وعدہ توبہ کے ساتھ متعلق ہے۔ مگر یہ باطل بات ہے۔ کیونکہ کفر تو مغفور ہوتا ہے توبہ کے ساتھ اس آیت سے ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ الانفال۔ ۳۸۔ پس اس سے کم درجہ کے گناہ تو توبہ سے بخشے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ حالانکہ یہ آیت زیر تفسیر ان دونوں چیزوں کے مابین فرق کیلئے اتاری گئی ہے۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتی ہے جیسا ہم نے کہا۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا پس اس نے بہت بڑا طوفان باندھا) اس نے ایسا بڑا جھوٹ بنایا ہے جس سے دردناک عذاب کا حقدار بن گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کو پاکیزہ بتاتے ہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور لوگوں پر

يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا

کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ دیکھ لے یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کو یہ گناہ صریح

مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ مانتے ہیں بتوں کو

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ

اور شیطان کو اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے ان کی نسبت یہ کافر

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لئے

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ

کوئی مددگار نہ پائے گا۔ کیا ان لوگوں کا ملک میں کچھ حصہ ہے سو ایسی صورت میں لوگوں کو ذرا

النَّاسَ نَقِيْرًا ۝

ذرا سی چیز بھی نہ دیتے۔

آیت ۴۹: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے یہود و نصاریٰ میں سے اپنے آپ کو پاک قرار دیا کہ ہم تو انبیاء علیہم السلام کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اور کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہ جائے گا۔

اللہ کا تزکیہ معتبر ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جو اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں) اس میں تمام ایسے لوگ شامل ہیں جو اپنے طور پر پاک بنتے ہیں۔ اور اپنے عمل کی پاکیزگی سے اپنے نفس کو موصوف قرار دیتے ہیں۔ اور اطاعت و تقویٰ کے اضافے سے نفس کو متصف مانتے ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں پاک کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتلائی کہ اللہ تعالیٰ کا تزکیہ ہی قابل اعتبار ہے۔ کسی دوسرے کا تزکیہ معتبر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی

اہل تزکیہ کو جاننے والے ہیں۔ اسی طرح کی دوسری آیت سورۃ نجم ۳۲ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى کہ اپنے آپ کو پاک مت قرار دو۔ وہ متقین کو خوب جانتا ہے۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ (ان پر ظلم نہ کیا جائے گا) یعنی جو لوگ اپنے آپ کو بیمار میں پاک قرار دیتے ہیں۔ ان کو ان کے پاک قرار دینے پر پوری سزا دی جائے گی یا جن کو وہ چاہے گا ان کی پاکیزگی پر ثواب دیا جائے گا اور ان کے ثواب میں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی۔ فَتِيْلًا (بٹے ہوئے دھاگے کی مقدار) الفتیل ہاتھوں سے ملی کی مروڑی بتّی۔

آیت ۵۰: اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (غور کرو۔ یہ کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ ہیں۔ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا (اس افتراء کا کھلا گناہ ہونا ظاہر ہے) یعنی ان کے تمام گناہوں میں یہ تزکیہ والا زیادہ گناہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے (کسی دلیل کا محتاج نہیں)

آیت ۵۱: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ (کیا تم نے غور کیا ان لوگوں کی حالت پر جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا) یعنی یہود يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ (وہ بتوں پر ایمان لاتے ہیں) الجبت ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔ وَالطَّاغُوْتِ (اور شیطان) وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (اور وہ کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں) اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف دونوں یہود کے سردار ایک یہودی جماعت کے ہمراہ مکہ گئے۔ تاکہ قریش سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کریں۔ انہوں نے کہا۔ تم اہل کتاب ہو۔ اور محمد ﷺ کے تم زیادہ قریب ہو اور وہ ہماری نسبت تم سے قریب تر ہیں۔ ہمیں تمہارے اس فریب پر اعتبار نہیں۔ بس ایک صورت ہے کہ تم ہمارے معبودوں کو سجدہ کرو تو ہم تم پر اعتبار کرلیں گے۔ انہوں نے بتوں کو سجدہ کیا۔ پس جبت و طاغوت پر ایمان لانا اسی بات کو قرار دیا گیا کیونکہ اصنام کو سجدہ ریزی اس کا عملی مظاہرہ تھا۔ انہوں نے ابلیس ملعون کی اتباع کی۔ پھر ابوسفیان نے کہا تم بتلاؤ کیا ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا محمد ﷺ۔ کعب کہنے لگا۔ تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔

آیت ۵۲: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ (یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے) کہ ان کو اپنی رحمت سے دور ہٹا دیا ہے۔ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (جس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں تم ہرگز اس کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے) کہ جو اپنی مدد سے اس کی نصرت کرے۔

آیت ۵۳: پھر یہود کی بخل و حسد سے بھری تعریف کی حالانکہ یہ دونوں بدترین خصلتیں ہیں۔ وہ اپنے مال کو روک کر رکھتے ہیں مگر حسد اس چیز کے متمنی کرتے ہیں جو دوسروں کو ملی۔ چنانچہ فرمایا۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

نحو: اَمْ منقطعہ ہے۔ اور ہمزہ استفہام انکاری کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کے پاس کوئی سلطنت کا حصہ نہیں ہے۔

یہود کی شدت بخل:

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا (ایسی حالت میں تو یہ لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیتے) یعنی اگر حکومت کا کچھ حصہ ہوتا۔ اہل دنیا کی حکومت یا اللہ تعالیٰ کی سلطنت تو پھر بھی یہ شدت بخل کی وجہ سے لوگوں کو ایک معمولی چیز بھی نہ دیتے۔

النقیر وہ گڑھا جو گٹھلی کی پچھلی جانب پایا جاتا ہے۔ یہ فتیل کی طرح قلت کی مثال بیان کی۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ

کیا وہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے۔ سو ہم نے

اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ

آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو بڑا ملک دے دیا۔ سو ان میں سے

اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ

بعض اس پر ایمان لائے اور بعض نے اس سے رو گردانی کی۔ اور کافی ہے دوزخ کا دہکتی ہوئی آگ۔ بلاشبہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

تو ہم ان کی کھالوں کے علاوہ ان کی دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھیں۔ بیشک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

آیت ۵۴: اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (بلکہ یہ لوگوں پر حسد کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھی ہے) یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسد کرتے ہیں۔ باوجود یہ حسد قبیح چیز ہے۔ اور حسد کی وجہ نصرت و غلبہ اور عزت میں اضافہ اور ہر روز کی ترقی تھی (جو ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی) فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ (تحقیق ہم نے آل ابراہیم کو کتاب یعنی تورات دی) وَالْحِكْمَةَ (اور نصیحت) یعنی دین کی گہری سمجھ بوجھ۔

یہود کو الزامی جواب:

وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (اور ہم نے ان کو بہت بڑی بادشاہت دی) یعنی بادشاہت یوسف و داؤد و سلیمان علیہم السلام۔ یہود کو الزامی جواب دیا خود انہی بات سے جس کو وہ مانتے بوجھتے تھے۔ کہ اسلاف محمد ﷺ یعنی آل ابراہیم علیہ السلام کو کتاب، حکمت اور مملکت دی جا چکی۔ اب بھی اگر آج آل ابراہیم کے چشم و چراغ کو نبوت و حکومت اسلاف کے مطابق دے دی جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے۔

آیت ۵۵: فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ (پس ان میں سے کچھ تو ایمان لائے) اس پر یعنی یہود میں کچھ لوگوں نے آل ابراہیم والی بات پر یقین کر لیا وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ (اور کچھ نے اس سے منہ پھیر لیا) باوجود یہ کہ اس کے صحیح ہونے کا یقین رکھتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

جاری ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ

بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں دے دیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان

النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔ بے شک اللہ

سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

سننے والا دیکھنے والا ہے۔

دوسری تفسیر:

ان یہودیوں میں سے بعض تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نے اس نبوت کا اقرار دے کر انکار کی ٹھان لی۔
وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا (جہنم کی بھڑکتی آگ ان کے لئے کافی ہے) جو ایمان لانے سے باز رہے۔

تفسیر آیت ۵۶:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیات کے ساتھ عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے)۔ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا۔ (آگ میں۔ ہر دفعہ جب ان کی کھال جل جائے گی۔ تو ہم پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال بنا دیں گے) نَضِجَت کا معنی جلنا۔ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا کا معنی ان کھالوں کو ان جلی کھالوں سے بدلنا ہے۔ یہی تبدیلی و تغیر دونوں حالتوں کے مختلف ہونے کے سبب ہوگی ورنہ اصل کی تبدیلی کے ساتھ۔ اہل حق کا یہی مسلک ہے۔ فرقہ کرامیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں جلی کو ان جلی بنا دیا جائے گا۔ لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (تا کہ وہ عذاب کو چکھیں) اور عذاب کا ذائقہ ہمیشہ رہے۔ اور منقطع نہ ہو۔ جیسے کسی عزیز کو تم کہتے ہو اعزك الله یعنی اللہ تمہیں عزت میں دوام میسر فرمائے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا (بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) انتقام لے سکتے ہیں۔ کوئی چیز اس کے ارادے کو مجرمین پر نافذ کرنے سے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ حَكِيْمًا (وہ حکمت والے ہیں) اس کام میں جو کافروں کے ساتھ وہ کریں۔

آیت ۵۷: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ

فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان کو جنتوں میں ضرور داخل کریں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے وہاں ستھری بیویاں ہونگی) مطہرۃ کا مطلب نجاسات حیض و نفاس سے پاک ہونا۔

خوبصورت سایہ میں داخلہ:

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (اور ہم ان کو گھنے سایہ میں داخل کریں گے) ظلیل یہ صفت کا صیغہ ہے جو ظل سے لیا گیا۔ اور اس کے معنی کی تاکید کے لئے لایا گیا۔ جیسا کہتے ہیں۔ لیل الیل۔ طویل رات۔ ظلیل وہ سایہ جو دراز خوبصورت ہو۔ نہ اس میں سوراخ ہوں اور ہمیشہ کا سایہ ہو کہ جس کو سورج نہ مٹا سکے اور ایسا سہانا کہ نہ اس میں گرمی ہو نہ ٹھنڈک۔ اور یہ صفت جنت کے سایہ کے علاوہ کسی میں نہیں۔

تمام فرائض امانتیں:

آیت ۵۸: پھر حکام کو مخاطب کر کے ادائیگی امانات کا حکم دیا۔ اور عدل کا حکم دیا اپنے اس ارشاد سے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانتیں امانت والوں کو ادا کرو) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حکم میں ان فرائض کی ادائیگی بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ جن کو انسان نے اٹھایا ہے۔ اور حواس کی حفاظت بھی انہیں میں شامل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو) حکمتم کا معنی فیصلہ کرنا۔ العدل کا معنی برابری کرنا اور انصاف کرنا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ تو حدیبیہ کے بعد اسلام لا چکے تھے:

دوسرا قول یہ ہے۔ کہ عثمان بن طلحہ بن عبد الدار بیت اللہ کا چابی بردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کعبہ کی چابی لی۔ جب آیت نازل ہوئی تو علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ کہ یہ چابی اس کو واپس کر دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق قرآن اتارا ہے۔ یہ آیت عثمان کو پڑھ کر سنائی وہ سنتے ہی مسلمان ہو گیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی کہ چابی برداری عثمان کی اولاد میں ہمیشہ رہے گی۔ (حاشیہ کشاف)

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ (اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھی چیز کی نصیحت کرتے ہیں)

نحو و قراءت:

ما نکرہ منصوبہ موصوف ہے یعظکم بہ سے تقدیر عبارت یہ ہے۔ نعم شیئا یعظکم بہ۔

نمبر ۲۔ ما موصولہ مرفوعۃ المحل۔ مابعد اس کا صلہ۔ تقدیر عبارت یہ ہے نعم الشیئ الذی یعظکم بہ مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ یعنی نعما یعظکم بہ ذاک۔ ذاک کا مشار الیہ ادائیگی امانات اور عدل فی الحکم ہے۔

قراءت: نِعْمَ مدنی اور ابو عمرو نے پڑھا نَعِمَّا شامی اور حمزہ و علی نے پڑھا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ان لوگوں کی فرمانبرداری جو اولوالامر ہیں تم میں سے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم اللہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے۔ کیا آپ نے

الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے جو حضرت آپ کی طرف نازل فرمایا اور اس پر بھی ایمان لائے جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ

آپ سے پہلے نازل کیا گیا وہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا مقدمہ لے جائیں حالانکہ

اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰

ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے منکر ہوں، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

سننے والے) بَصِیْرًا (تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں)۔

آیت ربط:

آیت ۵۹: جب حکام کو ادائیگی امانت اور انصاف سے فیصلے کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ ان کی اطاعت کریں۔ فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بات مانو۔ پس اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو) اولی الامر سے مراد حکام یا علماء ہیں کیونکہ ان کا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔

اگر تم اور حکام کسی دینی امر میں مختلف ہو جاؤ تو اس میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ تمہارے لئے سب سے اچھی اور بہتری کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے) ایمان اطاعت کو لازم کرتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ امراء کی اطاعت لازم ہے جبکہ وہ حق کی موافقت کریں۔ جب وہ حق کی مخالفت کریں تو پھر ان کی اطاعت

نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق)) (احمد ۴۰۹/جلد ۱)

دلچسپ حکایت: مسلمہ بن عبدالملک نے ابو حازم کو مخاطب کر کے کہا کیا تمہیں ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے و اولی الامر منکم۔

ابو حازم: کیا جب تم حق کی مخالفت کرو تو تمہاری اطاعت ختم نہیں ہو جاتی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی قرآن اور رسول آپ کی زندگی میں اور وفات کے بعد آپ کی احادیث کی طرف۔

ذٰلِكَ اس کا مشارٌ الیہ الرد ہے۔ کتاب وسنت کی طرف لوٹانا۔ خَیْرٌ بہت بہتر ہے۔ جلد ملنے والا ہے۔ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا اور بہت بہتر ہے تاویل کے لحاظ سے۔ یعنی انجام کے لحاظ سے۔

بشر منافق اور یہودی کا قصہ:

آیت ۶۰: بشر منافق اور یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے اس کو کہا کہ آؤ نبی اکرم ﷺ سے فیصلہ کروالیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپ رشوت نہیں لیتے۔ منافق نے کہا چلو کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ اس کا مقصد تھا کہ اس کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے۔ پھر دونوں فیصلے کیلئے حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا۔ مگر منافق راضی نہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ ہم عمر کے پاس فیصلہ لے جاتے ہیں۔ یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ مگر یہ راضی نہیں ہوا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کو کہا۔ کیا بات اسی طرح ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں تمہارے پاس نکل کر آؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر نکلے۔ اور منافق کی گردن مار دی۔ اور کہا میرا فیصلہ اس کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا یہی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ (کیا تم نے ان لوگوں کی حالت کو دیکھا جن کا گمان یہ ہے) جبرئیل علیہ السلام نے کہا عمر نے حق و باطل میں تفریق کردی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم فاروق ہے۔ (اسباب النزول للواحدی)

اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ (کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اتاری گئی آپ کی طرف اور وہ جو اتاری گئی آپ سے پہلے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ شیطان کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں)

یَتَحَاكَمُوْٓا یریدون۔ یزعمون کی ضمیر سے حال ہے۔

طاغوت سے مراد کون ہے؟

نمبر ۱۔ طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی ہے اس کو طاغوت اس لئے کہا کیونکہ وہ سرکشی میں حد سے بڑھنے والا تھا۔ اور عداوت رسول میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

نمبر ۲۔ اس کو شیطان سے تشبیہ دی۔ نمبر ۳۔ غیر اللہ کی طرف فیصلے لے جانے والے تحاکم الی الطاغوت قرار دیا اور اس کی دلیل آیت کا اگلا حصہ ہے۔ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (حالانکہ ان کو شیطان کی نافرمانی کا حکم دیا اور شیطان تو چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں بھٹکا کر رہے)

عمر کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور رسول کی طرف۔ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا (تم دیکھو گے کہ منافقین تم سے رکے ہیں رکنا) یعنی وہ آپ سے اعراض کر کے دوسرے کی طرف جاتے ہیں۔ تاکہ اس کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیں۔

آیت ۶۲: فَکَیْفَ (پس ان کا کیا حال ہوگا) اور یہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ (جب ان کو کوئی مصیبت پہنچی ہے) یعنی عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بشر کا قتل۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجی) یعنی تمہارے سوا اور کسی کے پاس فیصلے لے گئے اور فیصلے میں آپ پر بے انصافی کی تہمت لگائی۔ ثُمَّ جَآءُوْكَ (پھر آپ کے پاس مقتول کے منافقین ساتھی آئے) یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا (اس حال میں کہ وہ اللہ کی قسمیں اٹھا رہے ہیں کہ ہم نے تو آپ کے علاوہ دوسرے کے ہاں فیصلے لے جا کر بھلائی اور دشمنی کے درمیان موافقت کا ارادہ کیا) برائی اور آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی آپ کے فیصلہ پر ناراضگی ظاہر کی ہے۔

تحقیق: کیف میں استفہام محلی ہے۔ یحلفون باللّٰہ حال ہے۔

منافقین کو وعید:

درحقیقت یہ ان کے فعل پر وعید ہے۔ کہ وہ عنقریب شرمندہ ہوں گے۔ جبکہ ان کو شرمندگی کچھ کام نہ آئے گی۔ اور نہ معذرت فائدہ دے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ منافق کے رشتہ دار اس کے خون کا مطالبہ کرنے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس خون کو رائیگاں قرار دیا۔ اور کہنے لگے ہم تو عمر کے پاس فیصلہ لے کر اس لئے گئے تھے۔ کہ وہ عمدہ فیصلہ سے ہمارے ساتھی پر احسان کریں اور اس کے اور اس کے مخالف کے درمیان موافقت کروا دیں۔ ہمارے دل میں یہ خیال تک بھی نہ تھا کہ وہ ایسا فیصلہ کرا دیں گے جو انہوں نے کر دیا۔

آیت ۶۳: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے) یعنی منافقت۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (آپ ان سے اعراض فرمائیں)۔ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا (اور ان کو نصیحت کریں اور ان کو ان کے متعلق مؤثر بات کہیں)

اعراض کا مفہوم:

اَعْرِضْ کا مطلب۔ نمبر۱۔ ان کا عذر قبول کرنے سے اعراض کریں۔ اور ڈانٹ ڈپٹ اور انکار کے ساتھ ان کو نصیحت کریں۔ اور ان کو نصیحت کرنے میں تخویف و انذار میں خوب مبالغہ کریں۔ یا نمبر۲۔ انجام سے اعراض کریں اور عتاب سے نصیحت کریں اور ان کی اس حرکت کے متعلق آپ کے دل میں جو آخری نصیحت ہے وہ ان کو کریں۔ اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ اپنی زبان سے اس حقیقت کو پہنچے جو ان کے دل و جان میں ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا

[illegible]

فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝٦٥ وَلَوْ أَنَّا

[illegible]

كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ

[illegible]

مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهٖ لَكَانَ

[illegible]

خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝٦٦ وَإِذًا لَّآتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ۝٦٧

[illegible]

وَلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٦٨

اور ہم ان کو سیدھا راستہ بتا دیتے۔

تفسیر آیت ۶۵:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ (پس آپ کے رب کی قسم ہے وہ ایماندار نہیں ہوں گے) تحقیق: لا زائدہ ہے قسم کے معنی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور لا یؤمنون جواب قسم ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے فلا یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں پھر فرمایا: وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ آپ کے رب کی قسم وہ مؤمن نہ ہوں گے۔ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (یہاں تک کہ وہ آپ کو فیصل مانیں ان معاملات میں جو ان کے بیچ پیش آنے والے ہوں) یعنی جو ان کے درمیان مختلف اور خلط ہیں اور اسی سے الشجر درخت کو شجر کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی شاخیں آپس میں ملی جلی ہوتی ہیں۔ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا (پھر بعد میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی) مِّمَّا قَضَيْتَ (اس سے جو آپ نے فیصلہ کیا) یعنی آپ کے فیصلے سے دل میں تنگی محسوس نہ کریں یا شک نہ کریں۔ کیونکہ شک کرنے والا اپنے معاملے میں تنگی محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو واضح یقین نہ ہو جائے۔

وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (اور وہ آپ کے حکم کو بلا کراہت ظاہری مان لیں) اور وہ آپ کے فیصلے کے پورے طور پر مطیع ہو

جائیں۔ مسلمو اور استسلمو بھی کہا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے نفس کو اس کے لئے خالص کر دے۔

تسلیم کا معنی:

تَسْلِیْمًا یہ مصدر ہے جو فعل کیلئے بطور تاکید لایا گیا۔ اور یہ فعل کو دوبارہ لانے کی طرح ہے۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہے وینقادوا لحکمک انقیادًا لا شبهة له بظاهرهم و باطنهم۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کے حکم اور فیصلے پر رضامند نہ ہوں۔

تفسیر آیت ۶۶:

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ (اگر ہم ان پر فرض کر دیتے) ھم سے مراد منافقین ہیں۔ اور ہمارا فرض کرنا ان پر واقع ہوتا۔

قتل انفس کا مطلب:

اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (کہ تم اپنے نفسوں کو قتل کرو) اَنْ مفسرہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے ذریعے اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کرو۔ یا اگر ہم ان پر واجب کر دیتے جیسے ہم نے بنی اسرائیل پر قتل نفس لازم کیا تھا۔ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ یا اپنے گھروں سے نکل جانا ہجرت کرو۔ مَّا فَعَلُوْهُ (تو وہ ایسا نہ کرتے) بوجہ منافقت کے۔

نحو: ہ کی ضمیر قتل یا خروج کی طرف راجع ہے۔ یا ضمیر لائے کیونکہ کتبنا کی دلالت اس پر موجود ہے۔

اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے)

قراءت: شامی نے قلیلاً پڑھا مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے دوسری قراءت رفع فعلوا کی ضمیر جمع کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ (اگر یہ لوگ کر گزرتے جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے) یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ان کی فرمانبرداری۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا) دونوں جہانوں میں وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا (اور ان کے ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا) اور اضطراب و بے چینی سے دور ہوتا۔

آیت ۶۷: وَّاِذًا (اور اس حالت میں) لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا (اور ہم اپنی طرف سے ان کو عطا کرتے بہت بڑا ثواب)

جواب سوال مقدر:

نحو: اذا یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا اس طرح ہے۔ تثبیت کی صورت میں کیا ملتا تو جواب دیا۔ کہ اگر وہ ثابت قدم ہو جاتے تو ہم حقیقتاً ان کو ثواب دیتے۔ عظیمًا سے یہاں کثیر مراد ہے۔

آیت ۶۸: وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (اور ضرور ان کی ہم راہنمائی کرتے سیدھے راستہ کی طرف) ہدایت سے یہاں مراد دین پر ثابت قدمی دینا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

اور جو لوگ اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کریں گے سو یہ ان شخصوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞

انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۞

یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور خدا کافی ہے جاننے والا۔

نحو: ہم مفعول اول اور صراطاً مستقیماً مفعول ثانی ہے۔

خوب رفاقت والے:

آیت ۶۹ : وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم پر چلیں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے انعام سے سرفراز فرمائے گا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین)

جو انکی اطاعت کرے گا جیسے انبیاء علیہم السلام کے افضل صحابہ رضی اللہ عنہم۔

الصدیق نمبر ۱۔ سچائی میں مبالغہ کرنے والا کہ اس کا ظاہری معاملہ بھی صدق والا ہو اور باطن کا صدق مراقبے کے ساتھ ہو۔ نمبر ۲۔ جو اپنے فعل سے قول کی تصدیق کرنے والا ہو۔ والشھداء وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت پائی۔

والصالحین جن کے احوال نیک ہوں اور اعمال خوب تر ہوں۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (یہ لوگ بہت اچھے ساتھی ہیں) یعنی ان لوگوں کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔ رفیق۔ صدیق کی طرح ہے۔ یہ واحد وجمع دونوں طرح مستعمل ہے۔

آیت ۷۰ : ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ (یہ مہربانی اللہ تعالیٰ کی ہے)

فضل کیا ہے:

نحو: ذلک مبتدا ہے اسکی خبر الفضل من اللہ ہے یا الفضل مشار الیہ ہے اور من اللہ خبر ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ نمبر ۱۔ کہ فرمانبرداروں کو عظیم اجر کا ملنا اور انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت کا میسر آنا یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ اسی نے تو یہ نعمت ان کو میسر فرمائی۔

نمبر ۲۔ انعام یافتہ لوگوں کو فضیلت اور مرتبہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ پورا پورا

ہو جائے۔ اور خوف زدہ چیز سے بچ جائے۔ گویا اس نے احتیاط کو ایسا آلہ بنایا جس سے اس نے اپنے نفس کو بچا لیا۔ اور اپنی روح کی حفاظت کر لی۔ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ (پھر نکلو متفرق ٹولیاں بنا کر) یعنی دشمن کی طرف متفرق سرایا میں جماعت بنا کر نکلو۔ الثبات کا معنی جماعات ہے۔ اس کا واحد ثُبَۃٌ ہے۔

اکٹھے نکلنا:

اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (یا اکٹھے نکلو) یا رسول اللہ ﷺ کی معیت میں۔ کیونکہ جماعت بلا اطاعت کامل نہیں اور مجاہد بلا واسطے کے منظم نہیں ہوتا۔ یا انفروا ثبات تم متفرق نکلو جبکہ نفیر عام نہ ہو یا جماعتوں کی صورت میں نکلو جبکہ نفیر عام ہو۔

نحو: ثبات اور جمیعًا دونوں حال ہیں۔

تفسیر آیت ۷۲:

وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ (اور تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو سست پڑ جاتے ہیں)

جان بوجھ کر سستی والے منافق ہیں:

نحو: لَمَنْ کی لام ابتدائیہ ہے۔ جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ میں ہے۔ مَن موصولہ ہے لیبطئن کا لام قسم محذوف کا جواب ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے۔ وان منکم لمن اقسم باللّٰہ لیبطئن۔ قسم اور جواب قسم مل کر مَنْ کا صلہ ہے۔ اور اس کے اندر لوٹنے والی ضمیر لیبطئن میں جاگزین ہو گئی ہے۔ مطلب یہ ہے لیتثاقلن ولیتخلفن عن الجہاد۔ وہ ضرور بوجھل ہوں گے اور ضرور جہاد سے پیچھے رہیں گے۔ بطو کا معنی ابطاء ہے۔ تاخیر کرنا۔ کہتے ہیں ما ابطأ بک۔ اور یہ بات متعدی ہوتا ہے۔ اس میں لشکر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ منکم سے مراد یہ ہے کہ ظاہر سے وہ تم میں سے ہیں اور باطن سے نہیں بلکہ وہ منافق ہیں۔ اور خفیہ طور پر کہتے ہیں تم اپنے آپ کو کیوں قتل کرتے ہو۔ انتظار کرو یہاں تک کہ غلبہ ہو جائے۔

فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ (اگر تم پر قتل و شکست کی مصیبت پڑتی ہے) تو وہ سستی کرنے والا منافق کہتا ہے۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا (وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کر دیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا) شہید کا معنی حاضر و موجود۔ ورنہ مجھے بھی ایسی مصیبت پہنچتی جیسی ان کو پہنچی۔

آیت ۷۳: وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ (اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی پہنچتی ہے) فتح یا غنیمت کی صورت میں۔ لَیَقُوْلَنَّ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّۃٌ (وہ ضرور کہے گا گویا تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہیں ہے)

جب غنیمت کے وقت موجود نہ تھا پس نہ پایا ثواب کی طلب میں۔ گویا ان کا اس سے پہلے تم سے کوئی دوستی نہیں کیونکہ منافقین مومنین سے ظاہری دوستی رکھتے تھے۔ اور باطن میں ان کے نقصان کے خواہاں تھے۔

قراءت: مکی، حفص نے لم یکن پڑھا ہے۔ کان یہ مخففہ من المثقلہ ہے۔ اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ لم یکن بینکم و بینہ مودۃ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ لیقولن اور اس کے مفعول کے درمیان آتا ہے۔ وہ مفعول یٰلیتنی

کُنْتُ مَعَهُمْ (ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان لوگوں کے شریک حال ہوتا) ہے۔

فَاَفُوْزَ یہ تمنی کا جواب ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا (تو میں بڑی کامیابی پاتا) یعنی غنیمت میں سے وافر حصہ پاتا۔

مخلصین کو جہاد لازم ہے:

آیت ۷۴: فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے فروخت کرنے والے ہیں) یَشْرُوْنَ فروخت کرنے کے معنی میں ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ مؤمن آخرت کی باقی زندگی کو دنیا کی جلدی ختم ہونے والی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں لے لیتے ہیں۔ یعنی اگر بیمار دلوں والے اور کمزور نیات والے بھی جہاد سے رک جائیں۔ تو ثابت قدم رہنے والے مخلصین کو ضرور لڑنا چاہیے۔

دوسری تفسیر:

یشرون، یشترون کا ہم معنی ہے۔ مراد وہ منافقین ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خریدنے والے ہیں۔ اس میں ان کو نصیحت کی گئی کہ وہ اپنے نفاق کو بدلیں اور اللہ اور اس کے رسول پر مخلصانہ ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جیسا جہاد کا حق ہے۔ جہاد کریں۔

مقبول کوشش برائے اعزاز دین:

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا پس وہ مارا جائے گا یا غالب آئے گا عنقریب ہم اس کو بہت بڑا اجر دیں گے)

اس آیت میں اجر عظیم کا وعدہ کامیابی اور مغلوبیت ہر دو صورت میں اس کے اعزاز دین کے لئے کوشش کی بنا پر ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ضعیفوں کی خاطر جن میں مرد اور عورتیں

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

اور بچے ہیں جنگ نہ کرو جو یوں کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب نکال ہم کو اس بستی سے جس

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ

کے رہنے والے ظالم ہیں اور دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایت کرنے والا اور ہمارے لئے اپنے پاس سے

لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ

کوئی مددگار بنا دے جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوٓا أَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

بلاشبہ شیطان کی تدبیر ضعیف ہے۔

آیت ۷۵ : وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ (اور تمہارے پاس کیا عذر ہے۔ کہ تم جہاد نہ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حالانکہ کمزور)۔

نحو : ما مبتداء لکم خبر ہے۔ یہ استفہام نفی میں سستی پر تنبیہ کرنے کے لئے اور اثبات میں انکار کے لئے ہے۔ لا تقاتلون یہ حال ہے۔ اور اس میں عامل استقرار ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ محاورے میں کہتے ہیں مالك قائمًا۔ تو کیوں کھڑا ہے؟ اب مطلب یہ ہوا۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم قتال چھوڑنے والے ہو حالانکہ اس کے دواعی موجود ہیں۔

مستضعفین کون لوگ ہیں؟

المستضعفین یہ حالت جری میں ہے کیونکہ سبیل اللہ پر اس کا عطف ہے۔ یعنی فی سبیل اللہ وفی خلاص المستضعفین۔ یا مستضعفین کی حالت نصبی ہے۔ ای اخص من سبیل اللہ خلاص المستضعفین۔ من المستضعفین۔ کیونکہ سبیل اللہ تو ہر خیر میں عام ہے۔ اور کمزور مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں سے چھڑانا یہ بھلائی کے اعلیٰ ارکان میں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو،

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ

پھر جب ان پر جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اسی وقت ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرتے ہوں

أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ

بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے، اور کہنے لگے کہ اے رب آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی ہم کو تھوڑی مدت کے لئے مہلت کیوں نہ دی،

قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾

آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا نفع تھوڑا سا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو پرہیزگاری اختیار کرے، اور تمہارے اوپر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن

تم جہاں بھی ہو تم کو موت پکڑ لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں کے اندر ہو، اور اگر

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللّٰهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

ان کو کوئی اچھی حالت پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، اور اگر ان کو کوئی بری حالت پہنچ جاتی ہے

يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ

تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے، آپ فرما دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے، سو ان لوگوں کو کیا ہوا

لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَا

کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے، تجھ کو کوئی اچھی حالت پیش آ جائے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور تجھے جو کوئی

أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ

بری حالت پیش آ جائے سو وہ تیری طرف سے ہے، اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کافی ہے

شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

گواہی دینے والا

برابر بھی ظلم نہ ہوگا) تمہارے اجور میں سے معمولی چیز بھی کم نہ کی جائے گی تمہاری آرزو دھوکہ ہی ہے۔ اسلئے اس سے اعراض نہ کرو۔
تظلمون کو یظلمون کی حمزہ علی رحمہما اللہ نے پڑھا۔

تفسیر آیت ۷۸ :

پھر اس آیت میں واضح فرمایا کہ احتیاط تقدیر میں کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتی۔ فرمایا۔ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (جہاں بھی تم ہو گے۔ موت تم کو آ لے گی) وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (خواہ تم بلند قلعوں یا محلات میں ہو)
نحو: این میں شرط کے معنی ہیں تاکید کے لئے ما کو بڑھایا گیا ہے۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ (اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچے) جیسے خوشحالی ارزانی یَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ (اگر ان کو برائی پہنچتی ہے) یعنی تنگی مصیبت اور تنگی پہنچتی ہے۔ یَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ (تو وہ کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے) اس کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ وہ تیری طرف سے ہے۔ اور تیری نحوست سے ہے (نعوذ باللہ) اور اس کی وجہ یہ تھی کہ منافقین اور یہود کو جب کوئی اچھائی میسر آتی تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی تو اس کی نسبت محمد ﷺ کی طرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید فرمائی۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آپ کہہ دیں کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا (ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھ بھی نہیں سکتے) یفقہون 'سمجھنے کے معنی میں ہے۔ اگر وہ سمجھتے تو جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی کھولنے اور رزق کے تنگ کرنے والے ہیں۔ اور یہ تمام اس کی حکمت سے ہوتا ہے۔
نحو: کل کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ ذلک ہے۔ یعنی وہی ارزاق کو کھولنے اور بند کرنے والے ہیں۔
آیت ۷۹: پھر فرمایا۔ مَاۤ اَصَابَكَ (جو تم کو پہنچے) مِنْ حَسَنَةٍ (کوئی نعمت واحسان) کَ کا مخاطب انسان ہے اور خطاب عام ہے۔ زجاج کہتے ہیں۔ خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے اور مراد آپ کے علاوہ ہیں۔
فَمِنَ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) یعنی اس کا تفضل واحسان ہے۔ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ (اور جو تمہیں آزمائش و مصیبت پہنچے) فَمِنْ نَّفْسِكَ (پس وہ تیری طرف سے ہے) یعنی ان اعمال کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیے ہیں جیسا دوسری آیت میں فرمایا و ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم۔

اچھائی و برائی آپ کے اختیار میں نہیں :

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے) تم اپنے تقدیر بنانے والے نہیں ہو کہ آپ کی طرف تنگی کی نسبت کر رہے ہیں۔ تم پر آپ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی آپ کے ذمہ پیغام رسالت کو پہنچانا ہے۔ اچھائی و برائی آپ کے اختیار میں نہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (اور اللہ تعالیٰ ہی گواہی کافی ہے) کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ جملہ پہلے کلام سے متصل ہے۔ کہ وہ بات کو سمجھنے کے قریب نہیں جاتے یہ کہتے ہیں۔ ما اصابک۔ گویا یہ بھی منافقین کا مقولہ ہے۔ نحو: شہیدا' یہ تمیز ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

جو شخص فرمانبرداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے روگردانی کی سو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام بات ماننا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس بات کے

الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

خلاف کہتے ہیں جو وہ کہہ چکے تھے۔ اور اللہ لکھتا ہے جو وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں۔ سو آپ ان کی طرف سے اعراض کریں اور بھروسہ

اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

کریں اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز۔ کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔

تردید معتزلہ:

معتزلہ نے اس آیت میں حسنۃ و سیئۃ کو طاعت و معصیت قرار دیا حالانکہ یہ صراحۃً ظلم ہے اور ما اصابک اس پر زوردار طور سے دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ اصاب اور ما اصابت افعال کے لئے کم ہی استعمال ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ معتزلہ تو اس بات کے بھی قائل نہیں کہ حسنات کا خالق وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ پس آیت میں ان کے استدلال کی قطعاً گنجائش نہیں۔

تفسیر آیت ۸۰:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جو رسول کی اطاعت کرتا ہے در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے) کیونکہ وہ رسول تو حکم نہیں دیتے اور منع نہیں کرتے مگر اسی کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دے رکھا اور جس سے منع کر رکھا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ وَمَنْ تَوَلّٰى (جس نے اطاعت سے منہ موڑا) یعنی اس سے اعراض کیا۔ فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر) کہ آپ ان کے اعمال کی حفاظت کریں اور ان کا محاسبہ کر کے ان پر ان کو سزا دیں۔

آیت ۸۱: وَيَقُوْلُوْنَ (اور منافق کہتے ہیں) جب آپ ان کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں۔ طَاعَةٌ۔ نحو: یہ مبتداء محذوف امرنا کی خبر ہے۔ امرنا طاعة یا منّا طاعة (ہمارا کام تو اطاعت ہے) فَاِذَا بَرَزُوْا (جب وہ آپ کے پاس سے نکل

کر جاتے ہیں بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ (تو ان میں سے ایک جماعت رات گزارتی ہے)

ملمع ساز منافق:

بَیَّتَ کا معنی ملمع سازی کرنا اور ہموار کرنا۔ بنا یہ البیوتہ سے ہے۔ کیونکہ یہ معاملے کا فیصلہ کرنا اور رات کو اس کا منصوبہ بنانے کو کہتے ہیں۔ یا ابیات الشعر سے ہے۔ کیونکہ شاعر بھی شعر کو سوچ کر موزوں الفاظ کو ادا کرتا ہے۔

قراءت: حمزہ اور ابوعمرو نے ادغام سے پڑھا ہے۔

غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ (اس کے برخلاف جو آپ نے کہا) یعنی جو آپ نے ان کو حکم دیا اور کہا اس کے مخالف۔ یا اس نے برخلاف جو اس جماعت نے کہا اور جو اطاعت اس کے ضمن میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اندر قبولیت کی بجائے تردید چھپا رکھی ہے اور اطاعت کی بجائے نافرمانی۔ وہ اپنے اس قول و اظہار میں منافقت کرنے والے ہیں۔

اللہ خود انتقام لے گا:

وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں جس بات پر وہ رات گزارتے ہیں) ان کے صحائف اعمال میں درج کرنے والے ہیں اور اس پر ان کو بدلہ دیں گے۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (پس ان سے اعراض کریں) آپ کے دل میں ان سے انتقام کی بات نہ آئے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو) ان کے معاملے میں پس وہ ان کی مضرت و نقصان کے لئے کفایت کرنے والے ہیں خود ان سے انتقام لیں گے۔ جب اسلام کو قوت حاصل ہو جائے گی۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا (اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی کافی ہے) اس کے لئے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے۔

تقلید جامد کی تردید:

آیت ۸۲: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (کیا پھر وہ قرآن پر غور نہیں کرتے) یعنی کیا وہ قرآن کے مضامین اور عبارت پر غور نہیں کرتے۔

التدبر۔ معاملے کے پس منظر کو دیکھنا اور پیش منظر کو سامنے رکھنا۔ پھر استعمال میں عام ہو کر ہر اس تامل و تفکر کے لئے بولا جانے لگا جس میں دلائل کی طرف نظر کرتے ہوئے دل کا تصرف شامل ہو۔

اس سے روافض کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن کا معنی سمجھا نہیں جا سکتا مگر رسول اللہ ﷺ کی اور امام معصوم کی تفسیر سے یہ آیت قیاس کی صحت اور تقلید (جامد) کو باطل قرار دیتی ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ (اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا) جیسا کہ کفار کا زعم و خیال ہے۔ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے)۔

اختلاف کا مطلب:

نمبر ا۔ تناقض ہے جو توحید و شرک اور تحلیل و تحریم کی حیثیت سے پایا جاتا۔ نمبر ۲۔ بلاغت کے لحاظ سے فرق پاتے۔ کہ اس کا

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ضرور بالضرور قیامت کے دن تمہیں جمع فرمائے گا۔ جس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝۸۷

زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

یہود کے سلام کا حکم:

ایک قول صاحب منہاج کے متعلق یہ ہے کہ اہل ملت کے لئے ہے۔ اور ردوہا یہ ذمی کفار کے لئے ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم کہو وعلیکم۔ یعنی وعلیکم ما قلتم۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اس وقت السام علیکم کہتے تھے کہ تم پر موت واقع ہو۔

ایک اشکال اور اس کا حل:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لا غرار فی تسلیم۔ سلام میں دھوکا بازی نہیں۔ یعنی اس طرح نہ کہیں علیک، بلکہ علیکم کہیں۔ کیونکہ کراماً کاتبین بھی ساتھ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے) وہ ہر چیز پر خواہ سلام ہو یا اور وہ محاسبہ کرے گا۔

آیت ۸۷: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن میں جمع کرے گا)

نحو: لفظ اللہ مبتداء ہے۔ لا الہ الا ہو خبر ہے یا جملہ معترضہ ہے اور لیجمعنکم خبر ہے۔ مطلب یہ ہے۔ اللہ کی قسم وہ ضرور تمہیں جمع کرے گا۔

یوم القیامۃ سے مراد تمہیں اٹھائے گا۔ قیامت اور قیام بمعنی طلب و طلاب کی طرح ہیں۔ اور قیام سے لوگوں کے اٹھنے حساب کے لئے مراد ہونا مراد ہے۔ جیسا یوم یقوم الناس لرب العالمین۔ المطففین: ۶۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ قیامت میں کوئی شبہ نہیں۔

نحو: یہ یوم القیامۃ سے حال ہے۔ فیہ کی ضمیر یوم کی طرف راجع ہے۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے جمعاً لاریب فیہ ایسا جمع ہونا جس میں شبہ نہیں۔ اور فیہ کی ضمیر جمع کی طرف لوٹتی ہے۔

آپ ہی کی وجہ سے تکلیف تھی۔ جب وہ مدینہ سے نکلے تو برابر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین سے جا ملے۔ ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا وہ کافر ہیں۔ بعض نے کہا وہ مسلمان ہیں۔

تحقیق: فئتین یہ حال ہے جیسا کہتے ہیں مالك قائمًا۔ سیبویہ کہتے ہیں جب تم کہو مالك قائمًا تو اس کا مطلب یہ ہے لم قمت؟ تو کس لئے کھڑا ہے۔ اور اس پر نصب اس تاویل سے آیا ای شیء یستقر لك في هذه الحال؟ کونسی چیز تمہیں اس حالت میں قائم رکھنے والی ہے؟

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (اللہ تعالیٰ نے ان کو لوٹا دیا ان کے اعمال کی وجہ سے) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر قرار دیا۔ ان کے ارتداد اختیار کرنے اور مشرکین کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے۔ تم بھی ان کو کفر کی طرف لوٹاؤ اور ان کے بارے میں اختلاف نہ کرو۔

گمراہ کو ہدایت یافتہ مت کہو:

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا ہو اس کو ہدایت یاب کرو) یعنی اس کو من جملہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے قرار دو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے۔ یا کیا تم ان کو نام ہدایت کا دینا چاہتے ہو جن کی گمراہی اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی۔ اس صورت میں جن لوگوں نے ان کو مسلمان کہا ان کو رد لانا مقصود ہے۔

اشاعرہ کی دلیل:

نکتہ: یہ آیت ہمارے مذہب اشاعرہ کی دلیل ہے کہ کسب بندے کے لئے ثابت ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے پس تم ہرگز اس کے لئے راستہ نہ پاؤ گے) یعنی ہدایت کی طرف۔

آیت ۸۹: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا (وہ دل سے چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی ایسے ہی کافر ہو جاؤ جیسے وہ ہو گئے)

تحقیق: کاف یہ محذوف مصدر کی صفت ہے اور ما مصدریہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ودوا لو تکفرون کفرا مثل کفرهم۔ وہ چاہتے ہیں کاش تم کفر کرو کفر ان کے کفر کی طرح۔

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (تاکہ وہ اور تم برابر ہو جاؤ) اس کا عطف تکفرون پر ہے۔ سواء یستوون کے معنی میں ہے۔ تاکہ تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ۔

اسلام سے پہلے موالات نہیں:

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پس تم ان کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کریں) ان سے موالات اس وقت تک نہ کرو جب تک اسلام نہ لائیں کیونکہ ہجرت تو اسلام لانے کے بعد ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا (پس اگر وہ ایمان سے منہ موڑیں) فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (پس ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں تم

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ

مگر جو لوگ ایسے ہیں جو ان لوگوں سے مل جاتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے یا تمہارے پاس اس حال میں آجائیں

حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ

کہ ان کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے تنگ ہیں اور اگر اللہ

اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا سو وہ ضرور تم سے لڑتے سو اگر وہ تم سے الگ رہیں سو تم سے قتال نہ کریں

وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ

اور تمہاری طرف صلح کا معاملہ ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی۔ عنقریب تم دوسرے لوگوں

آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى

کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ جب کبھی ان کو فتنہ

الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ

کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں الٹ جاتے ہیں۔ سو اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا معاملہ نہ رکھیں

وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ

اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں سو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

جن پر ہم نے تمہارے لئے کھلی حجت مقرر کی ہے۔

ان کو پاؤ جیسا کہ تمام مشرکین کا حکم ہے اور لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار مت بناؤ) اگر وہ اپنی دوستی اور مدد پیش کریں تو ہرگز قبول نہ کرو۔

معاہدہ والوں کا قتل جائز نہیں:

آیت ۹۰: اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ (سوائے ان لوگوں کے جو ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے)

کافر کا خون مباح، مؤمن کا حرام:

آیت ۹۲: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (کسی مسلمان کو زیبا اور مناسب نہیں) یعنی اس کے لئے صحیح اور درست نہیں اور نہ اس کے حال کے لائق ہے۔ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا (کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے) یعنی ابتدائی طور پر یا کسی قصاص کے۔ اس میں بتلا دیا کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں۔ کافر کا خون تو مباح ہے۔ نہ یہ مؤمن کا۔ اِلَّا خَطَـًٔا (مگر غلطی سے) یعنی غلطی کی وجہ سے۔

نحو: یہ استثناء منقطع ہے۔ اور لکن کے معنی میں ہے عبارت اس طرح ہوگی۔ لکن ان وقع خطأً لیکن اگر غلطی سے مار ڈالے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مصدر کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی الا قتلاً خطأً مگر وہ قتل جو غلط طور پر ہو۔ مطلب یہ ہو مؤمن کی شان یہ ہے کہ قتل مؤمن کا پایا جانا اس سے منتفی ہو ابتداءً۔ مگر جب اس سے بلا قصد غلطی سے پایا جائے۔ اس طرح کہ وہ کافر کو تیر مارے اور مسلمان کو لگ جائے۔ یا کسی کو کافر سمجھ کر مارا اور وہ مسلمان تھا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (جس نے کسی مؤمن کو خطاءً قتل کر دیا پس ایک مؤمنہ گردن آزاد کرنا ہے)

نحو: خطأً یہ قتلاً مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای قتلاً خطأً۔ تحریر رقبۃ مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ فعلیہ تحریر رقبۃ۔ پس اس کے ذمہ ایک مؤمن گردن آزاد کرنا ہے۔

حکمت تحریر:

التحریر۔ آزاد کرنا۔ آزاد اور آزادی یہ شریف شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ شرافت آزاد لوگوں میں ہے۔ جیسا کہ کمینگی غلاموں میں ہے۔ اسی سے عتاق الطیر اور عتاق الخیل عمدہ پرندوں اور گھوڑوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

آزادی میں زندگی:

الرقبۃ: گردن سے مراد جان ہے۔ اہل عرب اس کی تعبیر راس سے کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں: فلان یملک کذا رأسا من الرقیق۔ فلاں اتنے غلاموں کا مالک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے ایک مؤمن جان کو مسلمانوں سے نکال دیا تو ضروری ہو گیا کہ وہ ایک مؤمن جان اسی طرح کی آزادوں میں شامل کرے۔ کیونکہ غلام کو آزادی سے زندہ کرنا اس کو زندہ کرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ غلام کا شمار تو مردوں میں ہوتا ہے۔

کیونکہ غلامی کفر کا اثر ہے اور کفر موت ہے۔ جیسا قرآن مجید میں او من کان میتا فاحییناہ [الانعام: ۱۲۲] اسی لئے اس کو منع کیا گیا کہ وہ آزاد لوگوں جیسا تصرف کرے۔ مگر یہ قول محل بات ہے۔ اس لئے کہ اگر بات اسی طرح ہوتی تو قتل عمد میں بھی گردن کی آزادی لازم ہوتی۔ لیکن یہ بات اجتہاد کی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مؤمنہ گردن کی آزادی لازم کی کیونکہ اس نے قاتل کی مؤمن جان کو باقی رکھا۔ اور اس طرح کہ قصاص لازم کیا۔ اگر کیا جاتا اس کی مثل رقبہ مؤمنہ لازم ہوتی۔

دیت ترکہ کی طرح ہے:

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ (اور دیت جو سپرد کی جائے۔ میت کے ورثاء کو) اور وہ اس کو باہم تقسیم کر لیں۔ جیسا کہ میراث کو وہ تقسیم کرتے ہیں۔ اس میں اور بقیہ ترکہ کی تقسیم میں کوئی فرق نہیں۔ اس میں سے قرض ادا کیا جائے گا اور وصیت بھی نافذ ہوگی۔ اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو دیت بیت المال کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اشیم الضبابی رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند اشیم کی دیت سے حصہ دیا۔ دیت کی ادائیگی اہل عاقلہ پر ہوگی۔ اور کفارہ قاتل پر۔ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (مگر یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں) یصدقوا اصل میں یتصدقوا ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ اس پر ہر حال میں دیت ہے۔ مگر معاف کر دینے کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ (اگر وہ اس قوم میں سے ہے جو تمہارے دشمن ہیں) یعنی مقتول خطا تمہارے دشمنوں میں سے ہے۔ العدو کا لفظ مفرد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ مقتول مؤمن ہے۔

دارالحرب میں مقتول مسلمان کا حکم:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (تو ایک مومنہ گردن کا آزاد کرنا ہے) اگر کوئی حربی دارالحرب میں مسلمان ہوا۔ اور ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آیا۔ کسی مسلمان کے ہاتھوں وہ خطاءً قتل ہو گیا۔ تو اسلام کی وجہ سے بطور کفارہ لونڈی آزاد کرنی ضروری ہے۔ دیت لازم نہیں۔ کیونکہ خون کی معصومیت تو دارالاسلام پر موقوف ہے۔ اور یہ دارالاسلام میں نہیں۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے) فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (تو دیت سپرد کی جائے اس کے اہل کو اور ایک مومنہ گردن کو آزاد کرنا لازم ہے) یعنی اگر مقتول ذمی ہو تو اس کا حکم مسلمان والا ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ ذمی کی دیت مسلم کی طرح ہے۔ ہمارے احناف کا قول یہی ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ (جو نہ پائے گردن) یعنی اس کا مالک نہ ہو۔ اور نہ اس تک اس کی وسعت ہے۔ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ (تو اس پر دو ماہ کے روزے ہیں) مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ (جو مسلسل رکھے جائیں یہ توبہ کے طور پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے)

نحو: مضاف محذوف ہے اور شہرین سے حال ہے۔ یعنی روزے رکھنا ایسی حالت میں ہے کہ قبول توبہ ہو اس کی طرف سے اور رحمت اس کی طرف سے۔ یہ تاب اللہ علیہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی اذا قبل توبتہ یعنی یہ توبہ کے لئے مشروع ہوا۔ اس صورت میں یہ مفعول لہٗ ہے یا فلیتب توبۃ اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ اس کا نصب مصدریت کی وجہ سے ہے اور مفعول مطلق بن گیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں اس کو جو اس نے حکم دیا۔ اور اس میں حکمت والے ہیں) جس میں اس نے قدرت کو ظاہر فرمایا۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا

وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور اس پر اللہ کی لعنت ہو گی اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔

آیت ۹۳: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا (جس شخص نے قتل کیا کسی مسلمان کو قصداً) متعمداً۔ یہ قاتل کی ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ مومن کو مومن ہونے کی وجہ سے قتل کرے یا اس کے قتل کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کر دے۔ یہ دونوں کفر ہیں۔

خلود سے طول قیام مراد:

فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (پس اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ یعنی آپ علیہ السلام کے قول کے مطابق اگر وہ اس کو سزا دے تو اس کی سزا ہمیشہ کی جہنم ہے بعض اوقات خلود سے طول قیام مراد لیا جاتا ہے۔ اور معتزلہ کا یہ کہنا کہ وہ ایمان سے نکل جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (البقرہ: ۱۷۸) وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ (اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے) یعنی اس سے بدلہ لیں گے اور رحمت سے اس کو دور کر دیں گے۔ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے) کیونکہ اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اور بڑی مصیبت کا حدیث میں فرمایا گیا۔ دنیا کا زوال اللہ تعالیٰ پر آسان ہے مومن کے قتل سے۔

(ترمذی۔ ۱۳۹۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تمہارے سامنے اطاعت

اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ

ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو سو اللہ کے پاس

مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

غنیمتیں بہت سی ہیں۔ اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک اللہ ان

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ

کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے۔ جو مسلمان بلا عذر بیٹھے رہنے والے ہیں وہ اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں ان کو بیٹھے رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے بڑی

عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر

عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ

اجر عظیم کے اعتبار سے یعنی اپنی طرف سے بہت سے درجات اور مغفرت اور رحمت کے اعتبار سے اور

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

معاملہ کی تحقیق کرو:

آیت ۹۴: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اے ایمان والو جب تم سفر کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی غزوہ میں جاؤ) فَتَبَيَّنُوْا (تو ہر معاملہ کو تحقیق کر کے کیا کرو) فتثبتوا حمزہ و علی رحمہما اللہ نے پڑھا یہ دونوں تفعل سے ہیں اور استفعال کے معنی میں ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ معاملہ کی مکمل تحقیق کر لو اور جانچ لو اور اس میں عجلت سے کام نہ لو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

اَلسَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اور جو شخص تمہیں اسلام علیکم کہے تو اس کو مت کہو کہ تو مومن نہیں)

قراءت : اَلسَّلَمُ ' وَالسَّلْمَ مدنی ' شامی ' حمزہ نے پڑھا ہے۔ اور دونوں کا مطلب فرمانبرداری ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ السلام علیکم کہا ہے یا ایک قول ہے اسلام مراد ہے۔

نحو : لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ یہ موضع نصب میں ہے۔ لا تقولوا کا مقول ہونے کی وجہ سے۔

واقعہ مرداس بن نہیک رضی اللہ عنہ:

روایت میں ہے کہ مرداس بن نہیک اسلام لائے۔ گھر والوں کی قوم اسلام نہ لائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لشکر نے علاقے پر حملہ کیا۔ وہ بھاگ گئے۔ مرداس وہاں رہا کیونکہ اسے اپنے مسلمان ہونے کا یقین تھا۔ جب اس نے گھوڑوں کو دیکھا تو اپنی بکریوں کو پہاڑ کی اوٹ میں کر دیا۔ اور خود پہاڑ پر چڑھ گیا۔ جب گھوڑے پہنچے اور انہوں نے تکبیر بلند کی تو اس نے بھی تکبیر بلند کی اور اتر آیا۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور السلام علیکم کہا مگر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں ہنکا کر لے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ آپ اس پر سخت غمگین ہوئے۔ اور فرمایا کیا تم نے اس کو قتل کر دیا اس سامان کی خاطر جو اس کے پاس تھا۔ پھر حضرت اسامہ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو) یعنی تم غنیمت پر جتے ہو۔ حالانکہ وہ جلدی ختم ہونے والا سامان ہے۔ یعنی تمہیں باعث قتل ہے جو جلدی ختم ہونے کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور اسی نے تمہیں مقتول کے حالات کی بحث و کرید سے روکا۔ بالفرض سے مراد مال ہے۔ عرض کہتے ہیں جس کا جلد زوال پذیر ہوتا ہے۔

نحو : تبتغون، تقولوا کی ضمیر سے حال ہے۔

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ (پس اللہ تعالیٰ کے ہاں بے شمار غنائم ہیں) جو اللہ تعالیٰ تمہیں عنایت فرمائیں گے۔ جو تمہیں اسلام کا اظہار کرنے والے کے قتل سے بے نیاز کر دیں گی۔ اور اس سے تم اس کے مال کی طرف تعرض کرنے سے بچ جاؤ گے کہ اس پر قبضہ کرو۔

كَذٰلِكَ کا مفہوم:

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ (تم بھی تو اس سے قبل اسی طرح تھے) جبکہ تم نے شروع شروع میں اسلام قبول کیا۔ اور تمہارے مونہوں سے کلمہ شہادت سنا گیا اسی سے تمہارے مال محفوظ ہو گئے۔ بغیر اس انتظار کے کہ تمہاری زبانیں اور دل موافقت کریں۔ کذلک کا کاف کان کی خبر ہے۔ اور اس کو کان کے اسم بلکہ کان سے بھی مقدم کیا گیا ہے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا) ایمان پر ثبات اور ایمان پر شہرت دے کر یعنی ایمان میں داخل ہونے والوں سے اسی طرح کا سلوک کرو جیسا تم سے کیا گیا۔ فَتَبَيَّنُوْٓا (خوب تحقیق کر لو) فتبینوا کو دوبارہ نصیحت کی تاکید کیلئے لائے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتے ہیں) پس قتل کی طرف فوراً مت کرو بلکہ اس میں پوری احتیاط و بچاؤ سے کام لو۔

آیت ۹۵ : لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ (بلا عذر جہاد سے پیچھے رہنے والے مسلمان برابر نہیں)

القاعدون سے مراد جہاد سے بیٹھ رہنے والے۔

نحو و قراءت : مدنی، شامی، علی رحمہم اللہ نے غیرَ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ القاعدون سے استثناء ہے۔ یا حال ہے۔ ابو حمزہ رحمہ اللہ نے مؤمنین کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا ہے۔ باقی تمام قراء رحمہم اللہ نے القاعدون کی صفت بنا کر مرفوع پڑھا ہے۔ الضرر سے مراد مرض ہے یا معذوری جیسے اندھا، لنگڑا، اپاہج پن وغیرہ۔

قاعد و مجاہد برابر نہیں :

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (اور جہاد کرنے والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال وانفس کے ساتھ) اس کا عطف القاعدون پر ہے۔ یہاں بیٹھ رہنے والے اور مجاہد میں برابری کی نفی فرمائی۔ اگرچہ اس کو معلوم ہو۔ اور جہاد سے بیٹھ رہنے والے کو توبیخ کر کے ابھارنا مقصود ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا۔ هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ الزمر۔ ۹۔ اس آیت میں طلب علم پر آمادہ کیا اور جہل پر رضامندی اختیار کرنے پر متنبہ کیا۔

ایک سوال کا جواب :

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بنسبت گھر بیٹھنے والوں کے) اس جملہ کو جملہ اول کے لئے بطور بیان کے لایا گیا۔ اور اس بات کی وضاحت فرمائی کہ قاعدین کا درجہ کیوں مجاہدین کے برابر نہیں۔ گویا اس آیت کو سن کر سوال ابھرتا تھا کہ آخر یہ کیوں برابر نہیں تو جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں جہاد سے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ دَرَجَةً یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ کسی شے کا مفہوم تفضیل میں ظاہر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ گویا تقدیرِ عبارت یہ ہے۔ کانه فضلهم تفضلة اس نے ان کو فضیلت دی ایک درجہ۔ جیسا کہتے ہیں ضربه سوطا۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (اور ہر دو فریق سے اللہ تعالیٰ نے اچھے بدلے کا وعدہ فرمایا)

نحو : کُلًّا یہ وعد اللہ کا پہلا مفعول اور الحسنی دوسرا مفعول ہے۔

کُلًّا سے مراد مجاہدین و قاعدین کے دونوں فریق ہیں۔ الحسنی سے مراد جنت ہے۔ اگرچہ مجاہدین کو قاعدین سے درجات میں فضیلت میسر ہوگی۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو جہاد سے بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے)

آیت ۹۶ : دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً (درجات اپنی طرف سے اور مغفرت اور رحمت)

نحو : نمبر ۱: اجرًا یہ فضل کی وجہ سے منصوب ہے اور درجات و مغفرۃ و رحمة یہ اجر کے بدل ہیں گویا عبارت یہ ہے اجرهم اجرًا......

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ

بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال

كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ

میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین

اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ

کشادہ نہیں تھی کہ تم وطن چھوڑ کر کے دوسری جگہ چلے جاتے۔ سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری

مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

جگہ ہے۔ لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی

يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى

تدبیر کر سکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں سو امید ہے

اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

نمبر۲۔ درجٰت۔ منصوب ہے درجہ کی وجہ سے۔ عبارت اس طرح ہوگی فضلہم تفضیلات۔ جیسا کہتے ہیں۔ ضربہ اسواطاً یعنی ضربات اور اجراً عظیماً منصوب ہے فضل کے معنی کی وجہ سے اور مغفرۃ و رحمۃ منصوب ہیں فعل مضمر کی وجہ سے۔ گویا عبارت اس طرح ہے وغفرلھم و رحمھم مغفرۃ و رحمۃ۔

آیت کا مطلب:

مطلب آیت کا یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بلا عذر بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت دی ہے اور بلا عذر آنحضرت ﷺ کے حکم سے بیٹھ رہنے والے دوسروں کی کفایت کی وجہ سے کئی درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ عذر کو معاف کر کے بخشش کرنے والے اور زیادہ اجر عطا کر کے رحم کرنے والے ہیں)

تفسیر آیت ۹۷:

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق اتری جو اسلام لائے مگر ہجرت نہ کی۔ جبکہ ہجرت فرض تھی۔ اور مشرکین کے ساتھ بدر میں آئے

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا

اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور بہت گنجائش

وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

پھر اس کو موت آ پکڑے تو بھی اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت ۱۰۰: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا (جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا اس کو زمین میں منتقل ہونے کے مقام مل جائیں گے)

معنیٰ الرغم:

مراغماً: ہجرت کے مقامات اور راستے جن پر چل کر وہ اپنی قوم کی ناک خاک آلود کرنے والا ہوگا۔ یعنی وہ ان سے ان کی ناک خاک آلود کر کے جدا ہو۔ الرغم ذلت و رسوائی کو کہتے ہیں۔ اصل میں ناک کا خاک آلود کرنا ہے۔ وغام مٹی کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے راغمت الرجل۔ جب وہ اس سے جدا ہو اور وہ اپنی ذلت و رسوائی کی وجہ سے جدائی کو پسند نہ کرتا ہو۔ كَثِيْرًا وَّسَعَةً (بہت اور رزق میں وسعت) یا دین کو ظاہر کرنے کی وسعت یا سینے کی وسعت کیونکہ اس کا خوف امن میں بدل گیا۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (جو آدمی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف مہاجر بن کر نکلا) یعنی جس طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نکلنے کا حکم دیا۔ مهاجراً یخرج کی ضمیر سے حال ہے۔

ہجرت الی اللہ:

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ (پھر اس کو ہجرت گاہ میں پہنچنے سے قبل موت آ گئی) اس کا یخرج پر عطف ہے۔ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واقع ہوا) یعنی وعدہ الٰہی کے مطابق اس کو اجر دے گا۔ علی اللہ فرمانا صرف تاکید وعدہ کے لئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان ہیں)

مَسْئَلَۃٌ: علماء نے فرمایا۔ ہر وہ ہجرت جو طلب علم، حج، جہاد، ایک شہر سے دوسرے شہر جانا تاکہ وہاں اطاعت الٰہی میں اضافہ ہو۔ یا قناعت حاصل ہو یا زہد میں ترقی ہو یا پاکیزہ رزق میسر ہو تو یہ تمام اقسام ہجرت الی اللہ و رسولہ میں شامل ہیں۔ اگر ان کے راستہ میں موت آ گئی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہو گیا۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں

الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ

قصر کر لو اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے۔ بے شک کافر تمہارے کھلے

عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

ہوئے دشمن ہیں اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے

مَّعَكَ وَلْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪

اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں

وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْیَاْخُذُوْا

اور دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، اور اپنے بچاؤ کا

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ

سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے غافل

وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ

ہو جاؤ تو تم پر ایک دم حملہ کر بیٹھیں۔ اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ

اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ

اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۰۲﴾

اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔

آیت ۱۰۱: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ (جب تم زمین میں سفر کرو) الضرب کا معنی یہاں سفر کرنا ہے۔ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں) اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (کہ تم نماز میں قصر کرو) یعنی رکعات نماز میں قصر کر کے چار کی دو پڑھو۔

مسئلہ: آیت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قصر سفر میں رخصت ہے اور تکمیل عزیمت ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ کیونکہ لا جناح تخفیف و رخصت کے مواقع میں مستعمل ہوتا ہے۔ لازم ہونے کے معنی میں نہیں آتا۔

نقصان کے خیال پر اطمینان کے لئے گناہ کی نفی کی:

جواب: قصر عزیمت ہے۔ نہ کہ رخصت۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اکمال جائز نہیں۔ صلاة السفر ركعتان تمام غير قصر على لسان نبيكم۔ رہی آیت تو انہیں اتمام سے الفت تھی پس اس بات کا امکان تھا کہ ان کے دلوں میں قصر کی وجہ سے نماز میں نقصان کا خیال گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نفوس کو قصر کے معاملہ میں اطمینان دلانے کے لئے گناہ کی نفی کی تاکہ دلوں میں خوشی پیدا ہو۔ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنے میں مبتلا کریں گے) یعنی اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کفار تمہارے قتل کا قصد کریں گے۔ یا زخمی کرنے کی ٹھانیں گے۔ یا پکڑ لیں گے۔

خارجیوں: کے نزدیک قصر کے جائز ہونے کے لئے خوف شرط ہے۔ جیسا کہ بظاہر نص میں خوف کے موقع پر قصر کا جواز اترا۔ جمہور کے نزدیک خوف کی شرط نہیں۔ اس کی تائید حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ اب ہم امن میں ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے بھی تعجب ہوا جس بات سے تمہیں ہوا تو میں نے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا۔ صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته۔ مسلم ۶۸۶/احمد/۱/۲۵

یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کیا ہے۔ پس اس کو قبول کرو۔

قصر صدقہ ہے:

مسئلہ: اس روایت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سفری صورت میں تکمیل جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا صدقہ جس میں تملیک کا احتمال بھی نہ ہو وہ محض اسقاط ہے۔ اور اس کے واپس کرنے کا احتمال بھی نہیں۔ جبکہ صدقہ کرنے والا ایسے لوگوں میں سے ہو جس کی اطاعت لازم نہیں مثلاً متولی قصاص جب وہ معاف کر دے۔ پس جس کی اطاعت لازم ہے اس کی طرف سے کیا جانے والا صدقہ لزوم کا زیادہ حقدار ہے۔

وقت نزول کی کیفیت کا تذکرہ:

آیت کے نزول کے وقت ان کی حالت اسی طرح تھی۔ پس شرط حالت کے موافق اتری جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ النور ۳۳۔ (کیونکہ یہ لوگ باوجود ارادہ تحصن کے باندیوں سے برے کام کرواتے) اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی ہے۔ من الصلاة ان يفتنكم ہے یعنی کراہۃ ان یفتنکم اسی طرح کہ قصر سے مراد حالت میں قصر ہے۔ وہ یہ ہے کہ خوف شدید کے وقت جانور کے اوپر ہی اشارہ کر لے۔ یا دوڑ کر۔ جو قراءت و تسبیح میں تخفیف کرے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں) پس ان سے بچو۔

آیت ۱۰۲: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ ان میں ہوں اور نماز پڑھانے کا ارادہ کریں) هم سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اقمت یہاں ارادت کے معنی میں ہے۔

صلوٰۃ خوف آپ کی خصوصیت نہیں:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو اپنے ظاہر سے متعلق کیا اسی لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی نماز خوف کو خاص مانا ہے۔ مگر طرفین رحمہما اللہ کہتے ہیں۔ ائمہ ہر زمانہ میں آپ ﷺ کے نائب ہیں پس آپ کو خطاب ان تمام کو شامل ہوگا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم۔ التوبہ ۱۰۳ اب زکوٰۃ ہر زمانہ میں ہے اور اس کی دلیل صحابہ کرام کا عمل ہے۔

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ (پس ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو) ان کی دو جماعتیں بنا دیں۔ ایک ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز ادا کرے اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے۔

وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ۔ (وہ اپنا اسلحہ ضرور ساتھ لے لیں جو کہ دشمن کے سامنے ہیں)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر اس سے مراد نمازی ہوں تو وہ ایسا اسلحہ جو نماز میں ان کو مشغول کرنے والا نہ ہو لے لیں مثلاً تلوار و خنجر وغیرہ۔

سجدہ نماز مراد ہے:

فَاِذَا سَجَدُوْا (پس جب وہ سجدہ کر چکیں) یعنی اپنی رکعت کو سجدہ سے مقید کر چکیں۔ سجود سے ظاہری سجدہ مراد ہے۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ سجدہ سے نماز مراد لیتے ہیں۔

فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ (پس وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں) یعنی جب آپ کے ساتھ والی جماعت ایک رکعت ادا کر لیں۔ تو وہ پیچھے لوٹ کر دشمن کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔

وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ اور دوسری جماعت آئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ لم یصلوا موضع رفع میں طائفۃ کی صفت ہے۔ فلیصلوا سے مراد وہ دوسرا گروہ ہے جو ابھی دشمن کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ رکعت ثانیہ میں شریک ہوگا۔

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ (وہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ ساتھ لے لیں) حذر سے مراد بچاؤ والی چیز زرہ وغیرہ۔ اسلحہ جمع سلاح کی ہے۔ جس سے دشمن کے ساتھ قتال کیا جائے۔ اسلحہ لینا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شرط ہے۔ اور ہمارے نزدیک مستحب ہے۔ صلوٰۃ خوف کی کیفیت تو معروف ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ (کافر لوگ تمنا کرتے ہیں کہ کاش تم اپنے اسلحہ اور سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ) یعنی ان کی تمنا یہ ہے کہ نماز کے دوران ہو سکے تم پر حملہ کر دیں۔ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً (پس وہ تم پر ٹوٹ پڑیں یک بارگی) یعنی وہ تم پر یک بارگی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ (اور تم پر گناہ نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو۔ کہ تم اپنے اسلحہ رکھ دو اور اپنا بچاؤ لے لیا کرو)

الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (بیشک نماز ایمان والوں کیلئے وقت کی تعیین کے ساتھ فرض ہے) یعنی اوقات معلومہ کے ساتھ محدود ہے۔

آیت ۱۰۴: وَلَا تَهِنُوْا (کافروں کے سلسلے میں کمزوری نہ دکھاؤ اور سستی نہ کرو) فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ (کافروں سے لڑنے کی طلب میں) اور ان کے سامنے رکاوٹ بنتے ہیں۔ پھر اس ارشاد سے مسلمانوں پر حجت قائم کی۔ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ (اگر تم دکھ محسوس کرتے ہو تو وہ بھی زخموں کا دکھ محسوس کرتے ہیں۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہو (ثواب کی) اور وہ اس کی توقع نہیں رکھتے)

تلقین صبر:

مطلب یہ ہے کہ زخموں کی تکلیف یا آہ و بکا کو یہ فقط تمہارے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ تمہارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ان کو اور تمہیں پہنچتا ہے۔ پھر وہ کافر ہو کر صبر کرتے ہیں۔ تم صبر کیوں نہیں کرتے جیسے وہ کرتے ہیں۔ حالانکہ تمہیں بدرجہ اولیٰ صبر کرنا چاہیے کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے وہ توقعات ہیں جو انہیں نہیں۔ جیسے تمام ادیان پر اسلام کا غلبہ اور آخرت کا عظیم الشان انعام۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا (اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں) یعنی مسلمانوں کے دکھ و آلام کو جاننے والا ہے۔ حَكِيْمًا (ان کے معاملات کی تدبیر میں حکمت والا ہے)

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ

بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو

اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

سمجھایا۔ اور نہ ہو جائیے خیانت کرنے والوں کے طرف دار۔ اور اللہ سے استغفار کیجئے۔ بے شک اللہ

غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جواب دہی نہ کیجئے جو اپنی جانوں کی خیانت کرتے ہیں بے شک

اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ

اللہ پسند نہیں فرماتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو۔ وہ شرماتے ہیں لوگوں سے

وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ

اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو ان باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جن کو

الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ

اللہ پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ ان سب کاموں کو جو وہ کرتے ہیں گھیرے ہوئے ہے۔ ہاں تم وہ لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کر لیا

عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ان کی طرف سے دنیا والی زندگی میں سو کون جھگڑا کرے گا اللہ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن

طعمہ بن ابیرق اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

آیت ۱۰۵: روایت میں ہے کہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کی زرہ چرائی۔ وہ زرہ ایک آٹے کی بوری میں تھی۔ بوری میں سوراخ تھا آٹا بوری کے سوراخ سے گرتا گیا۔ وہ نشان پڑتا گیا۔ چور نے یہ بوری زید بن السمین یہودی کے پاس چھپا دی۔ تلاش کرنے پر زرہ طعمہ کے پاس نہ ملی۔ اس نے اس کے متعلق قسم اٹھائی کہ اس نے نہیں لی۔ اور نہ اسے اس کا علم ہے۔ انہوں نے اسے چھوڑا اور آٹے کے نشان پر چلتے چلتے یہودی کے مکان پر پہنچے اور اس کو پکڑا۔ یہودی نے کہا۔ یہ طعمہ دے کر گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں کچھ یہود نے گواہی دی۔ بنو ظفر نے کہا چلو۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس کی طرف سے یہود کو جواب دیں۔ وہ کہنے لگے۔ اگر آپ نے نہ کیا

تو وہ اس کی ہلاکت و رسوائی ہو جائے گی اور یہودی بری الذمہ ہو جائے گا۔

آپ ﷺ نے اس کا ارادہ فرمالیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (بیشک ہم نے آپ کی طرف کتاب کو حق کے ساتھ اتارا ہے) حق کا معنی حق ہے حق کو ثابت کرنے والی۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (تاکہ تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھا دیا ہے) اری کا معنی علم ہے جو وحی کے ذریعہ ہو۔ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی بما الهمك بالنظر فی اصوله المنزلة۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کیا اس کے نازل شدہ اصولوں کی روشنی میں۔

مسئلہ: اس میں دلالت ہے کہ آپ ﷺ کے لئے اجتہاد جائز تھا۔ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا (آپ خائنین کی خاطر مخاصم نہ بنیں) یعنی طعمہ کی خاطر یہود سے مخاصمت نہ کریں۔

آیت ۱۰۶: وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ (اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں) اس ارادے کا جو آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان ہیں)

آیت ۱۰۷: وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (اور نہ مجادلہ کریں ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفسوں کی خیانت کرنے والے ہیں) وہ معصیت کر کے اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں۔

معصیت خیانت ہے:

مسئلہ: نافرمانوں کی معصیت کو ان کے نفوں کی خیانت فرمایا۔ کیونکہ اس کا نقصان بالآخر نفوں کی طرف لوٹتا ہے۔ اس سے مراد طعمہ ہے۔ اور اسی طرح اس کی قوم میں سے جو اس کے معاون تھے۔ حالانکہ ان کو علم تھا کہ وہ چور ہے۔ یا لفظ جمع سے اس لئے ذکر کیا تاکہ طعمہ اور ہر خائن کو شامل ہو جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتے جو کہ بڑا خائن گناہگار ہو) یہاں خوّانا مبالغہ کا لفظ لایا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ طعمہ خیانت میں بہت بڑھنے والا ہے اور خیانت پر جم جانے والا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ طعمہ راتوں رات مکہ بھاگ کر مرتد ہو گیا۔ اور وہاں ایک دیوار میں نقب زنی کی۔ وہ دیوار اس پر آ گری اور وہ ہلاک ہو گیا۔

گناہ سے گناہ ملتا ہے:

مسئلہ: جب آدمی کا قدم کسی گناہ پر لڑکھڑا جاتا ہے تو اس گناہ کے کئی اور بھائی بھی ہوتے ہیں۔ جو ساتھ آ جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ آپ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں روتی ہوئی آئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ یہ پہلی بار کی چوری ہے جو اس سے ہوئی اس کو معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو جھوٹ بول رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلی مرتبہ کی غلطی پر نہیں پکڑتے۔

آیت ۱۰۸: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ (وہ لوگوں سے حیا کرتے ہوئے چھپاتے پھرتے ہیں) ان کے ضرر کے خطرہ سے۔

عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ

بہت بڑا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقہ

بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ

کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ

حیاء کا حقدار سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل ہے:

وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں سکتے) اور حیا اس سے شرم کرتے ہیں۔ وَهُوَ مَعَهُمْ (حالانکہ وہ ان

اسے معلوم ہے) ان کے حالات سے مطلع ہے۔ اور اس پر کوئی چھپانے والی چیز مخفی نہیں۔

فَتَنْبِيْه: یہ بات ان لوگوں کے لئے سب سے بڑا ... اپنے رب سے حیا نہیں کرتے اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ اس کے سامنے ہیں۔ ان کا راز اس کے سامنے کوئی آشکارا اور ظاہر بات ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف گفتگو سے متعلق تدبیریں کرتے رات گزارتے ہیں) یبیتون کا معنی تدبیر کرنا رات کے وقت۔

مالا یرضی سے مراد طعمہ کی یہ تدبیر کہ زرہ یہودی کے گھر پھینک آیا۔ تاکہ یہودی پر بات آئے اور یہ قسم کھالے کہ اس نے چوری نہیں کی۔

کلام دل کا قصد ہے:

فَتَنْبِيْه: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ کلام درحقیقت وہ مقصد ہے جو دل میں ہو اس لئے کہ یہاں تدبیر کو قول سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا (اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا احاطہ کرنے والے ہیں) کوئی عمل اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔

ایک نحوی تحقیق:

آیت ۱۰۹: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ۔ ھا تنبیہ کے لئے ہے۔ انتم مبتدا اور ھؤلاء خبر ہے۔ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ (ہاں تم تو ایسے لوگ ہو کہ تم نے ان کی طرف سے جواب دہی کی یا حمایت کریں) جادلتم کا معنی ان کی طرف سے جھگڑنا۔ يُجَادِلُوْنَ۔ نمبر ا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ جملہ اولیٰ کی خبر واقع ہو رہی ہے۔ جیسے تم کہتے ہو انت حاتم تجود بمالک۔

نمبر۲۔ ھؤلاء اسم موصول بمعنی الذین اور جادلتم صلہ۔ مطلب یہ ہو۔ کہ تم وہ لوگ ہو جو ان کی طرف سے جواب دہی کر رہے ہو۔ ھم کی ضمیر کا مرجع طعمہ اور اس کی معاون پارٹی۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (دنیا کی زندگی میں پس کون اللہ تعالیٰ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن جھگڑے گا) یعنی جب اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں پکڑیں گے تو کون طعمہ کی طرف سے جھگڑے گا۔ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا) جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑنے سے محفوظ کرے گا۔

ظلم کی مراد:

آیت ۱۱۰: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا (جو شخص کوئی برائی کرے) سوء سے مراد ایسا گناہ جو شرک سے کم درجہ ہو۔ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (یا اپنے نفس پر ظلم کرے) ظلم سے مراد شرک ہے۔ یا ایسی برائی جس کا نقصان دوسروں کو پہنچے جیسا کہ طعمہ نے قتادہ اور یہودی کے سلسلہ میں کیا۔ (ایک کی چوری کی دوسرے کے ذمہ جھوٹ لگا دی) اور ظلم سے مراد ایسا کام جس کا وبال اسی تک پہنچتا ہو جیسے

جھوٹی قسم کھاتا۔

ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ (پھر اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار ہوا) یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا)

اس میں طعمہ کو توبہ و استغفار پر آمادہ کیا گیا ہے۔

آیت ۱۱۱: وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ (جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے۔ تو وہ اپنے نفس پر اس کا اثر پہنچاتا ہے) کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں) نہیں وہ گناہ کی سزا گناہ کرنے والے کے علاوہ دوسرے کو نہیں دیتے۔

تعریف بہتان:

آیت ۱۱۲: وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً (جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے) خطیئہ سے گناہ صغیرہ مراد ہے۔ اَوْ اِثْمًا۔ یا کبیرہ گناہ۔ اگر پہلے سے حقوق اللہ کو تلف کرنا مراد ہو تو دوسرے سے حقوق العباد مراد ہوں گے۔ ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا (پھر اس نے اس کا الزام کسی بے قصور پر ڈال دیا) جیسا کہ طعمہ نے زید پر ڈالا۔ فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (اس نے بڑا عظیم جھوٹ اپنے اوپر لادا اور کھلا ہوا گناہ بے قصور پر ڈالا) کیونکہ وہ کسب گناہ سے گناہگار بن گیا اور بری الذمہ پر لگانے کی وجہ سے بہتان باز بن گیا۔ گویا اس نے دو گناہ کیے۔ البُهْتَان ایسا جھوٹ جس پر عقل حیران رہ جائے اور وہ ایسے آدمی پر تھوپا جائے جس کو اس کا علم نہ ہو۔

آیت ۱۱۳: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ (اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتی) فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت و عصمت اور رحمت سے مراد اس کی خصوصی مہربانی جس سے ان کے رازوں کی اطلاع دی۔

بنی ظفر کا طرز عمل:

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ (تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو بہکانے کا قصد کر چکا تھا) مراد بنی ظفر۔ یا بنو ظفر کا ایک گروہ ہے مِنْهُمْ سے مراد لوگ۔ اَنْ یُّضِلُّوْكَ (کہ وہ آپ کو بہکا دیتے) صحیح فیصلے اور طریق عدل کی پیروی سے باوجود اس بات کے جاننے کے کہ ان کا ساتھی مجرم ہے۔ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو) کیونکہ اس کا وبال ان کو پہنچے گا۔ وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ (وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) کیونکہ آپ نے ظاہر حال کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اور آپ کے دل میں یہ خیال تک بھی نہ تھا کہ حقیقت اس کے الٹ ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب قرآن اتاری) وَالْحِكْمَةَ اور سنت۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (اور آپ کو وہ علم دیا جو آپ نہ جانتے تھے) یعنی امور دین و شریعت کے سلسلہ میں یا مخفی امور اور دلوں کے راز۔ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے) اس سلسلہ میں کہ آپ کو علم دیا اور انعامات فرمائے۔

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ

کام خدا کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور جو شخص

يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف

سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کام کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

بے شک خدا اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے اور جو شخص

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اللہ کے ساتھ شریک کرے تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا

آیت ۱۱۴: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ (ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں) ھُمْ سے مراد لوگ۔ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ (مگر وہ سرگوشی جو صدقہ کی کی جائے)

نحوی تحقیق:

نحو: نمبر۱: کثیر مبدل منہ اور مَنْ اَمَرَ بدل مجرور ہے۔ نمبر۲: یا نجواھم مبدل منہ اور مَنْ اَمَرَ بدل۔ نمبر۳: مستثنیٰ منقطع کی وجہ سے منصوب ہے۔ الا بمعنی لکن ای من امر بصدقۃ ففی نجواہ الخیر۔ (اِلَّا کو غیر کے معنی میں لیا جائے تو وہ مجرور ہے گویا الا وصفی ہے۔ فتدبر)

نیکی وہ جو شہرت سے بچ جائے:

اَوْ مَعْرُوْفٍ (یا کسی نیکی کا حکم) جیسے نمبر۱: قرض۔ نمبر۲: مظلوم کی داد رسی۔ نمبر۳: ہر اچھائی۔ صدقہ سے مراد زکوٰۃ لیں تو معروف سے نفلی صدقہ مراد ہے۔ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ (یا لوگوں میں صلح صفائی) وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ (جو یہ کام کرے گا) جس کا ذکر ہوا۔ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر) اس شرط سے ریاکاری اور شہرت کے لئے کرنا خود خارج ہو گیا۔ یہ مفعول لہٗ ہے۔

ایک اشکال کا جواب:

اشکال: پہلے فرمایا الا من امر۔ پھر فرمایا ومن یفعل ذلک۔ پہلے امر کہا پھر فعل کا ذکر کیا۔ حالانکہ امر تو فعل نہیں۔

جواب: امر خیر کے ساتھ امر کا لفظ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کے کرنے والے پر دلالت کرے۔ کیونکہ جب حکم دینے والا بھی داخل ہو گیا تو فاعل بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہوگا۔ پھر من یفعل فرما کر اجر عظیم کا وعدہ اس سے منسلک کر دیا۔ یا حکم دینے والے کو بمنزلہ فاعل کے قرار دے کر یہ تعبیر فرما دی۔ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (عنقریب ہم آپ کو بہت بڑا اجر دیں گے) قراءت: ابو عمرو و حمزہ نے یؤتیہ پڑھا ہے۔

آیت ۱۱۵: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ (جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا) یعنی دلائل نقلی سے واضح ہونے اور عقلی طور پر معلوم ہونے کے بعد کہ وہ ہدایت ہے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ (وہ مومنوں کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلے گا) السبیل سے مراد دین حنیفی کا راستہ

اجماع حجت ہے:

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں۔ جیسا کہ کتاب و سنت کی مخالفت جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزیں۔ غیر سبیل المؤمنین اور مخالفت رسول کو ایک شرط سے مشروط کیا۔ اور ان کی سزا وعید شدید کی صورت میں ذکر کی۔ پس ان کی اتباع بھی موالات الرسول کی طرح ضروری ہے۔ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ (ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا) یعنی جس گمراہی کو اس نے اختیار کیا ہم وہی اس کو دے دیں گے۔ اور دنیا میں جس چیز کو اس نے چنا ہے اس میں اس کو چھوڑ دیں گے۔

وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (اور آخرت میں اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے) اس آیت میں طعمہ اور اس کے ارتداد کے متعلق جہنم کو ذکر فرمایا۔ یہ آیت اسی کے متعلق اتری (کذا قال البغوی)

شرک کی معافی نہیں:

آیت ۱۱۶: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ اس کی تفسیر گزر چکی بعیدا سے مراد راہ حق سے دور ہوا۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو معاف نہیں کریگا۔ اور شرک کے علاوہ جس کو معاف کرنا چاہے گا معاف کر دیگا (خواہ توبہ کے بعد یا بغیر توبہ کے) اور جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتا ہے۔ وہ راہ حق سے بھٹک گیا اور دور کا بھٹکنا)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا

یہ لوگ اللہ کے سوا صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور نہیں پکارتے مگر شیطان کو

مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا

جو سرکش ہے جس پر اللہ نے لعنت کی اور شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ

مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ

حصہ لے لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا سو وہ چوپاؤں کے

اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ

کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا سو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلا کریں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر

الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ

شیطان کو دوست بنائے سو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ شیطان ان سے وعدے کرتا

وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف فریب کے وعدے کرتا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

جہنم ہے اور وہاں سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

اصنام کو اناث کہنے کی وجہ:

آیت ۱۱۷: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ (نہیں وہ عبادت کرتے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) اِلَّآ اِنٰثًا (مگر مؤنثوں کی) اناث جمع انثٰی کی۔ اور وہ لات عزّیٰ و مناۃ ہیں۔ اہل عرب کا ہر قبیلہ کسی نہ کسی بت کی پوجا کرتا تھا وہ اس کا نام فلاں قبیلہ کی مؤنث رکھتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے اصنام کے متعلق کہتے یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ (وہ عبادت نہیں کرتے) اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (مگر شیطان مردود کی) کیونکہ شیطان نے ان کو بتوں کی عبادت پر آمادہ کیا۔ اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ پس اس کی اطاعت کو عبادت قرار دیا۔ مَرِيْدًا اطاعت سے نکلنے والا اور بھلائی سے عاری اور نیکی سے الگ بھی ہے۔

آیت ۱۱۸: لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور

شیطان نے کہا میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ ضرور لوں گا) شیطان کی پہلی صفت مریدًا اور دوسری لعنہ اللہ ہے اور شیطان نے یہ انتہائی بدبختی والی بدترین بات کی۔ مفروضًا یعنی جو میرے لئے لازم ہوگا۔ ایک ہزار میں سے ۹۹۹ شیطان کے لئے اور ایک اللہ کے لئے۔

شیطانی چالیں:

آیت ۱۱۹: وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ (اور میں ضرور ان کو راہ حق سے بھٹکاؤں گا) گمراہی کی طرف دعوت دے کر اور وسوسہ اندازی سے۔ اگر شیطان کے پاس گمراہی کو نافذ کرنے کی قوت ہوتی تو تمام گمراہ ہو جاتے۔

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ (اور میں ان کے دلوں میں باطل ہوسیں ڈالوں گا) یعنی باطل ہوس کی تمنائیں ان کے دلوں میں ڈالوں گا۔ جیسے درازی عمر امیدوں کو پالینا۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ (میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے) البتک کا معنی کثرت سے چیرنا۔ بار بار چیرنا۔ مطلب یہ ہے کہ میں ان کو اس بات پر آمادہ کروں گا کہ وہ چوپایوں کے کان کاٹیں۔ وہ پانچ بچے جننے والی اونٹنی کے کان کاٹ دیتے۔ جبکہ پانچواں بچہ نر ہو۔ اور اس سے نفع اٹھانا اپنے لئے حرام کر لیتے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو بدل ڈالیں گے) حامی (نر سانڈ) کی ایک آنکھ پھوڑ کر چھوڑ دیتے اور اس پر سواری نہ کرتے۔ یا غلاموں کو خصی کر دیتے۔ یہ چوپاؤں میں درست ہے البتہ غلاموں میں ناجائز ہے۔ یا گود کر جسم پر تصویر بناتے۔ انساب کی نفی کر کے دوسرے نسبوں کی طرف نسبت کرتے۔ یا سفید بالوں کو سیاہ رنگ کرتے۔ یا اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کرتے یا مخنث بناتے۔ یا دین اسلام جو اللہ تعالیٰ کا فطری دین ہے اس کو تبدیل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا تبدیل لخلق اللہ۔ [الروم: ۳۰] وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (جس نے شیطان کو اپنا دوست بنایا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) اور اس بات کو قبول کیا جس کی طرف شیطان نے دعوت دی۔ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہوا دونوں جہانوں میں)

آیت ۱۲۰: يَعِدُهُمْ (وہ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے) ان کو اس طرح کے وسوسوں سے کہ جنت نہیں۔ دوزخ نہیں اور نہ کوئی بعث حساب ہے۔ وَيُمَنِّيْهِمْ (اور ان کو امیدیں دلاتا ہے) جن کو وہ کبھی پا نہیں سکتے۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (اور شیطان کا وعدہ ان سے محض فریب کی بات ہے) غرور وہ کہ دیکھنے میں بھلا اور ظاہر اس کے الٹ ہو۔

آیت ۱۲۱: اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا (ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس سے چھٹکارا اور بھاگنے کا راستہ نہ پائیں گے)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو اپنے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ

نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے اور کون ہے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ

جس کا کہنا اللہ سے زیادہ سچا ہو۔ نہ تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْۗءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا

جو کوئی برا عمل کرے گا اس کو سزا دی جائے گی اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور

نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

مددگار۔ اور جو شخص نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو

فَاُولٰۗىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ

تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا

دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۭ

جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملت ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ

ہوئے تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾

اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

آیت ۱۲۲: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے) اور شیطان کی

کفریہ باتوں میں اتباع نہیں کی۔

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے)

قراءت: نخعی کی قراءت میں سیدخلہم ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا (اللہ تعالیٰ نے اس کا سچا وعدہ کیا ہے)

نحو: وعدا اور حقا دونوں مصدر ہیں مفعول مطلق برائے تاکید لائے گئے ایک اپنے فعل کی تاکید جبکہ دوسرا اس فعل کی تاکید ہے۔

استفہام بمعنی نفی:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہے) قیل کا معنی قول ہے۔ یہ استفہام ہے جو نفی کے معنی میں آیا ہے۔ جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں اور شیطان کے جھوٹے وعدوں میں تقابلی موازنہ کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی زیادہ سچا نہیں۔ یہ تیسری تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیے گئے وعدے ضرور پورے فرمائیں گے۔

جھوٹی تمنا بے فائدہ ہے:

آیت ۱۲۳: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ (حقیقت امر تمہاری تمناؤں پر نہیں) اے مشرکو! کہ تمہارے بت تمہیں فائدہ دیں گے۔ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (اور نہ حقیقت اہل کتاب کی تمناؤں سے وابستہ ہے) جو بیہودہ اس حد تک دعویٰ کرنے والے ہیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ [المائدہ: ۱۸] کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ اسی طرح لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (البقرہ: ۸۰) کہ ہمیں تو آگ چند دن لگے گی۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (جو شخص کوئی برا عمل کرتا ہے اس کا بدلہ دیا جائے گا) خواہ مشرکین سے ہو یا اہل کتاب میں سے جیسا کہ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا۔ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (اور وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا) اس میں کفار کو وعید سنائی گئی ہے کیونکہ مومنوں کا تذکرہ اگلی آیت میں فرمایا۔

آیت ۱۲۴: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ (جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ مومن ہو)۔

نحو: وھو مؤمن یہ حال ہے۔ اور جملہ من ذکر او انثیٰ اور من الصلحت بعمل کے ابہام کو دور کرنے کے لئے ہے۔

نکتہ: اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اعمال ایمان کا جزو نہیں ہیں۔

ایمان دخول جنت کا اصل سبب ہے:

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (یہی وہ جنت میں داخل ہوں گے)

قراءت: مکی، ابو عمرو اور ابوبکر رحمہم اللہ نے یُدْخَلُوْنَ پڑھا ہے۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (اور وہ ذرہ بھر حق تلفی نہیں کئے جائیں گے) نقیر وہ گڑھا جو گٹھلی کی پشت میں ہوتا ہے۔ (و) یظلمون کی ضمیر نیک و بد عمل کرنے والے تمام کی طرف ہے۔ اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ ایک فریق کے ہاں اس کا تذکرہ ہو تو وہ دوسرے فریق کے ہاں تذکرہ کرنے کیلئے دلیل ہو۔ اور ارشاد الٰہی: من یعمل

سوءًا یجز بہ اور ومن یعمل من الصالحات کو اہل کتاب کی تمنیات کے بعد ذکر کیا جیسے کہ دوسری آیت بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ (البقرہ: ۸۱) اور ارشاد الٰہی والذین آمنوا وعملوا الصالحات کو بھی اس ارشاد کے بعد لائے۔ وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ۔ (تو گویا ایک فریق کا تذکرہ فرمایا اور دوسرا خود کہنے سے سمجھا اور مانا جاتا ہے)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (اور ایسے شخص سے کس کا دین اچھا ہوگا جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف) یعنی جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دیا اور عمل خود اس کے سپرد کر دیا کہ اس کے سوا کسی کو رب و معبود جانتا ہی نہیں۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ (اس حال میں کہ وہ مخلص ہو) یعنی نیک کام کرنے والا ہو۔ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (اور اس نے اتباع کی ملت ابراہیم علیہ السلام کی جو سب سے یکسو ہو جانے والے تھے) حنیفا باطل دینوں سے منہ موڑ کر دین حق پر گامزن۔

نحو: حنیفا یا ابراہیم سے حال ہے یا اتبع سے حال ہے۔

لفظ خلیل کی تحقیق و تعریف:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا) خلیل یا اپنے اصل کے لحاظ سے اتخال تھا۔ اس کو کہتے ہیں جو تمہارے خلل اور بگاڑ کی درستگی کرے۔ یا خلال اصل ہے جس کا معنی گھر میں آ جانا ہے۔ یا خلل کا معنی رخنہ اور شگاف ہے جو تمہارے شگاف و خلل کو اسی طرح دور کرے جیسا وہ اپنے شگاف کو کرتا ہے۔ خُلت خالص دوستی کو کہتے ہیں۔ جو رازوں کے خالص ہونے کی وجہ سے خصوصیت کو لازم کرتی ہے۔ اور محبت زیادہ خالص ہے کیونکہ وہ دل کی گہرائی سے ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ جیسا کہ شاعر کے اس کلام میں۔ ~ بانت شعری والحوادث جمۃ

جملہ کا فائدہ:

خلت و طریق ابراہیمی کی اتباع کی تاکید کر دی۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مرتبہ کو پہنچا ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خلیل بنایا۔ تو اس کا راستہ اتباع و پیروی کے لئے لائق و مناسب ہے۔ اگر اس کو باقی جملوں پر بطور عطف لایا جاتا تو یہ معنی نہ نکلتا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا جبرئیل علیہ السلام سے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کیوں بنایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کیونکہ وہ مخلوق کو کھانا کھلاتے۔ اور لوگوں کو خوب سلام کہتے۔ اور رات کو لوگ سوتے اور وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ (بیہقی و حوالہ شعب الایمان) ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں نے تجھے خلیل بنایا کیونکہ تو لینے کی بجائے دینا پسند کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تو لوگوں کو دیتا ہے خود ان سے طلب نہیں کرتا۔

خلیل کو اللہ کی خلت کی حاجت ہے:

آیت ۱۲۶: وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے) اس

ہوا۔ اور عرب میں یتیم بچیوں کو اپنے ساتھ ملاتے اور ان کا مال بھی لے لیتے۔ اگر خوبصورت ہوتیں تو ان سے شادی کر لیتے اور مال کھا جاتے اور اگر بدصورت ہوتیں تو شادی سے ان کو روکتے یہاں تک کہ وہ مر جاتیں اور وہ ان کے وارث بن جاتے۔ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (اور تم ان سے نکاح میں رغبت رکھتے ہو) ان کی خوبصورتی کی وجہ سے یا ان کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح سے بے رغبتی رکھتے ہو۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ (اور کمزور بچے) یعنی یتیم۔

نحو: المستضعفین یہ یتامی النساء پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے۔

نحوی تحقیق:

زمانۂ جاہلیت میں مضبوط آدمی کو وارث بناتے بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دیتے۔ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى (یہ کہ تم قائم کرو انصاف یتامیٰ کے لئے) **نحو:** (۱) یہ بھی المستضعفین کی طرح مجرور ہے۔ معنی اس طرح ہے یفتیکم فی یتامی النساء و فی المستضعفین، و فی ان تقوموا۔ (۲) یا منصوب ہے اور معنی یہ ہے۔ یامرکم ان تقوموا۔ اس صورت میں ذمہ داروں کو خطاب ہے کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں۔ بِالْقِسْطِ (انصاف و عدل کے ساتھ) ان کے اموال و میراث کے سلسلہ میں۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ (اور جو تم بھلائی کا کام کرو) فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا (پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) وہ اس پر بدلہ دیں گے۔

نحو: وما تفعلوا شرط فان اللہ یہ جواب شرط ہے۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

[illegible]

أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ

[illegible]

الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

[illegible]

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ

[illegible]

الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

[illegible]

غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ

[illegible]

اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

[illegible]

شرط پر صلح میں حرج نہیں:

آیت ۱۲۸: وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا نُشُوْزًا (اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بددماغی کا خطرہ ہو) یعنی علامات و قرائن سے احتمال ہو۔ النشوز خاوند بیوی سے خفگی و کنارہ کرے اور اس کا حق اور خرچہ روک دے۔ عورت کا گلا گھونٹ اور ضرب سے تنگ کرے۔ اَوْ اِعْرَاضًا یا رخ پھیر لینے کا خطرہ ہو۔ کہ وہ اس سے میل جول میں کمی کرتا اور انس و محبت میں کمی کرتا ہو خواہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کی وجہ سے یا اس کے اخلاق یا خلقت یا رنج یا دوسری سے آنکھ لگ جانے کی وجہ سے یا اور اسی طرح کی صورت ہو۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا تو کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے مابین (کسی شرط پر) مصالحت

کرلیں۔

قراءت: کوفی نے یُصْلِحَا پڑھا۔ یَصَّالَحَا اصل میں یتصالحا ہے تا کو صاد کرکے ادغام کیا گیا ہے۔ صُلْحًا یہ مصدر ہے اور ہر دو فعل مصدر کے معنی میں ہیں الصلح کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں باہمی خوشدلی سے صلح کرلیں کہ وہ عورت خوشدلی سے کمی تقسیم پر راضی ہو جائے یا بعض حصے پر راضی ہو جائے یا بعض مہر خاوند کو واپس کر دے یا تمام واپس کر دے یا خرچہ کا مطالبہ نہ کرے۔

صلحًا (ان یصلحا کا مفعول بہ) صحیح ہے خواہ مجرد و مزید کا فرق ہے جیسا کہ اس آیت میں انبتهُ اللّٰہ نباتًا)

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (اور صلح بہت بہتر ہے) جدائی سے یا نافرمانی سے یا ہر چیز میں جھگڑا ڈالنے سے۔ یا الصلح خیر من الخیور کہ بھلائیوں میں سے بڑی بھلائی صلح ہے جیسا کہ جھگڑا شرور میں سے بڑا شر ہے۔

بخل طبع انسانی کا حصہ ہے:

بخیل: یہ جملہ معترضہ ہے۔ جیسا کہ: وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ انسانی طبائع سے حرص غائب نہیں ہوتی۔ اس آیت میں بخل کو نفس انسانی کے پاس ہر وقت حاضر باش قرار دیا کہ وہ کبھی اس سے غائب نہیں۔ یعنی وہ طبع انسانی کا حصہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عورت اپنے حصے سے درگزر کے لئے تیار نہیں اور مرد اس کو اس کا حصہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ جب کہ وہ اس سے بے رغبتی رکھتا ہو۔ ہر ایک اپنے آرام کا طالب ہے۔

احضرت کے دو مفعول ہیں اول الانفس اور دوسرا الشح۔

پھر طبیعت کی مخالفت پر آمادہ کیا اور شریعت کی اتباع کا حکم دیا۔ وَإِنْ تُحْسِنُوا (اور اگر تم احسان کرو) اگرچہ وہ تمہیں ناپسند اور دوسری پسند ہوں مگر حق صحبت کا خیال کرتے ہوئے ان کو قائم رکھو وَتَتَّقُوا (بے رغبتی اور اعراض سے بچو) اور ان چیزوں سے بھی جو جھگڑے اور ایذاء کا باعث ہوں۔ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال احسان و تقویٰ سے خَبِيرًا (مطلع ہیں) پس وہ تمہیں ثواب عنایت فرمائیں گے۔

لطیفہ: عمران خارجی علیہ ما علیہ بنی آدم کے انتہائی بدصورت لوگوں میں سے تھا۔ اور اس کی بیوی انتہائی خوبصورت۔ عورت نے اس کو دیکھ کر کہا الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اور تو جنتی ہیں۔ عمران نے کہا وہ کیسے۔ عورت نے کہا تمہیں مجھ جیسی خوبصورت ملی تو تم نے شکر کیا اور مجھے تجھ جیسا بدصورت ملا تو میں نے صبر کیا اور جنت تو شاکرین و صابرین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(اگر خارجی ان میں سے ہوتے تو بلا الہم)

عدل کی تعریف:

آیت ۱۲۹: وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ (تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ تم عورتوں کے درمیان عدل کرو) یعنی ایسی

برابری اور عدل کی بالکل جھکاؤ نہ ہو۔ پس عدل کی تکمیل اسی میں ہے کہ ان کے مابین تقسیم نفقہ، خیال رکھنے التفات نظر، متوجہ ہونا دل لگی کی گفتگو، خوش طبعی وغیرہ میں برابری کی جائے۔

ایک قول یہ بھی کہ العدل کا مطلب محبت میں برابری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں تقسیم کے سلسلہ میں برابری فرماتے اور فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم ان معاملات میں ہے جو میرے قبضہ میں ہے لیکن جو بات میرے قبضہ میں نہیں صرف تیرے اختیار میں ہے۔ اس میں تو میری پکڑ نہ کرنا یعنی محبت۔ کیونکہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔

حتی الامکان عدل کرو:

وَلَوْ حَرَصْتُمْ (اگرچہ تم اس کی کتنی خواہش کرو) فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ (مگر کامل طور پر جھک نہ جانا) یعنی اس میں میلان اختیار کرکے مرغوب کی طرف زیادہ نہ جھکو۔ یا اس کی رضامندی کے بغیر اس کا حصہ روک لو۔ یعنی تم میلان سے پرہیز تو آسانی اور سہولت کی غرض سے ہے۔ مگر اس میں تفریط۔ یہ کام بلکہ بالکل عدل۔ یہ تو تقریباً ہو جائے۔

اس ارشاد میں ایک طرح کی توبیخ ہے۔

نحو: كُلَّ کا لفظ مصدر کی جہت سے منصوب ہے کیونکہ اس کا حکم مضاف الیہ کا ہوتا ہے۔

فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (کہ تم اس کو ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو) کہ نہ وہ بیوہ ہے نہ وہ خاوند والی ہے۔ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا (اور اگر تم ان کی اصلاح کر لو اور بگاڑ سے بچتے رہو) فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے مہربان ہیں) جو دلوں کا میلان تمہیں معاف کر دیں گے اور تم پر رحمت فرماتے ہوئے سزا نہ دیں گے۔

آیت ۱۳۰: وَإِنْ يَتَفَرَّقَا (اور اگر وہ دونوں الگ الگ ہو جائیں) اور کسی چیز پر صلح نہ کریں اور خلع یا طلاق سے علیحدگی اختیار کریں۔ اور اس کا حق مہر اور نفقہ عدت پورا پورا دے دیں۔ يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا (تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوسرے کا محتاج نہ رکھے گا) مِّنْ سَعَتِهِ (اپنی وسعت (قدرت اور غناء) کے ساتھ) یعنی عورت کو بہتر خاوند دے دے گا اور اسکی گزران بھی کر دے گا۔ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) کہ اس نے نکاح کو حلال کر دیا۔ حَكِيمًا (اور حکمت والے ہیں) کہ رخصت کرنے کی اجازت دے دی۔ السعت قدرت و غنا کو کہتے ہیں۔ الواسع الغنی المقتدر۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور البتہ ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے

الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اگر کفر کرو گے تو بیشک اللہ ہی کے لئے ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے لائق حمد و ستائش ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ

جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور کارساز ہونے کے لئے خدا کافی ہے اے لوگو! اگر اللہ چاہے

یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ

تو تم سب کو ختم کر دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ کو اس پر

قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا

قدرت ہے جو شخص ارادہ کرے دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا

وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾

ثواب ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

ع ۱۹

تفسیر: آیت ۱۳۱:

اس آیت میں اجمالی اور تدریجاً بتلایا۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے) پیدا کرنے کے اعتبار سے اور وہ اپنے غلاموں کو بطور تمام مالک جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (تحقیق ہم نے وصیت کی ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی) الکتاب میں الف لام جنس کا ہے اور تمام سماوی کتابیں مراد ہیں۔ مِنْ قَبْلِکُمْ (تم سے پہلے) اگلی امتیں۔

اصل سعادت تقویٰ ہے:

نحو: یہ وصینا کے ساتھ متعلق ہے۔ وَاِیَّاکُمْ (اور تمہیں) یہ الذین اوتوا پر معطوف ہے۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یہ ان مفسرہ ہے کیونکہ وصیت قول کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ پرانی وصیت ہے جو پرانے زمانہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرماتے ہیں۔ یہ صرف تمہیں ہی نہیں کی گئی کیونکہ بندے تقویٰ سے ہی اس کے ہاں سعادت مند بنتے رہے ہیں۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْا (اور اگر تم کفر کرو) اس کا عطف بھی اتقوا پر ہے۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور تمہیں تقویٰ کا حکم دیا۔ اور انہیں بھی کہا اور تمہیں بھی کہتے ہیں۔ اگر تم ناشکری کرو گے۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا (پس بیشک اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہیں) غنی ہیں یعنی مخلوق سے اور ان کی عبادات سے اور حمید ہیں یعنی مستحق حمد ہیں ان کی تعریف کثرت انعام کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ خواہ ان کی کوئی تعریف کرے یا نہ کرے (وہ ان کی تعریف کا محتاج نہیں)

حکم تقویٰ مالک ہونے کی وجہ سے:

نکتہ: نمبر ۱۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ دوبارہ لایا گیا۔ تاکہ یہ بات پختہ طور پر ثابت کر دی جائے کہ اس کے تقویٰ کا سبب یہ ہے کہ ساری مخلوق اسی کی ہے اور وہ ان کا خالق و مالک ہے۔ پس اس کا حق یہ ہے کہ مخلوق اس کی اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے۔

نمبر ۲۔ اس میں یہ بھی ثبوت مہیا کر دیا کہ تقویٰ تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔ اور تقویٰ کا حکم دینے کے بعد ان تکفروا لا کر بتلا دیا کہ مراد تقویٰ سے شرک سے بچنا ہے۔

کارساز وہی ہے:

آیت ۱۳۲: وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا کافی ہے) پس اسی کو کارساز بناؤ۔ غیروں پر بھروسہ نہ کرو۔

عظمت قدرت:

آیت ۱۳۳: اس آیت میں بندوں کو ڈرایا اور اپنی قدرت کو بیان فرمایا۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ (اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے) اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ (اے لوگو! اور دوسروں کو لے آئے یا انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق لے آئے) وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا (اور اللہ تعالیٰ کو اس بات پر قدرت حاصل ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بلیغ انداز میں بیان فرمایا۔ (اور کافروں کو دھمکی دی)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اگرچہ تمہاری جانوں

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۟

یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی جائے۔ اگر غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق رکھتا ہے

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

سو تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کا اتباع نہ کرو۔ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

سب کاموں سے باخبر ہے۔

فقط طلبِ دنیا طلب خسیس ہے:

آیت ۱۳۴: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا (جو دنیا کے ثواب کا طالب ہے) جیسے کوئی مجاہد اپنے جہاد سے مال غنیمت کا طالب ہو۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا اور آخرت کا ثواب ہے) پھر یہ شخص کیوں صرف ایک کا طالب بنا اور دوسرے کو چھوڑتا ہے۔ اور جو یہ طلب کرتا ہے وہ تو بہت ہی حقیر و خسیس ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا (اور اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والے ہیں) بَصِيْرًا (اور ہر عمل کو دیکھنے والے ہیں) اس سے آیت میں وعدہ اور وعید دونوں پائے جاتے ہیں (سبحان اللہ)

تفسیر آیت ۱۳۵:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ (اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے ہو جاؤ) یعنی اقامت عدل میں خوب کوشش کرو یہاں تک کہ ظلم نہ کرو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے) یعنی تم اپنی گواہی خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے دو۔

نحو: قوامین خبر اول اور شہداء خبر ثانی ہے۔

اقرار شہادت علی النفس:

وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (اگرچہ وہ گواہی اپنے نفسوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) شہادت علی نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف اقرار کیونکہ یہ بھی شہادت ہے۔ کیونکہ حق کو اپنے اوپر اس نے لازم کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ

شہادت، اقرار، دعویٰ تینوں چیزیں کسی ایک کے دوسرے پر حق کی خبر و اطلاع میں برابر ہیں۔ البتہ تینوں میں فرق یہ ہے کہ دعویٰ اپنے ذاتی حق کی اطلاع ہے جو غیر کے ذمہ ہے۔ اقرار کسی دوسرے کا حق اپنے اوپر تسلیم کرنا۔ شہادت دوسرے کے حق کے لئے دوسرے کے خلاف اطلاع دینا ہے۔

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہو) یعنی اگر شہادت اپنے ماں باپ اور اقارب کے خلاف ہو۔ اِنْ يَّكُنْ (اگر چہ وہ شخص) جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے۔ غَنِيًّا (مالدار ہو) تو پھر بھی گواہی سے نہ رکے اس کی مالداری کی وجہ سے کہ اس کی رضامندی کو چاہنے لگے۔ اَوْ فَقِيْرًا (یا فقیر ہو) اس پر شفقت و رحمت گواہی سے نہ روکے۔ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا (اللہ تعالیٰ کا تعلق ان دونوں سے زیادہ ہے) یعنی ان کو دیکھ کر اور ان پر رحمت کھاتے ہوئے۔

ایک لغوی تحقیق:

نحوی: بِهِمَا میں ضمیر تثنیہ لائے حالانکہ ضمیر واحد لانی چاہیے تھی۔ کیونکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک ہے اس لئے کہ جس پر قول باری تعالیٰ غنیا او فقیرا دلالت کرتا ہے ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور وہ فقیر و غنی کی جنس ہے۔ گویا کلام اس طرح ہے۔ فاللہ اولی بجنسی الغنی والفقیر یعنی بالاغنیاء والفقراء۔ بس دونوں کی جنس مراد ہے تو تثنیہ کی ضمیر درست ہوئی۔

(جس کے حق یا خلاف شہادت دی جا رہی ہے۔ وہ دونوں سیاق کلام سے معلوم ہو رہے ہیں ان کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو اشکال نہیں رہتا۔ فافہم)

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى (تم اتباع کرو خواہش نفس کی) بالارادہ اَنْ تَعْدِلُوْا (کہیں تم حق سے ہٹ جاؤ) یہ عدل سے ہے یا اس بات کے خطرے کے پیش نظر کہ تم لوگوں کے درمیان عدل سے ہٹ جاؤ۔ وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا (اگر تم کج بیانی کرو یا پہلوتہی اختیار کرو)

قراءت و نحو:

تَلُوْا: ایک واؤ اور لام کے ضمہ سے۔ شامی و حمزہ نے پڑھا ہے۔ یہ الولایۃ سے ہے۔ اگر تمہیں شہادت کے قائم کرنے کا ذمہ دار بنایا جائے یا اس کے قائم کرنے سے اعراض کرو۔ ان کے علاوہ قراء نے دو واؤ اور سکون لام سے پڑھا۔ اس صورت میں یہ اللّی سے ہے۔ مطلب یہ ہوگا اگر تم موڑو اپنی زبانیں حق کی شہادت سے یا عادلانہ فیصلے سے۔ یا تم شہادت سے اعراض کرو جو تمہارے پاس ہے اور اس کو روک لو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر ہے) پس وہ اس پر تمہیں بدلہ دے گا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی

وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ

اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل فرمائیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا

وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا (انکار کرے) تو وہ گمراہ ہو کر دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے

ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ

پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ ان کو

لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ دکھائے گا۔

تفسیر آیت ۱۳۶: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (اے ایمان والو)۔

ثبات و اخلاص کی دعوت:

اٰمِنُوْا (ایمان کے سلسلہ میں اتباع کرو) اور اس پر مداومت اختیار کرو۔ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے یا اہل کتاب کو کیونکہ کتاب کے بعض حصے پر ان کو ایمان تھا اور کچھ رسل پر۔ اور بعض رسل کا انکار کرتے تھے۔

یا منافقین کو خطاب فرمایا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔ اے وہ لوگو! جو منافقت کے طور پر ایمان لائے ہو تم مخلص مسلمان بن جاؤ۔

بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول) یعنی محمد ﷺ پر۔ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ (اور اس کتاب (یعنی قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتارا) وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (اور وہ کتاب جو اس نے اس سے پہلے اتاری) الکتاب سے جنس کتب مراد ہے۔ جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر اتریں۔ اور اس پر دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد وکتبہ دلالت کرتا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو مومنین کو چھوڑ کر

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ سو بے شک ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

اور اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق بنایا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۗ اِنَّكُمْ اِذًا

جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک تم اس حالت میں

مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

ان جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع

جَمِيْعَاۨ ۝

کرنے والا ہے

قراءت و نحو:

نُزِّلَ و اُنْزِلَ ۔ کی و شامی نے پڑھا اور ابو عمرو نے بھی۔ اور دوسرے قراء نے ان دونوں الفاظ کو مبنی للفاعل پڑھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نزّل علٰی رسولہ اور انزل من قبل کیلئے ہے کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا تیئس سال میں اترا اور تمام کتب کے جوان سے پہلے اتریں۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (اور جو شخص اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کرے گا) یعنی ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرے گا۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (پس تحقیق وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا) کیونکہ بعض کا انکار تمام کا انکار ہے۔

تفسیر آیت ۱۳۷:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے) یعنی موسیٰ پر ۔ ثُمَّ کَفَرُوْا (پھر انہوں نے انکار کر دیا) جبکہ بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ ثُمَّ اٰمَنُوْا (پھر دوبارہ موسیٰ پر طور سے واپسی پر ایمان لے آئے) ثُمَّ کَفَرُوْا (پھر انہوں نے عیسیٰ کا انکار کر دیا)۔

مؤمن وکافر کی کامیابی میں فرق:

وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِينَ نَصِيبٌ (اور اگر کافروں کو حصہ مل جاتا ہے) مسلمانوں کی کامیابی کو فتح فرمایا کہ ان کی عظمت شان ظاہر ہو کیونکہ یہ اتنا بڑا معاملہ ہے۔ جس سے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کفار کی کامیابی کو نصیب کہا کہ ایک خسیس حصہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی دنیا ہی کا ہے۔

نحو: الذین یہ الذین یتربصون سے بدل ہے یا منافقین کی صفت ہے۔ یا ذم کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَالُوٓا (وہ کہتے ہیں) یعنی کفار کو اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ (کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے) اور تمہارے قتل پر قدرت نہ پائی تھی مگر ہم نے تمہیں چھوڑ دیا۔ الاستحواذ کا معنی غلبہ و استیلاء ہے۔ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا نہیں) کہ ہم نے ان کو ایسا خیال دلایا جس سے ان کے دل کمزور ہو گئے۔ اور وہ تمہارے قتال سے سست پڑ گئے۔ اور تمہارے خلاف ان کی معاونت میں ہم نے سستی کی پس ہمارا حصہ نکالو جو تم نے مال غنیمت پایا ہے۔

قیامت میں کافر مغلوب ہوگا:

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اے مؤمنو اور منافقو فیصلہ فرمائے گا) يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (قیامت کے دن) پس منافقین کو آگ میں داخل کرے گا۔ اور مؤمنین کو جنت عنایت فرمائیں گے۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (اور ہرگز اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راستہ نہیں دیا) قیامت میں جس کی دلیل اول آیت کا حصہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ یا سبیل کا معنی حجت ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

کرتے ہیں۔ المراءۃ فی پرداۃ یت سے باب مفاعلہ ہے۔ کیونکہ دکھلاوے والا ان کو اپنا عمل دکھلا رہا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کو استحسان کی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا (وہ اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں) وہ تھوڑی نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی لوگوں کی غیر موجودگی میں تو وہ بالکل نماز نہیں پڑھتے۔ یا تسبیح تہلیل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔

اللہ کے لئے قلیل بھی بہت ہے:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے اگر وہ قلیل بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا تو بہت ہوتا۔

مذبذب کی حقیقت:

آیت ۱۴۳: مُّذَبْذَبِينَ یہ منصوب علی الذم ہے۔ یعنی رہ گئے ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان اور خواہشات نے ان کو کفر و ایمان کے درمیان مذبذب کر دیا ہے۔ وہ ان کے مابین حیران پھرنے والے ہیں اور مذبذب کی حقیقت تو یہی ہے کہ وہ دونوں طرفوں سے ہی دفع کیا جاتا ہے۔ وہ ایک جانب قرار نہیں پاتے۔ الذبذبۃ میں جو کیفیت ہے وہ الذب میں نہیں۔

بَيْنَ ذٰلِكَ (اس کے درمیان) یعنی کفر و ایمان کے درمیان۔ لَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ وَلَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ (نہ تو وہ ان کی طرف منسوب ہیں کہ وہ مؤمن شمار ہوں اور نہ ان کی طرف منسوب ہیں کہ ان کو مشرک کہا جائے) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيلًا (جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے پس تم ہرگز اس کے لئے کوئی راستہ نہ پاؤ گے) یعنی ہدایت کی طرف ان کو راہ نہ ملے گی۔

آیت ۱۴۴: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا (اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر تم کافروں کو دلی دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے لئے واضح حجت اللہ تعالیٰ کے ہاں پیدا ہو جائے) سلطان مبین سے عذاب دینے کی واضح دلیل مراد ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا اور اپنا دین خالص کیا اللہ کے

لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا

لئے تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا

عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ

فرمائے گا۔ اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار رہو اور ایمان لاؤ اور اللہ

اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

قدردان ہے جاننے والا ہے۔

منافقین کا عذاب سخت ہونے کی وجہ:

آیت ۱۴۵: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (بے شک منافقین آگ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے) یعنی اس طبقہ میں جو جہنم کی گہرائی میں ہے اور آگ کے سات درکات ہیں ان کو درکات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پے در پے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ اور منافق کا عذاب کافر سے زیادہ رکھا گیا۔ کیونکہ وہ دنیا میں تلوار سے محفوظ رہا پس اس کے بدلے میں آخرت میں سب سے نچلے طبقے کا حقدار بنا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کفر میں کافر کی طرح ہے۔ اور کفر کے ساتھ استہزاء بالاسلام و باہل الاسلام کا اس نے اضافہ کرلیا ہے۔

قراءت: الدرک کو سکون راء کے ساتھ سوائے اعمش کے تمام کوفی قراء نے پڑھا ہے۔ اور دیگر تمام قراء نے راء کا فتحہ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ زجاج جیسے نے ذکر کیا کہ مختار قول راء کے فتحہ کا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (تم ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے) جو ان سے عذاب کو روک سکے۔

تائبین کا مقام:

آیت ۱۴۶: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا (مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی نفاق سے)

نحو: یہ لہم مجرور کی ضمیر مجرور سے استثناء ہے۔ وَاَصْلَحُوْا (اور درستی کرلی) جو احوال و اسرار اپنے انہوں نے حالت نفاق

بعض کا کہنا کہ الجهر بالسوء سے مراد گالی دینا ہے۔ اگر مظلوم اسی طرح کی گالی دے تو درست ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ولمن انتصر بعد ظلمه ۔ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا (اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے) مظلوم کی شکایت کو عَلِيْمًا (جاننے والا ہے) ظالم کے ظلم کو۔

تفسیر آیت ۱۴۹:

اس آیت میں معافی پر آمادہ کیا اور کوئی شخص کسی کی برائی کو سرعام نہ کہے خواہ بدلے کے طور پر ہی ہو۔ مظلوم کے لئے ظالم کی مذمت مطلقاً اظہار کی اجازت کے بعد یہاں افضلیت کا ذکر کیا اور خیر کے ظاہر کرنے اور اخفاء کرنے کو معافی کا سبب قرار دیا۔ پس فرمایا۔

معافی پر آمادہ کیا:

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا (اگر تم نیک کام علانیہ کرو) برائی کو سرعام بیان کرنے کی بجائے۔ اَوْ تُخْفُوْهُ (یا پوشیدہ طور پر کرو) پھر ان دونوں پر عفو کو بطور عطف ذکر کیا۔ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ (یا برائی سے درگزر کرو) یعنی اپنے دلوں سے اس کو مٹا دو۔

نکتہ: یہاں مقصود اگرچہ خیر کے ابداء و اخفاء کی کو اصل مقصود عفو کا ذکر کرنا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (پس بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے قدرت والے ہیں) یعنی وہ ہمیشہ سے گناہ معاف کرنے والے ہیں اس کے باوجود کہ اسے انتقام کی قدرت حاصل ہے۔ پس تمہیں اس کے طریق کو اپنانا چاہیے۔

آیت ۱۵۰: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں ہم بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں مانتے) جیسے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور اسی طرح انجیل اور قرآن مجید کا انکار کیا۔ اور نصرانیوں کی طرح کہ جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کیا۔ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (اور وہ چاہتے ہیں کہ کفر و اسلام کے درمیان راہ اختیار کریں) یعنی درمیانہ دین جو کفر و ایمان کے درمیان ہو حالانکہ ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

آیت ۱۵۱: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (یہی لوگ یقیناً کافر ہیں) یعنی وہ مکمل کافر ہیں کیونکہ ایک کا انکار تمام کا انکار ہے۔
حَقًّا: (پکے)

نحوی نکتہ:

حَقًّا: یہ گزشتہ جملے کے مضمون کی تاکید ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ ھذا عبد اللّٰہ حقًا یعنی یہ پکی بات ہے تقدیر یہ کافرین کے مصدر کی صفت ہے تقدیر یہ ہے۔ ھم الذین کفروا کفرًا حقًا ثابتًا یقینًا لا شک فیه۔ [illegible]

نحوی تحقیق:

نحو: فبظلم من الذین ھادوا۔ یہ فبما نقضھم سے بدل ہے۔ اور تاکید کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ طیبات کی حرمت نقض عہد اور اس کے معطوفات کفر، قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے تھی۔

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (اور ان کے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کے باعث) آیات سے مراد معجزات موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ (اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کے سبب) جیسے زکریا و یحییٰ وغیرہ علیہم السلام **بِغَيْرِ حَقٍّ** (ناحق) یعنی بغیر کسی ایسے سبب کے ارتکاب کے کہ جس سے قتل کے مستحق ٹھہریں۔ **وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** (اور ان کی اس بات کے سبب کہ ہمارے دل پردے میں ہیں) غلف یہ جمع اغلف ہے۔ اس کا معنی ہے ایسا کہ جس میں کوئی وعظ و نصیحت اثر انداز نہ ہو۔

فخریہ دعویٰ کی تردید:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی) یہ جملہ قلوبنا غلف کے فخریہ دعویٰ کی تردید ہے۔ **فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** (پس نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے) جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

بار بار کفر کا ارتکاب:

آیت ۱۵۶: **وَّبِكُفْرِهِمْ** (اور ان کے کفر کے باعث)

نحو: اس کا عطف فبما نقضھم پر ہے یا کہ قریب بکفرھم پر اس لئے کہ انہوں نے بار بار کفر کیا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ اسی لئے ان کے ایک کفر کو دوسرے پر عطف کیا۔ **وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** (اور ان کے اس قول کی وجہ سے جو انہوں نے مریم پر ایک عظیم بہتان کے طور پر لگایا) کہ وہ بہتان عظیم زنا کا الزام تھا۔

مسیح کہنے کی وجوہ:

آیت ۱۵۷: **وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ** (اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ بیشک ہم نے قتل کیا مسیح کو)

مسیح کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے نمبر ا۔ کہ جبرئیل نے ان کو برکت سے چھوا۔ پس وہ ممسوح ہو گئے تو یا مسیح بمعنی ممسوح ہے۔

نمبر ۲۔ وہ مریض اور بیمار، اندھا اور کوڑھی کو ہاتھ لگاتے تو وہ درست ہو جاتا۔ تو مسیح بمعنی ماسح ہوا۔

رسول اللہ کہنے کی وجہ:

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (عیسیٰ بن مریم جو اللہ کے رسول ہیں) نمبر ا۔ یہود کو آپ کی رسالت کا اعتقاد نہ تھا۔ یہ جملہ انہوں نے بطور استہزاء کہا۔ جیسا کہ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا۔ یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔

نمبر ۲۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کیلئے یہ لقب ذکر فرمایا۔ انہوں نے نہ کہا ہو (بلکہ اس کی جگہ کوئی قبیح لقب کہا ہو)

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (اور انہوں نے عیسیٰ کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا)۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

سو یہودیوں کے بڑے بڑے جرائم کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں اور بسبب اس کے کہ وہ اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ

راستہ سے روکتے تھے بہت زیادہ اور بسبب ان کے سود لینے کے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

مال باطل طریقے پر کھاتے تھے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا آپ پر

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اور جو نازل کیا گیا آپ سے پہلے اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ پر ایمان لانے والے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

اور آخرت کے دن پر ایسے لوگوں کو ہم عنقریب بڑا ثواب عطا کریں گے۔

روایات میں ہے کہ وہ آسمان سے آخری زمانہ میں اتریں گے۔ پس اس وقت سارے اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ یہاں تک کہ ایک ہی ملت ہو جائے گی۔ اور وہ ملت اسلام ہی ہے۔

نمبر۳۔ تیسری تفسیر یہ ہے بِہٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

نمبر۴۔ بِہٖ کی ضمیر کا مرجع محمد ﷺ ہیں۔ اور دوسری ضمیر کتابی کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی بھی اہل کتاب میں سے نہیں کہ اپنے مرنے سے پہلے محمد ﷺ یا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے) یعنی یہود کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے ان کو جھٹلایا اور نصاریٰ کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے ان کو ابن اللہ کہہ کر پکارا۔

آیت ۱۶۰: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ (یہودیوں کی بڑے جرائم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان پر حلال کی گئی تھیں) اور اس کا تذکرہ سورۃ الانعام کی اس آیت وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر (الانعام۔۱۴۶) میں ہے۔

آیت کا مطلب :

اب آیت کا مطلب یہ ہوا ہم نے ان پر طیبات حرام نہیں کیں مگر اس عظیم ظلم کی وجہ سے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا اور وہ وہی ہے جو ابھی شمار کیا گیا ہے۔ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے کے سبب سے) یعنی دوسروں کو ایمان سے روکنے کی وجہ سے۔ كَثِيْرًا (بہت زیادہ) یعنی بہت زیادہ مخلوق کو یا بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے۔

حرمت سود بنی اسرائیل میں بھی تھی :

آیت ۱۶۱ : وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ (اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو سود سے منع کیا گیا تھا) بنی اسرائیل پر بھی سود اسی طرح حرام تھا جیسا ہم پر حرام ہے۔ مگر وہ آپس میں لیتے دیتے تھے۔

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (اور لوگوں کے مال ناجائز ذریعے سے کھانے کی وجہ سے) یعنی تمام حرام ذرائع اور رشوت وغیرہ۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ (اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان میں سے کافروں کے لئے) نہ کہ ایمان والوں کے لئے۔ عَذَابًا اَلِيْمًا (دردناک عذاب آخرت میں)

صفات کاملین :

آیت ۱۶۲ : لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (مگر جو علم میں پختہ ہیں) یعنی دین میں جمے رہنے والے محققین جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر۔ مِنْهُمْ (ان میں سے) ہم سے مراد اہل کتاب ہیں۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (اور مؤمن) یعنی ان میں سے ایمان والے اور مہاجرین و انصار کے مؤمن۔ يُؤْمِنُوْنَ (وہ ایمان لانے والے ہیں)

نحوی تحقیق :

الراسخون مبتدا اور یؤمنون اس کی خبر ہے۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (جو آپ پر اتارا گیا) یعنی قرآن۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (اور وہ جو اتارا گیا آپ سے پہلے) یعنی تمام کتب منزلہ۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ (اور وہ جو نماز ادا کرنے والے ہیں)

نحو : یہ فعل مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ اس میں نماز کی فضیلت مذکور ہے۔ عبداللہ کے مصحف میں المقیمون ہے۔ مالک بن دینار کی قراءت میں بھی ہے۔

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (اور وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں) وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے ہیں) اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا (یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عنایت فرمائیں گے)

قراءت : حمزہ رحمہ اللہ نے سیؤتیھم پڑھا ہے۔

نحو : المؤتون یہ معطوف مبتدا اور اولئک سنؤتیھم خبر ہے۔

ہود صالح شعیب علیہم السلام وغیرہم۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (اور ہم نے وحی کی ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ وایوب ویونس وہارون وسلیمان کی طرف اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی)

قراءت: حمزہ نے زُبُوراً پڑھا ہے۔ یہ مصدر ہے جس کا معنی مفعول والا ہے یا داؤد علیہ السلام پر اترنے والی کتاب کا نام ہے۔

آیت ۱۶۴: وَرُسُلًا۔ نحو: اَوْحَيْنَا سے ہم معنی فعل ارسلنا ونبأنا وغیرہ سے منصوب ہے۔ قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ (اور وہ رسول جن کے واقعات ہم نے آپ کو بیان کر دیے) من قبل سے مراد اس سورت سے پہلے۔ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (اور وہ رسول جن کے واقعات ہم نے آپ پر بیان نہیں کیے)

تعداد رسل والی روایت:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے تو فرمایا مائة الف واربعة وعشرون الفا۔ (ایک لاکھ چوبیس ہزار) پھر سوال کیا ان میں سے رسول کتنے ہیں۔ تو فرمایا تین سو تیرہ۔ سب سے پہلے رسول آدم علیہ السلام اور سب سے آخری تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور روایت میں یہ بھی ہے کہ چار عربی ہود وصالح شعیب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ (۳۶)

تمام انبیاء پر ایمان شرط لازم ہے:

آیت دلالت کر رہی ہے کہ رسل کی پہچان معین طور پر شرط لازم نہیں۔ جس پر ایمان کا دارومدار ہو۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ ان تمام پر ایمان لائے اگر تمام کی معرفت بنام وتعداد سے لازم ہوتی تو آیت میں بیان کر دی جاتی۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا کلام کرنا) یعنی بلا واسطہ جبرئیل۔

بعثت کا مقصد:

آیت ۱۶۵: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے)

نحو: نمبر ا: رسلاً یہ فعل مدح کی وجہ سے منصوب ہے ای اعنی رسلاً۔

نمبر ۲۔ اور پہلے رُسُلًا سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔ نمبر ۳۔ مفعول ہو فعل محذوف ارسلنا کا اور لئلا کی لام مبشرین اور منذرین کے متعلق ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کا بھیجنا اس سب کی وضاحت اور لوگوں پر حجت کو تمام کرنے کے لئے ہے۔ تاکہ قیامت کو یہ نہ کہہ سکیں لولا ارسلت الینا رسولا۔ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا جو ہمیں جگاتا اور غفلت سے خبردار کرتا۔ اور اس پر متنبہ کرتا جس پر متنبہ ہونا چاہیے تھا۔ اور ہمیں فرمانبرداری کا طریق کار سکھلاتا مثلاً عبادات شرائع میری مراد اس سے

نے حضرت مسیح کے مرتبہ کو کم کرنے میں غلو کیا یہاں تک کہ ان کو ولد الزنا قرار دیا (معاذ اللہ)۔ اور نصاریٰ نے ان کو بڑھانے میں غلو سے کام لیا یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا (معاذ اللہ)۔ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ (اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہی بات کہو جو سچی ہے) اور وہ اس کا شریک و ولدیت سے پاک ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ (حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم ہیں) اللہ کے نبی ہیں۔ رَسُولُ اللّٰهِ (اللہ کا رسول ہے)

تحقیق: المسیح مبتداء عیسیٰ عطف بیان یا بدل اور رسول اللہ اس کی خبر۔ کلمتہ کا عطف رسول اللہ پر ہے۔ وَكَلِمَتُهُ (وہ اللہ کا کلمہ ہے) ان کو کلمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے ہدایت حاصل کی جاتی۔ جیسے کلام سے کی جاتی ہے۔

أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ (وہ کلمہ اللہ تعالیٰ نے پہنچایا مریم تک) یہ حال کی ضمیر ہے اور اس کے ساتھ مراد بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ کلمہ پہنچا مریم تک اور ڈالا اس میں۔

روح کہنے کی وجہ:

وَرُوحٌ (وہ روح ہے)۔

تحقیق: اس کا عطف بھی رسول اللہ پر ہے۔

ان کو روح کہنے کی وجہ نمبر ۱۔ وہ مردوں کو زندہ کرتے جیسا کہ قرآن کو بھی روح فرمایا۔ وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ الشوریٰ ۵۲۔ نمبر ۲۔ وہ دلوں کو زندہ کرتے تھے۔

مِّنْهُ (اس کی طرف سے) یعنی اس کی تخلیق اور تکوین سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ الجاثیہ۔ ۱۳۔

عجیب لطیفہ:

ہارون رشید کے دربار میں ایک نصرانی نام تھا۔ اس نے مجلس ہارون رشید میں کہا تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جز ہیں۔ علی بن حسین بن واقد جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے فرمایا اگر منہ سے جز کا اللہ تعالیٰ سے ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر قرآن مجید میں سورۃ جاثیہ میں ارشاد ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ۔ پھر اب تو ساری مخلوق اس کا حصہ بن گئی۔ عیسیٰ کی کیا خصوصیت رہی۔ وہ لاجواب ہو گیا۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ (پس تم مانو اللہ اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو معبود تین ہیں)

تحقیق: ثلاثة یہ خبر ہے اس کا مبتداء الالہۃ محذوف ہے۔

انْتَهُوا (تم باز رہو) یعنی تثلیث سے۔ خَيْرًا لَّكُمْ (تمہارے لئے بہتر ہوگا) قرآن مجید کی واضح دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے ہاں اللہ، مسیح اور مریم تین معبود ہیں۔ اور مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے جو مریم سے پیدا ہوا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی میں

ہے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ [المائدہ:۱۱۶] دوسری آیت میں فرمایا: وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ [التوبہ:۳۰]

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (بیشک اللہ تعالیٰ تنہا معبود ہے)

نحو: لفظ اللہ مبتدا، الٰہ خبر، واحد تاکید برائے الٰہ۔

تنزیہ باری تعالیٰ:

سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (وہ اس امر سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو) میں اس کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا بیان ہے۔ اس غلط نسبت سے جو اس کی طرف کی گئی۔ جس طرح کہ آسمان و زمین میں سب اس کی مخلوق، مملوک ہے۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ بعض مملوکات اس کا حصہ ہو۔ کیونکہ بیٹا ہوتا اور ملک ہونا دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اور جزء ہونا تو اجسام کی خصوصیت سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو جسمیت سے پاک ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (اور اللہ تعالیٰ کارساز ہے) وہ محافظ ہے آسمان و زمین کا اور ان میں تدبیر امر کرنے والا ہے اور جو کسی امر کی کفایت سے عاجز ہوتا ہے وہ ایسے کافی کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مدد و تقویت کرے۔

اللہ کے بندے کہلائیں) اس میں نصاریٰ کی تردید ہے۔ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ اور نہ ملائکہ) اس میں عرب کے ان لوگوں کی مذمت ہے جو فرشتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس کا عطف مسیح پر ہے۔ الْمُقَرَّبُوْنَ (مقرب) یعنی کروبی فرشتے جو عرش الٰہی کے گرد ہیں مثلاً جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل علیہم اور جو ان کے طبقہ میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ مقربین بھی اللہ تعالیٰ کے بندے بننے میں عار محسوس نہ کریں گے۔ اس کلام کو دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور عبداللہ کا عطف بنے ٹھہرا۔

اعتراض:

معتزلہ نے اس آیت سے ملائکہ کی انسانوں پر فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دلیل یہ دی ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ فلان لا يستنكف عن خدمتي ولا ابوه اگر کہا جائے ولا عبده۔ تو یہ کلام درست نہیں۔ آیت میں ولا الملائكة المقربون کا مطلب یہ ہے کہ نہ ملائکہ مقربون اور نہ وہ جو ان سے مرتبہ میں اعلیٰ ہیں۔ اور عظمت میں بڑھ کر ہیں اور مقربین کی تخصیص اس پر دلالت کر رہی ہے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ثانی کو اول پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ جس میں تنازع پایا جاتا ہے۔ کیونکہ آیت بتلا رہی ہے کہ ملائکہ مقربین تمام وہ مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ تمام ملائکہ مقربین ایک انسانی رسول سے افضل ہیں۔ بعض اہلسنت نے یہ جواب دیا ہے۔ کیونکہ آیت کی مراد یہ ہے کہ ملائکہ عظیم طاقت کے باوجود جو انسانوں سے بڑھ کر ہے اور لوح محفوظ کے علوم جن سے وہ براہ راست فیضیاب ہوتے ہیں اور ازدواجی زندگی سے بالکل خالی ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے بندہ ہونے سے عار محسوس نہیں کرتے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے کیسے روا نکار کر سکتا ہے۔ جو دوسرے سے پیدا ہوا۔ اور قدرت و طاقت بھی محدود قسم کی ہو۔ اور علم بھی فرشتوں کی طرح کا نہ ہو۔

اور اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے سخت پکڑ۔ وسعت علم۔ وجود کی غرابت حماقت کا شکار کر دیتی ہے۔ جیسا کہ عیسائی۔ اور عبودیت سے بلند ہونے کا وہم پیدا کر دیتی ہے۔ جب عیسائیوں کو کہا گیا کہ یہ اوصاف تو ملائکہ میں مسیح کی نسبت زیادہ کامل ہیں مگر وہ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے بھی عبودیت سے عار محسوس نہیں کرتے تو مسیح کیسے محسوس کر سکتے ہیں؟

خلاصۃ الکلام:

خلاصہ کلام یہ ہے۔ خاص انسان یعنی انبیاء علیہم وہ خاص ملائکہ سے افضل ہیں اور وہ خاص ملائکہ کہ رسل ملائکہ ہیں مثلاً جبرئیل میکائیل، عزرائیل وغیرہم۔ اور خاص ملائکہ عام مومنین سے افضل ہیں۔ اور عام مومن انسان۔ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

تفضیل بشر کی دلیل:

انسانوں نے اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی خاطر دبایا باوجود اس بات کے کہ خواہشات فطرت بشریہ ہیں۔

پس انبیاء علیہم ملائکہ علیہم پر عصمت میں فوقیت لے گئے۔ اور نفسانی واردات کو دبانے میں ان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہو گئی۔ اور جسمانی دواعی کو مغلوب کرنے میں ان پر بڑھ گئے پس ان کی اطاعت و عبادت وہ فرشتوں کی نسبت بہت شاق و گراں

ہے۔ کیونکہ وہ مختلف چکروں سے گزر کر کرنا ہوتی ہے اور ملائکہ کی اطاعت جبلی وفطری ہے۔ پس انبیاء علیہم کی اطاعت ثواب میں بڑھ گئی۔

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ (جو اس کی بندگی سے عار محسوس کرے گا اور تکبر اختیار کرے گا) فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (پس اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے ہاں جمع کر لیگا) پھر ان کے غرور تمیز انکار و تکبر پر ان کو سزا دے گا۔ پھر تفصیل فرمائی۔ چنانچہ فرمایا۔

اجمال کی تفصیل:

آیت ۱۷۳: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ تو ان کو ان کا ثواب پورا پورا دیگا اور اپنی مہربانی سے زیادہ عطا فرمائے گا اور پھر جن لوگوں نے عار محسوس کی اور بڑے بنے تو اللہ تعالیٰ ان کو دکھ آمیز عذاب دے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی کارساز و مددگار نہ پائیں گے)

اہم سوال: تفصیل اجمال کے مطابق نہیں۔ کیونکہ تفصیل میں دو فریق ہیں۔ اور اجمال میں ایک فریق کا تذکرہ ہے۔

الجواب بالصواب: اس کی مثال اس طرح ہے کہ امام نے خروج کرنے والوں کو جمع کیا۔ پس جنہوں نے اس کے خلاف خروج نہ کیا تھا ان کو لباس و سواری دینا اس کے ذمہ ہے اور جنہوں نے خروج کیا ان کو سزا دینا اس کے ذمہ تھا۔ یہ جواب دو اعتبار سے صحیح ہے۔ نمبر۱۔ بیان و جمل ایک فریق کے تذکرہ کو حذف کر دیا کیونکہ تفصیل اس پر خود دلالت کر رہی تھی۔ نمبر۲۔ ایک کا تذکرہ دوسرے کے تذکرہ کی دلیل ہے۔ جیسا کہ تفصیل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں ایک فریق کو حذف کر دیا ہے۔ فاما الذین امنوا باللہ واعتصموا بہ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ دوسروں پر احسان ان کو غم میں مبتلا کرنے والا ہے۔ تو یہ غم بھی من جملہ عذاب میں داخل ہے۔ گویا اس طرح کہہ دیا گیا۔ جو اس کی بندگی اور عبادت سے عار محسوس کرے گا اور تکبر اختیار کرے گا۔ پس عنقریب اس کو حسرت کا عذاب میسر آئے گا جبکہ وہ عمل کرنے والے کے بدلے ملاحظہ کرے گا اور اس سبب سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کو پہنچے گا۔

ایک نکتہ:

آیت میں لن یستنکف میں غیر مستنکفین اور من یستنکف میں مستنکفین کا تذکرہ موجود ہے۔

پس تفصیل اجمال کے بالکل مطابق ہے۔ مزید بالا بیانی کی ضرورت نہیں۔ (الحمدللہ)

آیت ۱۷۴: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آئی) یعنی وہ رسول ہیں جو منکرین کو معجزات سے حق واضح کر رہے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (اور ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی اتاری) ایسا قرآن جس سے حیرت کے اندھیرے روشن کیے جاتے ہیں۔

(اے ایمان والو! تم وعدوں کو پورا کرو۔ حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے چوپائے۔ سوائے ان کے جو تمہارے سامنے تلاوت کی جا رہی ہے۔ (لیکن) شکار کو حلال نہ سمجھنا اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے)

کہا جاتا ہے: وفی بالعھد۔ واوفی بہ۔ کہ فلاں نے وعدہ پورا کیا۔ اس کے تقاضے کو ادا کیا۔ العقد۔ مضبوط عہد کو رسی کی گرہ سے تشبیہ دی۔ مراد اس سے وہ معاہدے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے لیے۔ اور ان کا مکلف بنا کر ان پر لازم کیے۔

یا وہ معاہدے جو محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں سے لیے۔

یا پھر وہ معاہدے جو تم باہمی باندھتے ہو۔ اور ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ معاہدے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں حرام و حلال کے سلسلے میں باندھے ہیں۔ البتہ یہ کلام مجمل ہے جس کو پہلے لایا گیا ہے پھر تفصیل اسی طرح کی اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ۔ البھیمۃ۔ خشکی و سمندری چوپایا۔ انعام کی طرف اس کی نسبت بیانی ہے۔ اور یہ اضافت مِن کے معنی میں ہے۔ جیسے خاتم فضۃ۔

اب مطلب یہ ہوا کہ چوپایہ جو پالتو جانوروں میں سے ہے ان کی آٹھ اقسام ہیں اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں وغیرہ۔ بعض کا قول یہ ہے کہ بھیمۃ الانعام سے مراد ہرنی اور جنگلی گائے ہے یا اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کی جائیں گی۔ اس سے مراد یہ جو آیت حرمت علیکم میں بیان کیے گئے ہیں۔ نحو: غیر محلی الصید (شکار کو حلال مت سمجھنا) یہ لکم کی ضمیر سے حال ہے اور وانتم حرم یہ محلی الصید سے حال ہے گویا عبارت اس طرح ہے۔ ہم نے تمہارے لیے بعض چوپائے حلال کیے جبکہ تم احرام کی حالت میں شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو۔ یہ اس لیے تاکہ تم پر تنگی نہ ہو۔ الحُرُم جمع حرام ہے اور مراد اس سے محرم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ: بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے یا حکم دیتا ہے حلال و حرام میں سے جس کے بارے میں چاہتا ہے۔

تفسیر آیت ۲:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دینے کی ممانعت کے لئے نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی) شعائر جمع شعیرۃ ہے۔ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو بطور علامت مقرر کیا جائے۔ یعنی حج کے مقامات پر عبادات کی علامات۔ رمی کے مقامات۔ مطاف۔ مسعیٰ اور وہ افعال جو حجاج کی علامات ہوں۔ جن سے وہ پہچانے جائیں۔ جیسے احرام، طواف، سعی، حلق، ذبح وغیرہ۔ ولا

مفعول ضمیر مخاطب ہے اور دوسرا اَنْ تَعْتَدُوْا ہے۔ اَنْ صَدُّوْكُمْ یہ شَنَاٰنُ سے متعلق ہے۔ اور علت کے معنی میں ہے۔ شنآن سخت بغض کو کہتے ہیں۔

قراءت: شامی اور ابوبکر نے شَنْاٰنُ کو نون کے سکون سے پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوا کسی قوم کا بغض تمہیں حد سے بڑھ جانے اور اس پر آمادہ کرے اس لیے کہ انہوں نے تمہیں روکا ہے۔ اِنْ صَدُّوْكُمْ شرط ہے مکی اور ابوعمرو نے اسی طرح قرار دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو مسجد سے اسی طرح روکو جیسے اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور مومنین کو حدیبیہ کے دن عمرہ سے روک دیا۔

اعتداء کا معنی کسی ناپسندیدہ چیز کو لاکر ان سے انتقام لینا۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو) بر اور تقویٰ سے یہاں مراد عفو چشم پوشی ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (گناہ اور دشمنی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو) یعنی انتقام اور غصے کو شفاء دینے کے لئے۔ البر مامور کو ادا کرنا۔ تقویٰ۔ ممنوع کو ترک کرنا۔ اثم مامور کو چھوڑنا۔ العُدْوَانِ ممنوع کو ادا کرنا۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ بر و تقویٰ عام مانیں۔ اور اثم عدوان کو تمام گناہوں کے لئے عام مانیں۔ پس اپنے عموم کے لحاظ سے معافی اور بدلے دونوں کو شامل ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سخت بدلہ لینے والے ہیں) اس شخص سے جو اس کی نافرمانی کرے اور تقویٰ اختیار نہ کرے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ

حرام کئے گئے تم پر مردار جانور، اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو

بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ

اور جو جانور گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو جانور اوپر سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو درندہ کھانے لگے

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

مگر وہ جسے تم ذبح کر لو، اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا ہو پرستش گاہوں پر، اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ، یہ سب گناہ کے کام ہیں

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر

الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ

اختیار کرنے کے لیے پسند کر لیا سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو سو بیشک

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ③

اللہ غفور رحیم ہے۔

اہل جاہلیت کے ماکولات:

آیت ۳: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔

پھر اہل جاہلیت کے ماکولات کو بیان فرمایا۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار کو حرام کیا گیا) یعنی ایسے چوپائے جو اپنی موت مر جائیں۔ وَالدَّمُ (اور خون) یعنی بہنے والا خون جو بوقت ذبح نکلتا ہے۔ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ (اور خنزیر کا گوشت) خنزیر تمام

نجس ہے گوشت کو اس لیے خاص کیا۔ کیونکہ اصل مقصود وہی ہے۔ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (اور وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو) اور وہ اہل جاہلیت کا قول ہے کہ بوقت ذبح کہتے تھے باسم اللات والعزیٰ۔ وَالْمُنْخَنِقَةُ (اور وہ جس کا دم گھٹ گیا ہو) یعنی اس قدر اس کا گلا دبایا کہ وہ مر گیا۔ یا جال وغیرہ میں اس کا گلا دب کر مر گیا۔ وَالْمَوْقُوْذَةُ (اور چوٹ کھا جانے والا) لاٹھی و پتھر سے اس کو چوٹ لگائی۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ (اوپر سے نیچے گر کر مرنے والا جانور) خواہ پہاڑ سے گرا ہو یا کنویں میں گر کر مر گیا ہو۔ وَالنَّطِيْحَةُ (اور سینگ لگنے سے مرا ہوا جانور) نطیحۃ ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کو دوسرے جانور نے سینگ مار کر مار دیا ہو۔ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ (اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں) اور جس جانور کا کسی درندے نے بعض حصہ کھالیا اور وہ اپنے زخم کی وجہ سے مر گیا۔ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (مگر وہ جو تم ذبح کر ڈالو) یعنی وہ مذبوح کی طرح مضطرب تھا اور تم اس کو ذبح کر دو۔ نحو: [illegible] استثناء کا تعلق منخنقۃ اور جو اس کے مابعد ہے اس کے متعلق ہے۔ پس اگر جانور کو زندہ پا کر بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیا گیا تو وہ پاک ہے۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (اور جو جانور تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو) اہل جاہلیت کے کچھ پتھر تھے جو کعبہ شریف کے ارد گرد گاڑے گئے تھے۔ ان پر بطور تعظیم کے مشرکین ذبح کرتے تھے۔ اور اس سے ان کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ان کو انصاب کہتے تھے۔ اس کا واحد نُصُب ہے یا نُصُب جمع اور واحد نصاب ہے۔

پانسے کے تیروں کی ممانعت:

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (اور جوئے کے تیروں سے تمہارا فال نکالنا) نحو: المیتۃ پر عطف کی وجہ سے یہ موضع رفع میں ہے عبارت اس طرح ہوگی حرمت علیکم المیتۃ ...... والاستقسام بالازلام۔ ازلام جمع زَلَم و زُلَم کی ہے بے نشان تیر تھے۔ جب کوئی سفر یا لڑائی یا تجارت یا نکاح وغیرہ کا ارادہ کرتا تو تین تیروں کا قصد کرتا جن میں سے ایک پر لکھا تھا امرنی ربی۔ دوسرے پر نھانی ربی اور تیسرے پر مغفل لکھا تھا اگر امر والا تیر نکلتا تو اپنے کام پر روانہ ہو جاتا۔ اور منع والا نکل آتا تو کام سے رک جاتا۔ اور اگر مغفل والا تیر نکلتا تو اس کو دوبارہ ڈلواتے۔ پس استقسام بالازلام کا معنی ازلام کے ذریعے کسی چیز کی تقسیم کا مطالبہ کرنا۔ زجاج کہتے ہیں کہ مشرکین کی اس حرکت اور نجومیوں کے اس معاملے میں کوئی فرق نہیں جو کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کی وجہ سے مت سفر کرو اور فلاں ستارے کا طلوع ہے تم سفر پر جاؤ۔ شرح تاویلات میں اس کی تردید کی گئی ہے۔ انہوں نے وجہ فرق یہ ظاہر کی کہ نجومی یہ نہیں کہتا کہ فلاں ستارہ تمہیں اس بات سے روکتا ہے۔ اور فلاں ستارہ تمہیں فلاں کام کا حکم دیتا ہے جیسا کہ مشرکین نے کر رکھا تھا۔ لیکن نجومیوں نے اپنی طرف سے احکام الٰہی کے لئے مختلف دلائل اور علامتیں مقرر کی ہیں۔ اور یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نجوم میں ایسے معانی اور علامتیں پیدا کر دے جس سے احکام معلوم ہو جائیں اور اس سے کئی چیزوں کا استخراج کیا جا سکے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج اس بات میں ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائے اور اس پر اس کو لوٹائے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ جوا ہے جس سے وہ اونٹ کو مختلف حصوں پر تقسیم کرتے تھے۔ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (یہ استقسام بالازلام اطاعت سے نکلنا ہے) اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد وہ تمام مندرجہ بالا محرمات مراد ہوں جو آیت میں مذکور ہیں۔ اَلْيَوْمَ

یہ یئس فعل کا ظرف ہے اس سے کوئی معین دن مراد نہیں اس کا معنی "اب" ہے جیسے کہتے ہیں انا الیوم کبرت۔ میں اب بڑھا ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے الیوم سے آیت کے اترنے کا دن مراد ہے۔ اور یہ جمعہ کے دن نازل ہوئی اور عرفات کے دن نماز عصر کے بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر اتری۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (آج کے دن کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے) یعنی تمہارے دین کو باطل کرنے سے مایوس ہو گئے یا اس بات سے ناامید ہو گئے۔ کہ وہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان پر غلبہ کا وعدہ پورا کر دیا۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ (پس تم ان سے نہ ڈرو) دین کے غالب آنے کے بعد اور کفار کے خوف کے زائل ہونے کے بعد اور ان کے غالب سے مغلوب بن جانے کے بعد۔ وَاخْشَوْنِ (اور مجھ ہی سے ڈرو) یعنی خشیت کو میرے لیے خالص کر دو۔

قراءت: وصل و وقف میں بغیر یا کے آتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا)۔

تکمیل دین کا اعلان:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ الیوم۔ یہ اکملت کا ظرف ہے آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اس طرح کہ تمہارا حال یہ تھا کہ ہر وقت دشمنوں کا خوف تم پر چھایا ہوا تھا۔ میں نے ان پر تم کو غالب کر دیا۔ یہ ارشاد اسی طرح ہے کہ بادشاہ کہا کرتے ہیں الیوم کمل لنا الملک۔ یعنی جن دشمنوں سے ہم ڈرتے تھے ان کی طرف سے محفوظ کر دیئے گئے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے تکلیفی معاملات حرام و حلال کی تعلیم اور شرائع اسلام جن پر موقوف ہے اور قیاس کے قوانین مکمل کر دیئے۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی) مکہ کو فتح کر کے اور اس میں امن و غلبہ کے ساتھ داخلے کے ذریعے اور جاہلیت اور ان کے طور طریقے مٹا دیئے۔ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (اور تمہارے لیے دین اسلام کو تمام دینوں میں سے منتخب کر لیا) اور تمہیں بتلا دیا کہ یہی اکیلا دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ جیسا دوسری آیت میں فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ۸۵) فَمَنِ اضْطُرَّ (جو آدمی مجبور ہو) محرمات کے تذکرہ سے متصل اسکا ذکر کیا اور اسی طرح ذٰلکم فسق بھی۔ یہ جملہ معترضہ ہیں جن کو لانے کا مقصد تحریم کے معنی کو پختہ کرنا ہے۔ اور اسی طرح اسکا مابعد بھی۔ کیونکہ ان خبائث کی حرمت منجملہ دین کی تکمیل اور تمام نعمت کا حصہ ہیں اور سلامتی صفت اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ دین سے فرمائی ہے نہ کہ دوسری ملتیں۔ یعنی آیت کا یہ مطلب ہوا کہ جو آدمی میتہ کے استعمال پر مجبور ہو جائے یا انکے علاوہ کسی اور محرم کے استعمال پر۔

فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (بھوک کی وجہ سے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو) یعنی جان بچانے والی مقدار سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (پس بیشک اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والے ہیں) مواخذہ نہ فرمائیں گے۔ رَّحِیْمٌ (مہربان ہیں) اس نے مجبور کو ان کے استعمال کی اجازت مرحمت فرما دی۔ نحو: رضیت لکم الاسلام دینًا یہ حال ہے۔ اسی طرح غیر متجانف یہ بھی حال ہے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪

آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے

وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاک دامن عورتیں بھی

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ

ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہیں جبکہ تم ان کو ان کے مہر دے دو اس طریقہ پر کہ نکاح میں لانے والے ہو

غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

نہ علانیہ بدکاری کرنے والے ہو اور نہ خفیہ طریقے پر آشنائی کرنے والے ہو اور جو کوئی شخص ایمان کا منکر ہو تو اس کے اعمال

عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ⑤ ع

اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

آیت ۵: اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

اَلْیَوْمَ (سے مراد اب) اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ (تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں) احسان کی خاطر دوبارہ ذکر فرمایا۔ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ (اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے) طعام سے یہاں مراد ذبائح ہیں۔ کیونکہ دوسرے کھانوں کی حلت کسی ملت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (اور تمہارے کھانے ان کے لیے حلال) یعنی انکو کھلانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایمان والوں کا کھانا ان کیلئے حرام ہوتا تو انکا کھلانا جائز نہ ہوتا۔

یہ قید اتفاقی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ (اور ایمان والیوں میں سے پاک دامن عورتیں) المحصنات سے مراد یہاں آزاد عورتیں جو باندیاں نہ ہوں یا پاک دامن عورتیں۔

مسئلہ: یہ صحت نکاح کے لیے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ مسلمان باندیوں سے نکاح حلال ہے اور غیر عفیفہ سے بھی نکاح حلال ہے۔ اس تخصیص سے مقصود یہ ہے کہ مؤمنین اپنے فراش کے لیے پاک دامن عورتیں منتخب کریں۔ تاکہ پاکیزہ گھریلو زندگی میسر ہو۔

نحو: اس کا عطف الطیبات پر ہے۔ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے والمحصنات من المؤمنات حل لکم۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ (اور پاک دامن عورتیں اہل کتاب کی جو تم سے پہلے ہیں) المحصنات سے یہاں مراد پاک دامن کتابیہ عورتیں۔ یا آزاد کتابیہ عورتیں۔ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ (جب تم ان کے مہر ان کو دے دو)۔ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (اس طرح کہ تم بیوی بنانے والے ہو نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والے ہو) وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ (اور خفیہ آشنائی کرنے والیاں بناؤ) الخدان مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ (جو ایمان کا انکار کرے گا) یعنی شرائع و احکام اسلام۔ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (اس کے اعمال اکارت و ضائع ہو جائیں گے) وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا)

ممسوحہ کو یوں فرمایا گیا۔ دیگر قراء نے وَاَرْجُلِكُمْ کی لام کو کسرہ سے پڑھا اور رؤوس پر عطف کیا۔ کیونکہ ارجل تین مغسولہ اعضاء
کے درمیان واقع ہے۔ ان کو خوب پانی بہا کر دھویا جائے گا۔ اس لیے خطرہ تھا کہ کہیں اسراف کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔ پس ممسوح
پر عطف کر دیا گیا۔ مسح کی خاطر عطف نہیں کیا۔ بلکہ اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے کہ پانی بہانے میں میانہ روی اختیار کرنا ہوگی۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ الی الکعبین کی غایت کو اسی لیے ذکر کیا گیا تاکہ کوئی آدمی اس کو ممسوح نہ سمجھے کیونکہ ممسوح عضو کی
شریعت میں کوئی غایت مقرر نہیں کی گئی۔ جامع العلوم میں یہ بات مندرج ہے کہ یہ مجوزین کی روایت ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے
کچھ لوگوں کو پاؤں پر مسح کرتے دیکھا تو فرمایا۔ ویل للاعقاب من النار (بخاری صفحہ ۱۶۰ مسلم صفحہ ۲۴۲ مشہور) عطاء کا
قول ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ قدموں پر مسح کرتا ہو۔ ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا
گیا تاکہ پاؤں کو میل سے پاک کیا جائے۔ جو ان پر لگ جاتی ہے۔ کیونکہ پاؤں اکثر کھلے رہتے ہیں۔ اور نماز پڑھنا دل کی میل
کچیل سے پاک ہونے اور تعظیم کی متقاضی ہے۔ پس اس سے بندگی کامل انداز سے ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ مشاہدہ میں ہے کہ جب بادشاہ
کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ ہو تو صاف ستھرے کپڑے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ آدمی
بہترین کپڑوں میں نماز ادا کرے۔ خاص طور پر نماز کھلے سر نماز سے افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں تعظیم زیادہ ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ
جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو) یعنی اپنے ابدان کو دھوؤ۔

رازی کا قول:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے
کسی نے قضائے حاجت کی ہو) رازی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ او واؤ کے معنی میں ہے تاکہ مریض و مسافر پر
تیمم با حدث لازم ہو آئے۔ مِّنَ الْغَآئِطِ۔ نشیبی زمین والی جگہ۔ یہ قضائے حاجت سے کنایہ ہے۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (یا تم نے
چھوا عورتوں کو) لمس سے جماع مراد ہے۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
حَرَجٍ (پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک زمین سے اس طرح تیمم کر لو کہ اس سے اپنے ہاتھوں اور چہروں کا مسح کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر تنگی ڈالنا
نہیں چاہتا) یعنی طہارت کے سلسلے میں کہ تم کو تیمم کی رخصت نہ دی جائے۔ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (لیکن اللہ تعالیٰ تم کو پاک
کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں) یعنی مٹی کے ذریعہ۔ جب کہ تم پانی کے ساتھ طہارت سے عاجز ہو۔ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (اور تاکہ اللہ
تعالیٰ اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کر دے) اور تاکہ وہ اپنی رخصتوں سے اپنے انعام کو تم پر مکمل کرے اپنے احکام کے ذریعہ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم ادا کرو شکریہ) اس کی نعمتوں کا اور وہ تمہیں ثواب دے۔

میثاق سے مراد:

آیت ۷: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر اسلام کے ذریعہ کیا) وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ
بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (اور اس کا وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت کی) یعنی

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اسے یاد کرو، جب ایک قوم نے قصد کیا

يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

کہ تمہاری طرف دست درازی کریں، سو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور اللہ سے ڈرو،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

دینے کی وجہ بیان کی اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ھو اقرب للتقوی ہے۔

تنبیہ: جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کو یہ انداز ہے پھر ایمان والوں کے ساتھ عدل کا لزوم کس قدر شدید ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اس کے اوامر و نواہی میں۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی اطلاع ہے) یہ وعدہ اور وعید دونوں پر مشتمل ہے۔ اسی لئے تو اس کے بعد وعدے کی آیت ذکر فرمائی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وعد اللّٰہ الذین الخ

آیت ۹: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے) وعد کا لفظ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ پہلا مفعول الذین آمنوا اور دوسرا محذوف ہے اور اس مفعول سے استغناء اس لیے اختیار کیا گیا کیونکہ لھم مغفرۃ و اجر عظیم کا جملہ موجود ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس مفعول کی ضرورت نہیں۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے) اور وعید اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آرہی ہے۔

آیت ۱۰: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو وہ جہنم کے ساتھی ہیں) یعنی اس سے جدا نہ ہوں گے۔

بنو قریظہ کی غداری:

آیت ۱۱: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا) روایات میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور آپ کے ساتھ شیخین ابوبکر و عمر اور دونوں دامادی رشتہ وحمان بھی تھے۔ تو ان سے دو مسلمانوں کے قتل کی دیت میں مدد چاہی یہ

سلمان قبیلہ بنو سلیم سے تھے۔ جو مسلمانوں کا معاہد تھا۔ وہ حضرت عمرو بن امیہ الضمری سے خطاً قتل ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کو مشرکین میں سے سمجھا تھا۔ جب یہود کے ہاں تشریف لے گئے تو یہود نے کہا ہاں اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بیٹھیں آپ کو کھانا کھلائیں گے۔ اور پھر آپ کو قرض بھی دیں گے۔ اور آپ کو ایک چبوترے میں بٹھا دیا۔ اور آپ کو اچانک قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ عمرو بن جحاش یہودی چکی کے پاٹ کے متعلق ارادہ کر کے کہا کہ وہ آپ پر گرا دیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ جبرئیل علیہ السلام اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے یہ آیت اتری۔ اِذْ یہ نعمت کا ظرف ہے۔ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا (کہ وہ پھیلیں) اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ (اپنے ہاتھ تمہاری طرف قتل کے ساتھ) پھیلنے کا ورود کہا جاتا ہے بسط لسانه الیه جب کہ وہ اس کو گالی دے۔ اور کہتے ہیں بسط الیه یده جب وہ اس سے وہ ہاتھ دراز کرے۔ جیسا کہ اس آیت: وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ (الممتحنہ:2) میں مذکور ہے۔ اور بسط الیه کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو پکڑنا چاہا اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ کو اس کی طرف دراز کرنا۔ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (پس اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا) کہ وہ تمہاری طرف دراز ہوں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیے) اس کی قوت کافی اور نفع و دفع ہونے میں بس ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ

اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ

عَشَرَ نَقِيْبًا ۗ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ

نقیب بھیجے اور اللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ

ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو اچھے طور پر

قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

قرض دیتے رہو تو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

نہریں جاری ہوں گی۔ سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ سیدھے راستے

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ

سے دور جا پڑا۔ سو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت

قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

بنا دیا۔ وہ کلمات کو ان کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھلا گئے

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

جو انہیں کی گئی تھی۔ اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے بجز تھوڑے

مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬

تھوڑے سے لوگوں کے، سو آپ انہیں معاف فرمائیے اور درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

آیت ۱۲: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا (اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے) نقیب اس شخص کو کہتے ہیں جو قوم کے حالات کی نگہبانی اور جانچ پڑتال کرے۔ جب بنی اسرائیل مصر میں مضبوط ہو گئے اس کے بعد کہ فرعون ہلاک ہو چکا۔ (مگر یہ بات محل نظر ہے کیونکہ بنی اسرائیل تو عرصہ دراز کے

بعد مصر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سرزمین شام کے مقام اریحا کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمہارے لئے رہائش و قرار کی جگہ قرار دیا ہے پس نکل کر تم ان کنعانیوں سے جہاد کرو۔ میں تمہارا مددگار رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ ہر قبیلہ میں ایک نقیب مقرر کریں۔ جو اس معاملے کو پورا کرانے کا ذمہ دار ہو جو ان سے لیا گیا ہے پس نقباء مقرر ہوئے اور بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا گیا۔ نقباء نے ان کی طرف سے کفالت کی ذمہ داری لی۔ موسیٰ علیہ السلام لے کر ان کو روانہ ہوئے۔ جب سرزمین کنعان کے قریب پہنچے تو چند افراد کو علاقہ کی جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا۔ انہوں نے ان کے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور نہایت درجہ قوت و شان و شوکت دیکھی۔ وہاں سے ڈر گئے اور واپس لوٹے اور اپنی قوم کو یہ حالات ذکر کیے۔ حالانکہ ان کو صیغہ راز میں رکھنے کا حکم تھا۔ انہوں نے عہد توڑ کر ان کو بتا دیا۔ صرف کالب بن یوقنا اور یوشع بن نون عہد پر قائم رہے یہ دونوں بھی نقباء میں سے تھے۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں) یعنی تمہارا مددگار اور معاون ہوں۔

قراءت: یہاں وقف ہے کیونکہ آگے جملہ ابتدائیہ ہے۔ جس پر لام داخل ہے۔ جو تمہید قسم کے لئے آتی ہے اور وہ یہ آیت ہے: لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ (اگر تم نماز ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے) اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پر بھی زکوٰۃ اور نماز دونوں فرض تھے۔ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ (اور میرے رسولوں پر ایمان لائے) بغیر اس کے کہ ان کے۔ بعض کی پر ایمان لانے میں تفریق کرو۔ یعنی ایک کو مانو اور دوسرے کو نہ مانو۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ (اور تم نے ان کی تعظیم کی) یا ان کی اس طرح مدد کی کہ ان کے دشمن کا ان سے دفاع کیا۔ العزر لغت میں لوٹانے کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے عزرت فلانا یعنی میں نے اس کو ادب سکھایا۔ یعنی اس کے ساتھ وہ کام کیا جو اس کو قبائح سے روکنے والا تھا۔ یہ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (تم نے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیا) یعنی بغیر احسان جتلانے کے۔ بعض نے کہا کہ قرض حسن سے ہر خیر و بھلائی مراد ہے۔

نیک اعمال پر کفارۂ سیئات کا وعدہ:

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (تم سے تمہاری غلطیاں مٹا دوں گا) لام جواب قسم میں لائی گئی ہے۔ اور یہ جواب دراصل شرط اور جواب قسم دونوں کے قائم مقام ہے۔ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ (اور البتہ ضرور داخل کروں گا تم کو ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی تم میں سے جو کفر اختیار کرے گا) یعنی اس تاکیدوالی شرط کے بعد جو کہ عظیم وعدے سے متعلق ہے۔ تم میں سے جو کفر اختیار کرے گا۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (وہ سیدھی راہ سے ہٹ گیا) یعنی اس نے حق کے راستے سے خطاء کی۔ ہاں جس نے اس سے قبل بھی کفر کیا وہ بھی سیدھی راہ سے ہٹ گیا۔ لیکن اس حالت کے بعد ضلال و گمراہی تو ظاہر اور بڑی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ (پس ان کے عہد توڑ دینے کی وجہ سے) ما زائدہ ہے۔ معاملے کی عظمت کو جتلانے کے لئے لایا گیا۔ لَعَنّٰهُمْ (ہم نے انکو ہانک دیا اور اپنی رحمت سے نکال دیا) یا ہم نے ان کو مسخ کر دیا یا ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ

قٰسِیَۃً (اور ہم نے انکے دلوں کو سخت کر دیا) قاسیہ کا مطلب ہے ایسے سخت جن میں ذرا رحمت نہ تھی۔ اور جو نرمی پائی جاتی تھی۔

قراءت: حمزہ اور علی نے اس کو قَسِیَّۃً پڑھا ہے۔ اس کا معنی ردی ہے۔ جیسا کہتے ہیں درہم قسی۔ ردی درہم۔

دلوں کی قساوت:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (وہ کلمات کو ان کے مقام سے بدلتے ہیں) یعنی ان کی تفسیر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اتاری۔ یہ ان کے دلوں کی سختی کا بیان ہے۔ کیونکہ افتراء علی اللہ سے بڑھ کر اور کوئی سختی ہو سکتی ہے۔ اور اس کی وحی کو تبدیل کرنے سے بڑھ کر اور کیا سختی ہو سکتی ہے۔ وَنَسُوْا حَظًّا (وہ بہت بڑا حصہ اور پورا حصہ بھول گئے) مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ (ان نصائح کا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی) یعنی تورات سے ان کا اعراض اور ترک درحقیقت بڑے نصیب سے غفلت کرنا ہے یا ان کے دل سخت ہو گئے اور بگڑ گئے پس انہوں نے تورات کو بدل ڈالا اور اپنے حافظے سے اس کی بہت سی چیزوں سے پھسل گئے۔

گناہ سے علم بھولتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی تو آدمی علم کا کچھ حصہ گناہ کی وجہ سے بھولتا ہے۔ اور پھر آپ نے دلیل و استشہاد کے لئے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفسوں کا حصہ بھلا دیا۔ جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی صفات کی جو وضاحت کی گئی تھی اس کو بھلا دیا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ (اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتے رہیں گے) گویا یہ ان کی عادت ثانیہ ہے۔ جس پر ان کے سلف گزرے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے خیانت کرتے تھے۔ اور یہ آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ عَلٰی خَآئِنَۃٍ سے خیانت مراد ہے۔ خائنۃ بمعنی خیانۃ ہے یا مراد ایسا فعل جو خیانت والا ہو۔ یا ایسا نفس جو خیانت والا ہو۔ یا ایسا گروہ جو خیانت والا ہو۔ محاورہ ہے رجل خائنۃ۔ جیسا کہ رجل راویۃ للشعر کہتے ہیں کہ تا مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں ہے۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) اور وہ وہی لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لے آئے۔ فَاعْفُ عَنْھُمْ (آپ ان کو معاف کریں) پس میں ان کی مخالفت پر ابھارا گیا ہے۔ یا ان میں سے جو مؤمن ہیں ان سے درگزر فرمائیں اور ان سے جو کچھ ہوا اس پر مواخذہ نہ فرمائیں۔ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (اور ان سے درگزر فرمائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ مخلصوں کو پسند کرتے ہیں)

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے

مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى

جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی سو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے

تفسیر آیت ۱۴:

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ (اور بعض نصاریٰ نے کہا کہ بیشک ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے پختہ عہد لیا) یہاں من ،اخذنا کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اخذنا من الذین قالوا انا نصاری میثاقھم۔ میثاق سے مراد ایمان باللہ والرسل اور افعال خیر کا عہد ہے۔ جار مجرور کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے اور اس طرح نہیں فرمایا من النصاری کیونکہ انہوں نے یہ نام اللہ تعالیٰ کی مدد کے دعوے دار بن کر لیا تھا۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نحن انصار اللہ کہا تھا پھر انہوں نے بعد میں اختلاف کیا اور یعقوبیہ نسطوریہ اور ملکانیہ۔ شیطان کے انصار بن گئے۔ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (پس انہوں نے نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھلا دیا) فَاَغْرَيْنَا (پس ہم نے چپکا دی لازم کر دی) یہ غری بالشئی سے بنایا گیا ہے جس کا معنی لازم کرنا اور چپک جانا ہے۔ اور الغراء اسی سے ہے۔ جو چپک جائے۔ بَيْنَهُمْ سے مراد نصاریٰ کے وہ فرقے جو باہمی اختلاف کرنے والے تھے۔ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (ان کے درمیان بغض اور عداوت قیامت کے دن تک) ان کی خواہشات کے مختلف ہونے کی وجہ سے وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ کرے گا۔ ان کے ان اعمال کے متعلق جو کچھ وہ کرتے تھے) یعنی قیامت کے دن ان کو بدلہ و سزا دے کر مطلع کرے گا جو وہ کرتے تھے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ

اے اہل کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو

تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ

تم اللہ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور

اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ

اور ایک کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضا مندی

سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ

کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

راستے کی طرف چلاتا رہتا ہے البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ اللہ مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

ابن مریم ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو کوئی بھی

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو کچھ بھی اللہ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت ۱۵: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ (اے اہل کتاب) یہ یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے۔ اور الکتاب جنس ہے اس لیے واحد لائے۔ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا (تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول) رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ (وہ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تمہارے سامنے وہ بہت سی چیزیں جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے) جیسے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور حکم رجم وغیرہ۔ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (اور وہ بہت سے امور سے اعراض کر لیتا ہے) ان میں سے جن کو تم چھپاتے تھے اور ان کو بیان نہیں کرتے یا ان میں سے بہت سے لوگوں سے درگزر کرتے ہیں مؤاخذہ نہیں کرتے۔

نور کی مراد:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آئی) نور سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ وہ شرک وشک کی ظلمتوں کو کھولتا ہے۔ جو حق لوگوں پر مخفی تھا اس کو واضح کرتا ہے۔ یا اس لئے نور کہا کہ اس کا معجزہ ہونا ظاہر ہے۔ یا نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ کیونکہ ہدایت آپ ﷺ سے حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر آپ کو سراج فرمایا گیا۔

سبل سلام کیا ہے؟

آیت ۱۶: يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ اس قرآن سے رہنمائی فرماتے ہیں) مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ (جنہوں نے اس کی رضامندی کی اتباع کی) جو ان میں سے ایمان لائے۔ سُبُلَ السَّلٰمِ (سلامتی کے راستوں کی طرف) اور عذاب الٰہی سے بچانے والے راستوں کی طرف۔ یا اللہ تعالیٰ کے راستوں کی طرف۔ اس صورت میں السلام اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے۔

نمبر: السلام سے مراد سلامتی یا اللہ تعالیٰ۔ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (اور ان کو وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں) یعنی کفر کے اندھیروں سے نور اسلام کی طرف۔ بِاِذْنِهٖ (اپنے حکم) یعنی ارادہ و توفیق سے۔ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ان کی راہنمائی صراط مستقیم کی طرف کرتے ہیں)

مذہب نصاریٰ

آیت ۱۷: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں وہ بے شک کافر ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ بات کہہ کر پختہ کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ وہی مسیح ہے نہ کہ کوئی دوسرا ایسے کہنے والے پکے کافر ہو گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نصاریٰ میں ایک فرقہ ایسا تھا جو ایسا کہتے تھے۔ یا یہ کہ ان کا مذہب اس حد تک پہنچا ہے جہاں انہوں نے اعتقاد کیا۔ کہ وہ (مسیح) پیدا کرتے' زندہ کرتے اور مارتے ہیں (اس سے خود لازم آتا ہے کہ جب وہ مسیح میں خدائی صفات مانتے ہیں تو گویا خود ان کو خدا مانتے ہیں۔ خواہ زبان سے نہ کہیں) قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (ان سے) کہہ دو اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ کون شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے) یعنی کون اس کی قدرت اور مشیت سے ذرہ بھر بھی روک سکتا ہے۔ (یعنی کوئی روک نہیں سکتا۔)

حادث نقب ربوبیت کا مستحق نہیں:

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں) یعنی اگر وہ ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائیں کہ جس مسیح اور اس کی والدہ کو وہ الٰہ کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ مسیح ایک مخلوق بندہ ہے دوسرے بندوں کی طرح۔ آیت میں وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کا مسیح اور امّہ پر عطف یہ ظاہر کرنے کی خاطر ہے کہ یہ دونوں ان کی جنس سے ہیں۔ ان کے اور ان کے مابین کچھ فرق نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرما دیجئے پھر اللہ تمہیں

يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ

تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ

اور عذاب دے گا جس کو چاہے اور اللہ ہی کا ملک ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لیے بیان کرتا ہے

عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ

جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا

فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس میں الوہیت والا وہم جس کو اپنے اندر رکھنے والا ہو۔ اس سے نقص بشریت کیسے جدا ہو سکتا ہے؟ اور جس پر حدوث کے شواہد روشن ہوں وہ ربوبیت کے لقب کا کب حق دار ہے۔ اور اگر وہ تمام موجودات سے صفت بقاء کو چھین لے تو اس کی عمومیت میں ذرہ بھر بھی نقص نہیں آئے گا۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے غالب ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور تمام چیزیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں اور وہ جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) یعنی مذکر بنا کے یا مؤنث اور وہ بلا مؤنث سے بغیر مرد کے پیدا کرتا ہے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو بنایا۔ اور مذکر سے بغیر مؤنث کے پیدا کرتا ہے۔ جیسے کہ حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام سے بنایا۔ اور بغیر مذکر و مؤنث سے بناتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ یا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ پرندوں کو بطور معجزہ عیسیٰ کے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ اس پر کوئی اعتراض کی مجال نہیں۔ کیونکہ وہ جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں)

آیت ۱۸: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (کہ یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی اس کے ہاں اس طرح معزز ہیں جیسے بیٹا باپ کے ہاں یا اللہ تعالیٰ کے بیٹوں یا نبیوں کے وزیر کے حقدار ہیں۔ جیسا کہ

عبداللہ بن زبیر ابو خبیب کے پیروکاروں کو الخبیبیون کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ مسیلمہ کذاب کا گروپ کہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ابناء ہیں اور بادشاہ کے اقارب اور خدام کہا کرتے ہیں کہ: نحن ابناء الملوك۔

یہ مضاف محذوف ہے نحن ابناء رسل اللہ۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ (کہہ دیں کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے سزا کیوں دیتے ہیں) یعنی اگر یہ صحیح ہے کہ تم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہو تو پھر تمہارے گناہوں کی پاداش میں تمہیں مسخ اور چند دنوں آگ کا عذاب بقول تمہارے کیوں دیا جائے گا۔ کیا باپ اپنے بیٹے کو مسخ کرتا ہے؟ کیا والد اپنے بیٹے کو آگ کا عذاب دیتا ہے۔ پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (بلکہ تم دوسرے آدمیوں کی طرح آدمی ہو) اس کی جملہ مخلوقات میں سے۔ نہ یہ کہ تم اس کے بیٹے ہو۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ (وہ جس کو چاہیں گے بخش دیں گے) جو کفر سے تائب ہو جائے گا۔ محض اپنے فضل سے۔ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے) جو کفر پر مر گیا۔ بطور عدل کے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) اس میں متنبہ کر دیا کہ مسیح عبد ہیں کیونکہ مملوک اور بیٹا ہونا باہم منافی ہے۔ (بیٹا مملوک نہیں ہو سکتا)

فترتِ رسل کا زمانہ:

آیت ۱۹: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا (اے اہل کتاب تحقیق تمہارے پاس ہمارے رسول آئے) یعنی محمد ﷺ يُبَيِّنُ لَكُمْ (وہ کھول کھول کر یعنی احکام بیان کرتے ہیں) الشرائع کو ظاہر ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ یا وہ چیز مراد ہے جس کو تم چھپاتے ہو۔ اور اس کو حذف کیا کیونکہ پہلے گزر چکا۔ یہ بھی جو مقدر مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ تمہارے سامنے اظہار کرتے ہیں۔ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ (انقطاع رسل کے زمانہ میں) یہ جاء کم سے متعلق ہے یعنی وہ تمہارے پاس اس وقت میں آئے کہ مدت سے پیغمبر نہ آئے تھے۔ اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا زمانہ یا پانچ سو ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ اَنْ تَقُوْلُوْا (کہ تم کہو) اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ تم کہو مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا) فَقَدْ جَآءَكُمْ میں فاء محذوف سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ لا تعتذروا فقد جاء کم بشیر للمؤمنین و نذیر للکفرین۔ تم معذرت کرو کہ تمہارے پاس مؤمنوں کو بشارت اور کافروں کو ڈرانے والے آگئے۔ اس میں اصل احسان جتلایا کہ ہم نے تمہارے زمانہ میں رسول بنا کر بھیجا جب کہ آثار وحی مٹ چکے تھے۔ اور انسانوں کو اس چیز کی ضرورت ہوئی۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آچکے) تا کہ اس کی طرف بڑھیں اور اس کو ایک عظیم نعمت خیال کریں اور ان پر حجت تمام ہو جائے۔ یہ کل وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف کوئی نبی نہیں بھیجا۔ جو ان کو غفلت سے خبردار کرتا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے) پس وہ محمد ﷺ کو بھی ضرورت کے وقت نبی بنا کر بھیجنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں

فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ

انعام فرمائی جبکہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو

الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ

نہیں دیا۔ اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی

لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۱ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ!

اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ

بے شک بات یہ ہے کہ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں، اور بے شک ہم اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ نہ نکل جائیں۔

فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ

سو اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ دو آدمیوں نے کہا جو

يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

ڈرنے والے تھے اللہ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہو گے

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳

تو بے شک تم غلبہ پانے والے ہو گے۔ اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔

آیت ۲۰: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ (اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے میری قوم یاد کرو اللہ کی ان نعمتوں کو جو تم پر کیں۔ جب بنائے تم میں انبیاء) جعل فیکم انبیاء اس لیے فرمایا کہ کسی امت میں اتنے نبی مبعوث نہیں کیے گئے جتنے بنی اسرائیل میں آئے۔

خوشحالی کی نعمت:

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (اور تمہیں بادشاہ بنایا) یا اس لئے فرمایا کہ ان کو فرعون کے بعد اس کے ملک کا مالک بنا دیا۔ اور جبرے کے

یعنی سرزمین فلسطین کا مالک بنایا اور ان میں کثرت سے بادشاہ ہوئے جیسے انبیاء کثرت سے ہوئے۔ بعض نے کہا کہ الملک سے مراد وسیع مکان والا جس میں جاری پانی ہو۔ بنی اسرائیل کے وسیع مکانات تھے جن میں جاری پانی تھا۔ گویا خوشحالی کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا کہ ملک وہ ہے جس کے پاس مکان ہو اور خدام ہوں کیونکہ یہ خوشحالوں کے ہاں غلام زندگی گزارتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اسباب نعمت دی۔ تو نجات دے کر ہی کی تکمیل فرمایا۔ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور تمہیں وہ کچھ دیا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا) جیسے سمندر پھاڑا۔ دشمن کو ڈبویا۔ من وسلویٰ اتارا۔ بادلوں سے سایہ کیا۔ وغیرہ اس طرح کے بڑے بڑے کام یا مراد اس زمانہ کے لوگ ہیں۔ گویا الف لام کا عوض حذف ہے۔

قدس وشام کی سرزمین میں داخلے کا حکم:

آیت ۲۱: يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ (اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو) المقدسہ سے مراد پاکیزہ یا مبارک اور وہ سرزمین بیت المقدس وشام ہے۔ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے) کتب کا معنی ہے قسمت میں کر دیا۔ یا تمہارے نام لگا دیا۔ یا لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ کہ وہ تمہارا مسکن بنے گی۔

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ (اور تم اپنی پشت پھیر کر مت لوٹو شکست کھا کر) دشمن کے خوف سے بزدلی اختیار کر کے یا اپنے دین میں پشت پھیر کر مت لوٹو (یعنی دین کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو)۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (اگر تم لوٹو گے تو پھر دنیا و آخرت کے ثواب سے نامراد ہو کر لوٹو گے)

بزدلی کی انتہاء:

آیت ۲۲: قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ (کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں) الجبار یہ فعال کے وزن پر ہے۔ یہ جبرہ علی الامر سے لیا گیا ہے۔ جس کا معنی اجبرہ علیہ ہے مجبور کرنا۔ جبار سرکش کو کہتے ہیں۔ جو لوگوں کو اپنی مرضی پر مجبور کرے۔

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا (ہم وہاں ہرگز قدم سے داخل نہ ہوں گے)
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا (یہاں تک کہ وہ بغیر لڑائی کے نکل نہ جائیں)
فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا (پس اگر وہ وہاں سے بلا قتال نکل گئے)
فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (تو ہم پھر اس علاقہ میں داخل ہوں گے)

آیت ۲۳: قَالَ رَجُلٰنِ (ان دو شخصوں نے کہا) رجلان سے مراد کالب اور یوشع ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ (ان لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف رکھتے تھے) گویا اس طرح کہا کہ دو متقی مردوں نے کہا۔

نحو: یہ محل رفع میں رجلان کی صفت ہے اسی طرح انعم اللّٰہ علیہما بھی۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہٰذا تو اور تیرا رب

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا

دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب بے شک میں مالک نہیں مگر

نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

میری جان اور میرا بھائی ہے، لہٰذا ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ زمین

مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ

ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ

عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

نافرمان قوم پر رنج نہ کیجئے

غلبے کا وعدہ:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا (جن پر اللہ تعالیٰ نے (اپنے سے ڈرنے کا) انعام فرمایا تھا) ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ (تم ان کے شہر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ) فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ (جونہی تم اس میں داخل ہوئے تم غالب آ جاؤ گے) اور وہ شکست کھا جائیں گے۔ اور غلبہ تمہیں حاصل ہو جائے گا۔ یہ بات انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے اطلاع دینے سے معلوم کی۔ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو) اس لئے کہ اس پر ایمان اس پر توکل کا تقاضا کرتا ہے۔ توکل کی حقیقت علائق دنیوی کو قطع کرنا، اور مخلوقات سے تعلق کا توڑنا اور اللہ تعالیٰ سے جوڑنا۔

جہاد سے پس و پیش:

آیت ۲۴: قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ (انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے) یہ تاکیدی الفاظ سے مستقبل میں داخل ہونے کی نفی ہے۔ اَبَدًا (ہمیشہ) یہ لفظ۔ کہ نفی مؤکد کو طویل زمانے سے متعلق کیا گیا۔ مَّا دَامُوْا فِیْهَا (جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں) یہ ابدا کا بیان ہے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ (پس تو اور تیرا رب جائے) علماء کی ایک جماعت نے اس کا ظاہری معنی مراد لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ مگر ایسا نہیں کیونکہ بطور اعتقاد یہ بات ہوتی تو وہ کفر کرتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام ان سے جہاد کرتے۔ کیونکہ اس وقت جبارین کی نسبت یہ جہاد کئے جانے کے زیادہ حقدار تھے۔ مگر اس میں بجز ہے۔

ہے کہ کہا جائے کہ تم جاؤ اور تمہارا رب اور وہ لڑائی میں تمہاری امداد فرمائے۔ یا ربك سے مراد حضرت ہارون آپ کے بڑے بھائی مراد ہیں۔ یا اس سے حقیقۃً جانا مراد نہیں بلکہ یہ محاورۃً ایسی بات ہے جیسے کہتے ہیں کلمتہ فلعب یعجبنی میں نے اس سے بات کی وہ مجھے جواب دینے لگا۔ یعنی جواب کا ارادہ کیا۔ گویا انہوں نے کہا کہ تم دونوں ان سے قتال کا ارادہ کرو۔ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (پس لڑو تم دونوں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے) قاعدون کا معنی ٹھہرنے والے ہیں تمہارے دین کی مدد میں ہم ان سے نہ لڑیں گے۔ ادب انہوں نے نافرمانی اور مخالفت کی۔

غم و شکوہ کا اظہار:

آیت ۲۵: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ (کہا اے میرے رب میں اختیار نہیں رکھتا) تیرے دین کی مدد کے لئے اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ (مگر اپنے اوپر اور بھائی پر) نحو: اخی کا عطف نفسی پر ہو تو یہ معنی ہے مجھے اپنے نفس پر اور بھائی پر قابو ہے یا ان کے اسم پر عطف ہو تو یہ معنی ہوگا۔ میں اختیار نہیں رکھتا مگر اپنے نفس پر اور میرا بھائی بھی اختیار نہیں رکھتا مگر اپنے نفس پر۔ یا یہ مرفوع ہے جبکہ اس کا عطف انّ اور اس کے اسم دونوں کے محل پر ہو۔ یا لا املك کی ضمیر پر اس کا عطف ہو اور فصل کے لیے یہ درست ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی و لا یملك اخی الا نفسہ اور میرا بھائی بھی مالک نہیں مگر اپنے نفس کا یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی و اخی کذلك۔ میں اپنے اوپر قابو رکھتا ہوں اور میرا بھائی بھی اسی طرح ہے۔ یہ در حقیقت غم اور شکوہ ہے۔ جو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا گیا ہے اور رقت قلب ہے تاکہ رحمت الٰہی کو جوش آئے۔ اور مدد خداوندی کا نزول ہو۔ گویا کہ ان دونوں آدمیوں پر کامل وثوق نہیں فرمایا اور فقط نبی معصوم کا ہی تذکرہ فرمایا۔ نمبر مراد یہ ہے کہ میں اور جو دین کے سلسلے میں مجھ سے موافقت رکھنے والا ہے۔

فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (ہمارے اور ان نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے) اور ان کے بارے میں وہ فیصلہ فرما جس کے وہ اہل ہیں۔ یہ ان کے متعلق بددعا کے مفہوم میں ہے یا ہمارے اور ان کے درمیان دوری پیدا کردے اور ان کی معیت سے نجات عنایت فرما۔ جیسا دوسری آیت میں ہے: وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (التحریم: ۱۱)

آیت ۲۶: قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ (فرمایا وہ ان پر حرام کر دی گئی) ھا کی ضمیر ارض مقدسہ مراد ہے۔ محرمۃ کا مطلب روک دینا ہے۔ کہ وہ اس میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ یہ تحریم تعبدی نہیں جیسا دوسری آیت میں ہے: وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ (القصص: ۱۲)

ایک اعتراض:

پہلی آیت میں کتب اللہ لکم فرمایا۔ اور یہاں محرمۃ فرمایا۔

جواب: کتب اللہ کا معنی وہ سرزمین تمہارے لیے لکھ دی۔ اس شرط سے کہ تم وہاں کے رہنے والوں سے جہاد کرو۔ جب انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا تو فرمایا فانھا محرمة علیھم کہ وہ ان پر حرام کر دی گئی یہ حرمت چالیس سال کے لیے تھی۔ جب چالیس سال گزر گئے تو جو لکھا تھا وہ ہو کر رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بقیہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے۔ یوشع بن نون مقدمۃ الجیش پر افسر تھے۔ اور اس کو فتح کر لیا اور وہیں مقیم رہے۔ جتنا اللہ نے چاہا پھر آپ وفات پا گئے۔ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (چالیس برس) اربعین محرمة کا ظرف ہے۔ اور سنة پر وقف ہے۔ یا یتیھون کا ظرف ہے اور وقف علیھم پر ہے۔

فاسق قابل افسوس نہیں:

تقدیر عبارت یہ ہے: یسیرون فیھا متحیرین لا یھتدون طریقا۔ یعنی سنة۔ کہ وہ حیران و پریشان پھرتے رہیں گے۔ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (وہ حیران و پریشان چلتے رہیں گے زمین میں) اس سے نکلنے کا راستہ چالیس سال تک نہیں پائیں گے۔ یہ قید کی سزا ان کو اس لیے دی گئی کہ وہ جہاد سے رکے۔ تو ان کو اس جنگل میں روک دیا گیا۔ تیز چلنے کے باوجود صبح کو جہاں سے چلتے شام کو وہیں ہوتے۔ اور شام کو جہاں سے چلتے صبح کو وہیں ہوتے۔ یہ چھ فرسخ کا علاقہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس بددعا سے پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (ان فاسقوں پر افسوس مت کرو) کیونکہ یہ فاسق ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ تیہ میں نہیں رہے۔ کیونکہ تیہ کی رہائش تو ایک سزا تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے ان سے نجات مانگ چکے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ رہے مگر وہ ان کے لیے باعث راحت تھا۔ اور باعث سلامتی تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام تیہ میں وفات پا گئے اور ان کے ایک سال بعد موسیٰ علیہ السلام نے بھی وفات پائی۔ زرکالب اور یوشع علیہما السلام کے علاوہ تمام مقاتلہ بھی تیہ میں وفات پا گئے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ

اور آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ٹھیک طور پر پڑھ کر سنائیے جبکہ ان دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی سو ان میں سے ایک کی نیاز

اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا

قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی گئی اس نے کہا میں تجھے ضرور بالضرور قتل کر دوں گا، اس دوسرے نے کہا کہ

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ

اللہ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے اگر تو نے میری طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا

مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

پروردگار ہے۔ بلاشبہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔ سو اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ

آمادہ کر دیا سو اس نے اسے قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کوا

فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ

بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز ہو گیا

اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ڔ

کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا

ہابیل و قابیل کا واقعہ:

آیت ۲۷: پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اپنے حاسدین کو وہ واقعہ سنائیں جو حسد کی وجہ سے پیش آیا تا کہ وہ حسد کو چھوڑ دیں۔ اور آپ پر ایمان لے آئیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (آپ ان اہل کتاب کو پڑھ کر سنائیں)

نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ (آدم کے دو صلبی بیٹے ہابیل و قابیل کا) یا دو بنی اسرائیل کے دو آدمی تھے۔

بِالْحَقِّ (ایسی اطلاع جو حق سے ملی ہوئی ہے) اور پہلی کتب کے بالکل موافق ہے۔ یا ایسی تلاوت جو حق و صحت سے ملی ہوئی ہے۔ یا آپ ان کو پڑھ کر سنائیں کہ آپ حق بیان کرنے والے سچے ہیں۔ اِذْ قَرَّبَا یہ نبا کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی قصتهما وحديثهما في ذالك الوقت۔ یعنی ان دونوں کا قصہ اور بات جو اس وقت میں پیش آئی یا نبأ سے بدل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اتل عليهم انبا نبا ذالك الوقت۔ آپ ان پر پڑھیں واقعہ یعنی اس وقت کا واقعہ گویا اس صورت میں مضاف محذوف ہے۔ قُرْبَانًا ایسی قربانی یا صدقہ جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ کہا جاتا ہے قرب صدقة و تقرب بها کہ اس صدقہ سے تقرب حاصل کیا۔ کیونکہ تقرب کا باب قرب کا مطاوع بن کر آتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان میں سے ہر ایک نے اپنی قربانی سے تقرب حاصل کیا۔ اس کی دلیل آیت کا اگلا حصہ فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا (ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی) اور وہ ہابیل تھا۔ وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ (اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی) اور وہ قابیل تھا۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ پیدا ہونے والی بچی سے شادی کرلے۔ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی خوبصورت تھی۔ اس کا نام اقلیما تھا۔ اس پر اس کے بھائی نے اس لڑکی کے سلسلہ میں حسد کیا۔ اور ناراض ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان دونوں کو فرمایا کہ تم دونوں قربانی پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہوگئی اسی سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی کہ آگ نے اتر کر اس کو جلا دیا۔ اس پر قابیل کا حسد اور بھڑک اٹھا اور ناراضگی زیادہ ہوگئی پس ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ (اس نے ہابیل کو کہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا)

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ متقین سے قبول کرتے ہیں) تقدیر عبارت یہ ہے کہ ہابیل نے اسے کہا تو مجھے قتل کیوں کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی کو قبول کیا ہے۔ اور میری قربانی قبول نہیں کی۔ اس پر اس نے کہا انما يتقبل الله من المتقين کہ اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کی قربانی قبول کرتے ہیں۔ اور تو غیر متقی ہے۔ اور یہ تیرے نفس کے قصور سے ہے۔ کہ اس نے تقویٰ کے لباس کو اتار پھینکا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔

<u>ایک لطیفہ:</u>

حضرت عامر بن عبد اللہ کی وفات کا وقت آیا تو وہ رونے لگے ان کو کہا گیا کہ آپ کیوں روتے ہو۔ اور آپ تو بڑی فضیلتوں والے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا ہے انما يتقبل الله من المتقين۔ (معلوم نہیں کہ ہم ان میں سے ہیں یا نہیں)

آیت ۲۸: لَئِنْ بَسَطْتَّ (اگر تم نے دراز کیا) اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ (اپنا ہاتھ میری طرف تاکہ تو مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ پھیلانے والا نہیں تیری طرف) قراءت: مدنی، ابو عمرو اور حفص نے یدی کو فتحہ سے پڑھا ہے۔

ہابیل کو بے خبری میں قتل کیا گیا:

اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (تاکہ میں تجھے قتل کروں میں بیشک اللہ رب العالمین سے ڈرنے والا ہوں) روایت میں ہے کہ وہ قابیل سے زیادہ طاقتور تھے۔ اور زیادہ مضبوط۔ لیکن اپنے بھائی کے قتل کو گناہ سمجھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس کے سامنے ہاتھ نہیں اٹھایا کیونکہ اس زمانہ میں مدافعت جائز و مباح نہ تھی۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وہ واجب تھی۔ کیونکہ اس میں اپنے آپ کو خود ہلاک کرتا ہے اور قاتل کے گناہ میں شرکت کرتا ہے۔ البتہ معنی یہ ہے کہ میں ابتداء تیری طرف اپنے ہاتھ کو دراز کرنے والا نہیں۔ جیسا کہ تو میرے بارے میں ارادہ رکھتا ہے ہابیل ارادہ قتل پر مدافعت کا عزم رکھتے تھے۔ مگر قابیل نے بے خبری میں اچانک حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا۔

قراءت اِنِّیْٓ وَاِنِّیْٓ اَخَافُ پڑھا حجازی اور ابو عمرو نے۔

آیت ۲۹: اِنِّیْٓ اُرِیْدُ (میں چاہتا ہوں) قراءت : مدنی نے اِنِّیَ پڑھا ہے۔ اَنْ تَبُوْٓاَ (تو لوٹے) یا لوٹے بِاِثْمِیْ (میرے قتل کے گناہ کے ساتھ) اگر تو نے مجھے قتل کر دیا وَاِثْمِکَ (اور اپنے گناہوں کے ساتھ) جس کی بناء پر تیری قربانی قبول نہیں کی گئی۔ اور وہ والد کی نافرمانی ' حسد' کینہ ہے قابیل نے اس بات کا ارادہ کیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مسترد کر کے کفر کیا تھا یا وہ ظالم تھا اور ظالم کی سزا یہ مراد لی جا سکتی ہے۔ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (تاکہ تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالم کی سزا ہے)

آیت ۳۰: فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ (پس اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا) طوعت کا معنی آسان کر دیا گنجائش پیدا کر دی یہ طاع لہ المرتع کہ چراگاہ آسانی سے اس کو میسر آ گئی سے بنا ہے۔ فَقَتَلَہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (پس اس نے اس کو قتل کر دیا پس وہ ہو گیا خسارہ پانے والوں میں سے)۔

آیت ۳۱: فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَہٗ (اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے یا وہ کوا اس کو دکھائے) کَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَۃَ اَخِیْہِ (کہ وہ کس طرح بھائی کی لاش چھپائے) سَوْءَۃ کا معنی ستر اور وہ چیز جسم میں جس کا کھولنا جائز نہیں۔ روایت میں ہے کہ سب سے پہلا مقتول زمین پر بنی آدم میں یہی تھا۔ جب اس کو قتل کر دیا تو چٹیل میدان میں چھوڑ دیا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کرے۔ پس اس کو خطرہ ہوا کہ اس کو درندے پھاڑ دیں گے۔ پس ایک تھیلے میں ڈال کر پیٹھ پر ایک سال تک اٹھائے پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے بدبو پیدا ہو گئی۔ اور اس پر پرندوں نے ہجوم کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے وہ لڑ پڑے ایک نے دوسرے کو مار دیا۔ اور اپنی چونچ اور پنجوں سے دوسرے کوّے کے لئے گڑھا کھودا پھر اس کو اس میں ڈال دیا۔ پس اس وقت قابیل کہہ رہا تھا۔

بے وقت شرمندگی:

قَالَ یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ (کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوّے جیسا ہی ہے کہ ہو جاتا اور چھپا دیتا) فَاُوَارِیَ کا عطف اَکُوْنَ پر ہے سَوْءَۃَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (اپنے

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو جو کسی جان

نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا

کے بغیر یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ

تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے۔ پھر اس

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔

بھائی کی لاش کو لیے رہا وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے ہو گیا) اس کے قتل پر کیونکہ اس کے اٹھائے پھرنے نے اس کو تھکا دیا۔ اور وہ اس کے بارے میں شدید پریشانی میں مبتلا ہوا۔ مگر یہ شرمندگی توبہ کرنے والوں جیسی نہیں تھی۔ یا ندامت فقط ہماری شریعت میں توبہ ہے۔ ان کی شریعت میں نہ تھی۔ یا اس کے اٹھائے رہنے پر شرمندہ ہوا نہ کہ اس کے قتل پر۔ ([illegible]) اور آیت میں کہ جب اس نے اسے قتل کیا اس کا جسم سیاہ ہو گیا حالانکہ اس کا رنگ سفید تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے اس کے بھائی کے متعلق دریافت کیا تو کہنے لگا میں اس کا نگران تو نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اسی لئے تو تیرا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ پس سیاہ لوگ اسی کی اولاد میں سے ہیں۔

مرثیہ آدم علیہ السلام والی روایت من گھڑت ہے:

اور یہ کسی روایت میں نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کسی شعر میں ہابیل کا مرثیہ کہا ہو۔ جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ درست نہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام شعر سے معصوم ہوتے ہیں۔

آیت ۳۲: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ (اس کی وجہ سے) اجل کا معنی جب [illegible] الجنایۃ مذکور ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ پچھلی آیت سے متصل ہے۔ جبکہ اس صورت میں اس پر وقف کریں گے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی فاصبح من النادمین لاجل حملہ ولاجل قتلہ کہ وہ اس کے اٹھانے اور قتل کرنے کی وجہ سے شرمندگی والوں میں سے ہو گیا۔ ایک قاری نے یہی کہا ہے کہ یہ جمہور کے خلاف ہے۔ اور النادمین پر وقف ہے۔ اور من کا تعلق کتبنا سے ہے یا النادمین سے تعلق ہے۔

بنی اسرائیل کیلئے قانونِ قصاص:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا) بنی اسرائیل کا خصوصیت سے تذکرہ فرمایا۔ حالانکہ تمام ہی اس میں شریک تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات پہلی ایسی کتاب ہے جس میں یہ اتارے گئے۔ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا (کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کر دے) ہٗ کی ضمیر شان ہے۔ اور مَن شرطیہ ہے۔

بِغَيْرِ نَفْسٍ (بغیر اس کے کہ وہ کسی نفس کو قتل کرے) اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ (یا وہ زمین پر فساد کرے) یہ نفس پر عطف ہے تقدیر عبارت یہ ہے بغیر فساد فی الارض اور زمین میں فساد کے بغیر۔ فساد سے مراد یہاں شرک ہے۔ یا ڈاکہ زنی یا ہر وہ فساد جس کا نتیجہ قتل کو واجب ولازم کر دے۔ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا) یعنی گناہوں میں تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کیونکہ قاتل نفس کی سزا جہنم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اگر وہ تمام لوگوں کو قتل کر ڈالتا تو اس سے زیادہ نہ ہوتا۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا (جس نے ان کو زندہ کیا) یعنی ان کو ہلاکت کے بعض اسباب سے نکالا۔ مثلاً قتل، غرق، جلنا، گرانا یا اور کوئی دیگر وغیرہ۔

ایک کی زندگی سب کی زندگی:

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (اس نے گویا سب کو زندہ کیا) ایک آدمی کے قتل کو تمام آدمیوں کا قتل قرار دیا گیا۔ اسی طرح زندہ کرنا بھی تمام کا زندہ کرنا قرار دیا۔ یہ ترغیب و ترہیب کے لئے ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک آدمی کے قتل پر تعرض کرنے والا ہے وہ اگر وہ تصور کرے کہ اس کا قتل تمام انسانوں کا قتل ہے۔ تو اس پر اس کا قتل گراں ہوگا۔ پس وہ اس سے باز آ جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو اس کو زندہ کرتا ہے۔ جب اس کے تصور میں یہ ہے اس ایک آدمی کی زندگی تمام انسانوں کی زندگی کے مترادف ہے تو اس کو سلامت رکھنے اور بچانے کے لئے خوب رغبت اختیار کرے گا۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ (اور ان لوگوں کے پاس آ چکے ہیں) ھُم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ رُسُلُنَا (ہمارے پیغمبر) قراءت: ابو عمرو نے رُسْلُنَا پڑھا ہے۔ بِالْبَيِّنٰتِ (واضح دلیل کے ساتھ) ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ (پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ) پھر ان میں سے پہلے سے۔ اس کے بعد کہ جو ہم نے ان پر لکھ دیا۔ یا رسولوں کے دلائل لانے کے بعد فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (اور زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں) قتل میں اس کی عظمت کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ

"جو لوگ لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے

فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ

دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ

خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ

دیے جائیں یا زمین سے نکال دیے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے

وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن

اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ

تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۴﴾ يَٰٓأَيُّهَا

تم ان پر قدرت پاؤ۔ سو جان لو کہ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔" "اے

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُوا۟ فِى

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا

جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ

فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُۥ مَعَهُۥ لِيَفْتَدُوا۟ بِهِۦ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ

سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے

ٱلْقِيَٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَن

دیدیں تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے وہ ارادہ کریں گے کہ

يَخْرُجُوا۟ مِنَ ٱلنَّارِ وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾

دوزخ سے نکلیں اور وہ اس میں سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔"

محاربین کی اقسام اربعہ:

آیت ۳۳: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (بے شک ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے محاربہ سے مراد اولیاء اللہ سے محاربہ ہے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں من اھان لی ولیًا فقد بارزنی بالمحاربۃ۔ جس نے میرے کسی دوست کی توہین کی اس نے محاربہ کے لئے مجھے دعوت دی۔ ابن ماجہ ۳۹۸۹ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا (وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں) یعنی وہ فساد کرنے والے ہیں۔ اور تمیز مفعول بہ بھی بن سکتا ہے۔ یعنی وہ فساد کی غرض سے زمین میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ جزاء کی خبر ان یقتلوا ہے۔

نکتہ: یقتلوا میں تاء پر تشدید کا فائدہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے کا قتل۔ اب اَنْ یُّقَتَّلُوْا کا مطلب یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے سولی نہ دی جائے۔ اگر انہوں نے صرف قتل کیا ہو۔

اَوْ یُصَلَّبُوْا (یا ان کو صلیب دی جائے قتل کے ساتھ) اگر انہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لیا۔ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ (یا ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں) اگر انہوں نے مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو۔ مِّنْ خِلَافٍ (مخالف جانب سے) یہ ایدی سے حال ہے یعنی ارجل۔ ایک دوسرے کے الٹ۔ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (یا ان کو قید کر کے جلاوطن کرایا جائے) جبکہ انہوں نے فقط ڈرایا دھمکایا ہو۔ ذٰلِكَ یہ مذکورہ سزا ہے۔ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا (ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی کا ذریعہ ہے) وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے)

آیت ۳۴: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ (مگر وہ لوگ جو تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لیں) تو ان سے یہ حد ساقط ہو جائے گی۔ وہ معاملات جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (پس یقین کر لو کہ خدا تعالیٰ بخشنے والے ہیں) ان کی توبہ سے ان کو بخش دیں گے اور رحیم ہیں رحم فرما کر ان کو عذاب نہ دیں گے۔

آیت ۳۵: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔

قرب الٰہی کا ذریعہ:

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (اس کی طرف سے وسیلہ تلاش کرو) ہر وہ قربت عبادت جس سے قرب حاصل کیا جائے۔ یا وہ واسطہ یا دیگر مرتبہ و درجہ یہ دراصل ان چیزوں کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو طاعات و ترک منہیات کی قسم سے ہے۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

آیت ۳۶: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں) مَا فِی الْاَرْضِ سے مراد قسم قسم کے اموال۔ وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ (اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور ہو) اور وہ اس کو خرچ بھی کر ڈالے۔ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ (تاکہ اس کو اپنے نفس کا فدیہ بنائیں)

السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما۔ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو) ایدیہما سے یہاں دونوں کے دائیں
ہاتھ مراد ہیں۔ اس کی دلیل قراءت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے فا اس لئے ہے کہ سابقہ کلام میں شرط کا معنی متضمن تھا۔ کیونکہ
مطلب اس طرح ہے والذی سرق والتی سرقت وہ مرد جو چوری کرے اور وہ عورت جو چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ
دو۔ اسم موصول میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے۔ نکتہ: البتہ سارق کو مرد سے ابتداء کی گئی۔ کیونکہ سرقہ کا تعلق جرأت سے ہے اور وہ
مردوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اور دوسری آیت میں الزانیۃ کو مقدم لائے کیونکہ زنا شہوت سے پیش آتا ہے۔ اور شہوت عورتوں میں
کثرت سے پائی جاتی ہے ہاتھ کاٹنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ سرقہ و چوری کا آلہ ہے اور آلہ زنا کے قطع کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ
اس سے نسل انسانی کا انقطاع لازم آتا ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (اس کی سزا میں جو کچھ انہوں نے کمایا) جزاء یہ
مفعول لہ ہے۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) نکالاً یہ جزاء کا بدل ہے وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ (اللہ تعالیٰ غالب
ہیں) اس کے فیصلوں میں معارضہ نہیں کیا جا سکتا حَكِيْمٌ (وہ حکمت والے ہیں) اس میں جو وہ حکم دیں جیسے چور کے لئے قطع ید
وغیرہ۔

تائبین کا ذکر:

آیت ۳۹: فَمَنْ تَابَ (جو شخص توبہ کرے) چوری سے مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ (اپنے اس ظلم (یعنی سرقہ) کے بعد) وَاَصْلَحَ (اور اپنی
درستی کرے) مسروقہ مال واپس کر کے فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ (اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر کے اس کی طرف توجہ فرمائیں گے) اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں ان کا گناہ بخش دیں گے اور رحیم ہیں اس پر رحمت فرمائیں گے

بخشش مطیع:

آیت ۴۰: اَلَمْ تَعْلَمْ (کیا تمہیں معلوم نہیں) اے محمد ﷺ! خطاب آپ ﷺ کو ہے اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ (کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے جس کو چاہے عذاب دے) عذاب دیں گے جو کفر پر مر جائے گا۔ وَيَغْفِرُ
لِمَنْ يَّشَآءُ (اور بخش دیں گے جس کو چاہیں گے) جو کفر سے تائب ہو جائے گا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) یعنی
عذاب و مغفرت وغیرہ پر قَدِيْرٌ (قادر ہیں) نکتہ: یہاں عذاب کو مغفرت سے پہلے اس لیے ذکر کیا۔ کیونکہ چوری آیت سے پہلے کی
تھی۔ یہ لف و نشر مرتب کی قبیل سے ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ

اے رسول آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو

ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ

ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان

ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ

لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں، یہ لوگ جھوٹ کے بہت سننے والے ہیں، وہ سننے والے ہیں دوسری قوم کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے

يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ

درمیان سے ہٹے ہوئے، یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ

أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ

اگر تم کو یہ حکم دیا جائے تو اس کو لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے تو پرہیز کرنا، اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا

فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ

ارادہ فرمائے تو اس کے لیے آپ کا اللہ کے سامنے کچھ بھی زور نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں

ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى

اللہ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک فرمائے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے

ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ

آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ یہ لوگ جھوٹ کے بہت سننے والے ہیں، بہت حرام کھانے والے ہیں،

فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ

سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض فرما لیجئے۔ اور اگر آپ اعراض کریں

فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ ۚ إِنَّ

تو یہ آپ کو ہرگز کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اگر آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ بے شک

ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ ٱلتَّوْرَىٰةُ

اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے

فِيهَا حُكْمُ ٱللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَآ أُو۟لَٰٓئِكَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾

جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

منافقین کے منصوبوں کی پرواہ نہ کریں:

آیت ۴۱: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (اے رسول جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں) لایحزنک کا معنی اہمیت نہ دیں کفر کی طرف منافقین کے جلد بھاگ جانے کو۔ اور پرواہ نہ کریں۔ یعنی اسلام کے متعلق ان کی خفیہ تدابیر کے ظاہر ہو جانے کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ اور اسی طرح ان کی مشرکین کے ساتھ موالات ظاہر ہونے کی پرواہ نہ کریں۔ میں ان کے خلاف تمہارا مددگار اور ان کے شر کے لیے کافی ہوں۔ کہا جاتا ہے اسرع فیه الشیب یعنی وہ جلد بوڑھا ہو گیا۔ اسی طرح کفر میں ان کی مسارعت سے مراد جلد کفر اختیار کرنا ہے۔ کہ جب بھی وہ فرصت پاتے ہیں تو فوراً کفر میں جا گرتے ہیں۔ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا (خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہتے ہیں) یہ الذین یسارعون فی الکفر کا بیان ہے۔ اٰمَنَّا (کہ ہم ایمان لائے) یہ قالوا کا مقولہ مفعول ہے۔ بِاَفْوَاهِهِمْ (اپنے منہ سے) یہ قالوا کے متعلق ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے قالوا بافواههم امنا انہوں نے اپنے مونہوں سے امنا کہا۔ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ مگر ان کے دل مؤمن نہیں۔

نحو: یہ محل نصب میں حال ہے اور ومن الذین هادوا کا عطف من الذین قالوا پر ہے تقدیری عبارت یہ ہے من المنافقین والیهود وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (وہ جھوٹ کو سننے والے ہیں)

نحو: هم مبتداء مضمر اور سماعون اس کی خبر ہے ضمیر کا مرجع دونوں جماعتیں ہیں۔ تقدیری عبارت هم سماعون اس صورت میں وقف علی الذین هادوا پر ہے۔ یا سماعون مبتدء اور اس کی خبر من الذین هادوا ہے۔ اس صورت میں قلوبهم پر وقف ہے۔ اور سماعون للکذب کا مطلب یہ ہے کہ تم سے سنتے اس لئے ہیں۔ کہ تم پر جھوٹ باندھیں اس طرح کہ جو کچھ آپ سے سنا اس کو مسخ کر کے پیش کریں۔ اضافہ یا کمی یا تبدیلی اور تغیر کے ساتھ۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ (آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر سنتے ہیں جس قوم کے یہ حالات ہیں وہ آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو) یعنی وہ آپ سے سننے والے ہیں یہودیوں کی خاطر اور وہ ان کو جاسوس بنا کر بھیجتے ہیں۔ تا کہ جو آپ سے سنا وہ ان کو پہنچا دیں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (بعد اس کے کہ وہ اپنے مواقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں) یحرفون کا معنی اس کو زائل کرتے اور اس کو ان مواقع سے مائل کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا ہے۔ ان کو غیر مقام پر چھوڑتے ہیں حالانکہ اس کا ایک مقام ہے۔

نحو: یحرفون یہ قوم کی صفت ہے جیسا کہ لم یاتوك یا مبتداء کے محذوف کی خبر ہے۔ یعنی هم یحرفون ضمیر کا مرجع الکلم ہے۔

مقصد پرست یہود کا طرز عمل:

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا (کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو) المحرف اس کو کہتے ہیں جس کو اس کے موقع سے ہٹا دیا جائے۔

نحو: یقولون یہ یحرفون کی طرح قوم کی صفت ہے یا یحرفون کی ضمیر سے حال ہے۔ فَخُذُوْهُ (اس کو اختیار کر لو) اس کو جائز کہو۔

نحو: یہ حق ہے اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ (اور اگر وہ تمہیں نہ دیا جائے) اور محمد ﷺ اس کے برخلاف فتویٰ دیں تو فَاحْذَرُوْا (اس سے بچو) اور اپنے کو بچاؤ وہ باطل ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک سردار یہودی نے ایک سردار

عورت سے خیبر میں زنا کیا اور وہ دونوں شادی شدہ تھے۔ اور تورات میں ان کی حد سنگساری تھی۔ یہود نے ان کے اعلیٰ خاندان ہونے کی وجہ سے ان کو رجم کرنا ناپسند کیا۔ انہوں نے اپنا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں سوال کریں۔ اور کہنے لگے کہ اگر وہ کوڑے لگانے کا حکم کریں اور چہرے کو کالا کرنے کا حکم کریں تو قبول کرلو اگر رجم کا حکم دیں تو مت قبول کرو۔ پس آپ نے جب ان کو رجم کا حکم دیا تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ (اور جس کا خراب ہونا اللہ ہی کو منظور ہوتا) یہاں فتنہ سے مراد ضلالت و گمراہی ہے یہ آیت ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو یرید اللّٰہ الایمان ولا یرید الکفر۔ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا) حضرت محمد ﷺ کی امید کو ان کے ایمان کے سلسلے میں ختم کردیا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کو پاک کرنا منظور نہیں ہوا) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو کفر سے پاک کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پسند سے کفر کو اختیار کیا۔

تردید معتزلہ:

یہ آیت بھی ہماری دلیل ہے کہ جو لوگ خیر وشر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں مانتے۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ (ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے) منافقین کی رسوائی اور یہود کے لئے ذلت۔ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اور آخرت میں ان کیلئے سزائے عظیم ہے) یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے۔

آیت ۴۲: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (یہ جھوٹ کو سننے والے ہیں) یہ دوبارہ تاکید کے لائے ہیں یعنی وہ جھوٹ کو سننے والے ہیں اور اس کی مثل اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ہے (بڑے حرام کو کھانے والے ہیں) السحت ہر وہ چیز جس کا کمانا حرام ہو۔ یہ سحتہ سے لیا گیا ہے جس کا معنی جڑ سے اکھاڑنا ہے کیونکہ اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے حدیث میں فرمایا کہ فیصلوں میں رشوت لینا اس سے مراد ہے وہ احکام پر رشوت لینے اور حرام کو حلال کرنے کے لئے بھی رشوت لینے۔ قراءت: للسحت۔ مکی اور بصری اور علی نے ثقل سے پڑھا ہے۔

فیصلہ کرنے میں اختیار یا لزوم:

فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے مابین فیصلہ فرما دیں یا ان سے اعراض فرمائیں) یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو اختیار تھا۔ کہ جب اہل کتاب آپ ﷺ کے پاس فیصلہ لے کر آئیں کہ ان میں فیصلہ کردیں یا نہ کریں۔ بعض نے کہا کہ اختیار منسوخ کردیا گیا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے وان احکم بینہم بما انزل اللّٰہ المائدہ ۴۹ کہ ان کے درمیان بما انزل اللّٰہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا (اگر تم ان سے اعراض کرو تو وہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں دے سکتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرنے والے ہیں۔ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے) قسط کا یہاں معنی عدل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (اللہ تعالیٰ عدل والوں کو پسند کرتے ہیں)

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ

بے شک ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے۔ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتے تھے انبیاء

ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا

جو اللہ کے فرمانبردار تھے، یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہودی تھے، اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ

ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟

ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ سو تم لوگوں سے

ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ

نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اور میری آیتوں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت مت خریدو۔ اور جو شخص اس کے

يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾

موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے سو یہی لوگ کافر ہیں

آپ کی تحکیم پر ان کی رضامندی قابل تعجب ہے:

آیت ۴۳: وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ ٱلتَّوْرَىٰةُ فِيهَا حُكْمُ ٱللَّهِ (اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے) اس آیت میں ان کے آپ ﷺ کی تحکیم پر راضی ہونے پر تعجب کا اظہار کیا گیا۔ حالانکہ وہ آپ کی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور نہ آپ پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم خود ان کی کتاب میں موجود ہے جس کو ماننے کے وہ دعویدار ہیں۔ فِيهَا حُكْمُ ٱللَّهِ یہ تورات سے حال ہے۔ التوراۃ مبتدا اور عندھم خبر ہے ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ (پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں) اس کا عطف یحکمونک پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے ثم یعرضون من بعد تحکیمك الموافق لما فی کتابھم لا یرضون به (پھر وہ آپ کے فیصلے کے بعد اعراض کرتے ہیں۔ جو فیصلہ ان کی اپنی کتاب کے فیصلے کے مطابق ہے۔ اور وہ فیصلے پر راضی نہیں ہوتے) وَمَآ أُو۟لَٰٓئِكَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ (وہ آپ پر ایمان لانے والے نہیں) یا اپنی کتاب پر بھی ایمان لانے والے نہیں۔ جیسا کہ ان کو دعویٰ ہے۔

تورات ہدایت و نور ہے:

آیت ۴۴: إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى (ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی) ھُدًى یعنی حق کی طرف راہنما ہے وَنُورٌ (اور روشنی تھی) وہ کھول کر بیان کرتی ہے مبہم احکامات کو۔ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ (انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ

کے مطیع تھے حکم دیا کرتے تھے) اسلموا کا معنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی جو تورات میں تھی یہ النَّبِيُّونَ کی صفت ہے جو ان کی مدح و توصیف کے لئے لائی گئی ہے اور اس کو لا کر یہود پر تعریض کی گئی کیونکہ وہ ملت اسلامیہ سے بہت دور تھے۔ جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔ لِلَّذِينَ هَادُوا (اس کے موافق یہودیوں کو) ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر میں اتباع کی للذین میں لام یحکم سے متعلق ہے۔

اعتقاد کے باوجود فیصلہ حق کے خلاف فسق ہے:

اور وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ (اور اہل اللہ اور علماء بھی) یہ النبیون کے معطوف ہیں۔ الربانی کا معنی ہے زاہد۔ اور احبار کا معنی علماء ہے۔ بِمَا اسْتُحْفِظُوا (جس کا ان کو امین بنایا گیا تھا) مِنْ كِتَابِ: یہ بھی جائز ہے کہ یہ یحکم بھا میں ھا ضمیر سے بدل ہو۔ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ (اللہ کی کتاب کا) یہ من بیانیہ ہے اور استحفظوا کی ضمیر انبیاء اور ربانیین اور احبار تمام کی طرف لوٹتی ہے۔ اور استحفاظ من اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی حفاظت کا مکلف اور ذمہ دار بنایا۔ یا ضمیر صرف الربانیون اور احبار کی طرف لوٹائی جائے اور استحفاظ انبیاء کی طرف سے ہو۔ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (وہ اس پر نگران تھے) تاکہ اس کو بدلا نہ جائے۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ (پس تم بھی لوگوں سے مت ڈرو) حکام کو اس آیت میں منع کیا گیا کہ وہ اپنے فیصلوں میں غیر اللہ سے نہ ڈریں۔ اور اس کے خلاف جوری کریں جیسے ان کو حکم دیا گیا۔ جیسا ظالم بادشاہ سے ڈر کر انصاف سے رک جائیں۔ یا کسی کی اذیت کے خوف سے حق ترک کر دیں۔ وَاخْشَوْنِ (اور میرے حکم کی مخالفت میں مجھ سے ڈرو) قراءت: سہل نے دونوں کو یاء سے پڑھا ہے۔ خواہ حالت وقف ہو یا وصل دونوں میں۔ ابو عمرو نے وصل میں ان کا ساتھ دیا ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي (اور نہ لو میرے احکام کے بدلے میں) یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور آیات کے بدلے میں ثَمَنًا قَلِيلًا (تھوڑی قیمت) سے مراد رشوت اور مرتبہ چاہنے کے لئے رقم لینا۔ اور لوگوں کو خوش کرنے کیلئے۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرے) جس نے بما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا اس کی تحقیر کرتے ہوئے۔ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (وہ ایسے کافر ہیں)۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے انکار کرتے ہوئے ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا۔ وہ کافر ہے اگر حکم تو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ اس کے مطابق نہ دیا تو وہ فاسق ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت یہود اور غیر یہود تمام کے حق میں عام ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ

اور ہم نے ان پر توریت میں لکھ دیا کہ جان جان کے بدلے اور آنکھ آنکھ کے بدلے اور ناک ناک کے بدلے

بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن

اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور زخموں کا بدلہ ہے۔ سو جو شخص

تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ

معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا

فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ابْنِ

سو یہی لوگ ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ الْإِنجِيلَ

کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی توریت اور ہم نے ان کو انجیل دی

فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَىٰةِ وَهُدًى

جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو ان کے سامنے تھی یعنی توریت اور وہ تقویٰ اختیار

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ

کرنے والوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت! اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے

اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الْفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾

نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔"

یہود میں قصاص کی اصل نوعیت:

آیت ۴۵: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ (ہم نے یہود پر فرض کر دیا جو حکم تورات میں تھا) أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (یعنی نفس قاتل کا مواخذہ ہو گا نفس مقتول کے بدلے میں) جو کہ اس نے ناحق قتل کیا ہے۔ وَالْعَيْنَ (پھوڑی ہوئی آنکھ) بِالْعَيْنِ (بدلے آنکھ کے) وَالْأَنفَ (ناک کٹا ہوا) بِالْأَنفِ (بدلے ناک کے) وَالْأُذُنَ (کان کٹا ہوا) بِالْأُذُنِ (بدلے کان کے) وَالسِّنَّ (دانت اکھاڑا ہوا) بِالسِّنِّ (بدلے دانت کے) وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ (زخموں کا بدلہ جو قصاص والے ہوں) یعنی قصاص کی صورت ممکن ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کرتے تھے پس یہ آیت اتری اور ان النفس بالنفس۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے

کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور آزاد کو بدلے غلام کے۔

قراءت: نافع٬ عاصم٬ حمزہ نے تمام معطوفات کو اَنَّ کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ اور علی نے بکل ان النفس پر عطف کر کے رفع دیا ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ان پر لکھ دیا ہے جان کے بدلے جان۔ اجراء لکتبنا مجری قلنا۔

باقی نے تمام کو نصب اور مجروح کو رفع اور الاذن سکون ذال کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ نافع اور باقی نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اذن یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے السُّحْتُ وَ السُّحُتُ کی طرح فَمَنْ تَصَدَّقَ (جس نے صدقہ کر دیا) اصحاب حق میں سے بطور (قصاص کو) اور اس کو معاف کر دیا۔ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گا) یعنی صدقہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کے احسان کے بدلے کفارہ گناہ بن جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من تصدق بدم فما دونه كان كفارة له من يوم ولدته امه (درمنثور) جس نے دم کو یا اس سے کم کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے ان تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے گا جو آج تک اس سے ہوئے۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (جس نے ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا پس وہی ظالم ہے) کیونکہ وہ اس کا حکم ماننے سے رک گئے۔

انجیل میں بھی ہدایت و روشنی اُتاری:

آیت ۴۶: وَقَفَّيْنَا (اور ہم نے ان کے پیچھے بھیجا) قفيت الشيء بالشيء کا معنی پیچھے بھیجنا۔ گویا اس کی گدی میں رکھ دیا۔ القفا یقفلو کہتے ہیں جب وہ اس کا پیچھا کرے۔ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ (ان کے نشانات پر) انبیاء کے نشانات پر ان لوگوں کو جنہوں نے فرمانبرداری کی۔ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا (عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والے ہیں) یہ عیسیٰ بن مریم سے حال ہے۔ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ (اپنے سے قبل تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضاحت تھی اور وہ اپنے سے قبل کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی تھی) مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت و روشنی ثابت تھی اور وہ مصدق تھی۔ نحو: مصدقا اس ثابت کے متعلق ہے جس کے ساتھ فیہ لگتا ہے۔ اور فیہ اس کے قائم مقام ہے۔ هدی ونور مرفوع ہیں جیسا کہ فاعل جس کے قائم مقام ہے۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً (اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی) یہ دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ یعنی ہادیا اور واعظا کے معنی میں ہیں۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ (پرہیزگاروں کے لئے) کیونکہ وہ اس سے نفع اٹھانے والے ہیں۔

آیت ۴۷: وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ (اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اسکے موافق حکم کیا کریں) یعنی جو کچھ بھی حکم کے موافق فیصلہ کریں۔ لیحکم میں لام امر ہے اور اصل میں مکسور ہے۔

قراءت: حمزہ نے لام کے کسرہ اور میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بناء پر کہ یہ لام کی ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ وقفينا ليؤمنوا وليحكم ہم نے ان کے پیچھے بھیجا تاکہ وہ ایمان لائیں۔ اور تاکہ وہ فیصلہ کریں۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل نافرمانی کرنے والے ہیں) اور حق کا معنی اطاعت سے نکلنے والا۔

وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اتاری وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ

اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے سو آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو حق آپ کے پاس

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ

آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے

وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ ءَاتَىٰكُمْ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو ان کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا

فَٱسْتَبِقُوا۟ ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ

سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، سو وہ ان باتوں کے بارے میں تم کو باخبر فرمائے گا جن میں

تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ

تم اختلاف رکھتے تھے اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں

وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟

اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹا دیں۔ سو اگر وہ روگردانی کریں

فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

تو آپ جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے

ٱلنَّاسِ لَفَٰسِقُونَ ﴿٤٩﴾ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ

ایسے ہیں جو نافرمان ہیں کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ سے بڑھ

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لیے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔"

ظالم، فاسق، کافر کی وضاحت:

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا۔ کہ تینوں میں شدید انکار پر محمول کیا جائے۔ پس وہ کافر ظالم فاسق ہوگا۔ کیونکہ مطلق فاسق اور مطلق ظالم تو کافر ہی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے بھی بما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا منکر ہے اور اس کے حکم میں ظلم و زیادتی کرنے والا اور اپنے قول میں شریعت سے نکلنے والا ہے۔

آیت ۴۸: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ (اور ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری) یعنی قرآن کو۔ اور اس کے الکتاب میں الف لام عہد خارجی کیلئے ہے بِالْحَقِّ (حق کے سبب) اور اس کے اثبات کی وجہ سے اور درست کو خطاء سے واضح کرنے کے لئے مُصَدِّقًا (تصدیق کرتی ہے) یہ کتاب سے حال ہے۔

بین یدیہ کا استعمال:

لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (اس سے پہلے جو ہیں) بین یدیہ سے مراد جو اس سے پہلے اتری ہے اور جو کسی چیز سے قبل ہوتی ہے اس کو بین یدی کہہ دیتے ہیں کیونکہ جو کسی چیز سے مؤخر ہو اس کو خلف و وراء بولتے ہیں پس جو اس سے پہلے ہوتی تو وہ قدام اور بین یدی کہلائے گی مِنَ الْكِتٰبِ (کتابیں) یہاں کتاب سے مراد جنس کتب منزلہ ہیں کیونکہ قرآن مجید تمام کتابوں کا مصدق ہے پس حرف تعریف اس میں جنس کے لیے ہے اور تصدیق کتب کا مطلب یہ ہے کہ توحید و عبادات میں موافقت جیسا کہ اس آیت میں ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون۔ الانبیاء ۲۵۔ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (اور اس پر نگہبان ہے) شاہد ہے کیونکہ وہ اس کی صحت و ثبوت کی گواہی دیتا ہے۔

قرآن پر فیصلے کے حکم کے بعد فائدہ کا تذکرہ:

فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (پس آپ ان کے درمیان بما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرو) بما انزل اللہ سے مراد قرآن ہے۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو۔ اس کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس حق آچکا) پس میں ان کی تحریفات کے مطابق فیصلہ کرنے سے منع کیا اور جو انہوں نے بدلا تھا ان کی بات پر اعتبار کرنے کا۔ اور لا تتبع اپنے اندر لا تنحرف کا معنی بھی رکھتا ہے۔ اس لیے تو اس کو عن سے متعدی کیا گیا گویا اس طرح فرمایا کہ لا تنحرف عما جاءک من الحق متبعا اھواءھم آپ اس حق سے جو آپ کے پاس آچکا انحراف نہ کریں۔ ان کی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا پھر تقدیر عبارت یہ ہو عادلا عما جاءک اس سے عدول کرتے ہوئے جو آپ کے پاس آچکا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ (ہر ایک کے لئے تم میں سے اے لوگو ہم نے بنائی) شِرْعَةً (ایک شریعت) وَّمِنْهَاجًا (اور واضح طریق)۔

شرائع سابقہ کا حکم:

اس آیت سے ان لوگوں نے دلیل پیش کی جو کہتے ہیں کہ ہم سے قبل شرائع ہمارے لئے قابل عمل نہیں۔ کذا فی البصاری۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جو احکام ہیں اور ان کے نسخ کا اعلان ہماری شریعت نہیں کرتی بلکہ نقل کرتی ہے اس پر

عمل بھی عموم ہم پر بھی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتارنے کا ذکر کیا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتارنے کا ذکر کیا۔ پھر حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید اتارنے کا ذکر کیا۔ اور واضح کر دیا کہ فقط اس کا سننا ہی کافی نہیں۔ بلکہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ شروع میں فرمایا یحکم بها النبیون اور ثانی میں فرمایا ولیحکم اهل الانجیل اور تیسرے میں فرمایا فاحکم بینهم بما انزل الله ۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت میں کر دیتے) یعنی ایک متفق جماعت جو ایک ہی شریعت پر ہو۔ وَّلٰكِنْ لیکن اس نے ارادہ فرمایا۔ لِّيَبْلُوَكُمْ (تا کہ تم سب کا امتحان کر لے) تا کہ تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والا معاملہ کرے۔ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (ان میں جو تمہیں مختلف شرائع ملی ہیں) کون ہدایت عبادات کرے جو حکمت تقاضا کرے۔

بھلائی فوت ہونے سے پہلے اپناؤ:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (تو مفید باتوں کی طرف دوڑو) تم بھلائی کے مواقع میں بڑھ کر حصہ لو۔ اس میں جلدی کرو اور ان کو فوت ہونے سے قبل انجام دو۔ الخیرات سے مراد ہر وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ (تم نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے استباق خیرات کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جَمِيْعًا یہ ضمیر کم جو کہ مجرور ہے اس سے حال ہے اور اس کا عامل مصدر مضاف ہے کیونکہ وہ مصدر الیه لرجعون کے حکم میں ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے) اور وہ مطلع فرمائیں گے جس کے ہوتے ہوئے تم اس جزا میں سامنا کر سکو گے۔ جو سچے اور جھوٹے عامل اور عمل میں کوتاہی کرنے والے کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔

فتنہ پردازوں سے محتاط رہیں:

آیت ۴۹: وَاَنِ احْكُمْ (اور آپ فیصلہ فرمائیں) یہ بالحق پر معطوف ہے یعنی و انزلنا الیك الكتاب بالحق وبان احكم اور ہم نے تمہاری طرف کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ اتارا کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ (ان کے مابین وہی حکم کریں جو کتاب کے موافق جو اللہ تعالیٰ نے اتاری۔ اور ان کی خواہشات پر عمل نہ کریں اور محتاط رہیں ان کے فتنہ میں مبتلا کرنے سے) یفتنوك کا معنی وہ تمہیں پھیر دیں یہ مفعول لہ ہے یعنی مخافة ان یفتنوك اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

مَسْئَلَہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان سے خطرہ بتلایا حالانکہ رسول ﷺ مامون و محفوظ ہیں۔ یہود کی طمع کو ختم کرنے کے لئے۔ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا (کسی حکم کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں) اگر وہ بما انزل الله کے مطابق فیصلے سے منہ موڑیں اور بات کا ارادہ کریں۔

بعض گناہ شدید مہلک:

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ (تو یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعض جرموں

پر ان کو سزا دیں) ذنوب سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ موڑنے کا گناہ اور اس کی مخالفت کا ارادہ کرنے کا گناہ ہے یہاں بعض ذنوبھم کو اس جگہ لائے۔ یہ ابہام منہ موڑنے کی بدحالی ظاہر کرنے کے لئے ہے اور گناہ کا بڑا ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ بعض گناہ انتہائی ہلاک کن ہیں تو تمام گناہوں کا کیا حال ہوگا۔ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ (بہت لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلنے والے ہیں)

تمام کفر ایک ملت ہے:

آیت ۵۰: أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ (یہ لوگ کیا زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں) یبغون یہ یطلبون کے معنی میں ہے۔

قراءت: شامی نے تبغون پڑھا ہے اس میں تاء ضمیر کو خطاب کیا گیا کیونکہ وہ بنو قریظہ پر اپنی فضیلت جتلاتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا القتلی سواء۔ مقتول برابر ہیں تو نئی تقسیم کئے گئے ہم اس پر رضامند نہیں اس پر یہ آیت اتری حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی اپنے بعض لڑکوں کو بعض پر فضیلت دے (تقسیم وغیرہ میں) تو انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

نحوی تحقیق:

نحو: یبغون کی وجہ سے الحکم الجاھلیۃ منصوب ہے۔ وَمَنْ أَحْسَنُ (اور کون اچھا ہوگا) یہ مبتدا اور خبر ہے یہ استفہام ہے جو نفی کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہے لا احدٌ احسن۔ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا (اللہ تعالیٰ سے فیصلہ میں) یہ تمیز ہے۔ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے) اس میں لام بیانیہ ہے جیسا کہ ھیت لک سورۂ یوسف آیت ۲۳ میں لام۔ یعنی یہ خطاب اور استفہام یقین کرنے والی قوم کے لئے ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کہ واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عدل والا نہیں اور نہ اس سے بہتر کوئی حکم دینے والا ہے۔ بعض نے کہا کہ لام۔ یہاں عند کے معنی میں ہے کیونکہ یہ دونوں قریب المعنی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

کے دوست ہیں۔ اور جو کوئی شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے تو بلاشبہ وہ ان میں سے ہے۔ بے شک اللہ

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھسے

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ

جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے، سو قریب ہے کہ اللہ فتح کو

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۞

لے آئے گا یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو۔ پھر اس بات پر نادم ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۞

کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے۔

قرآن فقط سننا کافی نہیں اس پر عمل لازم ہے:

آیت ۵۱: دین کے دشمنوں سے موالات کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ (اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ) کہ ان کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے مددگار و معاون ہو اور ان سے نصرت و مودت طلب کرنے والے ہو اور ان سے موافقت اور اہل ایمان والوں جیسا میل جول اختیار کرنے والے ہو۔ پھر نہی کی وجہ اس ارشاد سے بتلائی بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں) کہ وہ سارے مل کر ایمان والوں کے دشمن ہیں اس میں دلیل ہے کہ تمام کفار ملت واحدہ ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (جو ان سے دوستی اختیار کرنے والا ہے وہ انہیں میں سے ہے) اور اس کا حکم انہی جیسا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختی کی گئی ہے اور دین کے خلاف

سے علیحدگی اختیار کرنے کو اجمالی ضروری و لازم قرار دے دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (ان ظالموں کی اللہ تعالیٰ راہنمائی نہیں فرماتے) جو کفار سے دوستی کر کے اپنے نفوس پر ظلم کر چکے ہوتے ہیں۔

منافق موالاتِ کفار میں تیز ہیں:

آیت ۵۲: فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (تم ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری دیکھو گے) یُّسَارِعُوْنَ (جلدی کرنے والے ہیں) نحو: یہ حال یا مفعول دوم ہے کیونکہ تریٰ سے آنکھ سے دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور دل سے دیکھنا بھی۔ فِیْھِمْ ان میں یعنی ان کفار کی مسلمانوں کے خلاف معاونت میں اور موالات میں جلدی کرنے والے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ وہ اپنے نفسوں میں کہتے ہیں یہ دل میں کہنا اس لئے مراد لیا کیونکہ علیٰ ما اسروا اسی آیت کے آخر میں آ رہا ہے ما اسروا قول نفسی ہی ہے۔ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ (ہمیں خطرہ ہے کہ کوئی حادثہ حالات کا ہمارے اوپر ہو جائے) فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دشمنوں پر اور ایمان والوں کو غلبہ دے دے۔ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ یا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے اسرار ظاہر کرنے کا حکم دے اور ان کے قتل کا آرڈر دے دے۔ فَیُصْبِحُوْا پھر منافق اس پر عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ جو اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں۔ نٰدِمِیْنَ شرمندہ ہونے والے ہیں یہ فیصبحوا کی خبر ہے۔

منافقین کی بدحالی:

آیت ۵۳: وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا یعنی ایمان والے۔ اس وقت ایک دوسرے کو کہیں گے۔

قراءت: بصری نے ان یاتی پر عطف کے طور پر یقول پڑھا ہے اور شامی اور حجازی نے یقول کو واؤ کے بغیر پڑھا ہے اس لئے کہ کہنے والے کا جواب ہے کہ مومن اس وقت کیا کہیں گے۔ تو جواب دیا یقول الذین اٰمنوا ایمان والے اس وقت یہ کہیں گے۔ اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ (یہی وہ پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہارے دوست ہیں اور کفار کے خلاف تمہارے معاون ہیں)

نحو: جھد ایمانھم یہ مصدر ہے جو حال کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ اس حال میں کہ وہ تمہاری قسموں کی پختگی میں خوب کوشش کرنے والے ہیں۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (ان کے وہ اعمال ضائع ہو گئے) جو انہوں نے ریاکاری اور شہرت کی خاطر کیے۔ یقین و عقد کی بنیاد پر نہیں کیے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اعمال حبط ہونے کی شہادت ہے اور ان کی بری حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ وہ دنیا و آخرت میں اہانت کے فوت ہونے اور دائمی سزا کی وجہ سے نقصان میں پڑ گئے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا

بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ

جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے،

يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ

وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا

ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ

فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔ تمہارا ولی بس اللہ

وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ

اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

وَهُمْ رَٰكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ

اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی شخص دوستی رکھے اللہ اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے سو بے شک

حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ ﴿۵۶﴾

اللہ کا گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے۔"

قتالِ مرتدین کی پیشگوئی خلافتِ شیخین کی حقانیت:

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (جو تم میں سے دین اسلام سے اپنی کفر کی طرف پھر جائیگا جس پر وہ پہلے تھا۔)

قراءت: مدنی اور شامی نے یرتدد پڑھا ہے۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ محبت سے مراد ان کے اعمال سے راضی ہونا اور ان کے ان اعمال پر ان کی تعریف کرنا ہے۔ یحبونہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس کی رضامندی کو ہر چیز پر ترجیح دینا ہے اس میں حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اس چیز کی اطلاع دی جو ہونے والا تھا وہ ہو کر رہا۔ نیز خلافت صدیقی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ انہوں نے مرتدین سے جہاد کیا۔ اور ان کی خلافت کے برحق ہونے اور خلافت فاروقی کا

لائے۔ کیونکہ جس سے موالات کا حکم دیا وہ ایک جماعت ہے اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے کہ اصل ولایت اللہ تعالیٰ کی ہے دوسروں کی ولایت دوستی تو تبعاً ہے۔ اگر اس طرح کہا جاتا انما اولیاؤکم اللہ ورسولہ تو کلام میں اصل و تبع کوئی نہ بنتا۔ نحو: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ الذین سے بدل ہے۔ یا ھم الذین سے مرفوع ہے یا منصوب ہے مدح کی وجہ سے وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اس کی واؤ اور وَهُمْ رٰكِعُوْنَ کی واؤ حالیہ ہے یعنی وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جبکہ وہ نماز میں رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری ان سے ایک سائل نے سوال کیا جبکہ وہ اپنی نماز میں حالت رکوع میں تھے تو آپ نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف پھینک دی گویا وہ خنصر کے متعلق بے تاب تھے۔ پس انہوں نے اس کے اتارنے میں عمل کثیر نہیں کیا جس سے نماز فاسد ہو۔ (مگر باہر کی بات سن کر جوابی عمل سے نماز کیسے قائم رہتی ہے فالعہم روایت خود محتاج ثبوت ہے مجہول الاسناد روایت ہے) جمع کا لفظ لایا گیا اگرچہ جب ایک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کے فعل کی اتباع کریں۔ تاکہ ان جیسا ثواب حاصل ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں صدقہ درست ہے اور فعل قلیل مفسد نماز نہیں ہے۔

آیت ۵۶: وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یتولی کا معنی دوست بنانا۔ یا دوست ہونا۔ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے۔ یعنی فانھم ھم الغالبون کی بجائے ان حزب اللّٰہ فرمایا۔ یا حزب سے رسول اللہ ﷺ اور مومن مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے ان سے دوستی اختیار کی تو اس نے اللہ کے لشکر سے دوستی کی۔ اور اس سے بھلائی طلب کی جو مغلوب نہیں ہوتا۔ الحزب کا معنی کسی پیش آنے والے کام کے لئے جو لوگ جمع ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ

[illegible]

لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

[illegible]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

[illegible]

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ

[illegible]

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

[illegible]

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ

[illegible]

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

[illegible]

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

[illegible]

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

[illegible]

موالاتِ کفار سے ممانعت:

آیت کے شانِ نزول: روایت میں ہے کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث نے کھلے طور پر اسلام قبول کیا۔ پھر منافقت اختیار کی۔ بعض مسلمانوں کی ان سے دوستی تھی تو یہ آیت اتری۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا یعنی وہ

تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور تماشہ بناتے ہیں۔ اور تم ان سے دوستی اختیار کرتے ہو۔ یہ کہاں تک درست ہے وہ تو اس قابل ہیں کہ ان کا سامنا بغض اور علیحدگی سے کیا جائے۔ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہ من بیانیہ ہے۔ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ پہلے کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ اس کا عطف الذین پر ہے۔ جو کہ منصوب ہے۔

قراءت: بصری، علی نے الکفارِ پڑھا ہے۔ اور الذین مجرور پر اس کا عطف قرار دیا۔ مطلب اس طرح ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی۔ اور کفار میں سے۔ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو کفار سے موالات کے سلسلے میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم سچے مؤمن ہو۔ کیونکہ سچا ایمان دشمنان دین کے ساتھ موالات سے روکتا ہے۔

اذان دلالت النص سے ثابت ہے:

آیت ۵۸: وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا وہ نماز یا اذان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ کیونکہ ان کا استہزاء اور کھیل بنانا بے وقوف اور جہلاء کے افعال میں سے ہے۔ گویا یہ لوگ عقل سے خالی ہیں۔

مَسْئَلَہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ اذان کتاب کی نص سے ثابت ہے۔

کیا اللہ پر ایمان باعث انتقام شے ہے:

آیت ۵۹: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ یعنی کیا تم ہمارا کچھ عیب نکالتے ہو ہماری اس بات کو عیب قرار دیتے ہو۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں۔ اور تمام نازل شدہ کتابوں کو ہم نے مانا ہے؟ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ اس کا عطف مجرور پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے ماتنقمون منا الا الایمان باللہ وما انزل وبان اکثرکم فاسقون۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم ہم سے اس لئے دشمنی کرتے ہو کیونکہ ہمارا اعتقاد اللہ تعالیٰ کی توحید انبیاء کی صداقت پر ہے اور تمہارا فسق ان باتوں میں ہماری مخالفت کی بنیاد پر ہے؟ اور یہ بھی درست ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہو۔ مطلب یہ ہوگا تم ہم سے انتقام نہیں لیتے مگر صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا۔ حالانکہ تمہاری اکثریت فاسقوں کی ہے۔

سزا کا حقدار وہ جو ملعون ہے:

آیت ۶۰: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مثوبۃ کا معنی ثواب ہے۔ اور یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگرچہ ثواب احسان کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن اس کو عقوبت کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا فرمایا فبشرھم بعذاب الیم (آل عمران۔ آیت ۲۱) کہ بشارت کو عذاب کے سلسلے میں بطور استہزاء استعمال کیا گیا ہے۔ یہود کا گمان تھا کہ مسلمان سزا پائیں گے تو ان کو جواباً کہا گیا۔ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہو وہ حقیقت میں سزا کا زیادہ مستحق ہے اس سزا کا جو تمہارے خیال کے مطابق اہل ایمان کو ملے گی۔ ذٰلِكَ یہ اس کی طرف اشارہ ہے یعنی اچھا ایمان سے زیادہ برا بدلے کے لحاظ سے جس پر تم ناراض ہوتے ہو مضاف کا حذف من سے پہلے لازماً ضروری ہے تقدیر عبارت یہ ہے بشر من اھل ذالک یا دین من لعنہ اللہ اس سے بھی زیادہ برا وہ ہے جو اس لعنت والا ہے یا اس کا دین برا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ بندر اور خنزیر بننے والے اصحاب سبت تھے۔ جبکہ خنزیر اہل مائدہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کافر ہوئے

وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ

اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے۔ اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے اور اللہ

أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْإِثْمِ

خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں۔ اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم

وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا

اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیوں نہیں

يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ

منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کھانے سے،

لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

وہ تھے یہ دونوں مسخ اصحاب سبت ہی کو پیش آئے۔ ان کے نوجوان بندر بنا دیئے گئے اور بوڑھے خنازیر بنا دیئے گئے۔ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ الطاغوت سے یہاں مراد ہے یا شیطان کیونکہ بچھڑے کی عبادت شیطانی تزئین سے تھی۔ اور اس کا عطف بھی من کے صلہ پر ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہے۔ و من عبد الطاغوت وہ جنہوں نے شیطان کی عبادت کی۔

قراءت: حمزہ نے عَبُدَ الطاغوت پڑھا ہے اس کو اسم قرار دیا ہے جو مبالغہ کے لئے وضع کیا گیا۔ جیسے کہتے ہیں رجل حذر و فطن وہ آدمی جو انتہائی ہوشیار اور فطین ہے۔ اس کا عطف القردة اور خنازیر پر ہے۔ یعنی جعل اللہ منہم عبد الطاغوت اللہ تعالیٰ نے ان میں شیطان کے پجاری بنا دیئے۔ اُولٰٓئِكَ مسخ شدہ ملعون شَرٌّ مَّكَانًا مکان کے لحاظ سے بدترین ہیں۔ یہاں شرارت کے لئے مکان ثابت کیا گیا۔ اس سے اہل شرارت کے لئے مبالغہ مقصود ہے۔ وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ وہ سیدھے راستے سے جو جنت کی طرف جانے والا ہے۔ بہت زیادہ دور ہٹنے والے ہیں۔

منافقانہ اسلام:

آیت ۶۱: یہ آیت یہود کے اس گروہ کے متعلق اتری جو آپ ﷺ کے پاس داخل ہوتا تو منافقت سے اسلام کا اظہار کرتا۔ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ باء حال کے لیے ہے مطلب یہ ہے وہ داخل ہوئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے اور وہ نکل گئے تو اس حال میں کہ وہ کافر تھے۔ تقدیر عبارت متلبسین بالکفر ہے کہ وہ داخل ہوئے اور نکلے

ہوئے مخصوص باتکلر تھے اسی لئے قد ماضی پر لایا گیا۔ تاکہ اس کو حال کے قریب کیا جاسکے۔ یہ قالوا امنا سے متعلق ہے۔ کہ کہتے زبان سے وہ ہیں اور حالت ان کی یہ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ۔ اور اللہ جانتا ہے جو نفاق وہ چھپاتے ہیں۔

قبائح یہود:

آیت ٦٢ : وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ منہم سے مراد یہود ہیں۔ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ اثم سے مراد یہاں جھوٹ ہے۔ وَالْعُدْوَانِ ظلم یا گناہ جو ان کے ساتھ خاص ہو۔ عدوان وہ گناہ جو ان سے دوسروں کی طرف تجاوز کر جائے۔ المسارعۃ فی الشئ جلدی سے کسی چیز کو کر گزرنا۔ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ سحت حرام کو کہتے ہیں۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ البتہ وہ بہت بری چیز ہے جو انہوں نے اختیار کی ہے۔

سب سے سخت آیت:

آیت ٦٣: لَوْلَا یہ حرف تحضیض ہے یعنی کیوں نہیں۔ يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ اس میں علماء کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ جبکہ پہلی آیت عام لوگوں کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ سخت آیت ہے اس لئے کہ نہی عن المنکر کے چھوڑنے والے کو منکرات کے مرتکب کے درجہ میں رکھ کر وعید سنائی گئی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا

اور یہودیوں نے کہا کہ خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ۔ انہیں کے ہاتھ بند ہوں اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت

قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ

کی گئی ۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ۔ وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے ۔ اور آپ کے رب کی طرف سے

كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا

جو آپ پر نازل کیا گیا وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا ۔ اور ہم نے ڈال دی

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا

ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک ۔ انہوں نے جب بھی لڑائی کی آگ جلائی

لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ

اللہ نے اسے بجھا دیا ۔ اور یہ لوگ زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں ۔ اور اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا

فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا

ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ۔ اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے ۔ اور اگر وہ قائم رکھتے

التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ

توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر

فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ

سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ۔ ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے ۔ اور ان میں بہت سے

مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

ایسے ہیں جو برے کام کرتے ہیں

بخیل کہہ کر اللہ کی توہین کا مرتکب یہودی:

آیت ۶۴: وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ روایت میں ہے کہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے جو ان پر وسعت کی تھی روک دی اور یہود سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اس تنگی میں یہودی نے کہا ید اللہ مغلولۃ کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے اس کی اس بات کو باقی یہود نے پسند کیا۔ اور اس کے ساتھ شرکت کی۔ غل الید و بسط الید یہ بخل و سخاوت سے مجاز ہیں جیسا دوسرے مقام پر فرمایا ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط (الاسراء۔۲۹) اسی سے متکلم کا مقصد ہاتھ کا ثابت کرنا نہیں ہوتا۔ اور نہ باندھا جانا اور کھلا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو اس بادشاہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جو اشارہ سے دیتا ہے اور روکتا ہے اور اگر کندھے تک ہاتھ کٹے والا کثیر عطیہ دے تو کہتے ہیں ما ابسط یدہ بالنوال اس کا ہاتھ عطیہ میں کتنا کھلا ہے (حالانکہ اس کا ظاہری ہاتھ تو کٹا ہوا ہے) اور ایسے مقام پر بھی استعمال ہوا۔ جہاں ہاتھ درست نہیں۔ کہا جاتا ہے بسط الیأس کفیہ فی صدری کہ خوف نے میری دونوں ہتھیلیاں میرے سینے میں کھول دیں۔ حالانکہ یاس معنوی چیز ہے۔ وہ ہتھیلیاں ثابت نہیں۔ جو شخص علم بیان سے واقف نہ ہو وہ اس جیسی آیات کی تاویل میں حیران رہ جاتا ہے۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ یہ ان کے متعلق بخل کی بددعا ہے اسی وجہ سے یہود مخلوق خدا میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ جہنم میں ان کو طوق پہنائے جائیں گے۔ گویا وہ تنگی سے بیڑیوں والے بن گئے۔

دونوں ہاتھ کا ذکر تردید بلیغ کیلئے:

سوال: ید اللہ مغلولۃ میں ایک ہاتھ کا ذکر کیا گیا تھا مگر بل یداہ مبسوطتان میں دو کا ذکر کیا گیا۔

جواب: تاکہ ان کے قول کی تردید انتہائی بلیغ انداز میں ہو جائے۔ اور جود و سخائے باری تعالیٰ میں زیادہ سے زیادہ دلالت کرے۔ اور اس کی ذات سے پورے طور پر بخل کی نفی ہو جائے۔ سخی کی انتہائی سخاوت میں دونوں ہاتھوں سے سخاوت کرتا ہے۔ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اس میں سخاوت کے وصف کی تاکید کی گئی۔ اور اس بات پر دلالت ہے کہ وہ جو بھی خرچ فرماتے ہیں وہ حکمت کا تقاضا ہے۔ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ ھم سے مراد یہود ہیں۔ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا یعنی حسد کی وجہ سے جب قرآن نازل ہوتا ہے تو ان کا انکار شدت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار ترقی کر لیتا ہے۔ اس آیت میں فعل کی اضافت سبب کی طرف کی گئی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے فزادتھم رجسا الی رجسھم (التوبہ۔۱۲۵)

یہود اسلام کو مٹانے کے لئے کوشاں ہیں:

وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ان کی بات ہمیشہ مختلف اور ان کے دل منتشر ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان اتفاق اور موافقت نہیں ہوتی۔ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ جب کبھی وہ کسی سے جنگ کا ارادہ کرتے ہیں تو مغلوب و مقہور کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد قائم نہیں ہوتی۔ جب اسلام آیا تو وہ اس

وقت مجوسیوں کی حکومت کے ماتحت تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب بھی وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرتے ہیں تو مغلوب ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ تم کسی شہر میں کسی یہودی کو پاؤ گے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل و خسیس ہوگا۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اور وہ اسلام کو شکست دینے کے لئے کوشاں ہیں۔ اور آپ ﷺ کا تذکرہ اپنی کتابوں سے مٹانے کے لئے دن رات سرگرداں ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتے۔

ایمان و تقویٰ سے سب گناہ دُھل سکتے ہیں:

آیت ۶۵: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا اگر اہل کتاب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ اس کو مان لیں باوجود ان تمام برائیوں کے جو ہم نے شمار کی ہیں۔ وَاتَّقَوْا اور اپنے ایمان کو تقویٰ سے ملاتے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو ان کی برائیوں کو ہم معاف کر دیتے وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ اور ان کو نعمتوں والے باغات میں مسلمانوں کے ساتھ داخل کرتے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور اگر وہ تورات وانجیل کے احکام کو قائم کرتے اور ان کی حدود کی پابندی کرتے اور ان میں جو رسول اللہ ﷺ کی تعریف ہے اس کو بتاتے۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور تمام منزلہ کتب کو بھی کیونکہ ان کو ان تمام کتابوں پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا تھا گویا وہ خود ان کی طرف اتری تھیں۔ بعض نے کہا کہ ما انزل سے مراد قرآن پاک ہے لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ تو وہ پھل کھاتے اپنے سروں کے اوپر سے۔ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اپنے پاؤں کے نیچے سے۔ یہ دراصل وسعت کی دلیل ہے جیسے کہتے ہیں فلان فی النعمة من فوقه الی قدمه یعنی وہ کشادگی رزق اور خوشحالی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وسعت رزق کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف ۹۶) ایک دوسری آیت میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۲-۳) سورۃ نوح میں فرمایا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا (نوح ۱۰)۔ وما بعدها من الآیات سورۃ جن میں فرمایا وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (الجن ۱۶) مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان میں سے ایک میانہ رو جماعت ہے جو عداوت رسول اللہ ﷺ میں میانہ روی اختیار کرنے والی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مؤمن گروہ ہے جو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر مشتمل تھا۔ اور اڑتالیس ۴۸ عیسائی بھی ان کے ساتھ تھے۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ اس میں تعجب کا معنی ہے گویا اس طرح فرمایا کہ ان کی اکثریت کا عمل کس قدر برا ہے دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اس سے کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی والے مراد ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے یہ نہ کیا

بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

تو آپ نے اللہ کا پیغام نہ پہنچایا، اور لوگوں سے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

راہ نہیں دکھائے گا۔"

بے خطر ہو کر اللہ کا پیغام پہنچائیے:

آیت ۶۷: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ما انزل سے مراد وہ تمام جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ کی طرف اتار دی گئی ہے اس کو دوسری طرف پہنچانے میں کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ اور نہ کسی خطرہ کی ضرورت ہے۔ کہ آپ کو اس سلسلہ میں تکلیف پہنچے گی۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ اگر وہ تمام آپ نے نہ پہنچایا جیسا میں نے آپ کو حکم دیا ہے۔ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ تو آپ نے اس وقت نہ پہنچایا اس چیز کو جس کا آپ کو ادائے رسالت کے سلسلے میں مکلف بنایا گیا ہو تو آپ نے گویا اس میں سے کوئی چیز بھی ادا نہیں کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ ادائیگی میں دوسرے سے افضل و اولیٰ نہیں (بلکہ سب یکساں ہیں) تو جب بعض کو ادا نہیں کیا تو گویا تمام کی ادائیگی میں غفلت برتی۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ جو دین کے بعض حصہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو تمام پر ایمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام ہی ایک ہی حکم میں ہے۔ کیونکہ وہ ساری ایک خطاب میں داخل ہے۔ اور ایک چیز پہنچائی ہوئی نہ پہنچائی ہوئی نہیں بن سکتی جس پر ایمان لانا بھی ہو اور ایمان نہ لانے والا بھی ہو۔

محققین کا قول:

یہ کلام بے فائدہ ہے۔ یہ کلام اس طرح ہے جیسے تم اپنے غلام کو کہو کل هذا الطعام فان لم تاكله فانك ما اكلته یعنی یہ کھانا کھا لو اگر تو نے نہ کھایا تو گویا تو نے اس میں سے کچھ نہ کھایا۔

پیغام پہنچانے کا مطلب:

جواب: یہ مستقبل میں پیغام رسالت کے پہنچانے کا حکم ہے یعنی تم مستقبل میں اس چیز کو پہنچاؤ جو آپ کی طرف اتاری گئی آپ ﷺ کے رب کی طرف سے اگر آپ نے مستقبل میں نہ پہنچایا تو گویا آپ نے رسالت کو بالکل نہیں پہنچایا۔ دوسرا قول یہ ہے اگر تم نے نہ پہنچایا تو آپ اس شخص کی طرح ہیں جس نے بالکل نہ پہنچایا۔ تیسرا قول یہ ہے آپ اس پیغام کو پہنچائیں کسی کا خوف کیے بغیر۔ اگر آپ نے اس وصف کے ساتھ نہ پہنچایا تو گویا آپ نے رسالت کو بالکل نہیں پہنچایا۔ پھر آپ کو حوصلہ دلانے کے لئے فرمایا۔ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ قتل سے آپ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ وہ اس پر قدرت نہ پائیں گے۔ اگرچہ

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی اور ضرور بالضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞

کفر کو وہ مضمون زیادہ کر دے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا سو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ۞ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ

غمگین ہوں گے۔ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف ہم نے

رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا

رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی خواہشوں کے موافق نہیں تو انہوں نے نبیوں کی ایک جماعت کو جھٹلا دیا

وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۞ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ

اور ایک جماعت کو قتل کر دیا اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اللہ نے ان پر توجہ فرمائی پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن

يَعْمَلُوْنَ ۞

کو وہ کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک احد کے دن زخمی ہوا اور آپ کا نچلا سامنے والا دانت مبارک شہید ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ان تکالیف کے پہنچنے کے بعد اتری ہیں۔ الناس سے مراد کفار ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی ان کے لئے ممکن نہ ہو سکے گا۔ جن کا وہ آپ کی ہلاکت کے سلسلے میں ارادہ باندھ رہے ہیں۔

یہود جب تک تورات پر نہ چلیں تو وہ کسی دین پر نہیں ہیں:

آیت ۶۸: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ تم کسی دین پر نہیں جو کسی شمار میں ہو۔ کہ اس کا نام چیز رکھا جا سکے۔ کیونکہ وہ باطل ہے (اس کا مطلب ہے کہ اس کو دیکھ کر کہا جائے کہ یہ کچھ بھی نہیں) حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وما انزل الیکم سے مراد قرآن ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا اس میں قرآن کی طرف اضافت طغیان و کفر کے اضافے کی بطور سبب کے ہے (کیونکہ وہ قرآن کے انکار و سرکشی میں بڑھتے ہیں) تو گویا بڑھنے کا سبب ہے فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ پس آپ ان پر افسوس نہ کریں۔ اس کا نقصان ان کی طرف لوٹے گا آپ کی طرف نہیں۔

آیت ۶۹: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بیشک جو لوگ ایمان لائے اپنی زبانوں سے حالانکہ وہ منافق ہیں۔ اور اس پر ان کی ایمان پر دوسری آیت دلالت کر رہی ہے۔ ولا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا امنا بافواههم ولم تؤمن قلوبهم۔ وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى اور وہ لوگ جو یہودی اور صابی اور نصرانی ہوئے۔ نحوی کہتے ہیں کہ الصابئون کا رفع ابتدا کی وجہ سے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اور مقصد اس سے یہ ہے کہ ان اور جو اس سے متعلق اسم و خبر ہے اس سے یہ مؤخر ہے گویا عبارت اس طرح ہے ان الذین امنوا والذین هادوا والنصاری مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ والصابئون كذلك۔ مطلب یہ ہے کہ من امن بالله واليوم الآخر فلا خوف علیهم کو مقدم کیا اور الصابئون کی خبر حذف کر دی۔ جیسا کہ اس شعر میں فمن یک امسی بالمدینة رحله۔ فانی وقیار بها لغریب مطلب یہ ہے فانی غریب وقیار كذلك غریب۔ لغریب کی لام دلالت کرتی ہے کہ یہ ان کی خبر ہے۔ ان اور اس کے اسم کے محل پر عطف کی وجہ سے مرفوع نہیں ہو سکتا۔ تم اس طرح نہیں کہہ سکتے۔ ان زیدا و عمرو منطلقان البتہ یہ بلاشبہ جائز ہے ان زیدا منطلق و عمرو۔

پس والصابئون اپنی محذوف خبر کے ساتھ جملہ معطوفہ ہے۔ جملہ ان الذین امنوا الخ۔ اور اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ جیسا کہ اس جملے کا کوئی محل اعراب نہیں جس پر اس کا عطف ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: یہ ہے کہ اس کو مقدم کیوں کیا؟

جواب: یہ ہے کہ اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ کہ صابی لوگوں کی توبہ قبول کر لی جائے گی اگر وہ صحیح طریقے سے ایمان لے آئیں۔ حالانکہ وہ ان تمام سے بڑھ کر گمراہ ہیں تو پھر ان کے علاوہ کی توبہ کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے؟ من امن یہ مبتدا کی

بچہ سے مرفوع ہے۔ اور اس کی خبر فلا خوف علیہم ہے۔ اور خبر پر فا اس لئے لائی گئی کیونکہ مبتدا میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے۔ پھر یہ مکمل جملہ جس طرح ان کی خبر ہے وہ ضمیر جو ان کے اسم کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح من آمن منہم۔

آیت ۷۰: لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے بنی اسرائیل سے توحید کا وعدہ لیا۔ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ان کی طرف رسول بھیجے تاکہ وہ ان کو ان چیزوں پر جو انہوں نے کرنی ہیں اور جو چھوڑنی ہیں ان کو واقف کریں۔ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ یہ جملہ شرطیہ ہے اور رسلًا کی صفت کے طور پر لائے اور ضمیر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے رسول منھم۔ رسول ان میں سے بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ جو کام ان کی خواہشات کے خلاف تھا اور شہوات سے متضاد تھا۔ جیسے سخت تکالیف اور شرائع پر عمل۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ دلالت کر رہا ہے گویا اس طرح کہا گیا کلما جاءھم رسول منھم ناصبوہ کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ان میں سے آیا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ فریقًا کذبوا۔

ایک سوال کا جواب:

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے جو قائل کے قول کا جواب ہے کہ انہوں نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو جواب دیا وہ قتل کرتے رہے۔ ماضی کی حالت کو مضارع سے تعبیر کیا۔ ان کے قتل کی شناعت کو بیان کرنے کے لئے۔ اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ قتل ان کی عادت جاریہ بن چکی تھی۔ فریقًا اور وفریقًا دونوں منصوب ہیں۔ اس لئے کہ یہ مقدم ہونے کے مفعول ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ تکذیب یہود و نصاریٰ میں مشترک پائی جاتی تھی۔ مگر قتل والا فعل یہود کے ساتھ خاص تھا۔ انہوں نے حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔

بنی اسرائیل کا شدید اندھا پن کہ قتل انبیاء جیسے جرم پر عذاب نہ ہونے کا یقین کر لیا:

آیت ۷۱: وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ۔ قراءت: حمزہ اور علی اور ابو عمرو نے کہا ہے کہ یہ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے اس کی اصل انہ لا تکون ہے۔ پس ان کو ان مخففہ سے بدل دیا اور ضمیر شان کو حذف کر دیا۔ حسبوا کو بمنزلہ علم کے رکھا گیا۔ کیونکہ وہ گمان ان کے دلوں میں نہایت پختہ تھا اس وجہ سے حسبان کے تعلق کو ان جو تحقیق کے لئے آتا ہے اس پر داخل کیا گیا۔ فتنۃ بلاء و عذاب مطلب یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے گمان کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل انبیاء پر کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح تکذیب رسل پر ان کو سزا نہ ملے گی۔ اور ان اور ان کے صلہ کو جو کہ مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہے دو مفعولوں کی جگہ رکھ دیا۔ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پس انہوں نے جو دیکھا اس پر عمل نہ کیا۔ اور جو سنا اس پر نہ چلے۔ دوسرا قول یہ ہے وہ سیدھے راستے سے اندھے ہو گئے اور وعظ و نصیحت سے بہرے ہو گئے۔ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ پھر اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق دی۔ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ کہ پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اکثر ان میں سے۔ نحو: یہ ضمیر سے بدل ہے یعنی واؤ سے اور یہ بدل البعض ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی اولئک کثیر منھم ایسے ان میں بہت ہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال معلوم ہیں۔ پس وہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ

کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے

فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی

وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ

معبود نہیں۔ اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو ان میں کفر پر جمے رہیں درد ناک

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٤﴾

عذاب پہنچ جائے گا۔ کیا وہ اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے۔ اور اللہ غفور ہے

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور ان کے مربوب ہونے میں فرق نہیں کیا:

آیت ۷۲: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ حضرت عیسیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مربوب بندے ہیں تا کہ یہ نصاریٰ کے خلاف دلیل بن جائے۔ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ بیشک جو شخص اس کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرے گا۔ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ کیونکہ وہ موحدین کا گھر ہے۔ یعنی اس میں ان کا داخلہ حرام ہے اور اس سے ان کو روک دیا۔ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ وَمَا لِلظَّالِمِينَ ظالم سے کافر مراد ہیں۔ مِنْ أَنْصَارٍ کوئی مددگار نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (یعنی ارشاد الٰہی) یا عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا حصہ ہے۔

الوہیت عیسیٰ کا عقیدہ بہرحال کفر ہے:

آیت ۷۳: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ یعنی الٰہوں میں تیسرا ہے۔

اشکال کا جواب:

ایک اشکال: اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ:١٧) اور دوسری آیت میں لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ دونوں آیتوں کا مفہوم مختلف معلوم ہوتا ہے۔ **جواب:** بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح بعینہٖ اللہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص پر تجلی ڈالتے ہیں۔ پس وہ اس وقت عیسیٰ کی صورت میں روشن ہوتا ہے۔ اسی لئے تو عیسیٰ کی شخصیت سے ایسے افعال ہوتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا گروہ نصاریٰ اس طرف گیا کہ الٰہ تین ہیں۔ اللہ، مریم اور مسیح۔ اور یہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے مریم سے (معاذ اللہ) وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ میں مِن استغراق کے لئے ہے۔ کہ کوئی بھی وجود میں نہیں آیا مگر وہ الٰہ جو وحدانیت سے موصوف ہے۔ اور اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس ارشاد میں۔ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ میں مِن کی وضاحت کے لئے ہے جو فاجتنبوا الرجس من الاوثان (حج آیت ٣٠) میں ہے یہاں لیمسنھم نہیں فرمایا۔ بلکہ مضمر کی بجائے ظاہر کو لا کر ان کے متعلق کفر کی گواہی کو صریح ثابت کر دیا۔ یا مِن تبعیض کے لئے ہے یعنی ضرور ان لوگوں کو عذاب پہنچے گا۔ جو ان میں سے کفر پر باقی رہیں گے۔ کیونکہ بہت سے ان میں سے نصرانیت سے تائب ہو گئے۔ عَذَابٌ أَلِيمٌ ان کے لئے عذاب کی شدید قسم ہوگی۔

اصرار کفر پر تعجب:

آیت ٧٤: أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وہ کیوں توبہ نہیں کرتے اس کے بعد کہ ان کے متعلق کفر پر وہ بری گواہی لگی۔ درحقیقت یہ سخت وعید ہے۔ ان کی اس حالت پر جس پر وہ تھے۔ اور اس میں ان کے اپنے کفر پر اصرار کرنے پر تعجب کیا گیا۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توبہ کرنے پر بخش دیں گے۔ اور دوسروں کو بھی۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے اس سے پہلے رسول

الرُّسُلُ ۖ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۖ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

گزر چکے ہیں اور ان کی ماں ولی ہے۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھئے ہم کیسے ان کے لیے واضح

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بیان کرتے ہیں آیات۔ پھر دیکھئے کہ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی

مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی

اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ

خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے

السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

بھٹک گئے۔"

آیت ۷۵: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ اس میں مسیح علیہ السلام سے الوہیت کی نفی ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ان سے پہلے رسول گزرے۔ یہ رسول کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ نہیں ہیں مگر ایک رسول ان رسولوں کی جنس سے جو ان سے پہلے ہو گزرے۔ اور باقی رہا ان کا اللہ کے حکم سے ابرص کو درست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا۔ وہ خود ان کی اپنی جانب سے نہ تھا۔

مسیح رسول ہیں ان کے معجزات اللہ جل شانہ کی طرف سے ہیں:

کیونکہ وہ خود معبود نہ تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر اندھوں کوڑھیوں کو درست کیا اور مردوں کو زندہ کیا۔ جیسا کہ لاٹھی کو زندہ کر کے موسیٰ کے ہاتھ پر دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا گیا۔ اور بغیر باپ کے ان کی پیدائش وہ آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ جن کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا۔ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ان کی ماں ایک عورت ہی تھی۔ جو دوسری عورتوں کی طرح انبیاء کی تصدیق کرنے والی

اور ان پر ایمان لانے والی تھی۔

صدیقہ کی وجہ

ان کو صدیقہ اس لئے فرمایا کیونکہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ وصدقت بکلمات ربہا وکتبہ (التحریم۔ آیت ۱۲) پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے اس (معبودیت والی) بات سے دور قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ابطال الوہیت مسیح کی عام عقلی دلیل:

کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ کیونکہ جو کھانے سے غذا کا محتاج ہے اور پھر جو کھانے کے بعد ہضم اور ان کا فضلہ بنا کر پھینکتا وہ اس جسم کا کام ہے جو گوشت اور ہڈیوں اور اعصاب و عروق وغیر ذلک سب چیزوں پر مشتمل ہے۔ جو اس بات پر کھلی دلالت ہے کہ وہ بنائے گئے اور مختلف چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ جیسا کہ دوسرے اجسام۔ اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ غور تو فرمائیں کہ ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کر رہے ہیں۔ یعنی ان کے قول کے باطل ہونے پر ظاہر دلائل دے رہے ہیں۔ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ پھر دیکھو اس حق کے سننے سے کس طرح پھرتے ہیں۔ اور اس پر غور سے کس طرح بچتے ہیں۔ اس میں ان پر تعجب کا اظہار کیا گیا۔ کہ وہ رب اور مربوب کے درمیان فرق کرنے سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ذرہ بھر نفع و نقصان پر قدرت نہ رکھنے والا قادر مطلق کیسے بن گیا:

آیت ۷۶: قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ (کیا تم اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہو جو ذرہ بھر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے) من دون اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جو تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت نہ رکھتی ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بلاء و مصائب تمہارے نفس و اموال میں اتارتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ چیزیں جو تمہیں نفع دے سکیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ بدن میں صحت اور وسعت رزق اور خوشحالی عنایت فرماتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ انسان جس نفع و نقصان کی طاقت رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے گویا کہ انسان کو اس پر بھی ذرہ بھر اختیار نہیں۔ اور یہ قطعی دلیل ہے کہ ان کا معاملہ ربوبیت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ ان کو اس طرح قرار دیا۔ کہ وہ ذرہ بھر نفع و نقصان کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ربوبیت کی صفت تو یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی مقدور اس کی قدرت سے نکل نہیں سکتا۔ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یہ اتعبدون سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ اور

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ

کی زبان پر۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے

عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا۔ واللہ برے تھے وہ افعال جو وہ کرتے تھے۔ تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ

کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا، واللہ برے ہیں وہ اعمال جو ان کی جانوں نے آگے بھیجے یہ کہ

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

ان پر غصہ ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اور اگر وہ ایمان رکھتے اللہ پر اور نبی پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور اس پر جو اتارا گیا ہے ان کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن بہت سے لوگ ان میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں۔

اس سے ڈرتے نہیں ہو۔ حالانکہ وہ تمہاری تمام باتوں کو سننے والا اور تمہارے تمام اعتقادات کا علم رکھنے والا ہے۔

اہل کتاب کو غلو کی ممانعت:

آیت ۷۷: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ (اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو) غلو حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ ان کو ان کے مرتبے سے اٹھا کر الوہیت کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ اور یہود کا غلو یہ تھا کہ ان کو استحقاق نبوت سے ہی گرا دیا۔ غَيْرَ الْحَقِّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے غلوا غیر الحق یعنی باطل غلو۔ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ یعنی تمہارے وہ اسلاف اور وہ مقتدا جو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گمراہی پر تھے۔ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا ان کو جو ان کا ساتھ دینے والے تھے۔ وَّضَلُّوْا گمراہ ہوئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو جھٹلا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔

بنی اسرائیل کا مستحق لعنت ٹھہرنا:

آیت ۷۸: لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ کہا جاتا ہے کہ جب ایلہ کے لوگوں نے ہفتہ کے سلسلہ میں حد سے تجاوز کیا۔ تو داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اللھم العنھم واجعلھم آیۃ۔ اے اللہ تو ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت کا نشان بنا دے۔ اس پر ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا۔ اور جب عیسیٰ کے ساتھیوں نے مائدہ کے بعد کفر اختیار کیا تو عیسیٰ نے ان الفاظ میں دعا کی اللھم عذب من کفر بعد ما اکل من المائدۃ عذابًا لم تعذبہ احدًا من العالمین۔ والعنھم کما لعنت اصحاب السبت۔ اے اللہ ان کو عذاب دے جنہوں نے مائدہ کو کھانے کے بعد کفر کیا ہے ایسا عذاب جو جہان میں کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور ان پر ایسی لعنت کر جس طرح ہفتہ والوں پر لعنت کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو خنزیر بنا دیا۔ ان کی تعداد پانچ ہزار مرد تھی۔ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ لعنت کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نافرمانی کی۔ اور وہ اس میں حد سے گزرنے والے تھے۔

منکر پر ترک ممانعت اعتداء ہے:

آیت ۷۹: پھر ان کی معصیت اور اعتداء کی وضاحت کی۔ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ (کہ وہ ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے)۔ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (اس برائی سے جو وہ کرتے تھے)۔ آیت میں منکر کی صفت فعلوہ سے کی ہے۔ حالانکہ فعل کے بعد تو نہی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اس برائی کے بار بار کرنے سے وہ باز نہیں رہتے تھے۔ جس کو ایک دفعہ کر لیتے یا اس برائی کی مثل وہ دوسرے کام کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ جس برائی کو اختیار کرتے یا جس منکر کے کرنے کا ارادہ کرتے اس کے کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ یا مراد یہ ہے اس منکر سے نہ روکتے تھے جس کو کر لیتے بلکہ ایسی برائی پر اصرار کرتے۔ کہا جاتا ہے فلان تناھی من الامر وانتھی عنہ جبکہ وہ اس سے باز آجائے اور اس کو چھوڑ دے۔ پھر ان کی بداعمالیوں سے تعجب کیا اور اس کو قسم سے مؤکد کر دیا یہ فرما کر لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ کہ وہ البتہ بہت برے کام کرتے تھے۔ مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ منکر پر ممانعت کو چھوڑ دینا گناہ ہے۔ افسوس اس وقت کے مسلمانوں پر جنہوں نے اس بات کو بالکل چھوڑ دیا۔

کفار کی دوستی غضب الٰہی کا سبب ہے:

آیت ۸۰: تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (ان میں اکثریت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی اختیار کرنے والے ہیں) مراد منافقین اہل کتاب ہیں جو کہ مشرکین سے دوستی اور میل جول رکھتے تھے۔ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (بہت بری ہے وہ چیز جس کو انہوں نے اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجا ہے اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو گئے۔

مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا۔ قسیسین سے مراد علماء اور رہبان سے مراد عباد ہیں۔ وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ نصاریٰ کے نرمی والے پہلو کی علت بیان فرمائی۔ اور مسلمانوں کے ساتھ قریبی موافقت کی وجہ بتائی کہ ان میں علماء اور عباد ہیں ان میں عاجزی ہے اور یہود اس کا الٹ ہیں۔

مَسْئَلَہ: اس میں دلیل ہے کہ علم انتہائی مفید چیز ہے جو خیر کی طرف راہنما ہے۔ اگرچہ وہ علم علماء نصاریٰ کا ہی ہو اور اسی طرح آخرت کا علم اگرچہ وہ کسی راہب میں ہو۔ اور تکبر سے برأت کا ذریعہ ہے خواہ وہ کسی نصرانی میں ہو۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ

اور جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے

الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ

بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے

الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ

جو تصدیق کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں

أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا

کہ داخل فرمائے ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ سو اللہ نے ان کے قول کی وجہ سے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ

ایسے باغ ثواب میں دے دیئے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اچھے کام

الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

کرنے والوں کا بدلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ

الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾

والے ہیں۔

رقتِ قلب میں حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ اور وفدِ نجاشی کی تعریف:

آیت ۸۳: وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ اس میں رقتِ قلب سے نصاریٰ کی تعریف کی۔ اور یہ بیان کیا کہ وہ قرآن سن کر روتے ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہا۔ جب اس کی مجلس میں مہاجرین اور مشرکین جمع ہوئے اور مسلمان قرآن پڑھتے تھے۔ کہ تمہاری کتاب میں مریم علیہا السلام کا تذکرہ ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں ایک سورت ایسی ہے جس کا نام ان کے نام پر ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آیت ۳۴ تک اور سورۂ طٰہٰ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ آیت ۹ تک پڑھ کر سنائی تو نجاشی رو پڑا۔ اسی طرح اس کے ان لوگوں کو پیش آیا جو وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ ان کی تعداد ستر افراد پر مشتمل تھی۔ جب ان پر سورۂ یٰسین پڑھی گئی تو وہ رو پڑے تفیض من الدمع ان کی آنکھیں آنسوؤں سے پر ہیں

یہاں تک کہ بہہ پڑیں۔ کیونکہ برتن کا بہنا اس کے بھر جانے کے بعد ہوتا ہے یا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کے جوانب میں جو کچھ ہے اس کا علم ہو جائے۔ پس بہہ جانا جو بھرنے کے بعد ہوتا ہے بہہ جانے کے قائم مقام رکھا۔ یا ان کے رونے کے وصف میں مبالغہ مقصود ہے۔ پس ان کی آنکھوں کو اس طرح قرار دیا گویا بذات خود بہہ رہی ہیں یعنی رونے کی وجہ سے بہہ رہی ہیں۔ مما عرفوا میں من ابتدائے غایت کیلئے ہے۔ کہ یہ آنسو بہانا ابتداءً ہے۔ اور حق کی پہچان کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی کی وجہ سے ہے۔ اور من الحق میں من۔ ما عرفوا کے موصول ہونے کی وضاحت کے لئے ہے۔ یا یہ بھی تبعیض ہے اس طرح کہ انہوں نے حق کو پہچانا۔ جس نے ان کو رلا دیا۔ پس ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ حق کو مکمل پہچان لیتے۔ اور قرآن مجید پڑھتے اور سنت کی پیروی کرتے۔ یَقُوْلُوْنَ۔ عرفوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا اے ہمارے رب ہم محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ مراد اس سے اقرار ایمان اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ شاھدین سے مراد امت محمد ﷺ ہیں جو کہ تمام امتوں پر قیامت کے دن گواہ ہونگے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے لتکونوا شھداء علی الناس (البقرہ۔ آیت ۱۴۳) انہوں نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ انجیل میں انہوں نے اس امت کا تذکرہ اس طرح پایا۔

اللہ کے انعام کی طمع موجباتِ ایمان سے ہے:

آیت ۸۴: وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ایمان نہ لانے پر انکار اور استبعاد کا اظہار ہے۔ کہ آخر ہم ایمان قبول کیوں نہ کریں جبکہ موجبات ایمان موجود ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی طمع ہے جو نیک لوگوں کی صحبت سے ان کو میسر آئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ اپنے علاقے میں لوٹ کر گئے تو ان کی قوم نے ان کو ملامت کی تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ وما لنا لا نؤمن یہ مبتداء اور خبر ہے اور لا نؤمن اس کا حال ہے یعنی غیر مؤمنین جیسے کہتے ہیں مالک قائما تو کیوں کھڑا ہے۔ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ اس سبب سے کہ ہمارے پاس حق آچکا۔ یعنی محمد ﷺ اور قرآن کی صورت میں۔ وَنَطْمَعُ۔ یہ لا نؤمن کی ضمیر سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی و نحن نطمع حالانکہ ہم طمع رکھتے ہیں۔ کہ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا کہ ہمارا رب ہمیں جنت میں داخل کر دے۔ مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ انبیاء اور مومنوں کے ساتھ۔

آیت ۸۵: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا قول سے ربنا آمنا مراد ہے اور اس کی تصدیق جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ہے۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ اقرار ایمان میں داخل ہے جیسا کہ فقہاء کا مذہب ہے۔

فرقہ کرامیہ کے قول کی تردید:

کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف قول کا نام ہے۔ اور دلیل میں بما قالوا کو پیش کیا۔ مگر آنسو بہانے سے جو ایمان کی تعریف کی گئی ہے اور سیاق میں احسان کے ساتھ وہ ان کے قول کی تردید کر رہی ہے۔ غور تو کرو۔ فقط قول ایمان کیسے بن سکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا و من الناس من یقول آمنا باللہ و بالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین (البقرہ۔ ۸) منافقین سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

"اے ایمان والو ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪

بے شک اللہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔"

ایمان کی نفی کی گئی حالانکہ ان کا قول امنّا تو موجود تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تصدیق قلبی نہ تھی۔

اہل معرفت کی علامات:

اہل معرفت نے فرمایا کہ عارف میں تین باتیں پائی جانی چاہئیں نمبر۱۔ حق کی پہچان نمبر۲۔ عطاء پر ثنا کرنا۔ نمبر۳۔ قضاء پر راضی ہونا۔ جو معرفت کا مدعی ہو اس میں یہ تین باتیں نہ پائی جائیں تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

تردید حق کا اثر:

آیت ۸۶: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ یہ جن کے حق میں تردید حق کا اثر ذکر فرمایا۔

شانِ نزول: پہلی آیت میں علماء نے حق کے قبول کرنے کا اثر ذکر تھا۔ یہ صحابہ کرام کی اس جماعت کے سلسلہ میں اتری جنہوں نے حلف اٹھایا کہ وہ رہبانیت اختیار کر لیں اور ٹاٹ پہنیں اور ساری رات قیام کریں اور تمام دن روزے سے گزاریں اور زمین میں سیاحت کریں اور اپنے مذاکیر کو کاٹ ڈالیں اور گوشت و چربی کو ترک کر دیں اور عورتوں سے قربت ترک کر دیں اور خوشبو نہ لگائیں تو یہ آیت اتری۔

حلال سے حرام جیسا سلوک مت کرو:

آیت ۸۷: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ طیبات سے مراد جو پسندیدہ اور لذیذ حلال میں سے بنایا گیا ہو۔ اور لا تحرموا کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اسی طرح قطع تعلق نہ اٹھاؤ جیسے حرام سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ یا یہ مت کہو کہ ہم نے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ زہد کے طور پر ان کے ترک پر پختہ عزم میں مبالغہ اختیار کرتے ہوئے اور بہت بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ مرغی کا گوشت اور فالودہ استعمال فرماتے۔ اور آپ کو حلوہ اور شہد بہت پسند تھے۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ مومن خود میٹھا ہے حلوہ کو پسند کرتا ہے (یہ فردوس دیلمی کی روایت ہے) حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک کھانے میں بلایا گیا جبکہ میرے ساتھ فرقد سنجی اور ان کے ساتھی بھی تھے۔ وہ دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے۔ دسترخوان پر مرغا مسلّم فالودہ وغیرہ تھا۔ فرقد ایک طرف ہو گیا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ اے فرقد کیا تو روزہ دار ہے؟ اس کے

ساقط الاعتبار ہو۔ اس پر کوئی حکم نہ لگے۔ وہ اس طرح ہے کہ کسی چیز پر حلف اٹھائے۔ یہ خیال کر کے کہ وہ اس طرح ہے حالانکہ وہ اس کے گمان کے مطابق نہ تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طیبات کو اپنے اوپر حرام کرنے کی قسم اس بنا پر اٹھائی تھی کہ یہ عبادت ہے جب یہ آیت اتری تو انہوں نے کہا کہ ہماری قسموں کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیت اتری۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یمین لغو وہ ہے جو زبان پر بلا قصد جاری ہو۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ جو تم نے پکی قسمیں اٹھائی تھیں تعقید توثیق کو ہی کہا جاتا ہے۔

قراءت و نحو:

عقدتم۔ حفص نے عاصم سے تشدید کے ساتھ اور حمزہ، کسائی، عاصم بروایت شعبہ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ العقد موافقت پر پختہ ارادہ کرنا۔ اور اس کا معنی یمین مقصودہ نہیں ہو سکتا۔ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دل سے ارادہ کرنا۔ اور یمین غموس مقصودہ (قصدی ہوتی) پس وہ منعقد ہو جائے گی۔ پس اس میں کفارہ مشروع ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم قسم توڑ دو تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ کریں گے تمہارے عقد باندھنے کے سبب یعنی وقت مواخذہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ وہ ان کے ہاں جانا پہچانا تھا یا تمہارے عقد کو توڑ دینے کے سبب سے گویا اس صورت میں مضاف محذوف ہے۔

قسم توڑنے کا کفارہ:

فَكَفَّارَتُهٗٓ پس اس کے توڑنے کا کفارہ یا قسم باندھنے کا کفارہ ہے۔ کفارہ یہ ایسا ایک مرتبہ کا کام جس کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غلطی کو مٹا دے۔ یعنی چھپا دے۔ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ صبح شام کا کھانا کھلانا اور یہ بھی درست ہے کہ ان کو بطور تملیک ایک ہی دم ہی دے دیا جائے۔ ہر ایک کو نصف صاع گندم ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ایک مسکین کو ایک مد دیا جائے گا۔ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ وہ درمیانہ درجہ کا کھانا جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ صبح شام گندم سے اگر وسعت ہو تو تین مرتبہ سالن کے ساتھ۔ اور کم سے کم ایک مرتبہ کھجور میں سے یا جو میں سے اَوْ كِسْوَتُهُمْ یہ اطعام پر عطف ہے۔ یا پھر من اوسط کے محل پر عطف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ من اوسط یا اطعام سے بدل ہے اور کلام میں مقصود بدل ہوتا ہے کسوہ سے مراد اتنا کپڑا جس سے ستر چھپ جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ازار قمیص یا رداء۔ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ایک مومن یا کافر گردن آزاد کرنا۔ کیونکہ نص مطلق ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کفارہ قتل پر محمول کرتے ہوئے یہاں بھی رقبہ مومنہ ضروری قرار دی ہے۔ او کا معنی اختیار ہے یعنی کفارات میں سے جس کو چاہو ادا کر دو۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ جو ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ پائے وہ تین دن روزے رکھے۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ یہ روزے پے در پے رکھے کیونکہ قراءت ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما میں اسی طرح وارد ہے ذٰلِكَ یہ مذکورہ حکم كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ جب تم قسم توڑ دو۔ حنث کا تذکرہ چھوڑ دیا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ کفارہ فقط قسم سے واجب نہیں ہوتا۔ اسلئے قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ جائز نہیں ہے۔ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ تم اپنی قسموں کو پورا کرو۔ اور ان کو مت توڑو۔ جبکہ توڑنے میں بھلائی نہ ہو۔ یا بالکل قسم نہ اٹھاؤ۔ (کہ توڑنے کی نوبت آئے) كَذٰلِكَ اسی وضاحت کی طرح يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں آیات سے مراد شریعت کے نشانات اور احکام شرع ہیں۔ لَعَلَّكُمْ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

شیطان کے کاموں میں سے ہیں سو تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ شیطان یہی چاہتا ہے

اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے والے ہو اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو

الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

رسول کی اور ڈرتے رہو سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر

الْمُبِيْنُ ۝

پہنچا دینا ہے

تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر ادا کرو۔ یعنی اس کی اس نعمت کا جو تمہیں نفع دیتے اور اس سے عہدہ برآ ہونا تمہارے لئے آسان کرتے ہیں۔

شراب وجوئے کی حرمت کو پختہ کرنے کے پانچ انداز:

آیت ۹۰: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا) المیسر کا معنی جوا۔ وَالْاَنْصَابُ: بت کیونکہ ان کو گاڑ کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ وَالْاَزْلَامُ جوئے کے تیر جن کا تذکرہ شروع سورت میں ذکر ہوا۔ رِجْسٌ پلید ہیں یا خبیث گندگی والے ہیں۔ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کیونکہ شیطان ان پر آمادہ کرتا ہے۔ گویا یہ اسی کا عمل اور کارروائی ہے۔ اور فَاجْتَنِبُوْهُ میں ضمیر رجس کی طرف لوٹ رہی ہے یا عمل شیطان کی طرف راجع ہے۔ یا مذکور کی طرف راجع ہے یا مضاف محذوف ہے گویا اس طرح فرمایا گیا انما تعاطی الخمر والمیسر یعنی شراب و جوا کی مشغولیت سے پرہیز کرو۔ اسی لئے تو اسی کو رجس فرمایا۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شراب اور جوئے کی حرمت کو کئی لحاظ سے پکا کر دیا۔ نمبر ۱۔ جملے کو انما کلمہ حصر سے شروع فرمایا۔ نمبر ۲۔ ان کو عبادت اصنام کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔ ان ارشادات نبوت میں اسی طرف اشارہ فرمایا شارب الخمر کعابد الوثن (مسند البزار) نمبر ۳۔ ان کو رجس کہا اور عمل شیطانی میں سے قرار دیا کیونکہ

شیطان سے شر کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ نمبر۴۔ ان سے پرہیز کا حکم دیا۔ نمبر۵۔ ان سے پرہیز کو فلاح قرار دیا جب پرہیز فلاح ہے تو استعمال یقیناً خسارہ ہے۔

شراب و جوے کی بنیادی خرابیاں:

آیت ۹۱: اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔ (شیطان تمہارے درمیان شراب و جوے سے دشمنی و بغض ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ کی یاد و نماز سے روکنا چاہتا ہے) اس آیت میں شراب و جوا سے پیدا ہونے والے دو وبال ذکر فرمائے۔ نمبر۱۔ دشمنی اور بغض شرابیوں اور جوابازوں میں پیدا ہوتا ہے۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے رکاوٹ بنتے ہیں۔ نمبر۳۔ نماز کے اوقات کی رعایت سے باز رکھنے والے ہیں نماز کو خصوصی مقام کی وجہ سے تمام اذکار میں سے ذکر فرمایا گویا اس طرح فرمایا کہ یہ نماز سے خاص طور پر رکاوٹ بنتے ہیں یہاں خمر و میسر کو انصاب وازلام کے ساتھ اولاً جمع فرما کر پھر الگ ان کا ذکر کیا۔ کیونکہ مخاطب ایمان والے ہیں۔ بلاشبہ ان کو اس شراب نوشی کی قبیح عادت سے روکنا اور جواء بازی کی عادت جو گھٹی میں پڑی تھی اور انصاب وازلام کا تذکرہ درحقیقت شراب و جوے کی حرمت کو اور پختہ کرنے کے لئے قرینہ ہے۔ اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ مشرکین کے اعمال میں سے ہے گویا بتوں کے پجاری اور شراب نوش اور جواباز کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ پھر ان کو الگ لیا گیا ہے تاکہ واضح کر دیا جائے کہ یہاں اصل ان کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ یہ نہی کا انتہائی بلیغ انداز ہے گویا اس طرح فرمایا۔ کہ تم پر ہر قسم کے زواجر وصوارف پڑھے گئے ہیں۔ کیا ان تمام ممانعتوں کے باوجود رکے ہو یا تم اسی طرز پر ہو جس پر تم تھے۔ گویا تم نے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی اور نہ تم ڈرے؟

اللہ اور رسول کی اطاعت سے مت منہ موڑو:

آیت ۹۲: وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا۔ (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو) تم احتیاط کرنے والے اور ڈرنے والے بنو۔ کیونکہ جب وہ احتیاط کرتے تو احتیاط ان کو ہر برائی سے بچا لیتی۔ اور ہر بھلائی پر عمل پیرا کر دیتی۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ اگر تم اس سے منہ موڑو گے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ تو یقین کر لو کہ تم اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑ کر۔ کیونکہ ان کی ذمہ داری واضح طور پر صرف پہنچانا ہے بے شک تم اپنا نقصان کرو گے۔ جب تم اس سے اعراض کرو گے۔ جس کے تم مکلف بنائے گئے ہو۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوا

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا

وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾

اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُٓ أَيْدِيكُمْ وَ

"اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور

رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ

ہاتھ تاکہ اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

دردناک عذاب ہے"

تفسیر آیت ۹۳..... تحریم قبل استعمال میں گناہ نہیں جبکہ اس وقت کے احکام پر عمل پیرا ہوں:

شانِ نزول: یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری جو شراب و جوئے کے تحریم سے قبل کے عادی تھے۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا (ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کچھ گناہ نہیں اس میں انہوں نے کھایا)۔ یعنی انہوں نے شراب پی اور تحریم سے قبل جوئے کا مال کھایا۔ إِذَا مَا اتَّقَوا جب کہ وہ شرک سے بچتے ہوں۔ وَّآمَنُوا اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور ایمان کے بعد عمل صالح کرنے والے ہوں۔ ثُمَّ اتَّقَوا پھر تحریم کے بعد شراب اور جوئے سے بچنے والے ہوں وَّآمَنُوا اور ان کی حرمت پر یقین کرنے والے ہوں ثُمَّ اتَّقَوا پھر وہ تمام محرمات سے بچتے ہوں۔ پہلا اتقوا شرک سے بچنے اور دوسرا محرمات سے بچنے اور تیسرا شبہات سے بچنے کے لیے لایا گیا۔ وَّأَحْسَنُوا اور وہ لوگوں پر احسان کرنے والے ہوں وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اللہ تعالیٰ کو مخلص لوگ پسند ہیں۔

شانِ نزول: آیت ۹۴: جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا حدیبیہ والے سال شکار کے ذریعے امتحان لیا۔ صحابہ کرام بحالت احرام میں تھے۔ شکار کی کثرت تھی۔ یہاں تک کہ کجاووں کے گرد شکار جمع ہو جاتے۔ جن کو ہاتھ سے پکڑا جا سکتا تھا۔ اور نیزوں کے ذریعے شکار کیا جا سکتا تھا تو یہ آیت اتری:

حدیبیہ والے سال شکار سے آزمائش:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ یبلو کا معنی امتحان لینا ہے۔ اللہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقْتُلُواْ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم

اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو شخص اس کو قصداً قتل

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا

کرے سو اس کا بدلہ اس جانور کا جیسا ہوگا جس کو قتل کیا ہے، تم میں سے دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور

بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّٰرَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ

بطور ہدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو، یا مسکینوں کو کفارہ کے طور پر کھانا دے دیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھ لے تاکہ اپنے کئے کی

وَبَالَ أَمْرِهِۦ ۗ عَفَا ٱللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ ٱللَّهُ مِنْهُ ۗ وَٱللَّهُ

سزا چکھ لے، اللہ نے معاف فرما دیا جو پہلے گزر چکا، اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا، اور اللہ

عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعًا لَّكُمْ

زبردست ہے انتقام لینے والا۔ تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے جو تمہارے نفع کے لئے ہے اور

وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ ٱلْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ

مسافروں کے واسطے ہے، اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو، اور اللہ سے ڈرو

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

کی طرف سے جب ہو تو اس کا مطلب اب بندے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں جو ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے (نعوذ باللہ) یہ امتحان غیر معلوم کو معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ من یہ تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر شکار مراد نہیں یا بیان جنس کے لئے ہے۔ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے سے ڈرنے والے کا خوف ظاہر کر دے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر موجودہ شکار سے رکتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ وہ اس کے وجود سے قبل جانتا ہے کہ ایسا پایا جائے گا۔ یہ اس لیے کہا تاکہ بندے کو اس کے عمل پر ثواب ملے نہ کہ اس علم پر جو وہ اس کے متعلق جانتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ ۔ ذٰلک کا مشار الیہ ابتلاء ہے۔ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس کے لئے دردناک عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد بشیء من الصید کہہ کر اس کو قلیل قرار دیا تاکہ معلوم ہو جائے یہ کوئی بڑی آزمائش نہیں تھی۔ اور تنالہ یہ بشیء کی صفت ہے۔

آیت ۹۵: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ اے ایمان والو! تم شکار کو قتل نہ کرو۔ الصید سے مراد صید یعنی شکار کیا ہوا

اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس کے بدلے ہدی خریدے یا طعام یا روزے رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اختیار دیا ہے جس میں طعام یا اس ہدی کے لئے بیان ہوگا۔ جو اس قیمت سے خریدا جائے۔ ان اختیاری صورتوں میں سے ایک صورت میں۔ کیونکہ جس نے شکار کی قیمت لگائی اور قیمت سے ہدی خریدی۔ پھر ہدی دے دی۔ تو اس نے چوپایوں میں سے جو جانور قتل کیا تھا۔ اس کا بدل مثل دے دیا۔ اس طور پر کہ آیت میں ہدی سے کفارہ ادا کرنے کا یا طعام سے کفارہ ادا کرنے یا روزے رکھنے کا اختیار حاصل تھا۔ اور یہ مطلب اس وقت درست ہوتا ہے کہ جب اس نے قیمت کا اندازہ لگایا اور قیمت میں غور و فکر کیا۔ کہ تینوں میں سے کس کا انتخاب کرے۔ باقی اگر اس نے نظیر کا قصد کیا اور یہ اختیار اس کو لازم قرار دیا تو پھر بھی کوئی ایسی چیز آجائے گی جس کی کوئی مثل نہیں تو اس کی قیمت لگانے گا۔ پھر اس کو طعام و صیام کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ پس اس طرح ماننے سے آیت کے مفہوم سے دوری لازم آتی ہے۔ ذرا آیت کے اس حصہ او کفارۃ طعام مساکین او عدل ذلک صیاما پر غور کرو تینوں چیزوں میں اختیار کیسے ہوا۔ اور اس کے لئے قیمت کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ ھَدْیًا یہ یحکم بہ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے یحکم بہ فی حال الھدی یعنی ہدی ہونے کی حالت میں وہ اس کا فیصلہ کریں۔ بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ۔ ھَدْیًا کی صفت ہے کیونکہ اس کی اضافت غیر حقیقی ہے۔ اور اس کا معنی اس کا کعبہ میں پہنچانا تاکہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ باقی صدقہ تو جہاں چاہے کر سکتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں صدقہ بھی حرم میں ہی ہوگا۔

نحو و قراءت:

اَوْ کَفَّارَۃٌ اس کا عطف جزاء پر ہے۔ طَعَامُ یہ کَفَّارَۃٌ سے بدل ہے یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ھی طعام۔ قراءت: او کفارۃ طعام بطریق اضافت مدنی اور شامی نے پڑھا ہے۔ یہ اضافت تبیین مضاف کیلئے ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا او کفارۃ من الطعام۔ مسٰکین جیسا کہا جاتا ہے خاتم فضۃ ای من فضۃ۔ اَوْ عَدْلُ اس کو عین کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ فراء رحمہ اللہ نے کہا العدل جو کسی چیز کے معادل ہو۔ مگر اس کی جنس سے نہ ہو۔ مثلاً روزہ اور طعام العدل اس کی جنس میں سے اس کا ہم مثل ہو۔ اسی سے عدل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے عندی غلام عدل غلامک کسرہ کے ساتھ جب کہ ان کی جنس ایک ہو۔ یعنی اگر دونوں کی قیمت تو ایک جیسی ہو۔ مگر جنس ایک نہ ہو تو کہا جائے گا ھو عدل غلامک عین کے فتح کے ساتھ۔ ذٰلِکَ کا اشارہ الی طعام ہے۔ صِیَامًا یہ تمیز ہے جیسے لی مثلہ رجلا۔ اس میں اختیار قاتل کو ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک اختیار حکمین کو ہوگا۔ لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ یہ فجزاء سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ اس پر لازم ہے کہ وہ بدلہ دے یا کفارہ ادا کرے تاکہ وہ اپنی بری حرکت کا وبال چکھے۔ وبال کا معنی بوجھ اور نقصان جو اس برے عمل کے انجام پر ملتا ہے کیونکہ اخذ وبیل تو اسی پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاخذناہ اخذا وبیلا (المزمل آیت ۱۶) یعنی اخذ وبیل کا معنی ثقل شدید ہے۔ اور الطعام الوبیل اس کو کہتے ہیں جو معدہ پر بوجھل ہو۔ جلد ہضم نہ ہو۔ پس حق کو وبال فرمایا گیا۔ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا۔ وہ شکار جو حرمت سے قبل تم سے ہوا تھا۔ وَمَنْ عَادَ جو آدمی تحریم کے بعد پھر قتل صید کا مرتکب ہوا یا اس احرام میں دوبارہ ارتکاب کیا۔ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے سزا کے ساتھ۔ نحو: یہ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے تقدیر

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور حرمت والے مہینہ کو، اور حرم میں قربانی کے جانوروں کو اور ان کے گلے

وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

میں جو پٹے پڑے ہوں ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ

والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے۔ رسول کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ

يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

صورت یہ ہے فَهُوَ يَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اللہ تعالیٰ احکام کو نافذ کرنے میں زبردست ہیں۔ ذُو انْتِقَامٍ اس سے انتقام لینے والے ہیں۔ جو حدود اسلام سے تجاوز کرنے والا ہو۔

سمندری شکار کی حلت:

آیت ۹۶: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ ۔ (حلال کیا گیا تمہارے لئے سمندری شکار) سمندری شکار جس کا کھانا حلال ہے اور وہ بھی جس کا کھانا حلال نہیں۔ وَطَعَامُهٗ اور وہ جو اس کے شکار میں سے کھایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے تمام سمندری شکاروں سے انتفاع تمہارے لیے حلال ہے اور اس میں سے جو کھایا جاتا ہے اس کا کھانا درست ہے اور وہ فقط مچھلی ہے۔ مَتَاعًا لَّكُمْ یہ مفعول لہ ہے یعنی اس کو تمہارے نفع اٹھانے کے لئے حلال کر دیا گیا۔ وَلِلسَّيَّارَةِ اور مسافروں کے لیے مطلب یہ ہے کہ اس کا کھانا تمہارے فائدے کے لئے حلال کیا گیا۔ کہ رہائشی تو تازہ کھائیں اور مسافروں کے لئے بھی ہے کہ وہ زاد راہ کے طور پر نمک سے بھون کر ساتھ لے جائیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے مچھلی بھون کر بطور توشہ ساتھ لی تھی۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ اور خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا۔ صید بر وہ ہے جو خشکی پر بچے دے خواہ بعض اوقات پانی میں رہے۔ مثلاً بطخ یہ خشکی کا جانور ہے کیونکہ یہ خشکی پر بچے دیتا ہے اور دریا یا سمندر اس کی چراگاہ ہے۔ جیسا کہ لوگوں کے لئے تجارت گاہ ہے۔ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا جب تک احرام میں ہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حرم میں شکار نہ کرو۔ یا احرام کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور شکار نہ کرو۔ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

کعبہ لوگوں کی بقاء کا سبب ہے:

آیت ۹۷: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ جعل یہاں صیّر کے معنی میں ہے۔ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا) قِيَامًا لِّلنَّاسِ یہ کعبہ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔ قیاما مفعول ثانی ہے یا جعل خلق کے معنی میں ہے اور قیاما حال ہے۔ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ان کے دین میں بلندی کا ذریعہ اور معاش اور معاد میں سرفرازی ہے۔ اس لئے کہ اس سے ان کے حج و عمرہ کے معاملات پورے ہوتے اور ہر قسم کے منافع میسر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بیت اللہ کو اگر ایک سال چھوڑ دیں تو ان کو مہلت نہ دی جائے ورنہ وہ موت کے منہ میں جائیں۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وہ مہینہ جس میں اللہ کا حج کرتے ہیں۔ اور وہ ذی الحجہ ہے کیونکہ تمام مناسک حج کے قائم کرنے کا جو اس کو محترم بنایا اس میں ایک حکمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ یا اس سے جنس اشہر حرم یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم مراد ہیں۔

وَالْهَدْيَ وہ جانور جو مکہ کی طرف بطور نیاز کعبہ بھیجا جائے۔ وَالْقَلَائِدَ جس جانور کو قلادہ ڈالا گیا ہو۔ اور وہ اونٹ ہے۔ اس میں ثواب زیادہ ہے اور حج کی رونق اس سے زیادہ ہے۔ ذٰلِكَ اس کا مشار الیہ کعبہ کا قیام للناس بنانا ہے یا حرمت احرام کی حفاظت شکار کو ترک کرکے وغیرہ۔ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی مصلحتوں سے واقف ہیں۔ جو آسمان و زمین میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ کیسے نہ جانے وہ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیت ۹۸:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (تم جانو! اللہ تعالیٰ سخت بدلہ دینے والے ہیں) اس شخص سے جو حرم یا احرام کی تذلیل کرے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ اور اس کے گناہوں کو بخشنے والا ہے جو ان کی تعظیم مشاعر کی توقیر کرتا ہے۔ رَّحِيْمٌ رحم کرنے والے ہیں۔ اس جنایت کرنے والے پر اگر وہ اس پر جو بلد حرام میں پناہ لے۔

رسول کا فریضہ پیغام کو مکمل پہنچانا ہے:

آیت ۹۹: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (رسول پر صرف پہنچا دینا ہے) جس بات کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے لازم پورا کرنے میں تشدید کی گئی ہے۔ کہ رسول تو اپنا جو تبلیغ تھی اس سے فارغ ہو چکا اور تم پر حجت تمام ہو گئی اور اطاعت فرض ہو گئی اب اس میں کوتاہی کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ: اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا

آپ فرما دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سو اے

اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا

عقل والو اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ

عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ اور اگر قرآن کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہو

تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ

تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے ان کے بارے میں معافی دیدی اور اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔ ایسی باتیں تم سے پہلے بھی لوگ پوچھ

قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

چکے ہیں پھر ان کے منکر ہو گئے

اللہ نے خبیث وطیب کو ایک جیسا نہیں بنایا:

آیت ۱۰۰: قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ (کہہ دیں خبیث اور طیب برابر نہیں) جب اس بات کی اطلاع دے دی کہ وہ جو کچھ چھپاتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں سب کو جاننے والا ہے تو اب ذکر کر دیا کہ ان میں خبیث اور طیب برابر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان امتیاز و فرق کر دے گا۔ پس خبیث (کافر) کو سزا دے گا اور طیب (مسلم) کو بدلہ دے گا۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ اگرچہ طیب قلیل ہو مگر اس کو ترجیح دو خبیث پر خواہ ان کی کثرت ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حلال و حرام کے متعلق ہے۔ اور لوگوں میں سے نیک اور بد کے بارے میں ہے۔ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ اے خالص عقل والو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

بیجا سوالات کی ممانعت:

آیت ۱۰۱: شان نزول: لوگ امتحاناً رسول اللہ ﷺ سے بعض چیزوں کا سوال کرتے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ (اے ایمان والو! مت سوال کرو ان چیزوں کے متعلق کہ وہ ظاہر کر دی جائیں تمہیں بری لگیں)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے تو وصیت کا وقت

ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ

گواہ تو دو شخص ہوں جو دیندار ہوں تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم

ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ ٱلْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا

سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پیش آ جائے اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں کو

مِنۢ بَعْدِ ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِى بِهِۦ ثَمَنًا وَلَوْ

نماز کے بعد روک لو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے گرچہ

كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلْءَاثِمِينَ ﴿١٠٦﴾

قرابت دار ہو اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے، بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گنہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ

پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے تو ان کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو

ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ

ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ... وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان کی

مِن شَهَٰدَتِهِمَا وَمَا ٱعْتَدَيْنَآ ۚ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ

گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے اور ہم نے تجاوز نہیں کیا، اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔ یہ

أَدْنَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِٱلشَّهَٰدَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا۟ أَن تُرَدَّ أَيْمَٰنٌۢ

قریب تر ہے کہ وہ لوگ ٹھیک طریقے پر گواہی ادا کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد الٹی پھر قسمیں لوٹائی

بَعْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿١٠٨﴾

جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

قصۂ تمیم وعدی:

شانِ نزول: آیت ۱۰۶: روایت میں آیا ہے کہ عمرو بن عاص کے مولیٰ بدیل بغرضِ تجارت شام کی طرف ایک سفر پر نکلے۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ تمیم وعدی جو دونوں نصرانی تھے وہ ان کے ساتھ تھے۔ حضرت بدیل بیمار ہوئے انہوں نے ایک پرچہ لکھا جس میں اپنے سارے سامان کا اندراج کیا اور اس کو سامان میں رکھ دیا۔ اور اس رقعہ کی اطلاع اپنے ساتھیوں کو نہ دی۔ اور ان کو وصیت کی کہ یہ سامان میرے گھر والوں کو دے دینا۔ وہ وفات ہو گئے انہوں نے ان کے سامان کو کھولا اور ایک چاندی کا پیالہ اس میں سے لے لیا۔ بدیل کے اہل و عیال نے جب پرچہ پایا تو ان سے پیالہ کا مطالبہ کیا۔ تو انہوں نے انکار کر دیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ پس یہ آیت اتری یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ۔
(اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وصیت کے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو)۔

نحوی تحقیق:

تحقیق: اثنان شهادة مبتداء کی خبر ہے اور شہادۃ کو مقدر مانا جائے گا۔ شهادة بینكم شهادة اثنین یا اثنان شهادة بینكم کا فاعل ہے۔ تقدیر یہ ہے فیما فرض علیکم ان یشهد اثنان اور بین میں وسعت ہے اس کی طرف مصدر کی اضافت ہو سکتی ہے۔ اذا حضر یہ شہادت کا ظرف ہے اور حین الوصیة اس سے بدل ہے۔ اور اس کے بدل ہونے سے وصیت کے واجب ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ کیونکہ حضورِ موت تو شرعی معاملہ ہے اور حین الوصیة اس سے بدل ہے جس سے وصیت پر دلالت کرتا ہے پس اگر وہ بلا اختیار پائی جائے تو اتنا مساوقہ ہو جاتا ہے جس اس کو وجوب میں منتقل کر دے۔ حضورِ موت سے موت کو پہنچنا اور موت مقررہ کے پہنچنے کی علامات کا ظاہر ہونا ہے۔ ذوا عدل یہ اثنین کی صفت ہے۔ منكم سے مراد قرابت دار کیونکہ وہ میت کے حالات سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ او آخران یہ اثنان پر معطوف ہے۔ من غیركم جو آخران کی صفت ہے۔ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ جب تم سفر میں ہو۔ انتم فاعل ہے جس کا فعل محذوف ہے ظاہر اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ... سے مراد مسلمانوں کے سوا ہیں اور من غیرکم سے مراد ذمی۔ بعض نے کہا کہ یہ منسوخ ہے اس لیے کہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف درست نہیں۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے جائز تھی۔ تَحْبِسُوْنَهُمَا تم ان دونوں کو حلف کے لیے ٹھہرا کر رو۔ تحقیق: یہ جملہ مستانفہ ہے یا یہ او آخران میں من غیرکم کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہو گی او آخران من غیركم محبوسان اور ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتكم مصيبة الموت یہ صفت اور موصوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ یعنی عصر کی نماز کے بعد کیونکہ یہ لوگوں کے اجتماع کا وقت ہے اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ عصر کے بعد یا ظہر کے بعد کیونکہ اہل حجاز فیصلوں کے لیے ان دونوں کے بعد بیٹھتے تھے۔ اور حدیث بدیل میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور عدی اور تمیم کو بلایا۔ منبر کے پاس ان سے حلف طلب کیا۔ دونوں نے حلف اٹھایا۔ پھر وہ برتن مکہ میں مل گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔

(ترمذی ۳۰۵۹)

قسم مدعا علیہ پر فیصلہ:

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ پس وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ اگر تمہیں ان کی امانت میں اشتباہ ہو۔ نحو: یہ یقسمان اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ جواب لا نشتری ہے۔ ان ارتبتم۔ شرط کا جواب محذوف ہے۔ جو معنی کلام کی وجہ سے ظاہر کرنے کی ضرورت سے بے نیاز ہے تقدیر عبارت یہ ہے ان ارتبتم فی شانہما فحلفوہما! اگر تمہیں ان کے متعلق شبہ ہو تو تم ان سے قسم اٹھواؤ۔ بہ میں ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یا قسم ہے۔ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ: ہم نہیں خریدتے اپنی قسم کے عوض۔ ثَمَنًا دنیا کا سامان وَلَوْ كَانَ اگرچہ ہو وہ جس کے لیے قسم دی جا رہی ہے۔ ذَا قُرْبٰى یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں اٹھاتے۔

مال کے حصول کی خاطر اگرچہ وہ شخص جس کے لیے ہم قسم دے رہے ہیں قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ یعنی ہم اس شہادت کو جس کے اٹھانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور تعظیم کا امر کیا۔ ہم چھپانے والے نہیں۔ اِنَّآ اِذًا اگر ہم چھپائیں لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ کہا گیا ہے کہ اگر اس سے مراد شاہدین ہوں تو یہ شہادت اب منسوخ ہو چکی ہے۔ اور اگر اس سے مراد وصی ہوں تو ان کا حلف منسوخ نہیں۔

آیت ۱۰۷: فَاِنْ عُثِرَ پس اگر اطلاع ملے عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا انہوں نے ایسا فعل کیا جو گناہ کو لازم کرنے والا ہے اور انہوں نے یہ کہہ کر گناہ کو واجب کر لیا فقالا انہما لمن الآثمین۔ فَاٰخَرٰنِ پس دو دوسرے گواہ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ یعنی ان لوگوں میں سے جن کی وجہ سے یہ گناہ کے مستحق ہوئے مطلب یہ ہے ان لوگوں میں سے جن کے خلاف جنایت کی گئی اور وہ میت کا خاندان اور اہل و عیال ہیں۔ بدیل بن ابی مریم کے واقعہ میں جب دونوں آدمیوں تمیم و عدی کی خیانت ظاہر ہوگئی تو بدیل میت کے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ برتن ان کے رشتہ دار بدیل میت کا ہے۔ اور ان کی گواہی زیادہ درست ہے۔ پہلے گواہی دینے والوں سے۔ الْاَوْلَيٰنِ یہ دونوں قرابت کی وجہ سے گواہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ یا وہ گواہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان کی جان پہچان کی وجہ سے۔ نحو: الاولیان مرفوع ہے ھما اولیان۔ گویا اس طرح کہو من ھما تو جواب دیا الاولیان دیا۔ یقومان کی ضمیر سے بدل ہے۔ یا آخران سے بدل ہے۔ قراءت: استحق علیھم الاولیان حفص نے پڑھا ہے۔ یعنی من الورثۃ الذین استحق علیھم الاولیان من بینھم بالشہادۃ ان یجردوھما للقیام بالشہادۃ ویظہروا بہما کذب الکاذبین ان ورثہ میں سے جن کا حق ہے یہ ان کے درمیان شہادت کے زیادہ حقدار ہیں کہ دونوں وارث الگ گواہی کے لئے کھڑے ہوں اور ان دونوں جھوٹوں کا جھوٹ ظاہر کر دیں۔

نحو و قراءت:

الاولین یہ حمزہ وابوبکر نے پڑھا ہے پس اس طرح کہ یہ الذین استحق علیھم کا وصف ہے جو اس صورت میں مجرور ہے۔ اور یہ حالت جری ہے۔ یا حالت نصبی ہے اور یہ منصوب علی المدح ہے۔

نکتہ:

الاولین کہا کیونکہ شہادۃ بینکم میں ان کا تذکرہ پہلے ہوا۔ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ہماری قسم قبول کیے جانے کی زیادہ مستحق ہے۔ ان دونوں وصیوں کی قسم سے جنہوں نے خیانت کی ہے۔ وَمَا اعْتَدَيْنَآ اور ہم نے اپنی قسم میں حق سے تجاوز نہیں کیا۔ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر ہم جھوٹی قسم اٹھائیں تو ہم اس وقت البتہ ظالموں میں سے ہوں گے۔

آیت ۱۰۸: ذٰلِكَ یہ جس کا تذکرہ یمین قسم کے سلسلہ میں گزرا اَدْنٰى زیادہ قریب ہے۔ اَنْ يَّاْتُوْا کہ شہداء ادا کریں اسی حادثہ کے مطابق بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا جیسا کہ انہوں نے اٹھائی ہے بغیر کسی خیانت کے اس میں اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ یعنی دوسرے گواہوں کی قسم پلٹ جائے ان کی قسم کھانے کے بعد پس وہ رسوا ہوں اپنے جھوٹ کے ظاہر ہو جانے کے سبب وَاتَّقُوا اللّٰهَ خیانت میں اور جھوٹی قسم میں وَاسْمَعُوْا قبولیت واجابت والا سننا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ جو کہ طاعت سے نکلنے والے ہیں۔

سوال: یہاں ادنیٰ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ قریب تر بات ہے۔ کہ وہ گواہی کو حق وصدق سے ادا کریں۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی وجہ سے یا کم از کم شرم کے مارے۔ کہ رسوائی اور ذلت ہوگی۔ جب کہ ان کی قسم جھوٹی نکل کر رد کی جائے گی۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: معلوم ہوتا ہے کہ مدعی پر قسم کا ذکر نادرست ہے؟

جواب: اس واقعہ میں ورثاء نے دو نصرانیوں کے خلاف دعویٰ کیا تھا۔ جنہوں نے خیانت کی تھی۔ پھر انہوں نے قسم اٹھائی۔ جب بعد میں ان کی قسم میں جھوٹ ظاہر ہو گیا تو ان دونوں نے اس مسروقہ پیالے کے متعلق خریداری کا دعویٰ کر دیا۔ ورثاء نے انکار کر دیا یہ قسم ورثہ پر خریداری کے دعویٰ کا انکار کرنے کی وجہ سے آئی۔ (تو قسم مدعیٰ علیہ ہی پر ہوئی نہ کہ مدعی پر)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

[illegible]

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫

[illegible]

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

[illegible]

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ

[illegible]

فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

[illegible]

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ

[illegible]

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

[illegible]

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

آیت ۱۰۹: یَوْمَ یا اذکروا محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یا احذروا محذوف کی وجہ سے۔

منکرین کی توبیخ کیلئے انبیاء علیہم السلام سے سوال:

یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا پھر ان سے فرمائے گا تمہیں کیا

جزء کا نہیں وہ جواب جو تمہاری امت نے تمہیں دیا۔ جب کہ تم نے ان کو ایمان کی دعوت دی۔ دراصل یہ سوال ان لوگوں کی توبیخ کے لیے ہے۔ جنہوں نے انکار کیا۔ نحو: ماذا، اذا اجبتم کی وجہ سے منصوب ہے۔ جیسے مصدر ہونے کے لحاظ سے منصوب ہوتا ہے۔ ای اجابۃ اجبتم۔ تو وہ کہیں گے قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اپنی قوم کے اخلاص کا۔ اس کی دلیل اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے یا ان چیزوں کو جاننے والے جو انہوں نے ان کے بعد ایجاد کیں اس کی دلیل كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ [المائدہ: ۱۱۷] ہے۔ یا یہ بات انبیاء بطور ادب کے کہیں گے۔ یعنی ہمارا علم تیرے علم کے سامنے مٹا ہوا ہے۔ اور ملا ہوا ہے اور چھپا ہوا ہے گویا کہ ہمیں علم ہی نہ تھا۔

تذکرۂ انعامات:

آیت ۱۱۰: اِذْ قَالَ اللّٰهُ یہ یوم یجمع سے بدل ہے۔ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ۔ (اے عیسیٰ بن مریم! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر کیں) یعنی جب ان کو پاک اور تمام جہان کی عورتوں میں ان کو چنا۔ اِذْ اَيَّدْتُّكَ اس میں عامل نعمتی ہے بمعنی انعامی علیک یعنی میں نے تمہیں قوت دی۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ جبرئیل کے ساتھ ان کی مدد کی۔ تاکہ ان پر حجت ثابت ہو جائے۔ یا اس کلام کے ساتھ جس سے دین زندہ ہو۔ اور اس کی اضافت القدس کی طرف اس لیے ہے کیونکہ وہ پاکیزگی کا سبب ہیں۔ گناہوں کی پلیدیوں سے۔ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ یہ حال ہے یعنی تو ان سے کلام کرنے والا تھا بچپن کی حالت میں بطور اعجاز کے۔ وَكَهْلًا تبلیغ کے طور پر۔ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ نحو: اس کا عطف اذ ایدتک پر ہے اور اسی طرح اذ تخلق اذ تخرج اور اسی طرح اذ کففت اور اذ اوحیت۔ الْكِتٰبَ لکھنا۔ وَالْحِكْمَةَ وہ کلام جو مضبوط و با صواب ہو۔ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ تخلق کا معنی تقدر اندازہ کرنا۔ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ اس کی حالت جو پرندوں کی ہیئت جیسی تھی۔ بِاِذْنِيْ میرے آسان کر دینے کے ساتھ فَتَنْفُخُ فِيْهَا اس میں ضمیر کاف کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ وہ اس ہیئت کا بیان ہے۔ جس حالت پر عیسیٰ مٹی بناتے اور پھونک مارتے تھے۔ ضمیر اس ہیئت کی طرف نہیں لوٹتی جو اس کی مضاف الیہ ہے کیونکہ وہ ان کی تخلیق سے نہ تھی۔ اسی طرح ضمیر فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ میں بھی۔ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ کو تخلق پر عطف کیا گیا۔ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى قبروں سے زندہ کر کے۔ بِاِذْنِيْ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سام بن نوح اور دو مردوں اور ایک عورت اور ایک لونڈی کو زندہ کر کے نکالا۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ یعنی یہود جبکہ انہوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ اِذْ جِئْتَهُمْ یہ کففت کا ظرف ہے۔ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔

قراءت: حمزہ و علی نے ساحر پڑھا ہے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا

اور جب کہ میں نے وحی کے ذریعہ حواریوں کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا

آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى

کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ بلاشبہ ہم فرماں بردار ہیں اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ

ابن مریم کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل

السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ

فرمائے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ

کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر

الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

گواہ ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان نازل

مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا

فرمائیے جو ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد میں آنے والے ہیں سب کے لئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمائیے

وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ

اور آپ بہترین عطا فرمانے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ خوان تم پر نازل کروں گا پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد

مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾

ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

آیت ۱۱۱: وَإِذْ أَوْحَيْتُ میں نے الہام کیا۔ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ خواص یا چیلے ہوئے۔ أَنْ آمِنُوا یعنی تم ایمان لاؤ مجھ پر اور بِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ یعنی تم گواہ ہو کہ ہم اخلاص برتنے والے ہیں ان کے ساتھ۔ جنہوں نے اپنے چہروں کو سپرد کر دیا، فرمانبردار بنا دیا۔

حواریوں کا مطالبہ:

آیت ۱۱۲: اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ۔ (جب حواریوں نے کہا) یعنی اذکروا اذ۔ اس وقت کو یاد کرو۔ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اے عیسیٰ بن مریم! عیسیٰ منصوب ہے۔ کیونکہ اس کی حرکت ابن کی حرکت کے تحت ہے۔ جیسا زید بن عمرو۔ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ کیا وہ کرے گا۔ یا کیا تیرا رب تیری بات مانے گا۔ اگر تو اس سے سوال کرے۔ استطاع اور اطاع ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ جیسے استجاب اور اجاب۔ هل تستطيع ربك علی۔ یعنی هل تستطيع سؤال ربك۔ یہاں مضاف حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ تو اس سے سوال کر بغیر کسی رکاوٹ کے جو تمہیں سوال سے باز کرے۔ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا۔ قراءت: کسائی اور بصری نے ینزل پڑھا ہے۔ مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ مائدہ دسترخوان کو کہتے ہیں۔ جبکہ اس پر کھانا ہو۔ یہ مادہ سے لیا گیا ہے جس کا معنی عطا کرنا ہے گویا وہ عطا کرتا ہے اس کو جو اس کی طرف بڑھتا ہے۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ معجزات کے مطالبے میں اسکے بعد کہ معجزات ظاہر ہو چکے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ سچے ایمان تقویٰ کو لازم کرتا ہے۔

آیت ۱۱۳: قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا۔ (ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں) یعنی بطور تبرک۔ وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا اور یقین میں اضافہ ہو جائے جیسا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرہ آیت: ۲۶۰)

مشاہدۂ معجزہ و اضافہ علم کیلئے:

وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا یعنی ہم کھلی آنکھوں آپ کی سچائی جان لیں۔ جیسا کہ ہم نے استدلال سے جانی ہے۔ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اس کا جو ہم نے آنکھوں سے دیکھا۔ ان لوگوں کے لیے جو ہمارے بعد آئیں گے۔ اس بناء پر کہ سوال اضافہ علم کے لیے تھا۔ تعنت کی بناء پر نہ تھا۔

نزولِ مائدہ کی دعا اور قبولیت:

آیت ۱۱۴: قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا (عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ! اے ہمارے رب! تو ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار جو ہمارے لئے خوشی کا باعث ہو) اس کی اصل یا اللہ ہے یاء کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میم لگا دی۔ یہ ندا کے ثانی ہے۔ یعنی اسکے نزول کا دن ہمارے لیے عید کا دن بن جائے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اتوار کا دن تھا اسی وجہ سے نصاریٰ نے اس کو عید بنایا۔ العید لوٹنے اور خوشی کو کہتے ہیں۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ یوم عید۔ اسکا معنی یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے سرور و خوشی کا باعث ہو۔ لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا یہ لنا سے بدل ہے اور عامل کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کیلئے جو ہمارے زمانہ میں ہمارے اہل دین ہیں اور ان کیلئے جو ہمارے بعد آئیں گے۔ یا اس سے پچھلے لوگ بھی کھائیں گے جیسے پہلوں نے کھائی یا پھر یہ ہم سے پہلے لوگوں اور بعد والوں کیلئے ہوگی۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ میری نبوت کی صحت پر پھر اسنے اپنے اس ارشاد سے دعا کو مضبوط کیا۔ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور تو ہمیں وہ دے جو ہم نے تجھ سے مانگا ہے۔ اور آپ سب سے بہتر دینے والے ہیں۔

آیت ۱۱۵: قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ۔ منزلها تشدید کے ساتھ مدنی اور شامی اور عاصم نے پڑھا ہے۔ اتارنے کا وعدہ فرمایا اور اس پر ایک شرط بھی مقرر کر دی۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ (جو ناشکری کرے گا تم میں سے اس کے اتارے جانے کے بعد) فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا۔ (تو بے شک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا) یعنی عذاب دینا۔ یہ مصدر یعنی تعذیب کی طرح ہے اور

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ

اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ

سوا معبود بنا لو، عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں، میرے لئے مناسب نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر

كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ

میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ کو معلوم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے۔ بے شک

اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَ

آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور

رَبَّكُمۡ ۚ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ

تمہارا رب ہے اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی

الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ

ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بے شک وہ آپ کے بندے ہیں

وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ

اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی

صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ

نفع دے گی۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے

اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾

اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اعذبه میں ضمیر مصدر کے لیے ہے اور اگر عذاب سے دوسرا لیا جائے جس سے عذاب دیا جاتا ہے تو با کے بغیر لائی جا رہی تھی۔ لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (کہ ایسا عذاب جہانوں میں کسی کو بھی نہ دوں گا) حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مائدہ نہیں اترا۔ اگر وہ اترتا تو قیامت تک کے لیے یوم عید بن جاتا۔ کیونکہ فرمایا وَاٰخِرِنَا۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ دسترخوان نازل ہوا۔ وہب رحمہ اللہ سے مروی ہے دسترخوان اترا اوپر سے ڈھکا ہوا اس کو ملائکہ اٹھا کر لائے۔ اس پر گوشت کے علاوہ ہر کھانا تھا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس دسترخوان پر جو چاہتے پا لیتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دن رات برابر اترتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصی سوال:

آیت ۱۱۶: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں کو کہا کہ وہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لیں) جمہور اس بات پر ہیں کہ یہ سوال عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا۔ اس کی دلیل آیت کا سیاق و سباق ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ان کو اس وقت کیا گیا۔ جب ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ اس کی دلیل اِذْ ہے۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ تو پاک ہے اس بات سے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ میرے لیے یہ مناسب نہیں۔ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ۔ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ اگر یہ بات صحیح ہے کہ میں نے گزشتہ زمانہ میں کہی تھی۔ تو تو اس کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے معذرت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ نہیں کہی۔ اگر میں نے کہی ہوتی تو تو اس کو جانتا کیونکہ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ تو جانتا ہے جو میری ذات میں ہے۔ میں آپ کی ذات میں جو کچھ ہے نہیں جانتا۔ نفس اپنی ذات و حقیقت کو کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ تو میرے معلوم کو جانتا ہے۔ مگر میں تیرے معلوم کو نہیں جانتا۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ یہ دونوں جملوں کی تاکید ہے کیونکہ جو کچھ نفوس میں ہے وہ تمام غیوب میں سے ہے۔ اس لیے کہ جو علام الغیوب جانتا ہے اس کی طرف کسی کا علم نہیں پہنچتا۔

جواب عیسوی:

آیت ۱۱۷: مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ ۔ (میں نے وہی کہا جو آپ نے مجھے حکم دیا) یعنی میں نے ان کو نہیں کہا مگر اس بات کا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس کی وضاحت و تفسیر کی اور کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ۔ اَنْ مفسرہ ہے یعنی ای۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا نگران رہا۔ مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ جتنی مدت میں ان میں رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ رقیب حفیظ کو کہتے ہیں۔ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ میرے قول و فعل اور ان کے قول و فعل کے متعلق۔

مغفرت و سزا دونوں تیرے اختیار میں ہیں:

آیت ۱۱۸: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اگر آپ عذاب دیں تو وہ تیرے

بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دیں تو تو زبردست حکمت والا ہے) زجاج نے کہا عیسیٰ علیہ السلام نے جانا کہ ان میں بعض ایمان لائے اور
بعض ان میں کفر پر قائم رہے۔ پس ان کے متعلق ان تعذبهم فرمایا یعنی اگر تو ان میں سے جو کافر ہوئے ان کو عذاب دے تو وہ
تیرے بندے ہیں۔ جن کو تو جانتا ہے کہ انہوں نے تیری آیات کا انکار کیا تیرے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور تو اس معاملے میں عدل
کرنے والا ہے۔ انہوں نے حجت کے لازم ہو چکنے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر تو ان کو بخش دے جو ان میں سے کامیاب ہوئے اور
ایمان لائے وہ محض تیرا فضل ہے۔ اور آپ زبردست ہیں۔ آپ کے ارادے کو کوئی باز نہیں کر سکتا۔ آپ اس سلسلے میں حکمت والے
ہیں۔ یا زبردست عاقبت والے ہیں۔ ثواب پر قدرت رکھتے ہیں۔ حکمت والے ہیں۔ حکمت اور صواب سے ہی آپ سزا دیتے ہیں۔

سچائی ہر دو جہان میں کام دینے والی ہے:

آیت ۱۱۹: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (اللہ فرمائیں گے یہ ایسا دن ہے۔ جس دن سچوں کو ان کا سچ فائدہ
دے گا) یوم کا مرفوع ہے۔ اور مضاف ہے اس طرح کہ یہ مل کر ھذا کی خبر بنی ہے۔ یعنی اللہ فرمائیں گے۔ هذا يوم ينفع
الصادقين فيه صدقهم المستمر في دنياهم وآخرتهم۔ یہ یادن ہے کہ اس میں سچے لوگوں کو ان کا مسلسل سچ دنیا اور
آخرت میں فائدہ دے گا۔ یہ جملہ مبتدا و خبر مل کر مقولیت کی وجہ سے محل نصب میں ہے جیسا کہ تم کہو۔ قال زيد عمرو
منطلق (عمرو منطلق مقولہ محل نصب میں ہے۔ یَوْمَ کا نصب نافع نے پڑھا۔ اس طرح یہ ظرف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے
یہ عیسیٰ علیہ السلام کو جس دن سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (ان کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ
ان سے راضی ہوا) ان کی طاعت قبول کرنے کی وجہ سے۔ وَرَضُوْا عَنْهُ (اور وہ اس سے راضی ہو گئے) جس نے جزاء دی۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ (یہ بہت بڑی کامیابی ہے) کیونکہ باقی رہنے والی ہے۔ بخلاف دنیا کی کامیابی کے کہ وہ فنا ہونے والی ہے۔

ملکیت عامہ سے ثبوت قدرت:

آیت ۱۲۰: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ (اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے
درمیان ہے) اس کی شان بلند ہے اس سے جو اس کے متعلق نصاریٰ نے کہا۔ کہ اس کے ساتھ ایک اور معبود بھی ہے۔ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) روک دینے اور ایجاد کرنے اور فنا کرنے پر۔ (ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ
ہمیں اپنی رضامندیوں کی توفیق عنایت کر دے اور ہمیں کامیاب لوگوں میں کر دے۔ اپنی جناب میں اور رحمتیں نازل ہوں
ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم پر)۔

سورۃ الانعام مکیۃ وھی مائۃ وخمس وستون آیۃ وعشرون رکوعا

سورۂ انعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو اور روشنی کو'

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ

پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں' وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا گارے سے' پھر

قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ

اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے' پھر تم شک کرتے ہو' اور وہ اللہ ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳

آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے باطنی احوال کو اور ظاہری احوال کو اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ

اور جب ان کے رب کی نشانیوں میں سے ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں۔

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

سو بلاشبہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔ سو عنقریب آجائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر دیا' ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو

لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ

نہیں دیا' اور ہم نے ان پر زور دار بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے جاری

تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶

تھیں' پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے پیدا کر دی دوسری جماعتیں۔

تمام تعریفوں کے لائق وہی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اس نے بندوں کو تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔ اور در پردہ اس بات کی تعریف کر دی کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی حمد کی ضرورت نہیں۔ وہ ان کی تعریف سے بے نیاز ہے خواہ اس کی تعریف کوئی کرے یا نہ کرے۔ وہ واقع میں تمام تعریفوں کے لائق ہے۔

سماوات کے جمع اور ارض کے مفرد لانے کی وجہ:

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ السموات جمع لایا گیا کیونکہ آسمان ایک دوسرے پر طبق کی صورت میں ہیں۔ الگ شکل والے ہیں۔ اور الارض زمینیں بھی اگرچہ جمہور کے نزدیک سات ہیں مگر ان کے لیے لفظ مفرد لائے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے اوپر نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم شکل ہیں۔ اور ایک ماہیت رکھتی ہیں۔ صرف: جعل کا لفظ جب احدث اور انشاء کے معنی میں ہو تو مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسا اس ارشاد میں وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جب صیّر کے معنی میں ہو۔ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (الزخرف:۱۹) اس میں بت پرستوں کے اس قول کی تردید ہے کہ نور و ظلمت قدیم ہیں۔ النور کو مفرد لائے کیونکہ جنس مراد ہے۔ اور نور ایک ہی قسم ہے جو مختلف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اندھیرے مختلف ہوتے ہیں۔ ظلمات کو جمع لائے کیونکہ ہر ایک چیز کی ظلمت الگ ہے۔ رات کی الگ۔ سمندر کی الگ اندھیرے مقام کی الگ ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور ظلمات کو مقدم لایا گیا اس کی وجہ ترمذی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنے نور کا ایک چھینٹا ڈالا۔ پس جس پر وہ نور کا چھینٹا پہنچ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا۔ جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا (رواہ احمد ابن حبان فی مسندہ) ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ پھر کافر لوگ اس وضاحت کے بعد بھی بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۔ پھر بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔

نحوی تحقیق نمبر۱:

جیسے تم کہو عدلت بلا اس سلسلہ سے تم نے اس کو اس کے برابر کر دیا سے لیا گیا ہے۔ بربھم کی باء یعدلون کا صلہ ہے۔ کفروا کا نہیں۔ نمبر۲۔ یعدلون کے بعد اس کا صلہ عن محذوف ہے۔ یہ اعراض کے معنی میں ہے اس صورت میں باء کفروا کا صلہ ہوگی۔ اور یعدلون کا صلہ عن محذوف ہوگا۔ اگر ثم الذین کفروا کو الحمد للہ پر معطوف کیا جائے تو معنی اس طرح ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ حقیقتاً لائق حمد ہے اس طور پر کہ سارے جہان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ اور جہان کو پیدا کرنا عظیم نعمت ہے۔ لیکن پھر بھی کافر اس کی نعمتوں میں برابر قرار دیتے کہ اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ نمبر۳۔ خلق السموٰت پر عطف ہے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تو پیدا کیا جو پیدا کیا۔ جس کی تخلیق میں سوائے اس کے اور کسی کو قدرت نہیں۔ پھر بھی کافر ایسی مخلوق کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں۔ جس کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں۔ ثم کا لفظ یہاں تعجب کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات اس قدر واضح ہونے کے بعد کافروں کا اس کے برابر دوسروں کو قرار دینا قابل تعجب ہے۔ اور بعینہٖ

مخالف ہے۔

خالق وہی پھر بھی شک میں پڑے ہیں:

آیت ۲: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ۔ من یہ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ یعنی ابتداء خلق اصلکم ای آدم منه تمہارے اصل آدم کی پیدائش اسی سے کی۔ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا پھر مدت موت کا فیصلہ کیا۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ وقت معین سے قیامت مراد ہے۔ نمبر۱۔ پہلے اجل سے مراد پیدائش سے موت تک اور دوسرے اجل سے موت و بعث کے مابین اور وہ برزخ ہے نمبر۲۔ اول نیند والی موت۔ نمبر۳۔ ثانی سے بھی اول ہی مراد ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے و هو اجل مسمى اى معلوم وہ وقت مقرر یعنی معلوم ہے۔ نحو: اجل مسمی مبتدا اور خبر عنده ہے اور مبتدا کو نکرہ ہونے کے باوجود مقدم کر دیا۔ کیونکہ خبر ظرف ہے اور ظرف مؤخر ہی ہوتا ہے۔ اور نکرہ کی صفت آ جانے سے وہ معرفہ کے قریب ہو گیا۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ پھر تم شک میں پڑے ہو۔ تمترون مریۃ سے ہے۔ نمبر۱۔ مراء سے ہے جس کا معنی جھگڑا کرنا۔ ثم استبعاد کے لیے ہے۔ اس بات سے کہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو زندہ کرنے والے موت دینے والے اور ان کو اٹھانے والے ہیں۔

نحو و صرف:

آیت ۳: وَهُوَ اللّٰهُ۔ نحو: یہ مبتدا فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ خبر ہے۔ نمبر۱۔ لفظ اللہ کو صیغہ مشتق کہا جائے۔ گویا اس طرح ہو گیا هو المعبود فيهما۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ وهو الذي في السماء اله وفي الارض اله [الزخرف: ۸۴]۔ نمبر۲۔ اللہ کے لفظ کو علم کہا جائے تو مشتق کی تاویل سے اس طرح ہوگا۔ هو الله المعروف بالالهية فيهما۔ وہی اللہ الوہیت کے ساتھ معروف ہے ان دونوں میں۔ نمبر۳۔ اللہ کے لفظ کو علم مان کر هو الذي يقال له الله فيهما وہ وہی ہے جس کو ان دونوں میں اللہ کہا جاتا ہے۔ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ۔ نحو: یہ دوسری خبر ہے۔ یا ابتدائی کلام ہے۔ یعنی وہ تمہاری باطنی اور ظاہری حالت کو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ بھلائی برائی میں سے اور وہ اس پر ثواب و عذاب دے گا۔

عدم تدبر انجام کی سوچ نہ ہونے سے ہے:

آیت ۴: وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ۔ اس میں مِنْ استغراق کے لیے ہے۔ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اس میں من تبعیضیہ ہے۔ یعنی جو کوئی دلیل بھی ان کے سامنے ظاہر ہوتی ہے جس میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ اس پر غور و تدبر چھوڑنے والے ہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو بہت کم خوف اور انجام کی سوچ نہیں ہے۔

آیت ۵: فَقَدْ كَذَّبُوْا اس کو محذوف کلام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ ان كانوا معرضين عن الآيات فقد كذبوا۔ اگر یہ آیات سے منہ موڑ رہے تھے تو انہوں نے واقعۃً حق کو جھٹلایا۔ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ یعنی وہ جو کہ عظیم ترین نشانی اور سب سے بڑا معجزہ ہے اور وہ قرآن ہی تو ہے۔ جس کے ذریعے ان کو چیلنج کیا گیا۔ جس کے جواب میں وہ عاجز رہے۔

قرآنی خبریں حقیقت بن کر سامنے آ جائیں گی:

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اس چیز کی خبریں جس کو وہ جھٹلاتے تھے۔ وہ قرآن مجید ہے۔ یعنی قرآن کی خبریں اور جو حالات اس نے بیان کیے ہیں۔ مطلب یہ ہو کہ عنقریب وہ جان لیں گے کہ کس چیز کے ساتھ انہوں نے استہزاء کیا ہے۔ یہ اس وقت پتہ چلے گا جب دنیا میں ان پر عذاب اترے گا۔ یا قیامت کے دن۔ یا اسلام کے ظہور و غلبے کے وقت (جیسا کہ ذلیل و رسوا ہوئے الحمد للہ علی ذالک)

گزشتہ اقوام سے عبرت پکڑو ان کی ہلاکت تکذیب کی وجہ سے ہوئی:

آیت ۶: اَلَمْ يَرَوْا کیا مکذبین نے نہیں دیکھا۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ کم خبریہ ہے۔ قرن سے مراد ہر زمانے والوں کے ختم ہونے کی مدت اور وہ اسی سال یا ستر سال ہے۔ مَكَّنّٰهُمْ۔ یہ قرن کی صفت ہونے کی وجہ سے موضع جر میں ہے اور معنی کے لحاظ سے جمع لائے۔ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ تمکین فی البلاد سے مراد قدرت بخشنا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کو وہ کچھ نہیں دیا جو عاد و ثمود کو دیا گیا تھا جن کے اجسام بڑے، اموال میں وسعت اور اسباب دنیا کی فراوانی۔ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ۔ السماء سے بارش مراد ہے۔ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا بہت زیادہ یہ السماء سے حال ہے۔ وَجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ تحت کا مضاف یہ اشجار ہے مطلب یہ ہے کہ وہ محلوں اور نہروں میں خوشحالی سے جیے اور بارش کی کثرت سے سیراب کیے گئے۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ اور ان میں سے کوئی چیز ان کے کام نہ آسکی۔ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (اور ان کے بعد ہم نے پیدا کردیں دوسری قومیں) ان کے بدلے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ

اور اگر ہم اتاریں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی کافر لوگ

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ

یوں کہیں گے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر صریح جادو ہے ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی ۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ

بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں ۔ اور بیشک

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اڑایا کرتے تھے ۔ آپ فرما دیجئے کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا

الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

کیا انجام ہوا

آیت ۷ میں وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا یعنی لکھی ہوئی تحریر فِيْ قِرْطَاسٍ کاغذ پر۔ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ یا کاغذ کو ہاتھ سے بھی چھو لیں تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ نظر بندی تو آنکھوں پر جادو کر دیا گیا۔ اور شخص اندھے پن کی حجت باقی نہ رہتی۔ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ حق کے ساتھ تو کھلی ضد و عناد کی وجہ سے اس کے باوجود کہتے کہ یہ جادو ہے۔

عدم مہلت زیادہ شدید ہے:

آیت ۸: وَقَالُوْا لَوْلَآ کیوں نہ اُنْزِلَ عَلَيْهِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مَلَكٌ (فرشتہ) جو ہم سے کلام کرے کہ یہ نبی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ (تو ان کی ہلاکت کا معاملہ نمٹا دیا جاتا۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ پھر فرشتے کے اترنے کے بعد پلک جھپک کے لئے ان کو مہلت نہ دی جاتی کیونکہ جب وہ فرشتہ اصلی شکل میں دیکھ لیں گے تو ان کی روحیں خوف کے مارے نکل

جائیں گی۔ یہاں ثم کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد کہ انہوں نے دو باتوں کو واضح کر دیا۔ معاملہ کا فیصلہ اور عدم مہلت۔ آیت میں عدم مہلت کو فیصلے سے زیادہ شدید قرار دیا گیا۔ کیونکہ کسی مصیبت کا اچانک ٹوٹ پڑنا اصل مصیبت سے زیادہ سخت ہے۔

فرشتہ لباس انسانی میں اسی اشکال کا باعث ہے:

آیت ۹: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا اگر ہم رسول کو فرشتہ کی صورت میں بھیجیں جیسا کہ ان کے خیالات میں ہے کیونکہ وہ کبھی کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کیوں نہیں اترا اور کبھی کہتے یہ تو تم جیسا انسان ہے۔ (نبوت اس کو نہیں دی گئی) اگر اللہ چاہتا تو فرشتہ ضرور اتارتا۔ لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا اس کو ضرور صورت انسانی میں بھیجتے۔ جیسا کہ جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمومی حالات میں دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے۔ کیونکہ وہ فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھ کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ان پر ہم خلط ملط کر دیتے۔ اور اس کے معاملے کو ان پر مشتبہ کر دیتے۔ اس لئے کہ اس کا راستہ بھی تیرے والا راستہ تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پس فرشتوں کو صورت انسانی میں دیکھ کر کہتے کہ یہ انسان ہے فرشتہ تو نہیں۔ کہا جاتا ہے لبست الامر علی القوم۔ والبستہ جبکہ وہ ان پر مشتبہ اور مشکل ہو جائے۔ پھر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کی طرف سے پہنچنے والے استہزاء پر تسلی دی۔

تسلیہ برائے رسول اللہ ﷺ:

آیت ۱۰: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ پس ان کو گھیر لیا اس چیز نے جس کا وہ مذاق کرتے تھے۔ حالانکہ وہ برحق ہے اس لیے ان کو اس کے ساتھ استہزاء کے نتیجے میں ہلاک کر دیا گیا۔ مِنْهُمْ و سخروا کے متعلق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ (التوبہ: ۷۹) اور ھُم کی ضمیر رسل کی طرف جا رہی ہے۔ قراءت: لقد کا دال ابو عمرو و حفص کے نزدیک مکسور ہے۔ کیونکہ دو ساکن جمع ہیں۔ اور دوسرے قراء نے دال کا ضمہ استہزئ کی تاء کے ضمہ کی اتباع میں پڑھا ہے۔

نکتہ: فا اور ثم لانے کا فرق:

آیت ۱۱: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا) فانظروا اور ثم انظروا میں فرق یہ ہے کہ فانظروا میں نظر کو سیر کا مسبب قرار دیا گیا۔ گویا اس طرح کہا گیا سیروا لاجل النظر ولا تسیروا سیر الغافلین کہ تم عبرت کی خاطر سیر کرو۔ اور چلو پھرو۔ اور غافل لوگوں کی طرح مت چلو۔ سیروا فی الارض ثم انظروا کا معنی یہ ہے۔ کہ زمین میں تجارت وغیرہ کی غرض سے بھی سیر و سفر مباح ہے۔ اور ہلاک شدہ لوگوں کے آثار پر غور و فکر واجب ہے۔ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے ثم لایا گیا۔ کہ مباح اور واجب میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰہِ ؕ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ

آپ فرمائیے: کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجئے کہ سب اللہ ہی کے لئے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم

الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ

فرما لیا ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے

خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ

اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے، اور اسی کے لئے ہے جو ساکن ہے رات میں

وَ النَّهَارِ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ⑬ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ

اور دن میں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے، آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار

وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ ؕ قُلْ

بنالوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا، آپ فرمائیے!

اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ⑭

بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ⑮

آپ فرما دیجئے! کہ بے شک! میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'

آیت ۱۲: قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ نحو: من استفہامیہ ہے اور ما الذی کے معنی میں ہے۔ ما موضع مبتدا میں مرفوع ہے۔ اور لمن اس کی خبر ہے۔ قُلْ لِّلّٰہِ میں اس بات کو پختہ کیا گیا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اس میں میرے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان میں سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف منسوب نہیں کر سکتے۔

رحمت اپنے ذمہ رحمت سے کر لی:

کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ کتب کا اصل معنی واجب کرنا ہے۔ مگر اس کو ظاہر پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر تو بندے کی کوئی چیز لازم نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا پختہ عہد کیا ہے اور وہ ان کو ہر صورت پر پہنچانا فرمانے والے ہیں۔ نفس کا ذکر خاص کرنے اور وسعت کو ختم کرنے کے لیے کیا۔ پھر ان کو غور و فکر میں غفلت کرنے اور اپنے ساتھ ایسے معبودوں کو شریک ٹھہرانے پر ڈانٹا۔ جو کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اپنے اس ارشاد سے لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ

الْقِيٰمَةِ۔ وہ ضرور تمہارے حشر پر تمہیں جمع کر دے گا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس دن میں کوئی شبہ نہیں۔ یا جمع کرنے میں کوئی شبہ نہیں۔

نحو و ترکیب:

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا) یہ منصوب علی الذم ہے تقدیر کلام یہ ہے ارید الذين خسروا انفسهم باختيارهم الكفر۔ کہ میری مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو کفر اختیار کر کے نقصان میں مبتلاء کیا۔ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ قول اخفش۔ الذین یہ بدل ہے لیجمعنکم کے کُمْ سے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لیجمعن هؤلاء المشركين الذين خسروا انفسهم۔ وہ ضرور ان مشرکین کو جمع کرے گا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا۔ اور مبرد قول پہلا ہے کیونکہ سیبویہ نے کہا۔ اس طرح کہنا درست نہیں۔ مررت بی المسکین ولا بک المسکین۔ کہ تم اس میں مسکین کو یا سے بدل بناؤ یا کاف سے بدل بناؤ۔ کیونکہ وہ دونوں نہایت واضح ہونے کی وجہ سے بدل و تفسیر کے محتاج نہیں۔

جب وہ مدبر کائنات ہے تو ہر حرکت و سکون کا مالک بھی وہی ہے:

آیت ۱۳: وَلَهٗ اس کا عطف للہ پر ہے۔ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ یہ السکنی سے لیا گیا ہے تا کہ ساکن اور متحرک دونوں کو شامل رہے۔ یا نمبر۲۔ السکون سے ہے مطلب اس طرح ہے کہ ما سکن و تحرک فیهما جو دن رات میں سکون و حرکت کرتا ہے ضدین میں ایک کا تذکرہ کافی ہے۔ جیسے فرمایا تقیکم الحر۔ النحل آیت ۸۱۔ تو الحر والبرد مراد ہیں۔ اسی طرح سکون کو ذکر کیا کیونکہ یہ حرکت سے زیادہ ہے۔ اس میں مشرکین کے خلاف دلیل دی گئی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق الکل ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ اور بتوں کو اپنا معبود بھی مانتے تھے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وہ ہر مسموع کو سنتا اور ہر معلوم کو جانتا ہے۔ تو جن چیزوں پر لیل و نہار مشتمل ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔

نحو و قراءت۔ میرا کارساز وہی ہے اور میں اُسی کا فرمانبردار:

آیت ۱۴: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا (کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو مددگار بناؤں) ولی کا معنی ناصر و معبود ہے۔ یہ اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور پہلا مفعول اَغَيْرَ ہے۔ یہاں ہمزہ استفہام کو اتخذ کے مفعول پر داخل کیا گیا ہے۔ خود اتخذ پر نہیں۔ کیونکہ انکار غیر اللہ کو کارساز بنانے کا ہے۔ ولی بنانے کا انکار نہیں۔ اسے اس طرح شروع میں لانا زیادہ مناسب تھا۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں جر پڑھا جائے گا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یعنی وہ ان کا ایجاد کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے فاطر کا معنی اچھی طرح واضح نہ تھا۔ یہاں تک کہ دو اعرابی میرے پاس ایک کنویں کا جھگڑا لائے۔ ان میں سے ایک نے کہا انا فطرتها کہ میں نے اس کی ابتداء کی۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ وہ رزق دیتا ہے اس کو رزق دیا نہیں جاتا۔ یعنی تمام منافع کا اختیار اسی کو ہے۔ اور اسکے حکم کے خلاف انتفاع جائز نہیں۔ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (آپ فرما دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا) کیونکہ نبی اکرم امت سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ جیسا دوسری آیت میں ہے وبذلک امرت وانا اول المسلمین۔ الانعام آیت ۱۶۳۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ تم ہرگز مشرکین

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ

اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو بے شک رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے اور اگر

يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ

اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱

دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ

آپ فرما دیجئے کہ گواہی کے لئے سب سے بڑھ کر کونسی چیز ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف

اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ

یہ قرآن وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ڈراؤں، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ

مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ میں تو اس کی گواہی نہیں دیتا، آپ فرما دیجئے کہ معبود وہی ایک معبود ہے اور بلاشبہ میں

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو

اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳

پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

سے منع فرمایا گیا اور مجھے کہا گیا ہے ولا تکونن من المشرکین بہ نون خفیفہ کے ساتھ اور اگر اس کا عطف امرت پر ہوتا تو کہا جاتا ولا اکون۔ مطلب یہ ہے کہ امرت بالاسلام و نہیت عن الشرک مجھے اسلام کا حکم دیا گیا اور شرک سے روکا گیا ہے۔

اگر میں بھی نافرمانی کروں تو عذاب کا خطرہ اہم ہے:

آیت ۱۵: قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ یعنی مجھے خطرہ ہے بڑے دن کے عذاب کا اور وہ قیامت ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ ترکیب: یہاں شرط فاعل اور مفعول بہ کے درمیان آ رہی ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔

آیت ۱۶: مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ جس سے عذاب پھیر دیا گیا اس دن فَقَدْ رَحِمَهٗ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا عظیم رحم اور وہ بڑی نجات ہے۔

قراءت: مَنْ یَّصْرِفْ معروف پڑھا حمزہ، علی اور ابوبکر نے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سے عذاب پھیر دیا۔ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

نفع وضرر پر اختیار اسی کو ہے:

آیت ۱۷: وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ۔ ضر سے مراد مرض یا فقر یا اور اسی قسم کی آزمائش فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ کوئی اس کے سوا اس کو دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ جیسے غناء اور صحت۔ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو وہ اس کے دوام اور ازالہ پر قدرت رکھتا ہے۔

نحوی ترکیب:

آیت ۱۸: وَهُوَ الْقَاهِرُ یہ مبتدا اور خبر ہے۔ یعنی غالب و مقتدر ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ یہ دوسری خبر ہے یعنی ان پر قدرت سے غالب ہے۔ القہر مراد کو پالینا۔ جبکہ دوسرا اس کو پانے میں رکاوٹ ہو۔ وَهُوَ الْحَكِیْمُ اپنے مقصد کے نفاذ میں۔ الْخَبِیْرُ اپنے بندوں میں سے اہل قہر کو جاننے والا ہے۔

قرآن کے وحی ہونے پر اللہ کی شہادت کافی ہے..... نحوی تحقیق:

آیت ۱۹: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ای شیء مبتدا اور اکبر اس کی خبر ہے۔ شہادۃ تمیز ہے۔ ای یا ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس سے مضاف الیہ کا بعض مراد ہوتا ہے۔ جب یہ استفہام کے لیے ہو تو اس کا جواب مضاف الیہ کے نام سے موسوم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلِ اللّٰهُ یہ ای کا جواب ہے یعنی اللّٰہ اکبر شہادۃ کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت سب سے بڑی ہے پس لفظ اللہ مبتدا اور خبر محذوف ہے۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ شی کے لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شی موجود کو کہتے ہیں اور شی معدوم پر بولا ہی نہیں جا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے پس شی ہوا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شی لا کالاشیاء، اللہ تعالیٰ شی ہے مگر اشیاء کی طرح نہیں۔ پھر جملہ ابتدائیہ لایا گیا۔ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ یعنی ھو شھید بینی و بینکم۔ وہ گواہ ہے میرے اور تمہارے مابین اور یہ بھی درست ہے کہ جواب اس طرح ہو۔ اللّٰہ شھید بینی و بینکم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور ان کے درمیان شہید ہے۔ تو سب سے بڑی شے شہید کی آپ کے حق میں گواہی ہے۔ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ جس کو قرآن قیامت کی ساعت تک پہنچے گا حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ جس کو قرآن پہنچ گیا گویا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (یہ موقوف روایت ہے) اور مَنْ محل نصب میں کُمْ پر معطوف ہے۔ اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ مَنْ بَلَغَہٗ اور بلغ کا فاعل ضمیر ہے جو قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی یہ استفہام انکاری ہے اور تبکیت کفار کے لیے لایا گیا ہے۔ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ جس کی تم گواہی دیتے ہو۔ اس کو دوبارہ لائے۔ قُلْ تاکید

کے ساتھ۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ مَا نے اِنَّ کے عمل کو روک دیا۔ هو مبتدا ہے اور الٰہ اس کی خبر ہے۔ اور واحد اس کی صفت ہے۔ یا اَنَّمَا۔ الذی کے معنی میں محل نصب میں ہے بوجہ انّ کے اور هو مبتدا ہے اور اللہ اس کی خبر ہے۔ اور جملہ الذی کا صلہ ہے اور واحد خبر انّ ہے۔ اور یہ وجہ زیادہ بہتر ہے۔ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ شریک کرتے ہو اس کے ساتھ۔

اہل کتاب پر آپ کی صفات مخفی نہیں:

آیت ۲۰: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یعنی یہود و نصاریٰ اور کتاب سے تورات و انجیل مراد ہیں۔ يَعْرِفُوْنَهٗ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے چہرے اور مہرے اور دونوں کتابوں میں ثابت شدہ صفات کے ساتھ۔ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ان کے چہروں اور ان کی صفات کے ساتھ۔ یہ اہل مکہ کے سامنے گواہی اور شہادت پیش کی۔ کہ اہل کتاب آپ ﷺ کو جانتے اور آپ کی نبوت کو بھی جانتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی مشرکین میں سے اور معاندین اور ضدی اہل کتاب میں سے۔ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

پھر نہ ہوگا ان کا فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ بھر دیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں، جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور رہتے ہیں، اور وہ نہیں برباد کرتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

یہ ظالم دو باطل باتیں جمع کرنے والے ہیں:

آیت ۲۱: وَمَنْ اَظْلَمُ یہ استفہام نفی کے معنی کو متضمن ہے۔ یعنی ان سے بڑھ کر اپنے نفس پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں۔ الظلم کسی چیز کو اپنے مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھنا۔ اور سب سے بدترین ظلم یہ ہے کہ مخلوق کو معبود بنا دیا جائے۔ مِمَّنِ افْتَرٰی جس

نے جھوٹ باندھا۔ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وہ اس کی ایسی صفت بیان کرتا ہے جو اس کے لائق نہیں۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ قرآن اور معجزات کو۔ اِنَّهٗ ضمیر شان ہے۔ یعنی معاملہ اور شان یہ ہے کہ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ انہوں نے دو باطل باتیں جمع کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات جھوٹ بنائی جس کی کوئی دلیل نہیں اور اس کو جھٹلایا جو دلیل سے ثابت ہے۔ جیسا انہوں نے یہ کہہ دیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اور قرآن مجید اور معجزات کو سحر کا نام دیا۔

قیامت کا حشر:

آیت ۲۲: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا یوم نحشرهم مفعول بہ ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے اذکر یوم نحشرهم اور جمیعًا حال ہے مفعول کی ضمیر سے ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا شریک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو۔ یہ توبیخ کے طور پر کہا جائے گا۔ قراءت یعقوب نے نحشرهم اور نقول میں یحشرهم اور یقول یاء سے پڑھا ہے۔ اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ تمہارے وہ معبود جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا۔ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ جن کو تم اپنے خیال میں شریک سمجھتے ہو۔ دونوں مفعولوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

کفر کا بے وقت انکار:

آیت ۲۳: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ قراءت: حمزہ اور علی نے یکن یاء سے پڑھا ہے۔ فِتْنَتُهُمْ ان کا کفر اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی پھر ان کے اس کفر کا انجام جس کو انہوں نے ساری عمر لازم پکڑا اور اس پر لڑائیاں کیں اور بیزاری ہوئی اور اس کو اختیار کرنے کی نفی ہوگی۔ پھر ان کا یہ جواب ہوگا (واللہ ربنا ما کنا مشرکین) پس اس جواب کو فتنہ اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ جھوٹ ہے۔ قراءت: الفتنۃ کو مکی نے مرفوع پڑھا ہے اور اسی طرح شامی اور حفص نے بھی۔ جن قراء نے تکن تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فتنہ کو رفع دیا۔ تو انہوں نے اس کو لم تکن کا اسم قرار دیا۔ اور ان قالوا کو خبر۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی آزمائش ان کی یہ بات ہوگی۔ جن قراء نے تاء سے پڑھا ہے لیکن الفتنۃ کو منصوب پڑھا تو انہوں نے فتنہ کو مفعول قرار دیا۔ حمزہ اور علی نے ندا کی وجہ سے ربنا کو منصوب پڑھا ہے یا ربنا۔ دوسرے قراء نے اللہ تعالیٰ کے اسم کی صفت قرار دے کر مجرور پڑھا ہے۔

اپنے مُنہ اپنی تکذیب:

آیت ۲۴: اُنْظُرْ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ یہ بات کہہ کر کہ ہم مشرک نہ تھے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو جمع کرے گا اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت ملاحظہ کریں گے اور مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اسی طرح مومنین کی دوسرے مومنوں کے متعلق شفاعت دیکھیں گے تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے۔ آؤ شرک چھپائیں شاید کہ ہم بھی اہل توحید کے ساتھ نجات پا جائیں۔ پس اس وقت ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا دی جائے گی۔ اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام ۲۲) تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم شریک گمان کرتے تھے۔ مشرک اس وقت کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام ۲۳) کہ اے اللہ ہمیں آپ کی ربوبیت کی قسم ہم تو مشرک نہ تھے۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا۔ اور ان کے جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ اور ان سے غائب ہو

جائیں گے۔ مثلاً کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ جن کی الوہیت اور شفاعت کو جھوٹ بنا رکھتے تھے۔

آیت ۲۵: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ جب آپ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ ابوسفیان ولید نضر اور ان کے ہم مثل جمع ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کو سننے لگے۔ ان تمام نے نضر کو کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں۔ مگر یہ کہ وہ اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں۔ اور پہلے لوگوں کی کہانیاں بتاتے ہیں۔ جیسا کہ میں گزشتہ زمانے کی حکایات تمہیں سناتا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں اس کو سچ خیال کرتا ہوں۔ اس پر ابوجہل نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہرگز نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی۔

قرآن کو اساطیر الاولین کہنے والوں کے دلوں پر پردے ہیں:

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اکنۃ جمع کنان کی ہے کا معنی پردے۔ اعنہ کی جمع عنان اور اسنۃ آئی ہوئی ہے۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ تاکہ اس کراہت سے کہ وہ اس کو سمجھیں۔ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وقر کا معنی بوجھ جو سننے سے مانع ہو۔ وقر کو مصدر کی وجہ سے واحد لائے۔ اس کا عطف اکنۃ پر ہے۔ اور مسئلہ اصلح للعبد میں یہ ہمارے لیے حجت ہے معتزلہ کے خلاف۔ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ نحوی: حتی بمعنی اذا جاءوک کی طرف مضاف ہے۔ اور یجادلونک موضع حال میں ہے۔ اور حتی جارہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اذا جاءوک موضع جر میں ہو اس وقت حتی کے بعد وقت مجیئھم ہوگا اذا جاءوک مصدر کے معنی میں ہو جائے گا۔ اور یجادلونک حال ہے اور یجادلونک اس کی تفسیر ہے مطلب اس طرح ہوگا انہ بلغ تکذیبھم الآیات الی انھم یجادلونک ونا کرونک ان کی تکذیب آیت اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ آپ سے جھگڑا کرتے اور اس کو افترا قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے مجادلہ کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ وہ کہتے ہیں اِنْ هٰذَآ نہیں ہے یہ قرآن اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھوٹوں کا پلندا قرار دیتے ہیں۔ اساطیر کا واحد اسطورہ ہے۔

دوہرے گناہ کے مرتکب:

آیت ۲۶: وَهُمْ یعنی مشرکین يَنْهَوْنَ عَنْهُ وہ لوگوں کو قرآن سے منع کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ سے روکتے ہیں۔ آپ کی اتباع اور ایمان سے روکتے ہیں۔ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ اور اپنے نفوس کو دور کرتے ہیں۔ پس خود گمراہ ہوتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اس کے ساتھ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ یعنی نقصان ان سے دوسروں کی طرف تعدی نہیں کرے گا۔ اگرچہ ان کے اپنے خیال میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ابو طالب ہے۔ کیونکہ وہ قریش کو آپ ﷺ پر تعرض کرنے سے روکتا مگر وہ آپ پر ایمان نہ لاتا۔ بلکہ ایمان سے دور رہتا۔ تفسیر اول زیادہ مناسب ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم واپس کر دیئے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیات کو

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ

نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے

قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا

تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور انہوں نے کہا

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا

کہ کچھ نہیں ہے بجز ہماری دنیا والی زندگی کے اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے۔ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کھڑے کئے جائیں گے

عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ

اپنے رب کے حضور، رب فرمائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہ چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔"

تکذیب پر قیامت میں افسوس:

آیت ۲۷: وَلَوْ تَرٰٓی اس کا جواب محذوف ہے اگر تم دیکھو۔ تو ایک عظیم چیز کا مشاہدہ کرو۔ اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ وہ آگ ان کو دکھائی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب اس کا معاینہ کریں گے یا ان کو پل صراط پر آگ کے اوپر کھڑا کر دیا جائے گا۔ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ یہاں صرف وہ دنیا میں واپسی کی تمنا ایمان لانے کے لئے کریں گے اور پھر ان کی تمنا پوری ہو گئی پھر وہ یہ کہتے ہوئے ابتداء کریں گے۔ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس حال میں کہ وہ ایمان کا وعدہ کرنے والے ہوں گے۔ گویا کہ انہوں نے کہا کہ ہم تکذیب نہ کریں گے۔ بلکہ ایمان لائیں گے ولا نکذب ونکون حمزہ اور حفص نے تمنی کا جواب ہونے کی وجہ سے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان کو مضمر مانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم لوٹائے گئے تو تکذیب نہ کریں گے اور مومن ہو جائیں گے۔ بلکہ شامی نے ونکون میں ان دونوں قراء کی موافقت کی ہے۔

آیت ۲۸: بَلْ جس چیز کی انہوں نے تمنا کی اس کے پورا کرنے سے اضراب و اعراض کے لیے ہے۔ بَدَا لَهُمْ ان کے لیے ظاہر ہوا۔

دُنیا کی رسوائیاں سامنے آ گئیں:

مَا كَانُوْا يُخْفُوْنَ وہ کس سے مِنْ قَبْلُ دنیا میں اپنی برائیاں اور رسوائیاں جو ان کے صحائف میں ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ منافقین کے متعلق ہے۔ اور یہ کہ ان کا وہ نفاق کھل جائے گا جو وہ چھپاتے تھے۔ یا اہل کتاب کے متعلق ہے کہ ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گی نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت جو دنیا میں چھپایا کرتے تھے۔ وَلَوْ رُدُّوْا آگ پر کھڑا کرنے کے بعد دنیا کی طرف ان کو لوٹا دیا جائے۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ یعنی کفر وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ جو وہ اپنے نفوس کے متعلق وعدہ کرتے ہیں۔ وہ پورا نہیں کریں گے۔

آیت ۲۹: وَقَالُوْٓا اس کا عطف لعادوا پر ہے یعنی اگر ان کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو ضرور کفر اختیار کریں گے اور کہیں گے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا جیسا کہ وہ قیامت کا معائنہ کرنے سے پہلے کہا کرتے تھے۔ (یا اس کا عطف وانهم لکاذبون پر ہے یعنی یہ ہر چیز میں وہ جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ان ھی الا حیاتنا الدنیا کہ صرف ہماری یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اور ھی یہ حیاۃ سے کنایہ ہے یا یہ ضمیر قصہ ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۔

بعث کے منکر اقراری بن جائیں گے:

آیت ۳۰: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ یہ سوال اور توبیخ کے لیے روکنے سے مجاز ہے جیسا کہ مجرم غلام کو آقا کے سامنے سزا کے لیے لایا جاتا ہے یا ان کو اپنے رب کی جزاء کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔ قَالَ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا اس طرح فرمایا ان کا رب ان کو کیا کہے گا جب ان کو اس کی بارگاہ میں کھڑا کیا جائے گا۔ تو کہا گیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اَلَيْسَ هٰذَا کیا یہ بعث نہیں ہے۔ بِالْحَقِّ جو واقع میں موجود ہے اور یہ بعث کے جھٹلانے پر ان کو عار دلائی جا رہی ہے۔ اور کفار کے اس قول پر عار دلائی جا رہی ہے کہ جب وہ بعث کے متعلق سن پاتے تو یہ کہتے کہ یہ حق نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا وہ اقرار کریں گے اور اپنے اقرار کو قسم سے پختہ کریں گے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ تمہارے کفر کے سبب۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے گی

قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ

تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت اس پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور وہ اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر لادے ہوئے ہوں گے

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

خبردار بری ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اور نہیں دنیا والی زندگی مگر ایک لعب اور لہو اور البتہ آخرت والا گھر

لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ

ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو، ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ

يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

کرتی ہیں۔ سو حقیقی بات یہ ہے کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ظلم کرنے والے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى

اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک

اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى

کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے

الْمُرْسَلِيْنَ ۝

پاس پہنچ چکی ہیں

منکرین قیامت کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہوگا:

آیت ۳۱: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ آخرت اور اس کے متعلقات تک پہنچنے کے سبب یا اس کا ظاہری مطلب لیا جائے گا۔ کیونکہ منکرین بعث رؤیت باری کے منکر ہیں۔ حَتّٰى یہ كَذَّبُوْا کی غایت ہے خَسِرَ کی غایت نہیں کیونکہ ان کے نقصان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ سے مراد قیامت ہے کیونکہ اس کے متاخر ہونے کی مدت بعد والے زمانہ سمیت ایک گھڑی کی طرح ہے۔ بَغْتَةً اچانک یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حتی باغتة۔ یا مصدر ہونے کی وجہ سے

منصوب ہے۔ گویا تقدیر عبارت اس طرح تھی۔ بغتتہم الساعۃ بغتۃ کسی چیز کا کسی شخص پر بغیر اس کے کہ اس کا وقت معلوم ہو آ جانا۔ قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا افسوس کی نداء ہے۔ اس کا معنی اے افسوس تو آ موجود ہو۔ یہ تیرا وقت ہے۔ عَلٰی مَا فَرَّطْنَا جو ہم نے کوتاہی کی فِیْهَا دنیا کی زندگی میں۔ یا قیامت سے متعلق اعتقاد میں۔ یعنی ہم نے اس کی شان کو گھٹایا۔ اور اس پر ایمان لانے میں کوتاہی کی۔ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ۔ وزر کا معنی گناہ ہے۔ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ پشت کا ذکر محاورۃً کیا۔ پشت تو بوجھ کے لیے معتاد مقرر ہے۔ جیسا کہ کمائی عام طور پر ہاتھوں سے کی جاتی ہے اور درحقیقت یہ بوجھ ہے جس ذات سے کمائی ذات سے بھی جدا نہ ہوئی۔ دوسرا ایک قول یہ بھی ہے کہ کافر جب قبر سے نکلے گا تو اس کو ایک انتہائی بدترین شکل سامنے آئے گی۔ جس سے تعفن و بدبو اٹھ رہی ہوگی۔ اور وہ صورت پکار رہی ہوگی کہ میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو دنیا میں طویل عرصہ مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ (اعاذنا اللہ منہا) اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ بہت بری چیز وہ اٹھانے والے ہیں۔ الا کا لفظ امر کی تعظیم و جلالت کو ظاہر کرتا ہے۔

متقین کے اعمال کے علاوہ بقیہ دنیا سب کھیل تماشہ ہیں:

آیت ۳۲: وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا۔ الانعام آیت ۲۹۔ لعب نفع مند چیز کو چھوڑ کر بے فائدہ کے پیچھے پڑنا۔ اللہو وقار سے مذاق کی طرف جھکاؤ اختیار کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام اعمال لہو و لعب ہی ہیں۔ کیونکہ ان کے نتیجے میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اعمال آخرت کا آخرت میں عظیم بدلہ ملے گا۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ۔ الدار موصوف آخرت صفت ۔ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ( ) یہ خبر ہے۔ قراءت: شامی نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر کلام ولدار الساعۃ الآخرۃ کیونکہ شی اپنے آپ کی طرف مضاف نہیں ہوتی۔ دونوں قراءتوں کے مطابق خیر خبر ہی ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ متقین کے اعمال کے علاوہ جو کچھ ہے وہ لہو و لعب ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

قراءت: مدنی اور حفص نے تاء سے پڑھا ہے۔

اس آیت سے تسلی دی گئی کہ وہ رسول کے نہیں بلکہ مرسل کے مکذب ہیں:

آیت ۳۳: جب ابوجہل نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے تم ہمارے نزدیک سچے ہو۔ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں جو تو تمہارے پاس لے آیا ہے۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ ضمیر شان ہے۔ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وہ تیری نسبت کذب کی طرف نہیں کرتے۔ قراءت: نافع و علی نے تخفیف سے پڑھا ہے اس وقت یہ اَكْذَبَهٗ سے ہے جبکہ اس کو جھوٹا پایا جائے۔ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا اس میں واضح دلیل ہے کہ انہوں نے انکار میں زیادتی کی۔ باء یجحدون کے متعلق ہے یا الظالمین کے متعلق ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں فظلموا بھا۔ الاعراف آیت ۱۰۳۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی تکذیب ہو تو یہ ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جن کی معجزات کے ذریعے تصدیق کی گئی۔ حقیقت میں وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے بلکہ اللہ

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں

فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ

کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزے لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا سو آپ ناواقف

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ

میں سے نہ ہو جائیے بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

فرمائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے ! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

تعالیٰ کو جھٹلا رہے ہیں۔ کیونکہ رسول کی تکذیب خود مرسل کی تکذیب ہے۔

تسلی کا دوسرا انداز:

آیت ۳۴: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔ اس میں دلیل ہے کہ فانهم لا يكذبونك میں آپ کی تکذیب کی نفی نہیں۔ بلکہ یہ بات اس طرح ہے۔ جیسے تمہارے غلام کی لوگ توہین کریں تو تم کہو کہ وہ تیری نہیں کرتے بلکہ وہ میری توہین کرتے ہیں۔ فَصَبَرُوْا صبر۔ کسی ناپسند طبع پر نفس کو روکنا۔ عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا اپنی تکذیب پر اور ایذاء پر۔ حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ یعنی اس کے وعدوں کو۔ جیسا کہ دوسری آیت: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (الصافات: ۱۷۱، ۱۷۲) انا لننصر رسلنا۔ غافر آیت: ۵۱۔ تو کلمات سے مراد وعدے ہیں۔ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ ( )نبا سے مراد بعض خبریں۔ اور بعض واقعات اور جو مشرکین کی طرف سے انہوں نے تکالیف برداشت کیں۔ نَحْوِ: اخفش رحمہ اللہ نے کہا۔ کہ من زائدہ ہے فاعل نبا المرسلین ہے جبکہ سیبویہ واجب میں اس کو زائدہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔

آیت ۳۵: شانِ نزول: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی قوم کا انکار و اعراض گراں گزرا اور آپ کی چاہت تھی کہ ایسی علامات ظاہر کر دی جائیں جس سے وہ اسلام لے آئیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ

اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی امتیں ہیں۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۗ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۗ وَمَنْ يَّشَاْ

ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھیروں میں ہیں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ

سیدھے راستے پر ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تمہارے پاس

السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ

قیامت آ جائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس

مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو اور تم جو شرک کرتے تھے اسے بھول جاتے ہو۔

عظمت قدرت کے کھلے دلائل:

آیت ۳۸: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ دابہ ہر رینگنے والے جانور کو کہتے ہیں۔ یہ مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ فِي الْأَرْضِ۔ نحوی تحقیق: یہ موضع جر میں دابہ کی صفت ہے۔ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ پرندے کے ساتھ جناحین کی قید اس لئے بڑھائی گئی تاکہ مجاز کا احتمال نہ رہے۔ کیونکہ کبھی پرندے کے علاوہ پر بھی کہتے ہیں کہ طار فلان بجکذا وہ تیز چلے۔ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ زمین میں مخلوق ہونے و فنا و موت، دوبارہ بعث میں اور کسی مدبر کی تدبیر کی طرف محتاج ہونے میں جو ان کے مقامات رشد کی طرف ان کی راہنمائی کرے۔ مَا فَرَّطْنَا ہم نے نہیں چھوڑا۔ فِي الْكِتٰبِ لوح محفوظ میں۔ مِنْ شَيْءٍ ان میں سے جس کو ہم نے نہ لکھا ہو اور نہ اس میں وہ ثبت نہ کیا ہو جس کا ثبت کرنا ضروری تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے من شیء سے مراد وہ دینی احکامات میں سے جن کی طرف ان کی احتیاج ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کتاب ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے۔ جن سے ہماری عبادت کی جا سکتی ہے۔ عبارت النص، اشارۃ النص، دلالت النص، اقتضاء النص پر۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ یعنی تمام جتنے جو جانور ہوں یا پرندے ان تمام کو ایک دوسرے سے انصاف کیا جائے گا۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ بے سینگ کا سینگ والے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے ان کو تنگی کے ذریعہ اور تکلیف کے ذریعہ پکڑا تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

عاجزی کریں۔ سو کیوں انہوں نے عاجزی نہ کی جب ان پر ہمارا عذاب آیا، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا

اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا۔ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے

عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ

ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترانے لگے جو ان کو عطا کی گئی تو ہم نے ان کو اچانک

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

پکڑ لیا سو اس وقت ناامید ہو کر رہ گئے۔ سو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

آیت ۴۲: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ رسولوں کو۔ یہ مفعول محذوف ہے۔ فکذبوھم پس انہوں نے ان کو جھٹلا دیا۔

سختیاں جھکانے کے لئے اترتی ہیں:

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ تنگدستی اور جسمانی تکلیف کے ساتھ۔ یا البأساء سے قحط اور بھوک اور الضراء سے مرض اور جسمانی نقصان اور مالی نقصان مراد ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکیں۔ اور خشوع اختیار کریں اور اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں اس لئے کہ جب سختیاں اترتی ہیں تو دل میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔

ترکِ تضرع میں بھی عناد تھا:

آیت ۴۳: فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا یعنی وہ توبہ کے ساتھ کیوں نہیں گڑگڑائے۔ معنی اس کا ان سے تضرع کی نفی ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ جب ان کے پاس ہماری پکڑ آئی تو انہوں نے تضرع اختیار نہ کی۔ لیکن اسلوب میں لولا لا کر ظاہر کر دیا کہ ترکِ تضرع میں ان کے پاس سوائے عناد کے کوئی عذر نہیں۔ وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ پھر ان حالات سے انہوں نے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور وہ شیطان کے مزین کردہ اعمال کو پسند کرنے لگے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ

تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لا دے۔ دیکھ لیجئے ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ

يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً

اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے بے خبری میں یا خبرداری میں

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائے گا۔ اور ہم پیغمبروں کو صرف خوشخبری سنانے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور ڈرانے والے بھیجتے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کر لی سو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

آیت ۴۴: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ یعنی جب رہی تکالیف و امراض سے انہوں نے نصیحت حاصل نہ کی۔ اور نہ اس سے باز آئے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ یعنی صحت، وسعت مال اور قسم قسم کی نعمتیں۔ قراءت: شامی نے فتّحنا پڑھا ہے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا یعنی مال و نعمت اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ناامید حیرت زدہ۔ ابلاس کا اصل معنی غم کی وجہ سے سر جھکانا یا ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر ندامت سے سر جھکانا۔ اذا مفاجات کے لیے آتا ہے۔

آیت ۴۵: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تمام ظالم ہلاک کر دیے گئے اور ان میں سے کوئی نہ بچا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس میں اعلان کیا گیا کہ ظالموں کی ہلاکت پر الحمدللہ کہنا واجب ہے۔ اور ظالموں کی ہلاکت عظیم نعمت ہے اور بہت بڑی قسم ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم ان لوگوں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کیا کرو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔

اگر اللہ اندھا بہرہ کر دے اور عقل چھین لے تو کیا پھر بھی غیروں کی طرف بھاگو گے:

آیت ۴۶: پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت پر اس طرح استدلال فرمایا۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ کہ تمہیں اندھا اور بہرہ کر دے۔ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ یعنی تمہاری عقول کو چھین لے اور امتیاز کی قوت سلب کر لے۔ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ جو اس کو جو اس نے لیا۔ اور اس پر مہر لگا دی۔ نحو: مَنْ مبتدا ہے اور اِلٰہ اس کی خبر ہے۔ اور غیر اللہ الٰہ کی صفت ہے اسی طرح یاتیکم بھی۔ یہ جملہ ارایتم کے دو مفعولوں کی جگہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپ فرما دیجئے! کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور (نہ میں یہ کہتا ہوں) کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے۔

انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ ان کیلئے بالْاٰيٰتِ بار بار دہراتے ہیں۔ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ پھر بھی وہ آیات کے ظاہر ہونے کے بعد اعراض کرنے والے ہیں۔ الصدوف کسی چیز سے منہ موڑنا۔

اگر اچانک کھلے بندوں عذاب آئے تو عذاب کا شکار تم ہی ہو گے:

آیت ۴۷: قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اس طرح کہ اس کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔ اَوْ جَهْرَةً اس طرح کہ اس کی علامات ظاہر ہوں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رات کو یا دن کو۔ هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ عذاب اور ناحق کی ہلاکت کا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کا انکار کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

انبیاء علیہم السلام مبشر و منذر ہیں منہ مانگی آیات کے لئے نہیں:

آیت ۴۸: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ بشارت دینے والے جنتوں کی اور ڈرانے والے آگ سے ایمان والوں اور کفار کو روشن دلائل اور واضح براہین کے بعد ہم انبیاء کو اس لئے نہیں بھیجتے کہ ان سے آیت کا مطالبہ کیا جائے۔ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ پس جو شخص ایمان لایا اور اس نے درستگی کر لی۔ یعنی ایمان لانے پر پختگی اختیار کی۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ قراءت: یعقوب نے فلا خوفَ پڑھا ہے۔

فسق و کفر سبب عذاب ہے:

آیت ۴۹: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ یہاں چھونے والا فرمایا۔ گویا کہ وہ ایک زندہ چیز ہے جو کہ ان کو جا پہنچتا ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ اپنے فسق کے باعث اور کفر کی وجہ سے اطاعت سے خارج ہو جانے کے سبب۔

میں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا جو انسانوں کے لائق نہ ہو اور وہ نبوت ہے:

آیت ۵۰: قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ یعنی اس کی مخلوق کے رزق میں تقسیم اور اس کو رزق دوں۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ یہ محل نصب میں ہے عندی خزائن اللہ کے محل پر معطوف ہے۔ کیونکہ یہ بھی مقولہ ہے گویا اس طرح فرمایا لا اقول لکم ھذا القول ولا ھذا القول۔ کہ میں نہ تمہیں یہ بات کہتا ہوں اور نہ یہ بات وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ یعنی میں اس بات کا دعویدار نہیں جو عقلوں سے بعید تر ہے۔ کہ کسی انسان کو خزائن اللہ پر ملک حاصل ہو۔ اور علم غیب میسر آجائے۔ اور نہ فرشتہ ہونے کا دعویدار ہوں۔ اور میں تو اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں جو بہت سے انسانوں کو حاصل ہوا اور وہ نبوت ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ یعنی میں تمہیں اس بات ہی کی اطلاع دیتا ہوں جو مجھ پر اتاری جاتی ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ یہ ضال اور ہدایت یافتہ کی مثال ہے یا وحی کی اتباع کرنے اور نہ کرنے والوں کی مثال ہے۔ یا یعنی جو درست بات کا دعویدار ہے یعنی نبوت یا جو ناممکن بات الوہیت کا دعویٰ کرنے والے کی مثال ہے۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ پس تم اندھوں کی طرح گمراہ نہ ہو۔ نمبر۱۔ یا تم اچھی طرح غور کرو کہ میں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا جو انسانوں کے لائق نہ ہو۔ نمبر۲۔ یا تم اچھی طرح سمجھ لو کہ حق کی اتباع کرنے کے بغیر مجھے کوئی چارہ کار نہیں۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ

دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٥١ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ

نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔ تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں۔ اور ان لوگوں کو دور مت کیجئے جو

يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو چاہتے ہیں اس کی رضا کو۔ ان کا حساب آپ کے ذمہ

مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کریں

فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝٥٢ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا

پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں۔ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝٥٣

کیا ہمارے درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ

اور جب آ جائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے ذمہ

عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن

رحمت کو مقرر کر لیا ہے۔ کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ سے کوئی گناہ کر لے پھر اس کے بعد توبہ

بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥٤ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ

کرے اور اپنی حالت درست کر لے تو بلاشبہ وہ غفور ہے رحیم ہے۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر

الْمُجْرِمِينَ ۝٥٥ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۚ قُل لَّا

ہو جائے۔ آپ فرما دیجئے! بے شک مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں

أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝٥٦

کا اتباع نہیں کرتا ہوں، ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔

میں تو آخرت کا خوف رکھنے والوں کے لئے منذر ہوں:

آیت ۵۱: وَاَنْذِرْ بِهٖ جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ وہ مسلمان ہیں جو کہ بعث بعد الموت کے قائل ہیں۔ مگر وہ عمل میں کوتاہی کرنے والے ہیں۔ بس وہ ان کو ڈرائیں اس کے ذریعے یا نمبر ۲۔ اہل کتاب مراد ہیں کیونکہ وہ بھی بعث بعد الموت کے قائل تھے۔ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ یہ یحشروا سے موضع حال میں ہے تقدیر عبارت یہ ہے یخافون ان یحشروا غیر منصورین ولا مشفوعا لهم۔ وہ ڈرتے ہیں کہ ان کو اٹھایا جائے اس حالت میں کہ ان کی مدد کی جائے نہ ان کا کوئی سفارشی ہو۔ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ وہ متقین میں داخل ہو جائیں۔

فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے پاس سے ہٹانے کی ممانعت:

آیت ۵۲: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر متقین کو ڈرانے کا حکم ملا تاکہ وہ متقین بن جائیں۔ اس کے بعد متقین کو قریب کرنے کا حکم دیا اور دور ہٹانے سے روک دیا گیا۔ ارشاد فرمایا۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ان کی تعریف فرمائی کہ وہ اپنے رب کو پکارنے میں مسلسل قائم رہنے والے ہیں۔ (دعا سے عبادت مراد ہے) اور اس پر مواظبت اختیار کرنے والے ہیں۔ نمبر ۲۔ العشی اور الغداۃ کا ذکر صرف اطلاق دوام کے لئے ہے۔ یا اس کا معنی صبح و عصر کی نماز ادا کرنے والے ہیں یا پانچوں نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ قراءت: شامی نے بالغُدوۃ پڑھا ہے اور عبادت میں ان کی اخلاص کی تعریف اس فرمان سے کی۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ الوجہ بول کر ذات سے تعبیر کی گئی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام بلال، صہیب، عمار رضی اللہ عنہم اور ان جیسے دیگر حضرات کے متعلق اتری۔ جبکہ ان رؤسائے مشرکین نے کہا اگر تم ان حقیر لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتے تو ہم آپ کے پاس بیٹھتے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما انا بطارد المؤمنين۔ پھر انہوں نے کہا کہ ایک دن ان کو مقرر کر دیں اور ایک دن ہمارا۔ اس کے متعلق ایک تحریر لکھ دیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ وہ لکھیں۔ تب فقراء الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ تو یہ آیت اتری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ کو پھینک دیا اور فقراء کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو گلے لگایا۔ (اسباب نزول واحدی) مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ یہ اس آیت کی طرح ہے جو سورہ شعراء آیت ۱۱۳ میں ہے ان حسابهم الا على ربی۔ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار نے ان کے دین اور اخلاص میں طعنہ زنی کی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا حساب تمہیں لازم پکڑنے والا نہیں۔ وہ تیری طرف بڑھ کر آئے گا۔ جیسا کہ تمہارا حساب تم پر ہے وہ تمہاری طرف بڑھ کر نہ جائے گا۔

یہ جواب نفی ہے:

فَتَطْرُدَهُمْ یہ جواب نفی ہے اور وہ نفی ما علیک من حسابهم ہے۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ یہ نہی کا جواب ہے اور وہ نہی ولا تطرد ہے اور یہ بھی درست ہے کہ فتطردهم پر اس کا عطف ہے بطور تسبیب کے۔ کیونکہ ان کا ظالم ہونا ان کے ہٹانے کا

منصوب ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔ مسلمانوں کو اپنے پاس سے نکالیں اور ظالموں میں سے ہو جائیں۔ مگر نفی کا جواب زیادہ بہتر ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔ ان کو اپنے پاس سے نکالو ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

کثرتِ دُنیا علامتِ خیر نہیں بلکہ آزمائش ہے:

آیت ۵۳: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اور اسی آزمائش کی طرح ہم نے اغنیاء و فقراء کے ذریعے آزمایا۔ لِيَقُولُوٓا یعنی مالدار۔ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا یعنی ان پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کا انعام کیا۔ حالانکہ ہم ان سے بڑھ کر ایمان والے ہیں۔ اور وہ فقراء ہیں۔ اس میں اس بات سے انکار کیا گیا کہ ایسے لوگ حق پر ہوں گے۔ اور ہم میں سے صرف ان پر بھلائی کا احسان کر دیا جائے: لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف: ۱۱) اگر اس دین میں کوئی بھلائی ہوتی تو پھر یہ لوگ ہم سے پہلے قبول نہ کرتے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ کہ کون اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔

شانِ فقراء اوّل ان کی خوشدلی کیلئے فرمایا پھر رحمت کی بشارت دی:

آیت ۵۴: وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اس بات میں خواہ اس بات کا تذکرہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا سلام ان کو پہنچا دیں اور خواہ یہ کہ آپ کے اکرام میں آپ ان کو سلام کہنے میں ابتداء کریں۔ ان کے دلوں کی خوشی کے لیے اسی طرح یہ ارشاد۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ یہ بھی من جملہ ان باتوں میں سے ہے جو ان کو کہی گئیں۔ کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی خوشخبری دیں۔ اور ان کی قبولیتِ توبہ کی بشارت دیں۔ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ رحمت کا پکا وعدہ فرمایا ہے۔ اَنَّهٗ ضمیر شان ہے۔ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا اگر کوئی تم میں سے برائی بِجَهَالَةٍ یعنی اس نے اس حالت میں عمل کیا ہے کہ وہ اس کے نقصان سے ناواقف ہے یا اس کو جاہل اس لیے کہا کیونکہ اس نے عاقبت پر معصیت کو ترجیح دی۔ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ اس برائی کے بعد یا عمل کے بعد۔ وَاَصْلَحَ اور مخلصانہ توبہ کی۔

قراءت و نحو:

فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ شامی و عاصم نے اَنَّهٗ و فَاَنَّهٗ پڑھا ہے۔ نمبرا۔ اَنَّهٗ کی صورت میں یہ الرحمۃ سے بدل ہے۔ نمبر۲۔ اور دوسری صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے۔ اَنَّهٗ فَاِنَّهٗ مدنی نے پڑھا۔ اول بدل الرحمۃ ہے اور دوسرا مبتداء۔ اِنَّهٗ فَاِنَّهٗ دیگر قراء نے مستانفہ پڑھا ہے۔ گویا رحمت کے متعلق استفسار کیا گیا تو جواب دیا گیا۔ انه من عمل منکم۔

مجرموں کے راستہ کی وضاحت تاکہ ہر ایک دیکھ لے:

آیت ۵۵: وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ یعنی ہم واضح کرتے ہیں اور تاکہ ظاہر ہو جائے۔ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ سبیل کو نصب کے ساتھ مدنی نے پڑھا۔ حمزہ و علی اور ابوبکر نے یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ رفع کی صورت میں سبیل کو مذکر و مؤنث دونوں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ اور جب منصوب ہو تو تا سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ کہا جاتا ہے استبان الامر و تبین واستبنتہ و تبینتہ یا استبان و تبین لازم آتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہم یہ تفصیل ہم

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے۔ اور نہیں

تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا

گرتا ہے کوئی پتہ مگر وہ اسکو جانتا ہے۔ اور نہیں گرتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور

يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا

خشک مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔ اور وہی ہے جو تمہیں قبض میں لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کچھ

جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

کرتے ہو دن میں۔ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ پوری کر دی جائے میعاد مقرر۔ پھر اس کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

پھر وہ تمہیں ان اعمال کی خبر دیگا جو تم کیا کرتے تھے۔"

میعادٍ مّن نشآء۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ تمہارے عذاب کو مؤخر کرنے کے متعلق یَقُصُّ الْحَقَّ مکی، نافع، عاصم نے پڑھا ہے یعنی وہ جو فیصلہ کرتے ہیں اس میں حق و حکمت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

باقی قراء نے اس کو یقضی الحق وہ حق کا فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ جلدی یا تاخیر کرتے ہیں۔ یہی الحق سے مراد قضاء ہے یعنی الحق اس صورت میں یقضی کے مصدر کی صفت ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ وہ فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ الفصل قضاء ہی کو کہتے ہیں۔ اور یا کا گرنا التقائے ساکنین کی وجہ سے اتباع لفظ کی خاطر ہے۔

میری قدرت میں عذاب نہیں وہ جب چاہے اتارے:

آیت ۵۸: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِىْ یعنی میری قدرت و امکان میں مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ یعنی عذاب لَقُضِىَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ تو تم جلدی ہلاک ہو جاؤ غضب الٰہی کی وجہ سے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ یعنی وہ ظالم پر ایسے وقت عذاب اتارے گا جس میں وہ جانتا ہے کہ وہ زیادہ روکنے والا ہے۔

وہ خود مغیبات کا علم رکھنے والا ہے:

آیت ۵۹: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ المفاتح جمع مفتح ہے اور وہ مفتاح کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہی ہے کہ مفاتح سے مراد خزائن عذاب اور رزق ہیں۔ تیسرا قول لوگوں کی نگاہوں سے جو چیزیں غائب ہیں۔ مثلاً ثواب عقاب آجال

احوال ان کے خزائن مراد ہیں۔ اور ان پوشیدہ چیزوں کو مفاتح بطور استعارہ کہا گیا۔ کیونکہ کھولنے والا چابیوں کے ذریعے ہی بند خزانوں کے اندر مخفی اشیاء تک پہنچ سکتا ہے۔ پس جس کو چابیوں کا علم ہو گیا۔ اور ان کے کھولنے کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی۔ وہ ان تک پہنچ جائے گا۔ پس مراد یہ ہے کہ وہ خود ہی ان مغیبات کا علم رکھنے والا ہے۔ کوئی دوسرا وہاں تک رسائی نہیں پا سکتا۔ اس شخص کی طرح جس کے پاس خزائن کی چابیاں ہوں اور وہ ان کا کھولنا بھی جانتا ہو۔ وہ ان مخازن میں جو کچھ ہے وہاں تک پہنچنے والا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس غیب کے خزائن ہیں اور تیرے پاس عیب کے خزائن ہیں پس جو اس کے غیب پر ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب پر پردہ ڈال دیں گے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ نباتات اور جانور ہیں۔ وَالْبَحْرِ یعنی حیوانات اور جواہر وغیرہ۔ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا مَا نفی کے لیے ہے اور مِنْ استغراق کے لیے یعنی وہ ان کی تعداد اور احوال گرنے سے پہلے اور گرنے کے بعد جانتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اس کا عطف ورقۃ پر ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے۔ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ یہ جملہ گویا الا یعلمہا کے لیے بطور تکرار لائے۔ کیونکہ الا یعلمہا اور الا فی کتاب مبین کا معنی ایک ہے اور وہ علم الٰہی یا لوح محفوظ ہے۔

تم ہر وقت اس کے احاطۂ علم وقدرت میں ہو:

آیت ۶۰: پھر کفار کو اس طرح خطاب فرمایا۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وہ تمہاری روحوں کو نیند میں تصرف سے روک دیتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ جو تم کماتے ہو دن میں گناہ وغیرہ۔ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ پھر وہ تمہیں اس میں بیدار کرتا ہے۔ یا تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ثم یبعثکم فی النہار ویعلم ما جرحتم فیہ۔ پھر وہ دن میں تم کو اٹھاتا ہے۔ اور جانتا ہے جو تم ان میں کرتے ہو۔ کسب کو مقدم اس لیے کر دیا کیونکہ وہ اہم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے ان کاموں کو نہیں جانتا جو رات کے دوران کرتے ہیں۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ وہ دن میں ہماری ارواح کو قبض نہیں کرتا۔

نکتہ: کسی چیز کا خاص طور پر ذکر کرنے سے ماسواء کی نفی نہیں ہو جاتی۔ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى تاکہ مدت اعمال کو پورا کیا جائے۔

قوائے حواس کو قبض کر کے واپس کرنے والا ارواح کو قبض کے بعد واپس کرے گا:

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد تمہارا لوٹنا ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ پھر دن رات میں بعض اہل کلام نے کہا ہے کہ ہر حواس کی ایک خاص روح ہے۔ جو نیند کے وقت قبض کی جاتی ہے۔ باقی۔ وہ روح جس پر زندگی کا دار مدار ہے۔ وہ صرف اس وقت قبض کی جاتی ہے جب کہ مقررہ وقت آتا ہے۔ یہاں ارواح سے مراد وہ قویٰ اور معانی ہیں جن سے وہ حواس قائم ہیں۔ جن سے شنوائی، بصارت، ذائقہ، سونگھنا وغیرہ ہوتی ہے اور ثم یبعثکم فیہ کا مطلب بیدار کرنا ہے اور حواس کی ارواح کا واپس کرنا ہے۔ اس آیت سے منکرین بعث پر استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ جب نیند سے حواس کی ارواح غائب ہو جاتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ لوٹاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بدنوں کی ارواح قبض کرنے کے بعد ان کی طرف ارواح کو لوٹا دیں گے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ

موت آ جاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا مولیٰ

الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

حقیقی ہے۔ خبردار! اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم کو کون نجات دیتا ہے

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ

خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے جبکہ تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، کہ اگر وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر پریشانی سے، پھر تم

تُشْرِكُوْنَ ۝

شرک کرتے ہو۔

محافظ کو لکھنا برائی سے بچنے میں معاون ہے:

آیت ۶۱: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً محافظ فرشتے جو تمہارے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ وہ کراماً کاتبین ہیں۔ جو کہ برائی سے بچنے کے لیے بہت زیادہ معاون ہے۔ جب وہ اس بات کو سوچیں گے کہ ان کے صحائف تمام انسانوں کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حتیٰ حفظ اعمال کی غایت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ یعنی فرشتوں کی یہ عادت مکلفین کے ساتھ پوری زندگی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ موت ان پر آ کر طاری ہو جاتی ہے۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ اور وہ ملک الموت اور اس کے معاون ہیں۔ قراءت: توفیہ و استوفیہ امالہ کے ساتھ حمزہ نے پڑھا ہے۔ رُسْلُنَا سین کے جزم کے ساتھ ابو عمرو نے پڑھا ہے۔ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ وہ سستی اور دیر نہیں کرتے۔

تمام معاملات سچے مولا کے پاس:

آیت ۶۲: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اس کے حکم اور اس کے بدلہ کی طرف یعنی مرنے والوں کو ملائکہ کے لوٹانے سے اللہ کی بارگاہ کی

طرف لوٹایا جائے گا۔ مَوْلٰهُمُ جو ان کا نگہبان اور ان کے امور کا متولی ہے۔ الْحَقِّ وہ ایسا عادل ہے کہ سچائی سے فیصلہ کرتا ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ اس دن کسی دوسرے کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اس کو ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے مشغول نہیں کر سکتا۔ وہ تمام مخلوق کا حساب بکری دوہنے کے وقت کے برابر میں لے گا۔ مجاہدؒ: والرد علی من رباك خیر من البقاء مع من اذاك تیرا اس کے پاس لوٹنا جس نے تیری تربیت کی اس سے بہت بہتر ہے کہ تو اس کے ساتھ رہے جس نے تجھے ایذا دی ہو۔

اندھیروں میں پھنستے ہو تو اسی کو پکارتے ہو:

آیت ۶۳: قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ۔ قراءت: یعقوب نے ينجيكم بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ دونوں کے خوفناک اور ہولناک مواقع سے مجاز ہے۔ دوسرا قول ظلمات البر سے مراد گرمی اور ظلمات البحر سے امواج بحر مراد ہیں۔ یعنی دونوں رات اور بادل میں ہوں۔ تَدْعُوْنَهٗ۔ يُنَجِّيكُمْ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔ تَضَرُّعًا اس حال میں کہ تم گڑگڑانے کا اظہار کر رہے ہوتے ہو۔ یہ مصدر ہے حال واقع ہے اسی طرح وَّخُفْيَةً بھی مصدر و حال ہے یعنی چھپے دل کے چھپانے والے۔ قراءت: تمام قرآن میں خُفْيَةً کو خِفْيَةً ابوبکر نے پڑھا ہے۔ دراصل یہ دونوں لغتیں ہیں۔ لَئِنْ اَنْجٰنَا قراءت: عاصم نے پڑھا ہے حمزہ و علی نے بالف پڑھا اور بقیہ قراء نے انجیتنا پڑھا مطلب یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو خلاصی دی۔ مِنْ هٰذِهٖ ان اندھیروں سے۔ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ اللہ تعالیٰ کے لیے۔

نجات وہ دے اور شریک بھی اسی کا بناؤ، عجب ہے:

آیت ۶۴: قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ تشدید کے ساتھ کوفی نے پڑھا۔ مِّنْهَا یعنی اندھیرے وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ غم، ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ تم شکر ادا نہیں کرتے (بلکہ شرک کرتے ہو)۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ

پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف جماعتیں کر کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی لڑائی

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

آپ دیکھ لیجئے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا

وَهُوَ الْحَقُّ ۗ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ

حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے اور عنقریب

تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

تم جان لو گے۔

ہر طرح کی پکڑ پر اسے ہر وقت کامل قدرت ہے:

آیت ۶۵: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ وہی ذات ہے کہ جس کو تم دیکھ رہے ہو تمہیں معلوم ہے یا قادر کا معنی کامل القدرت اس میں لام عہد و جنس دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ جیسا اس نے قوم لوط پر عذاب کی بارش برسائی اور اصحاب فیل پر پتھراؤ کی بارش۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ جیسا اس نے فرعون کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ یا تمہارے سلاطین اور کمینے لوگوں کی طرف سے یا اس سے مراد بارش کا بند ہونا اور نباتات کا نہ اگنا ہے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے جن کی خواہشات مختلف ہوں ہر گروہ اپنے مقتداء کے ساتھ چلنے والا ہو۔ خلطبہ کا مطلب ان میں باہمی لڑائی کا بھڑک پڑنا۔ جس سے وہ لڑائی کے واقعات میں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں۔ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ البأس تلوار کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت پر اوپر سے عذاب نازل نہ فرمائے۔ یا پاؤں کے نیچے سے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی سوال کیا کہ وہ آپس میں لڑائی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے روک دیا۔ یعنی قبول نہیں فرمایا۔ اور مجھے جبرائیل نے بتلایا اور اطلاع دی کہ میری امت کی فنا تلوار سے ہوگی۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وعدہ اور وعید کے ساتھ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔ اور جو لوگ پرہیز کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کوئی چیز نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں۔ اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈالا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجئے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو بھی اس سے نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے پھنس گئے۔ ان کیلئے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے بوجہ کفر کرنے کی وجہ سے۔

سچے قرآن کو جھٹلایا عذاب کا انتظار کرو:

آیت ۶۶: وَكَذَّبَ بِهِ یعنی قرآن کو یا عذاب کو قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ سچا ہے۔ اس کا اترنا اس پر ضروری ہے۔ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ایسا محافظ جس کے سپرد تمام معاملہ کر دیا گیا ہو۔ بے شک میں تو منذر ہوں۔

وہ اپنے وقت پر آئے گا پھر خبر ہوگی:

آیت ۶۷: لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ ہر وہ چیز جس سے خبر دی جائے۔ یعنی ان کا یہ علم کہ ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان

کا اس کے ذریعہ ڈرانا مستقر وقت استقرار و حصول پر صورت ہے۔ وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس میں ان کو ڈرایا گیا ہے۔

قرآن پر طعن کرنے والوں کے پاس مت بیٹھو:

آیت ۶۸: وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا یعنی قرآن کے استہزاء اور طعن میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور قریش اپنی مجالس میں ایسا کرتے تھے۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ان کے پاس مت بیٹھو۔ اور ان کے پاس سے اٹھ جاؤ۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ قرآن کے علاوہ جو کہ حلال ہے۔ پس اس وقت ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔ قراءت: شامی نے يُنَسِّيَنَّكَ سین کے تشدید سے پڑھا ہے۔ نسّی اور انسی کا معنی ایک ہی ہے۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى یاد آنے کے بعد مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

ہر ایک اپنے محاسبہ سے دوچار ہوگا:

آیت ۶۹: وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ ان لوگوں کو محاسبہ سے جو قرآن مجید کی تکذیب میں مصروف ہیں۔ اور استہزاء کر رہے ہیں۔ مِّنْ شَيْءٍ یعنی ان متقین پر جو ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کے محاسبہ میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی وہ محاسبہ جو ان کے گناہوں پر کیا جائے گا۔ وَّلٰكِنْ ان پر لازم ہے کہ ان کو نصیحت کرتے رہیں۔ ذِكْرٰى جب کہ ان کو دیکھیں کہ وہ استہزاء میں مصروف ہیں۔ ان کے پاس سے اٹھنے اور ان کے اس فعل سے نفرت کرتے ہوئے اور ان کو نصیحت کرتے ہوئے۔ ذکریٰ منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو نصیحت کریں نصیحت کرنا۔ یا مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے لکن علیہم ذکریٰ یعنی ذکریٰ مبتدا اور علیہم اس کی خبر ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ وہ استہزاء میں مصروف ہونے سے بطور حیا باز رہیں یا ان کی برائی کو ناپسند کرتے ہوئے۔

دین کا مذاق بنانے والے اپنے عمل سے پھنس کر عذاب کا شکار ہوگئے:

آیت ۷۰: وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ یعنی جس کا ان کو مکلف بنایا گیا اور جس کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ لَعِبًا وَّلَهْوًا اس کے ساتھ تمسخر کیا اور استہزاء کیا۔ فذرھم کا معنی ان سے اعراض کریں اور ان کی تکذیب کی بالکل پرواہ نہ کریں اور استہزاء کو خاطر میں نہ لائیں۔ لھو وہ چیز جو انسان کو مشغول کر دے۔ خواہشات سے ہو یا خوش طبعی سے وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ قرآن کے ذریعہ نصیحت فرمائیں۔ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ اس خطرہ سے کہ نفس ہلاکت و عذاب کا شکار ہو اور اپنے برے اعمال کا مرہون ہو۔ ابسال کا معنی روکنا ہے۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ جو اس کی حالت سے مدد کرے۔ وَّلَا شَفِيْعٌ جو شفاعت سے دفع کرے۔ صحیح قول کے مطابق کسبت پر وقف نہیں۔ کیونکہ لیس لھا یہ نفس کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ نصیحت فرماتے رہیں اس کراہت سے کہ کوئی نفس ہلاک ہو کسی دوست اور شفیع کو

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا

آپ فرما دیجئے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو ہمیں نفع نہیں دے سکتے اور جو ہمیں ضرر نہیں دے سکتے اور کیا ہم الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ

جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے اس شخص کی طرح جس کو شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو وہ حیران پھر رہا ہو

لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ

اس کے ساتھی ہیں جو اسے بلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آ جو ہمارے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ

اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور اس سے ڈرو۔ اور وہی ہے

اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ

جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور جس دن

یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ

وہ فرمائے گا کہ ہو جا سو وہ ہو جائے گا۔ اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۷۳﴾

وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔

نہ پاسکتے ہوئے۔ اپنی کمائی کے سبب۔ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ مصدر کی بنا پر منصوب ہے ان تفد کل فداء اگرچہ تم فدیہ دو۔ العدل فدیہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ فدیہ دینے والا فدی کو اس کے مثل سے برابر کرتا ہے۔ لَا یُؤْخَذْ مِنْهَا کا فاعل ضمیر عدل نہیں کیونکہ عدل یہاں مصدر ہے۔ اور مصدر اخذ کا متعلق نہیں ہو سکتا۔ باقی لا یؤخذ منہا عدل البقرہ آیت ۴۸ میں عدل بمعنی مفدی بہ مفعول کے معنی میں ہے۔ پس اس لیے اس کی طرف یوخذ کی نسبت درست ہے۔ اُولٰٓئِكَ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے دین کو لہو ولعب بنانے والے ہیں۔ یہ مبتدا اور الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا اس کی خبر ہے۔ اور لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ گرم گرم پانی یہ اولئک کی خبر دوم ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے اولئک المبسلون ثابت لهم شراب من حمیم۔ ان ہلاک ہونے والوں کے لیے گرم پانی کا مشروب ثابت ہوگا۔ یا الگ مستانفہ ہے۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ان کے کفر کی وجہ سے۔

گمراہ کو غول شیطانی میں پھنسنے والے سے تشبیہ دی:

آیت ۷۱: قُلْ (کہہ دو) ابوبکر کو کہہ دیں کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمان کو کہہ دیں جو اپنے باپ کو بتوں کی عبادت کی طرف بلا رہا تھا۔ اَنَدْعُوْا کیا ہم عبادت کریں۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جو نقصان اور نفع کا مالک ہے۔ مَالَا يَنْفَعُنَا ان کی جو ہمارے نفع کی قدرت نہیں رکھتے اگر ہم ان کو پکاریں۔ وَلَا يَضُرُّنَا اگر ہم ان کو چھوڑ دیں۔ وَنُرَدُّ کیا ہم لوٹائے جائیں گے۔ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا اس حالت میں کہ شرک کی طرف لوٹنے والے ہوں۔ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اسلام کی طرف اور بتوں کی عبادت سے ہمیں چھڑایا۔ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ اس شخص کی طرح جس کو شیاطین کے غول اور سرکش شیاطین لے جائیں۔ نرد علی اعقابنا کی ضمیر سے حال ہونے کی بناء پر یہ منصوب ہے مطلب یہ ہے کہ کیا ہم الٹے پاؤں ہٹائے جائیں گے ان لوگوں کی طرح جن کو شیاطین نے ورغلایا ہے۔ اور وہ هوی فی الارض سے باب استفعال ہے هوی کا معنی زمین میں جانا گویا اس کا معنی طلبت هویه فی الارض جنگل و بیابان میں۔ حیران استهوته کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ حیران راستے سے بھٹکا ہوا۔ اس کو معلوم نہیں کہ وہ کیا کرے۔ لَهٗ اس بھٹکنے والے کے لئے۔

اَصْحٰبٌ دوست يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى اس طرف کہ وہ اس کو راہ پر لگا دیں صراط مستقیم کو الهدی سے تعبیر فرمایا۔ وہ اس کو کہہ رہے ہیں ائْتِنَا وہ راستے سے بھٹکا ہوا جنات کے پیچھے جا رہا ہے اور ان کو جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے پاس آتا ہے۔ وہ یہ اس بناء پر ہے جو کہا جاتا ہے کہ جنات انسان کو بھٹکا رہے ہیں۔ اور غول شیطانی انسان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ پس طریق اسلام سے گمراہی اختیار کرنے والے کو اس سے تشبیہ دی ہے شیطان کے قدموں کی پیروی کرنے کو تشبیہ دی اور مسلمان اس کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

ہدایت صرف اسلام، باقی سب گمراہی:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ اور وہ اسلام ہے۔ هُوَ الْهُدٰى صرف ہدایت ہے اس کے علاوہ گمراہی ہے۔ وَاُمِرْنَا یہ ان هدی الله هو الهدی کے محل پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ دونوں مقولے ہیں۔ گویا اس طرح کہا گیا یہ بات بھی کہو اور یہ کہو امرنا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

فرمانبرداروں کے طریق:

آیت ۷۲: وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تقدیر عبارت یہ ہے و امرنا لان نسلم ولان اقیموا۔ یعنی اسلام اور اقامت صلوٰۃ کے لئے وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ قیامت کے دن۔

اللہ خالق اور کامل علم وقدرت والا ہے:

آیت ۷۳: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ حکمت کے ساتھ۔ یا واقعی برحق۔ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ یہ خبر ہے جواب نہیں۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ یہ مبتدا ہے یوم یقول اس کی خبر مقدم ہے جیسا کہ تم کہو یوم الجمعة قولک الصدق یعنی

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری

وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ

قوم کو بھی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات

وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ

دکھائیں تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا،

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ

کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو

بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے تو میں بھی گمراہ

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝۷۷ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ

لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے

اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸

بڑا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم میں تمہارے ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

قولہ الصدق کائن یوم الجمعۃ یعنی ان کی بات جمعہ کے دن واقع ہونے والی ہے۔ اور الیوم بمعنی حین سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حق و حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ جس وقت وہ کسی چیز کو فرماتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس کی بات سچی اور حکمت والی ہے۔ یعنی آسمان و زمین اور تمام مخلوقات میں جو چیز بھی ہوتی ہے وہ حکمت و صواب پر مبنی ہے۔ وَلَهُ الْمُلْكُ یہ مبتدا خبر ہے۔ يَوْمَ يُنْفَخُ یہ لہ الملک کا ظرف ہے۔ فِي الصُّوْرِ لغت یمن میں صور سینگ کو کہتے ہیں۔ یا یہ صورۃ کی جمع ہے (مگر قرطبی نے اس کو جمع ماننے سے انکار کر کے تردید کی ہے۔ (صفحہ ۲۰ جلد ۷) عٰلِمُ الْغَيْبِ وہ عالم الغیب ہے وَالشَّهَادَةِ یعنی پوشیدہ اور ظاہر وَهُوَ الْحَكِيْمُ فنا کرنے اور زندہ کرنے میں الْخَبِيْرُ حساب جزا سے۔

ابراہیم علیہ السلام کا باپ کو وعظ و نصیحت کرنا:

آیت ۷۴: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ یہ ان کے والد کا نام ہے یا لقب ہے کیونکہ نسابین کے مابین اختلاف ہے کہ ان کے

والد کا نام تارخ ہے۔ یہ آزر ابیہ کا عطف بیان ہے۔ اور اس کا وزن فاعل ہے۔ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً یہ استفہام توبیخی ہے۔ کیا تو ان کو معبود بناتا ہے۔ حالانکہ یہ الوہیت کے مستحق نہیں۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

بصیرت روشن کر کے شرک کی قباحت ظاہر کر دی:

آیت ۷۵: وَ كَذٰلِكَ جیسے ہم نے ان کو شرک کی قباحت دکھائی تھی۔ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی ہم اس کی بصیرت کو آسمان وزمین کی تخلیق کے لطائف بتلا رہے تھے نری ماضی کی حکایت حال میں بیان کی گئی۔ الملکوت یہ الملک سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں ان کے لیے ساتوں آسمان کھول دیے گئے آپ نے ان کے مابین جو کچھ تھا وہ دیکھا حتی کہ ان کی نگاہ عرش الٰہی تک پہنچی۔ اور ساتوں زمینیں کھول دی گئیں۔ یہاں تک کہ جو کچھ ان میں تھا وہ دیکھا۔ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ہم نے اس طرح کیا تاکہ وہ استدلال کرے۔ ولیکون من الموقنین عیانا کما ایقن بیانا تاکہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح یقین کرے جیسا کہ وہ بیان سے یقین کرنے والے تھا۔

نظر و استدلال سے قوم کی راہنمائی:

آیت ۷۶: فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ یعنی چھا گئی اس کا عطف قال ابراہیم لابیہ پر ہے۔ اور کذالک نری ابراہیم یہ جملہ معترضہ ہے۔ جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہے۔ رَاٰ كَوْكَبًا یعنی زہرہ یا مشتری ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم بت پرست سورج چاند ستارہ پرست تھی۔ آپ علیہ السلام نے ان کو ان کے مذہب کی غلطی واضح کرنے کا ارادہ فرمایا اور نظر و استدلال کے انداز سے ان کی راہنمائی چاہی۔ اور ان کو یہ بتلانا چاہا۔ کہ صحیح نظر و فکر کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی اس قابل نہیں کہ معبود بنایا جا سکے۔ کیونکہ اس میں حدوث وزوال کی دلیل پائی جاتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کوئی تو ان کا موجد ہے جس نے ان کو ایجاد کیا ہے اور ان کا کوئی مدبر ہے۔ جو ان کے طلوع و غروب کا انتظام کرتا ہے۔ اور انتقال و چال و دیگر تمام احوال کا منتظم ہے۔ جب آپ نے اس ستارہ کو دیکھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے تو فرمایا۔ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ یعنی ان کو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے بقول تمہارے۔ یہ مراد نہیں کہ جو کہ بطور استہزاء آپ نے فرمایا ان پر انکار کرتے ہوئے یہ بات فرمائی محاورہ عرب میں حرف استفہام کو بعض اوقات حذف کر دیتے ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ اس کا قول ہے جو اپنے مخالف سے انصاف کا طالب ہو۔ وہ جانتا ہو کہ وہ باطل پر ہے۔ مگر اس کی بات کی حکایت اس انداز سے کرے گویا کہ وہ غیر متعصب ہے۔ کیونکہ یہ طرز عمل حق کی طرف سے زیادہ دلیل دینے والا اور شورہ و شغب سے خالی ہے۔ پھر وہ اس کے اعتقاد کو نقل کر کے اس پر بڑا حملہ کرتا ہے اور دلیل سے اس کو باطل کرتا ہے۔ فَلَمَّاۤ اَفَلَ غائب ہوا۔ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنی میں ایسے ارباب کی عبادت پسند نہیں کرتا جو ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے والے ہوں کیونکہ یہ اجسام مرکب کی صفات میں سے ہے۔

غروب سے تغیر پذیری پر شاندار استدلال:

آیت ۷۷: فَلَمَّآ رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا طلوع ہوتے ہوئے۔ قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ آپ نے اپنی قوم کو خبردار فرمایا کہ جو شخص چاند کو الٰہ بناتا ہے وہ گمراہ ہے۔ طرز استدلال: آپ نے اس مقام پر غروب سے استدلال فرمایا طلوع سے نہیں۔ حالانکہ دونوں حالتیں تغیر پذیری ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غروب سے استدلال زیادہ واضح تر ہے۔ کیونکہ یہ انتقال چھپ جانے اور پردے میں اور وحشت میں آ جانے کے ساتھ ہے۔

مخاصم سے انصاف کی اپیل کی تاکہ اعتراض دلیل بن جائے:

آیت ۷۸: فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَا سے اشارہ ہے مذکر لائے کیونکہ انہوں نے اس سے طلوع ہونے والا مراد لیا۔ یا اس وجہ سے کہ انہوں نے مبتدا کو خبر کی طرح بنا لیا۔ کیونکہ وہ معنوی لحاظ سے دونوں ایک چیز ہیں۔ اس میں لفظ رب کے لفظ کو تانیث سے محفوظ کرنا مقصود ہے اس لیے تو اہل عرب صفات باری تعالیٰ کے متعلق علامہ اور علام نہیں کہتے۔ اگرچہ غالی پہلے کی نسبت علامت تانیث سے لفظ بچنے کی خاطر۔ ھٰذَآ اَکْبَرُ یہ بھی اپنے خصم کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ان اجرام میں سے جن کو تم ان کے خالق کا شریک قرار دیتے ہو۔ ایک کمزور قول یہ ہے کہ یہ نظر و استدلال ان کا اپنے نفس سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے نقل کر دیا۔ مگر پہلا احتمال ظاہر ہے اس لئے کہ یہ ارشاد یٰقوم انی بریٓء مما تشرکون اس کی تائید کر رہا ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا میں سب سے یکسو ہو کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں اور میں

الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ

شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم نے ان سے حجت بازی کی تو انہوں نے فرمایا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے۔ میرے پروردگار کا علم ہر چیز

شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا

کو احاطہ کیے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا ہے حالانکہ

تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ

تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنایا ہے جن کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ

امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کسی ظلم کی آمیزش نہ کی

بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

شرک کی انہیں کے لئے امن ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں

مثبت انداز میں تذکرۂ توحید:

آیت ۷۹: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یعنی اس ذات کے لیے کہ یہ مصنوعات دلالت کرتی ہیں کہ وہی ان کا بنانے والا ہے۔ حَنِیْفًا یہ حال ہے یعنی تمام ادیان سے اسلام کی طرف مائل ہونے والا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو اس کی مخلوقات میں سے۔

میرا رب نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے جبکہ تمہارے معبود کچھ بھی نہیں اسلئے میں ان سے نہیں ڈرتا:

آیت ۸۰: وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق اور اس سے شرکاء کی نفی کے متعلق قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ اس کی توحید کے متعلق

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ

اور ان سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی ذریت سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو

وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

قراءت: اتحاجونی تخفیف نون کے ساتھ مدنی اور ابن ذکوان نے پڑھا ہے۔ وَقَدْ هَدٰىنِ یاء کی توجیہ کی طرف ابوعمرو نے تنہا میں وصل کے ساتھ پڑھا۔ وَقَدْ هَدٰىنِ جب انہوں نے ابراہیم کو دھمکایا کہ ان کے معبود ان کو تکلیف پہنچائیں گے تو فرمایا۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی میں تمہارے معبودوں سے کسی بھی وقت میں نہیں ڈرتا۔ کیونکہ وہ نفع و نقصان کی ذرہ بھر بھی طاقت نہیں رکھتے۔ مگر جب کہ میرا رب چاہے کہ ان میں سے کوئی تکلیف پہنچے وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ جس چیز میں چاہے نفع و نقصان پیدا کردے۔ نہ کہ بت۔ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا کہ بندے کو کوئی ذرا سا نفع یا نقصان اس کے علم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ کیا تم فرق کرو قادر اور عاجز کے درمیان۔

تم میرے امن پر تعجب کرتے ہو حالانکہ خود مقام خوف میں ہو:

آیت ۸۱: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ تمہارے معبود حالانکہ وہ خوف کی جگہ نہیں۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ اپنے شرک کے باعث عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا دلیل اس لیے کہ شرک پر تو کوئی حجت و دلیل موجود ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم میرے متعلق امن و سلامتی کو تو کچھ خیال کرتے ہو حالانکہ میں تو امن کی جگہ میں ہوں۔ اور اپنے متعلق تم عجیب نہیں سمجھتے حالانکہ تم خوف کے مقام پر ہو۔ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ یعنی موحدین اور مشرکین دونوں گروہ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ عذاب سے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس طرح نہیں فرمایا اَيُّنَا تاکہ تزکیہ نفس کا شبہ نہ ہو۔ پھر سوال کے جواب کو واضح لاتے ہوئے ارشاد ہے۔

شرک سے بچنے والا مامون ہے:

آیت ۸۲: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شرک کے ساتھ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تفسیر فرمائی۔ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ابراہیم کا کلام مکمل ہوا۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ

اور زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب صالحین میں سے ہیں اور ہدایت دی اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو

وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَ

اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے فضیلت دی جہانوں پر۔ اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور

إِخْوَانِهِمْ ۖ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى

کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو چن لیا۔ اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔ یہ اللہ کی

اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا

ہدایت ہے وہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی۔

فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ أُولَٰئِكَ

سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لیے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ

الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ

لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے۔"

ایک استدلال:

آیت ۸۵: وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ یہ تمام مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کے ساتھ کر کے ثابت کر دیا کہ نسب ماں سے بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کو نوح علیہ السلام کی اولاد سے قرار دیا۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ اتصال صرف ماں کی طرف سے ہے۔ اسی دلیل کے ساتھ حجاج کو جواب دیا گیا تھا۔ جب اس نے ابو عاصم کے بارے میں انکار کیا کہ وہ

اولاد والی ملتی ہیں۔

آیت ۸۶: وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ اللیسع جہاں بھی قرآن میں آتا ہے دو لاموں سے حمزہ اور علی نے پڑھا ہے۔ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ نبوت اور رسالت کے ساتھ۔

آیت ۸۷: وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ یہ کُلًّا پر عطف کی وجہ سے محل نصب میں واقع ہے۔ ای وفضلنا بعض آبائهم ان کے بعض آباء کو فضیلت دی۔ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

آیت ۸۸: ذٰلِكَ وہ جس کو اختیار کیا ان مذکورہ حضرات نے هُدَى اللّٰهِ اللہ کا دین يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اس میں معتزلہ کی تردید ہے کیونکہ ان کا قول ہے ان اللہ شاء ھدایۃ الخلق کلھم۔ لکنھم لم یھتدوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام مخلوق کو ہدایت دینا چاہا مگر انہوں نے ہدایت نہ پائی۔

مذمت شرک کا انوکھا انداز:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا باوجود اپنے فضل و کمال اور بلند درجات کے لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تو ان کے اعمال باطل ہو جائیں۔ جیسا کہ دوسرے موقع پر فرمایا لئن اشرکت لیحبطن عملك (الزمر ۶۵)

آیت ۸۹: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ الکتاب سے جنس مراد ہے وَالْحُكْمَ اور حکمت یا الفہم الکتاب وَالنُّبُوَّةَ وہ انسان کے اعلیٰ ترین مناصب میں سے ہے۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا کتاب اور حکمت و نبوت کے ساتھ یا آیات قرآن کے ساتھ هٰٓؤُلَآءِ۔

هٰٓؤُلَآءِ کی مراد:

یعنی اہل مکہ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا وہ مذکورہ انبیاء اور ان کے سچے پیروکار ہیں۔ اس کی دلیل اگلی آیت اولئك الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس تم ان کی ہدایت کی اقتداء کرو۔ دوسرا قول اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تیسرا قول جو آپ پر ایمان لائے وہ سب مراد ہیں۔ چوتھا قول عجم جو ایمان لائے وہ مراد ہیں۔ اور توکیل کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس پر ایمان کی توفیق دی اور ان کے حقوق کی ادائیگی میسر ہوئی جیسا کہ آدمی کو کوئی چیز سپرد کی جاتی ہے تاکہ وہ اس کی نگرانی کرے اور اس کا خیال کرے۔ اور نگہبانی کرے۔ لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ باء کافرین کے صلہ کے طور پر لائی گئی ہے۔ بکافرین میں باء نفی کی تاکید ظاہر کرنے کے لیے لائے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول دین ایک ہیں:

آیت ۹۰: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ یعنی وہ انبیاء جن کا تذکرہ گزرا۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اقتدا کیجئے انکی ہدایت کو خاص کیا کہ اسکے علاوہ کسی کی اقتداء نہ کرو۔ یہ مفعول کو مقدم کرنے کا مطلب ہے اور ھداھم سے مراد ان کا طریقہ جو ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ اور اصول دین کے سلسلہ میں ہے شریعت نہیں کیونکہ شرائع تو مختلف ہیں اقتدہ۔ میں ہاء وقف ہے وصل میں ساقط

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچاننا تھی جبکہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

آپ فرما دیجئے کہ کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا

تم نے اسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کو چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں بتلائی گئیں جن کو تم نے نہ جانا اور نہ تمہارے

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

باپ دادوں نے جانا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے۔

کو جاتی ہے۔ یہاں وقف کرتے ہوئے پڑھنا بہتر ہے تاکہ مصحف کی ھا قائم رہے۔ البتہ قراء حمزہ و علی وصل میں ان کو حذف کرتے ہیں اور شامی اختلاف کرتے ہیں۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ وحی پر یا تبلیغ رسالت پر یا ہدایت کی طرف دعوت دینے پر اجرًا۔ انعام

مستنبط نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ تعلیم قرآن اور روایت حدیث پر اجرت لینا جائز نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ قرآن جن و انسان کے لیے نصیحت ہے۔

یہود کا حسد کی وجہ سے تمام وحیوں سے انکار:

آیت ۹۱: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ انہوں نے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اچھی طرح نہیں پہچانا۔ اسی طرح وحی جیسی رحمت کو نہ جانا۔ حالانکہ یہ تو عظیم ترین رحمت ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷) روایات میں ہے کہ یہودی ایک جماعت جس میں مالک بن صیف بھی تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کو کہا کہ کیا تورات میں یہ لکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتے ہیں۔ تو اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو الحبر السمین ہے اس پر وہ غضب ناک ہوا اور کہنے لگے ما انزل اللہ علی بشر من شیء کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز اتاری نہیں۔ حَقَّ قَدْرِهٖ یہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا یہ بہ کی ضمیر سے حال ہے۔ یا الکتاب سے حال ہے۔ وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے یعنی اس کے حصے کر دیئے اور الگ الگ اوراق میں رکھا اور جدا جدا کاغذوں میں کر دیا تاکہ ابداء و اخفاء پر قدرت پا سکیں۔

قراءت: مکی اور ابو عمرو نے تینوں کو یا سے پڑھا ہے۔ وَعُلِّمْتُمْ اے اہل کتاب تمہیں کتاب کی وہ باتیں سکھائی گئیں مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ تمہارے دین کے سلسلہ میں اور دنیا کے معاملہ میں قُلِ اللّٰهُ یہ جواب ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی اتارا ہے۔ اگر انکار

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ

[illegible]

حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

[illegible]

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ

[illegible]

اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

[illegible]

فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ

[illegible]

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ

[illegible]

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

[illegible]

وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَ مَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

اور تم نے اپنے پیچھے [illegible] جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو

الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ

جن کے بارے میں تم نے [illegible]

تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

کیا کرتے تھے۔

کی قدرت نہیں۔ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ پھر انہیں چھوڑ دیں ان کے باطل میں جس میں وہ مصروف ہیں۔ یَلْعَبُوْنَ یہ ذرھم سے حال ہے یا خوضھم سے حال ہے۔ (یعنی حال یہ ہے کہ بے ہودگی میں ہیں)

آیت ۹۲: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ مُبٰرَكٌ منافع اور فوائد سے بھرپور۔ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ یعنی کتب وَلِتُنْذِرَ یاء کے ساتھ پڑھا جائے یعنی کتاب۔ اس کا عطف اس پر ہے جس پر کتاب کی صفت دلالت کرتی ہے گویا اس طرح فرمایا انزلناه للبرکات و تصدیق ما تقدمه من الکتب وللانذار۔ ہم نے اس کو برکات کے ساتھ اتارا اور تصدیق کے لئے اس کتاب کی جو پہلے گزریں اور ڈرانے کے لئے۔

ام القرٰی کا لقب:

اُمَّ الْقُرٰی یعنی مکۃ المکرمۃ۔ اس کو ام القرٰی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ زمین کی ناف ہے اہل قریٰ کے لیے قبلہ ہے۔ اور شہرت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ لوگ اس کا قصد کر کے جاتے ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا اہل مشرق و مغرب وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ انجام کی تصدیق کرتے اور آخرت سے ڈرتے ہیں۔ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ہ سے کتاب مراد ہے۔ دین کی جڑ خوف عاقبت ہے۔ جو اس سے ڈرا اس پر خوف ہمیشہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آتا ہے۔ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ نماز کا خاص طور پر ذکر کیا۔ کیونکہ وہ علامت ایمان اور دین کا ستون ہے۔ جس نے اس کی محافظت کی تو وہ اس کے تمام دیگر اعمال کی بھی حفاظت کرے گا۔

تمام افتراء والے شامل ہیں مدعیان نبوت ہوں یا اور

آیت ۹۳: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اس سے مالک بن صیف یہودی مراد ہے۔ اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ اس سے مسیلمہ کذاب ہے۔ وَمَنْ قَالَ یہ موضع جر میں ہے اس کا عطف ممن افتری پر ہے یعنی ومن قال۔ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی عنقریب میں بھی اس طرح اتاروں گا یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہے جو کاتب وحی تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ولقد خلقنا الانسان سے خلقاً آخر تک۔ تو اس کی زبان پر فتبارک اللہ احسن الخالقین کا کلمہ آیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اسی طرح لکھو یہ اسی طرح اتری ہے۔ وہ اس کو شبہ ہوا اور کہنے لگا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو میری طرف بھی اسی طرح وحی آتی ہے جیسا کہ اس کی طرف۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں نے بھی اسی طرح کہہ دیا جس طرح وہ کہتا ہے۔ پس وہ مرتد ہو اور اختیار کر کے مکہ چلا گیا۔ یا نضر بن حارث مراد ہے جو کہا کرتا تھا۔ والطاحنات طحنا فالعاجنات عجنا فالخابزات خبزا (اب اس بکواس کی قرآن کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے) گویا وہ قرآن کا معارضہ کرتا ہے۔ وَلَوْ تَرٰی اس کا جواب محذوف ہے لرایت امرا عظیما۔ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مراد وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ ہوا۔ خواہ یہود سے تھے یا مدعیان نبوت اس میں الف لام عہد کا ہے جنس کے لیے بھی درست ہے۔ اب ان میں یہ بھی بطور بدل اشتمال شامل ہو گئے کیونکہ وہ لام ان تمام لوگوں پر مشتمل ہے۔ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ موت کی سختیاں اور موت کے سکرات۔

روح کو بلا مہلت نکالنے کی تعبیر:

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمُ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوں گے۔ لاؤ اپنی روحوں کو ان کو اپنے جسموں سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کرو۔ یہ درحقیقت روح کو کھینچنے اور بلا مہلت نکالنے کی تعبیر ہے۔ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ اس سے موت کا وقت مراد لیا گیا ہے اور وہ شدت نزع جس کا ان کو عذاب دیا جائے گا الھون ذلت اور اس میں تم پایا ہے بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ کہ اس کا شریک اور بیوی اور اولاد ہے۔ نحو: غیر الحق یہ تقولون کا مفعول ہے یا مصدر مضاف کی صفت ہے۔ یعنی قولاً غَیْرَ الْحَقِّ۔ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ یعنی تم ان پر ایمان نہیں لاتے ہو۔

آیت ۹۴: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا حساب اور جزا کے لئے فُرَادٰی اکیلے بغیر مال و معاون کے۔ یہ فرید کی جمع ہے۔ جیسے اسیر جمع اساریٰ۔ کَمَا خَلَقْنٰکُمْ یہ جئتمونا کے مصدر کی صفت ہے یعنی اس طرح کی آمد جیسے ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ اَوَّلَ مَرَّۃٍ اس ہیئت کے مطابق جس پر پہلے پیدا ہوئے۔ وَتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ۔ ہم نے تمہیں مالک بنایا۔ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ تم اس میں سے ایک ذرہ اٹھائے ہوئے نہیں ہو۔ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا تمہارے کام بنانے میں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ زجاج نے بینکم پڑھا وصل ملاقات بین کا لفظ وصل و ہجر دونوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں۔ فواللہ لولا البین لم یکن الھوی ولولا الھوی ما حن للبین آلف اللہ کی قسم اگر وصل نہ ہوتا تو محبت نہ ہوتی۔ اگر محبت نہ ہوتی تو جدائی پر کوئی انس والا شوق مند نہ ہوتا۔ قراءت: مدنی، علی، حفص نے بینکم پڑھا یعنی تمہارے درمیان انقطاع واقع ہو۔ وَضَلَّ عَنْکُمْ ضائع اور باطل ہو گئے۔ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ کہ وہ قیامت کو تمہارے سفارشی بنیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

[illegible]

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (٩٥) فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ

[illegible]

سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (٩٦) وَهُوَ

[illegible]

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا

[illegible]

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (٩٧) وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

[illegible]

وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ (٩٨) وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ

[illegible]

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ

[illegible]

مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ

[illegible]

أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ

[illegible]

إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (٩٩)

اور اس کے پکنے کی طرف۔ بیشک ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

منکرین بعث کے لئے مشاہداتی دلائل:

آیت ۹۵: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى نباتات اور درخت بھی اس نے بنئے سے دانے کو اور گٹھلی سے کھجور کو پھاڑ نکالا۔ الفلق کا پھٹ جانا کہتے ہیں اس سے وہ شگاف مراد ہے جو گٹھلی اور دانے میں پڑ جاتے ہیں۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ۔ جیتے یعنی تر و تازہ نباتات خشک دانے سے۔ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ خشک دانہ تر و تازہ نباتات میں سے یا انسان نطفہ سے اور نطفہ انسان سے۔ یا مومن سے کافر اور کافر سے مومن۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف اس مخلوق سے بالکل پیش کی جو ان کے مشاہدہ میں بھی ہیں کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ پس ان کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ان اشیاء کو پیدا کیا پس ان کو دوبارہ لوٹانے کی بھی طاقت رکھتے ہیں۔

نکتہ: جبکہ یہاں مخرج المیت لفظ اسم فاعل سے استعمال فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف فالق الحب پر ہے۔ فعل پر نہیں ہے۔ اور اوپر یخرج الحی من المیت میں مضارع کا استعمال اس لیے ہے کہ وہ جملہ مستانفہ کے طور پر آیا ہے اور فالق الحب والنوی ہی کی وضاحت ہے۔ کیونکہ حب اور نوی سے نباتات و اشجار میں کا خروج زندہ کو مردہ سے نکالنے کی جنس سے ہے۔ کیونکہ نمو والی چیز بمنزلہ حیوان کے ہے اس کی دلیل اس ارشاد میں پائی جاتی ہے ویحیی الارض بعد موتها۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ موت اور زندگی بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ربوبیت اسی کا حق ہے۔ دیگر بتوں کا نہیں۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ تم کس طرح اس سے پھرے جا رہے ہو۔ جو معاملہ ہم نے بیان کیا اس کے بعد بھی اس سے رخ پھیرنے والے ہو۔

مزید دلائل:

آیت ۹۶: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ یہ مصدر ہے جس کا نام صبح ہے۔ یعنی صبح کے ستون کو رات کی سیاہی میں سے پھاڑ کر نکالنے والا ہے۔ وَجَعَلَ الَّیْلَ کوفی کی قراءت میں ہے کیونکہ اس سے قبل اسم فاعل الحب کے معنی میں ہے جب فالق فلق کے معنی میں ہے تو فعل کو اس پر عطف کر کے ظاہر کیا کہ ان میں معنوی موافقت ہے۔ سَکَنًا اس میں سکون حاصل کریں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ (یونس۔۶۷) کہ مخلوق کام کاج کی مشقت سے غفلت کی نیند کے ذریعہ سکون حاصل کرے۔

مزید دلائل سورج و چاند ذریعۂ حساب:

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کی وحشت سے ہٹ کر کے ساتھ انس حاصل کرے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ یہ دونوں جعل فعل کی وجہ سے منصوب اور اس پر دلیل جاعل اللیل ہے۔ حُسْبَانًا ان دونوں کو حساب کی علامت بنا دیا۔ کیونکہ اوقات کے دوران اور چلنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور الحسبان ضمہ کے ساتھ یہ حسب کا مصدر ہے جیسا کہ حسبان کسرہ کے ساتھ حسب کا مصدر ہے۔ ذٰلِكَ ان کا حسبان بنانا یعنی یہ چلانا ایک مقررہ حساب سے ہے۔ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ جس نے ان کو مغلوب کیا اور مسخر کیا۔ الْعَلِیْمِ ان کی تدبیر اور تقدیر جانتا ہے۔

رات کے اندھیرے اور سمندر کے اندھیروں میں ملابست ہے:

آیت ۹۷: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ (ان کو پیدا کیا) لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی خشکی و سمندر میں اور رات کے اندھیروں میں ظلمات کی اضافت بر و بحر کی طرف ملابست کی وجہ سے کی گئی ہے یا مشتبہ راستوں کو ظلمات سے تشبیہ دی۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہم نے علم والوں کے لیے توحید پر دلالت کرنے والے دلائل واضح کر دیے۔

مستقر و مستودع کی تفسیر:

آیت ۹۸: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (وہ آدم ہیں) فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قراءت: مکی اور بصری نے مستقر کسرہ قاف سے پڑھا ہے جنہوں نے قاف کو فتح دیا تو ان کے ہاں وہ اسم مفعول و ظرف بن گیا۔ جیسا مستودع اسم مفعول و ظرف ہے جنہوں نے کسرہ دیا انہوں نے اسم فاعل بنایا اور مستودع کو اسم مفعول بنایا۔ یعنی تمہارا مستقر رحم مادر، مستودع صلب پدر یا مستقر زمین پر رہائش اور مستودع قبر یا بعض تم میں قرار پکڑنے والے ہیں اور بعض امانت رکھے جا چکے۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ پہلے یعلمون اور یہاں یفقھون فرمایا کیونکہ وہاں دلالت بالکل ظاہر تھی اور یہاں دقیق ہے۔ کیونکہ انسانوں کا ایک جان سے پیدا کرنا اور مختلف حالات میں ان کا بدلنا یہ دقیق بات ہے پس سمجھ کا ذکر کیا جو کہ دقت نظر پر دلالت کرتا ہے زیادہ مناسب ہے۔

آسمان سے پانی ایک ہی اُتارا اور اس سے نباتات بے شمار اُگائیں:

آیت ۹۹: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (بادلوں سے بارش) فَاَخْرَجْنَا بِهٖ (پانی کے ذریعہ) نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ بڑھنے والی نباتات میں سے ہر قسم اگائی۔ مراد سبب ہے اور وہ پانی ہے۔ جو کہ ایک ہے مگر اگنے والی اشیاء بے شمار قسم کی ہیں۔ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ نباتات سے خَضِرًا تر و تازہ سبزہ۔ محاورہ میں اخضر اور خضر کہا جاتا ہے اور اصل میں اس کو کہتے ہیں جو دانے سے نکلنے والی نبات سے پھوٹ کر نکلے نُّخْرِجُ مِنْهُ یعنی سبزے سے حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ایک گوشہ ہے جس کے دانے پے در پے جڑے ہوتے ہیں۔ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور من النخل اس کی خبر مقدم ہے اور من طلعها اس کا بدل ہے عبارت اس طرح ہے وحاصلة من طلع النخل قنوان اور نکلنے والے ہیں کھجور کے گابھے سے خوشے۔ یہ قنوان جمع قنو ہے جیسا صنوان جمع صنو۔ مراد گچھے ہیں۔ دَانِيَةٌ پھل کے بوجھ کی وجہ سے چننے کیلئے جھکنے والے ہیں۔ یا درخت کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے قریب ہیں۔ اس میں اکتفاء ہے یعنی وہ طوالت کی وجہ سے جھکنے والے نہیں جیسا کہ اس ارشاد میں: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: ۸۱) وَّجَنّٰتٍ یہ منصوب ہے نبات کل شیء پر عطف کی وجہ سے یعنی اخرجنا به جنات کہ ہم نے اسکے ذریعہ باغات پیدا کیے۔ مِّنْ اَعْنَابٍ یعنی کھجور کے ساتھ اور اسی طرح وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ اعشیٰ نے جنات کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وثم جنات من اعناب یعنی مع النخل اس جگہ انگور کے باغات کھجور کے ساتھ ہیں۔ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ محاورہ میں اشتبه الشيئان وتشابها۔ جیسا کہ استويا و تساويا اور عام طور پر دونوں بہت باتوں میں شریک ہوتے ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ

اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور اس کے لئے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ

وہ ان باتوں سے پاک ہے اور بلند ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اولاد حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ

نگہبان ہے۔ نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

بڑا باریک بین باخبر ہے۔

والزیتون مشتبہا وغیر متشابہ۔ اسی طرح انار بھی بعض متشابہ اور بعض غیر متشابہ ہیں۔ مقدار اور رنگت اور ذائقے میں۔ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ جب وہ اپنا پھل نکالتا ہے تو کس طرح کمزور نکالتا ہے کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ثُمُرِہٖ۔ حمزہ و علی نے پڑھا جمع ثمار اور یہ جمع الجمع ہے۔ ثمرۃ و ثمر۔ ثمار و ثمر۔ وَيَنْعِهٖ اور اس کے پکنے کو یعنی اس کے پکنے کی حالت دیکھو کس طرح بہت سے منافع کی جامع بن گئی۔ عبرت کی نگاہ ڈالو اس کے بنانے والے کی قدرت اور تدبیر کرنے والے کی تدبیر اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیل کرنے والے کی تقدیر پر۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

کفار کی حماقت کہ جنات کو اللہ جل شانہٗ کا شریک بنایا حالانکہ وہ شرکت سے منزہ ہے:

آیت ۱۰۰: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ اگر تم لِلّٰهِ شرکاء کو جعل کے دو مفعول قرار دو تو الجن شرکاء سے بدل ہے۔ اور شرکاء الجن دونوں مفعول ہیں۔ دوسرے کو پہلے سے مقدم کیا اور تقدیم کا فائدہ یہ ہے۔ یہ بات بعید تر ہے کہ کسی فرشتہ یا جن یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جنات کی اطاعت کی ان کاموں میں کہ جن کو انہوں نے مزین کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔ نتیجتاً ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا ڈالا۔ وَخَلَقَهُمْ حالانکہ اس نے جنات کو پیدا کیا۔ پس مخلوق اپنے خالق کا شریک

وہ تم کیونکر ہو سکتی ہے۔ نحو : یہ جملہ حالیہ ہے۔ ایک دوسری تفسیر یہ اس نے ان کو پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کا شریک ہونے والے ہیں۔ پھر یہ کس طرح اوروں کی عبادت کرتے ہیں۔ وَخَرَقُوْا لَهٗ یعنی تہوں نے گھڑا کہا جاتا ہے۔ خلق الافك و خرقه واختلقه و اخترقه تمام کا معنی ایک ہے۔ دوسری تفسیر یہ خرق الثوب سے ہے جبکہ اس کو پھاڑا جائے۔ یعنی انہوں نے نکالے اس کے لئے بَنِیْنَ جیسے اہل کتاب مسیح اور عزیر علیہما السلام کے متعلق مانتے ہیں۔ وَبَنٰتٍ جیسے بعض اہل عرب فرشتوں کے متعلق کہتے تھے۔ قراءت : وخرّقوا تشدید کے ساتھ کثرت کا معنی پیدا کرتا ہے۔ مدنی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ بنین اور بنات جمع کی وجہ سے کثرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ بغیر اس بات کے کہ وہ اس کی حقیقت کو جانیں۔ جو انہوں نے کہا غلط ہے یا درست ہے۔ لیکن جہالت سے انہوں نے ایک بات نکال دی۔ نحو : یہ خرقوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ یعنی وہ اس حال میں کہ اپنے مقولے سے ناواقف ہیں۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ یعنی شریک اور اولاد۔

اجسام کو بلا نمونہ وجود دینے والا :

آیت ۱۰۱ : بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہا جاتا ہے بدع الشیٔ فھو بدیع۔ یہ اضافت صفت مشبہ الی فاعلھا کی قسم سے ہے یعنی وہ ایسا ہے آسمانوں و زمین کو ایجاد کرنے والا۔ مبتدع معنی بدیع بمعنی مبدع یعنی اس کا ایجاد کرنے والا ہے۔ نحو : مبتدا محذوف کی خبر ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر انی یکون له ولد ہے یا فعل کا فاعل ہے۔ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ یعنی کہاں سے اس کے ہاں بیٹا ہوگا۔ ولد تو بیوی سے ہوتا ہے حالانکہ اس کی تو بیوی ہی نہیں۔ یعنی ولادت اجسام کی صفات سے ہے اور اجسام کو بانمونہ ایجاد کرنے والا جسم نہیں ہو سکتا کہ اس کا بیٹا ہو۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ اس کا خالق و عالم ہے اور جو ایسا ہو وہ ہر چیز سے مستغنی ہے اور لڑکے کا طالب محتاج ہوتا ہے۔

ان جامع صفات والا ہی معبود ہے :

آیت ۱۰۲ : ذٰلِكُمُ یہ اشارہ ماقبل مذکور کی طرف ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کے مابعد اخبار مترادفہ ہیں۔ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ اور فَاعْبُدُوْهُ یہ مضمون جملہ کا مسبب ہے۔ یعنی جس میں یہ تمام صفات جمع ہوں وہی عبادت کے لائق ہے۔ پس تم اس ہی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ اس کی بعض مخلوق کی عبادت مت کرو۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ یعنی وہ ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ اشیاء کے ارزاق و آجال کا مالک اور اعمال کا نگہبان ہے۔

معتزلہ کے بیجا استدلال اور اس کا جواب اور یہ کہ رؤیت برحق ہے :

آیت ۱۰۳ : لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں یا ان کی آنکھیں جن کا تذکرہ پہلے ہوا جمات و ملائکہ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دیدار محال ہے مگر ان کا یہ استدلال محض باطل ہے۔ کیونکہ نفی ادراک کی ہے رؤیت کی نہیں۔ ادراک کا معنی کسی چیز کی حقیقت پالینا۔ اور اس کو ہر طرف سے گھیر لینا اور کامل طور پر کسی چیز کی تہہ تک پہنچ جانا۔ اور حس کی حدود

جہات محال ہوں تو اس کا ادراک محال ہے نہ کہ رؤیت۔ نفی ادراک رؤیت کے مقابلے میں اسی طرح ہے جیسا احاطہ بمقابلہ علم یعنی رؤیت بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ بھی مدح کا ایک منصب ہے۔ اس طور پر کہ آیت کا مورد تو تمدح (تعریف جاتا ہے) ہے جو ثبوت رؤیت کو لازم کر رہا ہے اس لیے کہ ایسی نفی ادراک جس سے رؤیت کا محال ہونا نکلے اس میں تمدح پایا نہیں جاتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو دیکھا نہیں جا سکتا اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ نفی ادراک میں تمدح کے پانے کی صورت ثبوت رؤیت ہے رؤیت کے ثبوت کے ساتھ ادراک کی نفی تو ذات باری تعالیٰ سے متناہی ومحدود ہونے کا نقص زائل کرتی ہے۔ پس اس لحاظ سے آیت ہماری دلیل بن گئی۔ جو معتزلہ کے خلاف ہے۔ اگر وہ گہری نگاہ ڈالتے تو اس زمرے سے علیحدگی کو غنیمت شمار کرتے۔ جو آدمی رؤیت کی نفی کرتا ہے اس کو اس بات کی نفی کرنا پڑے گی کہ وہ معلوم و موجود ہے۔ ورنہ وہ جب موجود کو بلا کیفیت وجہت کے جانتا ہے ہر موجود کے برخلاف تو پھر یہ کیونکر درست نہیں کہ وہ ہر مرئی کے برخلاف ہر چیز کو بلا کیفیت وجہت کے دیکھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رؤیت نام ہی اس بات کا ہے کہ آنکھ سے کسی چیز کا اسی طرح ثابت ہونا جس طرح وہ ہے پس اگر وہ کسی جہت میں ہوگی تو وہ اسی جہت میں دیکھے گا اگر وہ جہت نہ ہوگی تو وہ اس جہت میں نہیں دیکھے گا۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ اگر رؤیت و ادراک کے معنی کو مان بھی لیں تب بھی نفی رؤیت کی صراحت ہے رؤیت کے محال ہونے کی صراحت نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ ہی نہیں سکتی۔

وَهُوَ لطیف ادراک سے یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ یعنی دقیق امور کو جاننے والا اور ان کی مشکلات سے واقف ہے۔ الْخَبِيْرُ وہ اشیاء کے ظواہر و بواطن سے واقف ہے۔ یہ لف ونشر مرتب کے قبیل سے ہے۔

آیات سمجھانے کیلئے مختلف پہلوؤں سے لائے مگر یہ کہنے لگے کہ انکو اہلِ کتاب سے پڑھ کر بیان کر دیا ہے:

آیت ۱۰۵: وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ کذلک میں کاف موضع نصب میں ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی ہم آیات کو بار بار بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تم پر پڑھی ہیں۔ وَلِيَقُوْلُوْا اس کا جواب محذوف ہے۔ یعنی وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ تاکہ وہ کہیں تو نے پڑھ لیا ہے۔ تعلم کا معنی درست۔ قراءت کتب اهل الکتاب تو نے اہل کتاب کی کتابوں کو پڑھ لیا ہے۔
قراءت: مکی اور ابو عمرو نے دارست پڑھا ہے یعنی اہل کتاب سے پڑھ پڑھا لیا ہے۔ شامی نے دَرَسَتْ یعنی یہ آیات پہلے گزر چکی اور ہو چکی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ وَلِنُبَيِّنَهٗ یعنی قرآن۔ اگرچہ اس کا تذکرہ نہیں گزرا لیکن یہ تو معلوم و معروف ہے یا آیات مراد ہیں کیونکہ وہ معنی قرآن ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دوسری لام حقیقی ہے اور پہلی لام عاقبت وصیرورت کی ہے۔ یعنی تاکہ ان کے معاملہ کا انجام یہاں تک پہنچے کہ وہ کہیں کہ تو نے پڑھ لیا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہ اس آیت میں فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا [القصص: ۸] فرعونیوں نے عداوت کی خاطر نہ اٹھایا۔ انہوں نے آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کے لئے اٹھایا تھا۔ لیکن ان کے معاملے کا انجام دشمنی تک پہنچا۔ بس اسی طرح آیات تو بار بار وضاحت کے لئے لائی گئیں اس بات کے کہنے کے لئے نہیں لائی گئیں کہ تو نے کسی سے پڑھ لیا ہے۔ لیکن تصریف آیات سے کفار یہی کہنے لگ گئے۔ جیسا کہ تبیین وضاحت حاصل ہوئی اس سے تشبیہ دی اور کہا و لیقولوا جیسا کہ کہا جاتا ہے لبیت اور ہمارے نزدیک اس طرح نہیں جیسے پہلا ہو چکا ہے۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ حق کو باطل سے۔

وحی پر چلتے رہیں:

آیت ۱۰۶: اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ان کی خواہشات کی اتباع نہ کر۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ جملہ معترضہ لا کر اتباع وحی کو واجب کر دیا۔ اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ دوسری تفسیر من ربک سے حال مؤکدہ ہے۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی ابھی یہاں تک کہ قتال کا حکم وارد ہو۔

اگر زبردستی ایمان دینا ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے مگر......:

آیت ۱۰۷: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ان کا ایمان یہاں مفعول محذوف ہے۔ مَآ اَشْرَكُوْا اس سے واضح کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر شرک نہیں کرتے۔ اگر اللہ ان میں ایمان اختیار کرنا جانتے تو ان کو ہدایت دیتے۔ لیکن ان کا شرک اختیار کرنا اس کو معلوم ہے پس ان کا شرک ہو گیا۔ پس اس کی مشیت سے انہوں نے شرک کیا۔ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ہم نے آپ کو ان پر ان کے اعمال کی نگرانی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ کہ کل ان کے جرائم میں آپ کو پکڑا جائے۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی آپ ان پر مسلط نہیں۔
آیت ۱۰۸: مسلمان ان کے معبودوں کو گالیاں دیتے تھے پس اس سے ان کو روک دیا گیا تاکہ ان کا گالی کی طرح اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کا سبب نہ ہو۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ

اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جاتی تو وہ ضرور اس پر ایمان

بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ

لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آ جائے تب بھی یہ لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ

ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

جواب کفار کا ڈھنگ سکھایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ جواب نہی کی وجہ سے منصوب ہے۔ عَدْوًا ظلم اور دشمنی کی بناء پر بِغَيْرِ عِلْمٍ اللہ تعالیٰ کے متعلق جہالت کے سبب اور ان صفات سے جہالت کے سبب جن کے ساتھ اس کا تذکرہ ضروری ہے۔ كَذٰلِكَ اس تزئین کی طرح زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ تمام کفار سے عَمَلَهُمْ اسی طرح جیسا ارشاد افمن زين له سوء عمله فراٰه حسنا فان الله يضل من يشاء و يهدي من يشاء (فاطر ۸) یہ آیت اصلح کے مسئلے میں ہماری دلیل ہے۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ ان کا لوٹنا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ ان کو ان کے اعمال کی خبر دے گا اور اس پر ان کو جزا دے گا۔

معاندین نشانی کے باوجود ایمان نہ لائیں گے:

آیت ۱۰۹: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ جہد مصدر ہے اور حال کے مقام پر واقع ہے۔ یعنی جاهدين في الايمان بار كد الايمان۔ اسی حال میں کہ وہ پکی قسمیں اٹھانے والے ہیں۔ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ان کی مدد۔ کی بابت سے لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں۔ میں نہیں۔ میں کس طرح ان کو تمہارے پاس لاؤں۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اور تمہیں معلوم نہیں۔ اَنَّهَآ اگر تجویز کرو نظیر ایسی۔ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ان پر حق میں جانتا ہوں کہ جب وہ آئے گی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور تم اس کو جانتے نہیں۔ مسلمان ان کے ایمان کی طمع رکھتے تھے جبکہ وہ نشانی آ جائے چنانچہ وہ بھی اس کی آمد کی توقع رکھتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں معلوم نہیں کہ جو

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم جمع کر دیتے ان پر ہر چیز ان کے

قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سامنے تب بھی وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مقرر کر دیئے ہیں یعنی شیاطین جو انسانوں میں سے اور جنات میں سے ہیں۔ ان میں بعض بعض کو

اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

چکنی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی ہیں دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دیجئے ان کو

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ

اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اسے پسند کریں

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

ایمان والوں کے شاید کے جواب:

آیت ۱۱۱: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔ جیسا کہ وہ مطالبہ کرتے ہیں۔ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى جیسا کہ وہ کہتے ہیں فاتوا بآبائنا۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ اور جمع کر دیں۔ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا جو ہم نے ان کو بطور دلیل دی اس کی نسبت اور جس سے ڈرایا اس کی گواہی۔ قبلاً جمع قبیل بمعنی کفیل۔ قراءت: قِبَلًا مصدر شامی اور مدنی نے پڑھا اس کا معنی سامنے دونوں صورتوں میں حال کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ ان کا ایمان بھی وہ ایمان لائیں۔ یہ ایمان والوں کی بات کا جواب ہے جو کہتے تھے کہ شاید وہ اس نشانی کے آنے پر اسلام قبول کر لیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ کہ وہ ایمان نہ لائیں گے جب ان کو مطلوبہ نشانی بھی مل جائے۔

وہ شیاطین ورغلا سکتا ہے مگر یہ آزمائش ہے:

آیت ۱۱۲: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا جس طرح یہ مشرکین تمہارے دشمن بنے ہیں اسی طرح پہلے انبیاء کے بھی دشمن

بنے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اس میں آزمائش ہے جس کی وجہ سے ثبات واستقلال اور صبر وآخرت کا ثواب واجر ظاہر ہوتا ہے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ۔ یہ عدواً سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا یہ مفعول اول ہے اور عدواً مفعول ثانی ہے۔ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ شیاطین جن، شیاطین انس کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح جنات ایک دوسرے کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں مالک بن دینار فرماتے ہیں انسانی شیطان مجھ پر جنی شیطان کی نسبت زیادہ بھاری ہے کیونکہ تعوذ سے جنی شیطان فرار اختیار کرتا ہے اور انسانی شیطان میرے پاس آکر مجھے سرعام گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرناء السوء شر من شیاطین الجن کہ برے ساتھی شیاطین جن سے بدتر ہیں۔ (ابن کثیر بنحوہ) زُخْرُفَ الْقَوْلِ مزین شدہ بات۔ وسوسہ اور گناہ پر ابھارنا۔ غُرُوْرًا دھوکہ فریب۔ یہ مفعول لہٗ ہے۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ یعنی اشارہ و کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شیاطین کو وسوسے سے روکنا چاہتا تو روک سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے امتحان لیا جو ثواب کے لحاظ سے کثیر اور عظیم تر ہے۔ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ آپ پر اور اللہ تعالیٰ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو رسوا فرمائیں گے۔ اور تمہیں بدلہ دیں گے اور نصرت فرمائیں گے۔

وسوسہ اندازی کے نتیجہ میں کافر ادھر جھکیں:

آیت ۱۱۳: وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ تاکہ ملمع سازی والی بات کی طرف کفار کے دل مائل ہوں۔ اس کا عطف غُرُوْرًا پر ہے۔ یعنی تاکہ وہ دھوکہ میں مبتلا ہوں اور اس کی طرف مائل ہوں۔ وَلِيَرْضَوْهُ تاکہ وہ اسے اپنے نفسوں کے لئے پسند کریں۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ یعنی گناہ۔

شامی اور حفص نے پڑھا۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ سو تم اس کے متعلق شک کرنے والوں میں دوسری تفسیر یہ کہ تم ہرگز اس میں شک نہ کرو۔ کہ اہل کتاب جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا ہوا برحق کلام ہے۔ ان کی اکثریت اگر انکار کرتی ہے تو ان کے انکار کی وجہ سے تم شک میں نہ پڑو۔

قرآن صدق وعدل میں کامل ہے:

آیت ۱۱۵: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ جو اس نے کلام فرمایا۔ قراءت: حجازی شامی اور ابو عمرو نے كَلِمَاتُ رَبِّكَ پڑھا ہے۔ کامل ہے جو اس نے خبر دی اور امر و نہی میں سے جو احکام جاری فرمائے اور جو وعدہ اور وعید دی صِدْقًا سچائی کے اعتبار سے وعدہ اور وعید میں۔ وَّعَدْلًا عدل پرمبنی ہے اس کا امر و نہی۔ نحو: یہ دونوں تمیز کی وجہ سے منصوب ہیں۔ یا حال کی بناء پر۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کوئی ایسا نہیں جو ان میں سے کسی چیز کو وہ تغیر بدل سکے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ ان کے اقرار کو جو اقرار کریں۔ الْعَلِيْمُ ان کے اصرار کو جو اصرار کرتے رہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے ان کے اقوال کو سننے والا اور ان کے عناد کو جاننے والا۔

کفار گمان کے پیرو ہیں:

آیت ۱۱۶: وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی کفار کیونکہ وہ زیادہ ہیں۔ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس کے دین سے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ انکا یہ گمان کہ ان کے آباء حق پر تھے سو یہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ وہ جھوٹ بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فلاں چیز حلال اور فلاں چیز حرام کی۔

اللہ سچے مومن اور کافر کو جانتا ہے:

آیت ۱۱۷: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ یعنی وہ کفار اور مومن کو جانتا ہے۔ نحو: مَنْ یہ ابتداء مرفوع ہے بمعنیٰ استفہام ہے اور اس کی خبر یضل ہے۔ اور جملہ یعلم مقدر کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اعلم مقدر نہیں۔ کیونکہ افعل کا صیغہ ظاہر منصوب اسم کو نصب نہیں دیتا بلکہ مجرور کرتا ہے ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تقدیر اعلم بمن یضل وہ گمراہوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ باء اس کے بعد لایا گیا ہے بالمھتدین۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو اور تمہارے لیے

لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ

اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا

عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم

گیا مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو بلاشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ

گمراہ کرتے ہیں بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو اور چھوڑ دو ظاہری

الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا

گناہ اور باطنی گناہ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ

يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ

دیا جائے گا اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا اور بے شک وہ گناہ ہے

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾

تو بلاشبہ تم مشرک ہو جاؤ گے۔"

حلت تو حکم خدا اور نام خدا سے ہے:

آیت ۱۱۸: فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ اس آیت میں ان گمراہ لوگوں کی اتباع کے انکار کا سبب ذکر کیا گیا۔ جو خود حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ مسلمانو تم زعم رکھتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ جس کو اللہ تعالیٰ مارے وہ اس کی نسبت زیادہ حق دار ہے جس کو تم مارو۔ پس

اس آیت میں مسلمانوں کو کہا گیا اگر تم سچا ایمان رکھتے ہو تو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام بوقت ذبح لیا گیا اس کو کھاؤ۔ اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس گوشت کو کھاؤ۔ یا اپنی موت مرے ہوئے جانور کا گوشت کھاؤ۔

جو خواہشات سے حلال و حرام کرتے ہیں شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں:

آیت ۱۱۹: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا اس میں ما مبتدا اور لکم اس کی خبر ہے یعنی نہ کھانے میں تمہاری کیا غرض ہے۔ مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ اس نے تمہیں بیان کر دیا۔ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اس سے جو اس نے حرام نہیں کیا۔ اپنے اس ارشاد سے حرمت علیکم المیتۃ (المائدہ: ۳)

قراءت: کوفی قراء حفص کے علاوہ فُصِّلَ حُرِّمَ پڑھتے ہیں۔ مدنی اور حفص نے دونوں کو فتحہ پڑھا ہے۔ اور دیگر قراء نے ضمہ پڑھا ہے۔ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ اس میں سے جو تم پر حرام کیا گیا۔ وہ ضرورت کے وقت تم پر حلال ہے جبکہ سخت بھوک میں کھانے کی ضرورت پڑ جائے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ۔ قراءت: کوفی قراء نے یضلون پڑھا۔ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ یعنی گمراہ ہوتے ہیں پس اپنی خواہشات شہوات سے حرام کرتے ہیں اور حلال کرتے ہیں۔ شریعت کا اس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ جو حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔

علانیہ و پوشیدہ ہر گناہ چھوڑ دو:

آیت ۱۲۰: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ جو علانیہ اور پوشیدہ ہیں۔ دوسری تفسیر دو کا قول ہے زنا اور خفیہ سہیلیاں تیسری تفسیر شرک جلی و خفی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ یوم قیامت میں بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ جو دنیا میں کماتے ہیں۔

حرمت متروک التسمیہ عمداً:

آیت ۱۲۱: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ذبح کے وقت۔ وَاِنَّهٗ اور اس کا کھانا لَفِسْقٌ۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ وہ وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ یعنی مشرکین۔ لِيُجَادِلُوْكُمْ اپنے قول سے۔ نہ کھاؤ اس کو جس کو اللہ نے ہلاک کیا ہو۔ اور اس کو کھاؤ جس کو اپنے ہاتھوں سے تم ذبح کرتے ہو۔ یہ آیت متروک تسمیہ کی حرمت کو ثابت کرتی ہے۔ البتہ نسیان والی حالت حدیث کی وجہ سے اس میں خاص کر دی گئی ہے یا بھول جانے والے کو تقدیراً ذاکر کہہ کر حکم بیان کیا گیا۔ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ ان کو حلال کرنے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ کیونکہ جس نے غیر اللہ کی پیروی اللہ تعالیٰ کے دین کے مقابلے میں کی گویا اس نے شرک کیا۔ دین دار کا حق یہ ہے کہ جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھائے۔ اس لئے کہ آیت میں انتہائی شدت سے یہ حکم بیان کیا گیا ہے۔ آیت کی ابتداء میں منہ اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا ہو جیسا فرمایا: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: ۱۴۵) واؤ و انہ لفسق میں حال کے لئے ہے۔ کیونکہ جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف مستحسن نہیں ہے پس تقدیر عبارت یہ ہے ولا تاکلوا منہ حال کونہ فسقا اور تم اس سے مت کھاؤ اس حال میں کہ وہ فسق ہے۔ الفسق کا لفظ مجمل ہے پس اس ارشاد سے وضاحت فرمائی: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: ۱۴۵) اب تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ

"اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی۔

ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ۗ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ ٱللَّهِ

اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت

وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٤﴾ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ

عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے۔" "سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہدایت دے

يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا

اس کے سینہ کو ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ اس کو گمراہ فرمائے اس کے سینہ کو تنگ

كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾

کر دیتا ہے، گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے۔ ایسے ہی اللہ ان لوگوں پر عذاب بھیجتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔"

کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا تاکہ وہ اس میں لوگوں پر دھوکہ بازی کریں اور معاصی پھیلائیں۔ اہل سنت کے ہاں یہ لام اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ لام عاقبت نہیں۔ اکابر کو خاص کیا گیا مراد اس سے رؤسا ہیں۔ کیونکہ جن کے پاس اقتدار اور وسعت مالی ہوتی ہے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ کفر و مکر کی دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے ولو بسط اللّٰہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض (الشوریٰ ۲۷) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور ان سے نصرت کا وعدہ فرمایا۔ وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ کیونکہ ان کا مکر انہی پر الٹ دیا جائے گا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ کہ وہ ان کا مکر ان پر واپس کرنے والا ہے۔

نَحْو : یہ مفعول اول ہے اور فی کل قریۃ دوسرا مفعول ہے اور مجرمیھا یہ اکابر سے بدل ہے یا اول مفعول مجرمیھا مفعول دوم اکابر تقدیر عبارت اس طرح ہے مجرمیھا اکابر۔

شان نزول : آیت ۱۲۴ : جب ابوجہل نے یہ بات کہی کہ ہم نے بنو عبد مناف کے ساتھ شرف و مرتبہ میں مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح بن گئے۔ تب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے اور نہ اتباع کریں گے جب تک ہمارے پاس بھی اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان پر اترتی ہے۔ تو یہ آیت اتری۔ وَاِذَا جَآءَتْھُمْ اٰیَۃٌ یعنی اکابر کو معجزہ یا قرآن مجید کی آیت جس میں ان کو ایمان کا حکم دیا گیا۔

احتجاج کفار کہ ہمیں بھی نبوت ملنی چاہیے:

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ وہ نشانیاں دی جائیں۔ جو انبیاء کو دی گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں۔ جو نبوت کے لائق ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ مکی اور حفص نے اسی طرح پڑھا اور دیگر قراء نے رسالاتہ پڑھا ہے۔ حَیْثُ: حیث مفعول بہ طور فعل محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے یعلم موضع رسالته وہ اپنے پیام کی جگہ جانتا ہے۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ان کے اکابر میں سے صَغَارٌ ذلت و رسوائی عِنْدَ اللّٰهِ قیامت کے دن وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ دونوں جہانوں میں جیسے قتل و قید عذاب نار بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ دنیا میں۔

ہر دل نور ایمان و نبوت کے قابل نہیں:

آیت ۱۲۵: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ اس کو وسعت دیتا ہے اور اس کے دل کو منور کر دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا دخل النور فی القلب انشرح وانفسح (جب نور ایمان دل میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے) آپ سے عرض کی گئی قیل ما علامة ذلك؟ اس کی علامت کیا ہے قال الانابة الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزول الموت۔ کہ ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع اور دھوکہ کے گھر سے بےتعلقی اور موت کی آمد سے قبل اس کی تیاری (ابن جریر ۸/۸) بیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) وَمَنْ یُّرِدْ جس کو اللہ تعالیٰ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا۔

قراءت و نحو:

مکی نے ضیقا اور حرجا کو حرجا ضیقا کی صفت قرار دے کر مدنی و ابوبکر نے پڑھا معنی انتہائی تنگ۔ دوسرے قراء نے حرَجًا پڑھا صدر کی صفت قرار دیا۔ كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ گویا اس کو آسمان میں چڑھنے کی تکلیف دی گئی ہے جبکہ اس کو اس میں طاقت نہ ہو یہ مثل ہے فضیق صدرہ عنه سے لیا گیا ہے تنگ آ جانا۔ دوسری تفسیر ضاقت علیه الارض اس پر زمین تنگ ہو گئی۔ پس اس نے آسمان کی طرف چڑھنے والی چیز کی مثال دی۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ آدمی کی طرح وہ دوڑتا ہے اس کا دل اڑنے والا پرندہ ہے۔

قراءت: مکی نے یصاعد پڑھا اس کا اصل یتصاعد ہے۔ باقی قراء نے یَصَّعَّدُ پڑھا۔ اور اس کا اصل یتصعد ہے۔ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عذاب آخرت و دنیا میں لعنت۔ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ یہ آیت معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ ارادہ معاصی کے سلسلہ میں۔

ان کا نام دارالسلام اس ارشاد کی وجہ سے ہے وتحیتھم فیھا سلام (یونس: ۱۰) الا قیلا سلما سلما (الواقعہ: ۲۶) عِنْدَ رَبِّهِمْ اس کی ضمان میں۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ ان کے محب یا دشمنوں کے خلاف مددگار۔ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کے اعمال کے بدلے۔ دوسری تفسیر ان کے اعمال کی جزاء کا متولی ہے۔ قول دیگر: وہ دنیا میں ہمارا ولی ہے توفیق اثواب کے سبب سے اور آخرت میں امید پوری کر دینے کے سبب۔

قیامت کا ایک حسرتناک منظر اور اعتراف مجرمین:

آیت ۱۲۸: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور روح اور ابن کثیر ابو عمرو ابن عامر وغیرہ نے نحشرہم پڑھا ہے یعنی اذکر یوم نحشرهم یوم یحشرهم فقلنا یامعشر الجن اس دن ہم ان کو جمع کرکے کہیں گے اے گروہ جن۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ تم نے ان میں سے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اور ان کو اپنا پیروکار بنا دیا۔ جیسا کہ تم کہتے ہو استکثر الامیر من الجنود۔ میرے لشکروں کو تابع بنایا۔ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ وہ انسان جنہوں نے ان جنات کی اطاعت کی اور ان کے وسوسہ کی طرف کان لگائے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ جنی انسانوں نے شیاطین سے نفع اٹھایا۔ اس طرح کہ ان کی نفسانی شہوات اور اس تک پہنچنے والے اسباب کی طرف راہنمائی کی اور جنات نے انسانوں سے یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ انسانوں کو اپنا مطیع بنایا۔ اغواء کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان کو اپنے مقصد میں دست و بازو بنا لیا۔ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا وہ اس سے یوم بعث مراد لے رہے ہیں اور اس کلام میں ان سے جو شیاطین کی اطاعت اور خواہشات کی اتباع اور تکذیب بعث اور اپنی حالت پر افسوس وغیرہ پایا گیا۔ اس کا اعتراف ہے۔ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ تمہارا ٹھکانہ۔ خَالِدِينَ فِيهَا ۔ یہ حال ہے اور اضافت کا معنی اس میں عامل ہے۔ جیسا اس ارشاد میں ان دابر هؤلاء مقطوع مصبحین (الحجر: ۶۶) میں مصبحین هؤلاء سے حال ہے۔ اور حال میں اضافت کا معنی عامل ہے۔ اس لئے کہ اس کا معنی مجامعت اور ملانا ہے۔ مثوی عامل نہیں ہے۔ کیونکہ مکان کسی چیز میں عامل نہیں ہوتا۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وہ ابد الآباد تک آگ میں رہیں گے مگر جو چاہے اللہ یعنی وہ اوقات جس میں وہ سعیر کے عذاب سے زمہریر کے عذاب میں منتقل ہوں گے۔ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ اس معاملہ میں جو وہ اپنے اولیاء اور اعداء سے کرتا ہے۔ عَلِيمٌ جاننے والا ہے ان کے اعمال کو پس تمام کو ان کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز:

آیت ۱۲۹: وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا آگ میں ان کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیں گے۔ دوسری تفسیر ایک دوسرے پر مسلط کر دیں گے۔ تفسیر دیگر۔ ایک دوسرے کا دوست بنا دیں گے۔ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر و معاصی کمائے۔ پھر ان کو قیامت کے دن توبیخ کے طور پر کہا جائے گا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

گواہی دیتے ہیں اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا، اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ

كٰفِرِيْنَ ۝١٣٠ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا

کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ

غٰفِلُوْنَ ۝١٣١ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

بے خبر ہوں، اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝١٣٢ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ

کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے جس کو چاہے

مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝١٣٣ اِنَّ مَا

آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝١٣٤ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى

تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجئے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر

مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

عمل کرتے رہو بلاشبہ میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب جان لو گے کہ کس کے لیے ہے اس عالم کا انجام کار،

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝١٣٥

بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

رسول فقط انسانوں میں سے ہیں یا جنات میں سے بھی:

آیت ۱۳۰: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ضحاک سے منقول ہے جنات کی طرف ان میں سے رسول بھیجے جس طرح انسانوں کی طرف ان میں سے کیونکہ وہ انہیں سے مانوس ہیں۔ وہ ظاہری نص اسی کی مؤید ہے۔

دوسرے علماء کا قول یہ ہے رسول فقط انسانوں میں آئے۔ باقی یہاں رُسُلٌ مِّنْكُمْ کا لفظ اس لئے بولا کہ خطاب میں جن وانس دونوں کو جمع کیا گیا ہے اور ایسے مواقع پر درست ہے اگرچہ رسول ایک میں سے ہوں۔ جیسا کہ دوسرے ارشاد میں ہے یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان (الرحمن ۲۲) ایک اور قول یہ ہے کہ ان کے رسل سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد مراد ہیں۔ جیسا دوسرے ارشاد میں ولّوا الی قومهم منذرین (الاحقاف ۲۹) يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ میری کتابیں تم پر پڑھتے۔ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا یعنی قیامت کا دن قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ہم پر حجت کے لازم ہونے اور انبیاء کے پیغامات پہنچ جانے سے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ رسل کے ساتھ۔

خبردار کئے بغیر عذاب نہیں آتا:

آیت ۱۳۱: ذٰلِكَ یہ اشارہ اس طرف ہے جو پہلے گزرا کہ ان کی طرف بعثت رسل ہوئی۔ یہ محذوف مبتداء کی خبر ہے۔ یعنی الامر ذلک۔ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ یہ تعلیل ہے یعنی بات اسی طرح ہے جو ہم نے تم پر بیان کر دی اس لئے کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ تیرا رب کسی بستی کو ظلم کے سبب ہلاک کر دے۔ اس طور پر کہ آن مصدریہ ہو۔ دوسرا قول ان مخففه من المثقلہ بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کیونکہ حالت اور بات یہ ہے۔ کہ تیرا رب ظلم سے کسی بستی کو ہلاک کرنے والا نہیں ان ظلم کے سبب جس کا انہوں نے ارتکاب کیا اس حال میں وہ ظلم کرنے والا ہوتا اگر رسول اور کتاب کے ذریعہ خبردار کرنے کے بغیر غفلت کی حالت میں ان کو ہلاک کر دیتا۔ حالانکہ اس کی ذات ظلم سے پاک ہے۔

ائمہ کا استدلال:

آیت ۱۳۲: وَلِكُلٍّ تمام مکلفین کے لئے دَرَجٰتٌ مراتب مِّمَّا عَمِلُوْا ان کے اعمال کے بدلے میں سے۔ آیت سے استدلال ہے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ جنات کو بھی ان کی اطاعت پر ثواب ہے۔ کیونکہ ثقلین کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اس کو بھولنے والا۔ شامی قراءت تعملون پڑھا ہے۔

وہ بے نیاز رحیم ہے:

آیت ۱۳۳: وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ بندوں اور ان کی عبادت سے ذُو الرَّحْمَةِ ان پر تکالیف کے ذریعہ تاکہ دائمی منافع کے لئے ان کو تعریض کیا ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اے ظالمو وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ مخلوقات سے كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ دوسری قوم کی اولاد سے جو تمہاری حالت پر نہ تھے اور وہ کشتی نوح میں سوار ہونے والے لوگ تھے۔

بعث ہو گا مر کر چھوٹ نہیں سکتے:

آیت ۱۳۴: اِنَّ مَا بمعنی الذی ہے۔ تُوْعَدُوْنَ یعنی بعث اور حساب اور ثواب وعقاب لَاٰتٍ یہ ان کی خبر ہے۔ یعنی

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا

اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے ایک حصہ کھیتیوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں۔ سو انہوں نے

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا

اپنے خیال سے یوں کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف

يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ

نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ برا ہے جو

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

فیصلہ کرتے ہیں۔

لَاٰتٍ ضروری ہونے والی ہے۔ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ آگے بڑھ جانے والے۔ یہ ان کے اس قول کی تردید ہے جو وہ کہتے تھے من مات فقد فات جو مر گیا وہ گزر گیا۔

انذار کا لطیف انداز:

آیت ۱۳۵: المکانۃ مصدر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے مَكُنَ مَكَانَةً جب وہ اس پر پورا قابو پالے اور مکان کے معنی میں بھی ہے کہا جاتا ہے مکان و مکانۃ مقام و مقامۃ اور ارشاد الٰہی قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اس میں احتمال یہ ہے کہ مطلب یہ ہو تم کام کرو اپنے معاملہ میں قدرت کی حد تک اور اپنی انتہائی استطاعت اور امکان کی حد تک اور تم اپنے انداز و حال کے مطابق عمل کرو۔ جس پر تم ہو۔ آدمی کو کہا جاتا ہے جبکہ اس کو اپنی حالت پر ثابت قدمی کا حکم دیا جائے۔ علی مکانتک یا فلان یعنی تو ثابت قدم رہ جس پر تو ہے۔ اِنِّيْ عَامِلٌ اپنے اس مرتبے پر جس پر ہوں یعنی تم اپنے کفر اور میرے متعلق عداوت پر قائم رہو۔ میں بھی اسلام پر ثابت اور قائم ہوں اور تمہاری ایذاؤں پر یہ تہدید اور وعید ہے اس کی دلیل یہ ارشاد ہے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کے لئے اچھا انجام ہے۔ یہ انذار کا لطیف طریقہ ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی کافر۔ قراءت: ابوبکر نے ہر جگہ مکاناتکم پڑھا حمزہ و علی نے یکون پڑھا من جب الذی کے معنی میں ہو گا تو محل رفع میں ہو گا اور فعل علم کو اس کے متعلق فرمایا یا یہ منصوب ہوتا ہے جب یہ الذی کے معنی میں ہو۔

کفار کی من مانی تحریمات کی مذمت:

آیت ۱۳۶: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا یعنی بتوں کے لئے حصہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی

دلالت پر اکتفا کیا گیا۔ فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَ ھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا۔ قراءت: علی نے بزُعمھم پڑھا اور اسی طرح ابعد
بھی۔ یعنی بزعموا انہ للّٰہ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو حکم نہیں دیا اور نہ ان کے لئے وہ تقسیم جائز تھی۔ فَمَا کَانَ لِشُرَکَآئِھِمْ فَلَا
یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ یعنی ان مصارف میں نہیں پہنچ سکتا جن میں وہ اس کو صرف کرتے تھے۔ یعنی مہمانوں کی مہمانی اور مساکین پر
صدقہ۔ وَمَا کَانَ لِلّٰہِ فَھُوَ یَصِلُ اِلٰی شُرَکَآئِھِمْ ان کے خرچہ جات میں صرف کر لیتے اور ان کے مجاوروں کو جاری کر دیتے
روایت میں مذکور ہے کہ وہ بعض چیزوں جیسے کھیتی اور جانوروں کے بچے اور ان دونوں میں سے کچھ اشیاء اپنے معبودوں کے لئے
جب وہ دیکھتے کہ جو اللہ کا حصہ ہے وہ عمدہ اور بڑھنے والا ہے تو رجوع کر کے اصنام کے لئے مقرر کر دیتے اور جب بتوں والا حصہ
بڑھا ہوا ہوتا تو اس کو ان کے لئے ہی چھوڑ دیتے۔ اور زبان سے کہہ دیتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔ حالانکہ یہ حرکت اپنے
معبودوں سے محبت کی بناء پر تھی۔ اور ان کو ترجیح اور اہمیت دینے کی وجہ سے تھی۔

اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ انشا نے والا احسان کے نام پر مقرر کیا جائے۔ کیونکہ اسی
نے تو وہ پیدا کیا۔ پھر ان کی اس قبیح حرکت کی اس طرح مذمت فرمائی۔ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے
معبودوں کو ترجیح دینا۔ اور ان کا عمل غیر مشروع چیزوں پر ہے۔ مَا موضع رفع میں ہے یعنی ساء الحکم حکمھم ان کا فیصلہ
بدترین ہے۔ یا منصوب ہے یعنی ساء حکمًا حکمھم حکم کے لحاظ سے برا ہے ان کا حکم۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اولاد کو قتل کرنا مزین کر دیا

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو ملا جلا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ

سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دیجئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا

ان کو نہیں کھائیں گے مگر جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔

وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ

اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے۔ عنقریب وہ ان کو سزا دے گا

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ

بسبب اس کے کہ وہ افترا کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے

لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ

خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا

وہ ان کو عنقریب ان کی بات کی سزا دے گا جو بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔ تحقیق وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے

اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے علمی سے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا تھا اس کو حرام قرار دیا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

تحقیق وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے

مشرکین کے قبائح میں ایک قبیح فعل کا اضافہ:

آیت ۱۳۷: وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ یعنی جس طرح ان کے لئے مزین کیا اموال کے حصے بنانا مزین کیا گیا اسی طرح اولادوں کا زندہ درگور کرنا بھی مزین کیا گیا۔ قَتْلَ یہ زین کا مفعول ہے۔ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ یہ زین کا فاعل ہے۔ قراءت: زُیِّن زاء کے ضمہ قتل کی لام پر ضمہ۔ اولادھم کی دال پر نصب شرکائھم کی ہمزہ مکسور پڑھی شامی نے قتل کی اضافت شرکاء کی طرف کی مراد اس سے شیاطین ہیں اور ان کے درمیان فاصلہ غیر ظرف کے ہے اور وہ مفعول ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے زین لکثیر من المشرکین قتل شرکائھم اولادھم بہت سے مشرکین کے لئے ان کے شرکاء کا ان کی اولاد کو قتل کرنا مزین کیا گیا۔ شرکاء سے مراد شیاطین ہیں۔ لِيُرْدُوهُمْ تاکہ وہ ان کو اغواء سے ہلاک کریں۔ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ تاکہ وہ ان پر ان کا دین خلط ملط کر دیں اور ان کا اصل دین آل اسماعیل علیہ السلام کا تھا یہاں تک کہ وہ اس سے نکل گئے اور شرک میں جا پڑے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ اس میں واضح دلیل ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ جو وہ افتراء باندھتے تھے یا مصدریہ کا معنی ان کے افتراء کو کیونکہ اس افتراء کا ضرر ان کو پہنچنے کا نہ کہ تمہیں۔

افتراء پردازی کے مزید نمونے:

آیت ۱۳۸: وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ انعام کے لئے حِجْرٌ حرام ہے۔ یہ فعل بمعنی مفعول ہے۔ جیسا ذِبْح بمعنی مذبوح طحن بمعنی مطحون اور اس صفت میں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع برابر ہیں کیونکہ اس کا حکم اسماء کا ہے جو صفت نہیں ان کا طریق عمل یہ تھا کہ جب وہ بعض اشیاء کھیتی اور چوپاؤں میں اپنے الہ کے نام معین کر لیتے تو وہ کہتے لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ جن کو ہم چاہیں گے وہ بتوں کے خدام اور مرد ان میں سے مراد لیتے تھے۔ الزعم کہتے ہیں کوئی بات کہنا جس میں جھوٹ کی ملاوٹ ہو۔ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وہ بحیرہ سائبہ حام تھے۔ وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا ذبح کی حالت میں وہ ان پر بتوں کا نام لیتے۔ افْتِرَاءً عَلَيْهِ یہ مفعول لہ ہے یا حال ہے یعنی انہوں نے اپنے چوپاؤں کی تقسیم اس طرح کی۔ نمبر۱۔ حجر۔ نمبر۲۔ جن پر سواری نہ کی جائے۔ نمبر۳۔ جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ ان تمام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بطور افتراء پردازی کے کر دی۔ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ یہ وعید ہے۔

ایجاد کردہ مصنوعی شرائط:

آیت ۱۳۹: وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وہ بحیرہ اور سوائب کے بچوں کے متعلق کہا کرتے تھے جو زندہ پیدا ہو وہ مرد کھائیں گے عورتیں نہ کھائیں اور جو مردہ پیدا ہو اس میں مرد و عورتیں شریک ہوں گے۔ خَالِصَةٌ: خالصۃ کا لفظ مؤنث ہے حالانکہ وہ ما کی خبر ہے۔ معنی کا لحاظ کر کے ایسا کہا گیا کیونکہ ما یہ اجنہ کے معنی میں ہے اور لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے محرم کو مذکر لائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خالصۃ کی تاء نسابۃ کی طرح مبالغہ کی ہے۔ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً یعنی اگر وہ بچہ جو نکلے پیٹ سے مردہ ہو۔ قراءت: ابوبکر و ان تکن میتۃ پڑھا۔ مکی ان تکن الاجنۃ میتۃ اور شامی نے ان تکن میتۃ کان تامہ قرار دے کر پڑھا باقی نے ان یکن میتۃ فعل کے مقدم ہونے کی بنا پر پڑھا۔ فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ میں ضمیر کو مذکر لایا گیا کیونکہ میتۃ

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

[illegible]

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

[illegible]

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ

[illegible]

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ⑭ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

[illegible]

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

[illegible]

مُّبِيْنٌ ⑭

[illegible]

ہر مردہ کو کہا جاتا ہے۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث گویا اس طرح کہا گیا وان یکن میتۃ فھم فیہ شرکاء۔ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ انکے حلال وحرام میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی بات کہنے کی سزا۔ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ انکے سزا دینے میں عَلِيْمٌ انکے اعتقاد کو۔

یہ تمام حماقت کے چکر ہیں:

آیت ۱۴۰: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ وہ قید وفقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرتے۔ قراءت: مکی اور شامی نے قتّلوا پڑھا ہے۔ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ حماقت کی وجہ سے اور اس بات سے ناواقفی کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کا رازق ہے وہ نہیں۔ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ بحائر وسوائب وغیرہ کے ذریعے افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ یہ مفعول لہ ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ سیدھی راہ کی طرف۔

حلال نعمتیں کھاؤ اور ان کا حق دو اور اسراف سے بچو:

آیت ۱۴۱: وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ پیدا کیا جَنّٰتٍ انگوروں کے مَّعْرُوْشٰتٍ جو چھپروں والے وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ زمین پر

چھوڑے ہوئے جن کے لئے چھپر نہیں بنائے گئے۔ کہا جاتا ہے عرشت الکرم جب کہ ان کیلئے بلند پایہ اور ٹیکیں بنا دی جائیں اور شاخوں کو ان پر موڑ دیا جائے۔ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ذائقہ میں خوشبو وغیرہ میں۔ وہ حال مقدرہ ہے۔ کیونکہ کھجور میں نکلنے کے وقت ذائقہ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ مختلف نہ ہو جائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے۔ فادخلوها خالدین (الزمر ۷۳) اُكُلُهٗ حجازی نے اُكْلُهٗ پڑھا ہے۔ کھائے جانے والے پھل کو کہتے ہیں۔ اس کی ضمیر نخل کی طرف جاتی ہے اور الزرع بھی اس کے حکم میں شامل ہے۔ کیونکہ وہ معطوف علیہ ہے۔ یا ہر ایک کی طرف لوٹتی ہے۔ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا رنگ میں۔ وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ذائقہ میں۔ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ ہر ایک کا پھل کھاؤ۔ اِذَآ اَثْمَرَ جب کا ذکر ہے کہ جب درخت پر پھل ظاہر ہو جائے تو کھانا مباح ہے اور یہ وہم نہ ہو کہ اس وقت کھانا صرف مباح ہے جب وہ اس کو پا لے۔ (اور حق شرعی سے پہلے مالک کو پھل کھانے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے) وَاٰتُوْا حَقَّهٗ اس کا عشر۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عشر کے عام ہونے کی دلیل ہے۔ يَوْمَ حَصَادِهٖ حصاد و حاء کے فتح کے ساتھ۔ بصری شامی اور عاصم نے پڑھا۔ باقی قراء نے حاء کے کسرہ سے پڑھا اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ وَلَا تُسْرِفُوْا تمام دیکر اور عیال کو ضائع کر کے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

نحو: كُلُوْا سے لے کر اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ تک جملہ معترضہ ہے۔

آیت ۱۴۲: وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا اس کا عطف جنات پر ہے۔ یعنی انشا من الانعام ما يحمل الاثقال۔ اس نے ایسے چوپائے بنائے جو بوجھ اٹھاتے ہیں اور وہ بھی جو ذبح کے لئے لائے جاتے ہیں۔ یا بڑے بوجھ بردار جانور۔ والفرش سے چھوٹے جیسے بھیڑ بکری اونٹ گائے کے بچے کیونکہ وہ قد کے لحاظ سے زمین سے قریب ہوتے ہیں۔ جیسے فرش جو زمین پر بچھا ہوا ہو۔ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ جو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تمہارے لئے حلال کیے ہیں ان کو زمانہ جاہلیت کی طرح حرام مت قرار دو۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ حرام و حلال میں اس کے طریقوں کی۔ جیسے اہل جاہلیت کرتے تھے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اپنے دین کے متعلق اس کو متہم سمجھو۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ

آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ آپ فرمائیے

آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ

کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ

تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر سچے ہو اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو

الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ

آپ فرمائیے کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں

اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہدایت نہیں دیتا۔

چار جانوروں کی اقسام ثمانیہ اور ان کی تحریمات کی تردید:

آیت ۱۴۳: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ یہ حمولۃ و فرشا سے بدل ہے۔ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ زوج سے مراد مذکر و مؤنث ہیں۔ واحد کا لفظ جب اکیلا ہو تو ایک مراد ہے اور جب اس کے ساتھ اس کی جنس میں سے دوسرا ہو پھر ان میں سے ہر ایک کو زوج کہتے ہیں۔ دونوں زوجین کہلاتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد الٰہی ہے خلق الزوجین الذکر والانثٰی (النجم: ۴۵) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس پر دال ہے ثمانیۃ ازواج پھر اس کی تفسیر من الضان اثنین و من المعز اثنین۔ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ۔ الضان اور المعز جمع ضائن اور ماعز ہیں۔ جیسا کہ تاجر و تجر۔ قراءت: مکی، شامی اور ابو عمرو نے المعز عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور یہ دونوں لغات ہیں۔ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

الاُنثَيَيْنِ اس میں ہمزہ انکار کے لئے ہے۔ الذکرین سے مراد الضأن اور المعز کے مذکر ہیں۔ اور الانثیین سے الضأن اور المعز کی مؤنث مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس بات سے انکار مقصود ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ضأن اور معز دونوں نوع میں سے مذکر اور مؤنث کو حرام کیا ہو۔ اور نہ ہی جو حاملہ کے پیٹ میں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی تو مذکر چوپایوں کو حرام کرتے اور کبھی مؤنث کو اور ان کی اولاد۔ وہ بھی جیسا کہ مذکر و مؤنث دونوں ہوتے یا کبھی ملے جلے ہوتے تو کہتے ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ ان کی اس بات کا انکار کیا گیا۔

نحو: الذکرین یہ منصوب حرّم کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ام الانثیین یعنی اَم حرّم الانثیین اسی طرح جو اما اشتملت میں ہے۔ نَبِّئُونِیْ بِعِلْمٍ تم مجھے کسی معروف بات کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوالہ دے کر ثابت کرو جو اس چیز کا حرام ہونا ثابت کرے جو تم نے حرام ٹھہرائی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا۔

چوپاؤں کی حلت کی تاکید اور من گھڑت تحریم کی تردید:

آیت ۱۴۴: وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ۔ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ ان دونوں میں سے حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ ان میں سے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ یا جو ان کی مؤنثوں کے پیٹ میں ہے۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا " یا تم نے اپنے رب کو دیکھا جس وقت وہ تمہیں ان کی تحریم کا حکم دے رہے تھے۔ جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ جس کو ہم حرام کر رہے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ تو ام کنتم شہداء کہہ کر ان پر تہکم کیا گیا کہ کیا تمہیں مشاہدہ کی صورت میں یہ بات معلوم ہوئی ہے جبکہ تم سرے سے رسول پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ (تو پھر تمہارے لئے یہ بات کیونکر ممکن ہے) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا پس اس کی طرف ایسی چیز کی حرمت منسوب کی گئی جو اس نے حرام نہیں کی۔ لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ یعنی وہ لوگ جن کے کفر پر خاتمہ کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ یہاں جو چیزیں شمار کی جا رہی تھیں ان میں بعض کو شمار کیا اور بعض آئندہ مذکور ہیں۔ درمیان میں جملہ معترضہ لائے۔ جو مفرد سے غیر اجنبی تو نہیں۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر چوپائے بنا کر اور ان میں منافع رکھ کر احسان فرمایا جملہ معترضہ سے ان چوپاؤں کی حلت کی تاکید مقصود ہے اور وہ باتیں بھی اسی لئے لائے جاتے ہیں۔

فسق کہنے کی وجہ:

اَوْ فِسْقًا یہ لحماً منصوب پر عطف ہے۔ فاِنّہ رجس یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ یہ فسقًا منصوب ہے اور فسقًا کی صفت ہے۔ یعنی رفع الصوت علی ذبحہ باسم غیر اللّٰہ۔ اس کو فسق اس لیے کہا گیا کہ یہ باب فسق میں انتہا پہنچا ہوا ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ جب ان محرمات میں سے کسی چیز کے کھانے کی ضرورت پیش آ جائے۔ غَیْرَ بَاغٍ کسی مجبور پر جو اس جیسا ہو اس کی ہمدردی کو ترک کرنے والا ہو۔ وَّلَا عَادٍ اس کے کھانے میں قدر حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو۔ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس سے مؤاخذہ نہ فرمائے گا۔

یہود کی مخصوص محرمات کا بیان اور اس کا سبب:

آیت ۱۴۶: وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ یعنی جن کی انگلیاں جدا نہیں یعنی ان میں اونٹ اور شتر مرغ بھی شامل ہے۔ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ۔ یعنی ہم نے ہر ناخن والے جانور کا گوشت اور چربی حرام کر دی اور اس کی ہر چیز۔ اور گائے اور بکری کی صرف چربی حرام کی گئی اور وہ پیٹ اور گردے کی چربی ہے۔ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ مگر جو پشت پر ہو اور پہلو کے چھلکے کے ساتھ ہو۔ اَوِ الْحَوَایَآ یا جو انتڑیوں پر لگی ہو حوایا کی جمع حاویا یا حویہ ہے۔ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ وہ دنبہ کی چکی۔ یا حرام مغز ہے۔ ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ یہ جزینٰھم کا مفعول ثانی ہے تقدیر عبارت یہ ہے جزینٰھم ذٰلک۔ بِبَغْیِهِمْ ان کے ظلم کے باعث۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اس میں جو ہم نے خبر دی اور ہم کسی طرح ان پر تعدی نہیں کرتے۔ جنہوں نے اپنی معصیت کو حلال کے حرام کرنے کا ذریعہ بنایا اور ادھر ہمارے سلف کی معصیت جو تحلیل حرام کے سلسلہ میں تھی اس کے بارے میں فرمایا و عفا عنکم فالئن باشروھن (البقرہ ۱۸۷)

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ

سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں سے نہ ٹالا

الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا

جائے گا۔ جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم کسی چیز

حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ

کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرمائیے

هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے سو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف ظن کے پیچھے چلتے ہو اور صرف

أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت

أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ

دے دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار

هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ

دیا ہے۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں۔ اور آپ ان لوگوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں جنہوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ

ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر

يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

ٹھہراتے ہیں۔

ان کو تکذیب کی سزا ذرا ٹھہر کر ملے گی:

آیت ۱۴۷: فَإِنْ كَذَّبُوكَ اس میں جو آپ کی طرف قرآن کی وحی کی گئی۔ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ اس لئے کہ

تکذیب کرنے والوں کو مہلت دیتا ہے اور ان کو جلد سزا نہیں دیتا۔ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ اس کا عذاب اور اس کی وسعت رحمت کے ساتھ ساتھ ہیں۔ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ جب آپ نے یہاں اس کی وسعت رحمت کو دیکھ کر عذاب سے بے خوف نہ ہونا چاہیے۔

جوازِ شرک کی مشرکانہ دلیل کہ یہ اللہ کی مشیت سے ہے:

آیت ۱۴۸: سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا یہاں کی اطلاع ہے جس کو وہ عنقریب کہیں گے۔ لَوْ شَاءَ اللَّهُ یعنی کہ ہم شرک نہ کریں۔ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ لیکن اس نے چاہا۔ پس یہ ہمارا عذر ہے۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ ان کا اور ان کے آباؤ اجداد کا شرک اور ان کی وہ تحریمات جو ان چیزوں میں انہوں نے کیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی تو ان میں سے کوئی چیز نہ ہوتی۔

یہ جواب دیا کہ یہ عذر لنگ ہے:

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ۔ جس طرح یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ متقدمین کی تکذیب نبی اسی طرح تھی اور وہ بھی اسی قسم کے بہانے کرنے والے تھے۔ انکو اس بات سے کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ یہ بات بطور اعتقاد کے انہوں نے نہیں کہی بلکہ استہزاء کے طور پر کہی۔ اور جیسے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اپنی معذوری کیلئے حجت بنایا۔ حالانکہ یہ صریحاً مردود ہے۔ یہ مشیت کا اقرار نہیں۔

مشیت کا معنی:

مشیت کا معنی یہاں رضا ہے جیسا کہ حسن بصری نے کہا۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کے شرک پر راضی ہے۔ شرک مراد (ارادہ سے ہوتا ہے) ہے مگر وہ پسندیدہ نہیں۔ کیا تم اس آیت کو نہیں دیکھتے کہ فرمایا فلو شاء الله لهداكم اجمعين۔ اس میں خبر دی کہ اگر وہ ان کی ہدایت چاہتا تو وہ تمام ایمان لے آتے لیکن تمام کا ایمان نہ چاہا۔ بلکہ بعض کا ایمان چاہا اور بعض کا کفر چاہا۔ پس لازم ہے کہ مشیت کو اسی پر محمول کیا جائے جو ہم نے ذکر کیا تاکہ تناقض دور ہو۔ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا یہاں تک کہ ہم نے ان پر عذاب اتارا۔ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ ایسی کوئی معروف بات جس سے تمہاری اس بات کی دلیل بن سکے۔ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا پس اس کو ظاہر کرو۔ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ تم جھوٹ بولتے ہو۔

اللہ کی دلیل کامل ہے:

آیت ۱۴۹: قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ جو تم پر اس کی طرف سے لازم ہے اس کا امر و نہی کی وجہ سے اور تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی مشیت کی کوئی (صحیح) دلیل موجود نہیں۔ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت چاہتا اس آیت سے معتزلہ کا یہ عقیدہ باطل ٹھہرا۔

کفار سے تحریمات پر ثبوت کا مطالبہ:

آیت ۱۵۰: قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ لاؤ تم اپنے شہداء کو۔ اور وہ یہ ہیں۔ هَلُمَّ کے لفظ میں واحد تثنیہ جمع کا استعمال حجاز کے لوگ برابر ہے۔ البتہ بنو تمیم اس کی مونث و جمع بناتے ہیں۔ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا یعنی وہ جو اپنے خیال میں حرام کیے

ہیں۔ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ تو آپ گواہی تسلیم نہ کریں اور نہ ان کی تصدیق کریں۔ کیونکہ جب اسکو تسلیم کر لیا گیا تو گویا ان کی گواہی کی طرح وہ گواہی ہوگئی اور انہی میں سے بن گیا۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں تاکہ اس سے ثابت ہو جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے وہ خواہش پرست ہے۔ اسلئے کہ وہ اگر دلیل کا پیرو ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق ضرور کرتا اور اسکو وحدہ لاشریک جانتا۔ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وہ مشرک ہیں۔ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ وہ بتوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ

تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور مت قریب جاؤ بے حیائیوں کے کاموں کے ان میں سے جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہیں

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر ایسے طریقے سے جو اچھا ہو

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ

یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ ہم کسی جان کو اس کی طاقت

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب تم بات کرو تو انصاف کو اختیار کرو اگرچہ وہ شخص قرابت والا ہو، اور اللہ کے عہد کو

اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

پورا کرو، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو اس کا

فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اتباع کرو اور دوسری راہوں کا اتباع نہ کرو، وہ راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۔ تاکہ تمہیں ان احکام کی عظمت اللہ تعالیٰ کے ہاں معلوم ہو۔

آیت ۱۵۲: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ : مگر اس طریقہ سے جو کہ اچھا ہو اور وہ اس کی حفاظت کرنے اور اس کو بارآور کرنے والا طریقہ ہے۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ : یعنی بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دو۔ اَشُدَّ یہ شَدٌّ کی جمع ہے جیسے فلس و افلس۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ : قسط کا معنی برابری اور عدل ہے۔ یعنی تم ماپ تول میں برابری کرو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا : سے مراد جس سے انسان عاجز نہ ہو اس کو کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

ایک حکمت:

ماپ تول میں انصاف کا حکم دینے کے بعد اس کو اس لئے لائے کیونکہ ماپ تول میں عدل کی پوری رعایت کہ جس میں ذرہ بھر کمی بیشی نہ ہو انصاف کہلاتا ہے اور اس میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہونا عین ممکن ہے۔ اس تنگی کو اٹھاتے ہوئے اِلَّا وُسْعَهَا لائے کہ اپنی طاقت کی حد تک اس میں کمی نہ ہونے پائے اور جو طاقت سے زائد ہے وہ معاف کر دی جائے گی۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا کا معنی سچ بولنا ہے۔ یعنی جب تم بات کرو تو سچائی کا دامن تھامے رہو۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى : اگرچہ جس کے متعلق بات کی گئی یا جس کے خلاف گواہی وغیرہ دی گئی وہ کہنے والے کے قرابت داروں میں سے ہو جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں ہے: وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ [النساء: ۱۳۵]۔

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ عہد اللہ عام ہے۔ یوم میثاق والا ہو یا امر و نہی اور وعدہ وعید اور نذر و قسم والا ہو سب ہی مراد ہیں۔ ذٰلِكُمْ کا مشار الیہ گزشتہ تمام چیزیں ہیں۔

قراءت: حمزہ، علی، حفص کے ہاں قرآن مجید میں جہاں بھی آئے گا ایک تا کے حذف اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ دیگر قراء نے تشدید سے پڑھا ہے۔ یہ اصل میں تتذکرون تھا دوسری تا کو ذال میں ادغام کر دیا۔ تذکرون کا معنی یہ ہے: یعنی تمہیں اس لئے حکم دیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

آیت ۱۵۳: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ اس سے پہلے لام مقدر ہے کیونکہ یہ اتباع کی علت ہے۔ یعنی تم اتباع کرو اس لئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔

قراءت: شامی نے اَنْ کو تخفیف کے ساتھ نون پڑھا ہے۔ یہ اصل میں وانہ ہے۔ ضمیر شان کی محذوف ہے۔ (۲) حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے جملہ جدید قرار دے کر اِنَّ پڑھا ہے۔ مُسْتَقِيْمًا ۔ سیدھا۔

نحو: یہ حال ہے۔ یعنی بے شک یہ میرا راستہ ہے اس حال میں کہ وہ سیدھا ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ۔ السُّبُلَ سے مختلف راستے یعنی یہودیت نصرانیت مجوسیت اور تمام بدعات وضلالات کی راہیں مراد ہیں۔ یعنی کیونکہ یہ میرا راستہ سیدھا ہے تو تم اس کی اتباع کرو اور متفرق راستوں یہودیت وغیرہ کی اتباع نہ کرو۔ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ پھر وہ تفرقہ ڈالنے والے راستے تمہیں اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ یعنی دین اسلام سے جدا کر دیں گے۔

روایت میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر فرمایا یہ ہدایت کی راہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ

"یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کا رب آ جائے یا آپ کے رب کی کچھ نشانیاں

اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

آئیں سے کوئی نشانی آ جائے جس دن آپ کے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آ پہنچے گی کسی شخص کو اس کا ایمان کام نہ آئے گا جو پہلے سے

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

ایمان نہیں لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

"بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس ان کا معاملہ

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کے کیے ہوئے کام جتلا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

واضح دلائل کے بعد یہ نہیں مانتے گویا قیامت کے منتظر ہیں:

آیت ۱۵۸: هَلْ يَنْظُرُوْنَ یعنی ہم نے رسالت کے ثبوت اور وحدانیت کے دلائل تو قائم کر دیے اور ان کی گمراہی کو جو ان کے اعتقادات میں تھی اس کو بھی باطل کر دیا۔ اب وہ گمراہی کے چھوڑنے میں کس چیز کے منتظر ہیں۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی موت کے فرشتے ان کی ارواح کو قبض کرنے کے لئے۔ قراءت: حمزہ اور کسائی نے یاتیہم پڑھا ہے۔ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ یعنی تیرے رب کا حکم اور وہ عذاب یا قیامت ہے اور اس لیے کہ اتیان متشابہ ہے اور اتیان امر تو منصوص علیہ ہے۔ محکم ہے اسی لیے اس کے معنی کو اس کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یعنی قیامت کی علامات مثلاً مغرب سے طلوع شمس وغیرہ۔ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا اس لیے کہ یہ ایمان اختیاری نہیں۔ بلکہ یہ ایمان تو عذاب اور بچاؤ اپنے سے دور کرنے کی خاطر ہے۔ لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ یہ نفسًا کی صفت ہے۔ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا خیر کا معنی اخلاص ہے جیسا کہ طلوع شمس من المغرب کے بعد کافر کا ایمان قابل قبول نہیں ہوگا۔ اسی طرح منافق کا اخلاص بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ یا اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور تقدیر عبارت یہ ہے۔ لا ینفع ایمان من لم یؤمن ولا توبۃ من لم یتب قبل جو ایمان نہیں لایا اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا اور نہ توبہ قبول ہوگی جس نے توبہ نہیں کی۔ قُلِ انْتَظِرُوْٓا تم آیات میں سے ایک کا انتظار کرو۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ کہ ایک ان میں سے کب واقع ہوگی۔

میں تو حقیقی رب کو ماننے والا ہوں:

آیت ۱۶۴: قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا یہ جواب ہے ان کی دعوت کو جو وہ آپ کو اپنے معبودان باطل کی طرف دیتے تھے۔ ہمزہ استفہام انکاری کا ہے یعنی میں اس کے علاوہ کسی اور رب کو تلاش کروں یہ نرالی بات ہے۔ مفعول کو اسی لیے مقدم کیا گیا کیونکہ یہ اہم بات ہے۔ وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ اور اس کے علاوہ تمام مربوب ہیں اور کوئی ایسا موجود نہیں اس کے علاوہ جس کو ربوبیت کا اختیار ہو۔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جس کا تذکرہ دوسری آیت میں فرمایا۔ اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ (العنکبوت:۱۲) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى یعنی کوئی شخص کسی کے گناہ کے بدلے نہ پکڑا جائے گا۔ جو خود کسی اور شخص نے کیا ہو۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ان ادیان میں سے جن میں تم نے اختلاف ڈالا ہے۔

زمین میں آمد و درجہ بندی آزمائش ہے آنے والے حساب کو آیا ہوا سمجھو:

آیت ۱۶۵: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کی امت آخری امت بنائی گئی کیونکہ وہ ایک دوسرے کے بعد آتے رہیں گے یا وہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونگے۔ اور اس کے مالک بنیں گے اور اس میں تصرف کریں گے۔ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ مرتبہ شرف اور رزق وغیرہ میں۔ دَرَجٰتٍ یہ مفعول ثانی ہے یا تقدیر عبارت یہ ہے اِلٰى دَرَجٰتٍ درجات کی طرف۔ یہ مصدر کی جگہ آیا ہے گویا اس طرح کہا بلندی کے بعد بلندی لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ان میں جو تمہیں جاہ و مال کی نعمت دے رکھی ہے تم کس طرح اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہو کس طرح شریف کمینے کے ساتھ اور مالدار فقیر کے ساتھ اور مالک مملوک کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ بے شک آپ کا رب بہت جلدی بدلہ لینے والا ہے جو اس کی نعمتوں کی ناشکری کرے۔ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جو اس کے شکر کو ادا کرے تا عقاب کے ساتھ سرعت کی صفت لائی گئی۔ کیونکہ آنے والا ہے اس کو یہی سمجھنا چاہیے وہ قریب ہی ہے۔ جیسا ارشاد فرمایا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل:۷۷) کہ قیامت کا معاملہ تو پلک جھپک کی طرح یا اس سے بھی زیادہ قریب تر ہے۔

فائدہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس نے سورۃ انعام کی ابتدائی آیات صبح کے وقت تلاوت کیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے ان کے اعمال کی مثل اعمال قیامت تک لکھے جاتے رہیں گے۔ (ابن عدی)

تمت بالخیر

ترجمہ سورۃ الانعام یوم الاربعاء بعد العصر ۔ وقت مضت اثنا عشر یوماً من شهر جمادی الاولی سنة ۱۴۲۳ھ

والحمد لله علی ذلك

آیت ۱: الٓمّٓصٓ (اللہ تعالیٰ اس کی مراد جانتے ہیں) زجاج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پسندیدہ ہے انا اللّٰہ اعلم و افضل ۔ یعنی میں اللہ سب کچھ جاننے والا اور سب سے زیادہ فضیلت والا ہوں۔

آیت ۲: کِتٰبٌ (یہ ایک کتاب ہے) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ھو کتاب وہ کتاب ۔ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے) یہ کتاب کی صفت ہے کتاب سے مراد سورت ہے ۔

تسلیۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے انکار سے تنگ دل نہ ہوں:

فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ (آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہیے) حرج کا معنی شک ہے اور شک کو حرج سے تعبیر اس لیے فرمایا کہ شک کرنے والے کا دل تنگ ہوتا ہے جیسا کہ یقین کرنے والے کے دل میں کشادگی ہوتی ہے ۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارے جانے میں شک نہ کر۔ یا اس کی تبلیغ کے سلسلہ میں تنگی نہیں ہونی چاہیے آپ ﷺ اپنی قوم کی تکذیب اعراض و ایذاء کا خدشہ پا کر ان کے ایذاء سے دل میں تنگی محسوس کرتے تھے۔ اور دل میں اس کے متعلق نشاط پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن فرمایا کہ اس بات کی بالکل پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ فلا یکن میں حرج ہی کی نفی فرمائی گئی۔ کیا خوب بلاغت کے ساتھ فرمایا اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اس کے اتارے جانے کے بعد آپ دل میں تنگی محسوس نہ کریں لِتُنْذِرَ بِهٖ (تاکہ اس کے ذریعہ (منکروں) کو ڈرائیں) اس میں لام انزل کے متعلق ہے تقدیری عبارت یہ ہے انزل الیک لانذارک به اس کتاب کو آپ کی طرف اتارا گیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام جو تنذر کا ہے اس کا تعلق لا یکن کی نہی سے ہے کیونکہ جب آپ ان سے نہ ڈرائیں گے تو ان کو ڈرائیں گے۔ اور اسی طرح جب ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو یقین آپ کو نافرمانی سے ڈرانے کے لیے جرأت مند بنا دے گا کیونکہ صاحب یقین بہادر و جرأت مند اور اپنے رب پر توکل کرنے والا ہوتا ہے۔

نحوی تحقیق:

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (اور اہل ایمان کیلئے یہ ایک نصیحت ہے) یہ فعل مضمر کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی تنذر به و تذكر تذكيرًا ۔ کہ تم اس کے ذریعہ ڈراؤ اور نصیحت کرو خوب نصیحت کرنا۔ الذکری یہ اسم ہے اور تذکیر مصدر کے معنی میں ہے۔ نمبر ۲۔ کتاب پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یعنی هو كتابٌ و ذكرى للمؤمنين وہ کتاب اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔ نمبر ۳۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ مؤمنوں کے لئے نصیحت ہے۔ نمبر ۴۔ محل جر میں واقع ہے تنذر کے محل پر عطف کی وجہ سے تقدیری عبارت یہ ہے: للانذار وللذکری انذار کے لئے اور نصیحت کے لئے۔

آیت ۳: اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اس کی پیروی کرو جو ہدایت تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے) انزل الیکم سے مراد قرآن و سنت ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ (اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو) ہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اَوْلِيَآءَ: یعنی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن وانس شیاطین کی دوستی مت اختیار کرو۔ وہ تمہیں اصنام پرستی خواہشات پرستی اور بدعات پر آمادہ کریں گے۔ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو) اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو تم چھوڑتے ہو اور دوسروں کی اتباع کرتے ہو۔

نحو: قلیلا پر نصب تذکرون کی وجہ سے ہے یعنی تذکرون تذکرا قلیلا۔ تم بالکل تھوڑی سی نصیحت مانتے ہو۔ ما قلت کی تاکید کے لیے بڑھایا گیا۔ قراءت: شامی نے تتذکرون پڑھا ہے۔

نحوی تحقیق:

آیت ۴: وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا (اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا) کم مبتدا ہے اهلکنٰها اس کی خبر ہے من قریة اس بیانیہ کم خبریہ کی تمیز پر لایا گیا۔ اهلکنٰها سے ارادۂ ہلاک مراد ہے۔ جیسے کہ دوسرے مقام میں ارشاد ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا (المائدہ: ۶) میں ارادۂ قیام کو قیام فرمایا گیا۔ فَجَآءَهَا اس کے رہنے والوں پر آیا۔ بَاْسُنَا ہمارا عذاب

زبان اور وہ ٹکڑے ہو گئے اظہار انصاف اور قطع معذرت کے لئے مطابق اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ تیسرا۔ یہ برابر فیصلے اور عدالت محض کی تعبیر ہے اللہ تعالیٰ (ہی) اس کی کیفیت کا علم ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (پس جن لوگوں کے پلڑے بھاری ہوں گے) اصل میزان یا موزون ہے یعنی جس کے تولے جانے والے اعمال بھاری اور قدر والے ہیں اور ایسے اعمال تو اعمال صالحہ ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے) یہی لوگ فلاح پائیں گے۔

خفت وزن:

آیت ۹: وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ (اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے) اور وہ کفار ہیں ان میں ایمان ہی نہیں۔ کہ جس کے ساتھ عمل معتبر ہوتا۔ ان کے میزان میں خیر نہ ہوگی۔ پس ان کے میزان ہلکے ہوں گے۔ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۔ (پس وہ لوگ وہی ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کر لیا۔ ہماری آیات کی حق تلفی کرنے کے سبب) یظلمون کا معنی زور سے انکار کرنا۔ آیات سے دلائل مراد ہیں اور آیات سے ظلم کا مطلب ان کو ان کے مقامات سے ہٹانا یعنی انکار کرنا اور ان کو تسلیم نہ کرنا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کو جگہ دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور بلاشبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ کس چیز نے منع کیا تجھے سجدہ کرنے سے جب کہ میں نے حکم دیا تھا تجھے؟ کہنے لگا میں بہتر ہوں اس سے، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا مٹی سے۔ فرمایا اچھا تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں گھمنڈ کرے، پس نکل جا، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے مہلت دے دیجئے اس دن تک جب کہ ان سب کو اٹھایا جائے گا۔ فرمایا بے شک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا، میں ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے آپ کے سیدھے راستے پر۔ پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔ فرمایا تو نکل جا یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر اور دھتکارا ہوا، ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے۔

تنبیہ: قیاس کی نفی کرنے والوں کا یہ کہنا کہ سب سے پہلا شخص جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ یہ محض قیاس ہے کیونکہ قیاس کو ثابت کرنے والوں کے ہاں بھی ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو وہ مردود ہے جبکہ ابلیس کا قیاس امر منصوص کے ساتھ محض عناد تھا۔ ما منعک کا جواب: تقاضا تھا کہ وہ کہتا مجھے اس چیز نے روکا۔ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں اس لیے کہ اس نے قصہ دہرایا۔ اور اس میں اپنے بارے میں خبر دی کہ وہ آدم سے افضل ہے جو اپنی فضیلت کے سبب میں اس سے بہتر ہے جو کہ اس ساری بات سے یہ جواب حاصل ہوا۔ گویا اس نے کہا منعنی من السجود لفضلی علیہ کہ سجدے سے مجھے میری فضیلت نے روکا اور اس پر بڑائی نے روکا۔ اور یہ تو حکم الٰہی کا انکار ہے مزید یہ کہ مجھ جیسے کو اس جیسے کیلئے سجدہ کرنا بعید از عقل ہے کیونکہ فاضل مفضول کو سجدہ نہیں کرتا۔

آیت ۱۳: قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے اتر جا) جنت ۔ سے یا آسمان سے کیونکہ وہ آسمان میں تھا اور وہ متواضع اور مطیع لوگوں کا مقام ہے فاھبط کی فاء نفا خبر کے جواب میں ہے اس ای ان کنت تتکبر فاھبط۔ اگر تو تکبر کرتا ہے تو اتر جا۔ فَمَا يَكُونُ لَكَ (تجھ کو حق نہیں) تیرے لیے جائز نہیں۔

ذلت لازمہ تکبر ہے:

أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا (کہ تو یہاں رہ کر تکبر کرے) کہ تو نافرمانی کرے۔ فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ (پس نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا) اہل ذلت تو اللہ تعالیٰ اور ان کے دوستوں کے ہاں ذلت و رسوائی والوں میں سے ہے۔ ہر انسان تیری مذمت کرے گا۔ اور تکبر کی بنیاد پر ہر زبان تجھے لعنت کرے گی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ذلت تکبر کا لازمہ ہے۔

مطالبہ مہلت:

آیت ۱۴: قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (اس نے کہا مجھے اس دن تک چھوٹ دو۔ جس دن اٹھایا جائیگا) مجھے بعث کے دن تک مہلت دو یہ جزاء کا وقت ہے۔

مہلت کا ملنا:

آیت ۱۵: قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی) نفخۂ اولیٰ تک۔ اس تک سلئے قبول کر لی گئی کیونکہ اس میں ابتلاء و امتحان ہے اور احباب کے دلوں کو اور قریب کرنے کیلئے ہے کہ یہ میرا سلوک اس سے ہے جو مجھے گالیاں دیتا ہے پس تم اندازہ کر و اس سے کیا سلوک ہوگا۔ جو مجھ سے محبت کرتا ہے شیطان نے سوال کی جسارت اسلئے کی کہ وہ علم خداوندی سے واقف تھا۔

مہلت کے بعد بڑا بول:

آیت ۱۶: قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي (وہ کہنے لگا اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے) تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی تیرے مجھے اغواء کرنے کے سبب سے۔ بما کی باء قسم کے محذوف فعل سے متعلق ہے یا باء قسم کے لیے ہے تقدیر عبارت یہ ہے فاقسم

بما غویتنی۔ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (تو میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو گمراہ کرنے کیلئے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا) یعنی اسلام کے راستہ پر گھات لگا کر انہیں لوٹانے کے لیے اور رکاوٹ ڈالنے کیلئے سامنے آؤں گا۔ جیسا کہ دشمن راستہ پر اس لئے بیٹھ جاتے ہیں تا کہ چلنے کے لئے اس کو بند کر دیا جائے۔

نحو: صِرَاطَكَ ظرف کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہتے ہیں ضرب زیدٌ الظهر ای علی الظهر

لطیفہ: حضرت طاؤس مسجد حرام میں تھے ان کے پاس ایک قدری آدمی آیا۔ طاؤس نے اسے کہا تم خود کھڑے ہو گے یا تمہیں کھڑا کیا جائے؟ آدمی کھڑا ہوا اس کو کہا گیا تو ایک فقیہ کو اس طرح کہتا ہے تو آپ نے کہا ابلیس اس سے بڑا فقیہ تھا۔ اس نے کہا رب بما اغویتنی۔ اور یہ فقیہ کہتا ہے انا اغوی نفسی میں نفس خود گمراہ ہوتا ہے۔

آیت ۱۷: ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ (پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے بھی) آخرت کے متعلق ان کو شبہ میں مبتلا کروں گا وَمِنْ خَلْفِهِمْ (اور ان کے پیچھے سے بھی) میں ان کو دنیا کی رغبت دلاؤں گا۔ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ (اور ان کے دائیں جانب سے بھی) نیکیوں کی جانب سے وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (اور ان کے بائیں جانب سے بھی) برائیوں کی طرف سے شمائل جمع شمال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ان پر چاروں طرف سے حملہ کروں گا۔ جن سے عموماً دشمن حملہ آور ہوتے ہیں۔ شقیق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہر صبح شیطان چاروں راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے سامنے سے کہتا ہے کہ ڈرو نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں۔ پس میں پڑھ دیتا ہوں وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا (طٰہٰ ۸۲) نمبر۲۔ پیچھے سے آ کر مجھے ڈراتا ہے کہ تیری بیوی بچے ضائع ہو جائیں گے تو میں جواب دیتا ہوں ومامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها (ھود ۶) دائیں طرف سے آ کر میری تعریف کرتا ہے تو میں کہتا ہوں والعاقبة للمتقین (الاعراف ۱۲۸) پھر بائیں طرف سے آ کر شہوات کی طرف متوجہ کرتا ہے تو میں یہ آیت پڑھتا ہوں وحیل بینهم و بین ما یشتهون۔ (سبا ۵۴) آیت میں من فوقهم نہیں کہا اور نہ ہی من تحتهم کہا گیا اس لیے کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت آتی ہے اور نیچے انسان کو سجدہ میسر ہوتا ہے۔

نحو: اول دونوں میں مِنْ ہے جو ابتداء غایت کیلئے ہے اور آخر میں عَنْ ہے جو انحراف کیلئے آتا ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیگا) شاکرین سے مراد مومنین ہیں یہ اس نے گمان کے طور پر کہا جیسا ارشاد ہے:

ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه (سبا ۲۰) نمبر۲۔ اس نے فرشتوں کی زبان سے سنا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مطلع فرمایا۔

آیت ۱۸: قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا) جنت سے یا آسمان سے مَذْءُوْمًا (عیب دار قرار دیا ہوا) عیب دار اور برا قرار دیا ہوا۔ یہ ذام سے ہے جو مذمت کے معنی میں ہے حقیر قرار دینا۔ مَّدْحُوْرًا (دھتکارا ہوا) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ (جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا) اس میں لام تمہید قسم کے لیے لائی گئی اور اس کا جواب لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ (میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا) یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے مِنْكُمْ یعنی منك ومنهم تجھ سے اور ان سے ضمیر مخاطب کو غلبۃً ذکر کر دیا۔ اَجْمَعِيْنَ (یہ تاکید ہے)

آدم علیہ السلام کی جنت میں رہائش:

آیت ۱۹: وَیٰٓاٰدَمُ (اور اے آدم) اور ہم نے کہا اے آدم ابلیس کو جنت سے خارج کر دینے کے بعد اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو) تم دونوں اس کو اپنا مسکن بناؤ۔ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا (پھر جس جگہ سے تم چاہو کھاؤ مگر دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا۔ ورنہ ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ گے) تو تم ہو جاؤ گے مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے)

شیطان کی وسوسہ اندازی:

آیت ۲۰: فَوَسْوَسَ لَھُمَا الشَّیْطٰنُ (پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا) وسوسہ خفیہ کلام کو کہتے ہیں۔ اس کو دہرانا۔ یہ وسوس کا لفظ لازم ہے کہتے ہیں رجل موسوس اس کا مفعول سوسوس نہیں آتا۔ البتہ لام یا الی کے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ وسوس لہ وسوس الیہ اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف وسوسہ ڈالا جائے۔ وسوس لہ کا مطلب یہ ہوا فعل الوسوسۃ لاجلہ ان کی خاطر خفیہ کلام کیا۔ اور وسوس الیہ کا مطلب وہ کلام ان کی طرف ڈالا۔ لِیُبْدِیَ لَھُمَا مَا وٗرِیَ عَنْھُمَا مِنْ سَوْاٰتِھِمَا (تاکہ ان کے پردہ کا بدن جو ان دونوں سے اب تک پوشیدہ تھا دونوں کے سامنے ظاہر کر دے) تاکہ ان کے سامنے ان کے وہ ستر ظاہر کر دے جو ان سے چھپے ہوئے تھے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ستر کھولنا ہوا شنیع ہے اور طبائع اور عقول مجردہ میں یہ قبیح سمجھا جاتا رہا ہے۔

سوال: مَا وٗرِیَ کی واؤ ہمزہ سے کیوں نہیں بدلی جیسا کہ اویصل جو اصل کی تصغیر ہے اس کی اصل وویصل ہے۔ واؤ اول کو ہمزہ سے بدل دیا کیونکہ دو واؤ کا اجتماع ناپسند ہے۔

جواب: دوسری واؤ مدہ ہے جیسا کہ وارٰی کی الف نہیں جس طرح واعد میں اس کو ہمزہ کرنا لازم نہیں اسی طرح ووری میں بھی لازم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو واؤ متحرک ہوں تو ان میں ثقل پیدا ہوتا ہے جو اس وقت نہیں ہوتا جبکہ دوسرا ساکن ہو اور یہ ضرورت کو تقاضا ہوتا ہے۔ چنانچہ ثقل کے موقع پر اس کا بدلنا لازم کر دیا۔ دوسرے موقع پر نہیں۔ عبداللہ نے اُوْرِیَ قلب سے پڑھا ہے۔ وَقَالَ مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ (اور کہنے لگا تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر صرف اس وجہ سے کہ دونوں کہیں فرشتے نہ ہو جاؤ) مگر اس کراہت سے کہ تم دونوں فرشتے بن کر خیر و شر جان لو اور غذا سے مستغنی ہو جاؤ۔

قراءت: ملکین پڑھا گیا ہے۔ اس ارشاد کے پیش نظر مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (طٰہٰ ۱۲۰) اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (یا کہیں ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ) ان لوگوں میں سے جن پر موت نہیں آئے گی اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

طریق وسوسہ:

آیت ۲۱: وَقَاسَمَھُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (اور ان دونوں کے روبرو قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا خیر خواہ

ہوں) وقاسمھما۔ یعنی ان دونوں کے سامنے قسم کھائی۔ اور کہنے لگا اِنِّی لَکُمَا (الآیۃ) کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ یہاں ابلیس کی قسم کو باب مفاعلہ سے ذکر کیا کیونکہ گویا وہ قسم اٹھانے والا تھا تو وہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے۔ گویا قسم دو طرفہ ہوئی۔

اللہ کا نام لے کر دھوکے سے پھل کھلایا:

آیت ۲۲: فَدَلّٰھُمَا (پس وہ ان دونوں کو نیچے لے گیا) درخت سے کھانے کی وجہ ان کو نیچے اتار لایا۔ بِغُرُوْرٍ (دھوکے سے) اس وجہ سے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر دھوکہ دیا۔ اور مومن اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ کھا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو اللہ کے نام سے ہمیں دھوکہ دے گا ہم اس کے دھوکے میں آ جائیں گے۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ (جب دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھ لیا) دونوں نے اس کا ذائقہ پایا جبکہ اس کو کھانا شروع کیا۔ وہ گندم یا انگور کا خوشہ تھا۔

اعضائے مستورہ کا ظہور:

بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (تو دونوں کے پوشیدہ اعضاء ایک دوسرے پر بے پردہ ہو گئے) ان دونوں کا ستر ان کے سامنے ظاہر ہو گیا کیونکہ ان کا لباس اتر گیا۔ وہ اپنے اعضائے مستورہ کو نہ دیکھتے تھے اور نہ ایک دوسرے کے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا لباس ناخنوں کی جنس سے تھا۔ یعنی سفیدی ناخنوں جیسی تھی اور انتہائی نرم اور لطیف تھا صرف ناخنوں کے پاس وہ لباس رہ گیا تا کہ نعمت یاد آتی رہے اور احساس شرمندگی تازہ ہوتا رہے۔ وَطَفِقَا (اور دونوں لگے) طفق کا لفظ جب اصل فعل پر داخل ہوتا ہے تو جعل کا معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (جوڑ جوڑ کر جنت کے پتے چپکانے) وہ اپنے اعضائے مستورہ پر انجیر کے پتے رکھنے لگے اور پتے پر پتہ جوڑنے لگے تا کہ ان سے اعضاء چھپائیں جیسا کہ جوتا سیا ہوتا ہے۔

عتاب باری تعالیٰ:

وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ (اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے اور خطاء پر متنبہ کیا گیا۔ روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو کہا گیا کہ اس درخت کو چھوڑ کر تیرے لیے جنت کے ثمار اور درخت کافی نہ تھے۔ جو میں نے تجھے عنایت کیے تھے۔ تو آدم علیہ السلام نے جواب دیا کیوں نہیں لیکن اے میرے اللہ مجھے تو گمان تک نہ تھا تیرا جھوٹا نام لے کر کوئی قسم اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے زمین پر ضرور اتاروں گا۔ پھر وہاں تجھے گزران زندگی بھی تنگی اور خون پسینے کی محنت سے میسر آئے گی۔ پس تم زمین پر اتر جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو لوہے کی صنعت سکھا دی گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا۔ پس انہوں نے کھیتی بوئی اس کو پانی دیا کاٹا، گاہا اور اڑایا پیسا آٹا گوندھا اور روٹی بنائی۔ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے)

مخلصانہ عبادت کرو وہ اعادہ کر کے بدلہ دے گا:

آیت ۲۹: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے) القسط کا معنی انصاف ہے۔ انصاف کا اور ہر اس چیز کا جو صحیح عقل والے کے ہاں مستحسن ہے۔ پس وہ کیونکر فحشاء کا حکم دے سکتے ہیں۔ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو) کہہ دو اقیموا وجوھکم یعنی استقامت کے ساتھ اس کی عبادت کا قصد کرو۔ اور ہر وقت سجدہ میں اس کے علاوہ کسی اور کی طرف مائل ہونے والے مت ہو۔ مسجد سے مکان سجود مراد ہے۔ وَّادْعُوْهُ (اور اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو) اور اسی ہی کی عبادت کرو۔ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اسی طور پر کہ خالص کرنے والے ہو اس کے لئے عبادت کو) یعنی اطاعت کو اس حال میں کہ خالص اس کی رضامندی چاہنے والے ہو۔ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا۔ اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے) جیسا اس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا۔ وہ تمہیں لوٹائے گا ابتدائے خلق سے ان کے انکار بعث پر حجت پیش کی گئی مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا اعادہ کر کے تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس اس کی مخلصانہ عبادت کرو۔

ہدایت و اضلال اللہ کے پاس ہے:

آیت ۳۰: فَرِيْقًا هَدٰى (بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے) وہ مسلمان ہیں وَفَرِيْقًا (اور بعض پر) یعنی ایک فریق کو گمراہ کیا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ (گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے) وہ کافر ہیں اِنَّهُمُ (ان لوگوں نے) اور گروہ جس کے متعلق گمراہی ثابت ہو گئی۔ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (شیطانوں کو دوست بنا لیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) یعنی ان کا کہا مانا وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں) یہ آیت بھی ہدایت و اضلال کے مسئلہ میں معتزلہ کے رد کی واضح دلیل ہے۔

تمام حلال زینت مسلمان کے لئے ہے کافر کو تبعاً ملتی ہے:

آیت ۳۲: پھر استفہام انکاری کے طور پر حلال کو حرام قرار دینے پر فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ (آپ فرما دیجئے کس شخص نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس زینت کو) یعنی کپڑے اور وہ تمام چیزیں جن سے آدمی خوبصورتی حاصل کرتا ہے۔ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہے) یعنی اس کی اصل جیسے روئی زمین سے اور ریشم کیڑوں سے وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (اور کھانے پینے کی حلال چیزیں) لذیذ کھانے اور پینے کی اشیاء۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب وہ احرام باندھتے تو بکری اور جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے چربی اور دودھ وغیرہ ان کو حرام قرار دیتے تھے۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (آپ کہہ دیجئے یہ چیزیں دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں) ان کے لئے خالص نہیں کیونکہ مشرکین ان چیزوں میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (خالص ہوں گی قیامت کے دن) ان کے ساتھ اور کوئی شریک نہ ہوگا۔ یہاں اس لئے یوں نہیں فرمایا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِغَيْرِهِمْ تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ یہ اصل میں ایمان والوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور کفار کو بطور تابع کے ملتی ہیں۔

نحوی تراکیب:

نحو: نمبر۱: خالصةٌ یہ مرفوع ہے نافع نے اسی طرح پڑھا اس صورت میں مبتداء ہے اور اس کی خبر للذین آمنوا ہے اور فی الحیوٰۃ الدنیا خبر کا ظرف ہے۔ یا نمبر۲: خالصۃ یہ خبر ثانی ہے۔ نمبر۳: مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دیگر قراء نے حال کی وجہ سے اس کو منصوب پڑھا ہے یہاں ظرف کی ضمیر سے حال ہے جو ظرف کی خبر ہے ای هی ثابتة للذین امنوا فی الحیوٰۃ الدنیا فی حال خلوصها یوم القیامة یعنی وہ ان لوگوں کے لئے ثابت ہے جو ایمان لائے اور دنیا کی زندگی میں اس حال میں کہ وہ خالص ہوگی قیامت کے دن کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ (اسی طرح ہم آیات و احکام صاف بیان کرتے ہیں) ہم حلال و حرام کی تمیز کرتے ہیں۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (سمجھداروں کیلئے) کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

کفارِ مکہ کو وعید:

۳۴: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (ہر گروہ کیلئے ایک میعاد معین ہے) وقت معین ہے جس میں ان پر استیصال والا عذاب آئے گا۔ اگر وہ ایمان نہ لائے اس میں اہل مکہ کیلئے مقررہ وقت میں عذاب کے اترنے کی وعید ہے۔ جیسا کہ پہلی امتوں پر اترا۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کی میعاد معین پہنچ گی۔ اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے) اس کو ساعت سے مقید کیا گیا۔ مہلت میں سب سے قلیل وقت یہی استعمال کیا جاتا ہے۔

متقی اور اصلاح والے کو کوئی غم نہیں:

آیت ۳۵: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ (اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس آئیں) اِمَّا یہ اصل میں اِنْ مَا ہے اِنْ شرطیہ کے ساتھ ما ملا دیا گیا تاکہ شرط کے معنی میں تاکید پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ما بھی شرط کے لیے ہے اس لیے کہ اس کے فعل پر نون ثقیلہ یا نون خفیفہ لازم کیا جاتا ہے۔ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ (پیغمبر جو کہ تم ہی میں سے ہوں گے۔ جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے) میری آیات تم پر پڑھیں گے۔ یہ جملہ یقصون موضع رفع میں رسل کی صفت ہے اور فَمَنِ اتَّقٰى (پس جو شخص پرہیز رکھے) یہ جواب شرط ہے اتقی کا معنی شرک سے بچتا ہے۔ وَاَصْلَحَ (اور اصلاح و درستی کرے) یعنی اپنے عمل سے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (پس ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے) بالکل۔ قراءت: یعقوب نے فَلَا خَوْفَ پڑھا ہے۔

مکذب و متکبر کا انجام:

آیت ۳۶: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا (اور جو لوگ جھٹلا دیں گے) تم میں سے بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ (ہمارے ان احکام کو اور ان سے تکبر کریں گے) ان پر ایمان لانے سے بڑے بنے اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ

[illegible]

نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا

[illegible]

أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ

[illegible]

أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم

[illegible]

مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا

[illegible]

ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا

[illegible]

فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

[illegible]

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

[illegible]

بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾

[illegible]

مفترین و مکذب دوزخ کا ایندھن بنے گا:

آیت ۳۷: فَمَنْ أَظْلَمُ (پس ظلم میں اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا) جس نے بہت زیادہ ظلم کیا۔ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ (جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے) ان میں سے جو منسوب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

کے متعلق جو اس نے نہیں کہا یا اس نے اللہ تعالیٰ کی کہی ہوئی بات کو جھٹلا دیا۔ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ (ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جائے گا) جو ان کے لیے رزق و عمر لکھے گئے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا (یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آئیں گے) موت کا فرشتہ اور اس کے مددگار حتی یہ انکا اپنا حصہ پانے اور پورا پورا حصہ پانے کی غایت کے لیے لایا گیا۔ یہ وہ حتی ہے جس کے بعد والا کلام ابتدائیہ ہوتا ہے۔ اور یہاں کلام جملہ شرطیہ ہے اور وہ اذا جآءتھم رسلنا ہے يَتَوَفَّوْنَهُمْ (ان کی جان قبض کرنے) وہ ان کی روحوں کو قبض کریں گے یہ رسل سے حال ہے۔ ای متوفیھم اس حال میں کہ وہ ان کی روحوں کو قبض کرنے والے ہوں گے۔ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ (تو کہیں گے وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے) اس میں ما قرآنی رسم الخط میں این سے مل کر لکھا ہوا ہے مگر حق یہ ہے کہ اس کو جدا لکھا جائے۔ کیونکہ یہ موصول ہے اور معنی یہ ہے کہاں ہیں وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) وہ کہاں گئے تاکہ تمہارا دفاع کر سکیں۔ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا (وہ کہیں گے ہم سے سب غائب ہو گئے) وہ ہم سے غائب ہو گئے ہم انہیں دیکھ نہیں رہے۔ وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (اور وہ اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے) وہ اپنے کفر کے سبب لفظ شہادت سے اعتراف کریں گے اور یہ لفظ شہادت قطعی خبر کے لیے آتا ہے۔

آیت ۳۸: قَالَ ادْخُلُوْا (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم داخل ہو جاؤ) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کفار کو فرمائیں گے کہ تم داخل ہو جاؤ۔ فِيْٓ اُمَمٍ (ان جماعتوں کے ساتھ) یہ موضع حال میں ہے یعنی اس حال میں کہ وہ بھی منجملہ ان امتوں میں سے ہو جانے والے ہو جائیں جو ان کے مصاحب ہیں۔ قَدْ خَلَتْ (جو ہو گئیں) گزر چکیں مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (تم سے پہلے جنات اور انسانوں کی) جن و انس میں سے جو کافر ہوئے فِي النَّارِ (دوزخ میں) یہ ادخلوا سے متعلق ہے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ (جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی) آگ میں لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (پہلی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی) دین میں ان کے ہمشکل یعنی جو ان کی اقتداء میں گمراہ ہوئے۔ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا (یہاں تک کہ جب سب اس میں جمع ہو جائیں گے) یہ اصل میں تدارکوا ہے آگ میں مل جاؤ اور جمع ہو جاؤ تا کو دال سے بدلا اور ادغام کے لیے ساکن کر دیا پھر ہمزہ وصل اس پر داخل کر دیا۔ جَمِيْعًا یہ حال ہے قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ (پچھلے لوگ کہیں گے) مرتبہ کے لحاظ سے اور اس سے مراد پیروکار اور نیچے درجے کے لوگ لِاُوْلٰىهُمْ مرتبہ کے لحاظ سے اولیٰ سردار و سربراہ ہیں۔ لام و لاھم کا معنی لاجلھم ان کی خاطر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بات کر رہے ہوں گے نہ کہ ان لوگوں سے۔ رَبَّنَا (اے ہمارے رب) اے ہمارے پروردگار هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا (ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا۔ پس ان کو عذاب دوگنا دو) کئی گنا مِّنَ النَّارِ (دوزخ کا) قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ سب ہی کو دوگنا ہے) قائدین کو گمراہ کرنے اور اغواء کرنے کا اور پیروکاروں کو کفر اور اقتدائے کفر کا۔ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (لیکن تم کو خبر نہیں) کہ ہر فریق کے لیے کیا عذاب ہوگا۔

قراءت: ابوبکر نے لا یعلمون پڑھا یعنی ہر فریق دوسرے فریق کے عذاب کی مقدار نہ جان سکے گا۔

داخلہ جہنم کا ایک منظر:

آیت ۳۹: وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ (اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں) پچھلے درجے کے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِكُلٍّ ضِعْفٌ (الاعراف۔ ۳۸) اس کے بعد یہ کلام اپنے کہتے ہیں یہ بات ثابت ہوگئی کہ تم عذاب کے بڑھنے میں ہمارے برابر کے حقدار ہو۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (پس تم بھی اپنے کردار کے بدلے میں عذاب کا مزا چکھتے رہو) تمہاری کمائی اور کفر کی وجہ سے۔ یہ قائدین کا قول ہے جو پچھلے درجہ والے لوگوں کو کہیں گے اس لیے کہ فضل پر وقف نہیں یا ان تمام کو یہ ہے اس صورت میں قُلْنَا پر وقف ہے۔

کافروں کا جنت میں داخلہ اس طرح ناممکن ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا ناممکن ہے:

آیت ۴۰: اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے) ان کو آسمانوں کی طرف چڑھنے کی اجازت نہ دی جائے گی تاکہ جنت میں وہ داخل ہو سکیں۔ کیونکہ جنت تو آسمانوں سے اوپر ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کا کوئی عمل صالح اوپر نہ پہنچے گا اور نہ ان پر برکت اترے گی۔ ایک اور تفسیر یہ ہے کہ موت کے بعد ان کی ارواح آسمان کی طرف صعود نہ کر پائیں گی۔

قراءت: تُفْتَحُ کو تخفیف کے ساتھ ابو عمرو نے پڑھا ہے اور یا اور تخفیف کے ساتھ حمزہ اور علی نے پڑھا ہے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے) یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے یعنی وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکیں گے کیونکہ اس بات کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم کسی جان کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے موافق یہ لوگ جنت والے

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ

ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے ان کے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا

نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچایا اور ہم

لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ

راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ہے ان اعمال کے بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔

ناممکن سے معلق فرمایا۔ خیاط، مخیط سوئی کو کہتے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ (اسی طرح) اس برے بدلے کی طرح جو ہم نے بیان کیا۔ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ (ہم مجرمین کو سزا دیتے ہیں) یعنی کفار کو ان کی اعمال تکذیب آیات اللہ و استکبار آیات اللہ۔

جہنم کا حال:

آیت ۴۱: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ (ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا) یعنی بستر وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا) جمع غاشیۃ اوڑھنی وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں) انہیں کو ان کے کفر کی۔

ایمان والوں کا صلہ:

آیت ۴۲: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ (اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زائد کوئی کام نہیں بتاتے) اس کی طاقت کے مطابق۔ التکلیف ایسی چیز کو لازم کرنا جس میں مشقت ہو۔ اُولٰٓئِكَ یہ مبتدا ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (ایسے لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) یہ خبر ہے۔ یہ سب الذین کی خبر ہے اور لا نکلف جملہ معترضہ ہے

آیت ۴۳: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کر دیں گے) وہ کینہ جو دنیا میں

(ان کی علامات سے) یعنی ان کی علامت سے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مومنین کی علامت چہرے کی سفیدی اور تروتازگی اور کفار کی
علامت چہرے کی سیاہی اور آنکھوں کی نیل گونی۔ وَنَادَوْا (وہ پکاریں گے) یعنی اعراف والے اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ (اہل جنت کو سلام کہیں گے) (تم پر سلام ہو) یہ اَنْ بمعنی ای ہے۔ سلام کہنا یا ان کی طرف سے اہل جنت کو مبارک باد دی جائے گی۔ لَمْ
يَدْخُلُوْهَا (ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے) یعنی اصحاب اعراف یا یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا محل اعراب
نہیں گویا کسی نے اصحاب اعراف کے بارے میں سوال کیا تو اس کو جواب دیا گیا لم یدخلوھا وہ اس میں داخل نہیں ہوئے وَهُمْ
يَطْمَعُوْنَ (وہ اس کے امیدوار ہوں گے) اس میں داخل ہونے کے بارے۔ اس جملہ کا محل اعراب ہے کہ اس صورت میں یہ رجال کی
صفت ہے اور مرفوع ہے۔

آیت ۴۷: وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ (اور جب ان کی نگاہیں جا پڑیں گی) اصحاب اعراف کی آنکھیں اور اس میں یہ تنبیہ ہے
کہ وہ پھیرنے والا ان کی آنکھوں کو جدھر بھی پھیرے تاکہ وہ غور سے دیکھیں اور سوچیں۔ تِلْقَآءَ (کی طرف) طرف۔ یہ ظرف
ہے اَصْحٰبِ النَّارِ (اہل دوزخ) وہ اس میں جو عذاب ہو گا اس کا ملاحظہ کریں گے۔ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ (تو کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے) وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں گے اور
اس کی رحمت کی طرف رجوع کریں گے کہ وہ ان کو اہل نار کے ساتھ نہ کرے بلکہ ان کے ٹھکانے سے بچائے۔

اہل اعراف کا کفار سے کلام:

آیت ۴۸: وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا (اور اصحاب اعراف بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے) رجال سے مراد ان
کفار مراد ہیں۔ يَعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ (جن کو علامات سے پہچانیں گے کہیں گے تمہاری
جماعت تمہارے کچھ کام نہ آئی) مال۔ کثرت اجتماع ما نافیہ ہے۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ (اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا) حق
کے مقابلہ میں تمہارا تکبر اور لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا تکبر۔ بھلا وہ کہیں گے۔

آیت ۴۹: اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ (کیا یہ وہی ہیں جن کے متعلق) یہ مبتدا ہے الذین یہ مبتدا مضمر کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے
اھؤلاء ھم الذین اقسمتم کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم اٹھاتے تھے۔ اَقْسَمْتُمْ (تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے
تھے) تم نے دنیا میں قسمیں اٹھائی ہیں۔ ھؤلاء مشار الیہ فقراء مومنین ہیں۔ جیسے صہیب و سلمان وغیرہ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ
(کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا) یہ اقسمتم کا جواب ہے یہ الذین کے صلہ میں داخل ہے تقدیر عبارت یہ ہے تم ان کے
متعلق قسمیں اٹھاتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نہ نوازیں گے۔ یعنی ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے ان کے فقر کی وجہ
سے ان کو حقیر قرار دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ اصحاب اعراف کو فرمائیں گے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ (ان کو یوں حکم ہو گا کہ تم جنت
جاؤ) یہ فریقین کو ملاحظہ کرنے اور ان کے نشانات سے ان کو پہچاننے کے بعد ہو گا۔ اور اس قسم مکالموں کے بعد جو ان کے مابین
ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (تم کو نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

[illegible]

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۚ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

[illegible]

دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

[illegible]

لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ

[illegible]

فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

[illegible]

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۚ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ

[illegible]

جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ

[illegible]

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

[illegible]

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

[illegible]

اہل جنت و اہل نار کا مکالمہ:

آیت ۵۰: وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ (اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو) اَنْ مفسرہ ہے اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ جنت آگ سے بلند ہے۔ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

اللّٰہُ (یا اور جو کچھ ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے) ان کے علاوہ دیگر مشروبات کیونکہ افاضت کے حکم میں یہ بھی داخل ہے باہم پڑا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق طعام و پھلوں کی اقسام میں سے دیا ہے جیسے علفتها تبناً وماءً بارداً کی قسم میں سے ہے۔ یعنی ماءً سے سقیتہا کا فعل محذوف ہے۔

سوال: قبولیت سے ناامیدی کے باوجود یہ سوال کیوں کریں گے؟

جواب: حیران و پریشان وہی بات کرتا ہے جس میں اس کا فائدہ ہو اور ایسی بات بھی اس کے منہ سے نکلتی ہے جو بے فائدہ ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کو کافروں کیلئے منع کر رکھا ہے) اس تحریم کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ وحرمنا علیه المراضع (القصص۔۱۲)

نحو: یہاں وقف ہوگا اگر اس کے بعد الذین کو مرفوع یا منصوب بطور مذمت کے مانا جائے۔ اگر الذین کو مجرور مانیں تو الکافرین پر وقف نہیں ہوگا۔ بلکہ اگلا جملہ اس کی صفت بن جائے گا۔

بڑے اسبابِ دوزخ' دین کا مذاق اڑانا اور طولِ بقاء کا دھوکا:

آیت ۵۱: الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا (جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا) یعنی انہوں نے جو چاہا حرام و حلال کیا یا ان کا دین ان کی عید تھی۔ وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا) وہ طولِ بقاء سے دھوکہ میں رہے۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ (پس ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے) ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے۔ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (جیسا انہوں نے اس دن کا نام نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے) یعنی ان کے بھلانے اور شدید انکار کی طرح۔

موجودین کی طرف روئے سخن:

آیت ۵۲: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ (اور ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی جس کو ہم نے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے) ہم نے اس کے حلال و حرام اور مواعظ و قصص کو الگ الگ بیان کیا۔ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً (اپنے علم کامل سے جو ذریعہ ہدایت و رحمت ہے) یہ فصلناہ کی ضمیر سے حال ہے جس طرح علی علم اس کی ضمیر مرفوع سے حال ہے۔ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (ایمان والوں کیلئے)

یہ ضد کی وجہ سے آخری نتیجہ کے منتظر ہیں:

آیت ۵۳: هَلْ يَنْظُرُوْنَ (ان کو کسی چیز کا انتظار نہیں) وہ صرف انتظار کرتے ہیں۔ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے) یعنی اس کے معاملہ کا انجام و نتیجہ اور وہ باتیں جن سے ان کا صدق واضح ہو اور جو وعدہ و وعید کئے گئے ان کا صحیح طور پر ظہور ہو۔ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ (جس دن اس کا آخری نتیجہ سامنے آئے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے) اس کو چھوڑا اور اس سے اعراض اختیار کیا۔ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ

"اور وہی ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ

اٹھا لیتی ہیں تو ہم کسی مردہ زمین کے لیے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعہ نکالتے ہیں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ

ہر طرح کے پھلوں سے۔ اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ

ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہم اسی طرح ان لوگوں کے لیے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گزار ہوتے ہیں۔"

قدرت کے دلائل عقلیہ:

آیت ۵۷: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ (اور وہ ایسا ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے)

قراءت: مکی، حمزہ، علی نے الریح پڑھا۔ بُشْرًا (کہ وہ خوش کر دیتی ہیں) حمزہ و علی نے نشر کا مصدر نَشْرًا پڑھا اور اس کے نصب کی وجہ نمبر۱ یہ ہے کہ ارسل اور نشر قریب قریب ہیں۔ گویا اس طرح کہا۔ نشرھا نشرًا۔ نمبر۲۔ حال کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی منشورات پھیلائی ہوئی۔ عاصم نے اس کو بُشْرًا پڑھا ہے۔ بُشْرًا تخفیف کے ساتھ ہو تو یہ بشیر کی جمع ہے۔ کیونکہ ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ شامی نے نُشْرًا پڑھا اور نُشْرًا تخفیف نُشُرًا رسل اور رسل کی طرح ہے۔ اور بقیہ قراء کی قراءت تخفیف والی ہے۔ نُشُر جمع نشور یعنی ناشرۃ للمطر بارش کو پھیلانے والیاں بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (اپنی باران رحمت سے پہلے) اس کی رحمت سے پہلے اور وہ بارش ہے جو کہ بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ (یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لیتی ہیں) اٹھاتی اور بلند کرتی ہے اقلال یہ قلت سے مشتق ہے کیونکہ اٹھانے والا جس چیز کو اٹھا لیتا ہے اس کو قلیل خیال کرتا ہے۔ سَحَابًا ثِقَالًا (بھاری بادلوں کو) یعنی بھاری پانی کے ساتھ۔ یہ سحابۃ کی جمع ہے سُقْنٰهُ (تو اس کو ہانک کر لے جاتے ہیں) ضمیر مذکر کی لفظ سحاب کا لحاظ کر کے لائی گئی اور اگر اس کو معنی پر محمول کیا جائے جیسے کہ ثقالا ہے تو ضمیر مؤنث چاہیے جیسا کہ وصف کو لفظ پر محمول کیا جائے تو ثقیلا کہنا چاہیے۔ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ (کسی خشک سرزمین کی طرف) ایسے شہر کے لئے جس میں بارش نہیں ہوئی اور

اس کو سیراب کرنے کے لئے۔

قراءت: مدنی، حمزہ، علی، حفص نے بُشْرًا پڑھا ہے۔ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ (پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں) پھر اس بادل کے ذریعے یا پھر اس چلانے کے ذریعے اور اسی طرح فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں) كَذَٰلِكَ (یوں ہی) اس نکالنے کی طرح اور درختوں کا نکالنا ہے۔ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) پس یہ تذکیر تمہیں ایمان بالبعث تک لے جائے گی۔ کیونکہ دونوں اخراجوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک میں چیز کو بنانے کے بعد لوٹانا ہے۔

مومن و کافر کی تمثیل:

آیت ۵۸: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ (اور جو زمین ستھری ہوتی ہے) یعنی زرخیز مٹی والی زمین يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ (اس کی پیداوار خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے) آسانی کے ساتھ بِإِذْنِ رَبِّهِ یہ موضع حال میں ہے گویا عبارت اس طرح ہے یخرج نباته حسنًا وافیًا اس کی نباتات اچھی اور شاندار نکلتی ہے کیونکہ یہ نکلنا کے مقابلے میں مذکور ہے۔ وَالَّذِي خَبُثَ (اور جو زمین خراب ہے) یہ بلد کی صفت ہے ای البلد الخبیث شوریلی لَا يَخْرُجُ (اس کی پیداوار نہیں نکلتی) یعنی اس کی نباتات اس کو حذف کر دیا اول تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہوئے إِلَّا نَكِدًا (مگر بہت کم) اور جس میں کوئی نفع نہ ہو۔ یہ اصل مثال اس شخص کی جس کو نفع بخش ہو اور وہ مومن ہے اور اس کی مثال جس میں کوئی چیز بالکل اثر نہ کرے اور وہ کافر ہے اور یہ تمثیل بارش کے اثر سے خطے میں واقع ہونے والی ہے بارش کا بلدیت پر اترنا اور اس سے پھلوں کا نکالنا بطور استطراد کے ہے۔ كَذَٰلِكَ (یوں ہی) ایسا تصرف نُصَرِّفُ الْآيَاتِ (ہم دلائل طرح طرح سے بیان کرتے ہیں) ہم بار بار اور مکرر آیات کو لاتے ہیں لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ (ان لوگوں کیلئے جو قدر کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اور وہ مومن ہیں۔ تاکہ وہ اس میں سوچ بچار کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ

نہیں ہے بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

کہ ہم تو تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اے میری قوم میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ

رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ

جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس

مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ

نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ

قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

لوگ اندھے تھے۔

دعوتِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ:

آیت ۵۹: لَقَدْ اَرْسَلْنَا یہ قسم محذوف کا جواب ہے ای واللہ لقد ارسلنا ... نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا) ان کو رسول بنا کر بھیجا، ان کی عمر پچاس سال کی تھی اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ اور یہ ادریس علیہ السلام کا نام ہے۔ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (پس انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے)۔

قراءت علی نے غیرہ پڑھا ہے۔

نحو: رفع تو محل کی وجہ سے ہے گویا عبارت اس طرح ہے مالکم الله غیرہ فلا تعبدوا معہ غیرہ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو اور جر لفظ کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے) نمبر ا۔ قیامت کا دن۔ نمبر ۲۔ ان پر عذاب اترنے کا دن اور وہ عذاب طوفان تھا

نوح علیہ السلام کو سرداروں کا جواب:

آیت ٦٠: قَالَ الْمَلَاُ (عزت والے لوگوں نے کہا) شرف و سادات مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (ان کی قوم میں سے کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں) طریق صواب سے جانے کو واضح کر دیا اور رؤیت سے رؤیت قلب مراد ہے۔

نوح علیہ السلام کی تقریر اوّل:

آیت ٦١: قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ (انہوں نے فرمایا اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں) یہاں ضلال نہیں کہا جیسا کہ انہوں نے کہا کیونکہ ضلالت ضلال میں سے خاص ہے۔ پس یہ لفظ اپنی ذات سے ضلال کی نفی کے لئے زیادہ بلیغ ہے گویا اس طرح کہا لیس بی شیء من الضلال مجھ میں ضلال نام کی کوئی چیز نہیں۔ پھر نفی ضلالت کی تاکید کے لئے استدراک کیا اور فرمایا وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں) کیونکہ ان کا اللہ کی طرف سے رسول ہونا یہ ان کی رسالت کا مقصود ہے اور اس معنی میں ہے کہ وہ سیدھے راستے پر ہے گویا ہدایت کے اعلیٰ درجہ پر تھے۔

تقریر دوم:

آیت ٦٢: اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ (میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں) نمبر ا۔ جو میری طرف وحی کی گئی مختلف اوقات میں نمبر ۲۔ مختلف مقاصد جیسے اوامر و نواہی مواعظ و بشارات و ڈراوے۔ اُبَلِّغُكُمْ ابو عمرو نے اس طرح پڑھا ہے یہ کلام مستانفہ ہے رسول رب العالمین ہونے کا بیان ہے۔ وَاَنْصَحُ لَكُمْ (اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں) میں اخلاص کے ساتھ تمہاری بھلائی کا قصد کرنے والا ہوں۔ کہا جاتا ہے نصحته و نصحت له۔ لام لانا مبالغہ اور نصیحت کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔ نصح کی حقیقت۔ نمبر ا۔ غیر کے لئے اس بھلائی کا ارادہ کرنا جو تم اپنے لیے چاہتے ہو نمبر ۲۔ بچی عبادت میں اخلاص کرنا۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جو تم نہیں جانتے) یعنی اس کی صفات سے یعنی عظیم قدرت دشمنوں پر اس کی سخت پکڑ اور اس کی پکڑ دشمنوں سے واپس نہیں کی جا سکتی۔

تقریر سوم:

آیت ٦٣: اَوَعَجِبْتُمْ (کیا تم تعجب کرتے ہو) ہمزہ انکار کے لئے ہے واؤ عاطفہ ہے معطوف علیہ محذوف ہے۔ گویا کہا گیا

اکذبتم و عجبتم کیا تم جھٹلاتے ہو اور تعجب کرتے ہو۔ اَنْ جَآءَكُمْ۔ مِنْ اَنْ جَآءَكُمْ اس لیے کہ تمہارے پاس آیا۔ ذِكْرٌ نصیحت مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے یعنی تمہاری جنس سے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبوت نوح پر تعجب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (المومنون ۲۴) اس سے ارسال بشر مراد لیتے ہیں۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (المومنون ۲۴) لِيُنْذِرَكُمْ (تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے) تاکہ وہ تمہیں کفر کے انجام سے ڈرائیں۔ وَلِتَتَّقُوْا (اور تاکہ تم ڈر جاؤ) تاکہ تقویٰ تم سے پایا جائے اور وہ خشیت ہے جو انذار کے سبب سے ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے) تاکہ تقویٰ کے سبب تم پر رحم ہو۔ اگر وہ تم میں پایا جائے۔

تکذیب اور نتیجہ:

آیت ۶۴: فَكَذَّبُوْهُ (پس وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے) پس انہوں نے ان کی نسبت کذب کی طرف کی۔ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (تو ہم نے نوح علیہ السلام اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا) وہ چالیس آدمی تھے اور چالیس عورتیں دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی تھے ان کے بیٹے سام، حام، یافث اور چھ ان میں سے جو آپ پر ایمان لائے۔ فِي الْفُلْكِ اس کا تعلق معہ کے ساتھ ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا والذین صحبوا فی الفلک اور وہ لوگ جنہوں نے انکا ساتھ دیا کشتی میں۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے) حق سے۔ کہا جاتا۔ اعمیٰ کا لفظ بصر میں اندھے پن کے لئے آتا ہے۔ اور عمِ کا لفظ بصیرت میں اندھے پن کے لئے آتا ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا

نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم

لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ

تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا اے میری قوم!

لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ

مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تم کو اپنے

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

رب کے پیغام اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی تمہارے پاس

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

ایک شخص کے واسطے سے جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تمہیں ڈرائے۔ اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد

مِنْ ۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ

جانشین بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر پھیلاؤ میں تمہیں زیادہ کر دیا۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ

تم کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے باپ دادا جن کی

یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

عبادت کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ سو تو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دے رہا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔

دعوت ہود علیہ السلام:

آیت ۶۵: وَاِلٰی عَادٍ (اور ہم نے قوم عاد کی طرف بھیجا) اور ہم نے بھیجا عاد کی طرف۔ اس کا عطف نوح پر ہے اَخَاھُمْ (ان کے بھائی) ان میں سے ایک۔ جیسا تم کہا کرتے ہو یا اخا العرب مراد اس سے ان عربوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک قرار دیا گیا

کیونکہ وہ ان میں فہیم ترین انسان تھے۔ پس بعثت ان پر قریب لاتم ثابت ہوگئی۔ (مجھ آتش نکارندہ) هُوْدًا (ہود علیہ السلام) یہ
اخاھم کا عطف بیان ہے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔
کیا پس تم نہیں ڈرتے) یہاں فقال نہیں فرمایا جیسے کہ قصہ نوح میں فرمایا تھا کیونکہ وہ وقالہ ایک سائل کے سوال کے جواب میں لایا
گیا۔ کہ ان کو ہود علیہ السلام نے کیا کہا تو جواب دیا گیا۔ فقال یٰقوم اعبدوا اللہ یہاں سوال مقدر کے بغیر ہے۔ اسی لئے قال یٰقوم
اعبدوا اللہ فرمایا دوسری طرح۔

سرداروں کا جواب:

آیت ۶۶: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ (قوم کے سردار کافروں نے کہا) یہاں الملأ کی صفت الذین کفروا سے کی
گئی کہ قوم نوح کے ملأ کے تذکرہ والے ملأ میں قومہ کہہ کر کردیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہود علیہ السلام کی قوم کے اشراف میں سے کچھ ایمان
لانے والے تھے جن میں مرثد بن سعد تھے۔ اس وصف کو لا کر ان مسلمان سرداروں کو الگ کرنا مقصود تھا۔ جبکہ قوم نوح کے اشراف میں
سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ (ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں) کہ تم میں حلم کی کمی ہے اور عقل کی کمزوری
ہے اس لئے کہ تم نے قوم کا دین چھوڑ کر دوسرا دین اپنا لیا ہے۔ یہاں سفاہت کو مجازاً ظرف قرار دیا۔ مطلب یہ ہے کہ سفاہت
اس میں ایسی ہوئی ہے اس سے نکل نہیں سکتی۔ وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے کہتے
ہیں) تمہارے دعویٰ رسالت میں۔

ہود علیہ السلام کی جوابی تقریر نمبر ۱:

آیت ۶۷، آیت ۶۸: قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ
نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (انہوں نے فرمایا اے میری قوم مجھ میں کم عقلی نہیں۔ لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ تم کو اپنے رب
کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیرخواہ ہوں)

اس چیز میں جس کی میں تمہیں اس کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ امین اس پر جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ یہاں وانا لکم ناصح امین
فرمایا۔ ان کے قول وانا لنظنک من الکاذبین کے مقابلہ میں تا کہ اسم کے مقابلہ میں اسم ہو۔ جملہ اسمیہ استمرار پر دلالت
کرتا ہے۔ حسن ادب: جن لوگوں نے انبیاء کو ضلالت وسفاہت کی طرف منسوب کیا ان کے جواب میں انبیاء نے علم، چشم پوشی اور
ان کے اقوال کا عدم مقابلہ ظاہر فرمایا۔ باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے مخالفین لوگوں میں گمراہ ترین اور احمق ترین لوگ ہیں۔
اس میں حسن ادب اور اعلیٰ اخلاق کا شاندار نمونہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنے دوسرے بندوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ بے وقوفوں
سے کس طرح بات کریں اور ان سے کس طرح چشم پوشی اختیار کریں۔ اور ان سے ہونے والی غلطیوں پر کس طرح دامن رحمت
ڈالیں۔ (سبحان اللہ)

ایمان لانے والے نہ تھے) وَمَا كَانُوا ان سے ایمان کی نفی کی اس کے بعد دوسرے تکذیب آیات کا ان کے لئے اثبات کیا۔ تو اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہلاکت مکذبین کے ساتھ خاص ہے۔

علاقہ قوم عاد اور مختصر حالات:

قوم عاد عمان اور حضر موت کے درمیان تمام علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے ہاں بت تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ بتوں کے معروف نام یہ تھے۔ نمبر ۱۔ صدا، نمبر ۲۔ صمود۔ نمبر ۳۔ ہبا۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا مگر انہوں نے جھٹلا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تین سال کے لئے ان سے بارش کو روک دیا۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو اللہ تعالیٰ سے کشادگی طلب کرتے اور وہ مکہ کے لئے بیت الحرام حرم مکہ جاتے چنانچہ اس قحط کے لئے قیل بن عنز اور نعیم بن ہزال اور مرثد بن سعد یہ ہود علیہ السلام پر خفیہ ایمان رکھتا تھا۔ اس وقت ان پر عمالقہ کی حکومت تھی۔ جو کہ عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ یہ لوگ اس کے ہاں مکہ کے بالائی علاقے پر اترے۔ ان کو مرثد نے کہا جب تک تم ہود علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤ گے بارش نہ ہوگی۔ انہوں نے مرثد کو پیچھے چھوڑا اور خود نکل کر بیت اللہ کے پاس گئے اور یہ دعا کی۔ اللّٰھم اسق عادًا ما کنت تسقیھم اللہ تعالیٰ نے تین بادل سامنے کر دیئے۔ سفید، سرخ، سیاہ پھر آسمان کے ایک منادی نے کہا یاقیل اختر لنفسك ولقومك اے قیل ان میں سے اپنی قوم اور اپنے لئے ایک بادل چن لو اس نے سیاہ بادل کا چناؤ کیا کیونکہ اس میں پانی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر قوم کی طرف وادی کے قریبی راستے سے لوٹ گئے اور ان کو خوشخبری سنائی وہ خوش ہوئے اور کہنے لگے ھذا عارض ممطرنا۔ مگر اس سے سخت ہوا نکلی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہود علیہ السلام اور ایمان والوں نے نجات پائی وہ مکہ مکرمہ میں آ بسے اور مدت تک وہیں رہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے جس کے علاوہ

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ

کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو

لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

تمہارے لیے نشانی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کہ کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ

ورنہ تمہیں درد ناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا

بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ

ٹھکانہ دے دیا۔ تم اس زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں

الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞

کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد

قوم صالح علیہ السلام کا تذکرہ:

آیت ۷۳: وَاِلٰى ثَمُوْدَ (ہم نے بھیجا ثمود کی طرف) ایک قراءت میں ثمودٍ بھی پڑھا گیا ہے کیونکہ قبیلہ کا نام ہے۔ یا اصل کے لحاظ سے کیونکہ ان کے بڑے دادا کا نام ہے۔ غیر منصرف تو قبیلہ کا نام ماننے کی وجہ سے ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں پانی کم تھا۔ یہ ثمد سے ماخوذ ہے۔ ثمد تھوڑے پانی کو کہتے ہیں۔ ان کے مکانات حجر میں تھے۔ حجاز و شام کے مابین واقع تھے۔ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یہ نشانی ہے جو میری نبوت کے سچا ہونے کی دلیل ہے گویا اس طرح کہا ما هذه البينة؟ کہ وہ نشانی کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت تعظیم و تخصیص کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ بغیر قدرت الٰہی کے بلا سبب درمیان کے پہاڑ سے نکلی تھی۔ لَكُمْ اٰيَةً یہ ناقۃ سے حال ہے اس میں ہذہ کا اشارہ والا معنی عامل ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا اشیر الیها آیة میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ اس حال میں کہ وہ نشانی ہے۔ ولکم یہ بیان ہے اس بات کا کہ یہ کس کے لئے نشانی ہے۔ تمہارے سے مراد ثمود ہیں۔ جنہوں نے اس کو آنکھوں سے دیکھا تھا۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ یعنی زمین تو اللہ تعالیٰ کی زمین ہے

اور اونٹنی اللہ کی اونٹنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ اس کے رب کی زمین میں تاکہ اپنے رب کی نباتات کھائے بیچ تمہارے ذمہ اس کے چارہ کی مشقت نہیں۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اس کو ہاتھ مت لگاؤ اور نہ کچھ نہیں کا تو اللہ تعالیٰ کے احترام کا تقاضا ہے فَیَاْخُذَکُمْ یہ نہی کا جواب ہے۔ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (دردناک عذاب)۔

تقریر صالح علیہ السلام انعامات کی یاد دہانی:

آیت ۷۴: وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَکُمْ (اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو ٹھکانا دیا) اور تمہیں ٹھہرایا۔ المباءۃ منزل کو کہتے ہیں۔ فِی الْاَرْضِ (زمین میں یعنی) ارض حجر جو شام و حجاز کے درمیان ہے تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا (کہ تم نرم زمین پر محل بناتے ہو) یعنی گرمیوں کے آرام کے لئے وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا (اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے ہو) سردیوں کے لئے بیوتاً حال مقدرہ ہے۔ جیسے خط ھذا الثوب قمیصًا اس کپڑے کی قمیص بناؤ اس لئے کہ پہاڑ کھڑنے کے دوران تو گھر نہیں بن سکتا اور نہ ہی کپڑا سلائی کے دوران قمیص ہوتا ہے۔ فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ) روایت میں ہے کہ قوم عاد ہلاک ہوگئی تو ان کے علاقہ کی زمین کو قوم ثمود نے آباد کیا اور اس سرزمین میں ان کے نائب ہوگئے۔ ان کی طویل عمریں تھیں اور انہوں نے پہاڑ کھود کھود کر گھر بنائے۔ تاکہ موت سے قبل منہدم نہ ہوں۔ ان کو وسعت مالی میسر تھی پس وہ اللہ تعالیٰ کی سرکشی پر اتر آئے اور زمین میں فساد مچایا اور بت پرستی پر لگ گئے اللہ نے ان کی طرف صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ عرب لوگ تھے صالح علیہ السلام ان کے متوسط طبقے میں سے تھے انہوں نے ثمود کو اللہ کی طرف بلایا مگر تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ ان میں کسی نے اتباع نہ کی وہ بھی کمزور طبقے کے لوگ تھے آپ نے مسلسل ان کو ڈرایا۔

بالآخر انہوں نے معین پہاڑ سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکالنے کا مطالبہ کیا آپ نے نماز پڑھ کر دعا فرمائی۔ پہاڑ سے گابھن اونٹنی جیسی آواز نکلی اور ایک قوی ہیکل اونٹنی نکلی اس پر جندع اور ان کی قوم کا ایک گروہ ایمان لے آیا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا

ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا جو ان میں

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح ان کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا

انہوں نے جواب دیا بے شک جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا

اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ

کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے

اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ

سرکشی کی۔ اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

لے آؤ۔ سو ان کو پکڑ لیا زلزلہ نے۔ سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ

پھر صالح نے ان سے منہ موڑا اور فرمایا کہ اے میری قوم! یقیناً میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی

لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

آیت ۷۵: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ (ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے کہا) قراءت: شامی نے وقال پڑھا ہے۔ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا (غریب لوگوں سے) کفار سرداروں نے جن کو کمزور بنا رکھا تھا۔ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ۔

نحو: یہ الذین استضعفوا سے بدل ہے اور اس میں جار کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ بدل جہاں بھی آئے گا۔ وہاں عامل کا اعادہ مقدر ضرور ہوگا۔ منہم کی ضمیر کا مرجع قوم ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ انہوں نے فقط ایمان والوں کو کمزور بنا رکھا تھا۔ یا ضمیر مستضعفین کی طرف لوٹتی ہے اور اس میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ مستضعفین مؤمن و کافر دونوں طرح کے لوگ تھے۔

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں) یہ بات انہوں نے بطور تمسخر کہی۔ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (انہوں نے کہا ہم تو بیشک اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دیکر بھیجا گیا ہے) یہ ان کا جواب ہوا۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے رسول بنائے جانے کے متعلق سوال کیا پس انہوں نے آپ کی رسالت کو ایک مسلمہ بات قرار دیا۔ گویا انہوں نے اس طرح کہا کہ مرسل ہونے کا علم اور جو کچھ وہ دیکر بھیجے گئے اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں کلام اس پر ہے کہ آیا ان پر ایمان لانا واجب ہے پس ہم تمہیں خبر دے رہے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لانے والے ہیں۔

متکبرین کا جوابی رویہ:

آیت ۷۶: قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں) انہوں نے اٰمنتم بہ کو ارسل بہ کی جگہ ذکر کر کے کفار اس بات کی تردید کر رہے ہیں۔ کہ جس ایمان کو تم مسلم کہتے ہو ہم اسی کا انکار کرتے ہیں

۷۷: فَعَقَرُوا النَّاقَةَ (غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا) عقر کی نسبت پوری قوم کی طرف کی اگرچہ عاقر تو قدار بن سالف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پوری قوم اس پر رضامند تھی۔ یہ قدار سرخ نیلگوں رنگ کا تھا۔ جیسا کہ فرعون بھی اسی طرح تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی پہلوں میں بدترین بدبخت صالح کی اونٹنی کو ذبح کرنے والا تھا۔ اور پچھلوں میں بدترین بدبخت تیرا قاتل ہوگا۔ (مجمع الزوائد: ۲۹۹) وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی) انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اس سے منہ موڑا اور تکبر کیا۔ امر ربھم سے مراد وہ حکم ہے جو ان کو صالح علیہ السلام کی زبان پر دیا گیا: فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ (الاعراف: ۷۳) یا شان رب مراد ہے۔ اور وہ دین ہے۔ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ (اور کہنے لگے اے صالح جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوا لیں) یعنی عذاب اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (اگر تم پیغمبروں میں سے ہو)

عذاب کی آمد:

آیت ۷۸: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (وہ چیخ جس سے زمین ہلا دی گئی۔ اور وہ اس سے بے قرار ہو گئے۔ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ اپنے شہروں میں یا مکانات میں جٰثِمِيْنَ (اوندھے) بیٹھنے کی حالت میں مردار ہونے کو کہا جاتا ہے انسان جثوم یعنی بیٹھے ہیں کہ ان میں حس و حرکت نہیں اور نہ وہ کلام کرتے ہیں۔

تحسر صالح علیہ السلام:

آیت ۷۹: فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ (صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے) جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں وَقَالَ يٰقَوْمِ (اور فرمایا اے میری قوم) ان سے جدائی کے وقت لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (میں

انوکھا جرم:

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا (جس کو تم سے پہلے نہیں کیا) جس کو تم سے پہلوں نے نہیں کیا۔ باء تعدیہ کیلئے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے۔ سبقك بها عكاشة۔ عکاشہ تم سے پہل کر گیا۔ (بخاری ص۸۵۳) مِنْ اَحَدٍ (کسی نے) من زائدہ ہے جو نفی کیلئے لایا گیا اور یہاں استغراق کا معنی دے رہا ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (دنیا جہان والوں میں سے) اس میں من تبعیض کیلئے ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اول ان پر یہ کہہ کر انکار کیا۔ اتاتون الفاحشة پھر ان کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ جہان میں اس عمل کے بانی تم ہو۔

شہوات میں اندھا پن:

آیت ۸۱: اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ (تم مردوں کے ساتھ کرتے ہو) یہ اتاتون الفاحشة کا بیان ہے۔ ائنکم کو مدنی اور حفص نے خبر مانا ہے اور اتی امراۃ کا معنی جماع کرنا ہے شَهْوَةً (شہوت رانی) یہ مفعول لہ ہے یعنی شہوت کی خاطر۔ تمہیں اس بات پر صرف شہوت آمادہ کرنے والی ہے اور یہ سب سے زیادہ قابل مذمت حرکت ہے۔ کیونکہ بہیمہ والی صفت ہے۔ مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو) انکار سے اعراض کر کے اس حالت کی خبر دی جو ارتکاب قبائح کو لازم کرنے والی ہے۔ اور وہ اس قوم کی عادت اسراف اور ہر چیز میں تجاوز حسن اعتدال سے تھی۔ اسی لئے انہوں نے تقاضائے شہوت میں اسراف کرتے ہوئے معتاد راستے سے غیر معتاد کی طرف تجاوز کیا۔

قوم کا جواب تطہیر کو عیب کہا:

آیت ۸۲: وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ (ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو) یعنی لوط اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ لوط علیہ السلام نے ان سے انکار فاحشہ کے سلسلے میں جو جواب مانگا اس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جس شرارت کی جڑ سے متعلق لوط نے ان کی تنبیہ کی۔ کہ وہ مسرف لوگ ہیں۔ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ایسی چیز پیش کی جو ان کے کلام سے بالکل متعلق نہ تھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ لوط اور ان پر ایمان لانے والوں کو بستی سے نکال دو۔ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں) یہ طہارت و پاکیزگی کے دعویدار ہیں اور ایسی بات کے مدعی ہیں کہ ہم خبیث فعل کے مرتکب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کی بات کو بطور عیب ذکر کیا۔ جو قابل مدح تھی۔

نتیجہ آمد عذاب:

آیت ۸۳: فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ (پس ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو بچا لیا) جو بھی ان کے ساتھ خاص طور پر رشتہ دار متعلق تھے یا مومنین۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ انہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے) عذاب میں باقی رہنے والے لوگوں میں سے تھی۔ مذکر کو مؤنث پر غلبہ دے کر مذکر صیغہ لایا گیا۔ یہ اہل سدوم میں سے کافرہ تھی۔ روایت میں مذکور ہے کہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پتھر اس کو آ لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ چکی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور زمین میں فساد مت کرو اس کی اصلاح کے بعد

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا

یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور مت بیٹھا کرو

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ

ہر راستہ میں کہ تم دھمکیاں دیتے ہو اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے اور

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا

اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے سو اس نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ

کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت ایسی ہے

اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى

جو اس چیز پر ایمان لائی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو یہاں تک کہ

يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

خاص قسم کی بارش:

آیت ۸۴: وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا (اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کی بارش برسائی) ہم نے ان پر ایک عجیب قسم کی بارش کی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ اور پتھروں کی بارش کی۔ ایک قول یہ ہے کہ مقیم لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا اور چلتے پھرتے

والوں پر پتھروں کی بارش کی۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اَمْطَرَ عذاب کیلئے اور مَطَرَ کا لفظ رحمت کے لیے آتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (پس دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا) مجرمین سے کافر مراد ہیں۔

قوم شعیب علیہ السلام کا تذکرہ:

آیت ۸۵: وَإِلٰى مَدْيَنَ (اور ہم نے مدین کی طرف بھیجا) اور ہم نے بھیجا مدین کی طرف۔ مدین ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو) ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے اس لئے کہ قوم کو انہوں نے خوب جواب دیئے اور عمدہ انداز سے سمجھایا وہ ناپ تول میں کمی کرنے والے تھے۔

خطیب الانبیاء کی شاندار تقریر:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے معبود کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے) یعنی معجزہ اگرچہ وہ قرآن میں موجود نہیں۔ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ (تو تم ناپ تول پوری پوری کیا کرو) ان کو پورا کرو۔ مراد یہ ہے کہ پورا کرو ناپ کو اور میزان کا وزن پورا دو۔ یا میزان میعاد کی طرح مصدر ہے۔ وزن کرنے میں۔ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان مت دو) ان کے حقوق مال میں کمی کرکے اور وزن میں نقص کرکے نہ تولو۔ وہ فروخت کرتے وقت ہر چیز کم دیتے۔ بخس کا لفظ دو مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ الناس اور اشیاءھم ہے جیسے کہتے ہیں۔ بخست زیدًا حقه یعنی میں نے اس کو کم کر دیا۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اور زمین کی درستی کر دیئے جانے کے بعد فساد مت پھیلاؤ) اس میں اصلاح کرنے کے بعد یعنی اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کے بعد کہ نیک انبیاء و اولیاء نے اس میں اصلاح کی ہے اور صلاحھا کی اضافت اسی طرح ہے۔ جیسے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا ۳۳) یعنی بل مکرکم فی اللیل و النہار تمہارا دن رات کا ایذا رسانی کرنا۔ ذٰلِكُمْ (یہ) اس سے اشارہ وفاء کیل و میزان، ترک بخس اور ترک فساد فی الارض کی طرف ہے۔ خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہتر ہے) انسانیت کے لحاظ سے اور اچھے کردار کے اعتبار سے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اگر تم مومن ہو) اگر میری بات میں تم میری تصدیق کرنے والے ہو۔

قوم کا اعتراض و انکار:

آیت ۸۶: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ (اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو) ہر راستہ پر تُوْعِدُوْنَ (کہ دھمکیاں دو) ان کو جو شعیب علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں سزا کے ساتھ۔ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ (اور ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے روکو) عبادت سے مومنوں کو اور یہ بھی قول ہے کہ وہ راستے پر ڈاکہ ڈالتے دوسرا قول یہ ہے کہ چنگی وصول کرتے۔ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو) اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے تم ڈھونڈتے ہو۔ یعنی اس کے متعلق لوگوں کو کہتے ہو کہ یہ ٹیڑھا راستہ ہے درست و سیدھا نہیں ہے تاکہ لوگ اس پر چلنے سے رک جائیں۔

نحو: تو عدون اور اس کا معطوف یہ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یعنی تم راستوں پر بیٹھو اس حال میں کہ تم لوگوں کو ڈرانے والے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والے اور اس میں ٹیڑھا پن تلاش کرنے والے ہو۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا (اور اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے)

نحو: اذ مفعول بہ ہے ظرف نہیں ہے۔ یعنی تم شکریہ کے طور پر اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہاری تعداد بہت کم تھی۔ فَكَثَّرَكُمْ (سو اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد بڑھا دی۔ اور گنتی میں بہت زیادہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مدین بن ابراہیم نے لوط علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی پس اس سے اولاد پیدا ہوئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی اور بہت زیادہ ہو گئے۔ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (اور دیکھو کیا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا) آخر انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تم سے پہلے فساد برپا کیا جیسے قوم نوح، قوم عاد، لوط، ہود علیہم السلام۔

دونوں فریقوں کو خطاب:

آیت ۸۷: وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا (اور اگر تم میں سے بعض اس حکم پر جس کو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ ایمان لائے ہیں اور بعض ایمان نہیں لائے تو ذرا ٹھہر جاؤ) پس تم انتظار کرو۔ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان میں فیصلہ کیے دیتے ہیں) یعنی دونوں فریقوں کے درمیان کہ حق پرستوں کو باطل پرستوں پر غلبہ دیں گے۔ نمبر ا۔ یہ دراصل وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے انتقام لیں گے۔ یا پھر ایمان والوں کو صبر پر آمادہ کیا گیا۔ کہ وہ مشرکین کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کو برداشت کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور کفار کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور انتقام لیں۔ نمبر ۳۔ دونوں فریقوں کو مخاطب کیا تا کہ مسلمان ایذائے کفار پر صبر کریں۔ اور کافروں کو ایمان والوں کا ایمان اگر برا معلوم ہوتا ہے تو وہ اس پر صبر کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے مابین فیصلہ فرما دیں اور پلید اور پاک کو الگ کر دیں۔ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ (اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے) کیونکہ اس کا حکم برحق اور عدل والا ہے۔ اس میں ظلم و جور کا شائبہ بھی نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

سو پکڑ لیا ان کو زلزلے نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى

گویا کہ وہ ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان میں پڑ جانے والے ہیں سو پھیر لیا منہ

عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى

ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو اب میں کیا غم

عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

کافر قوم پر کیوں رنج کروں!

سوال: ان عدنا فی ملتکم شعیب نے کس طرح کہہ دیا۔ حالانکہ کفر انبیاء تو محال ہے۔

جواب: اس سے قوم کے ان مومنین کا لوٹنا مراد ہے اگرچہ تم کلام میں تمام شامل ہیں۔ اور بلاشبہ وہ اس سے بری ہیں۔ کلام کو تغلیب کے طور پر چلایا ہے۔ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ (اور ہم سے یہ ممکن نہیں) نہ یہ ہمارے لیے مناسب ہے اور نہ صحیح ہے۔ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا (کہ ہم تمہارے مذہب میں پھر آجائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے مقدر کیا ہو جو ہمارا مالک ہے) مگر یہ کہ ہماری تقدیر میں لوٹنا لکھا ہو۔ تو اس کو ہم روک نہیں سکتے۔ کیونکہ ساری کائنات کے تغیرات اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہیں۔ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے) علمًا تمیز ہے یعنی وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اپنے بندوں کے بدلنے والے حالات سے بخوبی واقف ہیں اور ان کے دل کس طرح پلٹتے ہیں اس سے بھی واقف ہے۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (ہم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) اس پر کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ اور یقین میں وہ اضافہ کی ہمت دے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دیجئے) یعنی فیصلہ کر۔ الفتح فیصلہ کرنا۔ حق فیصلہ بند کام کو کھول دیتا ہے۔ اسی لیے اس کو فتح فرمایا۔ اہل عمان کی لغت میں قاضی کو فتاح کہتے ہیں۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں)

سرداروں کا قوم کو ان کے خلاف بھڑکانا:

آیت ۹۰: وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (اور ان کی قوم کے کافر سرداروں

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ ان کے رہنے والوں کو ہم نے تنگی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہو تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ۝۹۴ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ

عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو

اٰبَاۗءَنَا الضَّرَّاۗءُ وَالسَّرَّاۗءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹۵ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ

تکلیف اور خوشی پہنچتی رہی ہے۔ سو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ ان کو خبر بھی نہ تھی۔ اور اگر ان بستیوں کے رہنے

الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ

والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۶ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی سزا میں ان کو پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر

بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَاۗىِٕمُوْنَ ۝۹۷ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى

رات کے وقت آ پڑے اس حال میں کہ وہ سوتے ہوں۔ یا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ نازل ہو

وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۸ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹۹

جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی جن کی تباہی آ چکی ہو۔

قوموں کا عمومی طرز عمل:

آیت ۹۴: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ (اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا) ہر شہر کو قریہ کہتے ہیں۔ اس میں حذف ہے یعنی انہوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ (کہ وہاں کے رہنے والوں کو محتاجی میں نہ پکڑا ہو) تنگدستی اور فقر وَالضَّرَّاۗءِ (اور بیماری میں) احتیاج فقیری سے تعبیر کرنے کی بنا پر یہ منافی تکالیف اور مرض ہو دونوں کا یعنی نفس کا نقصان اور مال کا نقصان لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں) تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی اختیار کریں تکبر کی چادر اتار پھینکیں۔

استدراج الٰہی:

آیت ۹۵: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ (پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی) یعنی پھر ہم نے ان کو ان

چیزوں کے بدلے میں جن میں بلاء ومحنت تھی نرمی، وسعت اور صحت دے دی۔ حَتّٰى عَفَوْا (یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی) وہ زیادہ ہوئے اور مال ونفس کے لحاظ سے ترقی کر گئے یہ عفا النبات سے لیا گیا جبکہ وہ کثرت سے ہو جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اعفوا اللحی (داڑھی بڑھاؤ) وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ (اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آتی تھیں) یعنی وہ کہنے لگے کہ یہ زمانہ کا چکر ہے کہ لوگوں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ کچھ ہماری سزا نہیں اس لیے جس بات پر تم ہو اسی پر قائم رہو۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی) عذاب کے نازل ہونے کی۔

اگر کفر وشرک سے بچتے تو انہیں ان سے بہرہ مند کرتے:

آیت ۹۶: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى (اور اگر ان بستیوں والے) القریٰ میں الف لام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ القریٰ سے وہی بستی مراد ہے جو اس آیت میں مراد ہے۔ وما ارسلنا فی قریة من نبی گویا عبارت اس طرح ہے ولو ان اهل تلك القرى الذين كذبوا و اهلكوا اگر وہ بستی والے جنہوں نے تکذیب کی اور ہلاکت کا شکار ہوئے۔ اٰمَنُوْا (ایمان لے آتے) کفر کے بدلے ایمان لاتے۔ وَاتَّقَوْا (اور پرہیزگاری اختیار کرتے) شرک سے بچتے بجائے اس کے ارتکاب کے لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ (تو ہم ان پر کھول دیتے) قراءت: شامی نے لَفَتَّحْنَا پڑھا ہے۔ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (آسمان و زمین کی برکتیں) مراد اس سے نباتات اور بارش یا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ہر اعتبار سے بھلائی عنایت فرماتے۔ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا (لیکن انہوں نے تکذیب کی) انبیاء کو انہوں نے جھٹلایا۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا) ان کے کفر کے سبب اور ان کی بداعمالیوں کے باعث اور جائز ہے کہ لام جنس کا ہو۔

آیت ۹۷: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى (کیا ان بستیوں والے اس بات سے بے فکر ہو گئے) مراد اس سے ان کے کفار ہیں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا (کہ ان پر ہمارا عذاب آ پڑے) ہمارا عذاب بَيَاتًا (رات کے وقت) رات کو نیند سونے کے وقت کہا جاتا ہے بات بیاتا۔ وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ (اور وہ سورہے ہوں)

اہل قریٰ کی بے خوفی:

آیت ۹۸: اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى (یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ جائے) دن چڑھے لغوی اصل میں سورج کی روشنی جب خوب چمکنے لگے۔ واؤ اور فاء اَوَاَمِنَ اور اَفَاَمِنَ میں یہ دونوں حرف عطف ہیں ان پر ہمزہ انکار کا داخل ہوا اور معطوف علیہ فاخذنھم ہے۔ یعنی ہم نے انکو پکڑ لیا اور ولو ان اهل القرى سے یکسبون تک جملہ معترضہ ہے۔ جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہے۔ البتہ پہلے جملے کا عطف فاء سے ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے تکبر کیا اور یہ حرکت کی پس ہم نے انکو اچانک پکڑ لیا۔ اہل قریٰ کی بے خوفی سے اسی بات کو بعید قرار دیا کہ ان پر ہماری پکڑ رات کو آ جائے اور اس سے بے خوف ہو گئے کہ ہماری پکڑ ان پر چاشت کے وقت آ جائے۔ وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (جس وقت وہ کھیل میں لگے ہوں)

قراءت: شامی اور حجازی نے او کے ساتھ عطف کی بنا پر پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دو صورتوں میں عذاب کے رات کو

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا ان کو ... کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے

بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ

ان کو ہلاک کر دیں اور ان کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا

ان کی بعض خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر

لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

ایمان لانے والے نہ تھے اللہ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے اکثر لوگوں کو نافرمان ہی پایا۔

... نے چاشت کے وقت آ جانے سے بے خوف ہونے کا انکار کیا۔

سوال: حرف عطف پر ہمزہ استفہام کس طرح داخل ہوا۔ حالانکہ وہ استفہام کے منافی ہے۔

جواب: ان میں منافات اس وقت ہے کہ جب معطوف کا عطف مفرد پر ہو۔ جب جملہ کا عطف جملہ پر ہو تو کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں جملہ کا دوسرے جملے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔ وہ ایسی چیزوں میں مشغول تھے جو بے فائدہ تھیں۔

اللہ کی خفیہ پکڑ سے بے خوف شخص مکمل خسارے والا ہے:

آیت ۹۹: أَفَأَمِنُوا (کیا وہ بے فکر ہو گئے) یہ الفاظ أَهْلُ الْقُرَىٰ کی تکریر کے لئے لائے گئے مَكْرَ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے) اللہ نے کو اس طرح پکڑا کہ ان کو شعور بھی نہ ہو۔ حضرت شبلیؒ سے روایت ہے کہ کفار کے ساتھ اس کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ ان کو اس حالت میں چھوڑ دیا جس میں وہ تھے۔ ربیع بن خثیم کی بیٹی نے اپنے والد کو کہا کہ میں لوگوں کو دیکھتی ہوں کہ وہ سوتے ہیں اور تم نہیں سوتے۔ تو وہ کہنے لگے اے بیٹی تمہارا باپ اس بات سے خوف زدہ ہے کہ اس پر رات نہ آ جائے۔ گویا تو اس آیت کی طرف اشارہ کیا ان يأتيهم بأسنا بياتا۔ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (پس اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بے فکر نہیں ہوتا سوائے ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو) مگر کافر جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا یہاں تک کہ وہ جہنم میں جا پہنچے۔

بعد میں آنے والوں کو بتلایا کہ گناہوں پر پکڑ ہو سکتی ہے:

آیت ۱۰۰: أَوَلَمْ يَهْدِ (کیا یہ بات نہیں بتلائی) وہ مفعول کو بیان کرتا ہے لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ

آیت ۱۰۴: وَقَالَ مُوْسٰى یٰفِرْعَوْنُ (اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے فرعون) اس زمانہ میں ملوک مصر کو فرعون کہا جاتا تھا جس طرح فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ۔ گویا اس کا معنی یہ ہوا اے ملک مصر اس کا نام قابوس یا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) تیری طرف۔ فرعون نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

آیت ۱۰۵: حَقِیْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (میرے لئے یہی مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق کے سوا اور کوئی بات منسوب نہ کروں) میں یہی بات سے زیادہ لائق ہوں یعنی حق بات کہنا مجھ پر لازم ہے اور اس پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔

قراءت: نافع نے حَقِیْقٌ عَلَیَّ پڑھا ہے یعنی مجھ پر لازم ہے کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ پر ہر بات مجھ پر وبال۔ یعنی پہلی اس قراءت کی صورت میں رب العالمین پر وقف ہے۔ اور پہلی قراءت کی صورت میں وصل جائز ہے کیونکہ حَقِیْقٌ رسول کی صفت ہے اور علیٰ باء کے معنی میں ہے جیسا کہ ابی بن کعب کی روایت میں ہے یعنی حقیق میں رسول اس بات کے لائق ہوں کہ میں نہ کہوں۔ نمبر۳۔ یعنی جو رسول میں پائے جانے والے حق ہیں سے متعلق کیا جائے۔ یعنی حقیق میں رسول برحق ہوں رسالت کے لائق ہوں میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حق بات کہوں۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ جو میری رسالت کو واضح کر دے۔

بنی اسرائیل کی مصر آمد:

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے) ان کو آزاد کر دے تاکہ وہ ارض مقدس کی طرف واپس لوٹ جائیں۔ جو ان کا اصلی وطن ہے وہ یہاں اس طرح کہ جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔ تو فرعون نسل اسباط پر غالب آگیا۔ اور ان کو غلام بنا لیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو غلامی سے نجات دی۔ مصر میں داخلے اور نجات کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا۔

قراءت: مَعِیَ حفص کی قراءت میں ہے۔

فرعون کا جواب:

آیت ۱۰۶: قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی معجزہ لے کر آیا ہے) اس کی طرف سے جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا۔ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو) تو میرے پاس لے آ تاکہ تیرا دعویٰ درست ثابت ہو سکے اور اس میں تیری سچائی ظاہر ہو۔

عصائے موسیٰ کا اعجاز:

آیت ۱۰۷: فَاَلْقٰى (پس آپ نے ڈال دیا) موسیٰ علیہ السلام نے عَصَاهُ (اپنا عصا) اپنے ہاتھ سے فَاِذَا هِیَ (تو اچانک) وہ

مناجات کے لیے ہے یہ ظرف مکان ہے یہ قصہ اور حکایات کی طرح ہے۔ ثُعْبَانٌ بہت بڑا سانپ مُّبِيْنٌ (ایک اژدہا بن گیا) جس کا معاملہ ظاہر ہونے والا تھا۔ روایت میں ہے کہ وہ نر سانپ تھا جو منہ کھولنے والا تھا۔ اس کے جبڑوں کا فاصلہ ۸۰ ہاتھ تھا۔ اس نے اپنا نچلا جبڑا تو زمین پر اور اوپر والا محل کی بالائی دیوار پر رکھا۔ پھر فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون بھاگ نکلا اور پاخانہ کر دیا۔ اور اس سے قبل اس نے پاخانہ نہ کیا تھا۔ اس نے لوگوں پر حملہ کر دیا جس سے پچیس ہزار آدمی مر گئے۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا۔ فرعون چیخ اٹھا اے موسیٰ اس کو پکڑو میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ عصا بن گیا۔

ید بیضاء کا معجزہ:

آیت ۱۰۸: وَّنَزَعَ يَدَهٗ (اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا) اپنے گریبان سے فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (پس وہ اچانک سب دیکھنے والوں کے سامنے بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا) یعنی وہ سفید تھا دیکھنے کے لیے اور دیکھنے کے لیے سفیدی والی ہوتی ہے۔ جو سفیدی عجیب اور عام عادت کے خلاف ہو۔ لوگ اس کو دیکھنے کیلئے جمع ہوتے تھے۔ روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنا ہاتھ دکھا کر فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ تیرا ہاتھ ہے۔ پھر اس کو اپنے گریبان میں ڈال کر کھینچا اچانک وہ سفید تھا۔ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا رنگ شدید گندمی تھا۔

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ (یا ہم ڈالنے والے ہوں جو کچھ ہمارے پاس ہے) اس میں دلالت ہے کہ ان کی رغبت اس بات کی طرف تھی کہ وہ پہلے ڈالیں۔ اس لیے متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے لائے اور خبر کو بھی معرفہ لائے۔

جواب موسیٰ علیہ السلام:

آیت ۱۱۶: قَالَ (کہا) موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہ اَلْقُوْا (تم ہی ڈالو) ان کو اختیار دیا تو خوش اسلوبی ہے جس کی رعایت ان کے ساتھ برتی گئی۔ جیسا کہ مناظرہ والے جدال میں شروع ہونے سے پہلے کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے وہ بات خاص کر دی جس کی ان کو رغبت تھی۔ ان کی شان کو گھٹانے اور ان کی طرف سے بے توجہی اختیار کرتے ہوئے اور اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ معجزہ پر کبھی جادو غالب نہیں آ سکتا۔

اثرات سحر:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (پس جب انہوں نے ڈالی تو لوگوں کی نظر بندی کر دی) حیلوں سے لوگوں کو دکھلائیں اور شعبدہ بازی کے انداز سے لوگوں کے خیال میں یہ بات ڈالی حقیقت میں اس کے خلاف تھی۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے موٹی موٹی رسیاں ڈالیں اور لمبے لمبے بانس بھی۔ انہوں نے سانپوں کی طرح زمین کو بھر دیا اور وہ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہو گئے۔ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (اور ان پر ہیبت غالب کر دی) اور لوگوں کو سخت ڈرایا۔ گویا انہوں نے اپنے ڈر کو حیلہ سے طلب کیا۔ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (اور ایک قسم کا بڑا جادو دکھلایا) سحر میں دیکھنے والوں کی نگاہ میں۔

وحی سے اظہار معجزہ کا حکم:

آیت ۱۱۷: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ (اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں۔ پس عصا کا ڈالنا تھا اس نے نگلنا شروع کیا) تلقف نگلنے کو کہتے ہیں۔

قراءت: حفص نے تلقف پڑھا۔ مَا يَاْفِكُوْنَ (ان کے بے ہودہ کھیل کو) مَا موصولہ یا مصدریہ یعنی جو وہ بناتے تھے یعنی حق سے باطل کو پلٹتے تھے۔ اور جھوٹ کے طور پر پیش کرتے تھے۔ نمبر۱۔ افک سے مافوک بنایا گیا مراد ہو امر ہے۔ روایت میں ہے کہ جب اس نے رسیوں اور لٹھیوں سے بھری وادی نگل لی۔ موسیٰ نے اس کو اٹھایا تو پہلے کی طرح لاٹھی بن گئی۔ اور ان بڑے اجسام کو قدرت سے معدوم کر دیا۔ نمبر۲۔ ان کے اجزاء کو لطیفہ میں منتشر کر دیا۔ پس جادوگر کہنے لگے اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیاں اور لاٹھیاں باقی رہتیں۔

غلبہ حق:

آیت ۱۱۸: فَوَقَعَ الْحَقُّ (پس حق ظاہر ہو گیا) اور ثابت ہو گیا وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (وہ سب بیکار ہو کر رہ گیا جو کچھ انہوں نے بنایا تھا) جادو سے۔

آیت ۱۱۹: فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ (پس وہ اس موقعہ پر ہار گئے) یعنی فرعون اور اس کا لشکر اور جادوگر وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (اور ذلیل ہو کر واپس چلے گئے) ذلیل اور مبہوت ہو گئے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ

فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں بلاشبہ یہ فریب ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو نکال دو

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ

سو عنقریب تم جان لو گے، ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر

اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ

چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تو ہم سے صرف اس بات کا بدلہ لے رہا ہے کہ ہم ایمان لے آئے

رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آگئیں۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حال میں موت دے کہ ہم مسلمان ہوں۔

مغلوبیت کے بعد جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا لشکر بن گئے:

آیت ۱۲۰: وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ (اور وہ جو ساحر تھے وہ سجدہ میں گر گئے) نمبر ا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔ گویا ان کو کسی ڈالنے والے نے زبردستی ڈال دیا۔ نمبر ۲۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کو دیکھ کر وہ اپنے اختیار میں نہ رہے گویا وہ ڈال دیئے گئے۔ وہ دن کی ابتداء میں جادوگر کافر تھے اور دن کے آخر میں نیک شہداء بن گئے۔

اعلانِ حق:

آیت ۱۲۱ تا آیت ۱۲۲: قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر) رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ (جو موسیٰ و ہارون کا بھی رب ہے) **نحو**: یہ ماقبل سے بدل ہے۔

فرعون کی مکارانہ تقریر و دھمکی:

آیت ۱۲۳: قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو) خبر کی صورت میں۔

قراءت: حفص نے پڑھا ہے اس صورت میں یہ فرعون کی طرف سے ان کو توبیخ ہے۔ وہ تعریض کیا تھا۔ حفص کے علاوہ دوسرے قراء نے پڑھا۔ پہلا ہمزہ استفہام کا ہے اور اس کا معنی استبعاد اور انکار ہے۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ (میری اجازت کے بغیر) پہلے تمہیں اجازت دینے سے پہلے اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (حقیقت میں یہ تم سب کی سازش تھی جو تم نے شہر میں اس لئے کی تھی کہ یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو) یہ تمہاری حرکت ایک حیلہ ہے جو تم نے اور موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں برپا کیا ہے۔ اس سے قبل کہ تم صحرا کی طرف نکل کر مقابلے کے لئے جاؤ۔ اس میں تمہارا مقصد تھی ہے کہ مصر

جوابِ فرعون:

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ۔ (فرعون نے کہا ہم ابھی ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں۔ اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور حاصل ہے)

قراءت: سَنَقْتُلُ حجازی نے پڑھا یعنی ہم ان پر قتل ابناء کا قانون دوبارہ نافذ کر رہے ہیں۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم ان پر غالب و قاہر ہیں۔ یہ ہمارے مقہور مجبور اور غلام ہیں یہ وہ اسرائیلی بچہ ہے جس کے متعلق ہمارے نجومی پیشگوئی کرتے تھے۔ کہ سلطنت تباہ کو تباہ کرے گا۔ اس سے عامۃ الناس ہماری اطاعت پر قائم رہیں گے اور ان کو بھی اس کی پیروی پر آمادہ کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی مسلمانوں کو تلقین صبر و تقویٰ:

آیت ۱۲۸: قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا (موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرو اور صبر کرو) یہ اس وقت کہا جب فرعون کی بات سے انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ سنقتل ابناء هم یہ بطور تسلی فرمایا اور آخرت کا وعدہ ان کو یاد دلایا۔ ان الارض نمبرا ارض میں الف لام عہد کا ہے اور ارض مصر مراد ہے نمبر۲۔ الف لام جنس کا ہے اور ارض مصر پر اس کا اولیٰ اطلاق ہوتا ہے اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے مالک بنا دیں) اس میں ان کو ارض مصر کی تمنا دلائی وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اور بالآخر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) اس میں بشارت ہے کہ اچھا انجام متقین کے لئے ہے۔ خواہ ان میں سے ہو یا تم میں سے قال موسٰی سے پہلے واؤ نہیں لائے۔ کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے بخلاف وقال الملاء کے وہ ماقبل و قال الملأ من قوم فرعون پر معطوف ہے۔

وعدۂ آخرت کے متعلق تاخیر کی شکایت:

آیت ۱۲۹: قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (انہوں نے کہا ہم تو ہمیشہ مصیبت میں ہی رہے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی) وہ اس سے قتل ابناء مراد لیتے تھے۔ جو ولادت موسیٰ سے پہلے پیش آیا اور اس وقت تک رہا جب تک انہوں نے چاہا اور اب دوبارہ اسی کو نافذ کر رہے تھے۔ ان الفاظ میں فرعون کے متعلق شکوہ اور وعدۂ نصرت کے متعلق دیر ہونے کی شکایات ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا دلاسہ:

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیگا اور بجائے ان کے تمہیں اس سرزمین کا مالک بنا دیگا) جو بشارت پہلے اشارہ سے بیان کی تھی۔ اس میں وضاحت فرما دی اور ان کے سامنے بات کھول دی کہ وہ اللہ تعالیٰ فرعون کو ہلاک کرے گا۔ اس کے بعد سرزمین مصر میں تمہیں نائب بنائے گا۔ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا) یعنی وہ تمہاری طرف سے اچھے برے عمل کو دیکھے گا۔ نعمت کی

کفر و تکذیب کا نتیجہ غرقابی ہوا:

آیت ۱۳۶: فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا) انتقام انعام کی ضد ہے جیسا کہ عقاب ثواب کی ضد ہے فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ (یعنی ان کو سمندر میں غرق کر دیا) یم وہ سمندر جس کی گہرائی معلوم نہ ہو۔ نمبر۲۔ سمندر کی موجوں اور کثیر پانی کو کہتے ہیں۔ یہ تیمّم سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانے والے اس کا قصد کرتے ہیں بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (کیونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے) ان کا غرق ہونا آیات کی تکذیب اور ان سے غفلت اور عدم توجہی کی بناء پر تھا۔

غلامی سے آزادی اور ایفائے عہد:

آیت ۱۳۷: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ (اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے مالک بنا دیا) یعنی بنی اسرائیل جن کو فرعون اور اس کی قوم غلامی سے کمزور کرتا تھا۔ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا) سرزمین مصر و شام الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (جس میں ہم نے برکت رکھی ہے) سرسبزی اور وسعت رزق اور کثرت نہر و اشجار کی بناء پر وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہو گیا) اور کلمہ اس آیت میں مذکور ہے عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ (اعراف ۱۲۹) یا پھر اس آیت میں مذکور ہے وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص ۵،۶) الحسنی یہ احسن کی تانیث ہے اور کلمہ کی صفت ہے علی یہ تمت کا صلہ ہے تمت علیھم واستمرت علیھم یعنی مسلسل رہنا جیسا کہ کہتے ہیں تم علی الامر جب وہ اس پر چل رہا ہو۔ بِمَا صَبَرُوْا (ان کے صبر کی وجہ سے) یہ آیت صبر پر آمادہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ دلالت کر رہی ہے کہ جو تکلیف کا مقابلہ بے تابی سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تکلیف کے سپرد کر دیتے ہیں اور جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی کا ضامن بن جاتا ہے وَدَمَّرْنَا (اور ہم نے درہم برہم کر دیا) ہم نے ہلاک کر دیا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (فرعون اور اس کی قوم کے تیار کردہ کارخانوں کو اور وہ بلند عمارات جو وہ تعمیر کرتے تھے) نمبر۱۔ عمارات اور محلات کی تعمیر وغیرہ۔ نمبر۲۔ باغات میں۔ نمبر۳۔ جو وہ مضبوط مکانات بناتے تھے جیسے بابل کا محل وغیرہ۔

قراءت: شامی اور ابوبکر نے یَعْرُشُوْنَ پڑھا ہے۔ راء کے ضمہ سے۔ یہ فرعون اور قبطیوں کا واقعہ اور ان کے تکذیب آیات کے حالات کا اختتام ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کا واقعہ ذکر کیا اور جو حرکات انہوں نے فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم آیات کا معائنہ کرنے اور سمندر پار کرنے کے بعد بھی گوسالہ کی عبادت جیسے قبیح فعل کے ارتکاب کا تذکرہ ہے۔

دیا۔ سمندر عبور کیا وہ عاشورہ کا دن تھا۔ فرعون اور قوم فرعون اسی دن غرق ہوئے۔ بنی اسرائیل نے عاشورہ کے دن کا بطور شکریہ روزہ رکھا۔ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ (پس ان کا گزر ہوا ایک قوم پر) ان کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا۔

بنی اسرائیل کی پہلی حماقت و جہالت:

يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ (جو اپنے بتوں کی عبادت پر جمے ہوئے تھے) جو ان کی عبادت پر مواظبت کرنے والے تھے۔ یہ گائے کی مورتیاں تھیں۔

قراءت: حمزہ اور علی نے یعکِفون کاف کے کسرہ سے پڑھا۔ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود مقرر کردو) ایک بت بنا دو۔ جس پر ہم بھی جھکے رہیں۔ كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (جیسے ان کے معبود ہیں) بت ہیں جن کے پاس آس جمائے بیٹھے ہیں۔

نحو: کما کا ما کافہ ہے اس لیے اس کے بعد جملہ آیا۔

نکتہ: ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے تو اپنے نبی کی قبر پر چھڑکا جانے والا پانی خشک ہونے سے پہلے ہی اختلاف ڈال دیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سمندر کے پانی سے قدم خشک نہ ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا (جبکہ موسیٰ و ہارون بھی وہیں موجود تھے) یموسی اجعل لنا الٰھا کما لھم الٰھة۔ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم لوگ جاہل ہو) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم ترین نشانی دیکھنے کے بعد ان کے اس قول پر تعجب کیا۔ آپ نے اس کو جہل مطلق قرار دیا۔ اور اس کو انّ سے مؤکد بھی کیا۔

بت پرستی بے بنیاد چیز ہے:

آیت ۱۳۹: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ (بے شک یہ لوگ) ان تماثیل کی عبادت کرنے والے مُتَبَّرٌ (برباد ہیں) ہلاک ہونے والے ہیں۔ یہ تبار سے بنا ہے۔ مَّا هُمْ فِيْهِ (جس میں وہ مصروف ہیں) اللہ تعالیٰ ہلاک کر دیں گے اور ان کے اس دین کو منہدم کر دیں گے جس پر وہ چل رہے ہیں میرے ذریعہ یہاں هٰٓؤُلَآءِ کا اسم بنا کر اور خبر کو مقدم کر کے اس بات کو نشان زدہ کر دیا کہ بت پرست در اصل خود ہلاکت کا شکار ہونے والے ہیں۔ اور وہ اس سے بالکل نہیں بچ سکتے۔ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور محض بے بنیاد ہے جو کر رہے ہیں) یعنی جو کچھ وہ بت پرستی کرتے ہیں وہ بے کار اور بے حقیقت ہونے والی ہے۔

آیت ۱۴۰: قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا (اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں) یعنی کیا میں تمہارا ایسا معبود تلاش کر کے دوں جو ایسے ہی کہ جس کی عبادت کا حق نہیں۔ وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (حالانکہ اس نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے) نحو: یہ حال ہے مراد اس زمانے کے لوگ۔

انعامات سے تذکیر:

آیت ۱۴۱: وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے) قراءت: اَنْجٰكُمْ شامی

نے پڑھا۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے) وہ تمہارے لیے سخت سزا کے خواہاں تھے۔ یہ سام السلعۃ سے بنا گیا ہے جبکہ اس کو طلب کیا جائے۔

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ نمبر ۲۔ خاطبین سے حال ہے۔ نمبر ۳۔ آل فرعون سے حال ہے۔ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (وہ تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے) قراءت: نافع نے يَقْتُلُوْنَ پڑھا۔ وَفِيْ ذٰلِكُمْ (اور اس میں) یعنی نجات دینے یا سزا دینے میں بَلَآءٌ (آزمائش تھی) نعمت یا مشقت مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۔ (تمہارے رب کی طرف سے بڑی)

کتاب ملنے کا وعدہ:

آیت ۱۴۲: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً (ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا) تورات دینے کے لیے وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (اور مزید دس راتوں سے ان تیس راتوں کو مکمل کر دیا) روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا جبکہ آپ مصر میں تھے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا تو تمہیں اپنی طرف سے ایک کتاب دیں گے جب فرعون ہلاک ہو چکا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں کتاب کا سوال کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے تیس دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا یہ ذی القعدہ کا مہینہ تھا۔ جب تیس دن پورے ہو گئے آپ نے منہ میں مہک محسوس کی اور مسواک کر لی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی مہک اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دس دن ذی الحجہ کے بڑھانے کا حکم دیا۔ اسی لیے فرمایا فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ (پس ان کے رب کا وقت مقرر پورا ہو گیا) جو وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ اور بیان فرمایا تھا۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (چالیس راتیں)

نحو: یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی پورا ہوا اس حال میں کہ وہ اس گنتی تک پہنچنے والا تھا۔ اجمالاً اربعین کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں فرمایا مگر یہاں اس کی تفصیل فرمائی۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو ہدایت:

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ (موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا) هٰرُوْنَ اَخِيْهِ کا عطف بیان ہے۔ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ (میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا) ان میں میرا خلیفہ بن کر۔ وَاَصْلِحْ (اور اصلاح کرتے رہنا) اور بنی اسرائیل کے جن معاملات کی درستگی لازم ہے ان کی اصلاح کرتے رہو۔ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا) جو ان میں سے فساد کا داعی ہو تو اس کی اتباع نہ کرنا اور اس کی موافقت نہ کرنا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ

اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا دیجئے

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ

کہ میں آپ کو دیکھوں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ

پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ کو چورا چورا کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ

آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ میں نے تمہیں چن لیا

عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

پیغمبری اور اپنی ہمکلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا۔ سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ

موسیٰ علیہ السلام کا طور پر ہمکلامی سے مشرف ہونا:

آیت ۱۴۳: وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا (جب آئے موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر) ہمارے اس وقت پر جو ہم نے ان کے لیے مقرر کیا تھا اور جس وقت کی حد بندی کر دی تھی۔ میقات کی لام، لام تخصیص ہے ہمارے میقات کے لیے ان کی آمد خاص کر دی گئی۔ وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ (اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں) بلا واسطہ اور بلا کیف روایت میں ہے کہ وہ کلام ہر جہت سے سن رہے تھے۔ اور شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تاویلات میں ذکر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرنے والی تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اس کے ساتھ خاص کرنا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ایسی آواز سنائی جس کی تخلیق کا وہ خود والی و سردار تھا۔ بغیر اس بات کے کہ وہ آواز مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے مکتسب ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ بندوں کے لیے مکتسب آواز سنتے ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے کلام سنا تو غلبہ شوق میں دیدار کی خواہش ظاہر کی اور رؤیت کے لیے اس طرح سوال کیا۔

غلبہ شوق میں خواہش دیدار:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (تو عرض کیا اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں) اَرِنِیْ کا دوسرا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ارنی ذاتك انظر الیك یعنی مجھے اپنے دیدار کی اس طرح طاقت عنایت فرما کہ

آپ تجلی فرمائیں اور میں آپ کو دیکھ لوں۔

قراءت: مکی نے اَرْنِیْ پڑھا ہے اور ابو عمرو نے راء کے اختلاس کے ساتھ۔ راء کے نیچے کسرہ۔ اور دیگر قراء نے راء کے کسرہ اشباع کے ساتھ پڑھا۔

امکانِ رؤیت پر دلائل:

یہ آیت اہلسنت کی دلیل ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ جائز و ممکن ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اعتقاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان سے سوال بھی کر دیا۔ اور ایسی چیز کا اعتقاد رکھنا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جائز نہ ہو یہ کفر ہے۔ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ (ارشاد فرمایا تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے) سوال کر کے نہیں اور نہ اس فانی آنکھ کے ساتھ بلکہ عطاء و نوال کے ساتھ اور باقی رہنے والی آنکھ کے ساتھ۔ یہ بھی اہلسنت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا لَنْ اُرٰی (کہ مجھے ہرگز دیکھا نہ جائے گا) کہ اس سے جواز رؤیت کی نفی ہو۔ اور اگر اس کی ذات دیکھی نہ جا سکتی ہوتی تو اللہ تعالیٰ خبر دیتے کہ انه لیس بمرئی جبکہ حالت اور حالت بھی ایسی کہ بیان کی ضرورت ہے۔ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ (لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا) وہ اپنی حالت پر باقی رہا۔ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ یہ بھی اہلسنت کی تیسری دلیل ہے کیونکہ رؤیت کو استقرار جبل سے معلق کرنا اور وہ ممکن ہے اور کسی چیز کا ممکن سے معلق کرنا اس کے امکان پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ تعلیق بالممتنع اس کے امتناع کی دلیل ہوتی ہے۔ اور ممکن کی دلیل یہ ارشاد ہے۔ جَعَلَهٗ دَكًّا یہاں اندکّ نہیں فرمایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ ایجاد کریں اس چیز کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ نہ پائی جائے۔ اگر وہ اس کو ایجاد نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل میں مختار ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مایوس نہیں کیا۔ اور نہ ہی عتاب کیا اور اگر رؤیت محال ہوتی تو ان کو عتاب کیا جاتا۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کو عتاب ہوا۔ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (ہود: ۴۶) جب کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے متعلق غرق سے بچانے کا سوال کیا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (پس ان کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی (تو) تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیے) یعنی ظہور فرمایا۔ اور بلا کیف ظہور فرمایا شیخ ابو منصور نے فرمایا۔ تجلی للجبل کا معنی وہی ہے جو اشعری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں زندگی علم اور رؤیت پیدا فرما دیا۔ یہاں تک کہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھا یہ نص قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مرئی ہے۔ ان مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر منکرین رؤیت کی جہالت واضح ہو جاتی ہے۔

اعتراض اور جواب:

اعتراض: موسیٰ علیہ السلام اس بات سے واقف تھے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا لیکن ان کی قوم نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ وہ اپنا رب انہیں دکھائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول ذکر کیا: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ: ۵۵) پس آپ نے اس لیے رؤیت کا مطالبہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ظاہر فرما دیں کہ وہ ذات مرئی نہیں۔

جواب: یہ بالکل باطل ہے اگر بات اس طرح ہوتی جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تو موسیٰ علیہ السلام اس طرح کہتے ارهم ینظروا الیک پھر اللہ تعالیٰ فرماتے لن یروني۔ مگر ایسا نہیں فرمایا اگر رؤیت جائز نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام ان کی تردید کو فوراً فرماتے۔ بلکہ جو کہ ان کا

کلام آپ کے کان تک پہنچا تھا۔ تو اسی وقت تردید فرما دیتے کیونکہ اسی وقت تردید نہ کرنے سے تقریر پختہ کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ انبیاء کی بعثت تو منکر کی تغییر کے لیے ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب بنی اسرائیل نے کہا: یٰموسی اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ آپ نے ان کو مہلت نہیں دی بلکہ اسی وقت تردید فرمائی انکم قوم تجھلون؟ جَعَلَهٗ دَكًّا (تو پہاڑ کو چورا کر دیا) اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے ضرب الامیر بمعنی مضروب الامیر اور الدک ہم معنی ہیں۔ یعنی زمین کے برابر کہ اس میں کوئی ٹیلہ نہ تھا کہا جاتا ہے ناقۃ دکاء۔ جس کی کوہان نہ ہو۔

قراءت: حمزہ و علی نے دکاء پڑھا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر بیہوشی:

وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) یہ حال ہے۔ یعنی موسیٰ پر غشی طاری ہوئی جس سے زمین پر گر گئے فَلَمَّآ اَفَاقَ (پھر جب ہوش آیا) اپنی بے ہوشی سے قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ (تو عرض کیا بے شک آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی بارگاہ میں معذرت کرتا ہوں) دنیا میں سوال کرنے سے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور میں سب سے پہلے اس پر یقین رکھتا ہوں) یعنی تیری عظمت اور جلال پر اور اس پر کہ تو دنیا میں دیدار نہیں کراتا۔ باوجود جائز ہونے کے۔ (نحوی کے قول کا رد) کلبی وغیرہ کا قول کہ ارنی انظر الیک کا معنی یہ ہے کہ مجھے کوئی نشانی دکھا جس سے میں آپ کو بطریق ضرورت جان لوں گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ لن ترانی تو میری پہچان اس انداز سے نہیں کر سکتا۔ ولکن انظر الی الجبل میں اس کے لیے نشانی ظاہر کرتا ہوں۔ اگر اس کی تجلی کے لیے پہاڑ قائم رہا اور اپنی جگہ مستقر رہا تو عنقریب تو بھی اس کے لیے ثابت و قائم رہے گا۔ اور اس کی طاقت رکھ سکے گا۔ مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ارنی انظر الیک فرمایا الیھا نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے لن ترانی فرمایا لن تری ایتی نہیں فرمایا۔ پھر اس کا معنی الی نوی یعنی کس طرح ہو سکتا ہے۔ حالانکہ عظیم ترین نشانی دکھائی کہ پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

شرف ہمکلامی اور تورات کی الواح:

۱۴۴: قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ (ارشاد فرمایا میں نے اے موسیٰ تجھے لوگوں پر امتیاز دیا) میں نے تجھے اہل زمانہ میں سے منتخب کیا۔ بِرِسٰلٰتِىْ (اپنی پیغمبری سے) اور تورات کے اسفار ہیں۔ قراءت: حجازی نے برسالتی پڑھا ہے۔ وَبِكَلَامِىْ (اور اپنی ہمکلامی سے) خاص تجھ سے کلام کر کے فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ (پس جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے اس کو لو) جو میں نے تجھے شرف نبوت اور حکمت مناجات فرمایا وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (اور شکر کرو) اس نعمت پر پس یہ عظیم نعمتوں میں سے ہے کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام عرفہ کے دن بے ہوش ہو کر گرے اور دس ذی الحجہ کو تورات ملی۔ اس لیے کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے تو اصطفاء کو ان کے ساتھ خاص کر دیا۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾

سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ

میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ

آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا

لیں تو ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ

سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا

دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنا لیں اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے

غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

غافل تھے، اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾

ان کو انہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے

تورات بنی اسرائیل کا قانون:

آیت ۱۴۵: وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ (اور ہم نے ان کو چند تختیوں پر لکھ دی) الالواح جمع لوح تورات پر دس تختیاں تھیں بعض نے کہا سات یہ زمرد کی بنی ہوئی تھیں دوسرا قول یہ ہے کہ لکڑی کی بنی ہوئی تھیں آسمان سے اتریں ان میں تورات مندرج تھی۔ مِن كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کی) یہ کتبنا کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل) یہ من کل شئ کا بدل ہے۔ مطلب یہ ہے ہم نے ان کے لیے ہر وہ چیز لکھ دی جس کی بنی اسرائیل کو مواعظ و تفصیل احکام کے سلسلہ میں ضرورت تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ تورات ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھی۔ اس کو کل چار آدمیوں نے پڑھا موسیٰ۔ یوشع۔ عزیر۔ عیسیٰ علیہم السلام۔ فَخُذْهَا (پس تم اس کو قوت سے لو) یعنی ہم نے ان کو کہا اس کو پکڑو۔ علماء کا عطف کتبنا پر ہے اور ہا

کی ضمیر الواح کی طرف ہے۔ نمبر ۲۔ لکل شیء کی طرف کیونکہ وہ اشیاء کے معنی میں ہے۔ بِقُوَّۃٍ (کوشش کے ساتھ) محنت و عزیمت کے ساتھ جس طرح اولوالعزم رسول کرتے ہیں۔ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے احکام پر عمل کرو) یعنی اس میں جو احکام ہیں وہ احسن و حسن پر مشتمل ہیں۔ مثلاً قصاص لینا۔ معاف کرنا۔ بدلہ لینا۔ صبر کرنا۔ ان کو حکم دیں کہ وہ ایسا حکم اپنائیں جو حسن میں زیادہ بہتر اور ثواب میں زیادہ ہو۔ جیسا کہ اس ارشاد میں: وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الزمر: ۵۵) سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ (میں بہت جلد تم کو ان نافرمانوں کا مقام دکھلاؤں گا) فرعون اور اس کی قوم کا علاقہ یعنی مصر اور عاد و ثمود کے مقامات اور ہلاک شدہ اقوام۔ کہ کس طرح یہ علاقے ان سے خالی ہوئے۔ تا کہ عبرت حاصل کریں۔ ان کی طرح فسق اختیار نہ کریں۔ کہیں انہی جیسی دنیوی سزا نہ بھگتنی پڑے یا جہنم ٹھکانہ نہ بن جائے۔

متکبر حکمت سے محروم رہتا ہے:

آیت ۱۴۶: سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ (اور ایسے لوگوں کو میں اپنی آیات سے برگشتہ ہی رکھوں گا) ان کے سمجھنے سے ذوالنون مصری نے فرمایا اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کہ باطل پسند بے کار لوگوں کو قرآن مجید کی خفیہ حکمتوں سے نوازے۔ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ (جو لوگ تکبر کرتے ہیں) جو مخلوق پر ظلم کرتے اور قبول حق سے نفرت کرتے ہیں تکبر کی اصل حقیقت اس بڑائی کی حقیقت کوشش کرنا جو باری تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (زمین میں ناحق) یہ یتکبرون سے حال ہے ای یتکبرون غیر محقین کیونکہ تکبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (اور اگر وہ تمام نشان دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں) جو ان پر آیات اتاری گئیں۔ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ (اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھیں) معاملے میں ہدایت و بھلائی کا راستہ رشد ہے۔

قراءت: حمزہ و علی نے الرَّشَد پڑھا ہے اور یہ دونوں السُّقم اور السَّقَم کی طرح ہیں۔ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بناتے) وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ (اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں) الغی گمراہی۔ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (تو اس کو اپنا راستہ بنا لیں) ذٰلِكَ (یہ) یہ حق سے پھرنا۔ یہ محل رفع میں ہے بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا) ان کی تکذیب کے باعث ہے۔ وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (اور وہ ان سے غافل رہے) غافل اعراض والی غفلت نہ کہ سہو و جہل والی۔

آخرت کے منکروں کا حبط اعمال:

آیت ۱۴۷: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ (اور جنھوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا) نحو: یہ اضافت مصدر الی المفعول کی قسم میں سے ہے۔ ای لقاء ھم الاخرۃ ان کا آخرت کی ملاقات اور اس کے احوال کا مشاہدہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (ان کے سب کام غارت ہو گئے) یہ خبر ہے والذین کی۔ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے) اور رسولوں کی تکذیب کے سبب اعمال کی تکذیب ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖؗ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

بنی اسرائیل کی دوسری حماقت:

آیت ۱۴۸: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ (اور موسیٰ کی قوم نے بنالیا ان کے بعد) ان کے طور پر تشریف لے جانے کے بعد مِنْ حُلِیِّهِمْ (اپنے زیورات میں سے) ان کی طرف زیور کی نسبت کر دی گئی۔ حالانکہ وہ ان کے پاس عاریت کے طور پر تھے کیونکہ اضافت ادنیٰ تعلق کی بناء پر بھی ہو سکتی ہے۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ جو آدمی قسم اٹھائے کہ وہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ وہ اگر مستعار گھر میں داخل ہو گیا تو حانث ہو

حانث ہو جائے گا۔ وہ ان زیورات کے مالک ان کے ہلاک ہونے کے بعد ہے۔ جس طرح ان کی دیگر املاک کے مالک ان کے
ہلاک ہونے کے بعد ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ کفار کے مال میں استیلاء حاصل ہونے سے وہ مال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں ان سے وہ
زیور لینے والا سامری تھا۔ مگر وہ اس کے عمل پر راضی تھے۔ اس لئے فعل کا اسناد ان کی طرف کر دیا گیا الحلی جمع حَلْی اس سونے
اور چاندی کی چیز کو کہتے ہیں جس سے خوبصورتی حاصل کی جائے۔

قراءت: حمزہ و علی نے اتباع کی وجہ سے حِلِیِّھم پڑھا ہے۔ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (ایک بچھڑے کا مجسمہ جس میں ایک آواز تھی)
نحو: عجلاً یا اتخذ کا مفعول بہ ہے۔ جسداً اس کا بدل ہے یعنی ایک بدن جو گوشت و خون والا تھا۔ جیسے تمام جسم ہوتے
ہیں۔ لہٗ خوار گائے کی آواز کو خوار کہا جاتا ہے اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای الٰھًا پھر ان کے اعتقادِ مقول پر تعجب کرتے
ہوئے فرمایا: اَلَمْ یَرَوْا کہ انہوں نے اس کو معبود بنا لیا۔ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا (کیا انہوں نے یہ نہ
دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا۔ اور ان کو کوئی راہ نہیں بتلاتا) ان سے کلام کی قدرت بھی نہیں رکھتا اور نہ ہی راستہ کی طرف
راہنمائی کر سکتا ہے جبکہ انہوں نے اس کو اس ذات کے مقابلہ میں چنا ہے جس کے کلمات تعریف کو سارے سمندروں کی سیاہی سے
بھی رقم نہیں کیا جا سکتا قلم ختم اور سارے سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی مگر اس کی حمد و ثنا ختم نہیں ہوگی۔ جس نے مخلوق کو حق کی
راہ بھلائی عقلوں میں ایسے دلائل کتابیں اتار کر سمجھا دیے۔ اِتَّخَذُوْهُ (انہوں نے اس کو معبود قرار دیا) یہ جملہ ابتدائیہ کے طور پر
لائے۔ کہ انہوں نے اس کو معبود بنا دیا۔ اور اس انتہائی قبیح کام کا اقدام کیا۔ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ (اور انہوں نے بڑا بے ڈھنگا کام
کیا)۔

عبادتِ عجل پر شرمندگی:

آیت ۱۴۹: وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ (اور جب وہ شرمندہ ہوئے) جب بچھڑے کی پوجا پر ان کی شرمندگی زیادہ ہوگی۔ اور اس
کی اصل اس طرح ہے کہ جو شرمندہ زیادہ ہو جائے وہ غم سے ہاتھ کاٹنے لگ جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس میں گر جاتے ہیں کیونکہ
اس کا منہ بھی ہاتھوں میں آ پڑتا ہے۔ سقط کی اسناد فی ایدیھم کی طرف کنایات کی قسم میں سے ہے۔ زجاج نے فرمایا اس کا معنی
ہے سقط الندم فی ایدیھم یعنی ان کے دلوں اور جانوں میں غم آ پڑا۔ جیسا کہا جاتا ہے: حصل فی یدہ مکروہ حالانکہ یہ
ناممکن ہے کہ وہ مکروہ اس کے ہاتھ میں آ جائے۔ صرف دل و جان میں حاصل ہونے والی چیز کو آنکھوں اور ہاتھ میں حاصل
ہونے والی چیز سے تشبیہ مقصود ہوتی ہے۔ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا (اور انہوں نے جان لیا کہ وہ واقعی گمراہی میں پڑ گئے
ہیں) ان کی گمراہی ان کے سامنے اس طرح عمل کی کہ گویا گمراہی کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا
وَیَغْفِرْ لَنَا (تو کہنے لگے اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے)

قراءت: حمزہ و علی نے لئن لم ترحمنا ربنا و تغفر لنا پڑھا ہے۔ ربنا کا منصوب ہونا ندا کی وجہ سے ہے لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِیْنَ (تو ہم بالکل گئے گزرے ہو گئے) یعنی دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی اور ہارون علیہ السلام پر ناراضگی:

آیت ۱۵۰: وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی (اور جب موسیٰ واپس آئے) طور سے اِلٰی قَوْمِهٖ (اپنی قوم کی طرف) بنی اسرائیل غَضْبَانَ (غصے اور) یہ موسیٰ سے حال ہے اَسِفًا (رنج کی حالت میں) یہ بھی حال ہے اس کا معنی غمگین ہونا۔ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ (تو انہوں نے کہا تم نے بہت بری: معنوی حرکت کی) تم میری جگہ کھڑے ہوئے اور میرے نائب ہوگئے۔ مِنْۢ بَعْدِیْ (میرے بعد) یہ خطاب بچھڑے کی پوجا کرنے والوں اور سامری وغیرہ کو ہے۔ نمبر۲۔ ہارون اور ان کے ساتھ مومنین کو ہے اور اس پر دوسرا ارشاد دلیل ہے۔ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ (الاعراف:۱۴۲) مطلب یہ ہے کہ تم نے میری بہت بری مخالفت کی کہ بچھڑے کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جگہ شروع کردی۔ نمبر۲۔ کہ تم نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو نہیں روکا۔ بئس کا فاعل ضمیر ہے جس کی تفسیر ما خلفتمونی ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے بئس خلافۃ خلفتمونیھا من بعد خلافتکم مطلب یہ لیھا من بعدی یہ خلفتمونی کے قول کے بعد ہے۔ من بعد مارأیتم منی من توحید اللّٰہ و نفی الشرکاء ان کے بعد کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نفی شرکاء دیکھ چکے یا اس کے بعد کہ میں بنی اسرائیل کو توحید پر آمادہ کرتا تھا۔ اور گائے کی عبادت سے روکتا تھا۔ جبکہ انہوں نے کہا اجعل لنا الٰھًا کما لھم اٰلھۃ۔ خلیفہ کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے اصل کا راستہ چلائے۔ اور اختیار کرے۔ اَعَجِلْتُمْ (کیا تم نے جلد بازی کرلی) بچھڑے کی عبادت کی طرف تم نے سبقت کی اَمْرَ رَبِّكُمْ۔ (اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے) اور امر میرے تمہارے پاس چالیس راتوں کے بعد تورات لے کر آنا ہے العجلۃ کی اصل کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عجلتم کا معنی ترکتم ہے کہ تم نے چھوڑ دیا۔

غضب للہ میں جلال موسیٰ علیہ السلام:

وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ (اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھ دیں) جب بچھڑے کی عبادت والی بات سنی تو بے قرار ہو کر اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں۔ آپ غضب شدید رکھتے تھے۔ ہارون میں آپ کی نسبت نرمی تھی اس لیے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہارون کو زیادہ چاہتے تھے الواح ٹوٹ گئیں اور اس کے چھ حصے اٹھا لیے گئے باقی ساتواں حصہ رہ گیا اور جو اٹھا لیا گیا اور اس میں تمام ضروریات دین کی تفصیل تھی اور جو باقی رہا اس میں ہدایت و رحمت کے اصول و مبادی تھے۔ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ (اور اپنے بھائی کا سر پکڑ) بھائی۔ یہ ناراض ہو کر اس کے سر کے بال کو پکڑ لیا کیونکہ انہوں نے ان کو بچھڑے کی عبادت سے نہیں روکا۔ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ (ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے) عتاب کے طور پر نہ کہ تذلیل کے لئے۔

ہارون علیہ السلام کا جواب:

نحو: یہ جملہ موسیٰ سے حال ہے۔ قَالَ ابْنَ اُمَّ (ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے) ابن ام یہ خمسۃ عشر کی طرح مبنی علی الفتح ہے مگر حمزہ و علی شامی نے میم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ کیونکہ اس کی اصل امی ہے یا کو حذف کیا کسرہ پر اکتفاء کرتے ہوئے۔ ہارون موسیٰ کے حقیقی بھائی تھے مگر ماں کا تذکرہ مہربانی یا شفقت یاد دلوانے کے لیے اور اس لئے بھی کہ وہ ماں کے ساتھ مومنہ تھیں۔ ایک

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (ان لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں) یعنی میں نے ان کو وعظ و نصیحت کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ لیکن انہوں نے مجھے کمزور کر ڈالا اور میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (پس تم مجھ پر مت خوش کرو دشمنوں کو) وہ لوگ جو بچھڑے کی پوجا کرتے رہے۔ یعنی میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کرو جو ان کی دلی تمنا کے مطابق ہو کیونکہ وہ میرے متعلق برائی اور توہین کے خواہاں ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (اور مجھ کو ظالم قوم کے ساتھ مت شمار کرو) مجھ پر غصے کے ذریعے مجھے ان کا ساتھی مت بناؤ۔ جب بھائی کا عذر واضح ہو گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

دعائے موسیٰ علیہ السلام

آیت ۱۵۱: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ (موسیٰ نے کہا اے میرے رب میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی) بھائی کو راضی کرنے کے لئے اور شماتت کی نفی کرتے ہوئے ان کو دعا میں اپنے ساتھ شریک فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اے میرے رب مجھے بخش دے جو مجھ سے میرے بھائی کے سلسلہ میں زیادتی ہوئی اور ان کو بخش دے اگر خلافت و نیابت کے سلسلہ میں ان سے کوئی زیادتی ہوئی۔ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ (اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما) دنیا میں اپنی عصمت کے پردہ میں داخل فرما اور آخرت میں جنت جنان میں داخلہ نصیب فرما۔ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں)۔

ارشادِ موسیٰ علیہ السلام

آیت ۱۵۲: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی) معبود بنا کر۔ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (بہت جلد ان پر ان کے رب کا غضب آئے گا) یہ وہی حکم ہے جو توبہ کے سلسلہ میں ان کو اپنے نفسوں کے قتل کرنے کا کہا گیا۔ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (اور ذلت پڑے گی دنیا کی زندگی میں ہی) ان کو گھروں سے نکالنا یعنی مسافری کی گردن جھکا دینا ہے یا جزیہ مقرر ہونا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ (اور ہم افترا کرنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے۔ اور سامری کے اس قول سے بڑھ کر اور افترا کیا ہو سکتا ہے۔ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی (طٰہٰ:۸۸)

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا

اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہ کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے

إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ

تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخشش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھہرا ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو

الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾

اٹھا لیا اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

آیت ۱۵۳: وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ (اور وہ لوگ جنہوں نے گناہ کے کام کئے) کفر و معاصی ثُمَّ تَابُوا (پھر توبہ کر لی) پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ سے لوٹ آئے۔ مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا (اس کے بعد اور ایمان لے آئے) اور انہوں نے اپنے ایمان کو خالص کر لیا۔ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا (بے شک تمہارا رب اس توبہ کے بعد) یعنی سیئات یا توبہ۔ لَغَفُورٌ (گناہ کو معاف کرنے والا) ان کی حرمتی کرنے والا ہے۔ رَّحِيمٌ (رحم کرنے والا ہے) جنت کے ذریعے ان پر انعام فرمانے گا۔

نحو: إنّ اپنے خبر و اسم سمیت الذین کی خبر ہے۔ یہ حکم عام ہے جس میں بچھڑے کی پوجا کرنے والے اور دیگر تمام شامل ہیں۔ ان کے گناہ کو بڑا کر کے اجمل شکل میں پیش کیا۔ پھر اس کے بعد اپنی عظیم رحمت کا ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ مگر اس کی معافی تو اس سے بھی بڑی ہے۔

آیت ۱۵۴: جبکہ غصہ اس شدت کی بناء پر تھا گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو اس غصے کا حکم دینے والے تھے تو کہا گیا:

زوالِ غصہ کے بعد حالات:

وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ (اور جب موسیٰ کا غصہ دور ہوا) زجاج کہتے ہیں کہ سکت کا معنی سکن ہے اور یہ بھی پڑھا گیا ہے اَخَذَ الْأَلْوَاحَ (تو ان تختیوں کو اٹھا لیا) جن کو جلدی سے ڈال دیا تھا۔ وَفِي نُسْخَتِهَا (اور ان کے مضامین میں) نسخہ بروزن فعلہ بمعنی مفعول ہے۔ اسی کی کتابت میں هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ (ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی)

نحو: لام مفعول پر داخل کر دیا کیونکہ وہ مقدم ہے اور فعل کا عمل اس میں کمزور پڑ گیا تو ازالہ کے لیے لام لائے۔

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا (کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا) کیا آپ ہمیں اس بات کی سزا میں ہلاک کرتے ہیں۔ جو ہم میں سے جاہلوں نے کیا ہے اور وہ بچھڑے کی پوجا کرنے والے ہیں۔ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (یہ واقعہ تو صرف تیری طرف سے محض ایک امتحان ہے) یہ آپکی آزمائش ہے یہ اس قول کی طرف لوٹتا ہے۔ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ (طٰہٰ:۸۵) پس موسیٰ نے کہا کہ فتنہ۔ یہ آزمائش وہی ہے جس کی آپ نے مجھے خبر دی۔ فتنہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ جس سے وہ اپنے بندوں کو جس طرح چاہتا ہے آزماتا ہے جیسے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً (الانبیاء:۳۵) تُضِلُّ بِهَا (جس کے ذریعے تو گمراہی میں ڈال دیتا ہے) اس اظہار کے ساتھ مَنْ تَشَآءُ (جس کو تو چاہتا ہے) جن کے متعلق تو جانتا ہے کہ انہوں نے گمراہی کا چناؤ کر لیا۔ وَتَهْدِیْ (اور سیدھی راہ پر چلاتا ہے) اس اظہار کے ساتھ مَنْ تَشَآءُ (جس کو تو چاہتا ہے) جن کے متعلق تو جانتا ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کریں گے۔ اَنْتَ وَلِیُّنَا (تو ہمارا کارساز ہے) جو ہمارے کاموں کا متولی ہے۔ فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ (پس تو ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور آپ سب معاف کرنے والوں سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں)

دوسری دُعا:

آیت ۱۵۶: وَاكْتُبْ لَنَا (اور ہمارے نام لکھ دے) تو قائم فرما اور قسمت میں کر دے۔ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً (اس دنیا میں نیک حالت) عافیت، حیات طیبہ، اطاعت کی توفیق۔ وَّفِی الْاٰخِرَةِ (اور آخرت میں بھی) جنت۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ (بے شک ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں) تیری طرف تو بہ و رجوع کیا۔ هاد یهود الیه کا معنیٰ لوٹنا توبہ کرنا اور رجوع ہے اور تائب کو کہتے ہیں۔

جوابِ باری تعالیٰ:

قَالَ عَذَابِیْٓ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنا عذاب تو) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ (اسی کو دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں) یعنی میں جس کو معاف نہیں کرتا۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (اور میری رحمت تمام اشیاء کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے) یعنی میری رحمت کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی وسعت میں لے لیتی ہے۔ دنیا میں کوئی مسلمان و کافر ایسا نہیں جس پر میری رحمت کا چھینٹا نہ پڑا ہو۔ فَسَاَكْتُبُهَا (سو میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا) یعنی اس رحمت کو۔ لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (جو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) شرک سے بچنے والی امت محمد ﷺ میں سے۔ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں) فرض زکوٰۃ۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا (اور وہ جو کہ ہماری آیات پر) ہماری تمام کتابوں پر یُؤْمِنُوْنَ (ایمان لاتے ہیں) ان میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں

فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ

لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے

لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں اور ان پر سے ان کے بوجھ کو دور کرتے ہیں اور طوق ہٹاتے

الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ

ہیں جو ان پر تھے۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان

الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

نزولِ رحمت امت محمدیہ کی طرف اور رسالت مآب ﷺ کی تعریف:

آیت ۱۵۷: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ (جو لوگ کہ ایسے رسول کی اتباع کرتے ہیں) اور جو ہم اس کی طرف وحی کریں گے اس کتاب کی صورت میں جو اس کے ساتھ خاص ہوگی اور وہ قرآن ہے۔ النَّبِیَّ (جو نبی) معجزات والے الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ (جن کو یہ لوگ پاتے ہیں) اس کی تعریف وہ لوگ پائیں گے جو بنی اسرائیل میں سے اس کی اتباع کریں گے۔ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں) شرک سے علیحدگی اور بندوں سے انصاف کا وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ (اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں) عبادت اصنام اور قطع ارحام وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ (اور وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال بتاتے ہیں) جو پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کی گئیں۔ مثلاً چربی وغیرہ۔ یا جو شریعت کے اعتبار سے اچھی ہیں۔ جن پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اور جس میں حرام کی کمائی شامل نہیں۔ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اور گندی چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں) جو ان میں سے خبیث ہیں۔ جیسے خون، مردار، لحم خنزیر، غیر اللہ کی نیازات یا جو حکم کے لحاظ سے خبیث ہیں مثلاً سود، رشوت وغیرہ بے کمائی کے ذرائع وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (اور ان پر سے ان کے بوجھ دور کرتے ہیں) اِصر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو اٹھانے والوں کو بوجھ کی وجہ سے حرکت سے روک دے۔ مراد اس سے شدید تکالیف جو ان پر ڈالی گئیں مثلاً توبہ کے لیے قتل نفس، خطا کرنے والے اعضاء کو کاٹ ڈالنا۔ قراءت: اٰصارھم شامی نے پڑھا ہے۔

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ (اور وہ طوق جو ان پر تھے) اور مشکل احکام مثلاً قصاص میں قتل خواہ قتل عمد ہو یا خطا اور دیت جائز نہ تھی۔ کپڑے اور چمڑے میں سے نجاست والی جگہ کو کاٹ دینا، غنائم کا جلا دینا، گھروں کے دروازوں پر گناہوں کا ظاہر ہو جانا۔

یہاں انی رسول اللہ الیکم کے بعد اس طرح نہیں فرمایا: فامنوا باللہ وبی کہ اللہ تعالیٰ اور مجھ پر ایمان لاؤ۔

تاکہ جو صفات آپ کی بیان کی گئیں وہ آپ پر جاری کی جائیں۔ اور التفات میں بلاغت کلام ملحوظ ہے۔ تاکہ یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ جس پر ایمان لانا واجب ہے وہ یہی شخص ہے جو نبی الامی الذی یومن باللہ و کلماتہ سے متصف ہو خواہ کوئی بھی ہو میں یا میرے علاوہ دیگر اس میں منصف مزاج کے لیے انصاف کی دعوت دی گئی اور عصبیت سے الگ کر کے اپنی ذات کو پیش کیا گیا۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ

بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے الگ الگ جماعتیں بنا دیں۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ

کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلے نے

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ

اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی۔ اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ اور ان پر من اور سلویٰ

وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اتارا۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا۔ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن اپنی جانوں پر ظلم

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

کرتے تھے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے

شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ

چاہو اور کہو گناہ معاف ہوں، اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو۔ ہم عنقریب اچھے کام

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا

لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

گیا۔ سو ہم نے ان پر عذاب بھیجا آسمان سے اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں حق پرست طبقہ

آیت ۱۵۹: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں) وہ لوگوں کی راہنمائی کرنے والے ہیں اس حال میں کہ وہ حق پرست ہیں۔ نمبر۲: اس حق کے سبب جس پر وہ

قائم ہیں۔ دوسروں کو حق کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں) اور حق کے ساتھ اپنے مابین حکم میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔ اور ظلم نہیں کرتے۔ بعض نے کہا یہ ایک قوم ہے جو چین سے آگے رہتی ہے۔ جو لیلۃ المعراج میں مسلمان ہوئے۔ (مگر یہ روایت خود پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی) نمبر ۲۔ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اور ان پر انعامات:

آیت ۱۶۰: وَقَطَّعْنٰهُمُ (ہم نے ان کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا) یعنی گروہوں میں اور ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا۔ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا (بارہ خاندانوں میں) جیسا کہتے ہیں اثنتی عشرة قبیلة۔ الاسباط بیٹے کی اولاد جمع سبط۔ یہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد میں بارہ قبائل تھے۔

نحو: عشرہ تک کے علاوہ کی تمیز مفرد آتی ہے اور یہاں اسباط جمع ہے مگر یہاں مراد اثنتی عشرۃ قبیلۃ ہے اور ہر قبیلہ سبط ہے نہ کہ اسباط۔ پس یہاں قبیلہ کی جگہ اسباط کہہ دیا۔ معنی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اُمَمًا (جماعتوں کی صورت میں) یہ اثنتی عشرۃ سے بدل ہے۔ یعنی قطعناهم امما ہم نے ان کو جماعتوں میں بانٹ دیا کیونکہ ہر اسباط ایک عظیم امت تھی اور ہر ایک کا قصد کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے کہ دوسری اس کی اقتدا اور قصد کرے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (اور موسیٰ کو ہم نے حکم دیا جب ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو) پس انہوں نے مارا۔ فَانْۢبَجَسَتْ (پس پھوٹ نکلے) پس اس سے پھوٹ نکلے۔ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (اس سے بارہ چشمے) قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا مقام جان لیا) اناس جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ (اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا) تیہ میں ان پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (اور ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں) اور ہم نے ان کو کہا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا (تم کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا) ان کے ظلم کا ضرر و نقصان جو ان کے کفران نعمت کے باعث پہنچنے والا تھا۔ وہ ہم پر اثر انداز نہ تھا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اور لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے) لیکن وہ اپنے نفوس کو نقصان پہنچانے والے تھے۔ اور ان کے ظلم کا وبال انہی کی طرف لوٹنے والا تھا۔

بیت المقدس میں داخلے کا حکم:

آیت ۱۶۱: وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ (اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم اس آبادی میں جا کر رہو) اذکر و اذ قیل لهم۔ اس وقت کو یاد کرو جب ان سے کہا گیا اسكنوا هذه القرية بیت المقدس میں۔ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ (اور تم وہاں سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے توبہ اور

بخشے بخشے ورنہ دے میں داخل ہو، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے)

قراءت: مدنی اور شامی نے تغفر لکم پڑھا خطیئاتکم مدنی اور خطایاکم ابو عمرو نے خطیئتکم شامی نے پڑھا ہے۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ (اور نیک کام کرنے والوں کو مزید عنایت کریں گے)

ظالموں نے اُلٹ بات بدل دی

آیت ۱۶۲: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (پس بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اس پر ہم نے ایک آفت آسمان سے ان پر بھیجی اس وجہ سے کہ وہ ظلم کو ضائع کرتے تھے) اس میں اور دوسری آیات میں کوئی تناقض نہیں۔ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا جو اسی سورت میں ہے۔ اور اس قول میں جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا (البقرہ:۵۸) کیونکہ داخل اور سکونت پائی گئی۔ حطۃ کو دروازہ میں داخلے سے پہلے کہا ہو یا بعد میں کہا ہو مقصد یہ ہے کہ وہ دونوں باتوں کو جمع کرنے والے تھے۔ وہ جملی دونوں آیات میں بعد والا ذکر جو دینا اس کے دوسری آیات میں ذکر کر دینے کے منافی نہیں ہے۔ اور اس ارشاد الٰہی میں: نغفر لکم خطایاکم سنزید المحسنین میں درمیان کا واؤ ہے جبکہ اعراف میں واؤ کا چھوڑ دینا اس میں خلل نہیں۔ کیونکہ یہ تو مستانفہ ہے جو کسی سوال کے اس قول پر مرتب ہوتا ہے۔ کہ ماذا بعد الغفران مغفرت کے بعد کیا ہوگا۔ تو جواب دیا۔ سنزید المحسنین کہ ہم محسنین کو اور زیادہ دیں گے۔ اسی طرح منھم کا اضافہ اور ارسلنا اور انزلنا اور یظلمون اور یفسقون کے الفاظ کا بھی ایک قصہ کو ظاہر نہیں کرتا کیونکہ یہ الفاظ قریب المعنی ہیں۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي

اور آپ ان بستی کے بارے میں ان سے پوچھیں جو دریا کے قریب آباد تھی، جبکہ وہ لوگ سنیچر کے دن میں

السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ

زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پاس ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن اوپر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سنیچر کا دن نہ ہوتا

لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ

اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا

مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا

کہ کیوں تم ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک فرمانے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب، انہوں نے کہا

مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید وہ بچ جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے اس بات کو جس کی نصیحت کی جاتی تھی

عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا برے عذاب میں اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ

پھر جب ان کاموں کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جن سے منع کئے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل۔ اور آپ کے رب نے یہ بات

رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ

بتا دی کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے شخص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب چکھاتا رہے گا۔ بے شک

رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بنی اسرائیل کا شکاری گروہ اور ان کی حرکات

آیت ۱۶۳: وَسْئَلْهُمْ (اور آپ ان سے حال پوچھیں) ان یہود سے سوال کریں عَنِ الْقَرْيَةِ (اس بستی والوں کا) نمبر ا ایلہ۔ نمبر ۲۔ مدین۔ ان کے کفر و ناشکری کو مقدم کر کے یہ سوال درحقیقت ان کے کان کھولنے کے لئے ہے۔ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ

الْبَحْرِ (جو سمندر کے قریب آباد تھے) سمندر کے قریب۔ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ (جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے
تھے) جبکہ وہاں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔ اور وہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار تھا۔

نحو: اذ یعدون یہ قریہ سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔ یہاں قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں۔ گویا اس طرح فرمایا
واسئلھم عن اھل القریۃ وقت عدوانھم فی السبت یہ بدل اشتمال ہے۔ اِذْ تَاْتِیْهِمْ (جبکہ ان کے سامنے آتی
تھیں) نمبر ا۔ یہ یعدون کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۲۔ دوسرا بدل ہے۔ حِیْتَانُهُمْ (ان کی مچھلیاں) حیت حوت واو کے ماقبل کسرہ
ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل ہے۔ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا (ان کے ہفتہ کے دن ظاہر ہو کر) اس حال میں کہ وہ پانی کی سطح پر ظاہر
ہونے والی تھیں۔ شرعًا جمع شارع یہ حیتانھم سے حال بنایا۔ السبت یہ مصدر ہے۔ سبتت الیھود کہا جاتا ہے جبکہ [illegible] کا
کار ہفتہ والے دن چھوڑ کر اس کی تعظیم کریں۔ اور عبادت میں مشغول رہیں اور مطلب یہ ہے جبکہ وہ اس دن کی تعظیم کے معاملہ میں
حد سے گزر رہے تھے اور اسی طرح یوم سبتھم کا معنی ہفتہ کے معاملہ میں ان کی تعظیم کا دن اور اس پر دلالت یہ آیت کر رہی ہے۔
وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ (اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں) یہاں یوم "لا تاتیھم" کا ظرف ہے
كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (اسی طرح ہم ان کی آزمائش کرتے تھے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے) ان
کے فسق کے سبب ہم نے ان کو اس سخت آزمائش میں ڈالا۔

ثابت قدم لوگوں کی فہمائش:

آیت ۱۶۴: وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ (اور جبکہ ان کی ایک جماعت نے اس طرح کہا) اس کا عطف اذ یعدون پر ہے اور حکم اعراب
اس کا وہی اس کا ہے۔ صلحائے قریہ کی وہ جماعت جو ان کو نصیحت کر کے مایوسی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اور ان کی طرف سے
بہت تکالیف اور مشکلات بھی اٹھا چکی تھی دوسری جماعت کو کہنے لگی جو کسی صورت نصیحت سے علیحدگی اختیار کرنے کو تیار نہ تھی۔ لِمَ
تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا (کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل
ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں) انہوں نے یہ بات اس لئے نہیں کی کہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کو وعظ
فائدہ نہ دے گا۔ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ (انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کیلئے) یعنی ہماری
نصیحت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معذرت کے لئے ہے تاکہ ہمیں نہی عن المنکر میں ہماری نسبت تفریط کی طرف نہ کی جائے۔ معذرۃ کو
حفص نے نصب کے ساتھ مفعول لہ ہونے کی بناء پر پڑھا ہے۔ یعنی وعظناھم لمعذرۃ۔ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ (اور اس لئے کہ
شاید یہ ڈر جائیں) اس طمع میں کہ شاید وہ بچ جائیں۔

ترکِ نصیحت پر عذاب:

آیت ۱۶۵: فَلَمَّا نَسُوْا (سو جب وہ بھول گئے) یعنی جب اہل قریہ نے چھوڑ دیا۔ مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (اس بات کو جس کے ذریعے
ان کو نصیحت کی گئی تھی) جو صالحین نے ان کو نصیحت کی تھی۔ جیسا کہ بھولنے والا بھولی ہوئی چیز کو چھوڑتا ہے۔ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ
یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ (نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو بری بات سے روکتے تھے) سخت عذاب سے وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (اور ہم

نے پکڑ لیا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا) منکر کا ارتکاب کرنے والے اور وہ لوگ جو کہ نصیحت کرنے والے تھے وہ بھی نجات پانے والے تھے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ دو جماعتیں عذاب سے بچ گئیں اور ایک گروہ ہلاک ہوا جنھوں نے مچھلیوں کا شکار کیا تھا۔ بعذاب بئیس سخت۔ کہا جاتا ہے کہ بؤس یبؤس بأسًا جبکہ وہ زیادہ سخت ہو جائے تو بئیس کہلاتا ہے۔

قراءت: شامی نے بئس پڑھا مدنی نے بیس پڑھا۔ بئس فیعل کے وزن پر۔ ابوبکر نے حماد کے علاوہ پڑھا: بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ (کیونکہ وہ حکم عدولی کرتے تھے)

حد توڑنے پر سزائے مسخ:

آیت ۱۶۶: فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ (جب وہ اس کام میں حد سے نکل گئے جس سے ان کو روکا گیا تھا) اسکو چھوڑنے سے جو منع کیا گیا تھی۔ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ) یعنی ہم نے ان کو ذلیل بندر بنا دیا۔ اس حال میں کہ وہ ذلیل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے والے تھے۔ فلما عتوا یہ فلما نسوا کی تکرار ہے۔ اور عذاب بئیس مسخ کا عذاب تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ نوجوان بندر بن گئے اور بوڑھے [illegible] تھا۔ وہ اپنے اقارب کو پہچانتے تھے اور روتے تھے مگر کلام نہ کر سکتے تھے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ وہ تین دن بعد مر گئے بعض نے کہا کہ وہ باقی رہے اور ان کی نسل چلی۔

سزا یافتہ یہود:

آیت ۱۶۷: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ (اور وہ وقت یاد کرو چاہیے جب آپ کے رب نے یہ بات جتلا دی) جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا۔ اس کو فعل قسم کی جگہ بنایا گیا اس لیے جواب میں قسم والا معاملہ کیا گیا۔ کہ لام تاکید اور نون ثقیلہ لائے۔ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ (وہ ضرور ان پر مسلط کرتا رہے گا) یعنی اس نے اپنے ذمے لیا کہ وہ یہود پر ضرور دوسروں کو مسلط کریں گے۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ (جو ان کو قیامت کے دن تک تکلیف دیتا رہے گا) جو ان پر ڈالے گا سُوْٓءَ الْعَذَابِ (سخت سزائی) وہ مجوس کو جزیہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بھیجا آپ نے بھی ان پر جزیہ مقرر فرمایا۔ اور آخری زمانے تک لگایا جائے گا۔ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ (بیشک آپ کا رب جلدی ہی سزا دے دیتا ہے) کفار کو۔ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور بلا شبہ وہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے) ایمان والوں کیلئے۔

تحقیق: دون ذلک محل رفع میں ہے یہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ یعنی ان میں سے ایک گروہ بھلائی سے گرا ہوا ہے۔
تقدیر عبارت منهم ناس دون ذلک منحطون عن الصلاح وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ (اور ہم ان کو آزماتے
رہے خوشحالیوں اور بدحالیوں سے) ذرا متنبہ ہوئے یعنی ان کو ثواب دیا جائے گا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (شاید کہ وہ باز آجائیں)

نالائقوں کی آمد:

آیت ۱۶۹: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (پھر ان کے بعد جانشین ہوئے) ان مذکورین کے بعد خَلْفٌ (ناخلف لوگ) یہ وہ لوگ ہیں
جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ خلف نالائق اور خلف لام کے فتحہ کے ساتھ لائق جانشین کو کہتے ہیں۔ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ
(جنہوں نے ان سے کتاب کو حاصل کیا) تورات اور اس کے اوامر و نواہی کی اطلاع پائی اور حلال و حرام کو جانا مگر اس پر عمل نہ کیا۔
يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى (یہ لوگ دنیا کے حقیر مال کو لے لیتے ہیں) یہ ورثوا کی ضمیر سے حال ہے۔ العرض۔ سامان دنیا
اس چیز کا حقیر ہے مراد اس سے دنیا اور اس کی اشیاء ہیں۔ یہ الدنو سے ہے جس کا معنی قرب ہے کیونکہ وہ جلد آنے والی قریب
ہے۔ اور اس سے مراد حکام کے مسند میں لے جانے والی رقم اور اسی طرح کلمات کی تحریف پر جانے والا مال مراد ہے۔ هذا
الادنی کہہ کر اس چیز کی خست اور تحقیر ظاہر فرمائی۔ وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا (اور کہتے ہیں ہماری مغفرت ہو جائے گی) جو ہم لیں
اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔ نمبر۱۔ فعل کی اسناد لاخذ کی طرف ہے۔ نمبر۲۔ جار مجرور کی طرف یعنی لنا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ
عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ (حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی سامان دنیا آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں) واؤ حالیہ ہے۔ کہ ایک
طرف مغفرت کے مدعی اور دوسری طرف قبیح افعال پر اصرار کرنے والے اور ان کو بار بار لوٹانے والے۔ اور اس سے توبہ نہ
کرنے والے۔ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ (کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا پختہ عہد نہیں لیا گیا) یعنی وہ میثاق جو
کتاب میں مذکور ہے۔ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (کہ اللہ کی طرف حق بات کے سوا اور کسی بات کی نسبت نہ کریں)
یعنی ان سے یہ میثاق لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچی بات کہنا۔ یہ میثاق کتاب کا عطف بیان ہے۔ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (اور انہوں
نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا) انہوں نے کتاب میں جو کچھ ہے وہ پڑھا اس کا عطف الم یوخذ علیھم پر ہے کیونکہ
یہ تقریر ہے گویا تقدیر عبارت یہ ہے اخذ علیھم میثاق الکتاب و درسوا ما فیہ ان سے کتاب میں میثاق لیا گیا اور انہوں
نے جو کچھ اس کتاب میں تھا وہ پڑھا۔ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ (اور آخرت والا گھر بہت بہتر ہے) اس حقیر سامان سے لِّلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ (ان لوگوں کیلئے جو پرہیز کرتے ہیں) رشوت اور حرام کاموں کے ارتکاب سے بچتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (پھر کیا تم نہیں
سمجھتے) کیا وہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات اسی طرح ہے۔
قراءت: مدنی و حفص نے تعقلون تاء سے پڑھا ہے۔

حاملین کتاب کا اجل بدلہ ہیں:

آیت ۱۷۰: وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ (اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں) قراءت: ابوبکر نے یُمْسِکُوْن پڑھا ہے اور
الامساک اور التمسک کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنا اور اس سے چمٹنا۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز کی پابندی کرتے ہیں) یہاں

نماز کو خاص کر ذکر کیا باوجود اس کے کہ تمسک بالکتاب تو ہر عبادت کو شامل ہے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے۔

نحو: : نمبرا۔ الذین مبتداء ہے اور انا لا نضیع اس کی خبر ہے۔ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (ہم ان اصلاح والوں کا ثواب ضائع نہیں کریں گے) یعنی ہم ان کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔ نمبر۲۔ جائز ہے کہ یہ مجرور ہو اس صورت میں اس کا عطف الذین یمسکون پر ہوگا۔ اور انا لا نضیع جملہ معترضہ ہوگا۔

بنی اسرائیل کی تیسری حماقت اور سزا:

آیت ۱۷۱: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر معلق کر دیا) اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے اس کو اکھاڑا اور ان پر بلند کیا جیسا کہ ارشاد ہے ورفعنا فوقہم الطور (النساء: ۱۵۴) كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ (چھت کی طرح) ظلہ ہر وہ چیز جو تم پر سایہ کرے۔ جیسے چھپر یا بادل۔ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ (اور ان کو یقین ہوا کہ اب وہ ان پر گرا چاہتا ہے) انہوں نے گرنے کا یقین کر لیا اور یہ اس وجہ سے پیش آیا کہ انہوں نے تورات کے احکام سخت ہونے کی بناء پر ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ان کو بوجھل سمجھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو ان پر لشکر کی مقدار کے مطابق بلند کر دیا۔ اور وہ ایک فرسخ ۳x۳ میل تھا۔ اور انہیں کہہ دیا گیا کہ اگر تم تورات کے احکام قبول کرتے ہو تو ٹھیک ورنہ یہ تم پر گرا دیا جائے گا۔ جب انہوں نے یہ نظارہ دیکھا تو ہر آدمی بائیں ابرو پر گر پڑا اور دائیں آنکھ سے پہاڑ کو دیکھ رہے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں ان پر آ گرے اس لیے تو یہودی بائیں ابرو پر سجدہ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ وہی سجدہ ہے جس کی وجہ سے ہم سے سزا کو ہٹایا گیا۔ اور ہم نے انہیں کہا کہ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ (قبول کرو جو احکام اس میں ہیں) یعنی کتاب بِقُوَّةٍ (مضبوطی کے ساتھ) اس کی تکالیف اور مشقتوں کو برداشت کرنے کا عزم کرتے ہوئے۔ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ (اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو) اوامر و نواہی اور ان کو مت بھلاؤ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم متقی بن جاؤ) جس پر تم ہو۔

پر دلائل کا قائم کرنا اور جس سے وہ مشابہ ہوں دوسروں کے ساتھ تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے اعراض کرنے کے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور دوسری آباء کی اقتداء جس طرح آباء کا کوئی عذر شرک کے سلسلے میں قابل سماعت نہیں اس کے دلائل تو حیوان کے لئے بھی قائم تھے۔ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) وہ ہمارے لیے شرک کا باعث تھے کیونکہ انہوں نے شرک کی بنیاد رکھی اور ہمارے لیے طریقہ چھوڑا۔

آیت ۱۷۴: وَكَذٰلِكَ (اور اسی طرح) اس بلیغ تفصیل کے بعد نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ (ہم آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں) ان کے لیے وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (اور تا کہ وہ باز آجائیں) اپنے شرک سے ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں۔ اہل تفسیر میں سے محقق علمائے تفسیر نے یہی تفسیر کی ہے جن میں شیخ ابو منصور ؒ، زجاج، زمخشری ہیں۔ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت آدم کو آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں جیسی چھوٹی شکلیں دے کر نکالا اور ان سے میثاق ربوبیت اس قول سے لیا۔ الست بربکم پس انہوں نے بلیٰ سے جواب دیا۔ علماء نے فرمایا یہی وہ فطرت ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا۔

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور آدم کو انہیں چیونٹیوں جیسی چھوٹی شکل میں دکھایا۔ اور ان کو عقل عنایت فرمائی اور فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ میں ان سے عہد لوں گا کہ وہ میری عبادت کریں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دخول جنت سے قبل مکہ و طائف کے درمیان پیش آیا ایک اور قول یہ ہے کہ جنت سے اترے جانے کے بعد۔ ایک قول یہ ہے کہ جنت میں پیش آیا۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من بنی آدم من ظہورھم تم فرمایا من ظہور آدم نہیں فرمایا اور دوسری بات یہ ہے کہ جب ہمیں یاد نہیں تو پھر ہماری دلیل کیسے بنے گی۔

قراءت: ذریاتھم مدنی، بصری، شامی نے پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے ان تقولوا او تقولوا پڑھا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ تو زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ

سو اس کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجئے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے ایک عالم کا قصہ:

آیت ۱۷۵: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (اور ان کو پڑھ کر سنائیں) یہود پر نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا (اس کا حال جس کو ہم نے اپنی آیات دیں) یہ بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بلعم بن باعوراء تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب کا علم ملا۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا (پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا) وہ ان آیات سے اس طرح نکل گیا کہ اس نے ان کا انکار کر دیا۔ اور ان آیات کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ (پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا) شیطان اس کو پیچھے سے ملا اور اس کو آ لیا اور اس کا ساتھی بن گیا۔ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (پس وہ گمراہ لوگوں میں سے ہو گیا) وہ گمراہ کفار میں سے ہو گیا۔ روایت میں ہے کہ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرے۔ مگر اس نے انکار کر دیا لیکن وہ اس کے پیچھے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے بددعا کر دی اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔

آیت ۱۷۶: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ (اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کر دیتے) علماء و ابرار کے مقامات کی طرف بِهَا (ان آیات کی وجہ سے) ان آیات کے ساتھ وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا) وہ دنیا کی طرف مائل ہوا اور اس میں خوب رغبت ظاہر کی۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا) دنیا اور اس کی لذات کو آخرت اور اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں ترجیح دینے لگا۔

خواہش پرستی میں کتے کی مثال:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ (اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی اگر تو اس پر حملہ کرے) ڈانٹے اور دھتکارے يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ (تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے) بغیر دھتکارے يَلْهَثْ (تب بھی ہانپے) مطلب یہ ہے کہ یہ اپنی خست اور کمینگی میں کتے کی طرح ہے جو اپنی انتہائی قبیح حالت وصورت میں ہو۔ اور وہ حالت اس کا ہمیشہ ہانپنا ہے اس پر حملہ آور ہوں اور جھڑک کر اس کو دھتکار دیں یا بلا تعرض اس کو چھوڑ دیں اور یہ اس طرح ہے تمام حیوانات اس وقت ہانپتے ہیں جب وہ حرکت کریں مگر کتا سب سے مختلف ہے کہ دونوں حالتوں میں ہانپتا ہے کلام کا تقاضا یہ تھا کہ کہا جاتا: لکنه اخلد الی الارض فحططناه ووضعنا منزلته لیکن وہ زمین کی طرف مائل رہا پس ہم نے ان کو گرا دیا اور اس کے مرتبے کو گرا دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بجائے یہ تمثیل رکھ دی۔ جو کہ اس مقصد کو زیادہ بلیغ انداز میں پیش کرتے اور دیگر کئی فوائد پر مشتمل ہے۔

نَحْو: جملہ شرطیہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے گویا اس طرح کہا گیا کمثل الکلب ذلیلاً دائم اللھث فی الحالین کتے کی طرح ہمیشہ ذلیل اور دونوں حالتوں میں ہانپنے والا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب بلعم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بددعا کی تو اس کی زبان نکل آئی اور اس کے سینے پر لٹکنے لگی اور وہ اسی طرح ہانپنے لگا جس طرح کتا ہانپتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ ہے اس کو نصیحت کرو یا چھوڑ دو فائدہ نہ دارد۔ عطاء کہتے ہیں کہ جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل نہ کیا وہ کتے کی طرح ہے اس کو دھتکارو یا چھوڑ دو بھونکتا ہے۔ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) یہود میں سے اس کے باوجود کہ انہوں نے تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھیں۔ اور قرآن مجید کا تذکرہ اور جو کچھ اس میں ہے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قرب کی لوگوں کو بشارتیں دیں۔ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ (پس آپ ان حالت کو بیان کر دیں) یعنی بلعم کا واقعہ جوان کے واقعات کی طرح ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (شاید کہ وہ لوگ کچھ سوچیں) پس اس انجام سے خائف ہو جائیں جبکہ وہ اس جیسی سیرت اختیار کریں۔

جھٹلانے والوں کا برا انجام:

آیت ۱۷۷: سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں) یعنی قوم کی مثال۔ مضاف کو حذف کر دیا۔ ساء کا فاعل ضمیر ہے یعنی ساء المثل مثلاً اور مثلاً تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (اور وہ اپنا نقصان کرتے ہیں) اس کا عطف کذبوا پر ہے۔ نمبر ۱: یہ صلہ کی جگہ میں داخل ہو جائے گی۔ یعنی الذین جمعوا بین التکذیب بآیات اللہ و ظلم انفسھم وہ لوگ جنہوں نے تکذیب آیات اور ظلم انفس کو جمع کیا نمبر ۲۔ صلہ سے منقطع ہو تو ما ظلموا الا انفسھم بالتکذیب انہوں نے تکذیب سے اپنے ہی نفسوں پر ظلم کیا۔ مفعول کو مقدم، اختصاص کے لیے کیا۔ یعنی خصوا انفسھم بالظلم ولم یتعد الی غیرھا انہوں نے اپنے نفسوں کو ظلم کے ساتھ خاص کر لیا اور ظلم ان سے آگے دوسروں کی طرف نہ بڑھا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ

اور تحقیق ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو، ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں،

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

بلکہ یہ ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں۔

طالبین ہدایت کو ہدایت ملتی ہے:

آیت ۱۷۸: مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے پس ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے) لفظ پر محمول کیا وَمَنْ يُّضْلِلْ (اور جس کو وہ گمراہ کر دے) جس کو وہ گمراہ کرے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (پس ایسے ہی لوگ خسارہ میں رہتے ہیں) اس کو معنی پر محمول کیا جائے اگر بقول معتزلہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف بیان کا نام ہو تو کافر و مؤمن برابر ہوتے۔ کیونکہ بیان دونوں کے حق میں ثابت ہونے والا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور معونت اور عصمت ہوتی ہے اگر یہ کافر کو حاصل ہو جائے تو وہ راہ ہدایت پائے جیسا مؤمن پاتا ہے۔

دوزخی لوگوں کا مزاج' دل' آنکھ' کان کو صحیح استعمال نہیں کرتے:

آیت ۱۷۹: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (اور ہم نے بہت سے جن وانس کو دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے) اور دونوں فریق کفار ہیں جو اللہ کی آیات میں تدبر سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اختیارِ کفر معلوم ہے۔ یعنی ان سے کفر کو چاہا اور ان میں اس کو پیدا کیا اور اسی وجہ سے ٹھکانہ جہنم بنا دیا اس آیت اور دوسری آیت میں کوئی منافات نہیں: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۶) کیونکہ ان میں سے عبادت کے لیے ان کو پیدا کیا جن کے متعلق جانا کہ وہ اس کی عبادت کریں گے اور جن کے بارے میں جانا کہ وہ کفر کریں گے پس ان کو اس کے لیے پیدا کر دیا جس کے متعلق جانا۔ یعنی خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جن کے متعلق ازل میں علم الٰہی ٹھہر چکا کہ اس سے عبادت ہوگی اس کو عبادت کے لئے پیدا کر دیا اور جن کے بارے میں ازل میں جانا کہ اس سے کفر ہوگا اس کو اس کے لئے پیدا کر دیا بعض نے کہا عام بول کر خاص مراد لیا جاتا ہے۔ باقی رہا معتزلہ کا یہ قول کہ لام یہاں عاقبت کا ہے۔ یعنی جن کا انجام جہنم تھا اسی طرح کر دیا گویا ان کی خلقت جہنم کے لیے کی گئی ہے

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ

اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو تم ا سے ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

عنقریب ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

قول صرف ارادہ معاصی سے فرار اختیار کرنے اور آیت کو ظاہر سے موڑنے کا راستہ ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (ان کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے) حق کو اور نہ ہی اس میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا (اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے) رشد کو وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا (اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سنتے) وعظ و نصیحت کو اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں) بعدم تفقہ اور عبرت حاصل نہ کرنے میں اور تفکر کی خاطر کان نہ لگانے میں بَلْ هُمْ اَضَلُّ (بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں) چوپایوں سے۔ کیونکہ انہوں نے عقول کی تعطیل کی اور رسولوں سے معاندت کی اور فضولیات کے پیچھے پڑے رہے۔ پس چوپایوں کے منافع طلب کیے جاتے ہیں اور ان کے نقصانات سے بچا جاتا ہے اور یہ اپنے نقصان ہی سے واقف نہیں۔ اس لئے انہوں نے آگ کو پسند کرلیا اور ذرا سوچو مکلف ذمہ دار اور معذور قرار دے کر چھوڑا ہوا کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔

انسان کی چار اقسام:

انسان کی چار اقسام ہیں۔ نمبر ۱۔ انسان روحانی۔ نمبر ۲۔ شہوانی نمبر ۳۔ سماوی نمبر ۴۔ ارضی۔

نمبر ۱۔ انسان روحانی اگر روح خواہش پر غالب آجائے تو ملائکہ سے بھی بڑھ جائے۔ نمبر ۲۔ شہوانی خواہش روح پر غالب آجائے تو بہائم سے بھی نیچے اتر جائے۔ نمبر ۳۔ سماوی اگر روح غلبہ پا کر آسمان کی طرف پرواز کرنے کے قابل ہو جائے۔ نمبر ۴۔ ارضی۔ شہوات غلبہ پا کر زمین ہی کا بن کر رہ گیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (یہ لوگ غافل ہیں) وہ غفلت میں کامل ہیں۔

آیت ۱۸۰: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں) اللہ تعالیٰ کے نام سب سے اچھے ہیں کیونکہ وہ اچھے معانی پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ نمبر ۱۔ جن کا وہ حقدار ان کے حقائق کی وجہ سے ہے مثلاً القدیم ہر چیز سے پہلے الباقی ہر چیز کے بعد القادر ہر چیز پر قابو پانے والا۔ العالم ہر چیز کو جاننے والا۔ الواحد وہ اکیلا جس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ نمبر ۲۔ دوسری قسم وہ نام جنکے نفوس آثار کی وجہ سے مستحسن قرار دیتے ہیں۔ مثلاً الغفور الرحیم الشکور الحلیم۔ نمبر ۳۔ ایسے اسماء جن کو اپنانا واجب ہے مثلاً المفضل المنعم۔ نمبر ۴۔ ایسے نام جو احوال کی نگہبانی کو لازم کرتے ہیں۔ مثلاً السمیع البصیر المقتدر۔ نمبر ۵۔ وہ نام جو اجلال کو لازم کرتے ہیں۔ مثلاً العظیم الجبار المتکبر۔ فَادْعُوْهُ بِهَا (پس انہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارا کرو) یعنی انہی کے یہی نام ہو۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ (اور ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے

حجیت اجماع:

مسئلہ: اس میں دلالت ہے کہ ہر زمانے کے اہل حق کا اجماع حجت ہے۔

مکذبین کو موقعہ بموقعہ پکڑ لیں گے:

آیت ۱۸۲: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو آہستہ آہستہ لے جا رہے ہیں) ان کو بتدریج آہستہ آہستہ اتار رہے ہیں۔ ایسی چیز کی طرف جو ان کو ہلاک کر دے گی۔ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں) کیا مقصود اس سے ہے اور وہ اس طرح کہ گمراہی میں انہماک کے باوجود ان پر متواتر انعامات کرے۔ جب نئی نعمت آئے تو ان کا تکبر بڑھ جائے۔ اور ان کی معصیتیں جدید ہو جائیں۔ پھر وہ معاصی میں درجہ بدرجہ اترتے جائیں۔ پے در پے انعام کی وجہ سے یہ گمان کر کے کہ متواتر انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترجیح اور قرب کی بناء پر ہیں حالانکہ وہ رسوائی اور رحمت سے دور بناتا ہے۔ یہ درجہ سے باب استفعال ہے۔ استصعاد یا استنزال درجة بعد درجة درجہ بدرجہ چڑھانا یا اتارنا کہ خبر بھی نہ ہو۔

امہال مجرمین:

آیت ۱۸۳: وَاُمْلِيْ لَهُمْ (اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں) اس کا سنستدرجهم پر عطف ہے مگر سین کے حکم میں داخل نہیں۔ اس لیے اس کا معنی امهلهم میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے) میری پکڑ سخت ہے۔ اس کو کید سے تعبیر کیا کیونکہ یہ کید کے مشابہ ہے کہ ظاہر میں یہ احسان اور حقیقت میں خسران اور نقصان ہے۔

آیت ۱۸۴: جب کفار نے نبی اکرم ﷺ کی نسبت جنون کی طرف کی تو یہ آیت اتری۔

کفار کے اعتراض جنون کا جواب:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ (کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو نہیں ہے) محمد ﷺ۔ ما نافیہ ہے وقف کے بعد یعنی کیا وہ اپنی بات کو نہیں سوچتے۔ پھر جنون کی آپ ﷺ سے نفی فرمائی۔ مِّنْ جِنَّةٍ (ذرا بھر جنون) جنۃ کا معنی جنون ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (وہ تو صرف ایک صاف ڈرانے والے ہیں) آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منذر اور اس کے انذار کو واضح کرنے والے ہیں۔

غور کر کے انہیں حق کی تلاش اور اپنے تئیں عذاب سے بچاؤ تلاش کرنا چاہیے:

آیت ۱۸۵: اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا (کیا انہوں نے غور نہیں کیا) دلیل حاصل کرنے کی نظر سے فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان و زمین کی حکومت میں) ملکوت عظیم بادشاہی۔ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں) اور جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ اور جس پر شئی کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ اپنی ان کثرت اجناس و اعداد کے ساتھ وَّاَنْ عَسٰٓى (کہ ممکن ہے) یہ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور اصل اس طرح ہے اَنَّهٗ عسٰى ضمیر شان ہے اور ملکوت پر عطف کی وجہ سے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر

اِلَّا هُوَ ڪ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ

وہی ظاہر فرمائے گا وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری بن جائے گی تمہارے پاس وہ اچانک ہی آ جائے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کے بارے میں تحقیق

عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷

معلومات حاصل کر چکے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

موضع جر میں واقع ہے مطلب یہ ہے کیا وہ غور نہیں کرتے اس بات میں کہ حالت و بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ (کہ ان کا وقت مقررہ قریب آ پہنچا ہو) شاید کہ وہ جلدی مر جائیں پس ان کو غور میں جلدی کرنی چاہیے اور حق کی تلاش اور اس چیز کو جو انکو اچانک موت اور عذاب کے نازل ہونے سے پہلے بچا سکتی ہو۔ جلد اختیار کرنا چاہیے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (پھر قرآن کے بعد کس بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے) ہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ یؤمنون جب کہ وہ ایمان نہ لائیں یہ عسٰی ان یکون قد اقترب اجلهم کے متعلق ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ لعل اجلهم قد اقترب فما لهم لایبادرون الایمان بالقرآن قبل الموت و ماذا ینتظرون بعد وضوح الحق ۔ وبای حدیث احق منه یریدون ان یؤمنوا ۔ شاید کہ ان کا وقت مقررہ قریب ہو پس انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن پر موت سے پہلے ایمان لانے میں جلدی نہیں کرتے؟ حق ظاہر ہو جانے کے بعد اب یہ کس چیز کے منتظر ہیں۔ اس سے زیادہ لائق کون سی بات ہے جس پر وہ ایمان لا سکتے ہیں۔

گمراہ راہ پر نہیں آ سکتا:

آیت ۱۸۶: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا) یعنی اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے۔ وَيَذَرُهُمْ (اور وہ ان کو چھوڑ دیتا ہے) قراءت: عراقی نے یا سے پڑھا ہے اور حمزہ و علی نے محل فلا هادی له پر عطف کر کے یذرهم جزم سے پڑھا ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہے من یضلل الله لا یهده احد و یذرهم رفع کی صورت میں جملہ مستانفہ ہے اور ویذرهم سے باقی قراء نے نذرهم پڑھا ہے۔ فِيْ طُغْيَانِهِمْ (ان کی گمراہی میں) اپنے کفر میں يَعْمَهُوْنَ (وہ بھٹکتے پھریں) حیران ہیں۔

وقوع قیامت کا سوال:

آیت ۱۸۷: جب یہود یا قریش نے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی تو یہ آیت اتری۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ (یہ لوگ آپ

سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں) یہ قیامت کے اسمائے غالبہ میں سے ہے جیسے ثریا کو نجم کہتے ہیں۔ نمبر۱۔ قیامت کو ساعۃ کہنے کی وجہ اس کا اچانک آنا ہے۔ نمبر۲۔ اس میں بہت جلد حساب ہوگا۔ نمبر۳۔ قیامت اپنی طوالت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق کی ایک ساعت کی طرح ہے۔ اَیَّانَ (کہ کب ہوگا) کب یہ ای سے اشتقاق کیا گیا ہے اس کا وزن فعلان ہے کیونکہ اس کا معنی ای وقت؟ ہے مُرْسٰهَا (اس کا وقوع) اس کا تکرار انداز ہونا آتا ہے یہ المدخل کی طرح مصدر میمی ہے۔ ارسال کے معنی میں ہے۔ مراد وقت ارساھا ای اثباتها اس کے ثابت ہونے کا وقت مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کب قائم فرمائیں گے۔

وقوعِ قیامت کا علم فقط اللہ کو ہے:

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (آپ فرما دیں کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے) یعنی اس کی آمد کا وقت اس نے اپنے پاس رکھا ہے۔ کسی ملک مقرب یا نبی مرسل کو بھی خبر نہیں دی تا کہ یہ بات اطاعت کی طرف زیادہ رغبت کا سبب بنے۔ اور معصیت سے زیادہ رکاوٹ لائے جیسا کہ خاص وقت مقررہ موت بالکل مخفی ہے۔ اسی لیے لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کریگا) اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے وہی اس کے معاملے کو ظاہر کرے گا۔ اور اس کے مخفی علم کو منکشف کرے گا۔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہ آسمان و زمین کا سب سے بھاری حادثہ ہوگا) آسمان و زمین کے رہنے والے خواہ ملائکہ ہوں یا ثقلین ان کے لیے قیامت کا معاملہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہر ایک ان میں سے اس بات کو متمنی ہے کہ اس کو اس کا علم ہو جائے۔ اس کا مخفی رہنا ان پر بڑا گراں اور بھاری ہو رہا ہے۔ نمبر۲۔ آسمان و زمین میں قیامت بھاری ہے کیونکہ آسمان و زمین کے رہائشی اس کے احوال و شدائد سے ترساں و لرزاں ہیں۔ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (وہ تم پر اچانک ہی آپڑے گی) اچانک تمہاری غفلت کی حالت میں۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا (وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں) گویا کہ آپ اس کو جانتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے گویا آپ اس کے متعلق مبالغہ سے دریافت کرنے والے ہیں۔ جو کسی مسئلہ کے متعلق سوال میں مبالغہ کرتا ہے اور اس کے متعلق غور کرتا ہے اس چیز کے متعلق اس کا علم مستحکم ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب کا مقصد مبالغہ ہے اسی سے احفاء الشارب ہے نمبر۲۔ عنها یہ یسئلونك کے متعلق ہے یسئلونك عنها كانك حفي عالم بها وہ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کا علم رکھنے والے ہیں۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (آپ فرما دیں کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے) یسئلونك کو دوبارہ لائے اور انما علمها کانک حفی عنها کے لئے تاکید اضافہ کے لیے ہے۔ اسی لیے علماء کے نزدیک کتابوں میں مکررات قاعدہ سے خالی نہیں۔ جیسا محمد بن الحسن کی مکررات وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) اس ہی کو خاص طور پر اس کا علم ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا۔ اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ

تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

رکھتے ہیں۔

علم و اختیار کی نفی کا اعلان:

آیت ۱۸۸: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (آپ کہہ دیں کہ میں خود اپنی ذات خاص کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا مگر اتنا جتنا اللہ نے چاہا) اس میں اظہار عبودیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے جو علم خاص ہے اس سے براءت کا اظہار ہے۔ یعنی میں تو ایک کمزور بندہ ہوں اپنے نفس کے لیے جلب منفعت اور دفع مضرت کا دوسرے بااختیار غلاموں کی طرح نہیں رکھتا۔ مگر جو میرے لیے نفع دینا اور نقصان دور کرنا چاہے۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (اور اگر میں غیب کی چیزیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی تکلیف مجھ کو نہ پہنچتی) خیر کی کثرت چاہنے اور تکلیف و نقصان سے بچنے میں میری حالت موجودہ حالت سے بہتر ہوتی۔ یہاں تک کہ ان تکالیف میں سے کوئی چیز مجھے نہ پہنچتی اور نہ ہی لڑائیوں میں ایک مرتبہ غالب اور دوسری مرتبہ مغلوب ہوتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الغیب سے مراد موت کا وقت اور الخیر سے مراد عمل اور السوء سے پریشانی و خوف مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ لاستکثرت کے معنی میں قحط کے لئے خوشحالی تیار کر لیتا۔ السوء سے فقر مراد ہے اور تردید فرمائی اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (میں تو صرف ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں) میں تو ایک بندہ ہوں جس کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میری شان نہیں کہ میں غیب کو جانوں۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں) اس میں لام نذیر و بشیر کے متعلق ہے کیونکہ انذار اور بشارت ایمان والوں کو ہی فائدہ پہنچانے والی ہے۔ یا صرف بشیر کے متعلق ہے اور نذیر کا متعلق محذوف ہے یعنی الا نذیر للکافرین۔ کافروں کے لیے ڈرانے والا اور بشیر لقوم یؤمنون اور مؤمنوں کو بشارت سنانے والا۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب

تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ

اس نے جوڑے کو ڈھانپ لیا تو حمل ہو گیا اسے ہلکا سا حمل، پھر وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے کہ اگر

اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرمایا تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو جو چیز اللہ نے ان کو عطا فرمائی اس میں اس کے

فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

لیے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ برتر ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔

آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام کی پیدائش:

آیت ۱۸۹: هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (وہی ہے جس نے تم کو ایک جسم سے پیدا کیا) وہ آدم کی ذات ہے وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا) حوا۔ ان کو آدم کے جسم کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے پیدا فرمایا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (تاکہ وہ اپنے اس جوڑے سے انس حاصل کرے) تاکہ وہ مطمئن اور مائل ہوں کیونکہ جنس جنس کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ وہ اس کا ایک حصہ ہو جیسا کہ انسان اپنے بیٹے سے مانوس ہوتا ہے اور اس سے اس طرح محبت کرتا ہے جیسا اپنی جان سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کا ٹکڑا ہے۔

نحو: لیسکن الیھا کو مذکر لائے۔ جبکہ دوسری آیت میں مؤنث لائے واحدۃ و خلق منھا زوجھا معنیٰ کا لحاظ کر کے تاکہ واضح ہو جائے کہ مراد اس سے آدم کی ذات ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا (پھر جب خاوند نے اپنی بیوی سے قربت کی) اس سے قربت کی حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا) وہ اس پر آسان ہے اور اس کو وہ کرب و تکلیف کی صورت پیش نہیں آئی۔ جو بعض حوامل کو پیش آتی ہیں۔ اور نہ اس کو بوجھل کیا۔ جیسا دوسری عورتیں بوجھل ہوتی ہیں۔ فَمَرَّتْ بِهٖ (پس وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی) ولادت کے وقت تک اس کو لئے کر چلتی رہی بغیر کسی گرانی اور اتمام کرنے کے بغیر۔ حملت حملا خفیفا سے حالت نطفہ مراد ہے مرت بہ سے اٹھنا بیٹھنا مراد ہے۔ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ (پھر جب وہ بوجھل ہو گئی) جب اس کے حمل کے بوجھ کا وقت قریب آیا۔ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا (دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے جو ان کا رب ہے دعا کرنے لگے) آدم و حوا نے اپنے رب کو پکارا۔ وہ مالک جس کو ان پر پورا اختیار ہے۔ اور وہ پکارے جانے کے لائق ہے۔ اور اسی سے یہ دعا کی جاتی ہے تو دونوں نے کہا: لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا (اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم بچہ دیا) کہ اللہ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرمایا۔ نمبر۲۔ بیٹا دیا کیونکہ نر پیدا ہوا

بھی صلاح میں داخل ہے لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (تو ہم بڑے شکر گزار رہیں گے) تیرے شکر گزار ۔ اٰتَيْتَنَا اور لَنَكُوْنَنَّ کی ضمیر ان دونوں کی طرف راجع ہے اور ہر اولاد والے کی طرف راجع ہے۔

فرد سے جنس کی طرف التفات:

آیت ۱۹۰: فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا (پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم اولاد دے دی) ان کو وہ دیا جو انہوں نے تندرست و سالم بچہ مانگا۔ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ (تو دونوں اللہ کا شریک قرار دینے لگے) یعنی ان کی اولاد نے اس کے لیے شریک بنائے۔

نحو: مراد مضاف محذوف ہے۔ اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا (اللہ کی دی ہوئی چیز میں) یعنی ان کی اولاد کو جو دیا اس کی دلیل آیت کا یہ حصہ۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پس اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے) ہے اس لئے کہ ضمیر جمع کی لائی گئی اور اس لیے بھی کہ آدم و حوا علیہما السلام شرک سے بری ہیں۔ ۔ اور اشراکہم فیما آتاھم اللّٰہ سے مراد اولاد کے نام عبد العزیٰ، عبد مناف، عبد شمس وغیرہ رکھے حالانکہ اس کی بجائے عبد اللہ عبد الرحمن، عبد الرحیم ہونے چاہیے تھے۔

نمبر۲۔ یہ خطاب قریش کو ہے جو عہد رسول اللہ ﷺ میں تھے وہ اولاد قصی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ ذات جس نے ایک نفس (قصی) سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے عربی قریشی بیوی اس کو دی تاکہ اس کو سکون حاصل ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلوبہ صحیح سالم بیٹا عنایت کر دیا تو اس اولاد میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے لگے۔ اپنی چاروں اولاد کے نام شرکانہ رکھ دیے۔ عبد العزیٰ، عبد مناف، عبد قصی، عبد الدار۔ اَيُشْرِكُوْنَ میں ضمیر ان دونوں کی طرف راجع ہے کیونکہ ان دونوں کے پیچھے ان کی اولاد نے شرک میں ان کی اتباع کی۔

قراءت: شِرْكًا مدنی و ابوبکر نے پڑھا ہے یعنی ذوی شرک یا ادوات شرکا دیں۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

خالق کے ساتھ مخلوق کو شریک کرلیا:

آیت ۱۹۱: أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا (کیا وہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنا نہ سکیں) یعنی بت وَهُمْ يُخْلَقُونَ (اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہیں) یہاں اصنام کو اہل علم کے قائم مقام رکھا گیا کیونکہ انکا اعتقاد بتوں کے متعلق اسی طرح تھا۔

مطلب یہ ہے کیا وہ ان کو شریک کرتے ہیں۔ جو کسی چیز کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حالانکہ وہ پیدا کیے گئے ہیں کیونکہ ان کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ نمبر۲۔ ھم بمخلوقوں کی ضمیر عابدین کی طرف لوٹتی ہے یعنی کیا ان کو شریک کرتے ہیں جو ذرہ بھر پیدا نہیں کر سکتے۔ اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ پس ان کے لیے مناسب ہے کہ اپنے خالق کی عبادت کریں۔ نمبر۳۔ عابدین معبودین دونوں کی طرف راجع ہے اور عابدین کو غلبہ دے کر تمام کو اولوا العلم قرار دیا۔

اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے:

آیت ۱۹۲: وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا (اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے) اپنے عابدین کے لیے وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ (اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے) کہ جس سے اپنے اوپر آنے والے حوادث توڑ پھوڑ کا بچاؤ کریں بلکہ ان کے پجاری ان سے یہ حوادث دور کرتے ہیں۔

اگر بتوں کو پکارو وہ اس پکار تک نہ پہنچ سکیں:

آیت ۱۹۳: وَإِن تَدْعُوهُمْ (اور اگر تم ان کو پکارو) اگر تم ان بتوں کو بلاؤ إِلَى الْهُدَىٰ (بات بتلانے کیلئے) جو کہ ہدایت و رشد ہے نمبر۲۔ اس بات کے لیے کہ تمہاری راہنمائی کریں یعنی تم ان سے خیر و ہدایت اسی طرح طلب کرو۔ جیسا اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہو۔ لَا يَتَّبِعُوكُمْ (وہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے) یعنی تمہاری مراد اور طلب کی طرف وہ تمہیں جواب نہیں دے سکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ تمہیں جواب دیتے ہیں۔

قراءت: لا یتبعوکم نافع نے پڑھا ہے۔ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ (تمہارے لحاظ سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو) ان کی پکار سے نہ ان کے ساتھ کامیابی ہے اور نہ وہ تمہیں جواب دیں گے۔ جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول آیات کے سروں کی رعایت کے لئے ہے۔

جن کو پکارا جاتا ہے وہ مملوک ہیں:

آیت ۱۹۴: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ (بے شک تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو) یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور جن کو تم معبود کہتے ہو۔ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں) یعنی وہ تمہاری طرح مخلوق و مملوک ہیں۔ فَادْعُوهُمْ (پس تم ان کو پکارو) مقصود ان کا دفع ضرر کے لیے فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ (پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کریں) پس چاہیے کہ وہ جواب دیں إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (اگر تم سچے ہو) اس بات میں کہ وہ الٰہ ہیں۔ پھر اسی بات کا ابطال کیا کہ وہ تم جیسے بھی ہوں۔

بے بسوں کی عبادت کیوں؟

آیت ۱۹۵: أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا (کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں) تمہاری طرح چلنا۔ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا (یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو پکڑتے ہیں) جن سے وہ چیز پکڑیں۔ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا (یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں) أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا (یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں) پس پھر تم ان کی

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ آ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو ناگہاں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا

اور جو لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پھر وہ کوئی کمی نہیں کرتے۔ اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو کہتے ہیں

لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ

کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا آپ فرما دیجئے کہ میں صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب سے میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف

رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

معاف فرمائیں اور ان سے ایسی مشفقانہ ملیں جو ان پر گراں نہ گزرے جس سے وہ متنفر ہو جائیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (بخاری ومسلم) آسانی کرو۔ تنگی نہ کرو۔ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (اور نیک بات کی تعلیم کر دیا کریں) عمدہ افعال یا ہر وہ خصلت جو عقل کی نگاہ میں درست ہو اور شرع بھی اس کو قبول کرے۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کریں) بیوقوفوں سے انکے افعال کا بدلہ اسی طرح کے افعال سے نہ چکاؤ۔ نادان سے جھگڑنے میں نہ پڑو بلکہ انکے ساتھ حوصلہ سے پیش آؤ۔ حضرت جبرئیلؑ نے اسکی تفسیر اس ارشاد سے کی۔ صل من قطعك واعط من حرمك واعف عمن ظلمك تو قاطع رحم سے صلہ رحمی کر اور محروم کرنے والے کو دے۔ اور جس نے زیادتی کی اس کو معاف کر دے۔ (طبری) جعفر صادقؒ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مکارم اخلاق کا حکم دیا اور یہ آیت قرآن مجید میں مکارم اخلاق کو سب سے زیادہ جمع کرنے والی ہے۔

وسوسے کے ازالے کے لئے استعاذہ ضروری:

آیت ۲۰۰: وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ (اور اگر کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے) اگر شیطان کی طرف سے پہنچے اس طرح کہ وہ وسوسہ اندازی سے اس کے خلاف آمادہ کرنے کی کوشش کرے۔ جس کا آپ کو حکم ملا ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں) اس کی بات مت مانیں۔ نمبر۱۔ النزغ اور النخس کا معنی چوکا لگانا۔ گویا وہ لوگوں کو گناہوں سے چوکا لگاتا ہے جب کہ ان کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔ یہاں النزغ کو النازغ قرار دیا گیا جیسا جَدَّ جِدُّہٗ اس نے پورا زور لگایا۔ نمبر۲۔ نزغ شیطان سے مراد غصہ بھڑکانا۔ جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ان لی شیطانا یعترینی میرا شیطان مجھے غصہ دلاتا ہے۔ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ (بے شک وہ خوب سننے والا) آپ کے کہے کو عَلِیْمٌ (خوب جاننے والا ہے) اس کے دفاع کو جانتا ہے۔

متقین کا وسوسہ میں طریق:

آیت ۲۰۱: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ (یقینا جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کو کوئی شیطانی وسوسہ

آجاتا ہے) قراءت: طَیْفٌ مکی، بصری، علی نے پڑھا۔ طائف کا معنی لمۃ، وسوسہ ہے۔ طاف بہ الخیال یطیف طیفا سے اس میں ایک تصوری خیال آگیا۔ بقول ابو عمرو یہ دونوں ایک ہیں اور یہ وسوسہ ہے یہ دراصل اس کی تاکید ہے۔ جو اس نے قلبِ شیطان سے استعاذہ والا مقرر کر دیا گیا۔ شبہ وہ کچھ کالا ہے۔ متقین کی عادت ہے کہ جب ان کو معمولی سا شیطانی وسوسہ چھو جاتا ہے یا آنے لگتا ہے۔ تَذَكَّرُوْا (وہ یاد میں لگ جاتے ہیں) اس کو یاد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا۔ اور جس سے روکا۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پس یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) اس وقت وہ سیدھا راستہ دیکھ لیتے ہیں۔ اور اپنے وسوسہ کو دور کر لیتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں تو ان کی بصیرت اللہ تعالیٰ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھا دی جاتی ہے۔

اخوانِ شیاطین گمراہی کا شکار رہتے ہیں:

آیت ۲۰۲: وَاِخْوَانُهُمْ (اور جو شیاطین کے تابع ہیں) باقی شیطان انہی میں سے جو شیاطین کے بھائی ہیں۔ تو شیاطین يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ (وہ ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں) ان کو گمراہی میں مدد دیتے ہیں اور ان کے وسوسے بڑھاتے ہیں۔

قراءت: يُمِدُّوْنَهُمْ امداد سے مدنی نے پڑھا ہے۔ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ (پھر وہ باز نہیں آتے) پھر وہ اپنے گمراہ کرنے سے باز نہیں رہتے بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ اور اس سے رجوع نہیں کرتے اور یہ بھی درست ہے کہ اخوان سے مراد شیاطین لیے جائیں اور متعلق ہو کی ضمیر جاہل کی طرف راجع ہو کر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اخوانہم الذین اتقوا کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ اور اخوانہم میں ضمیر جمع جمع کی وجہ سے لایا گیا۔ اگرچہ شیطان کا لفظ مفرد لایا گیا ہے۔

من مانگی نشانی طلب کرنے والوں کو جواب:

آیت ۲۰۳: وَاِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰيَةٍ (اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے جو وہ مطالبہ کرتے تھے۔) قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا (تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے) تم کیوں نہ گھڑ لائے جیسا کہ پہلے گھڑ کر لائے۔ (نعوذ باللہ) قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (آپ کہہ دیں کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے) میں ان کو اپنی طرف سے ایجاد کرنے والا نہیں ہوں۔ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (یہ تمہارے رب کی طرف سے حکمتوں کا مجموعہ ہے) یہ قرآن تمہارے لیے بصیرت کے دلائل ہیں۔ جس سے رجوع قلب سے آتی ہیں۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں) اس پر۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (204)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور اونچی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجئے جو زور کی بات سے کم ہو صبح کے وقت

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (205) اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

اور شام کے اوقات میں، اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا۔ بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ (206)

تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

قراءت قرآن کے وقت استماع و انصات:

آیت ۲۰۴: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو اس امید پر کہ تم پر رحمت ہوگی) آیت کا ظاہر استماع اور انصات کو نماز میں قراءت قرآن کے وقت واجب کر رہا ہے اور نماز سے باہر بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جب تم پر اللہ تعالیٰ کے رسول نزول کے وقت قرآن کی تلاوت کریں تو غور سے سنو۔ جمہور صحابہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے استماع کے لئے ہے دوسرا قول خطبہ کے استماع کے لئے۔

تیسرا قول خطبہ اور نماز دونوں سے متعلق ہے یہ زیادہ درست ہے۔

پست آواز اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم:

آیت ۲۰۵: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (اور اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں) یہ آیت اذکار کے متعلق عام ہے۔ خواہ قراءت قرآن ہو، دعا، تسبیح، تہلیل وغیرہ ذکر جو بھی ہو۔ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً (عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ) اس حال میں کہ تم گڑگڑانے والے ہو اور ڈرنے والے ہو۔ وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ) جہر سے کم کلام کرنے والے ہو کیونکہ اخفاء میں زیادہ اخلاص ہے اور تفکر و تدبر کے لیے زیادہ خوب ہے۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (صبح اور شام) اس لیے کہ یہ دونوں وقت فضیلت والے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں اوقات کا ذکر کیا تو ہمیشہ ذکر کرنا مراد ہے۔ الغدو کا معنی اوقات الغدو ہے اور صبح کے تمام اوقات ہیں۔ الاصال جمع الاصل اور الاصل جمع اصیل ہے اور وہ سورج ڈھلنے کے بعد کا وقت ہے۔ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (اہل غفلت میں شامل نہ ہو جاؤ) ان لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت برتتے ہیں۔

مقربین بارگاہ نہ تو متکبر ہیں اور نہ عبادت میں کسی کو شریک بناتے ہیں:

آیت ۲۰۶ : اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ (بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں) معزز و مکرم ہیں ۔ مکان و جگہ کا قرب مراد نہیں مراد اس سے فرشتے ہیں ۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ (وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے) اس سے تکبر نہیں کرتے ۔ بڑے نہیں بنتے وَیُسَبِّحُوْنَہٗ (اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں) اس کو پاک سمجھتے ہیں ۔ ان باتوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کے لائق نہیں ۔ وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ (اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور اسی کو عبادت کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں ۔ اور دوسروں کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے ۔

اللّٰھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

واللّٰہ اعلم

الحمد للّٰہ الذی تم بنعمتہ الصالحات ترجمۃ سورۃ الاعراف الثنین من جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ

سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں

ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

تعلقات کی درستی کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تقسیمِ غنائم فقط اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے:

آیت ۱: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آپ سے یہ لوگ مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں۔ یہ غنیمتیں تو اللہ کی ہیں اور رسول اللہ کی ہیں) النفل غنیمت کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے۔ الْاَنْفَالُ الغنائم بدر کے غنائم کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ اس کا مستحق کون اور تقسیم کس طرح ہے۔ پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ ہم کس طرح تقسیم کریں۔ اور تقسیم میں مہاجرین و انصار یا دونوں ہی کا حق ہے۔ تو جواب آیا کہ ان سے فرما دیں کہ وہ حق رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اور وہی اس سلسلہ میں حاکم ہیں۔ جو چاہیں حکم دیں۔ ان کے علاوہ کسی کو فیصلہ کا اختیار نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تذکرے کو اسلئے اکٹھا کیا کیونکہ غنائم کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تقسیم کا حکمت کے مطابق حکم دیں گے۔ اور اس کا رسول ﷺ اس حکم کو نافذ کریں گے۔ ان کی تقسیم میں قطعاً کسی کی رائے کا دخل نہیں ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ (اختلاف اور باہمی جھگڑوں میں اللہ سے ڈرو) اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بھائی بھائی بن جاؤ۔ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو) اپنے مابین احوال۔ یعنی تمہارے مابین جو حالات ہیں۔ یہاں تک کہ وہ الفت و محبت اور اتفاق کے حالات ہوں۔

زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ذات بینکم کا معنی حقیقۃ ذات البین لہٰذا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے۔ اس پر اکٹھے ہو جاؤ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ہم اصحاب بدر کے متعلق اتری جبکہ ہم نے مال غنیمت کے متعلق اختلاف کیا اور اختلاف شدید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا اور

علاماتِ مؤمنین:

آیت ۳: الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اور وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں) اعمالِ قلوب خشیت، اخلاص اور توکل اور اعمالِ جوارح نماز و صدقہ کو جمع کر دیا۔

پختہ مؤمن:

آیت ۴: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں) نمبر ۱۔ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی وہی سچا ایمان رکھتے ہیں۔ نمبر ۲۔ اولئك هم المؤمنون جملے کی تاکید ہے جیسا کہا جاتا ہے۔ هو عبد الله حقاً یعنی یہ بالکل پختہ بات ہے۔

نکتہ: حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مجھ سے سوال کیا۔ امؤمن انت؟ میں نے جواب دیا اگر تم مجھ سے ایمان باللہ اور ملائکہ اور اس کی کتابوں، اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن اور جنت و دوزخ اور بعث و حساب پر ایمان کے متعلق پوچھتے ہو تو میں مؤمن ہوں اور اگر تیرا سوال انما المؤمنون الآیة سے متعلق ہے تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ آیا میں ان میں سے ہوں یا نہیں؟

اقوالِ ائمہ رحمہم اللہ:

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں جس کا یہ گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھتا ہے پھر اس نے یہ شہادت نہ دی کہ وہ جنتی ہے تو گویا اس کا ایمان آدھی آیت پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ وہ قطعی اور یقینی طور پر ثواب پانے والے مؤمنین میں سے ہے۔ اسی طرح قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قطعی طور پر مؤمن ہے۔ اسی قول کو ان لوگوں نے اختیار کیا ہے جنہوں نے انا مؤمن ان شاء الله کا قول کیا ہے۔

مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ ایک دن انہوں نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کو کہا تم اپنے ایمان میں استثناء کیوں کرتے ہو؟ قتادہ رحمہ اللہ نے جواب دیا ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد کی اتباع کرتے ہوئے۔ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الشعراء: ۸۲) تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا تم ان کے اس قول کی اقتداء کیوں نہیں کرتے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی (البقرۃ: ۲۶۰) ابراہیم بھی کہتے تھے پس کہو: انا مؤمن حقاً اگر تمہارا قول سچا ہے تو اس کا ثواب پاؤ گے اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو کہ دل سے کافر ہو اور ایمان ظاہر کر رہے ہو تو تمہارا کفر اس قول سے زیادہ شدید اور عذاب کا باعث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ جو منافق نہیں وہ قطعی مؤمن ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے احمد کو فرمایا۔ تیرا کیا نام ہے۔ اس نے کہا احمد۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم کہو گے۔ انا احمد حقاً اور انا احمد ان شاء الله تو احمد نے کہا میں انا احمد حقاً کہوں گا۔ تو عبداللہ فرمانے لگے تیرے والد نے جو تیرا نام رکھا ہے اس سے تو تو استثناء نہیں کرتا اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن میں مؤمن کہا تو تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہتا ہے۔

تعالیٰ نے مجھ سے ایک گروہ پر غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم گویا اب میں کفار کی قتل گاہوں کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

بعض صحابہ کرام کی طرف سے ناپسندیدگی کی وجہ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ہے۔ جھگڑا کر رہے تھے تو وہ قافلے کو لشکر پر ترجیح کی بات تھی۔ بَعْدَمَا تَبَیَّنَ رسول اللہ کے بتلا دینے کے باوجود کہ ان کو فتح ہوگی۔ جدال: سے مراد ان کا یہ قول ہے کہ ہم لشکر کے لئے تیار ہو کر نہیں نکلے۔ آپ ہمیں بتلا دیتے کہ ہم تیاری کر لیتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لڑائی کو ناپسند کرتے تھے۔

گھبراہٹ کی کیفیت:

آیت ۶: یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ (وہ اس مصلحت میں جھگڑ رہے تھے) اور حق جس کے متعلق وہ رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کر رہے تھے وہ قافلے کو لشکر پر ترجیح کی بات تھی۔ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ (اس کے ظاہر ہو جانے کے بعد) رسول اللہ ﷺ کے بتلا دینے کے باوجود کہ ان کو فتح ہوگی۔ جدال سے مراد ان کا یہ قول ہے کہ ہم لشکر کیلئے تیار ہو کر نہیں نکلے۔ آپ ہمیں بتلا دیتے تا کہ ہم تیاری کر لیتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لڑائی کو ناپسند کرتے تھے۔ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ (کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں) ان کی زیادہ گھبراہٹ کو، باوجودیکہ ان کو کامیابی اور غنیمت کی خوشخبری دی جا چکی تھی۔ اس آدمی کی حالت سے تشبیہ دی جس کو قتل کی طرف کھینچ کر لے جایا جا رہا ہو۔ اور ذلت کے ساتھ موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو۔ اور وہ موت کے اسباب کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ اور موت کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہو کہ اس میں کوئی شک نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا خوف قلت تعداد کی وجہ سے تھا۔ وہ تمام پیدل تھے صرف دو سوار تھے۔

وعدۂ الٰہی اور قافلے سے ٹکراؤ کی خواہش:

آیت ۷: وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ (اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے) یَعِدُکُمْ: اذ۔ اذکر کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ احدی مفعول ثانی ہے۔ اَنَّھَا لَکُمْ (کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی) احدی الطائفتین سے بدل ہے۔ الطائفتین سے مراد۔ قافلہ اور لشکر تقدیر عبارت یہ ہے واذیعدکم اللّٰہ ان احدی الطائفتین لکم جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارا ہوگا۔ (اس پر کامیابی دی جائے گی) وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ (اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ لگے) یعنی قافلہ۔ ذات الشوکۃ۔ اسلحہ گروپ۔ شوکت لشکر میں تعداد و تیاری دونوں لحاظ سے تھی۔ یعنی تمہاری تمنا یہ تھی کہ قافلہ تمہارے لئے ہو۔ کیونکہ وہ بے اسلحہ گروہ تھا۔ تم دوسرے گروہ کو نہ چاہتے تھے۔

اللہ کی رضاء:

وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ (اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ وہ حق کا حق ہونا ثابت کرے) اس کو ثابت اور بلند کریں۔ بِکَلِمٰتِہٖ (اپنے احکام سے) یعنی ان آیات کے ساتھ جو مسلح لشکر کے ساتھ لڑنے کے سلسلہ میں اتاریں اور ان آیات کے ساتھ جن میں فرشتوں کو ان کی مدد کیلئے اترنے کا حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ جو اس نے ان کو قتل کرنے اور قلیب بدر میں پھینکنے کا حکم دیا۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝٩

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ

اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل ۔ اور مدد صرف اللہ کی

عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝١٠

طرف سے ہے ۔ بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے ۔

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (اور کافروں کی جڑ کاٹ دے) ان کے آخر کو۔ دابر آخر کو کہتے ہیں ۔ یہ دبر سے فاعل کا صیغہ ہے جب وہ پیٹھ پھیرے ۔ قطع دابر یہ استیصال کی تعبیر ہے ۔ یعنی تم چند ٹکے والا فائدہ چاہتے تھے اور معمولی معاملات ۔ اور اللہ تعالیٰ بلند معاملات اور حق کی مدد کر کے حق کی برتری چاہتے تھے اور دونوں مقاصد میں بہت فرق ہے ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسلح لشکر کو پسند کیا ۔ اور تمہارے ضعف کے ذریعہ ان کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا اور تمہیں عزت بخشی جبکہ ان کو ذلیل کر دیا ۔

اثبات اسلام اور ابطال باطل:

آیت ۸: لِيُحِقَّ الْحَقَّ (تاکہ حق کا حق ہونا) نمبر ا ۔ یہ یقطع سے متعلق ہے نمبر ۲۔ فعل محذوف کے متعلق ہے جس کی تقدیری عبارت یہ ہے لیحق الحق وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے) فعل ذلک تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو بے کار کر دے اس نے ایسا کر دیا ۔ مقدر کو آخر میں اس لئے ذکر کیا تاکہ اختصاص کا فائدہ حاصل ہو یعنی اس کو انہی دو اغراض کی خاطر کیا اور وہ اظہار و اثبات اسلام اور محاق و ابطال کفر ہے اس میں تکرار نہیں کیونکہ پہلا مرتبہ دونوں ارادوں میں فرق و امتیاز کیلئے لائے ۔ اور یہ دوسری مرتبہ مسلح لشکر کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں ترجیح دینے اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ دینے کا کیا مقصد تھا اس کی وضاحت و بیان کیلئے لائے ۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (اگرچہ مجرم لوگ یہ ناپسند کریں) اس کو مشرک اگرچہ ناپسند کریں ۔

اللہ سے استغاثہ:

آیت ۹: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ (اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے) نحو: یہ اذ یعدکم سے بدل ہے ۔ نمبر ۲ ۔ لیحق الحق و یبطل الباطل کے متعلق ہے ۔ جب صحابہ کرام کو یقین ہو گیا کہ لشکر کا سامنا ہم صورت ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے ہمارے رب انصرنا علی عدوک تو اپنے دشمن پر ہمیں فتح دے ۔ یاغیاث المستغیثین اغثنا اے ہمارے فریاد رس ہماری فریاد رسی فرما ۔ استغاثہ طلب غوث کو کہتے ہیں ۔ اور طلب غوث کا معنی ہے تائید

حالت سے چھٹکارا پایا۔ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی) یعنی اسے قبول فرمایا۔ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ (کہ میں تم کو مدد دوں گا) اصل بِاَنِّیْ مُمِدُّكُمْ ہے جار کو حذف کر دیا اور استجاب کو اس پر مسلط کر دیا پس اس نے محل کو نصب دی۔ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (ایک ہزار فرشتوں سے جو سلسلہ وار چلے آئیں گے)

قراءت: مدنی نے مُرْدَفِيْنَ پڑھا ہے جبکہ دوسروں نے مُرْدِفِيْنَ پڑھا ہے۔ کسرہ کی بناء پر معنی انہوں نے دوسروں کا پیچھا کیا۔ اور فتح کی صورت میں ہر فرشتہ دوسرے کے پیچھے آیا۔ کہا جاتا ہے ردفہ جبکہ وہ اس کا پیچھا کرے اور اردفتہ ایاہ میں نے اس کا پیچھا کیا۔

نصرتِ ملائکہ تو اطمینانِ قلبی کے لئے ہے:

آیت ۱۰: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ (اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد نہیں عطا کی) یعنی وہ امداد جس پر ممد کلمہ دلالت کرتا ہے۔ اِلَّا بُشْرٰی (مگر صرف بشارت کیلئے) مگر وہ تمہارے لئے نصرت کی بشارت۔ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے) یعنی تم نے فریاد طلبی کی اور اپنی قلت کی بناء پر گڑگڑائے پس ملائکہ کے ذریعہ امداد وہ تمہارے لئے نصرت کی خوشخبری اور تسکین کا باعث تھی۔ اور تمہارے دلوں کیلئے ڈھارس تھی۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے) یعنی تم وہ مدد ملائکہ کی طرف سے مت سمجھو اصل مددگار تمہارے لئے اور فرشتوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ نمبر۱۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مدد ملائکہ وغیرہ اسباب سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے منصور وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ مدد کرے۔

کیا فرشتے براہِ راست لڑے؟

بدر کے دن فرشتوں کے براہ راست لڑنے کے متعلق اختلاف ہے۔ نمبر۱۔ جبرئیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اسلامی لشکر کے میمنہ پر اترے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور میکائیل علیہ السلام پانچ سو کے ساتھ میسرہ پر اترے۔ جس میں علی رضی اللہ عنہ تھے۔ فرشتے انسانی صورت میں سفید لباس اور سفید عمامے زیب تن کرنے والے تھے۔ اور پگڑیوں کے شملے کندھوں کے درمیان ڈالنے والے تھے۔ اور انہوں نے باقاعدہ لڑائی کی یہاں تک کہ ابوجہل نے عبداللہ بن مسعود کو کہا ہمیں تلوار کی ضرب کہاں سے آتی تھی جبکہ ہم کسی ذات کو نہ دیکھتے تھے۔ تو عبداللہ نے جواب دیا وہ ضرب ملائکہ کی طرف سے تھی۔ اس نے کہا وہ ہم پر غالب آئے نہ کہ تم۔ نمبر۲۔ فرشتے اترے تعداد بڑھانے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کیلئے انہوں نے قتل نہیں کیا۔ ورنہ ایک فرشتہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کیلئے کافی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ (بیشک اللہ زبردست) اپنے دوستوں کی مدد کیلئے حَكِيْمٌ (حکمت والے ہیں) اپنے دشمنوں کو مغلوب کرتے ہیں۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں عنقریب کافروں کے

الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں | سو تم گردنوں پر مارو | اور ان کے پور پور کو مارو۔

فرشتوں کو ہمت بڑھانے کے حکم والا:

آیت ۱۲: اِذْ یُوْحِیْ (اس وقت کو یاد کرو جب حکم دیتا تھا) تحقیق: اذیعدکم سے بدل دوم ہے۔ نمبر۲۔ یثبت سے منصوب ہے۔ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ (آپ کا رب فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں) مدد کے ساتھ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (تم سب ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ) بشارت کے ساتھ۔ فرشتہ انسانی صورت میں صف کے آگے چلتا اور کہتا ابشروا فان اللّٰہ ناصرکم۔ خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ تمہارا ناصر ہے۔ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں) خوف سے ان کے دل بھر جائیں گے۔

قراءت: شامی، علی نے الرعُب پڑھا ہے۔

کفار کی گردنیں اڑا دو:

فَاضْرِبُوْا (پس تم مارو) مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔ نمبر۲۔ ملائکہ کو۔ اس میں دلیل ہے کہ ملائکہ نے قتال کیا۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (گردنوں پر) نمبر۱۔ یعنی گردنوں کے اوپر والے حصے جو ذبح کے مقامات ہیں تاکہ سر اڑائے جائیں۔ نمبر۲۔ سر مراد ہیں کیونکہ گردنوں پر سر ہوتا ہے۔ مطلب کھوپڑی پر مارنا ہے۔ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (اور ان کے پور پور پر مارو) وہ انگلیاں ہیں۔ مراد اطراف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان سے قتل کے مقامات اور اطراف جسم دونوں پر۔ وہ ضرب مقتل پر پڑے یا غیر مقتل پر ان دونوں اقسام کو ضرب مشتمل ہونی چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے سو اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سخت سزا دینے والا ہے۔ سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

اور جو شخص اس دن ان سے پشت پھیرے گا بجز اس شخص کے جو لڑائی کیلئے پینترا بدلنے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو تو وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اللہ کے غضب کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

یہ سزا اللہ اور رسول (ﷺ) کی مخالفت کی وجہ سے ملی:

آیت ۱۳، ۱۴: ذٰلِكَ (یہ) یہ ضرب و قتل وجنگ میں پہنچنے والی سزا تمام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتداء ہے۔ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی) اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عقاب ان پر مخالفت خدا و رسول کی وجہ سے پڑا۔ شاقوا کا لفظ الشق سے ہے۔ ہر دشمنی کرنے والا ایک جانب اور دوسری جانب اس کا مقابل۔ کذا المعاداۃ و المخاصمۃ کیونکہ ایک ایک جانب اور دوسرا دوسری جانب ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں) ذلک کا کاف میں خطاب رسول سے ہے یا ہر فرد ہو اور ذلکم میں بطور التفات کے کفار کو خطاب ہے۔ ذٰلِكُمْ محل رفع میں ہے۔ تقدیرا۔ ذلکم العقاب۔ یا خبر ہے۔ العقاب ذلکم۔ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ (سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے) واؤ مع کے معنی میں ہے۔ یعنی ذوقوا هذا العذاب العاجل مع الآجل الذی لکم فی الآخرة اس جلد ملنے والے عذاب کو چکھو اس کے ساتھ موجل عذاب آخرت کا تیار ہے۔ گویا ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا گیا۔

دوبدو جنگ کے احکامات:

آیت ۱۵: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا (اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ)

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور تاکہ مومنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے اور یہ کہ اللہ

مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔

یہ الذین کفروا سے حال ہے۔ الزحف وہ لشکر جو کثرت کی وجہ سے اس طرح نظر آئے گویا وہ رینگ رہا ہے۔ یہ زحف الصبی سے بنا ہے۔ جبکہ وہ اپنے سرینوں پر آہستہ آہستہ سرکنے لگے۔ مصدر ہے بطور نام کے استعمال ہوتا ہے۔ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (تو ان سے پشت مت پھیرنا) ان سے شکست کھا کر مت پھرو۔ یعنی جب ان سے لڑائی میں سامنا کرو وہ ان کی تعداد زیادہ اور تمہاری کم ہو تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ چہ جائیکہ تم تعداد میں ان کے قریب یا برابر ہو۔ نمبر۲۔ مومنین سے حال ہے۔ نمبر۳۔ فریقین سے حال ہے جب تم اور وہ گتھم گتھا ہو کر لڑو۔

بھاگنے والے کے جرم کی شدت:

آیت ۱۶: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا (اور جو شخص ان سے اس موقعہ پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو پینترا بدلتا ہو) مائل ہونے والا۔ لِّقِتَالٍ (لڑائی کیلئے) وہ مڑ کر حملہ کرنے کیلئے پیچھا ہوتا ہے دشمن کو خیال ہو کہ بھاگ گیا پھر اس پر مڑ کر حملہ آور ہو۔ یہ ایک جنگی طرز ہے۔ اَوْ مُتَحَيِّزًا (یا ملنے والا ہو) اِلٰى فِئَةٍ (اپنی جماعت کی طرف) پناہ لینے آتا ہو وہ مستحق ہے ملنے والا ہو مسلمانوں کی جماعت جو اس کی پشت میں ہو۔

نحو: یہ دونوں یولّھم کی ضمیر ہم سے حال ہیں۔ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے) متحیز کا وزن متفیعل ہے متفعّل نہیں کیونکہ وہ حاز یحوز سے ہے اس سے متفعل بنتا ہے نہ کہ تحیز۔

ایک مشت خاک کا اعجاز:

آیت ۱۷: جب اہل مکہ کی قوت ٹوٹ گئی اور قتل و قید ہو گئے۔ تو وہ لگے تفاخر کے طور پر قتلت اور اسرت کہنے لگے تو ان کو کہا گیا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا) فا محذوف شرط کے جواب میں ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ ان افتخرتم بقتلھم فانتم لم تقتلوھم اگر تم ان کے قتل پر فخر کرتے ہو تو تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ مٹی لے کر ان کی طرف پھینکیں۔ آپ نے پھینکی اور ہر ایک مشرک کی آنکھ میں ...

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے

نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ⑲

تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اگرچہ کتنی ہی زیادہ تعداد میں ہو اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

کوئی مشرک ایسا نہ رہا مگر وہ اپنی آنکھیں ملنے میں مشغول ہو گیا پس کفار شکست کھا گئے۔ کہا گیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اے محمد (ﷺ) اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی) وہ کنکریاں جو آپ نے پھینکیں، حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکیں۔ کیونکہ اگر آپ پھینکتے تو اس کا اثر اتنا ہی ہوتا جتنا انسان کے پھینکنے کا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پھینکنے کا اثر بہت بڑا ہوا (ہر کافر کی آنکھ میں کنکری پہنچ گئی اور اس کو بے بس کر دیا)

مَسْئَلَہ: اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ بندے کے فعل کی نسبت اس کی طرف کسب کی حیثیت سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کی حیثیت سے۔ اس طرح نہیں جیسا کہ جبریہ اور معتزلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اِذْ رَمَيْتَ کہہ کر بندے کے فعل کو ثابت کیا پھر بندے سے اس کی نفی لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کہہ کر کر دی۔

قراءت: اور لٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اور لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰى میں لٰکِنْ شامی، حمزہ اور علی نے تخفیف سے پڑھا ہے۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور تاکہ وہ مومنین کو اجر دے) تاکہ وہ مومنوں کو دے مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (خوب اجر) عطائے حسن۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں پر احسان کیلئے اس نے کیا جو کچھ کیا اور یہ سب کچھ انہی کی خاطر کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (بے شک اللہ سننے والا ہے) ان کی دعاؤں کا عَلِيْمٌ (جاننے والا ہے) ان کے حالات کو۔

کافروں کی تدبیر کمزور کر دی:

آیت ۱۸: ذٰلِكُمْ (ایک بات تو یہ ہوئی) یہ بلائے حسن کی طرف اشارہ ہے۔

نحو: یہ محل رفع میں ہے اور ذلکم پر اس کا عطف ہے مراد ابلائے مومنین اور توہین مکائد کافرین ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا)

قراءت: مُوْهِنٌ كَيْدَ شامی اور کوفی نے پڑھا ہے۔ جبکہ حفص نے مُوْهِنُ كَيْدِ پڑھا اور دیگر قراء نے مُوَهِّنٌ كَيْدَ پڑھا۔

آیت ۱۹: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا) اگر تم مدد طلب کرتے تھے تو مدد آ گئی مگر تمہارے خلاف۔ یہ اہل مکہ کو خطاب فرمایا کیونکہ روانہ ہوتے وقت انہوں نے استار کعبہ سے چمٹ کر کہا

اللّٰهُمَّ ان كان محمد على الحق فانصره وان كنا على الحق فانصرنا۔

دوسرا قول: ان تستفتحوا یہ مومنوں کو خطاب ہے۔ کہا اگر تم فیصلے کے طالب تھے تو وہ آ گیا۔ وَاِنْ تَنْتَهُوْا (اگر تم باز آ جاؤ) یہ کفار کو خطاب ہے۔ ان تنتہوا کا مطلب عداوت رسول سے باز آنا ہے۔ فَهُوَ (تو یہ باز آنا) خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہت خوب

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم

تَسْمَعُوْنَ ⑳ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ㉑ اِنَّ

سنتے ہو، اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے، بیشک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ㉒ وَلَوْ

زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں، بہرے ہیں، جو کچھ نہیں سمجھتے، اور اگر

عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ㉓

اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! تم حکم مانو اللہ کا اور رسول ﷺ کا جب وہ تمہیں بلائیں اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی دینے والی ہے

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ㉔

اور جان لو کہ بیشک اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان، اور بلاشبہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

اور تم ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے، اور جان لو کہ بیشک اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉕

سخت عذاب والا ہے۔

ہے) بہت بہتر اور صلاحیت والا ہے۔ وَاِنْ تَعُوْدُوْا (اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے) ان کے ساتھ لڑائی کے لیے۔ نَعُدْ (تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے) تمہارے خلاف ان کی مدد کے لیے۔ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ (اور تمہاری جمعیت تمہارے کام نہ آسکے گی) تمہاری پارٹی شَیْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ (ذرا بھی اگرچہ کتنی زیادہ ہو) تعداد میں وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے)

قراءت: مدنی، شامی و حفص نے اَللّٰہَ کو فتح کیساتھ پڑھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مدد کے ذریعہ مومنین کے ساتھ ہے۔ ایسا ہو۔ دیگر قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی تائید عبداللہ کی قراءت سے ہوتی ہے۔ واللّٰہ مع المؤمنین۔

اطاعتِ رسول (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کا دامن تھامے رکھو:

آیت ۲۰: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ} (اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا حکم ماننے سے روگردانی مت کرو) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کیونکہ اطیعوا اللہ والرسول کا معنی اس ارشاد کی طرح ہے: {وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ} (التوبہ: ۶۲) اور اس لئے بھی کہ اطاعتِ اللہ اور اطاعتِ رسول ایک چیز ہے جیسا اس ارشاد میں ہے: {مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ} (النساء: ۸۰) ایک کی طرف ضمیر کا لوٹنا دونوں کی طرف ضمیر لوٹنے کی طرح ہے جیسا کہ کہتے ہیں الاحسان والاجمال لاینفع فی فلان۔ نمبر۲۔ ضمیر کا مرجع اطاعت کا حکم ہے۔ یعنی اس امر اور اس کے عمل سے مت منہ موڑو۔ تَوَلَّوْا اصل میں تتولوا ہے ایک تا کو تخفیف کیلئے حذف کر دیا۔ {وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ} (حالانکہ تم سنتے ہو) یعنی تم اس حال میں سنتے ہو۔ نمبر۳۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے منہ موڑو اور نہ ہی ان کی مخالفت کرو حالانکہ تم ان کی تصدیق کرتے ہو اس لئے کہ تم مومن ہو۔ تم بہرے جھٹلانے والے کفار کی طرح نہیں ہو۔

منافقین اور اہلِ کتاب کا طرز مت اپناؤ:

آیت ۲۱: {وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا} (اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا) یعنی سننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور وہ منافقین اور اہلِ کتاب ہیں۔ {وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ} (حالانکہ وہ سنتے کچھ نہیں) کیونکہ وہ اس کی تصدیق کرنے والے نہیں گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم قرآن و نبوت کی تصدیق کرتے ہو۔ جب بعض امور میں اطاعتِ رسول سے منہ موڑو گے جیسے تقسیم غنائم وغیرہ تو تمہارا سننا ان کے مشابہ ہو جائے گا۔ جو ایمان نہیں رکھتے پھر فرمایا۔

کافر بدترین جانور:

آیت ۲۲: {اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ} (بیشک مخلوق میں بدترین وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے) مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والوں میں بہائم سب سے بدترین ہیں اور بہائم میں سے بدترین وہ ہیں جو کہ حق سے بہرے بے عقل ہیں۔ ان کو نہیں سمجھتے کفار کو بعض بہائم سے قرار دیا پھر ان کو ان سے بھی زیادہ بدتر قرار دیا کیونکہ انہوں نے مانوس ہونے کے بعد عناد اختیار کیا اور عقل کے ہوتے ہوئے کفر پر ضد اختیار کی۔

وہ خوبی سے خالی ہیں:

آیت ۲۳: {وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ} (اگر اللہ تعالیٰ ان میں دیکھتے) ان گونگے بہرے لوگوں میں {خَیْرًا} (کوئی خوبی) سچائی اور رغبت {لَّاَسْمَعَهُمْ} (تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتے) قرآن کو سننے والے ہوتے یہاں تک کہ وہ بھی تصدیق کرنے والوں کی طرح سنتے۔ {وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا} (اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے) اس سے منہ موڑتے یعنی اگر ان کو سنا دیا اور وہ تصدیق کر دیتے تو اس کے بعد بھی ارتداد اختیار کر لیتے اور استقامت پر نہ رہتے۔ {وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ} (بے رخی کرتے ہوئے) ایمان سے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۲۶

اچک لیں، سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۲۷

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی، اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۲۸

اور تم جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کو کفارہ فرما دے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۲۹

اور تمہاری بخشش فرما دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے

سابقہ حالت کو یاد رکھنا کہ شکریہ کی توفیق ہو:

آیت ۲۶: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ (اور اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم قلیل تھے) اذ انتم قلیل مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔ یعنی اذکروا وقت کونکم اقلۃ اذلۃ اپنی قلت و کمزوری کے وقت کو یاد کرو۔ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ (زمین میں کمزور شمار کیے جاتے تھے) ہجرت سے قبل سرزمین مکہ میں قریش نے تمہیں کمزور بنا رکھا تھا۔ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (اور تم اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لیں) کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں کے مخالف اور دشمن تھے۔ فَاٰوٰىكُمْ (پھر اس نے رہنے کی جگہ دی) مدینہ میں۔ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی) انصار کی پشت پناہی کے ذریعہ اور بدر کے دن ملائکہ کو بھیج کر۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عنایت فرمائیں) اموال غنیمت جو تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ ہوئے تھے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم شکر کرو) ان نعمتوں کا۔

اللہ کے حقوق میں خلل مت ڈالو:

آیت ۲۷: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ (اے ایمان والو تم اللہ کے حقوق میں خلل مت ڈالو) اس کے فرائض کو معطل کر کے وَالرَّسُوْلَ (رسول کے) اور رسول کے طریقہ کو نہ اپنا کر۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں مت خلل ڈالو)

نحو: اس پر جزم لاتخونوا پر عطف کی وجہ سے ہے یعنی لا تخونوا۔ اپنے امانات اس طرح کہ ان کی حفاظت نہ کرو۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اور تم تو جانتے ہو) نمبر ۱۔ اس کا انجام اور وبال نمبر ۲۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم خیانت کر رہے ہو۔ مطلب یہ ہے خیانت تم سے جان بوجھ کر پائی جائے بھول کر نہیں۔ نمبر ۳۔ تم علماء ہو اچھی چیز کے حسن اور قبیح کی قباحت سے واقف ہو۔ الخون کمی کرنا ہے جیسا الوفاء کا معنی پورا کرنا ہے اور اسی سے تخونه اذا انتقصه بولتے ہیں۔ پھر یہ امانت و وفا کے عکس کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کی خیانت کرنے سے کسی کی چیز میں نقصان داخل کر دیا جاتا ہے۔

مال و اولاد باعث آزمائش:

آیت ۲۸: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (اور تم جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے) یعنی فتنہ میں پڑنے کے اسباب میں سے ہیں۔ فتنہ گناہ اور عذاب دونوں کو کہتے ہیں۔ نمبر ۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم کس طرح اس کی حدود کی نگہبانی کرتے ہو۔ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (اور اس بات کو بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے) پس تمہارا فرض بنتا ہے کہ اس کی طلب میں حرص کرو اور دنیا میں زہد اختیار کرو۔ اور حب اولاد اور جمع اموال کی حرص میں نہ پڑو۔

تقویٰ سے حق و باطل کی پہچان رہے گی:

آیت ۲۹: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا) مدد۔ نمبر ۱۔ کیونکہ وہ حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ باطل پرستوں کو ذلیل کر کے اور اہل اسلام کو عزت دے کر۔ نمبر ۲۔ وضاحت اور ظہور ہے جس سے تمہارا معاملہ مشہور ہو جائے گا۔ اور تمہاری شہرت اور آثار زمین کے اطراف میں پھیل جائیں گے۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ سطع الفرقان جب فجر طلوع ہو۔ نمبر ۳۔ شبہات سے نکلنے کی راہ اور شرح صدر نمبر ۴۔ تمہارے اور غیر مسلموں کے درمیان جدائی اور زیادہ آخرت میں مراتب۔ وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا) صغیرہ گناہ وَیَغْفِرْ لَكُمْ (اور تم کو بخش دے گا) تمہارے گناہ یعنی کبائر۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اپنے بندوں پر۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ

اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۳۰

اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

کفار قریش کی تدابیر:

آیت ۳۰: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر آپ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے) جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کروایا تو قریش کی حیلہ بازیوں کا ذکر کیا جو مکہ میں انہوں نے کیں تاکہ ان کی فریب کاریوں سے نجات پانے پر آپ شکریہ ادا کریں اور اس پر جو غلبہ عنایت فرمایا اس پر شکر بجا لائیں۔ مطلب یہ ہے اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے خلاف وہ خفیہ تدابیر کر رہے تھے۔ معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریش کو خطرہ ہوا کہ آپ کا معاملہ مضبوط ہو جائیگا۔

دارالندوہ کا اجلاس:

چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں آپ کے متعلق مشورہ کیلئے میٹنگ بلائی۔ ابلیس ان کے پاس ایک شیخ کی صورت میں آیا اور کہنے لگا میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو مجھے تمہارے اجتماع کا علم ہوا۔ میں نے اس میں حاضری کا فیصلہ کر لیا میں رائے اور خیرخواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔

میٹنگ شروع ہوئی ابو البختری نے کہا: اس کو ایک گھر میں بند کر کے بیڑیوں میں جکڑ دو اور روشندان کے علاوہ اس کمرے کے تمام دروازے بند کر دو۔ وہاں کھانا پانی دو اور اس کے متعلق حوادث کا انتظار کرو۔ ابلیس نے کہا یہ بدترین رائے ہے اس کی قوم کے لوگ جمع ہو کر تمہارے ہاتھوں سے چھڑوا لیں گے۔ ہشام بن عمرو نے کہا اس کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دو۔ پھر جو کرے تمہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اور تم آئے روز کی پریشانی سے چھٹکارا پا لو گے۔ ابلیس: یہ بھی بدترین رائے ہے۔ تمہارے علاوہ دوسری قوم کو بگاڑ کر تمہارے خلاف لڑے گا۔ ابوجہل عمرو بن ہشام نے کہا ہر قبیلے سے ایک نوجوان لو اور تلوار دے کر اس کا گھیراؤ کریں اور یکبارگی وار کر کے اس کا کام تمام کر دیں۔ تمام قبائل میں اس کا خون تقسیم ہو جائیگا۔ بنو ہاشم تمام قریش سے لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے مجبوراً دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اور ہم اس سے چھوٹ بھی جائیں گے۔ ابلیس لعین نے کہا اس نے ٹھیک کہا ہے اس کی رائے سب سے عمدہ ہے۔ ابوجہل کی رائے پر اتفاق ہو گیا۔ آپ کے قتل کی بات طے پا گئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر رسول ﷺ کو اطلاع دی اور کہا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دی۔ آپ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بستر پر سونے کا حکم دیا۔ وہ آپ کے بستر پر سو گئے اور آپ کے حکم سے آپکی چادر اوپر اوڑھ لی۔ آپ نے ان کو تسلی دی کہ تمہیں کوئی ناگوار

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ

إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ

کچھ بھی نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہیں اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی

عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ

حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا ہم پر کوئی درد ناک عذاب واقع کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں

اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾

دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

معاملہ پیش نہ آئے گا۔ مشرکین نے رات آپ کی گھات میں گزار دی۔ صبح آپ کے بستر کو دیکھا تو علی رضی اللہ عنہ کو بیدار ہوتے پایا۔ وہ ششدر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش ناکام کر دی۔ پھر انہوں نے آپ کے نشانات قدم کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تدبیر کو بھی ناکام بنا دیا۔ لِيُثْبِتُوكَ (کہ آپ کو قید کر لیں) آپ کو قید کر کے باندھ دیں۔ أَوْ يَقْتُلُوكَ (یا آپ کو قتل کر ڈالیں) اپنی تلواروں کے ذریعہ أَوْ يُخْرِجُوكَ (یا آپ کو نکال باہر کریں) مکہ مکرمہ سے وَيَمْكُرُونَ (اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے) خفیہ تدابیر آپ کے متعلق چلا رہے تھے۔ وَيَمْكُرُ اللَّهُ (اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے جو ان کے لئے مخفی تیار کیا ہے۔ وہ اچانک ان کو آ لے گا وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے) اس کی تدبیر دوسروں کی تدبیر سے زیادہ اثر نفوذ رکھتی ہے۔

آیت ۳۱: نضر بن حارث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے اور اپنی قراءت میں گزشتہ زمانے کے واقعات ذکر کرتے۔ ایک دن نضر بن حارث کہنے لگا اگر میں چاہوں تو ایسے واقعات بیان کر سکتا ہوں۔ یہ فارس کے سفر میں رستم و اسفندیار اور عجمیوں کے قصے لے کر آتا اور لوگوں کو سناتا اس پر یہ آیت اتری۔

قرآن سے متعلق کفار کا تأثر:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا (اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں) یعنی قرآن قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (تو وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا۔ اگر ہم ارادہ کریں تو ایسا ہی ہم بھی کہہ سکتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول ہوتی آ رہی ہیں) یہ ان کی ڈھٹائی اور بے حیائی کی ہے کیونکہ انہوں نے ایک سورت قرآن کی مثل لانے کا دعویٰ کیا مگر لا نہ سکے۔

جو مانگا وہ مل گیا:

آیت ۳۲: وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا (اور جب ان لوگوں نے کہا اے اللہ اگر یہ) یعنی قرآن هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (آپ کی جانب سے حق ہی ہے)

نحو: ھذا یہ کان کا اسم ہے ھو ضمیر فصل ہے اور الحق خبر کان ہے۔ روایت میں ہے نضر نے جب کہا ان ھذا الا اساطیر الاولین۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو فرمایا افسوس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نضر نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے) یعنی اگر قرآن برحق ہے تو ہمارے غرور پر ہم کو پتھروں سے سزا دے جیسا کہ اصحاب فیل کے ساتھ کیا۔ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجئے) عذاب الیم کسی اور جنس سے عذاب دے۔ چنانچہ وہ بدر کے روز قتل المعار والسفر ہوا۔

نکتہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سبا کے رہنے والے ایک شخص کو کہا۔ تمہاری قوم کتنی جاہل ہے کہ انہوں نے عورت کو حکمران بنایا۔ اس نے کہا میری قوم سے تمہاری قوم بڑی جاہل ہے کہ جب رسول ﷺ نے ان کو حق کی طرف بلایا تو کہنے لگے ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء۔ تیری قوم نے یہ نہیں کہا ان کان ھذا ھو الحق فاھدنا لہ

ہجرت تک عذاب رکا رہا:

آیت ۳۳: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اور اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ ان کے اندر آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے) اس میں لام نفی تاکید کیلئے ہے۔ اس میں یہ دلالت ہے کہ جب تک آپ ان میں اقامت پذیر ہیں ان کو عذاب نہ دیا جائے گا کیونکہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ سابقہ امم میں یہ چلا آ رہا ہے کہ کسی قوم کو استیصال کا عذاب اس وقت نہیں دیا جاتا جب تک ان کا پیغمبر ان میں موجود ہو۔ اس سے یہ اشارہ ملا۔ یا یہ کہ پیغمبر ﷺ کے ہجرت کرنے تک عذاب ان سے رکا ہوا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا نہیں اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں) یہ موضع حال میں ہے اس کا معنی ان سے استغفار کی نفی ہے۔ یعنی نمبر ۱: اگر یہ ان لوگوں میں سے ہوتے جو ایمان لاتے اور کثرت سے استغفار کرتے تو ان کو اللہ تعالیٰ عذاب نہ دیتے۔ نمبر ۲: اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں جب تک ان میں استغفار کرنے والے موجود ہیں۔ اور وہ مسلمان ہیں جو مکہ میں موجود تھے اور کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔

کر لیے جائیں گے) کیونکہ ان میں سے بعض ایمان لائے اور اسلام پر پختہ رہے۔

مؤمن وکافر میں امتیاز ہوگا:

آیت ۳۷: لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ (تاکہ اللہ ناپاک لوگوں کو الگ کر دے) خبیث کفار کا گروہ مِنَ الطَّیِّبِ (پاک سے) ایمان والوں کی جماعت۔

نحو: لِیَمِیْزَ کا لام یُحْشَرُوْنَ سے متعلق ہے۔

قراءت: حمزہ وعلی نے لِیُمَیِّزَ پڑھا ہے۔ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ (اور ناپاک لوگوں کو) خبیث گروہ بَعْضَہٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَہٗ جَمِیْعًا (ایک دوسرے سے ملا کر) پس ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ فَیَجْعَلَہٗ فِیْ جَہَنَّمَ (پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے) فریق خبیث کو اُولٰٓئِکَ (ایسے لوگ) یہ اشارہ فریق خبیث کی طرف ہے۔ ہُمُ الْخٰسِرُوْنَ (وہی پورے خسارے میں ہیں) اپنے نفوس و اموال کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں۔

کفار کو عداوتِ رسول ترک کرنے کی دعوت:

آیت ۳۸: قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا (آپ کافروں سے کہہ دیں) یعنی ابو سفیان اور اس کے ساتھی اِنْ یَّنْتَہُوْا (اگر یہ لوگ باز آ جائیں) رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور آپ کے ساتھ قتال سے باز آ کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یُغْفَرْ لَہُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیے جائیں گے) ان کی تمام عداوت وَاِنْ یَّعُوْدُوْا (اور اگر یہ وہی عادت رکھیں گے) آپ کے ساتھ لڑائی کی طرف۔ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ (تو گزشتہ کافروں کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے) کہ ان کو دنیا میں ہلاک کرے گا اور آخرت میں عذاب دے گا۔ جب کفار کفر سے باز آ جائیں اور اسلام لے آئیں تو ان کے کفر و معاصی کو بخش دیا جائے گا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ جب مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو متروکہ عبادات کی قضا اس پر لازم نہیں آتی۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آجائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ

تو بیشک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔

فسادِ اعتقاد تک لڑو:

آیت ۳۹: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فسادِ عقیدہ نہ رہے) جس وقت تک ان میں شرک نہ پایا جائے۔ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (اور دین اللہ ہی کا ہو جائے) ہر دین باطل مضمحل ہو جائے اور فقط دینِ اسلام باقی رہ جائے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا (پھر اگر یہ باز آجائیں) کفر سے باز آجائیں اور اسلام لے آئیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں) ان کو اسلام پر ثواب دے گا۔

اگر وہ روگردانی کریں تو تم اللہ کی کارسازی پر اعتماد کرو:

آیت ۴۰: وَاِنْ تَوَلَّوْا (اور اگر وہ روگردانی کریں) ایمان سے اعراض کریں اور کفر سے باز نہ آئیں فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ (تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے) تمہارا مددگار و محسن ہے پس اس کی ولایت و نصرت پر پختہ یقین کرو۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى (وہ بہت ہی اچھا مولیٰ ہے) جو اس سے دوستی کرتا ہے اس کو وہ ضائع نہیں کرتا۔ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (اور بہت اچھا مددگار ہے) جس کی وہ مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے تو بے شک اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى

اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے

عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④①

اتاری اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس دن ملاقات ہوئی دونوں جماعتوں کی۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تقسیم غنائم:

آیت ۴۱: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (اور یہ بات جان لو کہ جو چیز بطور غنیمت تم کو حاصل ہو) نحو: ما الذی کے معنی میں ہے اس کو انما کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہے۔ ورنہ ما کافہ نہیں ہے بلکہ غنمتم اس کا صلہ ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے الذی غنمتموہ۔ مِنْ شَيْءٍ (کسی قسم کی چیز) یہ اس کا بیان ہے۔ کہا گیا کہ دھاگہ اور سوئی بھی۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے) نحو: فان کے الف کا فتحہ الذی میں موجود فا کی وجہ سے ہے۔ یہ تقدیر کے لحاظ سے رفع میں ہے خواہ مبتداء محذوف کی خبر۔ یعنی تقدیر عبارت یہ ہے فالحکم ان للّٰہ خمسہ یعنی حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس کا پانچواں حصہ ہے۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (اور رسول کا ہے اور آپ کے قرابت داروں کا ہے اور یتیموں کا ہے اور مسکینوں کا ہے اور مسافروں کا ہے) خمس رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ نمبر ۱۔ رسول اللہ ﷺ کا حصہ۔ نمبر ۲۔ قرابت والوں کا حصہ یعنی بنو ہاشم و بنی عبد المطلب کیونکہ بنی عبد شمس و بنی نوفل کو نہیں ملتا تھا۔ وہ نصرت و دوستی کی وجہ سے اس کے مستحق ہوئے۔ جیسا کہ حضرت عثمان اور جبیر بن مطعم کا واقعہ آتا ہے۔ (رواہ البخاری فی الخمس و ابو داؤد) نمبر ۳۔ تین حصے یتامیٰ، مساکین، ابن سبیل کیلئے۔

للّٰہ وللرسول کا مطلب:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا۔ اسی طرح قرابت والوں کا حصہ۔ البتہ ان کو فقر کی وجہ سے دیا جائے گا ان کے مالداروں کو نہ دیا جائے گا۔ تین حصوں، مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کے چھ حصے ہوں گے۔ نمبر ۱، ۲۔ اللہ و الرسول دو حصے نمبر ۳۔ ایک حصہ قرابت رسول ﷺ آپ ﷺ کی وفات تک اور تین یتامیٰ، مساکین، ابن سبیل۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعد والے خلفاء رضی اللہ عنہم نے تین حصوں پر تقسیم کیا۔

غزوۂ بدر کا ذکر:

آیت ۴۲: اِذْ اَنْتُمْ (اور وہ وقت تھا کہ جب تم) نمبر۱: یہ یوم الفرقان سے بدل ہے۔ یا نمبر۲۔ اذکروا کا مفعول ہے ای اذکروا اذ انتم۔ بِالْعُدْوَةِ (میدان کے کنارے پر تھے) وادی کا کنارہ

قراءت: مکی اور ابوعمرو نے بِالْعِدْوَةِ پڑھا ہے۔ الدُّنْيَا (قریب والے) مدینہ والی جانب۔ یہ ادنیٰ کی مؤنث ہے۔ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى (اور وہ لوگ اس میدان کے دور والے کنارہ پر تھے) مدینہ سے دور والا کنارہ۔ قصویٰ اقصیٰ کی مؤنث ہے۔ یہ دونوں فُعْلٰی کے وزن پر ہیں تو یاء کا تقاضہ یہ تھا کہ واؤ کو یاء سے بدل دیا جائے جیسا کہ علیا جو اعلیٰ کی مؤنث ہے۔ البتہ یہ القود کی طرح اصل پر ہے۔ وَالرَّكْبُ (اور قافلہ) یہ جمع راکب ہے۔ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (تم سے نشیب کی طرف تھا) یہ نصب کے لحاظ سے ظرف ہے۔ ای مکانا اسفل من مکانکم۔ یعنی تین میل اسفل الوادی میں۔ یہ محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتداء کی خبر ہے۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ (اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھہرا لیتے) تم اور اہل مکہ آپس میں لڑائی کا وقت طے کر لیتے لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ (تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا) ایک دوسرے سے وعدہ میں پس و پیش کرتے تمہاری قلت اور ان کی کثرت وعدہ و پورا کرنے سے روک دیتی اور ان کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا رعب لڑائی سے رکاوٹ ڈال دیتا۔ لڑائی کا اتفاق نہ ہوتا۔ جو اللہ کے اسباب جنگ پیدا کرنے سے ہو گیا۔ وَلٰكِنْ (اور لیکن) اس نے بلا میعاد تمہیں اور انہیں جمع کر دیا۔

اعزاز دین کا فیصلہ:

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے) نمبر۱۔ اپنے دین کا اعزاز اور اپنے کلمہ کی بلندی نمبر۲۔ لام کا تعلق محذوف سے ہے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پورا کرے جس کے لئے ہونا مناسب تھا۔ اور وہ اپنے دوستوں کی مدد اور ان کے دشمنوں کی مغلوبیت ہے۔ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے کہا۔ نمبر۳: قضاء کے لفظ میں حکم کا احتمال ہے۔ تا کہ وہ فیصلہ کر دے جس کا ہونا اس کے علم میں تھا۔ نمبر۴۔ تا کہ وہ اس کام کو پورا کرے جس کا ارادہ فرمایا اور جس کا ارادہ اس نے فرمایا وہ یقیناً ہو کر رہے گا وہ اسلام و مسلمانوں کی عزت اور کفر اور کفار کی ذلت ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (تا کہ جس کو برباد ہونا ہے واضح دلیل آنے کے بعد برباد ہو۔ اور جس کو زندہ رہنا ہے وہ واضح نشان کے بعد زندہ رہے) یہ لیقضی سے متعلق ہے۔

قراءت: نافع اور ابوعمرو نے حَيِيَ پڑھا ہے۔ ادغام التقائے مثلین کی وجہ سے ہے۔ اور اظہار اس لئے ہے کہ حرکت لازمی نہیں لازم ہے۔ مضارع کی یا کی وجہ سے ہے۔ یحیا۔ زیادہ استعمال ادغام کے ساتھ ہے۔ ہلاکت اور حیات کے الفاظ کفر و اسلام کے متعلق بطور استعارہ استعمال کئے گئے۔ مطلب یہ ہے تا کہ کافر کا کفر حق کے واضح ہونے کے بعد کسی اشتباہ کی بناء پر نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی الزام باقی نہ رہ جائے۔ اور تا کہ اسلام کو سچا دین سمجھ کر یقین سے قبول کریں۔ جو اس کو قبول کرنا اور اس پر قائم رہنا چاہتا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ بدر کا واقعہ ان واضح نشانات میں سے ہے کہ اس کے بعد کفر کرنے والا مکابرہ اور محض مغالطہ میں پڑنے والا ہے۔

اس لئے اس میں فریقین کے مراکز ذکر کر دیے۔ کہ قافلہ تم سے نچلی جانب ساحل سمندر پر جا رہا تھا۔ باوجودیکہ ان کے قتل ومشاہدہ میں یہ بات آ چکی تھی۔ دوسروں کو اس سے یہ سمجھایا کہ نصرت وغلبہ کثرت واسباب سے نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں۔ وہ اس طرح کہ دور والا کنارہ جہاں مشرکین نے پڑاؤ ڈالا وہاں پانی میسر، مناسب زمین اور نزدیکی کنارہ کے پاس والی زمین نرم جس میں پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ وہ بڑی مشقت سے اس میں چلا جاتا۔ ادھر قافلہ کثیر تعداد وسلح دشمن کے عقب میں تھا۔ ادھر مسلمان کمزور، قلیل التعداد۔ پھر ہوا جو کچھ ہوا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ (بے شک اللہ سننے والا ہے) ان کے اقوال کو عَلِیْمٌ (جاننے والا ہے) کافروں کے کفر اور ان کی سزا اور مؤمنوں کے ایمان اور بدلے کو۔

خواب میں اُن کی تعداد کم دکھائی گئی:

آیت ۴۳: اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ (اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے آپ کو دکھائے وہ لوگ) فِیْ مَنَامِکَ: یا اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۲۔ سمیع علیم کے متعلق ہے یعنی وہ مصالح کو جانتے ہیں۔ جبکہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر دیا۔ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا (آپ کے خواب میں کم تعداد میں) تمہارے خواب میں واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد خواب میں بہت کم دکھائی۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو خبر دی۔ اس سے ان کے دلوں میں دشمن کے خلاف حوصلہ پیدا ہوا۔ وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ (اور اگر آپ کو وہ لوگ زیادہ کر کے دکھا دیتے تو تم ہمت ہار جاتے) تم بزدل ہو جاتے اور تمہارے قدم اکھڑ جاتے وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ (اور اس معاملے میں تم میں باہم نزاع ہو جاتا) لڑائی کے معاملہ میں اور ثابت قدمی اور فرار میں متردد ہو جاتے۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ (اور لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا) اور بزدلی سے سلامتی کا احسان فرمایا اور تنازع اور اختلاف سے بچا لیا۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے) وہ جانتا ہے جس میں عنقریب بزدلی و جرأت اور صبر و گھبراہٹ ظاہر ہوگی۔

کفار کو مسلمان قلیل اور کثیر دونوں طرح دکھلائے:

آیت ۴۴: وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ (اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کو دکھلا رہا تھا) دونوں ضمیریں مفعول کی ہیں یعنی تمہیں وہ دکھا رہا تھا۔ اِذِ الْتَقَیْتُمْ (جب کہ تم مقابل ہوئے) دشمن سے ملاقات کے وقت فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا (تمہاری نظر میں تھوڑے) یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کفار کو مسلمانوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی تصدیق ہو جائے۔ اور صحابہ آنکھوں سے خود دیکھ کر خوب کوشش کریں۔ اور ثابت قدم رہیں اور ان کے یقین میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ہماری آنکھوں میں اتنے قلیل نظر آئے کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی کو کہا کیا تیرے خیال میں ان کی تعداد ستر ہے۔ اس نے کہا ایک سو ہوں گے حالانکہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔

وَیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ (اور تم کو ان کی نگاہ میں کم کر کے دکھلا رہا تھا) یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا وہ تو اونٹ کا ایک لقمہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی آنکھوں میں لڑائی سے پہلے قلیل تعداد میں دکھلایا۔ پھر بعد میں زیادہ تعداد میں دکھایا۔ تاکہ وہ ان پر بے پروا ہو کر جسارت کر ڈالیں۔ پھر اچانک ان کو کثرت دکھا دی جائے تاکہ ان پر دہشت زدہ ہو جائیں اور خوفزدہ ہوں۔

(امید ہے کہ تم کامیاب ہو) تاکہ تم اپنی مراد پالو۔ یعنی کامیابی اور ثواب۔

نکتہ: اس میں تنبیہ ہے کہ بندے کیلئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کسی صورت نہ ہٹے خواہ اس کا دل کتنا مشغول ہو۔ خواہ اس پر تمام غم سوار ہوں۔ اس کی یاد میں اس کا دل جمع ہوا ہونا چاہیے۔ خواہ دوسرے سے پراگندہ ہو۔

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو:

آیت ۴۶: وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو) جہاد کے حکم اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی وغیرہ میں۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا (اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے) پس تم بزدل ہو جاؤ گے۔ یہ اَنْ مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کے لئے دلیل وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ ہے۔ یعنی تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ رعب جاتا رہے گا جیسا کہتے ہیں ھبت ریاح فلان اذا دالت لہ الدولۃ ونفذ امرہ۔ اس کا حکم چلتا ہے۔ بزدلی کے اثر و نفوذ کو ہوا اور اس کے چلنے سے تشبیہ دی۔ ایک قول یہ ہے کہ مدد۔ لیکن ذکر ایسی ہوا کے ذریعے جس کو اللہ تعالیٰ بھیجتے تھے۔ حدیث شریف میں فرمایا۔ نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور۔ میری مدد صبح کی ہوا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا۔ وَاصْبِرُوْا (اور صبر کرو) دشمن کے ساتھ قتال میں ثابت قدم رہو۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) اللہ تعالیٰ ان کا مددگار اور معین ہے اور ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

لشکر ابوجہل کا حال:

آیت ۴۷: وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ (اور ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے) وہ اہل مکہ ہیں جو قافلے کی حفاظت میں نکل کھڑے ہوئے۔ ابو سفیان کا قاصد ان کو آملا اور کہنے لگا۔ تم واپس لوٹ چلو۔ تمہارا قافلہ صحیح سلامت گزر گیا۔ ابوجہل نے انکار کیا اور کہا ہم تو بدر تک جائیں گے۔ وہاں شراب کے جام اڑائیں گے اور اونٹ ذبح کر کے ان کا گوشت اڑائیں گے۔ اور ناچ رنگ کی محفلیں منعقد کریں گے اور عرب سرداروں کی دعوت کریں گے۔ اسی کو بطر فرمایا اور رئاء لوگوں کو کھانا کھلانا تھا۔ مگر اس کی بجائے ان کو موت کا جام پینا پڑا اور راگ رنگ کی محافل کی بجائے ماتم کی محفلیں قائم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی طرح بطر طرب اور اپنے اعمال میں ریاکاری سے منع کیا۔ ان کو تقویٰ کا دامن ہاتھ میں لینا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے غم زدہ اور دھڑکتے دل والا ہونا چاہیے اور تمام اعمال میں اخلاص برتنا چاہیے۔ بطر کثرت نعمت والی شکر سے غافل کر دے۔ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے) دین اللہ۔ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے) جاننے والا ہے اور محیط ہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب شیطان نے ان کو اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں ہے

وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوگئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری

مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸

ہوں بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے

تزئین شیطانی:

آیت ۴۸: وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ (اور اس وقت کا ان سے ذکر کرو جب کہ شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں) اذ کو واؤ۔ اس وقت کو یاد کرو جب شیطان نے ان کے لئے اعمال کو مزین کر دیا۔ وہ اعمال جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں کئے تھے۔ اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ بالکل مغلوب نہ ہوں گے۔ غالب یہ مبنی بر فتح ہے جیسے لا رجل لکم موضع رفع میں لائی خبر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لا غالب کائن لکم کوئی غالب تم پر ہونے والا نہیں۔ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ (اور میں تمہارا حامی ہوں) میں تمہیں پناہ دینے والا ہوں۔ اس نے ان کے وہم میں بات ڈالی کہ شیطان کی اطاعت ایسی چیز ہے جو ان کو پناہ دے گی۔ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ (جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوگئیں) جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوگئیں۔ نَكَصَ (وہ بھاگ گیا) شیطان بھاگ گیا عَلٰى عَقِبَيْهِ (الٹے پاؤں) ایڑیوں کے بل۔ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ (اور کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں) میں نے تمہیں جو امان کی ضمانت دی تھی اس سے رجوع کرتا ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں اپنے شیاطین کے ساتھ جھنڈا لے کر آیا۔ جب ملائکہ کو اترتے دیکھا تو الٹے پاؤں ہو کر بھاگا۔ حارث بن ہشام نے اس کو کہا کیا تو ہم سے اس حالت میں علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ (میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں) یعنی ملائکہ کو۔ کفار کو شکست ہوئی۔ جب مکہ پہنچے تو کہنے لگے لوگوں کو سراقہ نے شکست دلوائی ہے۔ جب سراقہ کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا بخدا قسم! مجھے تمہارے جانے کا بھی علم نہیں۔ البتہ تمہاری شکست کا علم ہوا۔ جب یہ مسلمان ہوگئے تو ان کو علم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ (میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں) اس کی سزا سے۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)

منافقین کی حالتِ مرگ:

آیت ۵۰: وَلَوْ تَرٰٓی (اور اگر دیکھیں) اگر تم مشاہدہ کرتے اور آنکھوں سے دیکھتے۔ تَرٰی مضارع کو ماضی کی طرف بدل ڈالا ہے۔ جیسا اِنْ ماضی کو مضارع کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اِذْ یہ ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا (جبکہ ان کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں) ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ (فرشتے ان کے منہ پر مارتے ہیں) نحو: نمبر ۱۔ ملائکہ فاعل ہے اور یضربون حال ہے۔ وجوههم ان کے چہروں پر مارتے ہیں۔ جب وہ سامنے آتے ہیں۔ وَاَدْبَارَهُمْ (اور ان کی پشتوں پر) ان کی پشتوں اور سرینوں پر جب وہ واپس مڑتے ہیں۔ نمبر ۲۔ ان کے چہروں پر جب وہ آگے بڑھتے ہیں اور پشتوں پر جب وہ شکست کھا کر بھاگتے ہیں۔

نحو: یہ بھی کہا گیا کہ یتوفی کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور الملائکہ یہ ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور یضربون اس کی خبر ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کیونکہ کفار اس بات کے مستحق نہیں کہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ ان کو موت دے۔ اس کی دلیل ابن عامر کی قراءت ہے تتوفی تاء کے ساتھ۔ جب صیغہ مؤنث کا ہوا تو فاعل ملائکہ بنے گا۔ وَذُوْقُوْا (اور تم چکھو) ان کو کہتے ہیں۔

نحو: اس کا عطف یضربون پر ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے تقدیر یہ ہے لرأیت امرًا فظیعًا۔ عَذَابَ الْحَرِیْقِ (آگ کی سزا) نمبر ۱۔ آگ کے عذاب کا مقدمہ (کفر پر موت) نمبر ۲۔ ذوقوا سے آخرت کے عذاب کی بشارت ہے۔ نمبر ۳۔ قیامت کو انکو سزا دیتے وقت یہ کہا جائے گا۔ ذوقوا۔

آیت ۵۱: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ (یہ عذاب ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں کئے ہیں) یعنی کمایا۔ اس آیت میں جبریہ فرقہ کی تردید ہے۔ نمبر ۱۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ نمبر ۲۔ یہ ملائکہ کا قول ہے۔

نحو: ذلك مبتدا اور بما قدمت اس کی خبر ہے وَاَنَّ اللّٰهَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ) اس کا معطوف ہے۔ وان اللہ یعنی یہ عذاب دو وجہ سے ہے۔ نمبر ۱۔ کفر و معاصی کی وجہ سے نمبر ۲۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر ظلم کرنے والے نہیں۔ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (اپنے بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں) کیونکہ کفار کو سزا دینا عین عدل ہے۔ ظلام نمبر ۱۔ انواعِ ظلم کی نفی کے لئے لائے۔ نمبر ۲۔ تکثیر کا صیغہ بندوں کی کثرت کی وجہ سے استعمال فرمایا۔

ان کا حال آلِ فرعون جیسا ہے:

آیت ۵۲: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ (ان کی حالت آل فرعون جیسی ہے) کاف محل رفع میں ہے یعنی داب هؤلاء کداب آل فرعون۔ دأبهم سے مراد ان کا عمل اور عادت جس پر وہ مداومت کرنے والے تھے۔ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (اور جیسے ان سے پہلے لوگوں کی حالت تھی) نمبر ۱۔ قریش سے پہلے نمبر ۲۔ آل فرعون سے پہلے۔ كَفَرُوْا (انہوں نے انکار کیا) یہ داب آل فرعون کی تفسیر ہے۔ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (اللہ کی آیات کا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے سخت سزا دینے والے ہیں) مطلب یہ ہے یہ لوگ تکذیب میں ان کی عادت پر چلے ہم نے ان کے جیسا ان کا نمبر لگا دیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کو بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی احوال کو نہ بدل دیں

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا

اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے جیسا کہ آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اپنے

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

رب کی آیات کو جھٹلایا سو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور یہ سب ظالم تھے

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بلاشبہ زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

نعمت، نقمت سے اعمال کے بدلنے پر بدلتی ہے:

آیت ۵۳: ذٰلِكَ (یہ بات) یہ عذاب۔ انتقام بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو انہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے) اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ نعمت والا معاملہ اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہیں بدل لیتے۔ یہ بلاشبہ درست ہے کہ مشرکین مکہ اور آل فرعون کا پہلے بھی طرزِ عمل ایسا تھا کہ پھر اس کو انہوں نے ناراضگی میں بدلا بلکہ بات یہ ہے کہ ناراضگی والی حالت بھی زیادہ اور شدید ترین ناراضگی کی طرف بدلی جا سکتی ہے اور بدلی ہے۔ چنانچہ غور کرو کفار مکہ بعثت سے قبل بت پرست تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر آیات دے کر بھیج دیا۔ تو انہوں نے اس کی تکذیب ہی نہیں کی بلکہ اس کا خون بہانے کی کوشش کی اس طرح انہوں نے اپنی بری حالت کو بدترین حالت میں بدل دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مہلت کے قانون کو عجلت سے بدل دیا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (اور بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے ہیں) ان باتوں کو جو رسولوں کی تکذیب کرنے والے کہتے ہیں۔ عَلِيْمٌ (بڑے جاننے والے ہیں) ان کے افعال کو جاننے والے ہیں۔

ہلاکت میں آلِ فرعون کی طرح ہیں:

آیت ۵۴: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ (ان کی حالت آل فرعون جیسی ہے) نمبر۱۔ تاکید کیلئے دوبارہ لائے۔ نمبر۲۔ پہلی مرتبہ بلا وضاحت گناہوں کی بناء پر پکڑ کا ذکر کیا اور یہاں اس کی وضاحت اہلاک و استیصال سے کر دی۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (اور ان سے پہلے والوں جیسی حالت ہے۔ کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا) اور بآیات ربہم لا کر واضح کر دیا کہ خاص طور پر اس نعمت کو ٹھکرایا اور حق کا انکار کیا۔ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ (اور اس پر ہم نے ان کو ان کے

تیسرا۔ فاعل مضمر ہے ای ولا یحسبن محمد الکافرین سابقین یعنی محمد ﷺ کافروں کو تم سے سبقت کرنے والے گمان نہ کریں۔

بعض لوگوں نے حمزہ کو اس قراءت میں متفرد قرار دیا مگر ان کا قول محل نظر ہے۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے۔ زہری سے روایت ہے یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری جو شکست کھانے کے بعد بچ گئے۔

کفار کے مقابلہ کی پوری تیاری کرو:

آیت ۶۰: وَاَعِدُّوْا (اور تم سامان درست رکھو) اے ایمان والو! لَهُمْ (ان کافروں کیلئے) وعدہ خلافوں کیلئے یا تمام کفار کیلئے مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے) ہر وہ چیز جس سے لڑائی میں مدد لی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے الا ان القوۃ الرمی آپ نے منبر پر یہ بات فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد قلعے ہیں۔ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (اور پلے ہوئے گھوڑوں سے) یہ ان گھوڑوں کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھے جاتے ہیں۔ نمبر۲۔ رباط جمع ہے ربیط کی جیسے فصیل و فصال۔ گھوڑوں کو قوت کیلئے اسی طرح خاص کیا۔ جیسے جبرائیل اور میکائیل کو ملائکہ میں سے وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ (البقرہ ۹۸) تُرْهِبُوْنَ بِهٖ (اس کے ذریعہ تم رعب جمائے رکھو) جس حد تک تم طاقت رکھتے ہو۔ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر) یعنی اہل مکہ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں پر بھی) ان کے علاوہ وہ یہود یا منافقین یا اہل فارس یا کفار جن کا ذکر حدیث میں ہے ان الشیطان لا یقرب صاحب فرس۔ شیطان صاحب فرس کے قریب نہیں آتا۔ ولا دارا فیھا فرس عتیق نہ وہ گھر جس میں آزاد گھوڑا ہو۔ (قال ابن حجر لم اجدہ) روایت میں ہے کہ گھوڑے کا ہنہنانا جنات کو ڈراتا ہے۔ (اس کی بھی اصل نہیں ملی) لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ (جن کو تم نہیں جانتے) تم ان کو ان کی صورت پر نہیں پہچانتے ہو۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا) اس کی وافر جزا تمہیں ملے گی۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا) جزا میں کمی نہ کی جائے گی بلکہ پوری ادا ہوگی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کے لئے مائل ہوں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بلاشبہ اللہ آپ کو کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی۔ بے شک وہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مومنین جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

آیت ۶۱: وَاِنْ جَنَحُوْا (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں) مائل ہوں۔ جنح کا صلہ لام ہو یا الیٰ اسکا معنی مائل ہونا آتا ہے۔ لِلسَّلْمِ (صلح کیلئے)
قراءت: ابوبکر نے سین کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ سَلم یہ مؤنث ہے اس کی ضد کی طرح جیسے اور وہ الحرب کا لفظ ہے۔ فَاجْنَحْ لَهَا (تو آپ بھی جھک جائیں) تو اس کی طرف مائل ہو۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اللہ پر بھروسہ کریں) اور ان کے باطن میں مکر ہو کہ مائل ہو کر دھوکہ کریں گے تو پروا نہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور ان کے مکر سے بچانے والا ہے۔
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) وہ آپ کے اقوال کو سننے والا اور آپ کے احوال کو جاننے والا ہے۔
آیت ۶۲: وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ (اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں) وہ مکر کریں گے اور دھوکہ دیں گے۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (اللہ آپ کو کافی ہے) اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ (وہ وہی ہے جس نے آپ کو قوت دی) بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے) تمام ایمان والوں سے یا انصار کے ذریعہ۔

اوس و خزرج میں الفت کا احسان:

آیت ۶۳: وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا) ایک سو بیس سال سے جنگی دشمنی تھی ان اوس و خزرج کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ

تو وہ دو سو پر غالب ہو جائیں گے اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ یہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

ایک سو ثابت قدم رہنے والے افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور

اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞

اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

تب بھی ان کے دلوں میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے) ان کی عداوت اس مقام تک پہنچ چکی تھی۔ اگر کوئی خرچ کرنے والا ان کی عداوت کو مٹانے کیلئے زمین کے تمام مال بھی خرچ کر ڈالتا پھر بھی عداوت کو الفت سے نہ بدل سکتا تھا۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے ان میں باہم الفت ڈال دی) اپنے فضل و رحمت سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کی قوت جمع کر دی۔ ان میں محبت و الفت پیدا کر دی اور باہمی بغض و عداوت دور کر دی۔ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ (بیشک وہ زبردست ہیں) آپ کو دھوکہ دینے والوں کو مغلوب کر دے گا۔ حَكِيْمٌ (حکمت والے ہیں) آپ کے پیروکی مدد کرے گا۔

اللہ کی مدد اور مؤمنوں کا تعاون کافی ہے:

آیت ۶۴: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے نبی (ﷺ) آپ کیلئے اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا وہ کافی ہیں) واؤ بمعنی مع ہے۔ نمبر ۱۔ اور اس کا مابعد منصوب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پیروکار مؤمنین کی مدد کیلئے کافی ہے۔ نمبر ۲۔ اور محل رفع میں بھی جائز ہے۔ ای کفاک اللہ و کفاک المؤمنون تمہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے مددگار ہونے کے لحاظ سے اور مؤمن کافی معاون ہونے کے اعتبار سے۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر تینتیس مرد اور چھ عورتیں ایمان لا چکے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو یہ آیت اتری۔

ترغیب قتال کا حکم:

آیت ۶۵: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (اے پیغمبر! آپ مؤمنین کو قتال کی ترغیب دیں) التحریض

جلد زائل ہونے والا اور کم باقی رہنے والا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتا ہے) جو کہ جنت کا سبب ہے۔ جس سے اسلام کی عظمت و عزت بڑھتی ہے اور وہ اساطین کفر کا قتل کرنا ہے۔ (تاکہ اسلام کے راستہ میں رکاوٹ دور ہو) وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ (اللہ زبردست قوت والا ہے) اپنے دشمنوں پر غالب ہے۔ حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والا ہے) اپنے دوستوں پر عتاب میں۔

نوشتۂ تقدیر میں فدیہ کی حلت:

آیت ۶۸: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ (اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا) اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا۔ سبقت کسی اجتہاد کرنے والے کو سزا نہ دی جائے۔ اور یہ بات ان سے بطور اجتہاد ہوئی کیونکہ۔ نمبر۱۔ انہوں نے اس بات کی طرف نگاہ کی کہ ان کا چھوڑ دینا ان کے اسلام کا سبب بن جائے گا۔ اور فدیہ سے جہاد پر قوت حاصل کی جائے گی۔ مگر دوسرا پہلو ان سے مخفی رہا کہ ان کے قتل میں اسلام کی عزت و شان ہے اور دوسروں پر اس سے رعب طاری ہوگا۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ اہل بدر کو عذاب نہ دیا جائے گا۔ نمبر۳۔ بیان و معذرت سے پہلے سزا نافذ نہیں۔

آپ کا مشورہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے یہ منکرین قیاس کے خلاف دلیل ہے۔ کتاب مبتداء من اللہ صفت اول سبق صفت دوم خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے لولا کتاب ثابت من اللہ ای لولا کتاب بهذه الصفة فی الوجود۔ سبق خبر نہیں ہے کیونکہ لولا کی خبر کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔ لَمَسَّكُمْ (تو تم پر واقع ہوتی) تمہیں ملتا اور پہنچتی فِيْمَآ اَخَذْتُمْ (جو امر تم نے اختیار کیا) یعنی قیدیوں کا فدیہ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (بڑی سزا) روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روتا ہوا پایا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیں اگر میں بھی رو سکوں تو روؤں۔ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت بنالوں گا۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہارے ان ساتھیوں پر رونا آرہا ہے۔ جنہوں نے فدیہ لیا میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب کر دکھایا گیا۔ وہ درخت آپ کے نزدیک ہی تھا۔ (مسلم ۱۷۶۳) اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر وہ عذاب آسمان سے اترتا تو اس سے عمر اور سعد بن معاذ کے سوا کوئی نہ بچ سکتا اس لئے کہ انہوں نے اثخان کو پسند کیا تھا۔ (ابن جریر)

اموالِ غنائم کے استعمال کی اجازت:

آیت ۶۹: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ (پس تم کھاؤ اس کو جو کچھ تم نے پایا ہے) روایت میں ہے کہ صحابہ کرام غنائم سے رک گئے اور انہوں نے اس کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ تو یہ آیت اتریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب فدیہ کو مباح کیا گیا تو گویا کہ غنائم میں سے ہے۔ فاء سببیہ ہے اور سبب محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے قد احللت لكم الفداء فكلوا تحقیق میں نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ تو سو تم کھاؤ۔ حَلٰلًا (حلال) عتاب و عقاب سے آزاد ہو کر۔ حلال یہ [illegible] سے ہے۔

نمبر۱۔ یہ مغنوم (غنیمت کے طور پر جو حاصل شدہ مال) سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ نمبر۲۔ مصدر کی صفت ہے یعنی اکلا حلالًا کھاؤ حلال کھانا۔ طَيِّبًا (پاک عمدہ) لذیذ و خوشگوار۔ نمبر۳۔ شرعاً حلال طبعاً پاکیزہ و مرغوب۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) ایسی چیز کی طرف اقدام نہ کرو جس کی اجازت تمہیں نہ دی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں خیر معلوم ہو گا

يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ کی

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

خیانت کا ارادہ کریں۔ سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

غَفُوْرٌ (بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے) جو کچھ پہلے تم کر چکے۔ رَّحِيْمٌ (رحمت والے ہیں) غنیمت کو حلال قرار دے کر۔

اگر دل میں ایمان ہوگا تو دوگنا ملے گا:

آیت ۷۰: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ (اے پیغمبر کہہ دیجئے اس سے جو آپ کے قبضہ میں) تمہاری ملکیت میں گویا تمہارے ہاتھوں کو پکڑنے والے ہیں۔ مِّنَ الْاَسْرٰۤى (قیدی ہیں) جمع اسیر

قراءت: ابو عمرو نے اُساریٰ پڑھا جو اسریٰ کی جمع ہے۔ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا (اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے دل میں ایمان معلوم ہوگا) خلوص ایمان اور صحت نیت يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ (تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے۔ اس سے بہتر تم کو دے دے گا) یعنی فدیہ۔ نمبر۱۔ خواہ دنیا میں دوگنا دے۔ نمبر۲۔ آخرت میں ثواب دے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں)۔

بحرین کا مال

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس بحرین کا مال آیا۔ جس کی مقدار اسی ہزار تھی۔ آپ نے نماز ظہر کیلئے وضو کیا۔ اور تقسیم کر کے نماز ادا فرمائی۔ عباس کو حکم دیا کہ وہ اس میں سے لے لیں انہوں نے اپنے اٹھانے کی مقدار اس میں سے لیا۔ اور وہ کہا کرتے تھے یہ اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا اور مجھے مغفرت کی امید ہے ان کے بیس غلام تھے ان میں سے سب سے کم مال کی تجارت کرنے والا بیس ہزار میں تجارت کرتا تھا۔ عباس کہا کرتے اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ پورا کر دیا اور مجھے دوسرے کا یقین ہے۔

(ابن جریر)

اگر فدیہ میں چالبازی مقصود تھی تو دوبارہ پکڑے جائیں گے:

آیت ۷۱: وَاِنْ يُّرِيْدُوْا (اور اگر یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں) قیدی خِيَانَتَكَ (آپ کے ساتھ خیانت کا) نمبر۱۔ ارتداد اختیار کر کے آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا۔ نمبر۲۔ جس فدیہ کا ضمان دیا تھا وہ روک لیا۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ (تو اس سے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کی تھی) اس کا انکار کر کے وہ ہر عاقل سے جو عہد لیا گیا اس کی خلاف ورزی کر کے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا

جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی

لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ

تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

تو تمہارے ذمہ ان کی مدد لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں ان میں باہم عہد ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا

كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

فساد ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ

جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی یہ لوگ ہیں ٹھیک ٹھیک ایمان والے ان کے لئے مغفرت ہے اور روزی عزت کی اور جو لوگ

آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ

اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ مل کر سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں

بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

وہ آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں اللہ کے حکم میں بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ (یعنی حق تعالیٰ نے ان کو گرفتار کرادیا) اللہ تعالیٰ نے ان پر تمہیں اختیار دیا، یعنی ان پر غلبہ دیا۔ جیسا کہ بدر کے دن ایسا ہوا، اور آئندہ بھی اگر وہ غداری کی طرف گئے تو ان پر تمہیں دوبارہ قابو دیں گے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں) حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والے ہیں) اس بات کو جس کا فیصلہ ان کو فرمایا۔

مہاجرین وانصار کا تذکرہ:

ترجمہ آیت ۷۲: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت میں مکہ سے ہجرت کی۔ وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا) وہ مہاجرین ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا (اور وہ لوگ جنہوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی) یعنی انہوں نے اپنے گھروں میں ٹھکانہ دیا اور ان کی اعانت کی۔ یہ جماعت انصار ہے۔ اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں) میراث میں وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ ابتداء ہجرت ونصرت کی وجہ سے انصار ومہاجرین وارث بنتے تھے۔ قرابات کی وجہ سے نہیں یہاں تک کہ یہ حکم اس ارشاد سے منسوخ ہوگیا۔ واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض (الاحزاب ۶) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے نصرت ومعاونت مراد ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی) کہ سے مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ (تمہارا انہیں ان سے میراث میں) میراث میں تولیت۔

قراءت: حمزہ نے وِلایتھم واؤ کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ بعض نے کہا یہ دونوں ایک لغات ہیں۔

ہجرت فرض تھی:

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں) وہ مسلمان جس نے ہجرت نہ کی ہو وہ وارث نہ بنتا تھا۔ ان مسلمانوں کا جو ایمان لانے کے بعد ہجرت کرنے والے تھے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی ایمان کا لفظ باقی رکھا۔ حالانکہ ہجرت فرض تھی۔ اس کے ترک سے وہ مرتکب کبیرہ بن گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہ والا ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ جیسا کہ خوارج ومعتزلہ کا مسلک ہے۔

کفار کے خلاف ان کی مدد کرو:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ (اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں) جو اسلام لایا اور ہجرت نہ کی۔ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (دین کے کام میں تو تم پر مدد کرنا واجب ہے) اگر ان کے اور کفار کے درمیان لڑائی ہو جائے اور وہ تم سے امداد طلب کریں تو کفار کے خلاف ان کی مدد ضروری ہے۔ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو) ان کے خلاف مدد کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تمہارے خلاف لڑائی میں ابتداء نہیں کی۔ معاہدہ اس بات سے مانع ہے کہ تم ابتداء کرو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں) حد شرع سے تجاوز کرنے کی ممانعت فرمائی۔

کفار میں باہمی موالات:

آیت ۷۳: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں) اس آیت کا ظاہر ان میں موالات کو ثابت کر رہا ہے۔ مطلب و مقصد یہ ہے کہ مسلمان موالات کفار سے باز رہیں۔ اور ان سے دور رہنا ضروری ہے اور قطع تعلق لازم ہے۔ اگرچہ وہ اقرب ہی ہوں۔ اور ایک دوسرے کا وارث بننا ترک کر دیں۔ پھر فرمایا اِلَّا تَفْعَلُوْهُ (اور اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے) اگر تم نے وہ نہ کیا جو میں نے حکم دیا ہے کہ مسلمان سے موالات کرو اور وہی تمہارے وارث و متولی ہیں۔ اسلام کی نسبت قرابت نسبی سے بڑھ کر ہے۔ تم قرابت کفار کو وہ قرابتیں مت بناؤ۔

تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا) زمین میں فتنہ پھیل جائیگا۔ اور بہت بگاڑ پیدا ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کفر کے خلاف ایک دست و بازو نہ بن سکیں گے۔ شرک غالب آئے گا اور فساد تو اس سے زائد ہے۔

مہاجرین وانصار سے عہد ہائے مغفرت:

آیت ۷۴: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (اور جو لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں) کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو سچا کر دیا۔ اور اس کے مقتضیات کو حاصل کر کے ثابت کر دیا۔ جیسے وطن چھوڑنا اہل و عیال چھوڑنا۔ گھر کو خیر باد کہنا۔ مال و دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا۔ جس میں سوائے دین اور آخرت کے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (ان کیلئے بڑی مغفرت اور بڑی معزز روزی ہے) جس میں احسان جتلانا نہیں اور نہ کدورتیں ہیں اور اس آیت میں تکرار نہیں کیونکہ یہ دوسری آیت میں وعدہ کریم کے ساتھ ان کی مدح کر رہی ہے۔ اور پہلی آیت میں باہم امداد کرنے اور تعلقات مضبوط کرنے کا حکم تھا۔ گویا مقصد الگ ہونے کی وجہ سے تکرار نہیں۔

سابقین کے بعد والوں کا حکم:

آیت ۷۵: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ ۢ بَعْدُ (اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے) سابقین بالہجرۃ کے ساتھ لاحق ہونے والے مراد ہیں۔ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ (اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو یہ لوگ تمہارے ہی شمار میں ہیں) ان کو انہی سے بطور فضل اور برائے ترغیب قرار دیا۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (اور جو لوگ رشتہ دار ہیں ایک دوسرے کے) قرابت والے وراثت میں زیادہ حقدار ہیں۔ یہ آیت توارث بالہجرت والنصر کی ناسخ

ہے۔ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وہ زیادہ حقدار ہیں) نمبر۱۔ اس کے علم اور تقسیم میں نمبر۲۔ لوح محفوظ میں نمبر۳۔ قرآن مجید میں وہ آیت میراث ہے۔ ہم احناف کیلئے وہ توریث ذوی الارحام کی دلیل ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) پس وہ اپنے بندوں میں جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ لوگوں کی چار قسمیں ہیں نمبر۱۔ مومن مہاجر نمبر۲۔ مومن انصار نمبر۳۔ مومن مگر ہجرت نہ کی۔ نمبر۴۔ کافر بے ایمان ہے۔
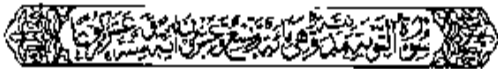
تمت سورة الانفال وتليها سورة التوبة

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوعًا

سورۂ براءت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ① فَسِيحُوا فِي

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف بیزاری ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ سو تم چلو پھرو

الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ②

زمین میں چار مہینے اور جان لو کہ بیشک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ بات کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے

سورت کے نام:

اس سورت کے کئی نام ہیں۔ نمبر۱۔ البراءۃ۔ نمبر۲۔ التوبۃ۔ نمبر۳۔ المقشقشۃ۔ نمبر۴۔ المبعثرۃ۔ نمبر۵۔ المشردۃ۔ نمبر۶۔ المخزیۃ۔ نمبر۷۔ الفاضحۃ۔ ۸۔ المثیرۃ۔ نمبر۹۔ الحافرۃ۔ نمبر۱۰۔ المنکلۃ۔ نمبر۱۱۔ المدمدمۃ۔

وجہ تسمیہ: البراءۃ کہنے کی وجہ اس میں کفار سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان ہے۔

نمبر۲۔ التوبۃ اس لئے کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی توبہ کا تذکرہ ہے۔

نمبر۳۔ المقشقشۃ اس لئے کہتے ہیں کہ نفاق سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

نمبر۴۔ المبعثرۃ منافقین کے اندرونی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ (ابن منذر)

نمبر۵۔ المشردۃ۔ منافقین کو منتشر کرنے والی

نمبر۶۔ المخزیۃ منافقین کو رسوائی میں مبتلا کرنے والی۔

نمبر۷۔ الفاضحۃ۔ منافقین کو رسوا کرنے والی۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

نمبر۸۔ المثیرۃ۔ نفاق کی حالت کو کھول کر سامنے لانے والی۔

نمبر۹۔ الحافرۃ۔ منافقین کو کرید کر ظاہر کرنے والی۔

نمبر۱۰۔ المنکلۃ۔ منافقین پر عذاب لانے والی۔

نمبر۱۱۔ المدمدمۃ۔ منافقین پر تباہی لانے والی عذاب اتارنے والی (حذیفہ رضی اللہ عنہ)

ابتداء میں ترکِ تسمیہ کی وجہ:

نمبر۱۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور براءت تو امن کو اٹھانے اور ختم کرنے کیلئے اتری۔ نمبر۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت یا آیت اترتی تو ارشاد فرماتے اس کو فلاں

مقام پر رکھ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس کے بارے میں نہیں بتلایا کہ کہاں رکھیں۔ اس کا قصہ سورۂ انفال کے مشابہ تھا۔ کیونکہ اس میں وعدوں کا تذکرہ ہے اور اس میں معاہدوں سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اسی لئے دونوں کو ملا دیا گیا ان دونوں سورتوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم القرینتین کہتے ہیں اور سبع طوال میں سے ساتویں سورت شمار کرتے ہیں۔ نمبر۳۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے اس میں اختلاف کیا۔

بعض نے کہا انفال و براءت ایک سورت ہے اور قتال کے متعلق نازل ہوئیں۔ بعض نے کہا یہ دو سورتیں ہیں۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ان کے قول کے پیش نظر چھوڑ دیا گیا۔ جو ان کو دو سورتیں کہتے تھے۔ اور جو ایک سورت کہتے تھے۔ ان کے قول کے پیش نظر بسم اللہ چھوڑ دی گئی۔

مشرکین سے اعلانِ بیزاری:

آیت ۱: بَرَآءَةٌ (دست برداری) نحو: یہ مبتدا محذوف ھذہ کی خبر ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے جن سے تم نے عہد کر رکھا ہے) نحو: نمبر۱۔ من یہ ابتدائے غایت کیلئے ہے اور محذوف سے متعلق ہے۔ یہ صفت نہیں جیسا کہ اس قول میں ہے من الذین۔ اب تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ھذہ براءة واصلة من اللّٰہ و رسولہ الی الذین عاھدتم۔ یہ براءت پہنچنے والی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا۔ یہ اس طرح ہے جیسے تم کہو۔ کتاب من فلان الی فلان

نمبر۲۔ براءة مبتدا ہے کیونکہ صفت سے اس کی تخصیص کی گئی اور الی الذین عاھدتم یہ خبر ہے۔ جیسا تم کہو۔ رجل من بنی تمیم فی الدار۔ مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں بری الذمہ ہیں اس عہد سے جو تم نے مشرکین سے کیا اور وہ عہد ان کی طرف واپس کیا جا رہا ہے۔

چار ماہ کی مہلت:

آیت ۲: فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (پس تم لوگ اس سرزمین میں چار ماہ چل پھر لو) یعنی تم زمین عرب میں چل پھر لو جس طرح چاہو۔ السیح مہلت کے ساتھ چلنا۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ اور دیگر عرب سے معاہدے کئے۔ آپ پورے کرتے ہے مگر ان میں سے بنو قبائل بنو ضمرہ اور بنو کنانہ نے عہد توڑنے والوں کی طرف ان کا عہد پھینک دیا گیا۔ اور ان کو چار ماہ جو کہ شہر حرم ہیں سرزمین عرب میں امن سے چلنے کی اجازت دی۔ فوراً جیسا اس آیت میں ہے فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین (التوبہ: ۵) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال ممنوع چلا آ رہا ہے۔

نزولِ آیت:

یہ آیت ۹ھ میں نازل ہوئی۔ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ مکہ کے امیر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تھے۔ اس موقع پر ابوبکر

صدیق ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ۹ ھ میں امیر الحج مقرر فرمایا۔ پھر علی المرتضیٰ ؓ کو اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے ان کے پیچھے بھیجا تاکہ حاجیوں کے مجمع میں سورۃ توبہ کی تلاوت کر دیں۔ آپ سے یہ کہا گیا کہ اگر آپ ابوبکر ؓ کی طرف بھیج دیتے تو آپ نے فرمایا لا یؤدی عنی الا رجل منی۔ معاہدات کی براءت میرے خاندان کا آدمی کر سکتا ہے۔ جب حضرت علی ؓ حضرت ابوبکرؓ کے اتنا قریب پہنچے کہ وہ اونٹنی کی آواز سن پائے تھے تو فرمایا یہ تو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی آواز ہے۔ حضرت علیؓ ان کو آملے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا سوال یہ تھا۔ امیر ام مامور؟ تو انہوں نے جواب دیا مامور۔ جب سات ذی الحجہ کا دن آیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور حج کے احکامات کو بتلایا۔ دس ذی الحجہ یوم النحر کو جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہوئے اور اعلان کیا۔ یایہا الناس انی رسول رسول اللّٰہ الیکم! میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد تمہارے پاس آیا ہوں۔ مجمع نے سوال کیا۔ کیا حکم لائے۔ آپ نے تیس یا چالیس آیات سورۃ توبہ کی پڑھ کر سنائیں اور کہا مجھے چار باتوں کا حکم ہوا ہے۔

مندرجات اعلان

نمبر ۱۔ لا یقرب البیت بعد ھذا العام مشرک۔

نمبر ۲۔ لا یطوف بالبیت عریان

نمبر ۳۔ لا یدخل الجنۃ الا کل نفس مومنۃ۔

نمبر ۴۔ ان یتم الی کل ذی عہد عہدہ۔ مشرک آئندہ بیت اللہ کے پاس نہ پھٹکے۔ ننگا طواف نہ ہوگا۔ جنت میں صرف مومن جائے گا۔ معاہد کا عہد پورا کیا جائے گا۔

مجمع: اے علی! تیرے چچازاد بھائی نے بات پہنچا دی۔ ہم نے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا۔ ہمارے اور اس کے درمیان صرف تیر اندازی اور تلوار چلانے کا معاہدہ ہے۔ چار مہینے یہ ہیں نمبر ۱۔ شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، المحرم یا ذی الحجہ کے بیس ایام، المحرم، صفر، ربیع الاول، دس دن ربیع الآخر کے۔ یہ حرم بھی نمبر ۱۔ اس لئے تھے کہ ان کو ان چار ماہ میں امن دیا گیا تھا۔ اور قتل و قتال ان سے حرام کیا گیا تھا۔ نمبر ۲۔ تغلیباً حرم کہا کیونکہ ذی الحجہ اور المحرم اشہر حرم میں سے تھے۔

مسلک جمہور:

اشہر حرم میں قتال اب مباح ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا۔ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ (اور یہ جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) اس سے بڑھ کر بھاگ نہیں سکتے اگرچہ قتل سے تمہیں مہلت دی گئی ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریں گے) قتل سے دنیا میں ذلیل کرے گا۔ اور آخرت میں عذاب دے کر۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ

اور بڑے حج کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول

الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ

کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے ان لوگوں کے

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا

جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا سی کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ

سو تم ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پھر جب اشہر حرم

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ

گزر جائیں سو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں پاؤ اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں گھات کے

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا

ہر موقعہ پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ

سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ

چھوڑ دو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے

حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اعلان کا تعلق تمام سے:

آیت ۳: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ (اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا

ہے) تحقیق: براءت جس طرح مرفوع ہے اسی طرح یہ بھی مرفوع ہے۔ پھر جملہ کا عطف بھی اسی طرح ہے۔ الاذان بمعنی اعلان ہے۔ جیسا کہ امان اور عطاء بمعنی ایمان اور اعطاء آتے ہیں۔ دونوں جملوں میں فرق صرف یہ ہے کہ پہلا جملہ ثبوت براءت کی خبر ہے۔ اور دوسرا جملہ اس اعلان کے لازم ہونے کی اطلاع ہے جو ثابت ہو چکا۔

براءت کو معاہدہ والے مشرکین سے متعلق کیا اور اعلان کو لوگوں سے متعلق کیا کیونکہ براءت کا تعلق معاہدین عہد توڑنے والوں کے ساتھ خاص ہے اور اعلان کا تعلق معاہد اور غیر معاہد تمام قسم کے لوگوں کیلئے ہے۔ خواہ معاہدین نے عہد توڑا ہو یا نہ توڑا ہو۔ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ (بڑے حج کے دن لوگوں میں) نمبر ۱: یوم عرفہ کیونکہ عرفہ اعمال حج میں سب سے بڑا رکن ہے۔ نمبر ۲۔ یوم نحر مراد ہے کیونکہ حج کی تکمیل طواف زیارت نحر حلق رمی وہ سب اسی دن میں ہوتی ہے۔ حج اکبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے۔

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ (اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں) یعنی بان اللہ۔ الا تو ان کے صلہ کو تخفیف کیلئے حذف کر دیا۔ وَرَسُوْلُهٗ نمبر ۱: بری میں جو ضمیر تھی۔ اس پر اس کا عطف ہے۔ نمبر ۲۔ ابتداء پر اور خبر محذوف ہے۔ ای و رسوله بری۔

قراءت: انّ کے اسم پر عطف کر کے منصوب پڑھا گیا۔ اس میں جر جوار کی وجہ سے ہے۔ یا قسم کی وجہ سے جیسا کہتے ہیں لعمرک۔

اہمیت تعلیم:

بیان کیا گیا کہ ایک اعرابی نے سنا کہ کوئی شخص اس آیت کو اس طرح پڑھ رہا ہے کہ معنی الٹ جاتا ہے۔ اس نے کہا اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بری ہے تو میں اس سے بری۔ اس کی زبان سے یہ کلمہ سن کر اس کو گریبان سے عدالت فاروقی میں لے گیا۔ اعرابی نے اس آدمی کی قراءت نقل کی اس وقت فاروق اعظمؓ نے حکم دیا عربی تعلیم دی جائے تا کہ اعراب کی غلطیاں لوگ نہ کریں۔

فَاِنْ تُبْتُمْ (اور اگر تم نے توبہ کی) کفر اور دھوکے سے۔ فَهُوَ (تو وہ) یہ توبہ خَیْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہت بہتر ہے) کفر پر اصرار سے وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ (اور اگر تم نے اعراض کیا) نمبر ۱۔ توبہ سے نمبر ۲۔ اسلام کے خلاف اعراض اور تولی سے توبہ کرو۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ (تو یہ سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) تم اللہ تعالیٰ سے سبقت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اس کی سزا اور پکڑ سے نکل جانے والے ہو۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (اور ان کافروں کو دردناک سزا کی خبر سنا دیں) ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے ساتھ بشارت کی بجائے۔

استثناء معاہدین:

آیت ۴: اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ (ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں۔ جن سے تم نے عہد لیا ہے) یہ فسیحوا فی الارض سے استثناء ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان بیزاری ہے۔ ان مشرکین کے متعلق جن سے تم نے معاہدہ کیا۔ پس تم ان سے کہہ دو تم چلو پھرو۔ مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا۔ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْئًا (پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی) معاہدے کی شرائط سے یہ عہد کو پورا کر کے اس کو نہ توڑا۔

قراءت: لم ینقضوکم بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے عہد بھی نہیں توڑا اور یہ مناسب تر ہے۔ لیکن مشہور قراءت زیادہ بلیغ ہے۔

کیونکہ تمام کے مقابلہ میں ہے۔ وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا (اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی) انہوں نے کسی دشمن کی تمہارے خلاف معاونت نہیں کی۔ فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ (پس ان کے معاہدہ کو پورا کرو) ان کو مکمل و تام ادا کرو۔ اِلٰی مُدَّتِھِمْ (ان کی مدت تک) ان کی مدت کے مکمل ہونے تک۔

تحقیق: استثناء یہاں مستدرک کے معنی میں ہے۔ گویا عہد توڑنے والوں کے بارے میں حکم دے کر کہا لیکن وہ لوگ جنہوں نے عہد نہیں توڑا ان کا عہد مدت تک پورا کرو اور ان کے قائم مقام نہ ٹھہراؤ اور پورا کرنے والے کو دھوکا دینے والے کی طرح مت قرار دو۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں فریقین کے مابین برابری نہ کی جائے۔ پس تم اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

عہد توڑنے والوں کے خلاف کارروائی کا حکم:

آیت ۵: فَاِذَا انْسَلَخَ (جب گزر جائیں) گزر جائیں الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ (حرمت والے مہینے) جن میں عہد توڑنے والوں کو بھی چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ (تو ان مشرکین کو قتل کرو) وہ جنہوں نے عہد کو توڑ دیا۔ اور تمہارے خلاف دشمنوں کی معاونت کی۔ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ (جہاں تم پاؤ) حرم میں یا حل میں وَخُذُوْھُمْ (اور ان کو پکڑو) اور ان کو قید کرلو۔ الاخذ۔ قید و بند میں ڈالنا۔ وَاحْصُرُوْھُمْ (اور ان کو باندھو) اور ان کو قید کرلو اور مقامات میں تصرف سے روک دو۔ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ (اور داؤ گھات کے مواقع میں ان کی تاک میں بیٹھو) ہر راستے اور گزرگاہ پر۔

تحقیق: یہ ظرف کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَاِنْ تَابُوْا (پھر اگر وہ توبہ کرلیں) کفر سے وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو) پھر ان کو قید و بند سے آزاد کرو۔ یا پھر ان سے ہاتھ روک لو۔ اور تعرض نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ (بیشک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے) کفر چھپانے اور اسلام سے دھوکا دینے کو رَّحِیْمٌ (رحمت کرنے والے ہیں) قتل کا حکم حدود احترام کی ادائیگی سے پہلے۔

پناہ کی اجازت:

آیت ۶: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ (اگر کوئی مشرکین میں سے تمہاری پناہ کا طالب ہو۔ تو آپ اس کو پناہ دیں) تحقیق: احدٌ کا لفظ فعل مضمر کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جس کی تفسیر فعل ظاہر کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وان استجارک احدٌ استجارک۔ مطلب یہ ہے۔ اگر ان مہینوں کے گزرنے کے بعد کوئی مشرک تمہارے پاس آ جائے جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ نہیں اور وہ تم سے امن کا خواہاں ہے تاکہ توحید و قرآن سے استفادہ کرے تو اس کو امن دے دو۔

حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ (یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سن لے) اور اس میں تدبر کرے اور اسلام کی حقیقت اس کے سامنے آ جائے۔ ثُمَّ اَبْلِغْہُ (پھر اس کو پہنچا دو) اس کے بعد مَاْمَنَہٗ (اس کے امن کی جگہ میں) اس کے اس گھر میں جہاں وہ امن پاتا ہے اگر وہ اسلام نہیں لایا۔ پھر اگر چاہو تو اس سے لڑ سکتے ہو۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے جس کو امن دیا جائے اس کو ایذا پہنچانا جائز نہیں۔ مگر ہمارے ہاں اسلام میں دوام امن اختیار نہیں

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے

عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

نزدیک عہد لیا۔ سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تو تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ

ان کا عہد کیسے رہے گا حالانکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کی پاسداری کریں نہ کسی معاہدہ کی پاسداری کا خیال کریں

يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ

یہ لوگ تمہیں اپنے منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے

اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُونَ

بدلے تھوڑی قیمت کو خرید لیا۔ سو انہوں نے اللہ کے راستے سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں برے کام ہیں۔ وہ کسی مومن کے بارے میں

فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا

کسی قرابت داری کا اور کسی ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور یہی وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز

الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم تفصیل کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

کر سکتا ہے۔ اس کو لوٹنے کا اختیار دیا جائے گا۔ ذٰلِکَ (یہ حکم) اجازت والا حکم جو اس ارشاد فاجرہ میں ہے۔ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ (اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے) اس وجہ سے کہ وہ جاہل لوگ ہیں اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کو تمہاری دعوت کی حقیقت کا علم ہے۔ پس ان کو امن دینا ضروری ہے تاکہ کلام اللہ کو سن کر یا سمجھ کر حق کو قبول و عدم قبول کا فیصلہ کریں۔

مشرک عہد پر قائم نہیں رہ سکتا:

آیت ۷: کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ رَسُوْلِہٖ (ان مشرکین کا عہد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہے گا) نحو: کیف یہ استفہام انکاری کے معنی میں ہے یعنی ان کا عہد پر قائم رہنا اور یہ عجیب بات

ہے یعنی تم ان سے یہ توقع مت رکھو اور نہ دلوں میں یہ بات لاؤ اور نہ ان کے قتل کے متعلق سوچو۔ پھر اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ (مگر وہ جن سے تم نے عہد لیا ہے) سے استدراک کیا۔ کہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا۔ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (مسجد حرام کے پاس) اور ان سے نقض عہد آج تک پیش نہیں آیا۔ جیسے بنو کنانہ، بنو ضمرہ تو ان کے معاملہ میں توقف پیدا کرو اور ان سے نہ لڑو۔ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ (پس جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھی طرح رہیں) اور ان سے نقض عہد ظاہر نہ ہو۔ یعنی جب تک وفائے عہد پر قائم رہیں۔ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ (تم بھی ان کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہو) وفا کرتے ہوئے۔

نحو: ما شرطیہ بمعنی فَاِنْ ہے۔ کہ اگر وہ استقامت اختیار کریں تو تم بھی معاہدہ کی پابندی کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ کو احتیاط رکھنے والے پسند ہیں) یعنی انتظار ان کے سلسلہ میں متقین کے خصائل میں سے ہے۔

کافروں کو کسی چیز کا پاس لحاظ نہیں:

آیت ۸: كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ (کیسے؟ حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں) دوبارہ اس لئے لایا گیا کہ مسلمانوں کو بتلا دیا جائے کہ مشرکین سے عہد کی پابندی بعید تر ہے۔

نحو: فعل کا معلوم ہونے کی بناء پر حذف کر دیا۔ ای كيف يكون لهم عهد و حالهم انهم ان يظهروا عليكم وہ معاہدہ کی پاسداری کیونکر کریں گے کیا ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کامیابی پا لیں اس کے بعد بھی کہ معاہدے کی پختہ قسمیں اٹھا چکے لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا (تمہارے متعلق وہ پاس ولحاظ نہ کریں گے قرابت کا) وہ کسی قسم کی رعایت نہ کریں گے اور نہ قرابت کا لحاظ وَّلَا ذِمَّةً (اور نہ قول و قرار کا) عہد کا پاس۔ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (وہ لوگ اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں) قسموں سے وعدہ کر کے اور وفاداری کا عہد کر کے۔ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف کو بیان کرنے کیلئے یہ ابتدائی کلام ہے اور دوبارہ اس لئے لائے کہ معاہدہ کی پابندی ان سے بہت بعید اور دور ہے۔ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ (اور ان کے دل نہیں مانتے) ان قسموں سے اور وعدے کی وفاداری سے۔ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ (ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں) عہد کو توڑنے والے ہیں۔ یا کفر میں سرکشی اختیار کرنے والے ہیں۔ انسانیت کی کوئی حد ان کو جھوٹ بولنے سے نہیں روک سکتی۔ اور نہ کوئی اخلاقی قدر توڑنے سے باز رکھ سکتی ہے جیسا کہ بعض کفار میں ان دونوں باتوں کی قدر پائی جاتی ہے۔

آیت ۹: اِشْتَرَوْا (انہوں نے اختیار کر رکھا ہے) بدلہ میں لیا۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے) قرآن کے ثَمَنًا قَلِيْلًا (متاع حقیر) معمولی سامان اور وہ شہوات و ہوا کی اتباع ہے۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ (پس یہ لوگ اللہ کے رستے سے ہٹے ہوئے ہیں) یعنی اعراض کیا اور دوسروں کو روکا۔ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کا یہ عمل بہت ہی برا ہے) ان کی یہ حرکت بڑی بری حرکت ہے۔

کسی مومن سے قرابت کا بھی پاس نہیں:

آیت ۱۰: لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (یہ لوگ کسی مومن کے متعلق نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ قول و قرار کا) یہ سابق

کی تکرار نہیں بلکہ ما کانوا یعملون کی تشریح ہے اول آیت سے مراد خاص ہے اس لئے کہ فیکم کا لفظ ہے۔ اور دوسری آیت عام ہے کیونکہ اس میں فی مؤمن ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ (یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں) جو ظلم و شرارت میں انتہاء سے تجاوز کرنے والے۔

توبہ اور اس کی علامات:

آیت ۱۱: فَاِنْ تَابُوْا (اگر یہ لوگ توبہ کرلیں) کفر سے وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ (اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے) پس وہ تمہارے بھائی ہیں۔

نحو: مبتدا محذوف ہے۔ فِی الدِّیْنِ (دین میں) نسب میں نہیں وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ (اور ہم تفصیل سے احکام بیان کرتے ہیں) ہم خوب کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (سمجھدار لوگوں کیلئے) سمجھتے اور اس میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے گویا اس طرح کہا: ان من تامل تفصیلها فهو العالم تحریضا علی تامل ما فصل من احکام المشرکین المعاهدین و علی المحافظة علیها۔

جو اس کی تفصیل میں غور کرے تو وہ جان لے گا۔ معاہدہ کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے احکام کی تفصیل پر غور کی ترغیب دینے کیلئے اور اس کی پاسداری کیلئے۔ یہ جملہ مستقلاً ذکر کیا گیا ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے

أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿۱۲﴾ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا

جنگ کرو کیونکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے

نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ

جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ کیا اور وہ ایسے ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ چھاڑ کی ابتداء کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو

فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ

سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو

بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ

عذاب دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور مسلمانوں کے سینوں کو شفا دے گا۔ اور ان کے دلوں کی

غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا

جلن کو دور فرمائے گا اور اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ

اور حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے سوا

وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ تعالیٰ کو اس سب کی خبر ہے جو تم کرتے ہو

اگر معاہدہ توڑیں اور طعنہ زنی کریں تو قابل گردن زدنی ہیں:

آیت ۱۲: وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ (اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں) یعنی انہوں نے قسموں کے ذریعہ کیے ہوئے والے معاہدے توڑ دیے۔ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ (اور تمہارے دین میں طعنہ کریں۔ تو تم ان کفر کے راہنماؤں سے لڑو) قراءت: دونوں ہمزہ کے ساتھ کوفی شامی نے پڑھا ہے۔ بقیہ قراء نے ایک ہمزہ سے پڑھا اور دوسرے کو غیر ممدودہ اور اس کے بعد یائے مکسورہ ہے۔ اس کی اصل ائممۃ جمع امام ہے جیسے عماد جمع اعمدۃ۔ پہلی میم کی

حرکت نقل کر کے ہمزہ ساکنہ کر دی اور میم کو دوسری میم میں ادغام کر دیا۔ جنھوں نے دونوں ہمزہ کو باقی رکھا انہوں نے دوسرے ہمزہ کو کسرۂ ماقبل کی وجہ سے یاء سے بدلا ہے۔ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ (ان کی قسمیں کچھ نہیں رہیں) پہلا حصہ آیت وان نکثوا ایمانهم میں ان کے لئے ایمان کو ثابت کیا مگر یہاں نفی کر دی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ جو ایمان وہ ظاہر کرتے ہیں وہ شروع آیت میں مراد ہے اور اس حصہ میں حقیقت کا اعتبار کر کے فرمایا لا ایمان لهم۔

مَسْئَلَۃ: کافر کی قسم قسم شمار نہیں ہوتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت کا معنی یہ کیا ہے وہ قسم پوری نہ کریں گے کیونکہ ان کے ہاں کافر کی قسم قسم شمار ہوگی کیونکہ اس کی تعریف میں نکث (توڑنا) کا لفظ آیا ہے۔

قراءت: شامی نے لا اِيْمَانَ بمعنی لا اسلام پڑھا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (اس ارادے سے کہ یہ باز آجائیں) یہ فقاتلوا ائمة الكفر سے متعلق ہے ان کے مابین جملہ معترضہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لیکن غرضکم فی مقاتلتهم انتهاء هم عما هم علیه بعد ما وجد منهم من العظائم۔ ان کے ساتھ تمہاری لڑائی کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ وہ جس چیز پر ہیں اس سے باز آجائیں۔ اس کے باوجود کہ ان سے یہ بڑے بڑے معاملات پائے گئے۔ گناہگار کیلئے درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غایت کرم کی توجہ ہے!

لڑائی پر آمادگی:

آیت ۱۳: پھر لڑائی پر آمادہ کیا۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ (تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا) جو انہوں نے معاہدہ میں حلف اٹھایا۔ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلاوطن کرنے کی تجویز کی) مکہ سے وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (اور انہوں نے تم سے خود پہلے تمہاری دشمنی کی ابتداء کی) لڑائی میں۔ اور ابتداء کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے پس ان کے ساتھ لڑائی سے تمہیں کونسی رکاوٹ ہے؟ اس میں مسلمانوں کو ایسے لوگوں کے ساتھ ترکِ قتال پر توبیخ کی اور ساتھ ساتھ لڑائی پر آمادہ کیا۔ پھر لڑائی پر ابھارنے کے اسباب ذکر کئے۔ جیسے نقض عہد، اخراج رسول، بلا سبب ابتدائے قتال۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ (کیا تم ان سے ڈرتے ہو) کفار سے ڈرنے پر توبیخ ہے۔ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو) کہ اس سے ڈرا جائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اگر تم ایمان رکھتے ہو) پس اسی سے ڈرو یعنی کامل ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرا جائے اور دوسرے کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

کفار سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دیں گے:

آیت ۱۴: جب ان کو ترکِ قتال پر توبیخ کر دی تو کھل کر ان کو حکم دیا۔ قَاتِلُوْهُمْ (ان سے لڑو) ایمان والوں سے نصرت کا وعدہ کیا تاکہ ان کے دل مضبوط رہیں اور ان کی نیتوں میں کبھی خرابی نہ آئے۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا) قتل کروا کر وَيُخْزِهِمْ (اور ان کو ذلیل کرے گا) قیدی بنا کر وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ (اور تم کو ان پر غالب کرے گا) تمہیں ان پر غلبہ دیکر وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (اور مسلمانوں کے دلوں کو شفا دے گا) ان میں سے ایک جماعت کو۔ اس

سے مراد بنوخزاعہ ہیں۔ بنو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ (جن پر حملہ کر کے بنوبکر نے قریش کی مدد سے بنوخزاعہ کو حرم میں قتل کیا تھا۔ جس سے فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا) تو بنوخزاعہ کے مسلمان مراد ہیں۔

مسلمانوں کی بے چینی کا ازالہ:

آیت ۱۵: وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ (اور ان کے دلوں کی بے چینی دور کرے گا) جو کفار کی طرف سے ان کو تکلیف پہنچی اللہ تعالیٰ نے یہ تمام وعدے پورے کر دیئے یہ آپ کی نبوت کی دلیل وثبوت ہے۔ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (اور جس کو چاہے گا اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیگا) یہ ابتدائے کلام ہے اور اس بات کی اطلاع ہے کہ بعض اہل مکہ اپنے کفر سے توبہ کریں گے اور یہ واقعہ ہوا ان میں بہت سے لوگ اسلام لائے جیسے ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو۔

ردِ معتزلہ: اس میں معتزلہ کے اس قول کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام کافروں کی توبہ قبول کرے لیکن وہ اپنے اختیار سے توبہ نہ کریں گے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) وہ آئندہ کے حالات کو جاننے والے ہیں جیسا کہ ماضی سے واقف ہیں حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والے ہیں) توبہ قبول کرنے میں۔

مجاہدین کی پہچان کی جانچ:

آیت ۱۶: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ان لوگوں کو تمہارے اندر سے جدا نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا) نحو: ام منقطعہ ہے ہمزہ توبیخ کیلئے ہے کیونکہ حسبان کا معنی پایا جاتا ہے تقدیر یہ ہے لا تتركون على ما انتم عليه حتى يتبين المخلص منكم وهم الذين جاهدوا في سبيل الله لوجه الله۔ تم جس حالت میں ہو اس پر چھوڑ نہ جاؤ گے یہاں تک کہ تم میں سے مخلصوں کو ظاہر کر دیا جائے۔ اور وہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا صرف اسی کی رضا مندی چاہتے ہوئے۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً (اور اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے سوا کسی کو خاص دوست نہ بنایا) یعنی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کے مخالفین کو رازدار نہیں بنایا۔ لما یہ توقع کیلئے ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسا ہونا بالکل متوقع ہے کہ مخلصین وغیر مخلصین کو چھانٹ لیا جائے۔

نحو: لم يتخذوا کا عطف جاهدوا پر ہے اور یہ صلہ کے تحت داخل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ولما يعلم المجاهدين منكم والمخلصين غير المتخذين وليجة من دون الله مقصود نفی علم کی ہے۔ معلوم کی نفی جیسا کہتے ہیں ماعلم الله مني ما قيل في کہ اس سے تمہاری مراد یہ ہے ماوجد ذالك مني کہ یہ بات میری طرف سے پائی ہی نہیں گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارا خیال ہے کہ بلا مجاہدہ تمہیں چھوڑ دیا جائیگا۔ اور مشرکین سے تمہیں الگ نہ کیا جائیگا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے) خیر و شر سے۔ پس وہ اس پر تمہیں بدلہ دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ

مشرکین اس کے لائق نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔

اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى

جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ سو توقع ہے

اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ

کرنے کو اس شخص کے برابر بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے کے اعتبار سے بڑے ہیں

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ

اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے

لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

مشرک اللہ کی مسجد کو آباد کرنے والا کیسے؟

آیت ۱۷: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ (مشرکین اس لائق نہیں) ان کے شرک کے باوجود ان کے لیے مناسب نہیں کہ یَعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ (کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں) (قراءت: مکی، بصری نے مَسْجِدَ اللّٰهِ پڑھا ہے اور اس سے مسجد حرام مراد لی۔

نمبر ا قراءت میں جمع اس لئے لائے کہ قبلہ مساجد یہی ہے وہ تمام مساجد کا امام بیت اللہ ہے جس نے اس کی آبادی کرنے والا گویا تمام مساجد کو آباد کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کا ہر حصہ مسجد ہے۔

نمبر۲۔ جنس مساجد مراد ہے۔ جب ان میں اس کی جنس کو درست کرنے کی صلاحیت نہیں تو اس کے تحت مسجد حرام بھی داخل ہوگئی کہ وہ اس کی آبادی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لئے مسجد حرام تو اس جنس کا مرکزی حصہ ہے اور مقدم ہے اور یہ کنایہ کا موکد ترین طریقہ ہے جیسا تم کہو فلان لا یقرأ کتاب اللہ یہ بات قراءت قرآن کے بارے میں انکار نفی۔ بہ نسبت یادہ موکد ہے۔

شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (اس حالت میں کہ وہ خود اپنے کافر ہونے کا اقرار کر رہے ہیں) اس لئے کہ وہ عبادت اصنام کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ یعمروا کی واؤ سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ما استقام ان یجمعوا بین امرین متضادین عمارۃ متعبدات اللہ مع الکفر باللہ و بعبادتہ ان کو مناسب نہیں دو متضاد باتوں کو جمع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ کی تعمیر کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا انکار کرتے ہیں۔ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (ان لوگوں کے تمام اعمال بے کار ہیں اور آگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) ہمیشہ رہنے والے۔

مؤمن مسجد کو آباد کرنے والا ہے:

آیت ۱۸: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے) اس کی تعمیر، بوسیدگی کی مرمت، صفائی، روشنی کا انتظام، جن چیزوں کیلئے مساجد تعمیر نہیں کی گئیں ان سے حفاظت مثلاً دنیا کی باتیں کیونکہ مسجد کی تعمیر کا مقصد عبادت اور ذکر الٰہی کیلئے ہے اور علم پڑھانا بھی اس ذکر میں شامل ہے۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں) یہاں ایمان بالرسول کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ خود معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے کو رسول پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ شہادت، توحید، اذان، اقامت وغیرہ میں دونوں شہادتیں ساتھ ساتھ ہیں۔ نمبر۲۔ اس ارشاد سے ایمان بالرسول پر دلالت کردی۔ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہ ڈریں) اخلاص پر متنبہ کیا۔ مراد خشیت سے دین میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر کسی دوسری رضا مندی کی توقع کے خوف سے ترجیح نہ دے۔ اس لئے کہ بعض اوقات مؤمن محذورات سے ڈرتا ہے اور ڈرنے کے علاوہ اس کو کسی چیز کا اختیار ہی نہیں رہتا۔ دوسرا قول یہ ہے پہلے وہ اصنام سے ڈرا کرتے تھے۔ اور ان سے امیدیں لگاتے تھے پس اس خوف کی نفی ان سے کی گئی ہے۔

فَعَسٰۤى اُولٰٓىِٕكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ (پس ایسے لوگوں کی نسبت توقع ہے کہ وہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے) ہدایت کے مواقع سے مشرکین تو بہت دور ہیں اور ان کے شرک کی وجہ سے اعمال سے نفع اٹھانا بھی نہیں ہو سکتا۔ عسیٰ کا کلمہ استعمال فرمایا جو طمع کیلئے اور امید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان مساجد کی تعمیر ان لوگوں کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہی کے حق میں یہ چیز قبول ہے دوسروں کیلئے نہیں۔

کفر کے ہوتے ہوئے تعمیر مسجد' سقایہ حجاج بے وزن اعمال ہیں:

آیت ۱۹: اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتا) السقایۃ۔ العمارۃ۔ یہ دونوں مصدر ہیں۔ فعل سقی، عمر جیسا الصیانۃ والوقایۃ۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اجعلتم اهل سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والوں اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے کو ایمان والوں کے برابر قرار دیا۔

دوسرا قول: مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ ابن زبیر کی قراءت اس کی معاون ہے۔ سُقَاةَ الحاج و عَمَرَةَ المسجد الحرام مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے مومنین سے مشابہ ہونے کا انکار ہے۔ مشرکین کے اعمال حبط شدہ اور مسلمانوں کے اعمال ثابت و قائم شدہ ہیں۔ اور اس بات سے انکار کیا گیا کہ ان کے مابین برابری پائی جائے۔ اور ان کے برابر قرار دینے کو کفر کے بعد ایک اور ظلم قرار دیا۔ کیونکہ انہوں نے مدح و فخر کو ایسے مقام کیلئے تجویز کیا جو مدح و فخر کا مقام ہرگز نہیں۔

شانِ نزول: یہ عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں اتری جب بدر میں وہ قید ہوئے تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑائی کے سلسلے میں ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ اور قطع رحمی پر بھی ان کو کھری کھری سنائیں تو عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے تم ہمارے عیوب کو چھوڑ کر ہماری خوبیاں گنواتے ہو۔ تو ان سے پوچھا گیا تمہارے محاسن کیا ہیں۔ تو کہنے لگے ہم بیت اللہ کو تعمیر کرتے، حاجیوں کو پانی پلاتے اور قیدی کی گردن چھڑاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے سقایہ پر فخر کیا اور شیبہ نے عمارت پر اور علی رضی اللہ عنہ نے اسلام اور جہاد پر۔ اللہ تعالیٰ نے علی رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر دی۔

ایمان' ہجرت و جہاد مقبول ترین عمل ہیں جو جنت کا باعث ہیں:

آیت ۲۰: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مرتبہ والے ہیں) اہل سقایہ اور اہل تعمیر کے مقابلہ میں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) اور کامیابی سے مخصوص ہونے کی بجائے۔

آیت ۲۱: یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ (ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے) قراءت: حمزہ نے یَبْشُرُهُمْ پڑھا۔ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ (اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور ایسے باغات) رحمت، رضوان، جنات کی بشارت دی اور ان کو نکرہ ذکر کیا تا کہ بتلایا جائے کہ یہ انعامات غیر معمولی ہیں اور کسی وصف کے ساتھ بیان سے باہر ہیں۔ اور معرفت کو معرفہ ذکر کیا گیا۔ لَّهُمْ فِیْهَا (جن میں ان کیلئے) ان جنات میں نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ (دائمی نعمتیں ہوں گی) دائمی۔

آیت ۲۲: خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے) اجر غیر منقطع ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند

عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِن كَانَ

کرتے ہوں۔ اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی رکھے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا

باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ

اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں

وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ خدا کا حکم آ جائے اور اللہ فاسق لوگوں کو

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾

ہدایت نہیں دیتا۔

آیت ۲۳: شان نزول: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا تو ایک آدمی اپنے بیٹے کو کہنے لگا اور اپنے بھائی اور دیگر قرابتداروں کو کہ ہمیں تو ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض نے جلدی سے ہجرت کو اختیار کر لیا۔ اور بعض سے ان کے بیٹے اور ازواج چمٹ گئیں کہ ہمیں تو یہاں خالی ہاتھ چھوڑ رہا ہے۔ ہم ضائع ہو جائیں گے۔ وہ ان پر ترس کھا کر ان کے ساتھ رہ پڑا اور ہجرت کو چھوڑ بیٹھا۔ تب یہ آیت اتری۔

کافر غیر ہے خواہ باپ ہو:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ (اے ایمان والو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلے میں عزیز رکھیں) یعنی کفر کو ترجیح دیں اور چن لیں۔ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ (اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا) جو کافروں سے دوستی اختیار کرے گا۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پس ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی۔ جب تم کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا،

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ

پھر تمہاری کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ

مُّدْبِرِیْنَ ۟ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ

کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر اور مؤمنین پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۟

لشکر اتارے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے۔ اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہ سزا ہے کافروں کی۔

ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۟

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ رشتہ داریاں اللہ اور رسول کے مقابلے میں بے حیثیت ہیں:

آیت ۲۴: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ (آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ) تمہارے اقارب۔ قراءت: ابوبکر نے وعشیراتکم پڑھا ہے۔ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا (اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں) جو مال تم نے کمایا۔ وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا (اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو خطرہ ہو) کہ بازاری کے وقت فوت ہونے کا۔ وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے) جلد آنے والا عذاب یا دیر سے ملنے والا عذاب یا فتح مکہ۔ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتے) یہ آیت ان لوگوں کی شناعت احوال کا بیان ہے جو عقیدہ کی کمزوری اور یقین کے ضعف میں مبتلا ہیں۔ بڑے پرہیزگار بھی باپ، اولاد، مال، مکانات سے زیادہ دین سے محبت نہیں کرتے۔

مواقع نصرت:

آیت ۲۵: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ (اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت مواقع میں غلبہ دیا) جیسا واقعہ بدر، قریظہ،

بنی نضیر، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ شمار ہوں۔ وہ مواقع جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد کی اور ایمان والوں کی امداد فرمائی وہ اسی ۸۰ ہیں۔ مواطن الحرب: مقامات و مواقف حرب۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ (اور حنین کے دن بھی) یہاں یوم سے پہلے اذکروا محذوف ہے۔ یعنی تم یوم حنین کو یاد کرو۔

غزوۂ حنین:

حنین ایک وادی ہے جو مکہ اور طائف کے مابین ہے۔ اس میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان معرکہ پیش آیا۔ مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ہوازن و ثقیف جن کی تعداد چار ہزار اتفاقی جاتی ہے۔ (مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چوبیس ہزار لکھی ہے) جب مسلمانوں کا ان سے سامنا ہوا تو کسی مسلمان کی زبان سے نکل گیا۔ لن نغلب الیوم من قلة آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات گراں گزری۔ اِذْ (جب) یہ یوم سے بدل ہے۔ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسندی میں مبتلا کر دیا) کثرت کی خود پسندی والی بات سامنے آگئی اور یہ بات ان کی نگاہ سے (جن کی مراد ہیں) اوجھل ہوگئی کہ کثرت جنود سے فتح نہیں بلکہ من جانب اللہ ہے۔ پس اول وہلہ میں شکست کھا گئے اور شکست خوردہ مکہ پہنچ گئے۔

(مگر یہ بات خود قابل تحقیق ہے کسی معتبر روایت میں شکست خوردہ کا مکہ پہنچنا منقول نہیں)

آپ کی ثابت قدمی:

رسول اللہ ﷺ چند ساتھیوں کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ آپ کے خچر کی لگام عباس بن عبدالمطلب اور رکاب ابو سفیان بن حارث تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عباس! لوگوں کو آواز دو۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ چنانچہ انہوں نے آواز دی یا اصحاب الشجرة۔ آواز پہنچتے ہی منتشر صحابہ یہ کہتے ہوئے آواز کی طرف بڑھے۔ لبیک لبیک۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابلق گھوڑوں پر سوار سفید کپڑوں میں ملبوس فرشتے اترے۔ اس وقت رسول ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی لے کر خدا کے حکم سے دشمنوں کی طرف پھینکی پھر فرمایا خدا کی قسم تم شکست کھا گئے رب کعبہ کی قسم تم شکست کھا گئے۔ پس کفار کو شکست ہوئی (مسلم) اس دن رسول خدا ﷺ نے یہ دعا مانگی۔ اللهم لك الحمد واليك المشتكى وانت المستعان۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے سمندر پار کرتے وقت مانگی تھی۔

کثرت نے فائدہ نہ دیا

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (تمہاری کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگی کرنے لگی) بِمَا رَحُبَتْ: ما وصفیہ کا مصدر ہے۔ اور باء بمعنی مع ہے۔ ای مع رحبها۔ وسعت کے باوجود اور اصل میں ملتبسة برحبها ہے۔ اس طرح کہ جار مجرور حال ہیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ دخلت علیه بثياب السفر يعنى متلبسا بثياب السفر۔ میں ان کے ہاں آیا سفر کے کپڑے پہننے کی حالت میں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ دشمن سے بھاگنے کی تمہیں جگہ نہیں مل رہی تھی۔ گویا کہ زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے) یعنی شکست کھا گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ

پاس نہ آنے پائیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا

اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اگر چاہے بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

نزولِ سکینہ:

آیت ۲۶: ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی اتاری) اس کی وہ رحمت جس سے ان کو سکون ملا اور وہ ایمان لائے۔ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا) یعنی ملائکہ۔ فرشتوں کی تعداد آٹھ ہزار تھی یا پانچ ہزار تھی یا سولہ ہزار تھی۔ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور کافروں کو سزا دی) قتل اور قید کا اور عورتوں اور بچوں کے قیدی بنانے کا۔ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ (اور یہ کافروں کی سزا ہے)

آیت ۲۷: ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ (پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان میں سے اسلام لے آئے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اسلام کے ذریعہ وہ کافر کے کفر کو مٹا دیتا ہے۔ رَّحِيْمٌ (بڑی رحمت کرنے والے ہیں) شکست کے بعد بھی دوست کی مدد کرتا ہے۔

مشرکین نجس ہیں ان کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع ہے:

آیت ۲۸: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (اے ایمان والو! مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں) پلیدی والے ہیں۔ نجس مصدر ہے کہا جاتا ہے: نجس نجسًا و قذر قذرًا کیونکہ ان میں وہ شرک تھا جو بمنزلہ نجاست ہے۔ اور اسلئے بھی کہ نہ وہ طہارت کرتے ہیں، نہ غسل کرتے ہیں نہ نجاسات سے بچتے ہیں تو گویا گندگی ان کو اس کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ یا ان کو عین نجاست قرار دیا۔ تاکہ وصف نجاست میں ان کے متعلق مبالغہ ظاہر ہو۔ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (وہ لوگ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں) نہ وہ حج کو آئیں اور نہ عمرہ کریں جیسا کہ وہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (اس سال کے بعد) یہ ۹ھ کی بات ہے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا تھا۔ قریب آنے کی نفی سے مراد حج و عمرہ کی ممانعت ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے البتہ وہ نہ حرم اور مسجد حرام اور دیگر مساجد سے ان کو روکا نہیں جا سکتا۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان کو مسجد حرام کے قریب نہ آنے دیا جائے گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد سے بھی ان کو روکا جائے گا۔

جیسا کہ المسیح ابن اللہ کی ترکیب ہے۔ عزیر یہ عجمی نام ہے غیر منصرف ہے علمیت و عجمیت کی وجہ سے ہے جنہوں نے اس کو منصرف مانا انہوں نے تنوین سے پڑھا وہ عاصم و علی ہیں۔ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے۔ ان کے منہ سے کہنے کا) یہ ایسا قول ہے جس کی معاون کوئی دلیل ہے نہ موجود نہیں ہے اور نہ کسی کا بیان اس کی صورت میں پیش کیا جو صداقت کی بہ نسبت منہ سے نکالا جانے والا لفظ محض ہے۔ جو اپنے منہ کوئی معنی نہیں رکھتا جیسے کہ مہمل الفاظ ہوتے ہیں۔

يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (یہ بھی ان لوگوں جیسی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے) اس میں حذف مضاف ضروری ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے یضاهی قولهم قولهم اتنا قولهم ان کے قول کے مشابہ ہے۔ پھر مضاف کو حذف کرتے ضمیر جو اس کے قائم مقام کر دیا۔ اسی سے یہ مرفوع میں ہو گیا۔ یعنی ان الذین کانوا فی عهد رسول اللہ ﷺ من الیهود والنصاری یضاهی قولهم قول قدمائهم مطلب یہ ہے کہ کفر ہے جو ان میں چلا آ رہا ہے جو یہ کوئی نیا نہیں۔ ضمیر نصاریٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی یضاهی قولهم۔ نصاریٰ کا قول یہود کے قول کے مشابہ ہے نصاریٰ نے المسیح ابن اللہ کہا ہے۔ جبکہ یہود نے جو ان سے پہلے ہوئے انہوں نے عزیر ابن اللہ کہا۔

قراءت: یضاهئون عاصم نے پڑھا ہے۔ اور مضاہات کا معنی مشابہت اکثر قراء نے ہمزہ کو چھوڑا اور ان کا قول امرأۃ ضهیاء سے مشتق ہے۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے کہ اس کو حیض نہ آئے [illegible]۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ (اللہ ان کو غارت کرے) یعنی وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو یہ کہا جائے اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں) دلیل کے واضح ہونے کے باوجود وہ حق سے کس طرح پھر رہے ہیں۔

انہوں نے حلال و حرام اپنے علماء و درویشوں کے حوالہ کر دیا ہے:

آیت ۳۱: اِتَّخَذُوْٓا (انہوں نے بنا رکھا ہے) اہل کتاب نے اَحْبَارَهُمْ (اپنے علماء کو) اپنے علماء و رُهْبَانَهُمْ (اپنے عابدوں کو) اَرْبَابًا (معبود) مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ کو چھوڑ کر) اس طرح کہ ان کی اطاعت اس چیز کو حلال کرنے میں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے اور اس چیز کو حرام کرنے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا۔ اسی طرح کرتے جیسے ارباب کی اطاعت اور امر و نہی میں کی جاتی ہے۔ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (اور مسیح ابن مریم کو بھی) یہ احبار پر عطف ہے انہوں نے مسیح کو رب یعنی ابن اللہ بنایا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں) اس پر وقف بھی جائز ہے کیونکہ اس کا مابعد مبتدا ہے جو صفت کی صلاحیت رکھتا ہے اور واحد کی صفت بن سکتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ پاک ہے ان کے شرک سے) شرک سے اس کا پاک قرار دینا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو

نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ

پورا کرے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

آیت ۳۲: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (وہ لوگ اس طرح چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ بغیر اس کے کہ اپنے نور کو پورا کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں اگرچہ کافر لوگوں کو یہ بات ناگوار ہو) ان کی مثال نبوت محمد ﷺ کو ناکام کرنے میں اور تکذیب میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی عظیم روشنی کو پھونک مار رہا ہو جو روشنی آفاق میں پھیلنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ اس روشنی کو بڑھانے والے ہوں اور اس کو چمکا کر انتہاء تک پہنچانے والے ہوں۔ پھونک کا مقصد اس روشنی کو بجھانا ہو (تو جس طرح اس کی پھونک سے وہ روشنی بجھ نہیں سکتی اسی طرح نور اسلام بھی ان کی باطل تدبیروں سے ختم نہیں ہو سکتا۔ وَيَاْبَى اللّٰهُ کو لا یرید کی بجائے لایا گیا۔ اسی لئے کہ وہ یریدون کے مقابلہ میں آ رہا ہے۔ ورنہ تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کرھت او ابغضت الا زیدا۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو بہر صورت تمام ادیان پر غلبہ دینا ہے:

آیت ۳۳: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (وہ اللہ ایسا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا) محمد ﷺ بِالْهُدٰى قرآن کے ساتھ وَدِيْنِ الْحَقِّ (اور سچا دین) اسلام لِيُظْهِرَهٗ (تاکہ وہ غالب کر دے) وہ بلند و غالب کرے عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (تمام دینوں پر) تمام اہل ادیان پر نمبر۲۔ دین حق کو ہر دین پر غالب کرے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (اگرچہ مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں)۔

وعدہ عادینا ہے وہ نسی جو اہل جاہلیت میں رواج ہے۔ مطلب یہ کہ چار مہینوں کی حرمت یہ صراط مستقیم ہے۔ اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا دین ہے۔ عربوں نے اس بات کو مضبوطی سے تھام رکھا۔ وہ ان میں قتال کو حرام قرار دیتے اور ان کی تعظیم کرتے رہے یہاں تک کہ ایک نئی رسم ایجاد ہوئی جس سے اس میں تبدیلی آگئی۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ (پس تم ان مہینوں کے بارے میں نقصان مت کرنا) حرم میں یا بارہ مہینوں میں۔ اَنْفُسَكُمْ (اپنا) گناہوں کا ارتکاب کر کے وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (اور ان تمام مشرکین سے جنگ کرو)

نحو: کافۃ یہ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں) اکٹھے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے) یعنی انکا مددگار ہے۔ اس میں متقین کو تقویٰ کی ضمانت دے کر تقویٰ پر آمادہ کیا۔

رسم نسی کی تردید:

آیت ۳۷: اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ (بے شک موخر کر دینا) یہ ہمزہ کے ساتھ نساءٌ کا مصدر ہے۔ موخر کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں نسی کا معنی ہے ان کے ہاں مہینہ کی حرمت کو دوسرے مہینے میں موخر کر دینا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوٹ مار اور لڑائی جھگڑا والے لوگ تھے۔ جب حرمت والے مہینے آجاتے اور وہ لڑائی میں مصروف ہوتے تو لڑائی کا اسی حالت میں چھوڑنا ان پر گراں گزرتا پس اس مہینے کو لڑائی کیلئے حلال کر لیتے اور دوسرا مہینہ اس کی جگہ حرام کر لیتے۔ یہاں تک کہ اشھر حرم کی حرمت کے ساتھ تخصیص کا بھی انکار کر دیتے۔ پھر وہ سال میں مطلق چار مہینوں کو حرام قرار دیکر گنتی مکمل کرتے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ (کفر میں ترقی ہے) اتنا یہ فعل کفر میں ایک اور اضافہ تھا۔ يُضَلُّ (گمراہ کیے جاتے ہیں) ابوبکر کے علاوہ دوسرے کوفی قراء نے پڑھا ہے۔ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (جس سے کافر) نسی کے ذریعہ اور يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا (وہ اس حرام مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام سمجھتے ہیں) ان میں ضمیر نسی کی طرف راجع ہے یعنی جب وہ ایک مہینے کو اشھر حرام میں سے حلال کر لیتے تو اگلے سال رجوع کر کے دوبارہ اس کو حرام کر دیتے۔ لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کیے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں) تا کہ وہ اس گنتی کی موافقت ثابت کریں اور وہ چار مہینے ہیں وہ اس کی مخالفت نہ کرتے تھے البتہ اس تخصیص کے مخالف تھے جو کہ واجبات میں سے ایک ہے۔ اور لام یحلونہ ویحرمونہ سے متعلق ہے یا یحرمونہ کافی ہے اور یہ ظاہر ہے۔

فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں) یعنی فیحلوا بمواطاۃ العدۃ وحدھا من غیر تخصیص ما حرم اللہ من القتال وہ گنتی کی موافقت کیلئے بغیر تخصیص کے اس چیز کو حلال کر لیں۔ جو قتال اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ نمبر ۲۔ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کیں یعنی مہینہ کو معین طور پر حرام کرنا اس کو انہوں نے حلال کر لیا اور اس کی تخصیص ختم کر دی۔ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ (ان کی بد اعمالیاں ان کی نظر میں مرغوب معلوم ہوتی ہیں) شیطان نے ان کے لئے یہ تزئین کیا کہ برے اعمال کو انہوں نے اچھا سمجھا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیتے) جب تک وہ باطل پر پختگی اختیار کرنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے) زمین پر گرے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی تکلیف کا عذاب دے گا۔ اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو خدا کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھر سے نکال دیا۔ (اس وقت) دو (ہی ایسے شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکرؓ تھے) اور دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔ اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے۔ اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

ترغیب جہاد:

آیت ۳۸: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا (اے ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو) فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ (اللہ کی راہ میں تو تم لگے جاتے ہو) تم بوجھل بنے ہو اس کی اصل تثاقلتم ہے۔ تاء کو ثاء کرکے اس میں ادغام کردیا پھر ہمزہ وصل ابتداء بالسکون کی وجہ سے بڑھا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم سستی کرتے ہو۔ اِلَی الْاَرْضِ (زمین کی طرف) اِلٰی کے ساتھ متعدی کرکے میل واخلاد کا معنی شامل کیا۔ نمبر۲: یعنی تم دنیا اور اس کی شہوات کی طرف مائل ہو۔ اور سفر کی صعوبتیں اور تھکاوٹیں ناپسند کرتے ہو۔

نمبر۳: تم اپنے گھروں اور زمینوں میں رہنے کی طرف مائل ہو۔ یہ غزوہ تبوک کا موقع تھا جب تنگدستی کے زمانہ میں سفر جہاد

کا حکم دیا گیا سفر دور دراز علاقے کا نہایت گرمی، حاجت قحط، مسلح کثیر تعداد میں دشمن ہیں ایسے حالات میں بعض مسلمانوں پر یہ گراں
گزرا۔ آپ نے جس غزوہ میں نکلنے کی دوسری طرف کا اخفاء فرمایا صرف غزوۂ تبوک میں صاف بتلا دیا تاکہ پوری تیاری کر سکیں۔ اَرَضِیْتُمْ
بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ (کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو پسند کر لیا) آخرت کے بدلے فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ (پس دنیوی زندگی کا نفع آخرت کے مقابلے میں) آخرت کے مقابلہ میں اِلَّا قَلِیْلٌ (مگر بہت قلیل
ہے)۔

بوجھل پن پر اظہار ناراضی:

آیت ۳۹: اِلَّا تَنْفِرُوْا (اگر تم نہ نکلو گے) جہاد کی طرف یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ
شَیْئًا (تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے) اس میں
بوجھل پن پر ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے ان کو دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی اور اس کو مطلق ذکر کر کے دونوں جہانوں کے عذاب
میں عام کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور ان کی جگہ اور لے آئے گا۔ جو ان سے بہتر اور زیادہ مطیع ہوں گے اور اس کو
اپنے دین کی۔ اس لئے اس کی تعالیٰ کی تنزیہ اور ان کا یہ بوجھل پن اس کے دین کو قطعاً متاثر نہ کر سکے گا۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ تَضُرُّوْهُ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا آپ کی
نصرت کا وعدہ ہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) سزا دینے اور ان کی جگہ دوسرا
لانے میں قَدِیْرٌ (قادر ہے)

نصرت دین کرو ورنہ اللہ تمہاری نصرت کا محتاج نہیں:

آیت ۴۰: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ (اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے) پس عنقریب اس کی وہ مدد کرے گا۔ جس نے
اس کی اس وقت مدد کی جبکہ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جیسا کہ اس ارشاد: فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ (تو اللہ آپ کی مدد کر چکا ہے) سے
سے ظاہر کر دیا کہ وہ مستقبل میں بھی امداد کرے گا۔ جیسا اس وقت میں امداد کی۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (جس وقت جبکہ کافروں
نے آپ کو جلاوطن کر دیا تھا) اس میں اخراج کی نسبت کفار کی طرف کی گئی کیونکہ کفار نے جب نکالنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو نکلنے کا حکم دیا گویا کہ انہوں نے نکالا۔

واقعہ ہجرت:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ (جبکہ دو آدمیوں میں سے ایک آپ تھے) دو میں سے ایک جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ثالث ثلاثة (المائدہ: ۷۳) اور وہ
دونوں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔
نحو: حال کی وجہ سے منصوب ہے۔ اِذْ هُمَا (جس وقت کہ دونوں) یہ اذ اخرجه سے بدل ہے۔ فِی الْغَارِ (غار میں
تھے) ثور کے بلند حصہ میں غار ہے مکہ سے ایک گھنٹہ کے سفر پر مکہ سے دائیں جانب ثور پہاڑ ہے۔ اسی میں تین دن قیام رہا۔ اذ

يَقُوْلُ (جبکہ آپ فرما رہے تھے) یہ دوسرا بدل ہے۔ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (اپنے ساتھی سے تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے) نصرت وحفاظت کے ساتھ۔

یہ بھی کہا گیا کہ مشرکین نے غار کے اوپر پہنچ کر جھانکا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا تو عرض کی اگر آج آپ پکڑے گئے تو اللہ تعالیٰ کا دین ختم ہو جائے گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ ما ظنك باثنين الله ثالثهما (بخاری ومسلم کے الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں۔) ایک قول یہ ہے کہ جب آپ غار میں داخل ہو چکے تو دو کبوتر اللہ تعالیٰ نے بھیجے۔ انہوں نے اس کے نچلے جانب انڈے دے دیئے اور مکڑی کو بھیج دیا۔ اس نے جالا تن دیا۔ (بزار) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللّٰھم اعم ابصارھم (ان کی نگاہ سلب کر) وہ غار کے گرد چکر لگا رہے تھے مگر ان کو نظر نہ آ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے آپ کی حفاظت فرمائی۔

علماء کا قول:

جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس سے کلام اللہ کا انکار لازم آتا ہے۔ اور بقیہ صحابہ کیلئے یہ نہیں (کیونکہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ بھی ظاہر ہے فافہم)

نزولِ سکینہ:

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ (پس اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی نازل فرمائی) جو آپ کے قلب اطہر میں امن ڈالا گیا جس سے اس موقع پر سکون حاصل ہوا اور آپ نے جانا کہ دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ عَلَیْہِ (آپ پر) یا نبی اکرم ﷺ پر یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کیونکہ وہی آپ کے متعلق ڈر رہے تھے۔ اور آپ تو پرسکون تھے۔ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا (اور آپ کو اپنے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا) نمبر۱۔ وہ فرشتے تھے جنہوں نے کفار کے چہروں اور آنکھوں کو آپ کی طرف دیکھنے سے پھیر دیا۔ نمبر۲۔ بدر، احزاب میں فرشتوں سے امداد فرمائی اور اسی طرح حنین کے دن۔ وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا (اور کافروں کی بات کو کر دیا) یعنی کفر کی طرف ان کی دعوت کو السُّفْلٰی (نیچا) وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ (اور اللہ ہی کا بول) اسلام کی طرف دعوت ھِیَ الْعُلْیَا (وہ اونچا) ھِیَ ضمیر فاصل ہے۔ یعقوب نے کلمۃ اللّٰہ نصب سے پڑھا عطف کی بناء پر اور رفع کی صورت میں جملہ مستانفہ ہے اور یہ بہتر ہے کیونکہ وہ اسی وقت سے لے کر اب تک بلند ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ (اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے) اپنی مدد سے اہل حق کو عزت دیتا ہے۔ حَکِیْمٌ (حکمت والا ہے) اہل شرک کو اپنی حکمت سے ذلیل کرتا ہے۔

إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ

نکل کھڑے ہو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں، اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا

تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو

لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو مسافت دور دراز نظر آئی اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

سامان (اسلحہ اسباب) خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ کی راہ میں نکلو:

آیت ۴۱: اِنْفِرُوْا خِفَافًا (اور تم نکل پڑو تھوڑے سامان سے) اس کی طرف نشاط سے جاؤ۔ وَّثِقَالًا (زیادہ سامان سے) اس کے متعلق مشقت محسوس کرتے ہوئے۔ نمبر۲۔ خفاف جب تمہارے اہل و عیال تھوڑے ہوں اور ثقال اہل و عیال زیادہ ہوں۔ نمبر۳۔ کم مقدار میں اسلحہ ہو یا خوب اسلحہ ہو۔ نمبر۴۔ سوار اور پیدل نمبر۵۔ جوانی و بڑھاپے میں نمبر۶۔ کمزور اونٹوں پر اور موٹے تازے طاقتوروں پر نمبر۷۔ صحت مندی اور مرض کی حالت میں۔

وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (اور جہاد کرو اپنے مال اور جان سے) ان دونوں کے ساتھ جہاد ممکن ہو۔ تو دونوں کے ذریعہ اور اگر ایک سے ممکن ہو تو ایک کے ساتھ جس طرح حالت و ضرورت ہو۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ (مشکل حالات میں) جہاد خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لیے بہتر ہے) اس کے چھوڑنے سے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اگر تم یقین رکھتے ہو) اس کا بہتر ہونا تو پھر اس کی طرف سبقت کرو۔

آیت ۴۲: شانِ نزول: جو منافقین غزوۂ تبوک میں پیچھے چھوڑ دیے گئے ان کے متعلق اتری۔

تذکرۂ تبوک اور بہانہ بازمنافقین:

لَوْ كَانَ عَرَضًا (اگر وہ ہوتا سامان) دنیا کے جو منافع سامنے آئیں کہا جاتا ہے الدنیا عرض حاضر یاکل منہ البر والفاجر۔ یعنی اگر ان کو غنیمت کی طرف دعوت دی جاتی۔ قَرِيْبًا (جلد ہاتھ لگنے والا) آسانی سے میسر ہونے والی۔ وَّسَفَرًا قَاصِدًا (اور سفر بھی معمولی سا ہوتا) درمیانہ قریبی سفر۔ القاصد اور القصد معتدل کو کہتے ہیں۔ لَّاتَّبَعُوْكَ (تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے) اور نکلنے میں آپ کی موافقت کرتے۔ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (لیکن ان کو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی) اور ان پر مشقت مسافت۔ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (یہ ابھی اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے) یہ نبوت کے نشانات میں سے ہے کہ آئندہ پیش آنے والی بات کی خبر دی

لطیف عتاب:

آیت ۴۳: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا) یہ لغزش سے کنایہ ہے کیونکہ عفو اس کے بعد لائے۔ اور یہ لطیف عتاب ہے۔ خطاب میں عفو وصدر کلام میں لائے۔ اس میں آپ ﷺ کی تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ اور کسی پیغمبر کے لئے اس طرح مذکور نہیں۔

آپ ان کو اجازت نہ دیتے تا کہ ان کا سچ جھوٹ سامنے آتا:

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی) یہ اس کا بیان ہے جس کو عفو کے ساتھ کنایۃً ذکر کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے ان کو غزوہ سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جبکہ وہ آپ سے اجازت طلب کرنے آئے اور آپ کے سامنے اپنے بہانے پیش کئے۔ آپ نے اذن میں تاخیر کیوں نہ فرمائی؟ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو معلوم کر لیتے) آپ کے سامنے سچا معذور اور جھوٹا عذر خواہ واضح ہو جاتے۔ ایک قول یہ ہے کہ دو چیزیں تھیں جن کا آپ کو حکم ابھی نہ ملا تھا مگر آپ نے ان کو کیا نمبر ۱۔ منافقین کو اجازت نمبر ۲۔ فدیہ اساریٰ بدر۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام کو اجتہاد جائز ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے یہ اجتہاد سے کیا۔ اور عتاب کی وجہ ترک افضل تھی۔ انبیاء علیہم السلام کو ترک افضل پر بھی عتاب کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے مراتب اعلیٰ ہوتے ہیں۔

مؤمن پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے:

آیت ۴۴: لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا (جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے۔ جہاد کرنے میں) مسلمانوں کی یہ عادت نہیں کہ وہ جہاد سے اعراض کرتے ہوئے آپ سے اجازت طلب کریں۔ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (اپنے مال اور جان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے) ان کے لئے بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

طالبین اجازت منکر آخرت ہیں:

آیت ۴۵: اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (آپ سے وہ لوگ رخصت مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے) یعنی منافقین ان کی تعداد انتالیس ۳۹ تھی۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ (اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں) ان کو اپنے دین میں شک ہے اور اپنے عقیدہ میں وہ مضطرب ہیں۔ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (وہ اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں) وہ حیران ہیں کیونکہ تردد کا معنی شک وشبہ میں پڑنا۔ الثبات کا معنی دلیل سے کسی چیز کا ماننا۔

اگر یہ لوگ سچے ہیں تو کچھ تیاری کرتے:

آیت ۴۶: وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ (اگر وہ چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا سامان درست کرتے) خروج یا جہاد کیلئے

ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس الگ ہو جیسے کہتے ہیں ما زادوکم خیرًا الا خبالًا وہ تمہاری بھلائی میں اضافہ نہ کریں گے مگر فساد کا۔ اس کلام میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے۔ جب مذکور نہ ہو۔ تو اس وقت استثناء کسی بھی چیز سے ہوتا ہے۔ پس استثناء متصل ہے۔ کیونکہ خبال اس کا بعض حصہ ہے۔ وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ (اور وہ تمہارے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے) وہ تمہارے درمیان لڑائی جھگڑے اور چغل خوری کی کوشش کرتے اور باہمی معاملات کو بگاڑتے۔ کہا جاتا ہے وضع البعیر وضعًا جبکہ اونٹ تیز چلے اور اوضعتہ انا مطلب یہ ہے کہ تمہارے درمیان اپنی سواریاں دوڑاتے اور اس سے مراد چغل خوری میں تیزی کرنا ہے۔ کیونکہ سوار پیدل سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔

رسم الخط: ولا اوضعوا الف زائدہ کے ساتھ۔ عربی خط سے قبل فتحہ کو الف کی صورت میں لکھا جاتا تھا اور عربی رسم الخط نزول قرآن کے قریبی زمانہ میں یہی دیکھا۔ اور طبائع میں اس الف کا اثر باقی تھا۔ پس انہوں نے ہمزہ کو الف کی صورت میں لکھ دیا۔ اور دوسرے الف سے اس کو فتحہ دیا اور اس کی دوسری نظیر اَوْلَاَاذْبَحَنَّهٗ (النمل: ۲۱) ہے۔

يَبْغُوْنَكُمُ (تمہارے درمیان) یہ اوضعوا کی ضمیر سے حال ہے۔ الْفِتْنَةَ (فتنہ پردازی کی فکر میں) وہ خواہش مند ہیں کہ تمہیں فتنے میں مبتلا کریں اس طرح کہ تمہارے درمیان اختلاف ڈالیں اور غزوہ کے متعلق تمہاری نیات میں بگاڑ و فساد پیدا کر دیں۔ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (اور تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں) جاسوس ہیں جو تمہاری تمام خبریں ان کو نقل کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب سمجھے گا) مراد منافقین ہیں۔

منافقین کی ایک بڑی سازش:

آیت ۴۸: لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ (انہوں نے فتنہ پردازی کی فکر کی تھی) نمبر۱۔ لوگوں کو منع کر کے۔ نمبر۲۔ تبوک سے واپسی پر گھاٹی کی رات آپ پر اچانک حملہ کرنا چاہا۔ نمبر۳۔ احد کے دن واپس لوٹ کر۔ مِنْ قَبْلُ (اس سے پہلے) غزوہ تبوک سے پہلے وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ (اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے) آپ کے متعلق مختلف حیلے بہانے کئے اور آپ کا معاملہ خراب کرنے کیلئے اپنی آراء سے دین تردید پھیلائے۔ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا) وہ تائید و مدد ہے۔ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ (اور اللہ کا حکم غالب رہا) اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوا اور شریعت کا جھنڈا لہرانے لگا۔ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (اور ان کو ناگوار ہی گزر رہا) ان کی ناپسندیدگی کے باوجود۔

بعض منافقین کا عذر پیش کرنا:

آیت ۴۹: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ (ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھ کو اجازت دے دو اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالو) تو مجھے فتنہ میں نہ ڈال۔ یعنی گناہ میں۔ اس طرح کہ تم مجھے اجازت دے دو تاکہ تیری اجازت کے بغیر پیچھے رہ جانے سے میں گناہ میں مبتلا نہ ہوؤں۔ نمبر۲۔ تم مجھے ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ میرے چلے جانے سے میرے اہل و مال ہلاک ہو جائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ جد بن قیس منافق نے یہ بات کہی۔ کہنے لگا انصار کو معلوم ہے کہ میں عورتوں کا بڑا شوقین ہوں۔ تم

نحو: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

قراءت: حمزہ و علی نے کُرْھًا کاف کی پیش سے پڑھا ہے۔ یہ امر ہے جو خبر کے معنی میں ہے۔

تمہاری کوئی بات قابل قبول نہیں:

مطلب یہ ہے۔ لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ (تم سے کسی طرح قبول نہ ہوگا) ای انفقتم طوعًا او کرھًا تم چندہ دو پسند ہو یا ناپسند جس صورت میں بھی خرچ کرو ہرگز تم سے قبول نہ ہوگا۔ اور دوسری آیت میں اسی طرح فرمایا۔ استغفر لھم او لا تستغفر لھم (التوبہ ۸۰) ان کے حق میں استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

اور ایک شاعر کا یہ قول

أسيئي بنا او احسني لا ملومة ☆ لدينا ولا مقلية ان تقلت

ہم تمہیں ملامت نہ کریں گے تو ہمارے ساتھ بدسلوکی کرے یا احسان سے پیش آئے۔ اور اس کا عکس بھی جائز ہے جیسا اس قول میں۔ رحم اللہ زیدًا اور اس کا معنی ان کی بات قبول نہ کرنا ہے۔ کہ آپ ﷺ ان کی بات قبول نہ کریں۔ بلکہ رد کر دیں۔ یا اللہ اس کو ثواب و بہتری نہ دے (گویا بددعا ہے) طوعًا کا مطلب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لازم کرنے کے بغیر۔ کرھًا کا مطلب لازم کرنے والے ہیں۔ الزام کو کرھًا سے کہا کیونکہ وہ منافق تھے۔ ان کا الزام انفاق تھا جو اکراہ کی طرح ان پر بھاری تھا۔ اِنَّكُمْ (بلاشبہ تم) انفاق کو رد کرنے کی علت ذکر کی۔ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (بلاشبہ تم عدول حکم کرنے والے لوگ ہو) سرکشی کرنے والے اور حدود کو توڑنے والے۔

صدقہ قبول نہ کرنے کی وجہ کفر ہے:

آیت ۵۴: وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ (اور ان کے خیرات قبول ہونے میں اور کوئی چیز مانع نہیں) حمزہ و علی نے یُقْبَلَ یا سے پڑھا ہے۔ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا (مگر یہ کہ انہوں نے کفر کیا) منع کا فاعل ھم ہے۔ اور ان تقبل مفعول ہے۔ مطلب یہ ہے ان کے نفقات کو قبول نہ کرنے کی وجہ ان کا کفر ہے۔ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور وہ نماز نہیں پڑھتے مگر ناگواری سے) کسالٰی جمع کسلان اور وہ ناپسندیدگی سے خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طالب نہیں ہیں۔ نکتہ: پہلی آیت میں طوعًا سے ان کی تعریف کی گئی اور یہاں اس کی نفی کر دی۔ کیونکہ طوع سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لازم کرنے کے بغیر ان کو خرچ کرتے ہیں۔ یا اپنے رضا کی مرضی کے بغیر۔ اور یہ اطاعت بھی اضطراری ہے رغبت و اختیار سے تعلق نہیں۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (اور خرچ نہیں کرتے مگر ناپسندیدگی کے ساتھ)

منافقین کے لئے ان کے اموال باعث عذاب ہیں:

آیت ۵۵: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (پس ان کے اموال اور

اور نا دآپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیوی زندگی میں عذاب میں گرفتار رکھے) الاعجاب بالشیء۔ کسی چیز پر رضامندی والی خوشی ہو اور اس کے حسن پر تعجب ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نمبر۱۔ ان کو جو دنیا کی زینت ملی ہے اس کو مستحسن مت قرار دو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس سے ان کو مصائب کے ساتھ سزا دینا مقصود ہے۔ نمبر۲۔ یہ خیر کے راستوں پر خرچ کروا کر جبکہ اندرونی طور پر یہ نہیں چاہتے۔ نمبر۳۔ ان کے اموال لوٹ کر اور ان کی اولاد کو قید کرکے۔ نمبر۴۔ مال کو جمع کرکے۔ اس سے محبت کرکے اور اس کے متعلق بخل اختیار کرکے اور اس پر خوف ڈال کر ان کو عذاب دیا۔

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (اور ان کی جانیں کفر ہی کی حالت میں نکل جائیں) ان کی روحیں نکلتے وقت۔ الزہوق مشقت سے نکلنا۔ مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے کیلئے اصلح اللہ تعالیٰ پر لازم والا معتزلہ کا عقیدہ باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اطلاع دی ہے کہ منافقین کو مال و اولاد تعذیب اور اماتت علی الکفر کیلئے دیا ہے۔ معاصی بھی اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں کیونکہ ارادہ عذاب خود اس چیز کا ارادہ ہے جس پر اسے سزا دی جا رہی ہے۔ اسی طرح کفر پر مارنے کا ارادہ۔

منافقین کا دعویٰ مسلمانی ڈر کی وجہ سے:

آیت ۵۶: وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ (یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں) اور من جملہ مسلمانوں میں سے ہیں وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں) وہ قتل سے ڈرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں جو مشرکین سے کیا جانے والا ہے۔ پس تقیہ کے طور پر اسلام کو ظاہر کرتے ہیں۔

وہ پناہ گاہ کے متلاشی ہیں:

آیت ۵۷: لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً (اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی) بچنے کیلئے پناہ کی جگہ خواہ پہاڑ کی چوٹی ہو یا قلعہ یا جزیرہ۔ اَوْ مَغٰرٰتٍ (یا غار) غاریں اَوْ مُدَّخَلًا (یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ) سرنگ جس میں گھس سکیں۔ یہ دخل باب سے مفتعل کا وزن ہے۔ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ (تو یہ ضرور اس کی طرف تیزی سے چل دیتے) وہ ضرور اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (اس حال میں کہ منہ اٹھائے ہوئے) وہ اتنی تیزی سے اس کی طرف جائیں گے کہ کوئی چیز ان کو واپس نہ کر سکے گی یہ الفرس الجموح منہ زور گھوڑے سے لیا گیا ہے۔

ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: ولو انهم رضوا لكان خيرًا لهم۔ مطلب یہ ہے اگر وہ اس مالِ غنیمت پر راضی ہو جاتے جو اللہ کے رسول نے ان کو دیا اور دل سے پسند کرتے خواہ تھوڑا حصہ قلیل ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ اس طرح کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہمارے لئے کفایت کرنے والا ہے۔ اور اس کی مرضی ہمارے لئے کافی ہے اور جو ہمیں تقسیم کر کے دے دیا وہ مناسب ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اور مال غنیمت ہمیں عنایت فرما دیں گے اور اس کا رسول ﷺ اس سے بڑھ کر عنایت فرمائے گا جتنا آج ہمیں ملا۔ بیشک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اس بات میں کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں غنیمت عنایت فرمائے گا۔

اگلی آیت میں مالِ صدقات کو خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما دیئے۔

مواقع صدقات کی تفصیل:

آیت ۶۰: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ (صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا) اللہ تعالیٰ نے جنس صدقات کو ان محدود اقسام پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا کہ یہ افراد اس کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف نہ جائیں گے گویا اس طرح فرمایا۔ انما هي لهم لا لغيرهم۔ وہ انہی کے لئے ہیں نہ کہ اوروں کیلئے۔ جیسا کہا جاتا ہے انما الخلافة لقريش اس سے مراد ان سے تجاوز نہ کرے گی اور نہ غیر کو ملے گی۔

البتہ یہ احتمال ہے کہ تمام اصناف میں خرچ کیا جائے یا بعض اصناف میں خرچ کر دینا کافی ہے۔ جیسا کہ احناف کا قول ہے۔ حضرت حذیفہ۔ ابن عباس وغیرہما صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی ہے۔ جس قسم میں بھی تم نے خرچ کر دیا تمہارے لئے کافی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام اصناف میں صرف کرنا ضروری ہے۔ اور یہ عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

فقیر وہ ہے جو سوال نہ کرے کیونکہ اس کے پاس اپنی موجودہ حالت کیلئے کافی ہے۔

مسکین وہ ہے جو سوال کرے کیونکہ اس کے پاس کچھ نہیں یہ پہلے سے حالت میں کمزور تر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس تعریف ہے۔

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا (اور وہ کارکن جو ان صدقات پر متعین ہیں) وہ لوگ جو صدقات کے جمع کرنے پر مامور ہوں۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ (اور ان لوگوں کے لئے جن کی دلجوئی منظور ہو) اشراف عرب جن کے دلوں کی تالیف کیلئے تاکہ اسلام لے آئیں یا جو اسلام لے آئے ہیں وہ اس پر ثابت ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا۔ وَفِي الرِّقَابِ (اور غلاموں کی گردنیں چھڑانے کے لئے) وہ مکاتب جن کو بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے رقم دی جائے تاکہ وہ آزاد ہو جائیں۔ وَالْغٰرِمِيْنَ (اور قرض داروں کے قرضہ کیلئے) جو قرض میں دبے ہوئے ہیں۔ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور خدا کی راہ میں) فقراء غازی یا حاجی جو راستہ میں کٹ گئے ہوں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ (اور مسافروں کیلئے) وہ مسافر جو اپنے مال سے دور پڑا ہے۔

نکتہ: آخری چار میں لام کی بجائے فی لایا گیا ہے۔ تاکہ یہ بتلایا جائے کہ یہ لوگ پہلے لوگوں کی نسبت صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ فی ظرفیت کے لئے ہے۔ اس پر تنبیہ کیلئے کہ یہ بہت ہی زیادہ حقدار ہیں کہ ان میں صدقہ ڈالا جائے اور صدقہ کا مقام ان کو قرار دیا جائے۔ اور فی کی تکرار فی سبیل اللہ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ رقاب ا۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کان ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ کان تمہاری بہتری کے لئے ہیں وہ ایمان

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

لاتے ہیں اللہ پر اور یقین کرتے ہیں مومنین کی بات کا اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے مومن ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ

تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ

وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ

اور اس کا رسول ﷺ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مومن ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو

يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

شخص اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے

غنیمین کے مقابلہ میں ترجیح و فضل حاصل ہے ان صدقات و مستحقین کے تذکرہ کے دوران سے اس آیت کو لا کر یہ دلالت کرنا مقصود ہے کہ مصارف صدقات یہی ہیں اور نہیں۔ اور جب منافقین ان میں سے کسی قسم میں داخل نہیں۔ تو ان کو صدقات سے طمع نہ کرنی چاہیے جب وہ صدقات کا مصرف نہیں تو ان کو کیا حق ہے کیا اور ان کو ان سے کیا تعلق۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اس مال پر مسلط کرے ان کو اس پر اعتراض کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔ مؤلفۃ القلوب کا حصہ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ابتداء میں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ساقط ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عنایت فرمائی اور اس بات سے مستغنی و بے نیاز کر دیا۔

قاعدہ: جب حکم کسی خاص مقصد کی وجہ سے ہو تو اس مقصد کے حاصل ہونے اور ختم ہونے سے خود ختم ہو جائے گا۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ (یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے) یہ فریضۃ کا لفظ مصدر مؤکد کے معنی میں ہے۔ کیونکہ انما الصدقات کا معنی فرض اللہ الصدقات لہم۔ اب فریضۃ اسی کا مصدر لایا گیا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ بڑے علم والے) مصلحت کو حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والے ہیں) تقسیم میں حکمت والے ہیں۔

پیغمبر ﷺ کو یہ کہہ کر ایذا دینے والے کہ یہ "کان" ہے:

آیت ۶۱: وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں آپ تو ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں) الاذن سے مراد ایسا آدمی جو ہر سنی سنائی بات کی تصدیق کر دے۔ اور ہر ایک کی بات کو قبول کرے اور اس ظاہری عضو کو بولتے ہیں جو سننے کا آلہ ہے۔ گویا کہ یہ آدمی صرف کان ہی کان ہے۔ دراصل اس سے

منافقین کو ڈرنا چاہیے۔ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ (کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت اتار دی جائے) کی و بصری قراء نے تُنْزِلَ تخفیف سے پڑھا ہے۔ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ (جو ان کو منافقین کے دل کی بات پر مطلع کر دے) کفر اور منافقت۔ نمبرا۔ اس میں ضمیریں منافقین کی طرف لوٹتی ہیں جب سورت ان کے متعلق نازل ہوتی ہے تو گویا ان پر اترتی ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے قُلِ اسْتَهْزِءُوْا۔ یہ استہزاء کرنے والے منافقین ہی تھے۔ نمبر۲۔ پہلی دو ضمیریں ایمان والوں کی طرف اور تیسری منافقین کی طرف اور یہ درست ہے کیونکہ معنی اس کی طرف لے جاتا ہے۔

امر تہدیدی:

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا (آپ فرما دیں کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو) یہ امر تہدید کیلئے ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ (بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس کا تم اندیشہ کرتے تھے) اس کو ظاہر کرنے والے ہیں جس سے تم ڈر رہے ہو۔ یعنی تمہیں بے نفاق کے ظاہر ہونے کا ڈر ہے۔ چنانچہ منافقین ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے متعلق میں استہزاء کرنے پر محسوس کرتے کہ کہیں وحی نازل ہو کر ان کی رسوائی نہ کر دے۔ یہاں تک کہ بعض کہنے لگے کہ مجھے تو یہ پسند ہے۔ کہ سامنے لا کر سو کوڑے مار لئے جائیں مگر کوئی رسوا کن چیز ہمارے بارے میں نہ اترنے پائے۔

استہزاء پر استغفار اور خوش طبعی کا بہانہ کر دیا:

آیت ۶۵: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ (اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو ضرور کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے) رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ منافقین کی ایک جماعت آپ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ آپس میں کہنے لگے اس شخص کو دیکھو شام کے قلعے اور محلات فتح کرنا چاہتا ہے یہ بعید بہت بعید ہے کہ یہ امید پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کر دیا آپ نے فرمایا احبسوا علی الرکب ان سواروں کو روک کر میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا تم نے یہ بات کی ہے۔ اس پر کہنے لگے۔ یا نبی اللہ! ہم آپ کے متعلق یا آپ کے اصحاب کے متعلق کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ہم ایسی بات میں مصروف تھے۔ جس سے سفر کی مشقت و صعوبت کم ہو۔ یعنی اگر آپ ان سے پوچھیں تم نے یہ کیوں کر کہا۔ تو ضرور یہ جواب دیں گے ہم تو ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آپ ان کو فرما دیں۔

کیا منافقین کو ہنسی مذاق کے لئے اللہ و رسول ہی ملا ہے:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے) نمبرا۔ ان کی معذرت کی کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ بلکہ ان کو اپنے استہزاء کا گویا معترف قرار دیا گیا ہے۔ (کہ استہزاء کا تو تمہیں اعتراف ہے اور اب موقعہ جھوٹ بول کر دو سرا بتاتے ہو؟)

نمبر۲۔ ہمزہ تقریری کو باللہ و آیاتہ الآیۃ پر داخل کر کے ظاہر کر دیا کہ ان کو اپنے استہزاء کا اعتراف تھا۔ کیونکہ یہ ہمزہ ثابت

اور صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ سے گریز کرتے ہوئے

نَسُوا اللّٰهَ (وہ اللہ کو بھول گئے) اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیا یا اس کے ذکر سے غفلت اختیار کی فَنَسِيَهُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کا خیال نہ کیا) ان کو اپنی رحمت و فضل سے محروم کر دیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (بلاشبہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں) وہ کامل فاسق ہیں جس کو کفر میں سرکشی اور ہر بھلائی سے علیحدگی کا نام دینا چاہئے مؤمن کے لئے یہ ڈانٹ کافی ہے کہ اس کے شخص پر اس برے نام کا اطلاق ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی انتہائی قابل مذمت صفت کہہ کر ذکر کیا۔ (سورۂ حجرات کی آیت میں بھی فرمایا (بئس الاسم الفسوق بعد الایمان)

کفار و منافقین ہمیشگی جہنم کے حقدار اور ملعون ہیں:

آیت ۶۸: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے) اس میں ان کے لئے خلود طے ہو چکا۔ هِيَ (وہ) آگ حَسْبُهُمْ (ان کے لئے کافی ہے) اس میں ان کے عذاب کے بہت بڑے ہونے کی دلالت ہے کہ جس پر اضافے کی ضرورت نہیں۔ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ (اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا) ان کی تعذیب کے ساتھ توہین کی چاشنی اور ان کو مذمت میں ملعون شیاطین کے زمرہ میں شامل کر دیا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (اور ان کے لئے لازوال عذاب ہوگا) جو اس جلدی ملنے والی زندگی میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی الگ نہ کیا جائے گا اور وہ۔ نمبر ۱۔ منافقت کی مشقت۔ نمبر ۲۔ مسلمانوں کے خوف سے باطن کا ظاہر کے خلاف ہونا۔ نمبر ۳۔ رسوائی کا ہر گھڑی خطرہ۔ نمبر ۴۔ اسرار پر اطلاع کی صورت میں نزولِ عذاب کی لٹکنے والی تلوار۔

كَالَّذِىْ خَاضُوْا (جیسے وہ گھسے تھے) اس فوج کی طرح جو گھسنے والی ہو یعنی اس گھسنے کی طرح جیسے وہ گھسے۔ الغرض ان کا عمل بیہودہ باطل میں داخل ہونا۔

نکتہ: فاستمتعوا بخلاقہم کو پہلے ذکر کیا گیا حالانکہ استمتع الذین من قبلکم بخلاقہم اس کی جگہ کفایت کرنے والا ہے۔ یہ اس لئے شروع میں لائے تاکہ پہلے لوگوں کا حظوظ دنیا سے لذت اندوز ہونا اور شہوات فانیہ میں مشغول ہونا ظاہر ہو۔ وہ دنیا میں پڑ کر عاقبت کو بالکل بھول گئے اور آخرت کی قطعاً طلب نہ کی پھر کما استمتع لا کر موجود لوگوں کی حالت کو ان کی حالت سے تشبیہ دی۔ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (اور ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے) یہ اس قول کے بالمقابل لائے: وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (العنکبوت: ۲۷) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں) پھر پہلے لوگوں کے حالات ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

پہلی اقوام کی انکو خبریں ملیں مگر عبرت حاصل نہیں کی بلکہ اسی کفر و تکذیب کے سبب وہ ہلاک ہوئے:

آیت ۷۰: اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ (کیا ان لوگوں کو ان کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح علیہ السلام) یہ الذین سے بدل ہے۔ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۔ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ (اور عاد اور ثمود اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور اہل مدین) اہل مدین یہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ (اور الٹی ہوئی بستیاں) قوم لوط کے شہر انتفاکھن ان کی حالت خیر کو شر سے پلٹ دیا۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (کہ ان کے رسول ان کے پاس صاف نشانیاں لے کر آئے سو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا) یہ ٹھیک نہیں کہ اسی نے ان کو ظلم سے ہلاک کیا ہو کیونکہ وہ حکیم ہے بلا جرم سزا نہیں دیتا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) کفر اور تکذیب رسل کے ساتھ۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ

اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ

فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا بے شک اللہ قدرت والا ہے حکمت والا ہے۔ اللہ نے

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ

مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا

طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

وعدہ فرمایا جو ہمیشگی والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مومن مردوں، عورتوں پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی:

آیت ۷۱: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں) تا مرد ترجم میں يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (وہ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں) اطاعت و ایمان کے ذریعہ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں) شرک اور معصیات وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا) سین لائی گئی جو بہر صورت وجود رحمت کا وعدہ دے رہی ہے۔ اس سے وعدے کی تاکید کر دی جیسا کہ وعید میں یہ سین وعید کی تاکید کیلئے آتی ہے مثلاً سانتقم منک ہو گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ (بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے) ہر چیز پر غالب ہے قادر ہے ثواب و عتاب دے سکتا ہے حَكِيْمٌ (حکمت والا ہے) ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے والا ہے۔

ان سے ہمیشہ کی جنت کا وعدہ:

آیت ۷۲: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً (اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا) جن میں زندگی خوب گزرے گی۔ حضرت حسن بیان کرتے ہیں موتیوں کے محلات، یاقوت احمر

کے مریتے عقائد کو فاسد ظاہر کرتا رہا۔ ان میں سے جو ساتھ تھے وہ ان آیات کو سنتے رہے ان میں سے ایک جلاس بن سوید تھا۔ اس نے آیات کو سن کر کہا اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بات ہم پیچھے رہ جانے والے سرداروں کے متعلق درست ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ اس پر عامر بن قیس انصاری ؓ نے جلاس کو کہا کیوں نہیں محمد ﷺ صادق المصدوق ہیں۔ اور تو گدھے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے جلاس کو بلایا۔ تو وہ جھوٹی قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات نہیں کی۔ اس پر عامر ؓ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اللھم انزل علی عبدک و نبیک تصدیق الصادق و تکذیب الکاذب
پھر یہ آیت اتری۔

منافقین کا کلمہ کفر:

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ (وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کی حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی تھی) نمبر۱۔ یہ کلمہ ان کان ما یقول محمد حقا لنحن شر من الحمیر۔

جلاس کی توبہ:

نمبر۲۔ استہزاء کے کلمات۔ اس پر جلاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں نے یہ کلمات کہے ہیں عامر نے سچ کہا ہے جلاس تائب ہو گیا اور آئندہ اس کی توبہ پکی رہی۔ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے) اسلام کے اظہار کے بعد کفریہ کلمات کا اظہار کیا۔

نکتہ: اس میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ ایمان و اسلام ایک چیز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفروا بعد اسلامھم۔ اسلام کے انکار کو کفر قرار دیا جیسا کہ ایمان کا انکار کفر ہے۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا (اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی) نمبر۱۔ حضرت محمد ﷺ کو قتل کا منصوبہ نمبر۲۔ عامر کو قتل کا منصوبہ کیونکہ انہوں نے جلاس کا راز کھول دیا۔ نمبر۳ عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کا منصوبہ تیار کیا اگرچہ رسول اللہ ﷺ پسند نہ کریں۔

کیا یہ احسان کا بدلہ ہے:

وَمَا نَقَمُوْا (اور انہوں نے یہ صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے) انہوں نے عیب نہیں لگایا اور اپنی حرکت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق اپنی سے مالدار کر دیا) یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت تنگی والی زندگی گزار رہے تھے۔ نہ گھوڑوں پر سواری نہ حصول غنیمت۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد مالدار ہو گئے۔ جلاس کا غلام قتل ہو گیا آپ ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم دلوائی جس سے وہ مالدار ہو گیا۔

دعوت توبہ:

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا (پس اگر وہ توبہ کریں) منافقت سے بلکہ تائب ہوں۔ يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (ان کے لئے بہتر ہوگا) یہ بیعت کا وہ حصہ ہے جس پر جلاس کا نصیب جاگ اٹھا اور وہ مخلصانہ تائب ہو گیا۔ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا (اور اگر یہ روگردانی کریں) نفاق پر اصرار کریں۔

وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِن فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرما دیا تو ہم ضرور ضرور صدقات دیں گے اور ضرور ضرور ہم نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے

فَلَمَّآ اٰتٰىهُم مِّن فَضْلِهٖ بَخِلُوا بِهٖ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۷۶﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرما دیا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے روگردانی کر گئے۔ سو اللہ نے اس دن تک جبکہ اللہ سے ملاقات

فِي قُلُوبِهِمْ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿۷۷﴾

ہوگی ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۷۸﴾

کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے

یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا) دنیا میں قتل اور آخرت میں آگ۔ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ (اور ان کا دنیا میں نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار) جو ان کو عذاب سے نجات دلا سکے۔

آیت ۷۵: وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ (اور ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں) روایت میں ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نے کہا یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عنایت فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ثعلبہ! قلیل مال جس کا شکر یہ ادا کیا جائے وہ اس کثیر سے بہت بہتر ہے جس کے شکریہ کی طاقت نہ ہو۔ اس نے درخواست کا اعادہ کیا اور کہا جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دے دیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق دوں گا۔ آپ نے دعا فرما دی۔ اس نے بکریاں خریدیں وہ اس طرح بڑھیں جیسے کیڑے بڑھتے ہیں یہاں تک کہ مدینہ میں اس کی اپنی جگہ تنگ ہو گئی۔ پس اس نے وادی میں جا کر ڈیرہ لگا دیا اور جمعہ و جماعت سے منقطع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو بتلایا گیا کہ اس کا مال اس قدر بڑھ گیا ہے کہ وادی میں وہ سما نہیں سکتا۔ تو آپ نے فرمایا یا ویح ثعلبة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وصول کرنے والوں کو بھیجا۔ لوگوں نے اپنے صدقات ان کو دیے۔ ثعلبہ کو بھی انہوں نے صدقہ کیلئے کہا تو کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے مجھ ان کو کیا واپس جاؤ تا کہ میں اپنی رائے قائم کرلوں۔ جب وہ واپس لوٹے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پہلے کہ وہ دونوں تم سے کوئی بات کرتے۔ یا ویح ثعلبة یا ویح ثعلبة پس یہ آیت اتری۔ پھر ثعلبہ صدقہ لے کر آیا۔ تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس صدقہ لے کر آیا۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں صدقہ لایا

انہوں نے منظور نہ کیا۔ خلافت عثمانی میں وہ مر گیا۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مگر اس کی اسناد میں اس قدر ضعف ہے کہ قابل حجت نہیں۔ یہ واقعہ اگر کثرت سے نقل ہوتا چاہیے تھا جبکہ احادیث کی کتابوں میں روایت اتفاقاً ان کا بھی نہیں ملتا۔ فافہم وتدبر)

لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ (کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمادے) لَنَصَّدَّقَنَّ (تو ہم خوب خیرات کریں) ہم صدقہ ضرور نکالیں گے۔ نصدق فی الاصل میں نتصدق تھی ہے تا کو صاد میں ادغام کر دیا کیونکہ دونوں میں قرب مخرج پایا جاتا ہے۔ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور ہم خوب نیک کام کیا کریں) صدقہ نکال کر۔

مال ملا تو بخل کرنے لگے:

آیت ۷۶: فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دے دیا) اللہ تعالیٰ نے ان کو دے دیا اور انہوں نے اپنی تمنا پالی۔ بَخِلُوْا بِهٖ (تو وہ اس میں بخل کرنے لگے) انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق روک لیا اور وعدہ وفائی نہ کی۔ وَتَوَلَّوْا (اور روگردانی کرنے لگے) اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اور وہ تو روگردانی کے عادی ہیں) اعراض پر ان کا اصرار قائم رہا۔

پھر جب مال سے نفاق دل میں گھر کر گیا:

آیت ۷۷: فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا) بخل نے ان کے دلوں میں نفاق کو پختہ کر دیا کیونکہ نفاق کا وہی سبب بن گیا۔ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ (جو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے دن تک رہے گا) اپنے عمل کی سزا پائیں گے وہ دن قیامت کا ہے۔ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف ورزی کی اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو صدقہ و صلاح کا وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی تو جھوٹے ثابت ہو گئے۔ اسی لئے وعدہ خلافی کو نفاق کا تیسرا حصہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تو ان کی سرگوشیوں سے بھی واقف ہے:

آیت ۷۸: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا (کیا ان کو خبر نہیں) وہ منافقین اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ (کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز معلوم ہے) وعدہ کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں جو نفاق کا پختہ ارادہ چھپایا ہوا ہے۔ وَنَجْوٰىهُمْ (اور ان کی سرگوشی بھی) دین کے متعلق جو طعن اپنی خفیہ مجالس میں کرتے ہیں۔ اور صدقات کو جزیہ کہتے ہیں۔ اور اس کو روکنے کی تدابیر اور بہانے کرتے ہیں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں) اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

آیت ۸۰: جب عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی میرا والد بیمار ہے اس کے لئے استغفار فرما دیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

عبداللہ بن ابی کے لئے استغفار کی ممانعت:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ خواہ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں) یہ امر خبر کے معنی میں ہے گویا اس طرح فرمایا گیا لن یغفر اللہ لہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا آپ نے ان کے لئے استغفار کر دیا یا نہیں کیا۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (اگر آپ ان کے لئے استغفار کریں گے ستر مرتبہ بھی تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا) سبعون کا عدد اہل عرب کے ہاں کثرت بیان کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ تحدید و غایت کیلئے یہاں نہیں لایا گیا۔ اس لئے کہ اگر آپ ساری زندگی ان کے لئے استغفار کرتے تب بھی ان کے لئے معافی نہ تھی کیونکہ وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ کافر کی بخشش نہیں فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے استغفار کے اندر مبالغہ کیا تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہ فرمائیں گے۔

نکتہ: سبعین کا تذکرہ بہت سی روایات میں آیا ہے۔ وہ تمام روایات کثرت پر دلالت کرتی ہیں تحدید و تعیین کو بیان نہیں کرتیں۔ تمام اعداد میں ستر کا عدد منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عدد دو قسم کے ہیں نمبر۱۔ قلیل۔ نمبر۲۔ کثیر۔ قلیل تین سے کم ہوتا ہے اور کثیر تین سے اوپر تمام عدد کثیر ہیں۔ سب سے چھوٹا عدد تین ہے اور بڑے کی کوئی حد نہیں۔ پھر عدد کی ایک تقسیم ہے۔ نمبر۱۔ عدد طاق۔ نمبر۲۔ عدد جفت۔ سب سے پہلا جفت ۲ دو ہے۔ اور سب سے پہلا طاق ۳ تین ہے۔ اور ایک عدد نہیں۔ ان دونوں قسموں کی مکمل جمع کثرت سات ہے کیونکہ اس میں ۳ ایک طاق دو تین جفت ہیں اور دس کامل حساب ہے۔

کیونکہ دس سے بڑھ کر تو اعداد کی اضافت عشرہ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ احد عشر اثنا عشر بیس تک۔ اور عشرات میں عشرہ کو دو مرتبہ لایا گیا۔ ثلاثون میں تین مرتبہ دس کو دہرایا گیا۔ اسی طرح سو تک۔ پس ستر کا عدد کثرت اور تنوع کو جامع ہے۔ اور کثرت اسی سے ہے۔ اور کامل حساب اور کثرت اسی سے ہے۔

گویا کہ یہ حساب اور کثرت دونوں کو اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا۔ اس لئے اہل عرب نے سبعون کو کثیر عدد میں سب سے کم درجہ کا عدد ہر بات کا لحاظ کر کے شمار کر لیا۔ کثرت کی تو کوئی انتہا نہیں۔ پس سبعین کی تخصیص حکمت بالغہ کی بنا پر ہے وللہ الحمد۔ ذٰلِكَ (یہ) مغفرت سے ناامیدی کی طرف اشارہ ہے۔ بِاَنَّهُمْ (اس وجہ سے ہے) اس سبب سے کہ وہ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا) کفار کیلئے مغفرت نہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے) وہ ایمان سے نکلنے والے ہیں جب تک کہ کفر و سرکشی کو اپنے لئے منتخب کرنے والے ہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پیچھے رہ جانے والے تھے وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں اور

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ

جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ

كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ لوگ سمجھتے۔ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو یہ کرتے تھے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف مدینہ لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز کبھی

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا

میرے ساتھ نہ نکلو گے اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے۔ سو تم پیچھے رہ جانے والوں کے

مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ساتھ بیٹھے رہو۔

تخلف جہاد پر منافقین کی خوشی:

آیت ۸۱: فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ (پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے) نمبر ۱۔ وہ منافقین جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور ان کو اجازت دے دی گئی اور غزوۂ تبوک میں ان کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ نمبر ۲۔ جو لوگ سستی سے پیچھے رہ گئے اور ان کو نفاق اور شیطان نے اس بات پر آمادہ کیا۔ بِمَقْعَدِهِمْ (اپنے بیٹھ رہنے پر) غزوہ میں نہ جانے کی بناء پر خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں یہ مفعول لہ یا حال ہے ای قعدوا لمخالفة یا مخالفین لہ وہ مخالفت کی وجہ سے بیٹھ رہے یا اس حال میں بیٹھ رہے کہ وہ آپ کی مخالفت کرنے والے تھے۔ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور ان کو ناگوار ہوا کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کریں) انہوں نے وہ نہ کیا جو مسلمان کرتے ہیں۔ اپنی جان اور مال کو قدرت بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں۔ اور وہ اس کو پسند کیوں نہ کرتے۔ جبکہ ان میں ایمان اور یقین کے دواعی میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور ان میں سے جو کوئی شخص مر جائے آپ اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ

يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

استہزائی جملے:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (اور کہنے لگے تم گرمی میں جہاد کیلئے نہ نکلو) یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو کہا نیز۔ مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کیلئے کہا۔ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے) اس میں ان کی جہالت کو واضح کیا کہ ایک گھڑی کی مشقت سے جو اپنے کو بچائے اور اس کی وجہ سے ہمیشہ کی مشقت میں مبتلا ہو جائے وہ تو عقلمند کیا اجہل الجاہلین میں سے ہے۔

آیت ۸۲: فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (پس یہ ہنسیں گے تھوڑا اور روئیں گے بہت) وہ دنیا میں اپنے پیچھے رہنے پر ذرا سی خوشی منالیں آخرت میں ان کو اس کی سزا میں بہت رونا پڑے گا۔

نکتہ: یہاں خبر کو امر کے انداز سے ذکر کر کے اس کا حتمی اور لازمی ہونا بتلایا کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ پیش آئے گی۔ روایت میں ہے کہ منافقین آگ میں دنیا کی عمر کی مقدار روتے رہیں گے ان کے آنسو کٹنے نہ پائیں گے اور نہ ہی پلک جھپک کیلئے نیند کریں گے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے) نفاق سے جو کماتے تھے۔

آیت ۸۳: فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ (پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لائے) اللہ تعالیٰ آپ کو تبوک سے واپس لے جائیں۔ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ (ان کے کسی گروہ کی طرف) یہاں طائفہ فرمایا اسلئے کہ بعض نے توبہ کر لی اور بعض طبعی موت مر گئے۔ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ (پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں) غزوہ تبوک کے بعد والے غزوہ میں فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا (تو آپ فرما دیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ نکلو گے) قراءت: حمزہ، علی، ابوبکر نے یاء کے سکون سے معی پڑھا ہے۔ وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (اور نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے لڑو گے) اس سے نفی پڑھا۔ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ (تم نے پہلی بار بیٹھے رہنے کو پسند کیا) پہلی مرتبہ جب آپ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (پس تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو) ان کے ساتھ جو عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

آیت ۸۴: عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ بن ابی کے متعلق درخواست کی کہ آپ میرے باپ کے کفن کیلئے اپنی قمیص مبارک مرحمت فرمائیں اور اس پر نماز جنازہ ادا فرمائیں۔ آپ نے قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ سامنے آئے تو آپ نے فرمایا مجھے اجازت

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

لیکن رسول اللہ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

جن کے لئے خوبیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور دیہاتوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے

وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا

جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے، جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریضوں

عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ

اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خلوص دل سے

وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

خیر خواہ ہوں، محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے، اور ان

کی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں) ان لوگوں کے ساتھ جن کو رہ جانے کیلئے صرف اجازت ہی کا عذر ہے۔

وہ خانہ نشینی کے خواہاں ہیں: آیت ۸۷: رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ (یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے) الخوالف سے عورتیں مراد ہیں اس کی واحد خالفہ ہے۔ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی) کفر و منافقت کو اختیار کرنے کی وجہ سے مہر کر دی گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (پس وہ نہیں سمجھتے) جہاد میں کیا سعادت مندی اور کامیابی ہے اور پیچھے رہنے میں کیا شقاوت و ہلاکت ہے۔

رسول اور مومن جہاد کرنے والے ہیں:

آیت ۸۸: لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایمان والے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا) اگر یہ لوگ نہیں گئے تو ان سے بہتر لوگ تو غزوہ کیلئے